تالیف
علامہ عبدالستار عاصم

بسم الله الرحمن الرحيم

حیاتِ قائداعظم محمد علی جناح پر مکمل، مستند انسائیکلوپیڈیا

جہانِ قائدؒ

جلد دوم

تحقیق و تالیف

علامہ عبدالستار عاصم

مجلس مشاورت

ڈاکٹر مجید نظامی، ڈاکٹر عبدالقدیر خان، بانو قدسیہ
ڈاکٹر محمد اجمل خان نیازی، رانا عامر رحمٰن

قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل لاہور

بینک سٹاپ والٹن روڈ لاہور کینٹ پاکستان

انتساب

ملے گا منزل مقصود کا اسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ
(علامہ اقبالؒ)

پاکستان کو ناقابل تسخیر، ترقی یافتہ اور مستحکم بنانے کے لئے
ہمہ وقت اپنی آنکھوں کا چراغ روشن رکھنے والے

جناب میاں **محمد نواز شریف** وزیراعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان

میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
نہیں ہے بندۂ حر کے لئے جہاں میں فراغ
(علامہ اقبالؒ)

صبح و شام قوم کی خدمت میں مصروف عمل

جناب میاں **محمد شہباز شریف**

وزیراعلیٰ پنجاب

کے نام

انتساب

افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن

(علامہ اقبالؒ)

ہر حاکم وقت کے روبرو کلمہ حق کہنے والے آزاد مرد مومن

آبروئے صحافت **جناب ڈاکٹر مجید نظامی**

ایڈیٹر نوائے وقت
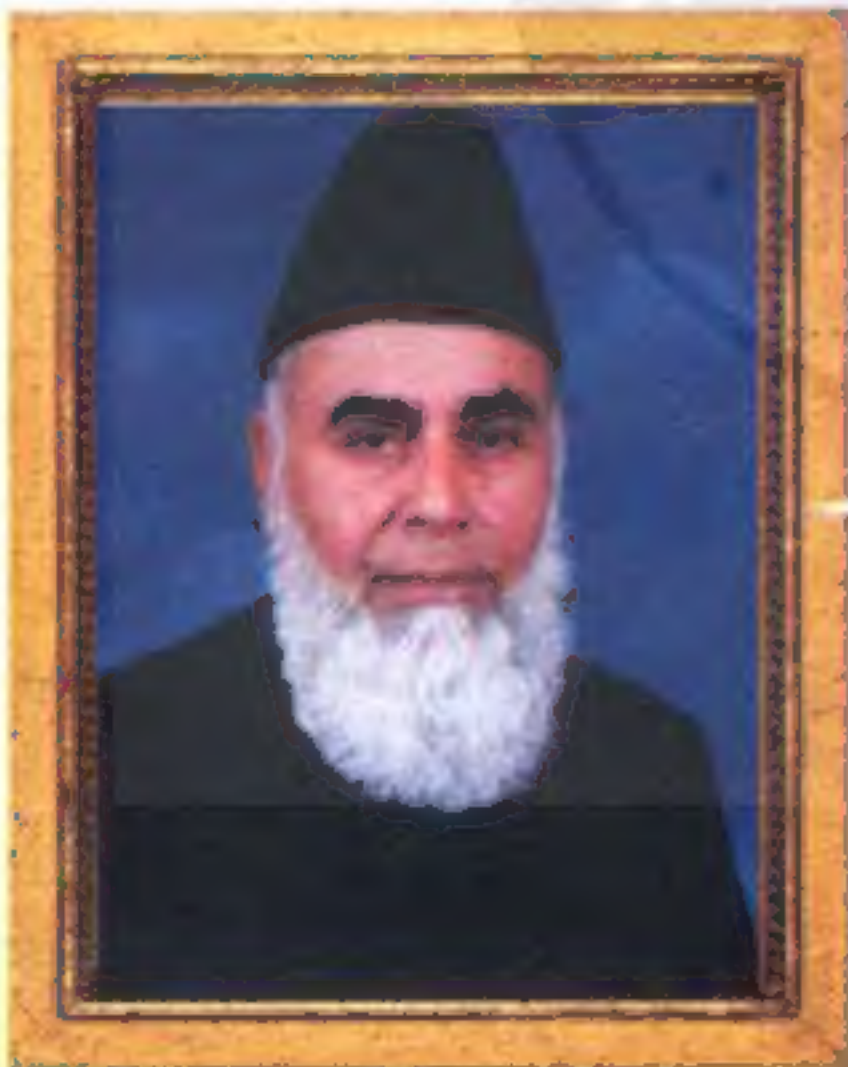
ازل سے فطرتِ احرار میں ہے دوش بدش
قلندری و قباپوشی و کلہ داری

(علامہ اقبالؒ)

پاکستانی سیاست کے مرد قلندر، نظریاتِ قائد کے بے باک مبلغ

جناب محمد رفیق تارڑ

چیئرمین نظریہ پاکستان ٹرسٹ

کے نام

انتساب

عشق و مستی نے کیا ضبط نفس مجھ پہ حرام
کہ گرہ غنچے کی کھلتی نہیں بے موجِ نسیم (علامہ اقبالؒ)

عالی دماغ معشیت دان

جناب محمد اسحاق ڈار

وفاقی وزیر خزانہ حکومت پاکستان

نفس مشک افشاں بہاروں سے بڑھ کر
جبین درخشاں ستاروں سے بڑھ کر (علامہ عاصم)

عظیم تر باپ کے عظیم سپوت، عوام کے محبوب

جناب مجتبیٰ شجاع الرحمٰن صوبائی وزیر خزانہ پنجاب

عجب نہیں کہ بدل دے اسے نگاہ تیری
بلا رہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا (علامہ اقبالؒ)

محنت، دیانت، ذہانت، صداقت سے
ایک بزنس ایمپائر قائم کردینے والے

جناب صدرالدین ہاشوانی

کے نام

انتساب

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

(علامہ اقبالؒ)

انسانیت سے محبت میں سرشار کئی جستیں لگا
کر کئی مرتبہ بے کراں ملکی مسائل کو حل کر دینے والے

جناب ملک ریاض حسین

چیئرمین بحریہ ٹاؤن

کے نام
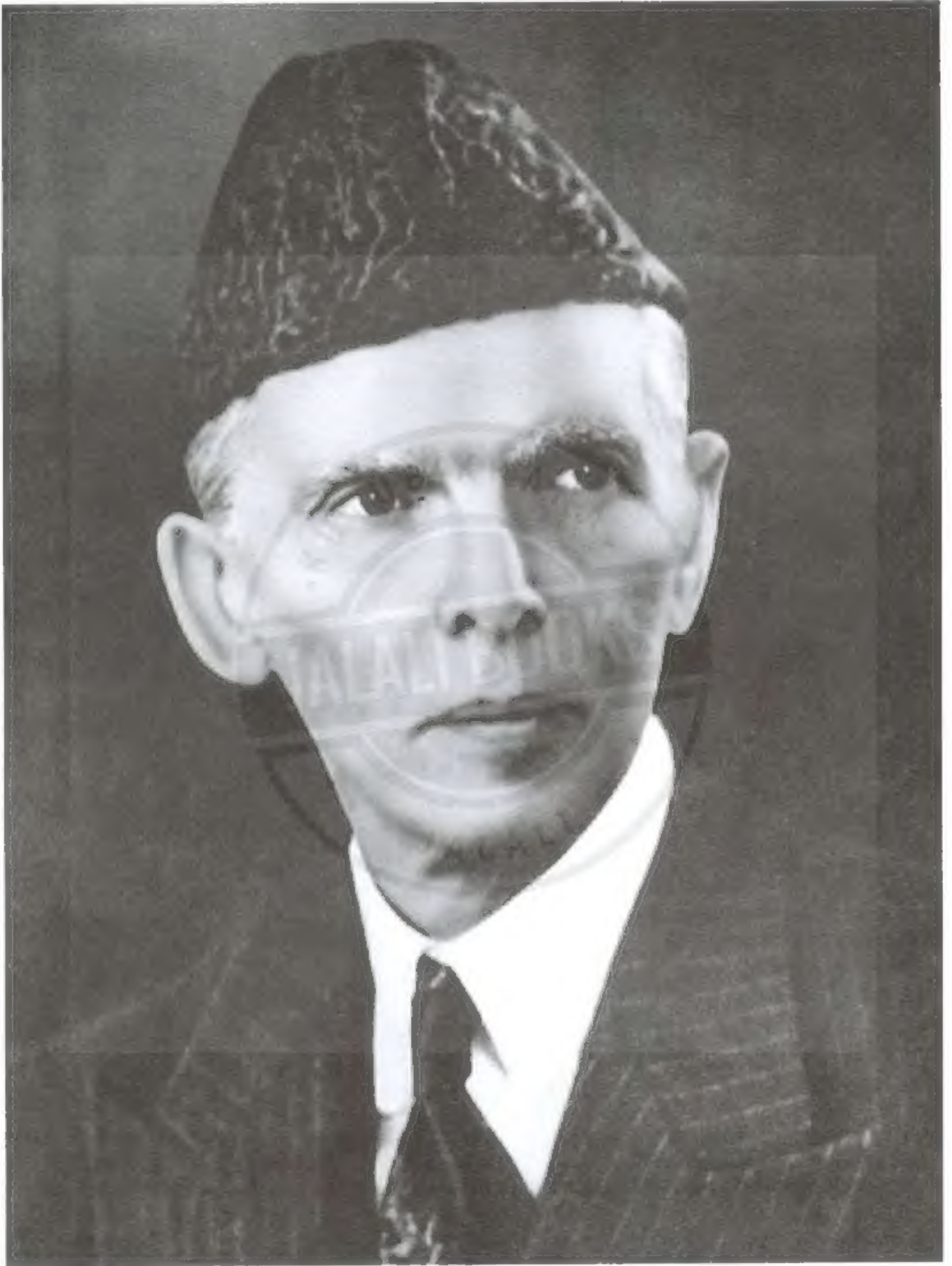
پابندیٔ وقت

قائداعظم محمد علی جناح کی کامیابی کا راز وقت کی پابندی تھا۔ وہ ہر کام وقت پر کرتے تھے۔ کھانا، پینا، سونا ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر تھا۔ ایک مرتبہ ان کا ہیئر ڈریسر پانچ منٹ لیٹ آیا تو انہوں نے یہ کہہ کر شیو کروانے سے انکار کر دیا:

''اس سے میرے تمام پروگرام میں اثر پڑے گا۔''

ایک دفعہ ان کے معالج ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش معائنہ کے لیے چند منٹ لیٹ پہنچے تو قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''ڈاکٹر! میں اپنے ڈاکٹر سے وقت کی پابندی کی امید رکھتا ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نہ صرف خود وقت کی پابندی کرتے تھے، بلکہ دوسروں سے بھی اس پابندی کی توقع کرتے تھے۔ وہ وقت کا ضیاع کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد سٹیٹ بنک کی افتتاحی تقریب میں آپ بحیثیت مہمان خصوصی مقررہ وقت پر تشریف لائے، لیکن وزیراعظم لیاقت علی خان اور دیگر وزراء اور اعلیٰ سرکاری حکام بروقت نہ پہنچے، جس کی وجہ سے پہلی قطار کی کئی ریزرو کرسیاں خالی تھیں، یہ دیکھ کر قائداعظم محمد علی جناح کا چہرہ سرخ ہو گیا، آپ نے کارروائی شروع کرنے کے حکم کے ساتھ ہی فرمایا:

''تقریب گاہ میں موجود تمام خالی کرسیاں اٹھا لی جائیں تاکہ جو لوگ بعد میں آئیں انہیں کھڑا رہنا پڑے، اور آئندہ انہیں پابندیٔ وقت کا خیال رہے۔''

فوراً حکم کی تعمیل کی گئی۔ تقریب کے شروع ہونے کے کچھ دیر بعد جب وزیراعظم لیاقت علی خان اور دیگر وزراء آئے تو سب کھڑے رہے، اور کسی کو ان کے لیے کرسی لانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد سب وزراء کو عبرت ملی، اور وہ سرکاری تقریبات میں وقت پر پہنچنے لگے۔

ایک بہت مشہور اخبار کے نمائندے کو جو پریس کانفرنس ختم ہونے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کو علیحدہ لے جا کر سوال پوچھنا چاہتا تھا۔ آپ نے یہ الفاظ کہہ کر وقت کی قدر کا احساس دلایا:

''مسٹر آپ اپنے وقت کی قدر کریں، اب پریس کانفرنس ختم ہو چکی ہے۔''

پاپڑ

(دیکھیے: مرغوب غذا)

پاتھ وے ٹو پاکستان (شاہراہِ پاکستان)

یہ ممتاز سیاست دان چودھری خلیق الزمان کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مارچ 1934ء میں قائداعظم محمد علی جناح سے دہلی کے سیسل ہوٹل میں اپنی ملاقات کا ذکر بیان کیا ہے جہاں راجا سلیم پور نے دعوت دی تھی۔

اس ملاقات کا ذکر انگریزی کتاب میں نہیں ملتا، تاہم اس کے ترجمہ شدہ اردو ایڈیشن میں اسے شامل کیا گیا ہے۔

پارٹر، لارڈ بشپ آف لاہور

قائداعظم محمد علی جناح 21 فروری 1936ء کو جب ٹاؤن

ہال لاہور میں تشریف لائے تو وہاں ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں کے قائدین نے مشترکہ طور پر قائداعظم محمد علی جناح کا خیر مقدم کیا اس موقعہ پر لاہور کے لارڈ بشپ پارتر نے خطبہ استقبالیہ پڑھا۔ اس خطبہ میں لارڈ بشپ نے اس توقع کا اظہار کیا:

''قائداعظم اپنے حسن تدبیر سے شہید گنج کی گتھی کو سلجھانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

پارسی

قائداعظم محمد علی جناح نے 28 دسمبر 1937ء کو آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''کانگریس اور لیگ کے درمیان اہم اور بنیادی فرق یہ ہے کہ ان کی رائے میں اقلیتوں کے مسائل کا کوئی وجود نہیں۔

پارلیمانی حکومت کی کامیابی کے لیے ایک طاقتور اور فعال حزب اختلاف کی موجودگی ضروری ہے، یعنی ایک ایسی اکثریت کے مقابلے میں جہاں ووٹروں کی بیشتر تعداد یعنی تقریباً 80، 90 فی صد لوگ بطور ہندو، مسلمان یا پارسی کے ووٹ نہ دیں، بلکہ ملک کے شہری ہونے کی حیثیت سے ووٹ دیں۔''

پارسی زرتشت کو اپنا پیغمبر تسلیم کرتے ہیں اور آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ پارسی پاکستان میں کراچی میں سکونت پذیر ہیں۔

پارک لین ہوٹل

یہ لندن کا مشہور ترین ہوٹل ہے جہاں قائداعظم محمد علی جناح اکثر کھانا کھانے کے لیے تشریف لے جاتے۔

پارلیمنٹری وفد

◆ وزیر ہند نے 4 دسمبر 1945ء کو دارالامرا میں بیان دیا جس میں یہ یقین دلایا:

''انتخابات کے بعد حکومت برطانیہ ضرور کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی قائم کرے گی، اور اس کو اشد ضروری سمجھتی ہے۔''

اس کے ساتھ ہی حکومت برطانیہ نے یہ اعلان بھی کیا:

''ایک پارلیمنٹری وفد ہندوستان بھیجے گی جو پارلیمنٹ کی مختلف پارٹیوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوگا۔ حکومت برطانیہ سے اس وفد کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ یہ نجی حیثیت میں بہ سرپرستی ایمپائر پارلیمنٹری ایسوسی ایشن ہندوستان کے سیاسی لیڈروں سے ملے گی، تاکہ ان کے خیالات سے راست آگاہی حاصل کرے اور باشندگان انگلستان کی یہ خواہش ان سے بیان کرے کہ آزاد شریک کی حیثیت سے ہندوستان کو برطانوی دولت مشترکہ میں وہ مقام حاصل ہوگا جس کا وہ مستحق ہے۔''

آزادی دینے کے لیے آزادی کے اظہار کے ساتھ اس موقع پر وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس نے ہندوستانیوں کو شورش و فساد کے برے نتائج سے بھی متنبہ کیا۔ یہ کانگریس کی دھمکی کا جواب تھا۔

وزیر ہند کی اس تجویز پر 10 دسمبر 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی سے ایک اخباری بیان دیا، جس میں انہوں نے پارلیمنٹری وفد کی مبہم حیثیت پر فرمایا:

''لیبر گورنمنٹ نے بڑی سخت مشقت کے بعد گویا یہ چھوٹا سا چوہا پیدا کیا جس کی حیثیت، مزاج اور فرائض کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ اب ہم دیکھیں گے کہ یہ معاملہ کس طرح آگے بڑھتا ہے۔

حکومت برطانیہ کے پاس وہ تمام واقعات پورے پہنچ چکے ہوں گے جن سے ہندوستان کا مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ حکومت برطانیہ مسئلۂ خاص پر توجہ سے غور کرے۔ شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد 15 جولائی 1945ء کو سر اسٹیفورڈ کرپس نے اپنے بیان میں واضح کر دیا ہے کہ اس وقت تک کوئی سمجھوتہ ممکن نہیں ہے، جب تک پاکستان کا مسئلہ طے نہ ہو جائے۔ ملک معظم کی گورنمنٹ اور وزیر ہند مسٹر پیتھک لارنس جب ہمت اور بے باکی کے ساتھ پاکستان کی بنیاد پر مستقل تصفیے میں تعجیل کریں گے تب یہ الجھن رفع ہو جائے گی، کیوں کہ پاکستان ہی سب سے بڑا مسئلہ ہے، اور وہی ہندوستان کی آئینی الجھن کا حل ہے۔

اس لیے میں بڑی سنجیدگی سے ملک معظم کی گورنمنٹ کی خدمت میں یہ مفروضہ کرتا ہوں کہ عزم کے ساتھ اس فیصلے کا اعلان کر دے کہ ہندوستان میں پاکستان قائم کرے گی۔

مسلم ہندوستان یہ ہرگز منظور نہیں کرے گا کہ پورے ہندوستان کے لیے ایک کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی دستور وضع کرے، جس میں مسلمان مایوس اقلیت ہوں۔ ایسی مجلس کے جو فیصلے ہوں گے ان کا پہلے سے اندازہ ہے۔ مسلمان یہ بھی منظور نہیں کریں گے کہ کوئی ایسا دستور ہو جس میں ہندوستان کے لیے صرف ایک مرکز ہو، خواہ نوعیت کے اعتبار سے وہ وفاقی ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں بھی مسلمان مایوس اقلیت ہوں گے۔"

پھر اسی روز ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے خاص نامہ نگار سے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"حکومت برطانیہ پاکستان کے مسئلے کا فیصلہ کرنے سے پہلے پورے ہندوستان کے لیے کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کی تجویز پیش کر کے وہ ہی اُلٹی بات کر رہی ہے جیسے کوئی گھوڑے کے آگے گاڑی لگا دے۔ پہلے پاکستان کے معاملے میں سمجھوتہ ہونا چاہیے۔ بس اُس وقت اور صرف اُسی وقت یہ ہو سکے گا کہ اگلا قدم اٹھایا جائے، لیکن دستور وضع کرنے کے لیے دو مجلسیں ہوں گی۔ ایک ہندوستان کے لیے دستور وضع کرے گی، اور اس کے لیے فیصلے کرے گی اور دوسری پاکستان کے لیے دستور وضع کرے گی، اور اس کے لیے فیصلے کرے گی۔"

وزیر ہند پیتھک لارنس نے مولانا ابوالکلام آزاد اور قائداعظم محمد علی جناح کو پارلیمانی وفد کے آئندہ دورے سے مطلع کرتے ہوئے دریافت کیا:

"کیا آپ وفد سے ہندوستان کے مسائل پر بحث کرنے کے لیے ملاقات کریں گے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے لیبر پارٹی کے پروفیسر آر، رچرڈز کی قیادت میں آنے والے 10 رکنی وفد سے 10 جنوری 1946ء کو دہلی میں ملاقات کی۔ اس سے 5 روز قبل انہوں نے وائسرائے ہند لارڈ ویول کے ساتھ ایک گھنٹہ تک بات چیت کی، تاہم انہوں نے لیاقت علی خان کو لارڈ ویول سے ملاقات کی اجازت نہیں دی تھی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کے ساتھ خصوصی مذاکرات کے معاملے میں وہ اپنے نائبین پر بہت کم اعتماد کرتے تھے۔

پاکستان کی جدوجہد انہوں نے کسی کو کچھ دیے بغیر تنہا لڑی۔

پاسپورٹ

قائداعظم محمد علی جناح کا پاسپورٹ حکومت برطانوی ہند نے 4 جولائی 1931ء کو جاری کیا۔ اس کا 00878+ تھا۔

پاسپورٹ کی معیاد پانچ سال اور آخری تاریخ 4 جولائی 1936ء درج تھی، مگر قائداعظم محمد علی جناح کے توجہ دلانے پر اس پاسپورٹ کے اندراجات میں ترمیم کر دی گئی، اور ترمیم شدہ پاسپورٹ جس میں قائداعظم محمد علی جناح کو ہندوستانی شہری قرار دیا گیا تھا، 7 جولائی 1931ء کو جاری ہوا اس کے مطابق قائداعظم محمد علی جناح کی تاریخ پیدائش 25 دسمبر 1876ء بمقام کراچی۔ شہریت ہندوستانی ہے۔ قد پانچ فٹ دس انچ۔ آنکھوں کا رنگ سیاہ اور بال گرے تھے۔ پیشہ بیرسٹر۔ یہ پاسپورٹ برطانوی سلطنت میں شامل تمام نو آبادیوں اور روس اور ترکی سمیت تمام یورپی ممالک کے لیے جاری کیا گیا تھا۔

پاک بھارت تعلقات

قائداعظم محمد علی جناح دنیا بھر کے ممالک خصوصاً اپنے قریبی ہمسایہ ممالک سے بہتر تعلقات کے قیام کے خواہش مند تھے جس کا اظہار انہوں نے اپنی متعدد تقاریر میں بھی کیا مثال کے طور پر 25 اکتوبر 1947ء کو رائٹر کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

”میں بارہا کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ برصغیر کی تقسیم باہمی باضابطہ معاملات کی رو سے ہوئی ہے۔ اس لیے ہمیں ماضی کی تلخیوں کو بھلا کر آپس میں عہد کرنا چاہیے کہ ہم دوستوں کی طرح مل جل کر رہیں گے، کتنی ہی ایسی چیزیں ہیں جو ہم پڑوسیوں کی حیثیت میں ایک دوسرے سے ضرورت پڑنے پر مانگ سکتے ہیں۔ ہم مختلف طریقوں سے ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں۔ مادی طور پر، سیاسی طور پر اور یوں اقوامِ عالم میں دونوں مملکتوں کا مرتبہ اور وقار بڑھا سکتے ہیں۔“

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا:

”میں واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کبھی ایک مشترکہ مرکز کے تحت دو آزاد مملکتوں کے درمیان کسی قسم یا شکل یا طرز کی آئینی وحدت کو نہ تسلیم کرے گا نہ اتفاق کرے گا۔
پاکستان قائم رہنے کے لیے بنا ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا، لیکن وہ آزاد، مساوی اور خود مختار مملکتوں کی حیثیت میں۔ ہم بھارت سے دوستی یا معاہدہ کرنے پر ہمیشہ تیار ہیں جس طرح کہ ہم دنیا کے اور ملکوں سے معاہدے کر سکتے ہیں۔“

قائداعظم محمد علی جناح نے 11 مارچ 1948ء کو سوئٹزرلینڈ کے ایک صحافی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

صحافی: ”کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ پاکستان اور بھارت کبھی اپنے اختلافات اور تنازعات پر امن طور پر حل کر لیں گے۔“

قائداعظم: ”ہاں یقیناً بشرطیکہ حکومت بھارت احساس برتری ختم کر دے پاکستان کو برابر سمجھے اور اصل حقائق کا سامنا کرے۔“

صحافی: ”کیا بین الاقوامی معاملات میں پاکستان اور بھارت مل جل کر کام کریں گے اور کیا بیرونی حملے کی صورت میں بری، بحری محاذوں پر مشترکہ دفاع کریں گے۔“

قائداعظم: ”ذاتی طور پر مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ ہمارے اعلیٰ ملکی مفادات کا یہ تقاضا ہے کہ پاکستان اور بھارت کو بین الاقوامی معاملات میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے مل جل کر کام کرنا چاہیے۔ دو آزاد اور خود مختار مملکتوں کی حیثیت میں پاکستان اور بھارت کو بیرونی حملے کا مقابلہ دوستانہ طور پر باہمی

تعاون سے کرنا چاہیے لیکن اس کا دارو مدار سراسر اس پر ہے کہ پاکستان اور بھارت پہلے اپنے اختلافات اور تنازعات کو دور کریں۔ دوسرے تعمیر قوم مستحکم ہو اور تیسرے جب آپ تعلیم کے ذریعے علم کی روشنی حاصل کرلیں تو آپ کو اپنے دفاع کے لیے تیار ہونا چاہیے، یعنی بیرونی جارحیت سے بچاؤ اور اندرونی امن و امان کو برقرار رکھنے کے لیے ان تین ستونوں پر ایک قوم کھڑی ہوتی ہے، اور کسی قوم کی طاقت اور عظمت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اس کے یہ تین ستون کتنے مضبوط ہیں اور قوم ان تینوں شعبوں میں کیا کچھ کرنے کے لیے تیار ہے۔''

پاکستان

قائداعظم محمد علی جناح نے 5 ستمبر 1938ء کو ہندوستان ٹائمز کو اپنے ایک بیان میں کہا:

''پاکستان کوئی نئی چیز نہیں یہ تو صدیوں سے موجود ہے، شمال مغربی اور شمال مشرقی ہند، مسلمانوں کا حقیقی ملک ہے، جہاں آج بھی ستر فیصد سے زیادہ ان کی آبادی ہے، ان علاقوں میں ایسی آزاد اسلامی حکومت ہونی چاہیے، جس میں مسلمان اپنے مذہب، اپنے کلچر اور اپنے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔''

10 مارچ 1941ء کو علی گڑھ یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''پاکستان ایک قابلِ عمل نصب العین ہی نہیں بلکہ یہ اس برصغیر میں اسلام کو مکمل تباہی سے بچانے کا واحد راستہ ہے، ابھی ہم نے ایک طویل منزل طے کرنی ہے، پاکستان بلاشبہ موجود ہے لیکن اسے حاصل کرنا ابھی باقی ہے، یاد رکھیے کہ آزادی حاصل کرنا آسان ہے، لیکن اسے برقرار رکھنا بڑا کٹھن مرحلہ ہے، انگلستان اور امریکہ آج آزاد ہیں، لیکن سوچیے کہ اپنی آزادی اور بقاء کے لیے انہیں کس قدر جدوجہد کرنی پڑی، ہمیں ابھی سے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے، اس لیے اپنی صفوں کو مستحکم کریں، ہمارے سامنے نہ صرف داخلی استحکام کے مسائل ہیں، بلکہ خارجی جارحیت سے مقابلہ بھی آزادی کا حصول اور اس کا بقاء اور استحکام چرخہ کاتنے سے ممکن نہیں ہوسکتا، ہمیں ہر لمحہ اپنی مملکت کے حصول اور مقدس تصورات کی حفاظت کے لیے آمادہ پیکار رہنا چاہیے، اور یقین رکھیے کہ پاکستان ایک حقیقت ثانیہ بن کر تمہارے ہاتھوں میں ہوگا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اکتوبر 1942ء کو اپنے پیغام عیدالفطر میں فرمایا:

''آیئے اس عظیم اور مبارک دن یہ عہد کریں کہ آج اور مستقبل کے لیے عالمی نظام میں اسلامی روایات کی روشنی میں ہم اپنا حقیقی مقام حاصل کریں گے۔ مسلمان فاتح، تاجر، مبلغ اور معلم کی حیثیت سے ہندوستان میں داخل ہوئے، وہ اپنے ساتھ تہذیب و تمدن لائے۔ انہوں نے عظیم مملکتیں قائم کیں اور ایک عظیم الشان تہذیب کو جنم دیا۔ انہوں نے ہندوستان کے برصغیر کو تعمیر نو کے سانچوں میں ڈھالا، ہندوستان کے کروڑوں مسلمان دنیا کے ہر خطے کے مقابلے میں مسلم آبادی کی عظیم ترین جمعیت قرار پاتے ہیں۔ اپنی قوم، تہذیب و ثقافت کے اعتبار سے وہ دوسروں سے متغیر ہیں۔ وہ سب قوموں کی آزادی اور مساوات کے علمبردار ہیں۔ ہر مسلمان ہندوستان کی تقدیر ہے کہ آج کی عالمگیر کشش، مستقبل کے جدید نظام اور

امن کے قیام کے سلسلے میں ایک موثر قوت کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے۔ اس لیے میں ہر مسلمان سے امید کرتا ہوں کہ پاکستان کے نصب العین کے لیے وہ جم کر کھڑا ہو جائے، کیونکہ یہ ہماری اور اس برصغیر میں ہماری آئندہ نسلوں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ یا تو ہم پاکستان حاصل کر کے رہیں گے یا مٹ جائیں گے۔ آج دنیا اپنی تاریخ کے سب سے بڑے بحران میں سے گزر رہی ہے، اس عالمگیر جنگ میں اسلام اور مسلمانوں کی ذمہ داری کسی دوسرے سے کم نہیں۔ آیئے آج یہ عہد کریں کہ ہم ان ذمہ داریوں کو پورا کریں گے۔''

یکم مارچ 1944ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''پاکستان ایک ایسی منزل ہے، جس تک پہنچنے سے مسلمانوں کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ پاکستان کا تخیل ایک ایک مسمان کے دل و دماغ پر چھا چکا ہے، بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ پاکستان، ہندوستان کی اسلامی مملکت کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، اس برصغیر میں پاکستان کے سوا کوئی دوسرا دستور کامیاب نہیں ہوسکتا۔''

18 مارچ 1944ء کو پنجاب مسلم سٹوڈنٹس کانفرنس سے اپنے خطاب میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''پاکستان کے تصور کو جو مسلمانوں کے لیے ایک عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے، مسلمانوں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے، ان کی حفاظت، نجات اور تقدیر کا راز اسی میں مضمر ہے، اس سے یہ آواز اقصائے عالم میں گونجے گی کہ دنیا میں ایک ایسی مسلم مملکت بھی ہے، جو اسلام کی عظمتِ گزشتہ کو از سرِ نو زندہ کرے گی۔''

یوم پاکستان 23 مارچ 1945ء کو اپنے خطاب میں فرمایا:

''ہماری نجات ہماری سلامتی اور عزت و آبرو کے تمام تقاضے پاکستان سے وابستہ ہیں، اگر ہم یہ جنگ ہار گئے تو ختم ہو کر رہ جائیں گے، اور اس برصغیر سے مسلمانوں اور اسلام کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے جون 1945ء میں فرنٹیئر مسلم سٹوڈنٹس کے نام اپنے پیغام میں کہا:

''پاکستان کا مطلب یہ نہیں کہ ہم غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں، اس سے حقیقی مراد مسلم آئیڈیالوجی ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے، ہم نے صرف اپنی آزادی ہی حاصل نہیں کرنی، ہم نے اس قابل بھی بننا ہے کہ ہم اس کی حفاظت کر سکیں اور اسلامی تصورات اور اصول کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔''

21 نومبر 1945ء کو کانفرنس فرنٹیئر مسلم لیگ پشاور سے خطاب کے دوران قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''مسلمان پاکستان کا مطالبہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اس میں اپنے ضابطۂ حیات، ثقافتی نشو و نما، روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔''

3 اپریل 1946ء کو نمائندہ بی بی سی کو جواب میں آپ نے فرمایا:

''پاکستان اس معاملہ میں پوری طرح آزاد ہوگا کہ وہ دولتِ مشترکہ میں شامل ہو یا اس سے علیحدگی اختیار کرے، میں نہیں جانتا کہ اس وقت کے حالات کے مطابق پاکستان کی حکومت کا فیصلہ کیا ہوگا۔''

18 اگست 1947ء کو عیدالفطر پر خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں بخلوصِ قلب، خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں عہدِ رفتہ کی قابلِ احترام

روایات کا اہل بنائے، اور ہمیں اس طاقت سے بہرہ ور فرمائے کہ ہم ملت پاکستان کو صحیح معنوں میں اقوامِ عالم میں ایک ممتاز مقام دلاسکیں۔

لاریب کہ ہم نے پاکستان حاصل کرلیا، لیکن یہ منزل نئے سفر کا نقطۂ آغاز ہے۔ آج ہم پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ہمارے عزائم اور حوصلے اس قدر بلند ہونے چاہئیں، قومی تعمیر کے عملی میدان میں ان کی تکمیل اس سے بھی کہیں زیادہ جدوجہد اور قربانیوں کا مطالبہ کرے گی، جس کا تقاضا حصولِ پاکستان کے مقدس نصب العین کے سلسلے میں ہم سے کیا گیا تھا۔ صحیح معنوں میں ٹھوس عمل کا وقت اب آیا ہے، اور مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ باشعور مسلمان اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں، اور ان تمام مشکلات اور موالغات پر غالب آ جائیں گے، جو اس راہ میں لاحق ہوں گی۔''

19 فروری 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے آسٹریلین باشندوں کے نام ایک پیغام میں کہا:

''مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان سے قریب ایک ہزار میل کے فاصلے پر ہے، اور ان کے درمیان مملکتِ ہند کا علاقہ حائل ہے، بیرونی ممالک کے ایک طالب علم کے دل میں جو پہلا سوال ابھرے گا، وہ یہ ہوگا کہ ایسی مملکت کا قیام کس طرح ممکن ہوگا؟ ایسے دو خطوں میں جن میں اس قدر بُعد ہو، وحدتِ حکومت کس طرح ممکن ہوگی؟ میں اس سوال کا جواب صرف ایک لفظ میں دوں گا اور وہ یہ کہ ایسا ہمارے ایمان کی رُو سے ہوگا، ایمان خدا پر، ایمان اپنے آپ پر، ایمان اپنے مستقبل پر، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ ہم سے اچھی طرح واقف نہیں، وہ ایسے مختصر جواب کا پورا پورا مفہوم سمجھ نہیں سکیں گے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل بھی بیان کردوں۔''

اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''پاکستان کی آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے، اور ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے پیروکار ہیں، ہم اس اسلامی برادری کے ارکان ہیں، جس میں حقوق شرف وتکریم اور احترامِ ذات کے اعتبار سے تمام افراد برابر ہوتے ہیں، بنابریں ہم میں اخوت اور وحدت کا بڑا گہرا جذبہ ہے، ہماری اپنی تاریخ ہے اور اپنی رسوم و روایات ہیں، ہم اپنے نظریات زندگی، نقطۂ نگاہ اور احساس دروں کے مالک ہیں، یہی وہ عوامل ہیں جو قومیت کی تشکیل کا معیار بنتے ہیں۔''

مارچ 1948ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے ڈھاکہ میں ایک تقریر میں فرمایا:

''میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے اندر وہ لوگ موجود ہیں جو بیرونی قوتوں سے مالی امداد حاصل کر کے پاکستان کے درپے تخریب ہیں، میں آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ ان سے ہوشیار رہیں، اور ان کے دلکش نعروں اور جاذبِ توجہ دعوؤں کے فریب میں نہ آ جائیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:

''اگر خدا نے مجھے توفیق بخشی تو میں دنیا کو دکھا دوں گا کہ پاکستان اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ساری دنیا کے لیے مشعلِ راہ ہے، پاکستان ایک تحریک کا نام ہے، جس کا مقصد پاکستان کے مرکز سے اسلامی نظریۂ حیات کا فروغ واشاعت ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''ہم نے آخری اور حتمی فیصلہ کرلیا ہے کہ پاکستان

ہمارا واحد نصب العین ہے، ہم اس کی خاطر مسلسل جدوجہد کریں گے، اور اپنی جانیں تک قربان کر دیں گے، کسی کو بھی اس بارے میں غلط فہمی نہ رہنی چاہیے، جمہوری نظامِ حکومت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ اس قسم کی جمہوریت کا جو مسٹر ڈیسائی کے پیش نظر ہے۔

ہوسکتا ہے کہ ہماری تعداد کم ہو، لیکن حکومت کو معلوم ہے اور میں یہ کہنے کی جسارت کرتا ہوں کہ اپنی کم تعداد کے باوجود اگر ہم اس امر کا ارادہ کر لیں تو تمہارے لیے اس سے سو گنا زیادہ مشکلات پیدا کر سکتے ہیں، جو کانگریس نے آج تک کی ہیں، یہ ایک دھمکی نہیں بلکہ ایک حقیقت کا اعلان ہے، جس سے میں خبردار کرتا ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے سرحد کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''پاکستان کا منشا اور مقصد آزادی اور استقلال تک محدود نہیں یہ اس ''اسلامی آئیڈیالوجی'' کا آئینہ دار ہے جو ہمیں ایک بیش بہا ورثہ کے سرمایہ حیات کے طور پر حاصل ہوئی ہے، اور جس کے ثمرات سے دیگر اقوام بھی مستفید ہوں گی۔

(قائداعظم کا پیغام طلبہ کے نام محمد حنیف شاہد، ص 44)

8 مارچ 1944ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے خطاب کے دوران قائداعظم محمد علی جناح نے دوٹوک اور واضح طور پر فرمایا:

''آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبہ کا جذبہ محرکہ کیا تھا۔ مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھا۔ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔''

مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ کے زیرِ اہتمام جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے 10 مارچ 1941ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے اعلان کیا:

''امر واقعہ یہ ہے کہ پاکستان صدیوں سے موجود ہے۔ یہ آج بھی ہے اور اب تک موجود رہے گا (مرحبا) یہ ہم سے چھین لیا گیا تھا ہمیں صرف اسے واپس لینا ہے۔ اس پر ہندوؤں کا کیا حق ہے۔ ہمیں اس چیز پر دعوے سے کس طرح باز رکھا جاسکتا ہے۔ جو ہماری اپنی ہے دراصل یہ تو خود ہندوؤں کے اپنے مفاد میں زیادہ ہے۔

پاکستان نہ صرف ایک قابل حصول منزل ہے، بلکہ واحد منزل ہے۔ اگر آپ اس ملک میں اسلام کو مکمل تباہی سے بچانا چاہتے ہیں، پاکستان تو موجود ہے، لیکن ہمیں اسے لینا ہے۔''

22 مارچ 1945ء کو یومِ پاکستان کی تقریب پر نئی دہلی سے قائداعظم محمد علی جناح نے جو پیغام دیا اس میں دوٹوک اعلان فرمایا:

''آج ہمارے اس عزم صمیم کے اعلان کی پانچویں سالگرہ ہے جو 23 مارچ 1940ء کے دن لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے کھلے اجلاس میں کیا گیا۔ جس میں ہم نے حتمی طور پر اپنے ''نصب العین پاکستان'' کی تشریح کر دی تھی۔ یہ ہمارا ناقابل تنسیخ و تبدل قومی مطالبہ ہے۔ مسلم ہند اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا، جب تک ہم شمال مغربی اور مشرقی خطوں میں مکمل طور پر پاکستان حاصل اور قائم نہیں کر لیتے، جیسا کہ آپ کو علم ہے یہ مسلم ہند کے لیے ''زندگی اور موت'' کی جدوجہد ہے۔

پاکستان کے حصول میں ہماری نجات، دفاع اور وقار مضمر ہے۔ اگر ہم ناکام ہو گئے تو ہم ختم ہو جائیں

گے، اور اس برصغیر میں ''مسلمانوں'' یا ''اسلام'' کا کوئی نام ونشان باقی نہیں رہے گا۔ یہ ایک زبردست فریضہ ہے، جو آپ کے سامنے ہے۔ مجھے بھروسہ ہے کہ ''پاکستان ہماری رسائی ہے، یہ پہلے سے موجود ہے اور سرگرم عمل ہے'' اور ہم ان صوبوں میں جیسے سندھ، بلوچستان، شمال مغربی سرحدی صوبہ، بنگال، پنجاب اور آسام میں اپنی کوششوں سے اس تمام قوت پر قبضہ کرلیں، جو اس وقت ہمیں دستیاب ہے۔''

23 مارچ 1944ء کو ''یوم پاکستان'' کی مبارک تقریب کے موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے لاہور سے جاری کردہ پیغام میں اعلان فرمایا:

''ہمارے لیے پاکستان کا مطلب ہے ہمارا دفاع، نجات اور ہمارا مستقبل۔ یہ واحد راستہ ہے جو ہمیں آزادی، اپنے وقار اور ''اسلام کی عظمت'' کو برقرار رکھنے کی ضمانت دے گا۔''

صوبہ سرحد مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام ایک پیغام میں جو قائداعظم محمد علی جناح نے 18 جون 1945ء کو جاری فرمایا۔ آپ نے دوٹوک، واضح اور غیر مبہم الفاظ میں فرمایا:

''اگر مسلمان باوقار، اور لائق احترام لوگوں کی طرح زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ان کے سامنے ایک ہی راستہ ہے:

- ''پاکستان کے لیے لڑیے۔''
- ''حصول پاکستان کے لیے مرجایئے'': ورنہ
- ''مسلمان اور اسلام، دونوں تباہ ہو جائیں گے۔''

''ہمارے حصول کا مطلب ہے: ''ہماری بقا'' اور ناکامی کے معنی ہیں ''ہماری فنا'' اور اس سب کچھ کی بھی جس کا اس برصغیر میں اسلام کا علمبردار ہے۔''

10 اپریل 1946ء دہلی میں مؤتمر اسلامی کے اختتامی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرزندانِ توحید سے سوالیہ انداز میں پوچھا، اور پھر خود ہی جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''ہم کس چیز کے لیے لڑ رہے ہیں؟ ہمارا مطمعٔ نظر کیا ہے؟ یہ مذہبی حکومت نہیں ہے، نہ ہی مذہبی مملکت کا قیام ہمارا مقصود ہے۔ مذہب موجود ہے اور ''مذہب ہمیں بہت عزیز ہے'' جب ہم مذہب کی بات کرتے ہیں تو دنیاوی مفادات ہیچ نظر آتے ہیں، لیکن اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو بہت زیادہ اہم ہیں۔ ہماری معاشرتی زندگی، ہماری معاشی زندگی اور سیاسی اقتدار کے بغیر آپ کس طرح اپنے دین اور معاشی زندگی کا دفاع کر سکتے ہیں۔''

مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن پنجاب کے خصوصی اجلاس ''پاکستان'' کی صدارت کرتے ہوئے 2 مارچ 1941ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے دوٹوک اعلان فرمایا:

''ہمارا مطالبہ ہندوؤں سے نہیں ہے کیونکہ ہندوؤں نے کبھی سارے ہند پر حکومت نہیں تھی۔ یہ مسلمان تھے جنہوں نے سارے ہند پر قبضہ کیا، اور سات سو برس حکمرانی کی، اور یہ انگریز تھے جنہوں نے ہند کو مسلمانوں سے چھین لیا۔ ہمارا مطالبہ انگریزوں سے ہے جو اب قابض ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ فرض کیجیے کہ ایک انگریز انگلستان میں مسلمان ہو جاتا ہے تو وہ پاکستان کا مطالبہ نہیں کرتا۔ کیا آپ کے ہاں دیکھنے کے لیے آنکھیں ہیں؟ کیا آپ کے پاس یہ سمجھنے کے لیے مغز نہیں کہ ایک انگریز اگر وہ انگلستان میں اپنا مذہب تبدیل کر لیتا ہے۔ وہ اپنا مذہب بدل لینے کے باوصف اس معاشرے کا رکن رہتا ہے؟ وہی ثقافت، وہی معاشرتی زندگی، ہر چیز اسی طرح رہتی ہے، جب ایک انگریز اپنا مذہب بدل لیتا ہے؟ لیکن کیا آپ یہ

نہیں دیکھ سکتے کہ ایک مسلمان نے جب دین قبول کیا، یہ بھی تسلیم کیا کہ اس نے ہزار سال پہلے دین قبول کیا، اور بیشتر نے کہا، تب وہ آپ کے ہندومت اور فلسفے کے مطابق ذات پات سے خارج ہوگیا، وہ ملیچھ ہوگیا، (اچھوت ہوگیا) اور ہندوؤں کا اس کے ساتھ معاشرتی، مذہبی اور ثقافتی یا کسی اور قسم کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ پس وہ صرف مذہبی بلکہ معاشرتی اعتبار سے بھی ایک مختلف نظام سے وابستہ ہوگیا، اور اس نے نمایاں طور پر مذہبی، معاشرتی اور ثقافتی لحاظ سے علیحدہ اور مخالفانہ معاشرتی نظام کے تحت زندگی بسر کی۔ اب ہزار برس سے زیادہ مدت بیت گئی کہ مسلمان ایک مختلف دنیا، مختلف معاشرے میں مختلف فلسفے اور مختلف عقیدے کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں، کیا آپ اس بات کا اس احمقانہ بات سے موازنہ کر سکتے ہیں کہ محض عقیدے کی تبدیلی سے پاکستان کے مطالبہ کا جواز نہیں؟ کیا آپ ایک بنیادی فرق نہیں دیکھ سکتے۔''

5 جون 1946ء کو مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ نئی دہلی کا افتتاح کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے یہ تقریر ارشاد فرمائی اور کابینہ وفد نے جو تجاویز پیش کی تھیں، ان کے مالہ وماعلیہ پر اظہار خیال فرمایا:

''ورکنگ کمیٹی نے برطانوی وزارتی مشن کی تجاویز کے عواقب و نتائج پر غور کیا ہے، لیکن اسے کونسل کے فیصلہ پر جو مسلم قوم کی پارلیمنٹ ہے اثر انداز نہیں ہونا چاہیے، لہٰذا ورکنگ کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ صورتِ حال کی نزاکت کے پیش نظر کونسل ہی اس سلسلہ میں کوئی قطعی فیصلہ کرے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر ممبر آزادانہ طور پر اپنی رائے کا اظہار کرے، اور اس سلسلہ میں خود کو کسی پابندی میں جکڑا ہوا نہ سمجھے۔

میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ مُسلم ہندوستان اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا۔ جب تک ہم کامل طور پر خود مختار آزادانہ پاکستان قائم نہ کر لیں۔ (پرزور تالیاں پاکستان لے کے رہیں گے'' نعرے) میں پوری قوت کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ مشن نے جن اسباب اور دلائل کے ساتھ نیز جس طریقہ سے حقائق کو مسخ کیا ہے، اس کا مقصد سوائے کانگریس کو خوش کرنے کے اور کچھ نہیں۔

دراصل ان کے اپنے بیان میں پاکستان کسی اساسی حیثیت سے موجود ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''کانگریسی اخبارات اور ہندو شکر سے لپٹی ہوئی ان گولیوں پر بہت مسرور ہوئے مگر ان گولیوں پر شکر اتنی کم تھی کہ انہیں جلد ہی معلوم ہوگیا کہ اس کی اصلیت کچھ نہیں۔ (قہقہہ)

جیسا کہ میں نے حال میں شملہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اہم ترین مسائل محض جذبات اور نعروں سے اور تلخ حالات میں طے نہیں ہو سکتے، اور یہ کہ ہم ہمیشہ لڑتے جھگڑتے نہیں رہ سکتے اس سے میرا مطلب برطانیہ، والیانِ ریاست، کانگریس اور مسلم لیگ سے تھا۔

''ان اخبارات میں اطلاع یوں دی گئی ہے کہ ''ہم مسٹر جناح اب اپنے حواس میں آگئے ہیں۔'' مجھے مُسرت ہے کہ میں اپنے حواس میں آگیا، مگر میں چاہتا ہوں کہ وہ بھی ہوش میں آئیں۔ یقیناً کسی جھگڑے کے لیے دو جماعتوں کی ضرورت ہوتی ہے، مگر یہاں تو تین نہیں چار ہیں اور اقلیتوں کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

محمد علی جناح 1910

''میں جانتا ہوں کہ مسلمانوں نے مصائب برداشت کیے ہیں اور انہیں اب بھی زبردست مصیبتوں کا سامنا ہے۔ انہیں آلام و مصائب کا سامنا ہے۔ ان آلام و مصائب کا خاتمہ صرف قیامِ پاکستان کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

پاکستان منظور کرنے میں تاخیر سے کام لینا برطانیہ یا ہندو کے لیے کسی طرح بہتر ثابت نہیں ہو گا۔ اگر انہیں آزادی محبوب ہے، اور اگر انہیں ہندوستان کی خودمختاری اور اس کا استقلال عزیز ہے اور وہ آزاد ہونا چاہتے ہیں تو جتنا جلد وہ اس حقیقت کو سمجھ لیں اتنا ہی بہتر ہے کہ اس کے حصول کے لیے سب سے قریبی راستہ پاکستان پر رضامند ہونا ہے۔ یا تو تم متفق ہو جاؤ ورنہ ہم تمہارے بغیر اس کو حاصل کر کے رہیں گے۔ (چیرز) اس کے لیے کیا طریقہ اور ذرائع اختیار کیے جائیں گے۔ یہ وقت اور حالات پر منحصر ہو گا۔

جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا۔ میں جانتا ہوں کہ جنرل اسمٹس یہی کہے گا کہ ہندوستان میں بھی تو چھ کروڑ اچھوت بستے ہیں، اور یہ صُورت شرمناک ہے مگر کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ دو کالوں کو ملا کر ایک سفید بنتا ہے، چونکہ ہندوستان کے ماتھے پر یہ ایک سیاہ دھبہ ہے، اس لیے کسی مہذب قوم کا کوئی سردار یہ کہہ سکتا ہے کہ ''اسی لیے میں بھی یہ کلنک کا ٹیکہ لگانا چاہتا ہوں، اور چونکہ ابھی تک یہ دھبہ نہیں لگا ہے۔ اس لیے لگانا چاہیے۔''

دیانتدار آدمیوں میں اس بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے کہ یہ قانون تہذیب کے ماتھے پر ایک بدنما داغ ہے، ہماری ساری ہمدردیاں ان لوگوں کے ساتھ ہیں، جو اس قانون سے مقابلہ میں جدوجہد کر رہے ہیں۔

اینگلو امریکی کمیٹی نے ایک لاکھ یہودیوں کو فلسطین میں داخلہ کی اجازت دینے کی جو سفارش کی ہے، وہ قابلِ مذمت ہے۔

کیا آپ اس کے سوا کسی اور فیصلے پر پہنچ سکتے ہیں کہ یہ نہایت ہی بے ایمانی کا فیصلہ ہے، اور اس میں انصاف کا خون کر دیا گیا ہے۔

عربوں کو چاہیے کہ وہ ان سفارشات کا مقابلہ کریں اور ایک یہودی کو بھی فلسطین میں داخل نہ ہونے دیں۔ مسلم ہندوستان ان کی ہر ضروری امداد کرے گا۔

میں برطانیہ سے کہتا ہوں کہ تم خود یہ اعلان کر رہے ہو کہ شہنشاہیت مُردہ ہو چکی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کی تجہیز و تکفین کے لیے ہی وزارتی مشن دہلی آیا تھا۔ کیا تم اس تجہیز و تکفین کو لندن میں انجام نہیں دو گے اور ولندیزوں سے انڈونیشیا خالی کرنے کو نہ کہو گے۔

جو وعدے لیبیا اور سرینکا سے کیے گئے تھے کہ انہیں اٹلی کو واپس نہ کیا جائے گا۔ ان وعدوں کو پورا کیا جائے۔ اگر برطانیہ ایک دوست قوم کی حیثیت سے رہنا چاہتی ہے، اور یہ چاہتی ہے کہ دہلی سے لے کر لیبیا اور سرینکا تک سب اس کے دوست رہیں، لیکن اگر تم ایسا ہی کرتے رہے جیسا کہ اس وقت فلسطین، لیبیا، شام اور انڈونیشیا میں کر رہے ہو تو تمہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ تم کمزوروں اور مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کر رہے ہو، اور ان جذبات کا بڑھنا خطرناک ہو گا۔

کشمیر سے متضاد اطلاعات آ رہی ہیں، مگر مسلم کانفرنس کے جن لیڈروں نے مُجھ سے شملہ میں ملاقات کی تھی۔ اُنہوں نے مجھے پوری رپورٹ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ جھگڑے کی وجہ خواہ کُچھ بھی ہو، مگر حکومت کا

طریقہ تشدد کا ہے اور ہر جگہ مسلمان ہی نشانہ بنے ہوئے ہیں، جب تک رپورٹ پہنچے میں اپنی رائے کے اظہار سے اجتناب کروں گا، مگر میں مہاراجہ کشمیر اور وہاں کے وزیراعظم سے یہ بات کہہ دینا چاہتا ہوں کہ براہِ مہربانی آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ کسی بے گناہ مسلمان کو کوئی تکلیف اور اذیت نہ پہنچے۔ میں اس بات پر زور دوں گا کہ لاپرواہی سے کام نہ لیا جائے ورنہ آپ مسلمانوں کو اس آگ میں کودنے کے لیے مجبور کر دیں گے۔''

پاکستان-1940ء

1940ء کا سال ہندوستانی مسلمانوں کی سیاست میں نہایت اہم اور انقلاب آفرین تھا۔ اس سال مسلم لیگ نے ہندوستان میں ایک آزاد مسلم مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبہ 23 مارچ کو لاہور میں کل ہند مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں پیش کیا گیا، لیکن اس سے کچھ عرصے پہلے انگلستان کے دو رسالوں میں دو مضمون چھپے تھے جو مطالبۂ پاکستان کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ اُن میں سے ایک مضمون ایک انگریز اخبار نویس کا تھا جو انہی دنوں قائداعظم محمد علی جناح سے ملا تھا۔ یہ مضمون اُسی ملاقات کی روداد تھا۔ دوسرا مضمون خود قائداعظم محمد علی جناح کا لکھا ہوا تھا، اور 9 مارچ کو مشہور انگریزی ہفت روزہ 'ٹائم اینڈ ٹائڈ' (Time and Tide) میں چھپا تھا۔ ان کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے متعلق قائداعظم محمد علی جناح کے خیالات میں بڑی بنیادی اور دوررس تبدیلی پیدا ہو چکی تھی، جو چند ہی دنوں بعد مسلم لیگ کی قرارداد پاکستان پر منتج ہوئی۔

انگریز اخبار نویس نے قائداعظم محمد علی جناح سے اپنی ملاقات کی روداد میں لکھا ہے:

''جناح نے برطانوی طرز کی پارلیمانی حکومت کو ہندوستان کے لیے ناقابلِ عمل قرار دیا ہے۔''

اُنہوں نے کہا:

''یہ بات اب پوری طرح ثابت ہو چکی ہے کہ کانگریس ملک کی دوسری تمام سیاسی جماعتوں کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ ایک جابر اور مطلق العنان جماعت بن کر ملک کی سیاسی زندگی پر چھا جائے۔''

آگے چل کر انہوں نے ملک کے ساڑھے تین کروڑ ووٹروں کا ذکر کیا:

''جن میں سے اکثر بالکل جاہل اور ان پڑھ ہیں، اور فرسودہ توہمات کے شکار ہیں۔ باہمی عناد اور مخاصمت نے ان کے تعلقات کو زہر آلود کر رکھا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کا خیال تھا:

''ہندوستان میں پارلیمانی طرز کی جمہوریت قائم کرنا محال ہے، کیونکہ اس طرز کی حکومت سے ''سارے ملک پر ہندو راج مسلط ہو جائے گا۔''

انہوں نے واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا:

''مسلمان اس قسم کی حکومت ہرگز برداشت نہ کریں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''انگریزوں کو یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اگر اس قسم کی مطلق العنان حکومت ہندوستان میں قائم ہو گئی تو وہ صرف مسلمانوں پر ظلم نہ ڈھائے گی۔''

''ہندوستان میں چھ کروڑ اچھوت، چھ لاکھ عیسائی اور ان کے علاوہ ہزاروں یہودی، پارسی اور برطانوی نسل کے لوگ بھی بستے ہیں۔ یہ سب ہندو راج کے جور و ستم کے شکار ہوں گے۔''

انہوں نے کہا:

''انگریز جب ہندوستان کے سیاسی مستقبل کا تصور کریں تو انہیں چاہیے کہ وہ کینیڈا اور آسٹریلیا کی وفاقی حکومتوں کو تھوڑی دیر کے لیے بھول جائیں۔ اُن ملکوں کی مٹی اُس قسم کی جمہوریت کے لیے بہت موافق تھی، جس کے بیج انگریزوں نے وہاں بوئے۔ اس لیے اس نے جلد جڑ پکڑ لی اور اسے پھولنے پھلنے کا پورا موقع ملا۔''

اس سلسلے میں انہوں نے لارڈ مارلے کا یہ مقولہ دوہرایا:

''کینیڈا کا فرکوٹ ہندوستان کی سخت گرمی میں ہرگز کام نہیں دے سکتا۔''

''ٹائم اینڈ ٹائڈ'' میں اپنے مضمون میں قائداعظم محمد علی جناح نے یہی خیالات اور زیادہ وضاحت سے پیش کیے:

''ہندوستان کا سیاسی مستقبل کیا ہے؟ جہاں تک حکومتِ برطانیہ کا تعلق ہے وہ اپنے اس مقصد کا اعلان کر چکی ہے کہ ہندوستان کو جلد از جلد (Statute of Westminister) کے مطابق دولتِ مشترکہ کے دوسرے ارکان کے برابر آزادی دی جائے گی، اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ ہندوستان میں اُسی قسم کا جمہوری آئین نافذ کرنا چاہتی ہے جس کا اسے خود تجربہ ہے، اور جسے وہ سب سے بہتر سمجھتی ہے۔ اس طرز کے آئین کا بنیادی اصول یہ ہے کہ جو سیاسی جماعت انتخابات میں کامیاب ہو اسی کے ہاتھ میں عنانِ حکومت ہو۔

یہ ارادہ بہ ظاہر صحیح معلوم ہوتا ہے، لیکن ہندوستان کے مخصوص اور غیر معمولی حالات کو دیکھتے ہوئے نہایت غیر مناسب ہے۔ بات یہ ہے کہ ہندوستان میں حکومت کے اتنے طویل تجربے کے باوجود برطانیہ اس ملک کے حالات سے اچھی طرح واقف نہیں، حتیٰ کہ پارلیمنٹ کے اکثر ممبر بھی اس معاملے میں بالکل بے خبر ہیں۔ اسی لاعلمی کے باعث اب تک یہ بات برطانیہ کی حکومت اور اس کے عوام کی سمجھ میں نہ آسکی کہ برطانوی طرز کا پارلیمانی آئین ہندوستان کے لیے ہرگز مناسب نہیں۔ برطانوی قوم صحیح معنوں میں ایک یک رنگ اور متحد قوم ہے، اور وہاں جس طرز کی جمہوریت رائج ہے وہ اسی قومی یک رنگی اور اتحاد کی بنیاد پر قائم ہے، مگر ہندوستان میں حالات بہت مختلف ہیں اور قومی یک رنگی یہاں مفقود ہے، لہٰذا برطانوی طرز کی جمہوریت اس ملک کے لیے بالکل موزوں نہیں۔ ہندوستان کی آئینی الجھنوں کا بنیادی سبب یہی ہے کہ یہاں اس ناموزوں اور ناموافق طرز حکومت کے قیام پر اصرار کیا جا رہا ہے۔''

پھر قائداعظم محمد علی جناح نے اُس پارلیمانی کمیٹی کی رپورٹ میں سے ایک اقتباس پیش کیا جس نے چھ سات برس پہلے ہندوستان میں آئینی اصلاحات کے مسائل کا جائزہ لیا تھا:

''ہندوستان میں متعدد نسلوں کے لوگ بستے ہیں۔ ان میں سے بہت سی نسلیں اپنی روایات اور طرز زندگی میں ایک دوسرے سے اسی قدر مختلف ہیں جتنی یورپ کی قومیں۔ اس ملک کے دو تہائی باشندے ہندومت کے پیرو ہیں، اور پونے آٹھ کروڑ کے قریب مسلمان ہیں۔ ان دو فرقوں کا باہمی اختلاف صرف مذہبی معاملات تک محدود نہیں۔ ان کے کلچر اور قانون بھی ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ہندومت اور اسلام دو مختلف تہذیبوں کے مظہر ہیں۔ ہندو مذہب اور سماج کا بنیادی اصول ذات پات کی تفریق ہے، اور یورپ سے تعلقات و

روابط کا اس تفریق پر کچھ زیادہ اثر نہیں پڑا۔ اس کے برعکس انسانی مساوات کا تصور فلسفۂ اسلام میں بنیادی اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔''

اس اقتباس کے متعلق قائداعظم محمد علی جناح نے لکھا:

''اتنے مختصر الفاظ میں ہندوستان کی اس سے زیادہ صحیح تصویر شاید کہیں اور نہ ملے۔''

آگے چل کر انہوں نے لکھا:

''برطانیہ کے باشندے عیسائی ہیں۔ وہ اکثر یہ بات بھول جاتے ہیں کہ گزشتہ صدیوں میں ان کے ملک میں بھی مذہبی جنگیں ہوئی ہیں، اور آج وہ مذہب کو محض ایک ذاتی معاملہ سمجھتے ہیں، جو خدا اور بندے کے تعلقات تک محدود ہے، لیکن ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے اس قسم کا رویہ اختیار کرنا ممکن نہیں، کیونکہ ہندومت یا اسلام محض مذہب نہیں بلکہ ایک نظام حیات ہے، جو صرف خدا اور بندے کے تعلقات تک محدود نہیں بلکہ اپنے پیروؤں کی زندگی کے ہر شعبے اور ہر پہلو پر محیط ہے۔ وہ ان کے باہمی تعلقات، ان کے کلچر اور قانون اور ان کی تمام معاشرتی زندگی پر حاوی ہے۔ یہ دونوں مذہب بنیادی طور پر ایک دوسرے سے اتنے مختلف ہیں کہ ان کے پیروؤں میں وہ باہمی یک رنگی اور ہم خیالی پیدا نہیں ہوسکتی جس کے بغیر مغربی طرز کی جمہوریت کا تصور بھی ممکن نہیں۔''

اس مضمون کے آخری حصے میں قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے دو قوموں کی معنی خیز اصلاح استعمال کی:

''ہمیں اس ملک کے لیے ایسا آئین وضع کرنا چاہیے، جو اس حقیقت پر مبنی ہو کہ ہندوستان میں دو قومیں بستی ہیں، اور جس کی رُو سے دونوں قومیں اپنے مشترک وطن کی حکومت میں برابر کی حصہ دار ہوں۔''

اس کے بعد شاید پھر کبھی قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوستان کو ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترک وطن نہیں کہا، اور دو ہی ہفتے بعد لاہور میں انہوں نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی، جہاں 23 مارچ کو ہندی مسلمانوں نے وہ تاریخی مطالبہ پیش کیا جو بعد میں قراردادِ پاکستان کے نام سے مشہور ہوا۔

اس سے چند دن قبل سر پرسول گرفتھ رات کے کھانے پر قائداعظم محمد علی جناح کے مہمان تھے۔ وہاں دورانِ گفتگو انہوں نے سر پرسول سے کہا:

''جب تک ہندوستان کی خود مختاری کا مسئلہ نہ اُٹھا انگریزوں نے اتنی خوبی سے حکومت کی کہ تاریخ میں اس کی نظیر مشکل سے ملے گی، لیکن جب قوم کی سیاسی آرزوئیں بیدار ہوئیں اور آئینی اصلاحات کا دور آیا تو حکومتِ برطانیہ ہندوستان کی محکوم قوموں کی ذہنیت اور احساسات کو بالکل نہ سمجھ سکی۔ آپ ہندوستان کی جس وحدت کا ذکر کرتے ہیں اُس کا وجود صرف آپ کے تصور میں ہے۔ اس وحدت کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ انگریزوں نے دانش مندی سے اس ملک پر ایک متحدہ حکومت مسلط کر دی۔ آپ پارلیمانی جمہوریت کی حمایت کرتے ہیں لیکن یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کی کامیابی کی جو بنیادی شرائط ہیں وہ اس ملک میں پوری نہیں ہوسکتیں۔''

سر پرسول گرفتھ لکھتے ہیں:

''اس تمہید کے بعد جناح نے بڑے معقول اور موثر انداز میں دو قوموں کے نظریے کی وضاحت اور مطالبۂ پاکستان کی تشریح کی۔ میں نے اور دوسرے

مہمانوں نے انہیں تصویر کا دوسرا پہلو بھی دکھانے کی کوشش کی، اور ان مشکلات و مسائل کی طرف اشارہ کیا جو تقسیمِ ملک سے پیدا ہوں گے۔ مثلاً ملک کے اقتصادی نظام میں گڑبڑ کا خطرہ، سرحد کی حفاظت کا مسئلہ، اور انتظامی دقتیں لیکن جناح نے ان سب اعتراضات کو نظرانداز کر دیا، اور اپنی تجویز کی تفصیلوں پر بحث کرنے سے انکار کر دیا۔ جناح میں اس بات کی غیر معمولی صلاحیت تھی کہ اگر وہ کسی واضح تصور کو ایک دفعہ قبول کر لیتے تو اس پر قائم رہتے اور اس کو عملی جامہ پہنانے میں جن دقتوں اور رکاوٹوں کا اندیشہ ہوتا اُن کا قطعاً خیال نہ کرتے۔ اسی یک جہتی اور پامردی میں ان کی قوت و اعتماد کا راز پنہاں تھا۔ قریباً نصف صدی تک جناح ہندوستان کے قومی اتحاد کے پیامبر رہے تھے، اور اس اتحاد کو فروغ دینے کے لیے انہوں نے بڑی جدوجہد کی تھی، لیکن اب ان کے خیالات میں انقلاب آچکا تھا اور وہ ہندوستان کو تقسیم کرانے کا تہیہ کر چکے تھے۔ اس نصب العین سے نہ انہیں دھمکیاں دے کر ہٹایا جا سکتا تھا نہ خوشامد کر کے۔"

لاہور میں ان دنوں شہر کے کنارے ایک کشتی کے اکھاڑے کو مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔ مندوبین کو دھوپ اور سیاسی مخالفین سے بچانے کے لیے ایک زبردست شامیانہ کھڑا کیا جا رہا تھا۔ اُدھر شہر کے اندر فساد کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔ مسلم لیگ کا اجلاس شروع ہونے سے تین چار دن پہلے یہ چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔ پولیس نے خاکساروں کے ایک ہجوم پر گولی چلا دی۔ تیس آدمی اس ہنگامے میں ہلاک اور بہت سے زخمی ہوئے۔

تین دن بعد، 22 مارچ کو قائداعظم محمد علی جناح لاہور میں وارد ہوئے اور سیدھے زخمی خاکساروں کی عیادت کے لیے ہسپتال جا پہنچے۔ خاکسار، مسلم لیگ کے مخالف تھے اور قائداعظم محمد علی جناح کے اس فیاضانہ اظہار ہمدردی کا اچھا اثر پڑا۔ اس طرح بہت سے بھٹکے ہوئے لوگوں کی تسلی ہو گئی اور کشیدگی قدرے گھٹ گئی، لیکن اسی دن جب مسلم لیگ کا اجلاس شروع ہوا تو حاضرین میں سے کچھ لوگوں نے گڑبڑ کرنے کی کوشش کی، اور احتجاجی نعرے بلند کیے۔ ایک شخص نے جو موقع پر موجود تھا، اس ہنگامے کا ذکر یوں کیا ہے:

"مسٹر جناح تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو مجمع میں کچھ لوگوں نے بڑبڑانا شروع کیا، لیکن جناح اطمینان سے کھڑے رہے، پھر انہوں نے سگریٹ سلگا لیا اور حاضرین پر ایک کڑی نظر ڈالی۔ اس کے بعد کسی نے آواز نہ نکالی اور سب کے سب خاموشی سے جناح کی تقریر سنتے رہے۔"

اپنے خطبۂ صدارت میں قائداعظم محمد علی جناح نے ملک کے آئینی مسائل کے بارے میں انہی خیالات کا اظہار کیا، جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے عورتوں میں سیاسی بیداری کی اہمیت بھی واضح کی۔ انہوں نے مندوبین کو یاد دلایا:

"پچھلے اجلاس میں خواتین کی ایک کمیٹی اس مقصد کے لیے مقرر کی گئی تھی۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"ہماری قوم آج موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے اور میرے خیال میں یہ بہت ضروری ہے کہ ہماری عورتیں بھی اس زبردست جدوجہد میں حصہ لیں۔ اپنے گھروں کے اندر رہتے ہوئے اور پردے کی پابندیوں کے باوجود وہ قوم کے لیے بہت کچھ کر سکتی ہیں، اگر مسلمان عورتوں میں سیاسی بیداری پیدا ہو جائے تو آپ کے بچوں کو آگے چل کر زیادہ مصیبت

نہ اُٹھانا پڑے گی۔''

ان دنوں لاہور میں زیادہ تر مسلمان گھرانوں میں پردے کا رواج تھا، اس لیے وہاں قائداعظم محمد علی جناح نے اس مسئلے پر بہت احتیاط سے اظہارِ خیال کیا، لیکن چند سال بعد کسی اور مقام پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے بڑی صاف گوئی سے کام لیا اور کہا:

''عورتوں کو قیدیوں کی طرح گھر کی چار دیواری کے اندر بند رکھا جاتا ہے۔ میں اس بدسلوکی کو انسانیت کے خلاف ایک جرم سمجھتا ہوں۔''

اس کے علاوہ اور کئی مواقع پر انہوں نے صاف صاف کہا:

''جس قوم کی عورتیں مردوں کے دوش بدوش نہیں چل سکتیں، اس کو کبھی عروج حاصل نہیں ہوسکتا۔''

23 مارچ کو بنگال کے وزیر اعلیٰ مولوی ابوالقاسم فضل الحق نے اجلاس میں وہ قرار داد پیش کی جو بالآخر تقسیمِ ہند پر منتج ہوئی۔ اس کی سب سے اہم شق یہ تھی:

''کل ہند مسلم لیگ کا یہ اجلاس پورے غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ہندوستان کے آئینی مستقبل کے متعلق صرف وہی تجویز قابلِ عمل ہوگی، اور مسلمانوں کو قبول ہوگی جو مندرجہ ذیل اصول پر مبنی ہو۔ وہ اصول یہ ہے کہ موجودہ صوبائی سرحدوں میں ضروری رد و بدل کر کے ملک کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ اُن علاقوں میں آزاد ریاستیں قائم ہوسکیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، یعنی ہندوستان کے شمالی مغربی اور شمالی مشرقی خطے۔ ان ریاستوں میں جو صوبے شامل ہوں گے، ان کو مکمل خود مختاری اور اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہوگا۔''

اس اجلاس کے کچھ عرصے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے مطلوب الحسن سید سے جو لاہور کے اجلاس میں موجود تھے، کہا:

''اقبال اگر آج زندہ ہوتے تو یہ دیکھ کر کتنے خوش ہوتے کہ ہم نے بالآخر وہی فیصلہ کیا جس کی انہیں آرزو تھی۔''

دوسرے دن ہندوستانی اخبارات نے اپنی سرخیوں میں اس قرارداد کو ''قراردادِ پاکستان'' کا نام دیا۔ بعد میں قائداعظم محمد علی جناح نے بھی یہی نام اختیار کرلیا۔ اُسی سال کچھ عرصے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے ایک تقریر میں اعلان کیا:

''اب دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کے قیام میں مخل نہیں ہوسکتی۔''

(از ہیکٹر بولائتھو: Jinnah Creator of Pakistan)

پاکستان اسٹوڈنٹس پارٹی

طلباء کی یہ تنظیم 1945ء میں کلکتہ میں قائم کی گئی۔ مسٹر مشرف حسین اس کے سیکرٹری تھے انہوں نے نواب زادہ لیاقت علی خاں کو لکھا:

''آل بنگال مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن اب فرسودہ ہو چکی ہے، اس لیے نئی جماعت کا قیام عمل میں لایا گیا ہے یہ تنظیم پمفلٹ شائع کرے گی اور وہ تمام ذرائع بروئے کار لائے گی جس سے قوم کا مشترکہ مطالبہ پاکستان کا حصول ممکن ہوسکے گا۔''

انہوں نے تنظیم کا یہ نعرہ لکھا:

''پاکستان بناؤ یا ختم ہو جاؤ۔''

1945-46ء عام انتخاب میں اس جماعت نے مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لیے انتہائی اہم کردار ادا کیا۔

پاکستان (افتتاحی تقریب)

قیامِ پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ پاکستان کی افتتاحی تقریبات میں شرکت کے

لیے سربراہِ مملکت کی حیثیت سے گاڑی میں سوار ہو کر اسمبلی کی عمارت کی طرف تشریف لے گئے۔ اسمبلی کا صحن لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، اس موقع پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مسلمانوں کی آزاد اور خودمختار ریاست پاکستان کے قیام کا تاریخی اعلان کیا۔ تقریبات کے ختم ہونے پر قائداعظم محمد علی جناح اور ماؤنٹ بیٹن ایک ہی گاڑی میں سوار ہو کر گورنر ہاؤس واپس چلے گئے۔ سواری کے دوران قائداعظم محمد علی جناح کو قتل کرنے کی سازشوں کی افواہیں گرم تھیں، لیکن کوئی واقعہ رونما نہ ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح بخیریت واپس پہنچ گئے اور قائداعظم محمد علی جناح نے ماؤنٹ بیٹن سے کہا:

''خدا کا شکر ہے کہ میں آپ کو زندہ واپس لے آیا ہوں۔''

پاکستان اسکیم

مئی 1942ء کے آخری عشرے میں قائداعظم محمد علی جناح نے امریکن نیشنل نیوز سروس کے نمائندے سے باتیں کرتے ہوئے فرمایا:

''ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان پوری قوت سے جاپانی حملہ آوروں کو روکیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کی پاکستان سکیم یعنی جنگ کے بعد آزاد مسلم ریاستوں کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

''اگر ہمارے سامنے لڑنے کے لیے ایک ایسا یقینی نصب العین ہو تو ہم برطانوی افواج کے دوش بدوش کھڑے ہو کر لڑیں گے، اور ناقابلِ تسخیر قوت سے کام لے کر دشمن کو ہندوستان سے پیچھے دھکیل دیں گے۔''

مارچ 1939ء کی بات ہے، قائداعظم محمد علی جناح مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کی ایک سب کمیٹی کی صدارت کر رہے تھے، جس کے ارکان میں سکندر حیات، لیاقت علی خان اور فضل الحق شامل تھے۔ یہ سب کمیٹی ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے بارے میں مختلف اسکیموں پر غور کر رہی تھی، جس میں پاکستان سکیم بھی شامل تھی۔ سکندر حیات نے ''آؤٹ لائن آف اے اسکیم آف انڈین فیڈریشن'' کے عنوان سے ایک متبادل سکیم پیش کی، جس میں ہندوستان کو سات زونوں میں تقسیم کرنے کا تصور دیا گیا تھا۔

اس کے پہلے اور آخری زون مشرقی و مغربی پاکستان تھے۔ دسمبر 1935ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے مستقبل کے لائحہ عمل کے انتخاب پر پورے انہماک سے غور و خوض شروع کر دیا۔ وہ جلد ہی کسی نتیجے پر پہنچنے والے تھے، تاہم جنگ کے دباؤ اور خرابیٔ صحت کی بنا پر پارٹی کے سالانہ سیشن کو مارچ 1940ء تک ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بہرحال انہوں نے سال ختم ہونے سے پہلے ایک مرتبہ پھر دنیا کو مسلم لیگ کی قوت سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔

2 دسمبر 1939ء کو ایک ڈرامائی اعلان جاری کیا، جس میں 22 دسمبر کو ''یوم نجات'' کے طور پر منانے کی اپیل کی گئی۔ اس قرارداد میں کہا گیا تھا:

''کانگریس راج نے قطعی طور پر ثابت کر دیا کہ کانگریس کے اس دعوی میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ وہ سب کے مفادات کی منصفانہ اور دیانتدارانہ نمائندگی کرتی ہے۔ کانگریسی وزارتوں نے اپنے انتظامی اور قانون سازی کے فرائض کی ادائیگی میں مسلمانوں کی رائے کو ٹھکرانے اور ان کی تہذیب کو تباہ کرنے کی سرتوڑ کوشش کی، ان کی مذہبی و معاشرتی زندگی میں مداخلت کی، ان کے معاشی و سیاسی حقوق کو پامال کیا۔ اختلاف اور تنازعہ کی صورت میں کانگریس نے ہمیشہ

ہندوؤں کا ساتھ دیا، اور ان کی حمایت کی اور مسلمانوں کے مفادات کو یکسر پسِ پشت ڈال دیا۔ کانگریسی حکومت نے ضلعی افسران کے جائز اور روزمرہ کے فرائض میں دخل دیا۔ معمولی امور میں بھی مسلمانوں کے لیے نقصان دہ طرزِ عمل اختیار کیا۔ اس طرح ایک ایسی فضا پیدا کر دی، جس سے ہندوؤں نے یہ یقین کر لیا کہ ہندو راج قائم ہو گیا ہے۔ اس یقین نے ہندوؤں کو یہ جرأت بخشی کہ وہ مسلمانوں سے بدسلوکی کریں، اور ان کے بنیادی حقوق و آزادی میں رکاوٹ ڈالیں۔''

گاندھی کی نظر سے جونہی یہ قرارداد گزری، انہوں نے سمجھ لیا کہ اب ہندو مسلم قضیہ کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ نہرو زیادہ متاثر نہیں ہوئے، اگلے روز انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے نام مراسلہ میں لکھا:

''کل سے مجھے جس چیز نے مضطرب کر رکھا ہے، وہ اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ زندگی میں اقدار اور مقاصد نیز سیاست کے بارے میں ہمارا اندازِ فکر بہت زیادہ مختلف ہے، پچھلے مذاکرات کے بعد مجھے توقع ہو گئی تھی کہ یہ اختلافات زیادہ بڑے نہیں، لیکن اب ایسا لگتا ہے یہ خلیج پہلے سے کہیں زیادہ وسیع ہو گئی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے نہرو کے اخذ کردہ نتیجہ سے اتفاق کرتے ہوئے جواب دیا:

''ہندو مسلم مسئلہ کو سلجھانے کے لیے مذاکرات جاری رکھنا ممکن نہیں، جب تک ہم اقلیتی مسئلہ کے بارے میں کسی سمجھوتہ پر نہ پہنچ جائیں، بہر حال اگر آپ اس معاملہ پر بحث کرنا چاہیں تو مجھے اس کے لیے تیار پائیں گے۔''

کانگریس پریس نے اب قائداعظم محمد علی جناح کو ''مالابار ہل کا ڈکٹیٹر'' لکھنا شروع کر دیا۔ اصفہانی سمیت قائداعظم محمد علی جناح کے بعض انتہائی وفادار ماتحتوں کو بھی مذکورہ بالا قرارداد سے زبردست دھچکا لگا۔ اصفہانی نے ایک خط میں اپنے اضطراب کا اظہار اس طرح کیا:

''مجھے آپ کی طرف سے ایسی ہدایت کی ہرگز توقع نہیں تھی کیونکہ آپ نے ہمیشہ سیاست کو بلند اور باوقار مقام دیا ہے۔ بہر حال میرا خیال ہے کہ شاید کسی ٹھوس معقولیت نے آپ کو اس اقدام پر مجبور ہے کہ آپ نے ''یومِ نجات'' منانے کی ہدایت جاری کی ہے۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ کس چیز نے آپ کو اتنا سخت قدم اٹھانے پر مجبور کیا ہے۔ جب آپ ہندوستان کے بدنصیب اور پیروں تلے کچلے ہوئے مسلمانوں کی لڑائی لڑنے پر کمر بستہ ہوئے ہی ہیں تو لیگ میں ترقی پسند عناصر آپ کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ انہیں یہ دیکھ کر انتہائی دکھ اور مایوسی ہوئی ہے کہ آپ آہستہ آہستہ رجعت پسندوں اور جی حضوری کے حلقہ میں گھرے جا رہے ہیں۔ پہلے جن سے ہم نفرت کرتے تھے اب وہ آپ کے حامیوں کی صف میں شامل ہو گئے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ لیگ کی عمومی پالیسی سر سکندر اور فضل الحق کے اشاروں پر چل رہی ہے۔

جنابِ والا! یہ وقت مناسب نہیں ہے کہ آپ ساری صورتحال کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا لیں، اور مقابلے کے لیے مضبوطی سے ڈٹ جائیں۔''

ادھر بنگال اسمبلی کے 16 ممبران نے عبدالرحمٰن صدیقی کی قیادت میں اعلانیہ مسلم لیگ کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا۔ ان کے نزدیک ''یومِ نجات'' کی قرارداد ہندوستان کے اتحاد کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے والی تھی۔

جنوبی ہند کی طرف سے اعلانِ حمایت

''یوم نجات'' کے سلسلہ میں جنوبی ہند کی جسٹس پارٹی کے لیڈر، ای، وی رام سوامی نائیکر نے بھرپور حمایت کا اعلان کرتے ہوئے تمام دراڑوی باشندوں سے اپیل کی:

''وہ کانگریس واج سے چھٹکارہ ملنے کی کوشش میں 22 دسمبر کو وسیع پیمانے پر یوم تشکر منائیں۔''

اچھوت طبقوں کی ایسوسی ایشن اور اینگلو گروپ کی طرف سے بھی ایسے ہی بیانات جاری کیے گئے۔ یہ بتانا ممکن نہیں کہ کتنے لوگوں نے یوم نجات سے اتفاق کیا، تاہم قائداعظم محمد علی جناح کی تجویز کردہ قرارداد سے ملتی جلتی بہت سی قراردادیں منظور کی گئیں۔ اسی معاملے میں ٹائمز آف انڈیا میں ایک پورے صفحے کا اشتہار شائع ہوا، تاہم اس کے بارے میں گاندھی کا اندازہ یہ تھا:

''کسی نے اس موقع پر توجہ نہیں دی۔''

بمبئی میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا، جس میں مسلم لیگ کے سر کریم بھائی نے قرارداد پیش کی، اور اچھوت رہنما ڈاکٹر امبید کر نے اس کی تائید کی۔

(دیکھیے: نظم وضبط کی پابندی)

پاکستان اور آزادیٔ ہند

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 15 فروری 1942ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

''جب ہم پاکستان کا مطالبہ پیش کرتے ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ ہمارے وطنوں میں یعنی ان حصوں میں جہاں ہمیں اکثریت حاصل ہے۔ ہماری حکومت ہونی چاہیے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ ہم ہندوؤں کے مخالف ہیں۔ یا ان کے ساتھ بے انصافی کے خواہاں ہیں۔''

یہ قائداعظم محمد علی جناح کی اس تقریر کا حصہ ہے جو محمد علی پارک کلکتہ میں پرچم کشائی کی رسم ادا کرتے ہوئے فرمائی گئی:

''کیا ہم ہندوؤں سے عرض کر سکتے ہیں کہ انہیں خود تراشیدہ اوہام کی تیرگی سے باہر حقیقت پر غور کرنا چاہیے اور محولا بالا ارشاد کی روشنی میں آل انڈیا مسلم لیگ قرارداد لاہور کا مطالبہ کرنا چاہیے، جسے عرف عام میں پاکستان کہا جاتا ہے۔

ہندوستان میں صحیح اور منصفانہ دستور وہی ہو سکتا ہے، جس میں ہر صوبے کی اکثریت اور اقلیت کے جانی حقوق محفوظ ہو جائیں۔ بتایئے! لیگ کی قرارداد کے سوا کون سی اسکیم اس معیار پر پوری اترتی ہے۔ یہاں بعض صوبے ایسے ہیں جن میں ہندوؤں کو اکثریت حاصل ہے، اور مسلمان اور بعض دوسری قومیں اقلیت میں ہیں۔ یعنی صوبے ایسے ہیں جن میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے اور ہندو یا دوسری قومیں اقلیت میں ہیں۔ لیگ کی قرارداد کا مطلب یہ ہے کہ ہر صوبے کی اکثریت اپنے حق کارفرمائی سے مستفید ہو، اور ہر مقام کی اقلیتوں کے لیے باہمی رضامندی سے حفاظت کا ایک یکساں فارمولا تجویز کیا جائے۔ اس کے برعکس کانگریس، لبرل پارٹی یا ہندو مہاسبھا کی اسکیموں کا مدعا کیا ہے یا یہ کہ ہندو نہ محض صوبوں میں کارفرما ہیں، بلکہ مرکز کے ذریعے سے بھی ان کے لیے دائمی غیر متبدل اور مستقل اقتدار کا انتظام کر دیا ہے۔ جو مسلم اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کی حیثیت کارفرمائی کے لیے موت کا پیغام ہوگا، اور مسلم اقلیتوں کے لیے حفاظت کا کوئی معیار باقی نہ چھوڑے گا۔ ہم لیگ کے ہر مخالف کو چیلنج کرتے ہیں کہ اس دعویٰ کو غلط ثابت کیا جائے یا یہ بتایا جائے کہ لیگ کے

سوا ہندوستان کی کسی دوسری جماعت کی اسکیم کس بنا پر حق بجانب مانی جاسکتی ہے؟

ایک نیشنلٹی یا ایک قومیت کی فسانہ طرازی ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاسکتی۔ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ ہندو اور مسلمان ایک نہیں ہیں۔ ان کے معتقدات، تمدن، معاشرت اور سیاست میں نمایاں فرق ہے۔ ہندوستان میں برسوں مخلوط انتخاب جاری رہا، لیکن ہندوؤں نے کبھی مسلمان کو اپنا نمائندہ نہ چنا۔ اب بھی کئی حلقے ایسے ہیں جن میں ابتدا سے مخلوط انتخاب جاری ہے لیکن ان میں سے آج تک کوئی مسلمان منتخب نہیں ہوسکا۔ آپ کے سامنے پنجاب یونیورسٹی ہے، جو ریاست کشمیر اور سرحد سمیت قریباً 65 فیصد مسلمانوں کے حلقے کی یونیورسٹی ہے، لیکن ان کی مختلف مجالس، اس کے منتخب عہدیداروں اور ان کے پروفیسروں اور کارکنوں کے نقشے اٹھا کر دیکھیے، صاف واضح ہو جائے گا کہ سب کچھ ہندوؤں کے قبضۂ تصرف میں ہے۔ مسلمان برسوں سے شور مچا رہے ہیں، لیکن ہندوؤں کی ذہنیت میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا بلکہ ان کی حرص اقتدار کی آگ تیز تر ہوتی گئی۔ کیا ایک قومیت کے ڈھنگ یہی ہوتے ہیں؟ اس سے بدتر صورت آپ کو کلکتہ یونیورسٹی میں نظر آئے گی۔ ہندوؤں نے ایک قومیت کا افسانہ محض اس لیے تیار کیا کہ ملکی اختیارات بالعموم ان کے قبضے میں رہیں۔ اگر قومیت کی حقیقت کا اعتراف کر لیا جائے تو مسلمانوں کا جائز حصہ چھوڑنا پڑے گا لیکن کیا محض لفظی ہنگامہ آرائی سے حقیقت بدل سکتی ہے؟

کانگریس متحدہ قومیت کی سب سے بڑھ کر دعویدار تھی، لیکن کیا آپ کو معلوم نہیں کہ 1937ء میں برسرِ اقتدار آنے کے بعد کانگریس نے جگہ جگہ مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ جہاں ہندوؤں کی تعداد اتنی تھی کہ وہ مسلمانوں کی امداد کے بغیر حکومت بناسکتے تھے، وہاں ملت اسلامیہ کے نمائندہ گروہوں کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا۔ جہاں ایسا موقع نہیں تھا وہاں مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈال کر اپنا مطلب پورا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، کیا یہ ایک قومیت کے ثبوت ہیں؟

باقی رہا ہندوستان کی وحدت کا مسئلہ تو اس بارے میں بحث کی ضرورت نہیں۔ اول اس لیے کہ ہندوستان کی حدیں کبھی ایک نہیں رہیں، اور اس کی موجودہ وحدت محض اتفاقات کا نتیجہ ہے۔ دوسرے آخری فیصلہ آزاد و خودمختار صوبوں پر چھوڑ دینا بہتر ہے۔ صوبے باہمی رضامندی سے جن جن امور میں اشتراک پسند کریں یا ضروری سمجھیں اس کا بندوبست خود کر لیں۔ ان کو جبراً کسی طریق عمل کا پابند بنانا حقوق آزادی کے منافی ہوگا۔ اس طرح دونوں قوموں میں خوشدلی اور اعتماد پیدا ہوسکتا ہے۔ اس طرح ہندوستان کا مسئلہ طے ہوسکتا ہے۔ اس طرح اس کے باشندے ہم آہنگی سے آزادی کا مطالبہ کر سکتے ہیں، جسے کوئی طاقت مسترد نہیں کر سکے گی۔ یہی حقیقی سوراج یعنی باشندگان ہند کا راج ہوگا۔ لیگ ہندو اکثریتوں اور اقلیتوں دونوں کے جائز حقوق کی حفاظت کے لیے تیار ہے۔ ہندو مسلم اکثریتوں اور اقلیتوں کے جائز حقوق کے اعتراف کے لیے کیوں تیار نہیں ہیں؟ اگر تیار نہیں تو اس کا مطلب بجز اس کے کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ انصاف سے گریزاں ہیں۔''

(روزنامہ انقلاب، 15 فروری 1942ء)

اب ملاحظہ کیجئے کہ ٹھیک ایک سال کے بعد کیا حالات و واقعات پیش آئے۔ سیاسیات ہند نے کس قدر قلابازیاں کھائیں، کانگریس نے کیسے کیسے حیلے تراشے اور اس کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے کیا فرمایا۔ کانگریس کا لیڈر اعظم گاندھی بڑا شاطر انسان تھا۔ اس کا ہندووانہ ذہن مسلمانوں کو پستی میں دھکیلنے کے لیے نئے نئے طریقے ایجاد کرتا تھا۔

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 4 فروری 1943ء میں لکھتا ہے:

''قائداعظم نے اسلامیہ کالج بمبئی کے طلبہ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ہندوستان کی تقدیر کے فیصلے کا راستہ کتنے سادہ، واضح اور روشن الفاظ میں پیش کر دیا: ''اس راستے سے صرف وہی لوگ اختلاف کر سکتے ہیں، جن کے دل و دماغ پر گمراہی یا خودغرضی کا غبار چھایا ہوا ہے۔ جن کی آنکھیں زخم آلود ہیں اور جو اخلاق وحق شناسی سے عاری ہیں۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ موجودہ تعطل صرف اسی صورت میں دور ہو سکتا ہے کہ ہندو اور مسلمان آپس میں اتفاق کر لیں اور انصاف کی شکل یہ ہے کہ مسلمانوں کا مطالبہ مان لیا جائے۔ حکومت برطانیہ کہتی ہے کہ ہم ہر اختیار دینے کے لیے تیار ہیں، بشرطیکہ کوئی متفقہ مطالبہ پیش ہو۔ اس بارے میں یہ بحث چھیڑنے سے کیا حاصل ہو سکتا ہے کہ حکومت اپنے دعوئی میں مخلص نہیں ہے؟ اور وہ موجودہ حالات سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ یہ حقیقت ہر ہندو پر آشکارا ہے کہ اختلاف وتفرقہ موجود ہے۔ یہ امر بھی محتاج بیان نہیں کہ جب تک اختلاف دور نہ ہو آئندہ کے لیے کچھ طے نہیں ہو سکتا، اور اگر کسی خارجی طاقت کے بل پر طے کرانے کی کوشش کی جائے تو ملک میں بدامنی اور خانہ جنگی کی آگ بھڑک اٹھے گی۔ صحیح راہ عمل یہی ہے کہ ہم آپس میں اتفاق کر لیں، پھر حکومت برطانیہ اپنے مذکورہ بالا دعوئی پر عمل پیرا نہ ہو تو سارا ملک متحد طاقت سے اس پر عمل کرائے، یعنی موجودہ تعطل کے ازالہ کے لیے حکومت کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس تعطل کو ہندوؤں کی حق شناسی ایک لحہ میں دور کر سکتی ہے۔ وہ مسلمانوں کا مطالبہ آج مان لیں، تعطل آج دور ہو سکتا ہے۔

کیا ہندوؤں کو یہ حقیقت معلوم نہیں کہ اس ملک کے دس کروڑ مسلمان اور کثیر التعداد دوسرے طبقے کانگریس کی تحریک سے محض الگ ہی نہیں بلکہ اس تحریک کو اپنے جائز حقوق کے مقاصد کے خلاف اعلانِ جنگ سمجھتے ہیں، اور اس تحریک سے نتیجہ کیا نکلا؟ اموال کو نقصان پہنچا، عمارتیں تباہ ہوئیں، بے گناہ انسانوں کی جانیں ضائع ہوئیں اور یہ سب کچھ کیوں پیش آیا؟ صرف اس لیے کہ ہندو مسلمانوں کی خواہش کے خلاف اس بات پر تلے بیٹھے تھے کہ انگریزوں سے سارے اختیارات خود حاصل کر لیں، اور یہاں مسلمانوں کے اتفاق کے بغیر اپنی مرضی کا نظام حکومت بنا لیں۔ یہ چیز حل نہیں ہو سکتی اور آج ہر شخص پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ گاندھی اور اس کے رفیقوں کے تمام بلند بانگ دعوئی سراسر باطل تھے۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت: 4 فروری 1943ء)

پاکستان اور اقلیتیں

روزنامہ نوائے وقت نے اپنی اشاعت 15 جولائی 1947ء کے اداریہ میں لکھا:

''قائداعظم محمد علی جناح نے کل جس پریس کانفرنس کو خطاب فرمایا، وہ اپنی نوعیت و اہمیت کے اعتبار سے شاید ہندوستان کی تاریخ کی سب سے یادگار کانفرنس

ہوگی۔ اس کانفرنس کو خطاب کرنے والا شخص نہ صرف ملک کی ایک مقتدر قوم کا مسلم الثبوت قائد اور ایک سب سے بڑی جماعت کا صدر تھا، بلکہ وہ نقشہ عالم پر ابھرنے والی ایک نئی سلطنت کا بانی اور صدر اعظم بھی تھا۔ پہلی مرتبہ کسی ہندوستانی نے اس بلند مقام سے اخبار نویسوں کو مخاطب کیا ہے۔ قائداعظم کی اس پریس کانفرنس کا سب سے اہم حصہ وہ ہے جس میں انہوں نے اقلیتوں کے مذہب و تمدن اور حقوق و مفاد کے متعلق پاکستان کی پالیسی کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا ہے:

''میں نے جب کبھی اقلیتوں کے متعلق کوئی بات کہی ہے۔ صدق دل کے ساتھ کہی ہے۔ اقلیتیں خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتی ہوں، بہر حال محفوظ ہوں گی۔ ان کے مذہب اور عقیدہ کی ہر ممکن ذریعہ سے حفاظت کی جائے گی۔ ان کے جان و مال کا پورا پورا تحفظ کیا جائے گا۔ ان کے طریقۂ عبادت میں قطعاً کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی، اور وہ ذات پات اور مذہب و عقیدہ کے امتیاز کے بغیر پاکستان کے شہری سمجھے جائیں گے۔''

کسی حکومت کا صدر اعظم اس سے زیادہ واضح الفاظ میں اپنی اقلیتوں کو یہ اطمینان نہیں دلا سکتا کہ اس کی سلطنت میں ان سے انصاف کیا جائے گا، اور ان کے جان و مال اور مذہب و تمدن کی پوری پوری حفاظت کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں قائداعظم نے صرف ایک شرط عائد کی ہے، اور وہ شرط یہ ہے کہ اقلیتیں اس سلطنت کی وفادار ہوں۔ یہ شرط لازمی ہے اور کوئی صحیح العقل انسان اس سے انکار نہیں کرے گا کہ وہی شہری سلطنت کی حفاظت، سرپرستی اور مراعات کا مستحق ہے، جو سلطنت کا وفادار ہو۔ ہمیں یقین ہے کہ پاکستان کی ہندو اور سکھ اقلیتیں قائداعظم کی اس ضمانت کے بعد اپنے مستقبل کے متعلق مطمئن ہو جائیں گی، اور نہ صرف پاکستان میں ہی رہیں گی بلکہ اس ملک کے وفادار شہریوں کی طرح اسے اپنا ملک سمجھتے ہوئے محفوظ، طاقتور اور خوشحال بنانے کے لیے کوشش کریں گی۔

ہمیں افسوس ہے کہ مسٹر گاندھی ایسے ذمہ دار لیڈر نے کل اپنی پراتھنا کے بعد تقریر کرتے ہوئے قائداعظم کی اس ضمانت کا خیر مقدم کرنے کے بجائے اس کا ذکر نہایت بھونڈے انداز میں کیا، اور یہ کہہ کر کہ محض خوشنما الفاظ کافی نہیں عمل کی بھی ضرورت ہے۔ دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ قائداعظم کی مذکورہ بالا ضمانت کھوکھلے الفاظ کا مجموعہ ہے، اور مسلمانوں کے عمل سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ مسٹر ولبھ بھائی پٹیل نے راولپنڈی کی ہندو کانفرنس کو یہ پیغام بھیجا تھا، اس کا انداز بھی اسی قسم کا تھا۔ مسٹر پٹیل جنگجو طبیعت کے ایک فتنہ پرور لیڈر ہیں۔ جنہیں لڑائی جھگڑا دل سے پسند ہے لیکن مسٹر گاندھی کو جو اہنسا ور عدم تشدد کی علمبرداری کے مدعی ہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ بلاوجہ دوسری قوم کے رہنما کی نیت پر حملہ کریں اور اسے منافق یا بددیانت قرار دیں۔ مسلمانوں کا طرز عمل یہ ہے کہ وہ قول اور فعل دونوں کے ذریعہ اقلیتوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بنگال، سندھ اور پنجاب تینوں صوبوں کے مسلمان راہنماؤں کی تقریریں آپ کے سامنے ہیں۔ اس کے برعکس کانگریسیوں کا طرز عمل یہ ہے کہ سی پی کے وزیراعظم نے اپنے صوبے کے مسلمانوں کو دھمکی دی

کہ انہیں اس وقت جو حقوق حاصل ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد وہ ان سے محروم کر دیے جائیں گے، اور یوپی کی وزارت نے فیصلہ کر دیا ہے۔ اس وقت صوبہ میں جس تناسب سے مسلمانوں کو ملازمتیں حاصل ہیں، ان میں بہت زیادہ کمی کر دی جائے بلکہ یوپی میں اس وقت جو مسلمان سرکاری ملازم ہیں انہیں جواب دیا جا رہا ہے۔ یہ ہے مسٹر گاندھی کی ہندو کانگریس کا ''قول اور فعل'' یعنی انصاف کا یقین دلانے کے بجائے دھمکیاں دی جا رہی ہیں اور انہیں عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ اس کے باوجود مسٹر گاندھی قائداعظم کی نیت پر شبہ کر رہے ہیں اور کانگریس کو دیوتاؤں کی جماعت اور اپنے آپ کو معصوم و منزہ عن الخطاء، دیوتاؤں کا دیوتا سمجھتے ہیں۔ کاش مسٹر گاندھی قائداعظم کے اس ارشاد پر غور فرمانے کی زحمت گوارا فرماتے کہ میں کانگریس سے بھی یہی چاہتا ہوں کہ جو سلوک پاکستان میں اقلیتوں سے ہو، کانگریس ویسا ہی سلوک ہندوستان میں مسلمانوں سے کرنے پر تیار ہو۔ اس ایک فقرہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قائداعظم کی نیت کیا ہے؟''

(روزنامہ نوائے وقت، اشاعت 15 جولائی 1947ء)

پاکستان (مسئلہ موت و حیات)

قائداعظم محمد علی جناح نے 20 دسمبر 1946ء کو قاہرہ میں ایک تقریر کے دوران کہا:

''ہمارے لیے پاکستان زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے گھروں میں آزاد رہیں تو آپ کو ہمارے ساتھ اشتراکِ عمل کرنا چاہیے۔ اس وقت کوئی بھی ایسی مسلم حکومت موجود نہیں، جو صحیح معنوں میں آزاد ہو، مسلمان اور عرب حکومتیں حقیقی معنوں میں اس وقت تک آزاد نہ ہوں گی، جب تک پاکستان قائم نہ ہوگا۔ اس لیے کہ جو ہندوستان پر اقتدار رکھتا ہے، وہی مشرقِ وسطیٰ پر بھی اقتدار رکھتا ہے، اگر ہندوستان میں شہنشاہیت قائم ہو گئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہندوستان سے اسلام ختم ہو گیا، بلکہ ہندوستان ہی سے نہیں، دوسرے اسلامی ممالک سے بھی، مذہبی اور روحانی رشتے ہم سب کو ایک رشتے سے باندھے ہوئے ہیں، اگر ہم ڈوبے تو سب ڈوب جائیں گے۔''

پاکستان اور معمار پاکستان

پاکستان کا تصور حقیقت بنتا جا رہا تھا۔ خود کانگریسی اخبارات نے پیشین گوئیاں شروع کر دی تھیں:

''پاکستان بنے گا۔''

قدرتاً بعض لوگوں کے دلوں میں خیال پیدا ہوا:

''اگر پاکستان بنا تو وہ کیسا ہوگا؟ اس کا نظام کیا ہوگا؟ وہاں اقلیتوں کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ ہوگا؟''

رائٹر کے نمائندہ مسٹر ڈان کیمبل نے نئی دہلی میں خاص طور پر قائداعظم محمد علی جناح سے اس سلسلہ میں انٹرویو کیا، اور چند خاص سوالات کیے۔ سوالات کو نظر انداز کر کے قائداعظم محمد علی جناح کے بعض جوابات ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔ جن سے اندازہ ہوگا کہ پاکستان کے بارے میں پاکستان کے معمار کا کیا خیال تھا:

''پاکستان کے مرکزی نظام اور اس کی واحدانیتوں کے نظام حکومت کا فیصلہ تو پاکستان مجلسِ دستور ساز کرے گی، البتہ پاکستان کا طرزِ حکومت صرف جمہوری ہوگا اور اس کی پارلیمنٹ اس کی وزارت (جو

پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہوگی) دونوں ہی عموماً رائے دہندگان اور عوام کے سامنے جواب دہ ہوں گی، جس میں کسی ذات، نسل یا فرقہ کی تفریق نہیں کی جائے گی اور عوام اپنی حکومت کی پالیسی اور پروگرام کے متعلق آخری فیصلہ کریں گے۔''

سب سے اہم مسئلہ اقلیتوں کا تھا، اس کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''اقلیتوں کو بہر نوع محفوظ رکھنا ہی ہوگا۔ پاکستان میں جو اقلیتیں ہوں گی وہ پاکستان کے باشندے ہی کہی جائیں گی۔ اس لیے ان کو بلا تفریق مذہب وملت، نسل وذات وہ تمام حقوق ومراعات اور حق آسائش حاصل ہوں گے جو کسی پاکستانی باشندے کو حاصل ہوں گے، اور مجھے تو ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ ان کے ساتھ عدل وانصاف نہیں کیا جائے گا۔ پاکستان گورنمنٹ نظامِ حکومت چلائے گی۔ اپنی پارلیمنٹ میں پیش شدہ قوانین پر قابو رکھے گی، اور خود پارلیمنٹ کا اجتماعی دماغ وضمیر اس امر کا ضامن ہوگا کہ اقلیتوں کے ساتھ انصاف کیا جائے گا، اور ان کو بے انصافی کا خطرہ بھی لاحق نہ ہو۔ ان سب باتوں کے علاوہ میری رائے میں پاکستان کے دستور اساسی میں ایسی دفعات رکھی جائیں گی جن سے اقلیتوں کا تحفظ ہو جائے، اور اس طرح بنیادی حقوق شہریت ہر فرقہ کے مذہب وعقیدہ کی حفاظت، آزادیٔ خیال، آزادیٔ تقریر اور تحفظ کلچر اور بسی زندگی کی حفاظت وغیرہ کی طرف سے ان کو مطمئن کر دیا جائے گا۔''

پاکستان اور مُلوکِ عرب

پاکستان کے قیام پر عرب ممالک کے فرمانرواؤں نے بے اندازہ مسرت کا اظہار کیا۔ سلطان ابن سعود ملک الحجاز نے ایک برقیہ بھیج کر قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں ہدیہ تبریک وتہنیت پیش کیا۔ شاہ فاروق فرمانروائے مصر کے سفیر نے قائداعظم محمد علی جناح کو اس عظیم الشان خدمت میں حاضر ہوکر مبارکباد دی۔ حکومت عراق کے قونصل نے بھی قائداعظم محمد علی جناح کو اس عظیم الشان اور یادگار کامیابی پر مرحبا کہا۔ شرق اردن کے فرمانروا امیر عبداللہ نے رائٹر کے نامہ نگار کو بیان دیتے ہوئے پاکستان سے اپنے عمیق تعلق خاطر اور بے اندازہ مسرت کا اظہار کیا۔ جمہوریہ انڈونیشیا کی طرف سے بھی قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں پیام مبارکباد پہنچا۔ غرض اسلامی ممالک میں بھی کامیابی پر دلی مسرت کا اظہار کیا گیا۔

پاکستان......ایک اٹل حقیقت

24 اگست 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ایک اخباری بیان میں کہا:

''ہمیں اپنے دشمنوں سے ہوشیار رہنا چاہیے، جو ہر لحاظ سے اس مملکت کے وجود کو خطرے میں ڈالنا چاہتے ہیں، احتیاط کا تقاضا ہے کہ ہم ہر قسم کی انتقامی کارروائی سے گریز کریں کیونکہ ایسا کرنے سے ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔

جو لوگ پاکستان کو مٹانے کا خواب دیکھ رہے ہیں، وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ پاکستان کی جڑیں بڑی گہری اور مضبوط ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ اس مملکت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنائیں کیونکہ یہ اسلامی ریاستوں میں سب سے بڑی ریاست ہے، اور اسے اقوامِ عالم میں اعلیٰ مقام حاصل کرنا ہے۔''

پاکستان اینڈ مسلم انڈیا

قائداعظم محمد علی جناح نے اس کتاب کا دیباچہ لکھا یہ کتاب مسٹر ایم آر ٹی نے لکھی۔ قائداعظم محمد علی جناح اس کتاب کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں:

''انہوں نے حقائق اور اعداد و شمار یکجا کر دیے ہیں، جو بہت قیمتی ہیں مصنف ان مضامین کو متعدد اخبارات میں وقتاً فوقتاً شائع کرا کے پہلے ہی قابلِ قدر خدمات انجام دے چکے ہیں۔ انہوں نے نہایت غیر جانبدارانہ طریقے سے ان متعدد اسباب کی نشاندہی کی ہے کہ جن سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے آئینی مسئلہ کا حل یہ ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی قرارداد لاہور منظور شدہ مارچ 1940ء پاکستان اسکیم کے جو اصول متعین کیے گئے ہیں انہیں تسلیم کر لیا جائے اور ہندوستان کو تقسیم کر دیا جائے۔''

24 دسمبر 1942ء ایم اے جناح
نمبر 10 اورنگ زیب روڈ نئی دہلی

پاکستان ایمبولینس

قائداعظم محمد علی جناح 20 فروری 1946ء کو کلکتہ گئے تو اس کے پانچویں روز پاکستان ایمبولینس کے افسروں نے قائداعظم محمد علی جناح کو گارڈ آف آنر پیش کیا۔ سکولوں کے بچوں نے بھی قائداعظم محمد علی جناح کو خوش آمدید کہا۔

پاکستان برما تعلقات

قائداعظم محمد علی جناح نے 21 جنوری 1948ء کو سفیر برما کی تقریب پر فرمایا:

''مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ ماضی کی طرح مستقبل میں بھی برما اور پاکستان کے تعلقات خوشگوار، مضبوط اور باہمی مفاد کے مطابق رہیں گے۔ یہ دو مملکتیں جو تاریخ کے اعتبار سے قدیم ہیں، اور دونوں تقدیر کی ایک نئی اور بلند شاہراہ پر گامزن ہیں امن اور ترقی کا ایک مستقبل اور ابدی زمانہ قائم کرنے کے لیے پوری طاقت اور توانائی سے جدوجہد کریں۔''

پاکستان ٹائمز

یہ لاہور اور اسلام آباد سے بیک وقت شائع ہونے والا انگریزی روزنامہ تھا، جو اب بند ہو چکا ہے۔ یہ روزنامہ قائداعظم محمد علی جناح کے ایما پر پروگریسو پیپرز لمیٹڈ کے میاں افتخار الدین نے 4 فروری 1947ء کو جاری کیا۔ اسے 1959ء میں نیشنل پریس ٹرسٹ کی تحویل میں دے دیا گیا۔

اس کی پیشانی پر یہ لکھا ہوتا تھا:
''قائداعظم نے اس کی بنیاد رکھی۔''

پاکستان زندہ باد

قائداعظم محمد علی جناح نے پہلی بار پاکستان زندہ باد کا نعرہ اس وقت لگایا جب انہوں نے 3 جون 1947ء کو آل انڈیا ریڈیو پر تقسیم ہند کے بارے میں وائسرائے ہند کے منصوبے پر تقریر کی۔ یوں آل انڈیا ریڈیو سے پہلی اور آخری بار پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگانے کا شرف بھی قائداعظم محمد علی جناح کو حاصل ہوا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر کے فوراً بعد ہندوستان کے وزیر اطلاعات و نشریات سردار ولبھ بھائی پٹیل نے وائسرائے ہند کو ایک احتجاجی خط لکھا:

''محمد علی جناح نے آل انڈیا ریڈیو کو اپنی جماعت مسلم لیگ کے پروپیگنڈہ کے لیے استعمال کیا ہے۔''

پاکستان سپیشل

قائداعظم محمد علی جناح نے 1946ء میں اس ٹرین میں بنگال اور آسام کا دورہ کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے سفر کا آغاز کلکتہ سے کیا اور میمن سنگھ سے چند اسٹیشن آگے انہوں نے دورے کا اختتام کیا۔ راستے کے چھوٹے بڑے تمام ریلوے اسٹیشنوں پر قائداعظم محمد علی جناح کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ لوگوں کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ وہ قائداعظم محمد علی جناح کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے غیرقانونی حرکات کرنے سے بھی نہ نمٹتے، میمن سنگھ اسٹیشن پر جب ٹرین پہنچی تو تین گھنٹے لیٹ تھی۔ ریلوے اسٹیشن پر لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ اسی عالم میں قائداعظم محمد علی جناح سے درخواست کی گئی:

''آپ ریلوے پل پر سے عوام سے خطاب کریں۔''

لیکن عوام کا یہ غیر منظم رویہ قائداعظم محمد علی جناح کو ہرگز پسند نہ آیا اور انہوں نے اپنے کمپارٹمنٹ سے باہر آنے سے انکار کر دیا۔ اگرچہ اس مہم کی کامیابی پاکستان کے حصول کا ایک ذریعہ تھا، تاہم قائداعظم محمد علی جناح نے اس نازک موقع پر بھی اصولوں کا ساتھ نہ چھوڑا، اور اس کی بات پرواہ نہ کی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی اصول پسندی کا یہ نتیجہ تھا کہ انہوں نے نظم وضبط کا آخری دم تک مظاہرہ کیا جو پاکستان کے قیام پر منتج ہوا۔

پاکستان سے پاکستان تک

اس کتاب کو عشرت رحمانی نے لکھا، اور مقبول اکیڈمی لاہور نے زیورِ طباعت سے آراستہ کیا۔ یہ کتاب پاکستان کے قیام و استحکام کی مستند تاریخ کا درجہ رکھتی ہے اسے اس لحاظ سے استناد کا درجہ حاصل ہے کہ مرتب نے مدت دراز تک تحریکِ پاکستان کے زمانہ کے تمام حالات اور واقعات بچشم خود دیکھے، اور ایک بالغ نظر مورخ کی حیثیت سے اسے مرتب کیا ہے۔

یہ کتاب ذہنی آزمائش کے مقابلوں میں حصہ لینے والوں، ریسرچ اسکالروں، عام صحافیوں اور عام قارئین کے لیے حوالے کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح اور تحریکِ پاکستان کے بے شمار حوالے موجود ہیں۔

پاکستان فنڈ

پاکستان کا قیام بے سروسامانی کے عالم میں عمل میں آیا تھا حالات انتہائی مخدوش تھے۔ اس کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس وقت اعلیٰ انتظامی عہدوں پر فائز تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی دوربین نگاہوں نے قیامِ پاکستان سے دو ماہ قبل ہی یہ دیکھ لیا تھا کہ نوزائیدہ مملکت پاکستان کے لیے بے شمار مسائل پیدا کر دیے گئے ہیں، اور اگر ان مسائل پر قابو پانے کے لیے اقدامات نہ کیے گئے تو خدانخواستہ پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ اس لیے قائداعظم محمد علی جناح نے 16 جون 1947ء کو پاکستان فنڈ کے نام سے ایک فنڈ قائم کیا۔ اس فنڈ میں عوام اور تاجر حضرات نے دل کھول کر عطیات اور چندہ دیا۔ یوں قائداعظم محمد علی جناح نے بھارتی راہنماؤں کی ان کوششوں کو ناکام بنا دیا جو اس نے پاکستان کے حصے کے 75 کروڑ روپے میں سے صرف بیس کروڑ روپے ادا کر کے کی تھی۔

پاکستان کا بدرِ کامل

(دیکھیے: چاندی کی گولیاں)

پاکستان کا پرچم

15 اپریل 1948ء کو پشاور میں 2/15 پنجاب مشین رجمنٹ سے خطاب کے دوران بانی پاکستان قائداعظم محمد علی

جناح نے فرمایا:

''مجھے یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ آپ کی رجمنٹ کو ''پرچم'' پیش کرنے کی تقریب کے اس موقع پر میں بے حد فخر محسوس کررہا ہوں۔ آپ کا پرچم اس بات کی علامت اور یاد دہانی ہے کہ آپ کی رجمنٹ کی ذمہ داریاں بالکل اسی طرح ہیں، جس طرح آپ کی اپنی قوم کے سامنے ذمہ داریاں ہیں۔ آپ ہمیشہ ان عظیم عزائم سے سرشار رہتے، جن کا آپ نے از سرِ نو عہد کیا ہے۔ یعنی پاکستان کی خدمت، کردار کی حفاظت، آپ اپنا کردار ادا کیجئے اور اپنے رفقاء کی شاندار یادوں کے جلو میں اپنا کردار ادا کیجئے، اور یوں ''اسلام'' کی شان کو مزید بلند کیجئے۔ الفاظ سے زیادہ عمل کی اہمیت ہوتی ہے، اور مجھے یقین ہے کہ جب آپ کو اپنے ملکی دفاع اور قوم کی سلامتی اور بقاء کے لیے پکارا جائے گا تو آپ اپنی روایات کو قائم رکھیں گے۔
مجھے یقین ہے کہ آپ ''پاکستان کے پرچم'' کو سربلند اور ایک عظیم قوم کی حیثیت سے اس کی ''عزت'' اور ''وقار'' کو برقرار رکھیں گے۔''

پاکستان کا تحفظ

1942ء کے اواخر میں لارڈ لنلتھگو کے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ مذاکرات کی ایک انتہائی قابل اعتماد خفیہ رپورٹ موصول ہوئی، جو اس نے ایمری کو اس نوٹ کے ساتھ بھجوادی:

''اس سے پاکستان کے مسئلہ پر جناح کے خیالات کا واضح ترین انکشاف ہوتا ہے۔''

(جناح اس بات پر مصر تھے کہ وہ عبوری حکومت میں ہندوؤں کے ساتھ برابری کی سطح پر شریک ہوں گے، کیونکہ ان کے بقول:)

''صرف اس راستہ پر چل کر وہ پاکستان کا تحفظ کرسکتے ہیں۔ عبوری حکومت میں دیگر شرائط کے ساتھ شامل ہونا، اس جال میں پھنسنے کے مترادف ہو گا جو کانگریس اور ہندو غافل اور بے صبرے مسلمانوں کے لیے بڑے احتیاط سے بچھا رہے تھے۔ یہ ایک خطرناک کھیل تھا، اور کم از کم وہ کھیلنے کو تیار نہیں تھے۔ ان کے خیال میں ''موجودہ وقت ایسا ہے جبکہ مسلمانوں کو زندگی اور موت کا سوال درپیش ہے۔'' انہوں نے یہ نہیں کہا کہ خطیبانہ مفہوم میں وہ اس کے حقیقی معانی مراد لیتے ہیں۔ مسلمانوں کو یا تو اپنے دعوے پر جمے رہنا ہوگا، اور قوموں کی برادری میں اپنے لیے قابلِ احترام جگہ حاصل کرنی ہوگی، یا نیچے گر کر مستقل طور پر کمتر حیثیت اور غلامی پر رضامند ہونا پڑے گا۔ وہ کیا چاہتے ہیں، اس کا فیصلہ انہیں خود کرنا ہوگا۔ اگر وہ اول الذکر پوزیشن اختیار کرتے ہیں تو میں ان کے لیے آخر دم تک لڑنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر وہ موخر الذکر موقف کو اپناتے ہیں تو میں اجازت چاہوں گا اور وکالت کرکے اپنی گزر اوقات کرلوں گا۔''

پاکستان کاٹن بورڈ

11 اکتوبر 1947ء کو کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کاٹن بورڈ کا افتتاح کیا۔

پاکستان کا خواب

15 اگست 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے

گورنر جنرل منتخب ہوئے، 11 اگست کو کراچی میں پاکستان دستور ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اجلاس کی صدارت کسی مسلمان نے نہیں کی، بلکہ ایک ہندو، مسٹر جوگندر ناتھ منڈل نے کی۔ ایوان نے مستقل صدارت کے لیے قائداعظم کا اسم گرامی منظور کیا۔ اس موقع پر کانگریس اور دیگر پارٹیوں کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح کو خراجِ حقیقت پیش کیا گیا۔ کانگریس پارٹی کے لیڈر مسٹر کرن شنکر رائے نے کہا:

''میں کانگریس پارٹی کی طرف سے آپ کو دستور ساز اسمبلی کا صدر منتخب ہونے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں زبردست کامیابی حاصل کی ہے۔ پاکستان کا خواب آپ ہی نے دیکھا تھا اور اب یہ خواب سچا ثابت ہو چکا ہے، بالکل مناسب ہے کہ پاکستان کی تعمیر آپ ہی کے ہاتھوں ہو۔''

اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریر میں فرمایا:

''حکومت کا پہلا فرض امن و امان اور نظم و ضبط قائم رکھنا ہے تاکہ ہر قیمت پر لوگوں کے جان و مال اور مذہبی عقائد کا تحفظ ہو سکے (تالیاں) اس وقت ہندوستان پر جو بڑی لعنتیں مسلط ہیں، ان میں رشوت اور بے ایمانی بھی شامل ہیں۔ ہمیں ان کو فولادی پنجے سے ختم کر دینا ہے، چور بازار والوں کو شدید سزا ملنی چاہیے۔''

پاکستان کا سالِ اول

پاکستان کی زندگی کا پہلا سال کچھ ایسے مسائل لے کر طلوع ہوا کہ ان پر کابینہ میں غور وخوض کرتے وقت قائداعظم محمد علی جناح کی رہنمائی کی اشد ضرورت تھی۔ چنانچہ کابینہ کے اکثر اجلاسوں کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح خود کیا کرتے تھے، قائداعظم محمد علی جناح آزاد بحث و مباحثہ کا موقع دیا کرتے تھے، اور اپنا نقطۂ نظر پرزور استدلال کے ساتھ پیش کرتے، لیکن مخالف کی رائے کو بھی کھلے دل سے سنتے، بشرطیکہ وہ حقائق اور معقولیت پر مبنی ہو۔

قائداعظم محمد علی جناح کو غصہ صرف دانشورانہ بددیانتی اور احمقانہ ضد پر آتا تھا۔ آپ اپنے ساتھیوں کو قائل کرنے کی کوشش کرتے، اور بڑے صبر و تحمل سے کسی پالیسی کے اچھے اور برے پہلو واضح کرتے، جو کاغذ بھی آپ کے سامنے پیش کیا جاتا، اسے نہایت احتیاط اور ایمانداری اور باریک بینی سے پڑھتے تھے۔ بے لوث صداقت شناس کی طرح آپ کی جفاکشی بھی حیران کن تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی نگاہ سے کسی معاملے کی چھوٹی سے چھوٹی تفصیل بھی مخفی نہ رہتی تھی۔

سخت نامساعد حالات میں بھی نہ آپ کی سوجھ بوجھ نے جواب دیا، نہ ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹا۔ ملک کئی مہلک خطرات سے دوچار ہوا، لیکن قائداعظم محمد علی جناح کے حوصلہ و جرأت نے آپ کو سنبھالے رکھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کا ماٹو اتحاد، یقین اور تنظیم محض ایک نعرہ ہی نہ تھا بلکہ یہ درحقیقت اس تجربے کا ایک مبہم اظہار تھا، جس سے قائداعظم محمد علی جناح اپنی قوم کے ساتھ کامیاب و کامران گزرے تھے۔

پاکستان کا کیک

(دیکھیے: برکت علی، ملک)

پاکستان کا لفظ

دسمبر 1930ء کو خطبہ الٰہ آباد کے دو سال بعد پاکستان کا لفظ وجود میں آیا یہ لفظ کیمبرج کے ایک مسلمان طالب علم چودھری رحمت علی اور ان کے ساتھیوں نے تخلیق کیا۔ لفظ پاکستان کے اجزائے ترکیبی مجوزہ مملکت کے مختلف علاقوں کے ناموں سے یوں مرکب تھے:

پ- پنجاب، ا- افغان صوبہ (صوبہ سرحد) ک- کشمیر، س- سندھ تان- بلوچستان۔

چودھری رحمت علی نے 1933ء میں ایک پمفلٹ لکھا جس کا عنوان تھا: ''اب یا کبھی نہیں۔''

انہوں نے صاف صاف لکھ دیا:

''مسلمان اپنے اکثریتی صوبوں پر مشتمل ایک الگ وطن بنائیں گے۔''

ان کو اپنے موقف کی صداقت کا کس قدر یقین تھا۔ اس کا کچھ اندازہ پمفلٹ کے اس اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے:

''ہندوستان کسی ایک ملک کا نام نہیں اور نہ اس میں کوئی ایک قوم آباد ہے۔ ہندوستان ایک ایسی مملکت کا نام ہے جسے پہلی مرتبہ انگریزوں نے پیدا کیا، اس میں ایسی قومیں بھی شامل ہیں جو تاریخ میں کبھی ہندوستانی قوم کا حصہ نہیں تھیں، بلکہ انہوں نے تاریخ کے آغاز سے انگریزی راج کے آنے تک اپنی اپنی قومیت کو برقرار رکھا۔ انہی قوموں میں ہماری اپنی قوم بھی شامل ہے۔ شمالی ہند کے پانچ صوبوں میں کل آبادی چار کروڑ ہے۔ جس میں تین کروڑ مسلمان ہیں۔ ہم مسلمان باقی ہندوستان کی قوموں سے بنیادی طور پر مختلف ہیں۔ ہمارا دین الگ ہے، ثقافت الگ ہے، تاریخ الگ ہے، روایت الگ ہے، معاشرتی ضابطہ الگ ہے، معاشی نظام الگ ہے، وراثت کے قانون، شادی بیاہ کے طریقے الگ ہیں جو اعلیٰ اصول کسی قوم کو بڑی سے بڑی قربانی دینے پر آمادہ کرتے ہیں وہ بھی مسلمانوں کے الگ اور ہندوؤں کے الگ ہیں۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان محض اصولی اختلاف نہیں۔ ان کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں ہماری زندگی کی تفاصیل تک شامل ہیں۔ ہم اکٹھے روٹی نہیں کھاتے ایک دوسرے سے شادی کے رشتے طے نہیں کرتے ہمارے قومی رواج الگ ہیں، کیلنڈر الگ ہیں، بلکہ غذا اور لباس تک الگ ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح کو چودھری رحمت علی کا لفظ پاکستان اتنا پسند آیا کہ انہوں نے اسے اپنا لیا اور آزادی کی پوری تحریک اسی لفظ پاکستان پر چلائی گئی۔

پاکستان کا نقشہ

(دیکھیے: تحفہ)

پاکستان کی جنگ

(دیکھیے: الوداع دہلی)

پاکستان کی مختصر تعریف

ایک مرتبہ قائداعظم محمد علی جناح کار میں سفر کر رہے تھے، راستے میں ایک گاؤں آیا، بہت سے مداح اور مشتاق ان کے خیر مقدم کے لیے جمع ہو گئے۔ مشتاق ہجوم نے قائداعظم محمد علی جناح کو کار سے باہر آنے کی درخواست کی۔ جب قائداعظم محمد علی جناح کار سے باہر آئے تو لوگوں نے ان کے گلے میں پھولوں کے ہار پہنائے اور قومی کاموں کے لیے روپے کی تھیلی نذر کی۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ کے نعرے بھی لگائے جا رہے تھے۔ نعرے لگانے والوں میں ایک دس سالہ بچہ بھی تھا، جو پاکستان زندہ باد کہہ رہا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اسے انگلی کے اشارے سے اپنے قریب بلایا اور پوچھا:

''تم پاکستان زندہ باد کہہ رہے ہو، تم پاکستان کا مطلب سمجھتے ہو؟''

بچے نے جواب دیا:

''بے شک مجھے پاکستان کے بارے میں اتنا تو معلوم نہیں جتنا آپ کو ہے، لیکن میں صرف اتنا جانتا ہوں، پاکستان کے معنی یہ ہیں ہندوستان کے جن حصوں میں مسلمان زیادہ ہیں وہاں مسلمانوں کی حکومت، اور جہاں ہندو زیادہ ہیں حکومت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہو۔''

قائداعظم محمد علی جناح اس کے جواب سے مطمئن ہو گئے اور بولے:

''یہی تو ہے پاکستان۔''

پاکستان کی اس مختصر تعریف سے قائداعظم محمد علی جناح اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے ہمیشہ اپنی آئندہ تقریروں میں اس واقعہ کا ذکر کیا۔

پاکستان کے جارج واشنگٹن

قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت اور کردار کے بارے میں راولپنڈی میں 21 دسمبر 1976ء کو کانفرنس منعقد ہوئی اس میں امریکی، روسی، برطانوی، ایرانی اور پاکستانی مندوبین نے شرکت کی۔ اس موقع پر امریکی مقالہ نگار ہیٹی برگر نے قائداعظم محمد علی جناح کو پاکستان کا جارج واشنگٹن قرار دیا۔

پاکستان کے شہری

جولائی 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اقلیتوں کو یقین دلایا:

''مذہب، عقیدہ، جان، مال اور ثقافت کے لحاظ سے ان کی مکمل حفاظت کی جائے گی۔ وہ کسی امتیاز کے بغیر ہر لحاظ سے پاکستان کے شہری ہوں گے، یہی اصول ہندوستان کی اقلیتوں پر لاگو ہونا چاہیے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے بڑے خلوص سے توقع ظاہر کی:

''پاکستان اور ہندوستان کے مابین دوستانہ اور خوشگوار تعلقات قائم ہوں گے۔''

پاکستان کے منصوبے

قائداعظم محمد علی جناح کو قیامِ پاکستان کے سلسلے میں مختلف منصوبے موصول ہوئے۔ ان تمام منصوبوں پر غور کرنے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح نے 7 اگست 1939ء کو ایک خط کے ذریعے نواب زادہ لیاقت علی خان کو بھیج دیے منصوبے بھیجنے والوں کے نام درج ذیل ہیں:

1. کنفیڈریسی آف انڈیا، ایک پنجابی
2. سر سکندر حیات کا منصوبہ
3. ڈاکٹر لطیف کا منصوبہ
4. ڈاکٹر افضل حسین قادری کا منصوبہ
5. جناب زین العابدین کے خط کی نقل
6. جناب عبدالمجید خان کے خط کی نقل

ان کے علاوہ دو سکیمیں لاہور سے بھی موصول ہوئیں۔ ایک کا عنوان ''پاکستانی خلافت کا منصوبہ'' تھا جبکہ دوسری کا نام ''تین ہم آہنگ زون سکیم'' تھی انہیں بالترتیب پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے اور مجلس کبیر پاکستان نے مرتب کیا تھا۔

پاکستان گرل گائیڈ ایسوسی ایشن

قائداعظم محمد علی جناح اکتوبر 1947ء میں لاہور تشریف لائے تو انہوں نے بیگم جی اے خان سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں قائداعظم محمد علی جناح نے بیگم خان کو گائیڈ تحریک شروع کرنے کی ہدایت کی اور اپنی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کو تلقین کی کہ وہ بھی اس میں بھرپور دلچسپی لیں نیز قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

چیف جسٹس عبدالرشید، مسٹر جناح سے گورنر جنرل کا حلف لیتے ہوئے

''آپ اس تحریک کے ذریعہ نوعمر لڑکیوں کی تربیت کیجیے۔''

چنانچہ اس تحریک پر 29 دسمبر 1947ء کو لاہور میں پاکستان گرل گائیڈ ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں لایا گیا۔

12 فروری 1961ء قلعہ لاہور میں پاکستان گرل گائیڈ کی ایک ریلی منعقد ہوئی جس سے محترمہ فاطمہ جناح اور ملکہ ایلزبتھ نے خطاب کیا۔

پاکستان نیوی و مسلح افواج

(دیکھیے: بلوچ رجمنٹ)

پاکستان......ورنہ موت

7 اپریل 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم کونشن سے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

''پاکستان کی منزل قریب تر آتی جا رہی تھی۔''

مسٹر چرچل کی حکومت انتخابات میں شکست کھا کر ختم ہو چکی تھی۔ اب لیبر پارٹی کے ہاتھ میں برطانیہ کی حکومت تھی۔ مسٹر ایٹلی وزیراعظم تھے مسٹر ایٹلی ہمیشہ سے ہندو نواز رہے ہیں مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویّہ ہمیشہ سے معاندانہ رہا ہے، اور قائداعظم محمد علی جناح کے تو وہ بدترین دشمن تھے۔ اُنہوں نے وزارت عظمیٰ کی کرسی پر جلوہ فرماتے ہی اعلان کر دیا تھا:

''اقلیت کو اکثریت کی راہ میں روڑا نہیں بننے دیا جائے گا۔''

کابینہ وفد جو لارڈ پیتھک لارنس، وزیر ہند سر اسٹیفورڈ کرپس اور مسٹر الیگزینڈر پر مشتمل تھا، وارد ہند ہو چکا تھا۔ مرکزی اسمبلی اور صوبائی مجالس آئین ساز کے انتخابات ختم ہو چکے تھے اور مسلم رائے عامہ نے متفقہ طور پر پاکستان کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔

اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے دہلی میں جملہ صوبائی مجالس آئین ساز اور مرکزی اسمبلی کے مسلمان ممبروں کا ایک کونشن طلب کیا، تاکہ ملت اسلامیہ کے یہ نمائندے ایک بار پھر متفقہ طور پر دنیا کو اور خاص طور پر حکومت برطانیہ کو بتا دیں کہ وہ پاکستان سے کم پر کسی طرح رضامند نہیں ہو سکتے، یہ اُن کا آخری اور ناقابلِ مفاہمت مطالبہ ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اس کونشن میں جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ جوشِ بیان، زورِ خطابت اور مغز و معنٰی کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''مرکزی اور صوبجاتی مجالس مقننہ کے معزز ارکان!

میں آپ جُملہ حضرات کی خدمت میں جو اس کونشن میں شرکت کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ صمیم قلب سے ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں، اور اس کونشن میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ گزشتہ چند مہینوں میں ہندوستان کے طول و عرض میں جنگ انتخابات لڑی جا رہی تھی۔ اس معرکہ میں خدائے بزرگ و برتر کی تائید اور آپ حضرات کی عرق ریزی اور جانفشانی سے ہم نے ایک ایسی فتح حاصل کی ہے جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی، ہماری کامیابی کا یہ تاریخی کارنامہ اس امر کا شاہد ہے ہم نے تقریباً نوے فی صد مسلم نشستوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ (نعرہ ہائے تکبیر اور تالیاں) اور آپ حضرات ہندوستان کے مختلف مسلم حلقہ ہائے انتخاب سے منتخب شدہ واضعان قانون کی حیثیت سے تشریف لائے ہیں۔ یہ اجتماع ایک ایسی بے مثال نوعیت رکھتا ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں آج تک ایسا کوئی دوسرا اجتماع منعقد نہیں ہوا ہے۔

اس لیے اب یہ ہمارا فرض ہے کہ یہ غور کریں کہ آئندہ ہمیں کیا کرنا ہے۔

ملت کے منتخب شدہ اور پسندیدہ نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ہم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہ کنونشن آئندہ کے لیے قطعی اور غیر مبہم الفاظ میں اس امر کا اعلان کرے گا کہ ہمارا نصب العین کیا ہے۔ مجھے اس امر میں مطلق شبہ نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں ہماری ایک اور صرف ایک ہی رائے ہے، اور وہ یہ کہ ہم پاکستان چاہتے ہیں اور اس کے حصول کی جنگ میں ہمارے قدم نہ ڈگمگائیں گے اور ہم پیش قدمی کرنے میں پس و پیش نہ کریں گے، اور اگر ضرورت پڑی تو ہم پاکستان کے لیے جانیں دے دیں گے۔

ہم پاکستان حاصل کر کے رہیں گے یا فنا ہو جائیں گے۔ (مسلسل کئی منٹ تک نعرے اور تالیاں)

خواتین و حضرات! میں آپ کے سامنے موجودہ صورت حال رکھنی چاہتا ہوں۔ میرا ارادہ طویل تقریر کرنے کا نہیں ہے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ موجودہ حالات کی ایک تصویر مختصر سے مختصر الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کر دوں۔

آپ نے وہ بیانات اور تقاریر پڑھی ہوں گی جو روزانہ کی جا رہی ہیں، اور بالخصوص آپ نے گزشتہ تین ہفتوں میں کانگریسی قائدین کے بیانات اور تقاریر کا مطالعہ کیا ہوگا۔ میں نے کانگریس کی پوزیشن کو سمجھنے کی کوشش کی ہے، اور میں نے اس کے متعلق جو کچھ سمجھا ہے اس کو آپ کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔

مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان کے جواب میں کانگریس کے سرکردہ رہنماؤں نے جو تازہ ترین اعلانات کیے ہیں اور خصوصاً اس ہفتہ میں اُنہوں نے جو بیانات دیے ہیں، ان بیانات کے بموجب کانگریس کی پوزیشن یہ ہے۔ سردار پٹیل یہ فرماتے ہیں کہ ''کانگریس اس حد تک مسلم لیگ کے لیے گنجائش نکالنے کو تیار ہے کہ صُوبوں کی از سرِ نو تنظیم کی جائے اور ان علاقوں کو جہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے جہاں تک ہو سکے پوری خود مختاری دے دی جائے'' وہ مزید فرماتے ہیں ''اور یہ اس شرط کے ساتھ ہوگا کہ ایک مضبوط مرکز قائم رہے۔ جس کا ہونا ہندوستان کی مدافعت کے لیے ضروری ہے۔'' سردار پٹیل یہ بھی کہتے ہیں کہ ''کانگریس کبھی بھی اس نظریئے کو قبول نہ کرے گی کہ ہندوستان میں دو قومیں ہیں اور نہ وہ مذہب کے اساس پر قومیت کے وجود کو تسلیم کرے گی۔''

پنڈت جواہر لال نہرو 4 اپریل کو فرماتے ہیں کہ ''موجودہ صورتِ حال کو طے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی کو واضح طور پر تسلیم کر لیا جائے اور ہندوستان کو علیٰحدہ چھوڑ دیا جائے کہ وہ مداخلت کے بغیر اپنے اختلافات کو طے کریں اور حل تلاش کریں۔'' ایک ایسی تیسری پارٹی کی موجودگی میں جو صورت حال پر قابو رکھتی ہے۔ ان اختلافات پر غور کرنا ہمیشہ دشوار ہوا کرتا ہے اور جب یہ بات بالکل صاف صاف اور واضح طور پر محسوس کر لی جائے گی کہ ہندوستان ایک آزاد وجود کی حیثیت رکھتا ہے تو ہندوستان کے فرقوں اور گروہوں کو لازماً سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔ پنڈت جی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''آزادی تسلیم کر لینے کے بعد سب سے پہلا کلام یہ ہوگا کہ ایک آئین ساز مجلس کی تشکیل کی جائے جس کو حاکمانہ اقتدار حاصل ہو۔'' انہوں نے اپنی ایک دوسری حالیہ

تقریر میں ازراہِ کرم ایک ایسے مسخ شدہ پاکستان کی پیشکش کی ہے جو ایک مضبوط مرکزی کانگریسی حکومت کے تابع رہے گا۔

اگر آپ اس کانگریسی فارمولے کا تجزیہ کریں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ سب سے پہلے تو برطانوی حکومت آزادی تسلیم کرے اور حکومتی نظام جس میں سول اور ملٹری تمام امور شامل ہیں۔ کانگریس کے حوالہ کر دے جو اپنے تخیل کے بموجب قومی حکومت کی تشکیل کر لے اور برطانوی حکومت بے تعلق ہو جائے، اور جب کانگریسی مکمل طور پر حکومت و اقتدار کے تخت پر براجمان ہو جائیں گے۔ اس وقت وہ آئین ساز مجلس کی تشکیل کا کام شروع کریں گے۔ جس کو اختیار حاکمیت حاصل ہوگا اور آئین ساز جماعت اس وسیع برکوچک کے چالیس کروڑ باشندوں کے مقدر کا فیصلہ کرے گی۔ پنڈت نہرو کے قول کے مطابق اس وقت مختلف فرقوں اور گروہوں کو اس کے فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا، ورنہ جنگ و جدل کریں اور جب ہی حقیقی صُورت نمایاں ہوگی۔

لیکن ہمارے سامنے تو اس وقت بھی حقیقی صورت حال موجود ہے، اور یہ حماقت ہوگی کہ ہم ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں، اور یہ تصور کر لیں کہ عارضی کانگریسی حکومت یا کانگریسی قائدین کے نقطۂ نظر کے مطابق بنی ہوئی مجلس آئین ساز کا کوئی حکم نامہ یا فیصلہ لوگوں کی تائید و وفاداری حاصل کر سکے گا۔ اگر اس تجویز کو عملی صورت دی گئی، اور پنڈت نہرو کے منصوبے کے بموجب حکومت کا قیام ہوا تو یہ حکومت اڑتالیس گھنٹے بھی . . سکے گی۔

''یہ امر ناقابلِ یقین ہے کہ اس فسطائی گرانڈ (یہ مسولینی کی باجبروت اور تشدد پسند اور جابر پارٹی کا نام ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کانگریس کی مجلسِ عاملہ کو اسی نام سے یاد کرتے تھے) کو ایسے مکمل اختیارات تفویض کر دیے جائیں گے کہ فوراً دس کروڑ کی قوم کے مستقبل اور مقدمہ کا فیصلہ نافذ کر سکے۔ یا یہ کہ موجودہ حکومتی مشینری اس کے سپرد کر دی جائے گی، تاکہ وہ دس کروڑ مسلمانوں، دیگر کروڑوں اقلیتوں اور دیگر مفادات کے خلاف اس کا استعمال کرے، اس کی یہ تجویز اور اسکیم خواہ اس کا آپ کچھ بھی نام رکھیں انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

اس کے برخلاف مسلم لیگ جو طرزِ عمل اختیار کیے ہوئے ہے، وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ میں ہندو اور مسلمانوں کے مابین بنیادی اور اساسی اختلافات کو مکمل تفصیلات کے ساتھ بیان کر چکا ہوں۔ ان دونوں بڑی قوموں کے درمیان پچھلی تمام صدیوں میں کسی وقت بھی معاشرتی مجلسی یا سیاسی اتحاد نہیں ہوا ہے۔ ہندوستانی وحدت کا جو راگ الاپا جاتا ہے، وہ محض مادی ہے۔ ہندوستان پر برطانوی حکومت مسلط ہے، پولیس اور فوج کی قوت سے اس ملک میں قانون اور امن و امان برقرار رکھا جاتا ہے، اس طرح ہندوستان کو ایک مادی وحدت میں جکڑ لیا گیا ہے۔

کانگریس کا دعویٰ قومیت کی بنیاد پر قائم ہے۔ متحدہ قومیت تو عالم وجود میں ہی نہیں ہے، اور جو لوگ خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں۔ ان کے ذہن میں یہ موجود ہے۔ ہمارا فارمولا اس اساس پر قائم ہے کہ اس برکوچک کی زمین کو دو علیحدہ باقتدار اور آزاد مملکتوں یعنی ہندوستان اور پاکستان میں منقسم کر دیا جائے۔

کسی عارضی مرکزی حکومت میں مسلم لیگ تعاون کرنے کے مسئلہ پر غور کرنے کی لازمی شرط یہ ہے کہ پاکستان کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کر لیا جائے، اور غیر مبہم الفاظ میں واضح طور پر یہ عہد کیا جائے کہ قیامِ پاکستان کو بلا تاخیر پورا کیا جائے۔ صرف اس وقت ہم دوسرا قدم اُٹھائیں گے۔

اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ صرف ایک دستور ساز اسمبلی کے نظریہ کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، اور ہم اس کو منظور نہ کریں گے، کیونکہ ایک دستور ساز اسمبلی کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم ایک متحدہ ہندوستان کی بنیاد پر جو کہ ناممکن ہے کارروائی کرنے پر رضامند ہوں گے، دیگر متعدد اعتراضات کے علاوہ ایک یہ اعتراض بھی ہے جو کہ بالکل واضح ہے کہ ایک آئین ساز جماعت صرف کانگریس کے حکم کی پابند ہو گی، اور یہ نتیجہ پہلے ہی سے ہمارے سامنے ہے کہ مسلمان اس میں بے یار و مددگار اقلیت کی حیثیت سے ہوں گے۔

اس کے برخلاف ہمارے فارمولے کے مطابق دو بااختیار آئین ساز مجالس ہوں گی۔ ایک ہندوستان کے لیے اور دوسری پاکستان کے لیے۔ پاکستان کی مجلس آئین ساز کا یہ کام ہوگا کہ وہ باہمی ربط واتصال کے لیے ڈیفنس یا دیگر امور جن کو ترتیب دینا ضروری ہو۔ ان کو طے کرے اور یہ سب کچھ پاکستان اور ہندوستان ہر دو مملکتوں کے درمیان معاہدوں اور عہد ناموں کے ذریعے طے پائے گا۔

ہم کوئی ایسی تجویز منظور نہیں کر سکتے جو کسی صورت میں بھی پاکستان کے مکمل اقتدار کے لیے تنقیص آمیز اور حقارت آمیز ہو۔

ہندوؤں کو ہمارے فارمولے سے اِس برّ کوچک کا تین چوتھائی حصہ مل جاتا ہے۔ جس کی آبادی تقریباً پچیس کروڑ ہے۔ ہم کو تو صرف ایک چوتھائی حصہ ملے گا۔ اس طرح سے ہم دونوں بڑی قومیں اپنے اپنے نظریوں، تمدن اور معاشرتی ساخت کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔ اس کے برخلاف، اگر کانگریس کا مطالبہ منظور ہو جاتا ہے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہم نہ صرف ہندو راج کے رحم و کرم پر چھوڑ دیے جائیں گے، بلکہ سامراجی عزائم والی کانگریس کو یہ دلیری حاصل ہو جائے گی کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ تنِ تنہا ہندوستان کی ترجمانی کرتی ہے۔ وہ لوگ یہ بھی دعویٰ کریں گے وہ برطانوی راج کے واحد وارث ہیں، اور اس لیے کانگریسی راج قائم کریں گے۔

اِس ناپاک منصوبہ کی تکمیل پر اسلامی ہند کبھی متفق نہ ہوگا۔ مسلمانانِ ہند مجبور ہوں گے، اور اس کے علاوہ اُن کے پاس کوئی دوسرا چارۂ کار بھی باقی نہ رہے گا۔ وہ ہر ممکن طریقہ سے اس کی مزاحمت کریں۔

برطانیہ کو یہ دھمکیاں دی جارہی ہیں کہ اگر اس نے کانگریس کے مطالبہ کے آگے سرنگوں نہ کیا تو کشت و خون ہوگا، جس کے لیے تیاریاں بھی ہو رہی ہیں اور وہ برطانوی تجارت کو مفلوج کر دیں گے، برطانیہ کو مزید یہ بھی دھمکی دی جارہی ہے کہ اگر اس نے مطالبہ پاکستان کی تائید کی تو اس کے نتائج بھی یہی ہوں گے۔

اگر بدقسمتی سے خونریزی کی دھمکی سے جو محض گیدڑ بھبکی ہے اور جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ برطانیہ نرغہ میں آ جاتا ہے تو اس مرتبہ اسلامی ہند غیر جانبدار اور تماشائی نہیں رہے گا۔ اسلامی ہند اپنا کام کرے گا اور

تمام خطرات کا مقابلہ کرے گا۔ مسٹر نہرو بہت زیادہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ معمولی شورش ہوگی، وہ ابھی تک انند بھون کی فضا میں رہتے ہیں۔

اسی طرح اگر برطانیہ کانگریسی عیاری کا شکار بن جاتا ہے اور اپنے لیے تجارتی سہولتیں حاصل کرنے کے لالچ میں مسلمانوں کو فروخت کر دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ وہ سہولتیں جو آج کل انتہائی فراخ دلی کے ساتھ کانگریسی رہنما پیش کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں مسٹر گاندھی تو بہت سبقت لے گئے ہیں، اور اُنہوں نے پُر زور طریقہ پر اس امر پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے کہ وہ برطانوی سامانِ تجارت کو ''ترجیحات'' دیں گے، لیکن کانگریسی قائدین یہ بھول جاتے ہیں کہ اس مسئلہ میں نہ صرف کانگریس کے مربی اور سرپرست ہندو سرمایہ دار بلکہ سامان خریدنے والے اور استعمال کرنے والوں کو بھی دخل ہے، اور یہ حقیقت بھی بھول جاتے ہیں کہ برطانوی مال کے سب سے زیادہ خریدار اور استعمال کرنے والے مسلمان ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ برطانیہ کے تجارتی رجحانات، ان حرص دلانے والے وعدے اور دلکش تجارتی پیشکشوں سے نرغہ میں نہ پھنسیں گے۔

حقیقت امر تو یہ ہے کہ کانگریسی ہمیشہ سے وعدے کرنے اور شرائط پیش کرنے کے عادی رہے ہیں، مگر وہ ان پر کاربند ہونے کی نیت نہیں کرتے۔ حالات کے بموجب اور حسب ضرورت اپنے سابقہ وعدوں اور عہد کو مسترد کر دیا کرتے ہیں۔

اس سب سے قطع نظر کیا برطانیہ ہندوستان میں تجارتی خوشحالی، سوداگری اور منڈیوں کی پر فریب اُمیدوں اور وعدوں کے عوض دس کروڑ مسلمانوں اور کروڑوں دیگر اقلیتوں کو فروخت کرنا چاہتا ہے؟ اگر برطانیہ اس حد تک جانے کو تیار ہے تو برطانیہ عظمیٰ کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا سانحہ ہوگا۔

معزز حضرات! جیسا کہ آپ کے علم میں ہے۔ میں نے وزیر ہند سے غیر سرکاری طور پر متعدد طویل گفتگوئیں کی ہیں، اور اس کے بعد بحیثیت مجموعی سرکاری طور پر گفتگو کی۔ سردست میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ آپ سے اس کے متعلق کچھ کہوں۔ ماسوائے اس کے مسئلہ دستور ہند کے حل کے سلسلہ میں سب کے درمیان آزادانہ صاف صاف انتہائی خوشگوار انداز میں تبادلۂ خیالات ہوا، لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے پاکستان بنیادی نظریوں اور اس کے حاکمانہ اقتدار پر کوئی سودے بازی نہیں ہو سکتی۔

ہم ایک دستور ساز مجلس پر متفق الرائے نہیں ہو سکتے کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم خود اپنے پروانۂ موت پر دستخط کر رہے ہیں۔ ہم کسی عارضی انتظام کے مسئلہ پر بھی غور کرنے کے لیے تیار نہیں جب تک کہ پاکستان کی اسکیم کو لازمی شرط کی حیثیت منظور نہیں کر لیا جاتا۔ اگر کوئی عارضی نظام اور آئین ہم پر زبردستی نافذ کیا گیا تو ہمارے لیے اس کے علاوہ کوئی دوسرا چارۂ کار نہ ہوگا کہ ہم ہر ممکن طریقہ سے اس کی مخالفت کریں۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ آپ سب کی جانب سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہم اپنی ہر متاعِ عزیز کو حتیٰ کہ سب کچھ قربان کر دینے کے لیے تیار ہیں، لیکن نظامِ حکومت کے متعلق کسی ایسی تجویز کو جو ہماری رضامندی کے بغیر مرتب کی گئی ہو، قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

اگر برطانیہ اس حد تک تجاوز کرے تو وہ ان حلفیہ بیانوں اور حتمی وعدوں کی بدترین اور صحیح عہد شکنی کا مرتکب ہوگا، جو اس نے ہمارے ساتھ اعلان اگست 1942ء کے ذریعہ اس وقت کیے تھے جب کہ وہ مصائب جنگ میں گھرا ہوا تھا، اور ہمارے خون و مال کی ضرورت تھی۔ حکومت کے اس طرزِ عمل سے معاملات انتہا کو پہنچ جائیں گے، مگر انہوں نے ہمارے ساتھ غداری کی تو ہم عزم مستقیم اور دلیری کے ساتھ مقابلہ کریں گے، اور تمام ممکن طریقوں سے اُس کی مزاحمت کریں گے۔

اس برکوچک میں بسنے والی ہر دو قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے پہلا مطالبہ یکساں طور مبنی بر انصاف ہے اور ہمارا مقصد عادلانہ ہے۔ اس لیے خدا ہمارے ساتھ ہے۔ تامل یا تردد نہ کرنا چاہیے اور پاکستان کے منظم تربیت یافتہ مجاہدوں کی طرح اپنی صفوں میں کامل اتحاد کے ساتھ اپنے قدم آگے بڑھانے چاہئیں۔

حضرات! مجھے یقین ہے کہ انتخابات میں ہم نے جو عظیم الشان کامرانی حاصل کی ہے۔ آپ سب اصحاب اس پر مسرور و شادماں ہوں گے۔ آپ نے دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ ہم ایک ''مِلّت متحدہ'' ہیں اور یہ کہ ہم کچھ کام کرنا چاہتے ہیں۔

اب صرف ایک اور بات عرض کرنی چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ کوئی ایسی طاقت اور حکومت نہیں ہے جو ہم کو اپنے محبوب ترین نصب العین پاکستان کے حصول سے باز رکھ سکے، لیکن صرف ایک شرط ہے اور وہ شرط۔ اتحاد ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہم یکے بعد دیگرے فتح و کامرانی حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہیں گے اور ہم پاکستان حاصل کر کے رہیں گے۔''

پاکستان ہمارا مقصد

اپنے ایک خطبہ میں قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے سلسلہ میں کانگریسی قائدین کی ذہنیت بے نقاب کرتے ہوئے ان کے اعتراضات و ارادات کی نفسیاتی تحلیل بھی بڑی خوبی سے کی ہے، اور مسائل حاضرہ پر بھی گہرافشانی فرمائی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 2 مارچ 1941ء کو پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن سے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

''خواتین اور حضرات! اس وقت میرا پہلا کام یہ ہے کہ آپ کا ایک بار پھر شکریہ ادا کروں کہ آپ نے مجھے ''پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن'' کی اس کانفرنس کی صدارت کی عزت بخشی۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ صدارت کی یہ دعوت ایک بلاوا تھا، جو میرے ہم خیال اور ہم نفس مہربانوں نے بھیجا۔ اس لیے اسے قبول کرنے میں مجھے بے حد خوشی حاصل ہوئی۔

میں کل یکم مارچ سے آپ کا مہمان ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ کس عمدگی سے آپ نے اس کانفرنس کی تنظیم کی ہے۔ میں نے آپ کے مباحثات بھی سُنے ہیں۔ جن پر میں آپ کو صدقِ دل سے مبارکباد کہتا ہوں۔ (نعرہ ہائے تحسین)

میں نہ صرف ان نوجوانوں کو جو آج یہاں جمع ہیں بلکہ لاہور کے بہت سے مسلمانوں کو اور ان کو جو پنجاب کے مختلف حصوں سے آئے ہیں بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے اس امر کا کامل احساس ہے، اور اس سے مجھے بے حد مسرت ہوئی ہے کہ اب پنجاب کے مسلمان بیدار ہو گئے ہیں، اور اس وقت یہاں مسلمان

نوجوانوں کا ایک ایسا چھوٹا سا گروہ موجود ہے جس نے اس کانفرنس کی ترتیب و تنظیم میں بڑی جانفشانی سے محنت کی ہے، مگر میں سمجھتا ہوں ان کارکنوں کو یہ دیکھ کر کہ ان کی کوشش و کاوش بارآور ہوئی ہے اطمینان حاصل ہو گا۔ یہی ان کا انعام ہے۔ (نعرہ ہائے تحسین)

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ 1936ء میں مسلم لیگ خفتہ تھی اور مسلمان مُردہ، مگر پچھلے تین سال کی مدّت میں مسلم لیگ نے ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں کو اس حد تک منظم کر لیا ہے کہ دوست اور دشمن دونوں اس حقیقت کے مقر ہیں اور متعجب بھی۔ (نعرۂ تحسین)

اس کی مثال مسلمانوں کی گذشتہ دو صُوبوں کی تاریخ میں نہیں ملے گی۔ (نعرۂ تحسین) اسے ایک معجزہ یا کرامت کہیں تو غلط نہ ہو گا۔ ہمارے تمام دشمنوں اور مخالفوں کا پختہ خیال تھا، اور انہیں اُمید تھی کہ اسلامیان ہند متحد نہ ہوں گے، اور آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں گے چنانچہ اُنہوں نے اسے ایک تبلیغی فرض قرار دے رکھا تھا کہ جس طرح ہو مسلمانوں کے مابین افتراق پیدا کریں، اور بہت سے حصوں میں منقسم ہو جائیں، مگر آج کی سنئے کہ ان لوگوں نے اپنی اس کوشش سے ہاتھ اُٹھا لیا ہے۔ (نعرۂ تحسین) میں اس کی ایک حالیہ مثال پیش کرتا ہوں۔ مرکزی اسمبلی میں حلقہ روہیل کھنڈ کی نشست خالی ہوئی۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ یہ نشست کانگریس کے قبضہ میں ہے مگر جب ہم نے نواب زادہ لیاقت علی خان کو اپنی طرف سے امیدوار پیش کیا تو دنیا نے دیکھا کہ کانگریس نہ زمین پر ہے نہ افق آسمان پر (قہقہہ) یہ ہے بہت سی مثالوں میں سے فقط ایک۔

آج اسلامی ہند دفتری حکومت کے پنجے سے آزاد ہے، چنانچہ وہ لوگ جنہیں ہم مسلمان طوعاً و کرہاً اپنا لیڈر سمجھتے تھے، اور وہ اکڑ اکڑ کر چلتے پھرتے تھے، مگر درحقیقت دفتری حکومت کے کارکن تھے۔ اپنی قوت کھو چکے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی جو گاندھی ٹوپی پہن کر کانگریس کے پلیٹ فارم پر رعونت کے ساتھ اینٹھتے تھے بے یار و مددگار ہو گئے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔ (نعرۂ مسرّت)

ایک قوم کے لیے ایک وطن یا مملکت بھی لازم ہے۔ اپنے آپ کو ایک قوم قرار دینے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ کوئی قوم ہوا میں نہیں بستی۔ وہ زمین پر زندگی بسر کرتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی زمین یا مملکت کی حاکم ہو۔ اس کے قبضے میں ایک خودمختار ریاست اور علاقہ ہونا چاہیے۔

خوب یاد رکھئے کہ یہ ایک معمولی سا کام نہیں جو آپ نے اختیار کیا ہے۔ یہ ایک بہت ہی بڑا کام ہے، جو آپ نے سلطنت مغلیہ کے زوال سے لے کر آج تک اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے آپ کو تمام وسائل متعلقہ کی ضرورت ہے۔

میرے نوجوان دوستو! سب سے پہلے آپ کو تعمیر قوم کے ادارات میں محنت کی داد دینی ہو گی آپ پوچھیں گے کہ یہ ادارات کون سے ہیں اور کیا ہیں؟ لیجئے میں آپ کو بتاتا ہوں دنیا میں کم سے کم تین ستون رکن ایسے ہیں جو کسی قوم کو صاحب مملکت اور لاحق حکومت بننے کا حق دار ٹھہراتے ہیں۔ ان میں سے ایک تعلیم ہے۔ تعلیم کے بغیر آپ اسی حالت میں ہوں گے،

جیسا کہ کل رات پنڈال کے اندر اندھیرے تھے، اور اگر تعلیم ہو گی تو آپ کی کیفیت اس وقت کی سی ہو گی کہ روزِ روشن میں بیٹھے ہیں۔

ہمیں اس بات کی ضرورت نہیں کہ دوسروں کو دھمکیاں دیں اس کی وجہ کیا ہے؟ سنئے یہ ایک سیدھا سا معاملہ ہے ہم نے اپنے اپنے مدعا کی بنیاد، دیانت، انصاف اور صداقت پر رکھی ہے۔ یہ تو ہوئی پہلی وجہ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو طاقتور ہوتے ہیں اپنے آپ پر بھروسہ کرنا سیکھ لیتے ہیں، اور جانتے ہیں کہ وہ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ دشمن کے خلاف کسی قسم کی غیر ضروری دھمکیوں سے اجتناب کرتے ہیں اور پُر غرور باتوں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ہمارے دلائل و ترغیبات ہمیشہ کارگر نہیں ہو سکتیں، مگر ہمیں لازم ہے کہ اس قسم کی ہر ممکن کوشش کیے جائیں۔ ہم پر واجب ہے کہ ان لوگوں کے خلاف کوئی غیر ضروری تلخی پیدا ہونے دیں جو اس وقت ہماری قرارداد پاکستان کے مخالف ہیں۔

ہمیں اس کی بھی ضرورت نہیں مجھے یقین ہے کہ خود ان مخالفین کو بھی انجام کار یہ احساس ہو جائے گا کہ ہندوستان کے اس انتہا درجے کے شدید مسئلے کا ایک حل بلکہ اس مشکل کا بہترین حل یہی ہے جو ہم پیش کر رہے ہیں۔

میں برطانوی حکومت کا وکیل نہیں ہوں، اور مجھے برطانیہ اور اس کے رفقاء کے جذبات کی پاس داری بھی مدنظر نہیں، مگر ان سب حالات کے پیش نظر مسلم لیگ اس امر پر رضامند تھی کہ حکومت برطانیہ کی پوری مدد اور صدق دِل سے اس کے ساتھ تعاون کرے۔ بشرطیکہ اس امر پر باہمی رضامندی اختیار کر لی جائے کہ ہم نہ صرف ذمہ داری کا بار سر پر اُٹھائیں بلکہ اس کے ساتھ ہی ہمیں موجودہ آئین کے اندر رہ کر حکومت میں حصہ دیا جائے، چنانچہ ہمارا مطلبہ یہ تھا کہ مسلم لیگ کے نمائندوں کو مرکزی حکومت اور صوبوں کی حکومتوں میں معقول اور حقیقی اختیار حاصل ہو، تاکہ ہم سچی اور کارگر امداد کر سکیں۔

اس سے کسی کو انکار نہیں لیکن جب اصول کو عمل میں لانے کا وقت آیا تو لارڈ لنلتھگو یا مسٹر ایمری یہ دونوں خبر نہیں کہ حقیقت میں کس نے ایک ادنیٰ سا اختیار دے ڈالنے کی پیش کش کی اور بغیر کسی قسم کی تفصیل کے صرف اتنا کہا کہ ہم آپ کو مرکزی مجلس منتظمہ میں دو نشستیں دیتے ہیں (قہقہہ) اس طرح آغاز کار میں ہی اس اصول کی نفی کر دی گئی جو کس طمطراق سے پیش کیا گیا تھا اور اس اصول کی توہین بھی کی گئی حالانکہ اس کا وجود دانائی اور فیاضی کا مرہون منت قرار دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے اور آپ تسلیم کریں گے کہ اس قسم کی پیش کش کو کوئی ذمہ دار اور منظم جماعت قبول نہیں کر سکتی، چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ نے اُسے رد کر دیا۔

یہ تو سب کچھ ہوا دور حاضر کے متعلق۔ اب مستقبل پر غور و فکر کی باری ہے۔

خواتین و حضرات! میں نے دورِ آئندہ کو اپنی پوری سے پُوری توجہ دی ہے، اور بغیر تعصب یا ہٹ دھرمی کے ہر ممکن طریقے سے کوشش کی ہے کہ لاہور کی قرارداد "پاکستان" کے خلاف تمام دلائل و براہین کا غور سے مطالعہ کروں اور ان کا امتحان لوں۔

ہم اپنی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ ہم ہر حال میں قرارداد لاہور کی تائید و تصدیق کرتے ہیں۔ (نعرۂ تحسین) اور جہاں تک حالات اجازت دیں ہم اسے فی الفور یا

جنگ کے بعد عمل میں لانا چاہتے ہیں یہ ہے ہمارا مطالبہ۔ ہم اسے ہندوؤں سے نہیں کرتے کیونکہ ہندو کبھی سارے ہندوستان پر قابض نہ تھے، البتہ مسلمانوں نے سارے ہندوستان میں سات سو برس تک حکومت کی۔ اہلِ برطانیہ نے یہ ملک مسلمانوں سے لیا۔ اس لیے ہم ہندوؤں سے مطلق کچھ نہیں مانگتے۔ ہمارا مطالبہ برطانویوں سے ہے کیونکہ اس وقت قبضہ انہی کا ہے۔ یہ کہنا کہ ہندوستان ہندوؤں کی ملکیت ہے، قطعاً حماقت ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان بھی کسی زمانہ میں ہندو تھے۔ ہندو لیڈر یہ اور ایسے ہی دوسرے احمقانہ دلائل پیش کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ فرض کرو ایک انگریز جو انگلستان میں رہتا ہے اور مسلمان ہو جاتا ہے مگر وہ پاکستان کا مطالبہ نہیں کرتا۔ کیا آپ کے پاس دیکھنے کو آنکھیں اور سمجھنے کو دماغ نہیں کہ اگر انگلستان میں ایک انگریز اپنا مذہب تبدیل کرتا ہے تو وہ اس کے باوجود اپنی سماج کا ممبر رہتا ہے اور پہلے کی طرح اُسی تہذیب نظامِ معاشرت اور ثقافت اور تحصیلاتِ علمی سے تعلق رکھتا ہے۔

اس کے خلاف کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جب ایک ہندو اسلام اختیار کرتا ہے۔ چاہے یہ واقعہ آج سے ایک ہزار سال پہلے پیش آیا ہو، تو ایک ہندو نہیں بلکہ اکثر و بیشتر سب ہندو جو مسلمان بن گئے ہندوؤں کے نزدیک ملیچھ ٹھہرے۔ ذات سے خارج کیے گئے اور ہندوؤں نے ان لوگوں سے کسی قسم کا دینی اور تمدنی واسطہ نہ رکھا، چنانچہ تبدیل مذہب کے ساتھ ہی ان مسلمانوں نے ہندوؤں سے ایک جُداگانہ دنیا میں رہنا شروع کر دیا، اور ایک ایسے دینی تمدنی معاشرتی نظام کے پابند ہو گئے جو ہندوؤں سے مختلف تھا بلکہ اہلِ ہنود اور اہلِ اسلام کے نظام میں ہمیشہ تصادم قائم رہا۔ فلسفہ، علمی تحصیلات مذہب اور معاشرت سب کے لحاظ سے یہ اختلاف ہزار سال سے چلا آرہا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ان حقائق کا مقابلہ اس بے وقوفانہ دعویٰ سے کریں کہ محض تبدیلی مذہب کو مطالبہ پاکستان کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ آپ بنیادی اختلاف کو نہیں دیکھتے؟ میں اس لیے دعویٰ کرتا ہوں کہ کوئی دیانتدار آدمی اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا کہ مسلمانانِ ہند ہندوؤں سے قطعی طور پر ایک جُداگانہ قوم ہیں۔ اسے لاکھوں ہندو دوست تسلیم کرتے ہیں اور سینکڑوں ہندوؤں نے خود مجھ سے اپنے اس خیال کا اظہار کیا اور مان لیا کہ قرار داد لاہور ہمارے مسئلہ کا ایک اور اکیلا حل ہے۔ اندریں حالات اس مسئہ پر مزید بحث سے کچھ حاصل نہ ہوگا، مگر اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کے خلاف پروپیگنڈہ کس طرح کیا جاتا ہے۔ میں نے اس کے سمجھنے اور مخالفین کے دلائل پر غور کرنے میں ہر انسانی اور امکانی کوشش کی ہے۔

اب دلائل کی سنئے۔ مہاتما گاندھی کہتے ہیں کہ یہ ہندوستان کو چیرنے پھاڑنے کے برابر ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ ہندوستان کو کب ایک وحدانی حیثیت حاصل تھی؟ کبھی نہیں۔ پھر چیرنے پھاڑنے کے برابر کیسے ہے؟

میں پوچھتا ہوں کہ ہندوستان کو کب ایک وحدانی حیثیت حاصل تھی؟ کبھی نہیں، پھر چیرنے اور پارہ پارہ کرنے کے الفاظ استعمال نے بے معنی ہے، مگر مہاتما گاندھی کے چیلے مسٹر راجگوپال اچاریہ ان سے بھی ایک قدم آگے نکل گئے ہیں کہ پاکستان بنانا کسی بچے

کو دو ٹکڑے کر ڈالنے کے مترادف ہے۔ میں ان سے عرض کروں گا کہ دیکھوں تو بچہ کہاں ہے۔

ہاں! اس کے معنی صرف یہ ہو سکتے ہیں کہ اب اُن کے پاس کوئی پُر اثر دلیل نہیں رہی، اور وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت پیش کرنے سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ یہ تو خود اسلام کے بھی خلاف ہے۔ (قہقہہ)

ایک اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اقتصادی پہلو سے ہماری تجویز نا قابلِ عمل ہے۔ اس کے متعلق جو کچھ ہندو لیڈروں نے لکھا ہے اور کہا ہے میں نے قریباً سب کا سب پڑھا ہے مگر اُنہوں نے کوئی خاص دلائل پیش نہیں کیے۔ انہوں نے صرف یہ دلچسپ دعویٰ بار بار دہرایا ہے کہ اقتصادی لحاظ سے پنجاب، سندھ، بلوچستان اور صوبہ سرحدی، سب دیوالیہ صُوبے ہیں، اور اس لیے پاکستان کی تجویز عمل میں نہیں لائی جا سکتی۔

ہاں آپ ہمارے لیے پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ اگر ہمارے صوبوں میں مالی حالات نے بدترین سے بدترین صورت بھی اختیار کر لی تو ہم اپنے جُبہ کی کتر بیونت اُتنے ہی کپڑے سے کریں گے جو ہمارے پاس ہے۔

اب اسلامی منطقوں میں ہندوؤں کی اقلیت کا مسئلہ غور طلب ہے۔ اس کی نسبت آپ کیا رائے دیں گے؟ ہندو لیڈر تو کچھ نہیں بتاتے۔

اس کے ساتھ ہی ہندو منطقوں میں مسلم اقلیتوں کا سوال ہے۔ اُن کے متعلق میں اپنی رائے عرض کرتا ہوں کہ مُسلم منطقوں میں ہندو اقلیتوں کے بطور اقلیت کامل تحفظات ہونے لازم ہیں، اسی طرح ہندو منطقوں میں مسلم اقلیت کی حفاظت بطور اقلیت ہونی چاہیے۔

میں قریب قریب ان تمام دلائل کا امتحان کر چکا ہوں، جو اس وقت تک پیش کیے جا چکے ہیں۔ اگر ہم تقسیم پر رضامند ہو جائیں گے اور مجھے یقین کامل ہے کہ بروئے دلائل اُن کی پوری تائید ہوتی ہے تو مسلمان اور ہندو بطور ہمسایہ و دوست بڑی صلح اور آشتی کے ساتھ اس ملک میں زندگی بسر کریں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، اور یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ اسلامی ہند اس ملک کی سرحدوں کا ضامن ثابت ہو گا۔ کیا آپ ایک لمحہ کے لیے بھی خیال کر سکتے ہیں کہ افغانستان اپنے لیے ایران کی حکومت تسلیم کرے گا۔ یا افغانستان اور ایران دونوں اپنے ملک میں ٹرکی بادشاہت تسلیم کر لیں گے؟ کیا آپ ایک لمحہ کے لیے بھی تصور کر سکتے ہیں کہ عرب جیسے چھوٹے سے برِ اعظم میں جہاں یمن، سعودی عرب، عراق وغیرہ کتنی ہی خود مختار مملکتیں ہیں۔ کوئی آزاد حکومت اپنی آزادی اور حقوق شاہی سے کسی دوسرے کے حق میں دستبردار ہو جائے گی؟ جب یہ نہیں ہو سکتا، تو پھر آپ یہ بات کیوں فرض کر لیتے ہیں کہ جب مسلمان اپنی آزاد خود مختار شاہی حکومت مثلاً شمال مغربی منطقے میں قائم کر لیں گے تو وہ کسی غیر حکومت کو اس امر کی دعوت دیں گے کہ آیئے اور ہم پر حکومت کیجیے، کیونکہ جب تک آپ ہماری مملکت کے بادشاہ نہ بنیں گے۔ آپ ہندوؤں کے ہندوستان پر قابض نہ ہو سکیں گے۔

خواتین و حضرات! اب مجھے ایک اور بات کو توجہ دینا ہے جو سکھوں کے فرقے سے متعلق ہے۔ اس بات کو سمجھنا کسی حد تک مشکل ہے کہ ہمارے سکھ بھائی اپنے دِل میں خوف و ہراس اور اضطراب کو کیوں جگہ دیتے ہیں۔ میں ان سے عرض کرتا ہوں کہ آپ اس تجویز کا

قائداعظم قومی لباس میں۔

امتحان ٹھنڈے دل سے اور بڑی احتیاط و غور کے ساتھ کریں۔ وہ دیکھیں گے کہ قرارداد لاہور میں ان کی حالت اور حیثیت اس درجہ اور مقام سے کہیں بہتر ہو گی جو انہیں ایک متحدہ ہند کے اجتماعی (فیڈرل) آئین کی صورت میں حاصل ہو گا۔ پہلے تو آپ ہی دیکھیں کہ پاکستان کی تشکیل کے سبب سکھ ایک نہایت اہم فرقہ تسلیم کیے جائیں گے، اور اس حیثیت میں وہ پنجاب کے معاملات ملکی میں بہت بڑا اور مؤثر حصہ لیں گے خاص کر اس مجلس قانون ساز میں جو پنجاب کے لیے بطور ایک جزو پاکستان مرتب کی جائے گی۔ کیا یہ حقائق بالکل ظاہر نہیں؟ اس کے مقابلہ میں سکھوں کا درجہ اور مقام ایک فیڈرل آئین میں کیا ہو گا؟ اس کی حیثیت ایک سمندر میں قطرے کے برابر ہوگی۔ (نعرۂ تحسین)

سکھ بھائیو! آپ اِس اٹل امر واقعہ سے راہِ فرار اختیار نہیں کر سکتے کہ آپ پنجاب میں ایک اقلیت میں ہیں، اور اسی حیثیت سے رہیں گے۔ آپ جھگڑوں دھمکیوں اور خوفزدہ کرنے کی کوششوں کے ذریعے اُس بنیادی حقیقت کو نہیں بدل سکتے کہ اس منطقہ میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے۔ (نعرۂ مُسرت) میں اپنے سکھ بھائیوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ اگر میں آپ کے خوف و ہراس کی صحت پر یقین کروں تو اس کی رو سے میری حالت اپنے احاطۂ بمبئی میں آپ سے بھی سوگنا بدتر ہوگی۔ وہاں مسلمان بقدر آٹھ فی صدی ہیں اور باقی قریباً نوے فیصدی ہندو حالانکہ پنجاب میں سکھ تیرہ فیصدی ہیں اور ساتھ ایک اور فرقہ موجود ہے۔ یعنی اہلِ ہنود جو اٹھائیس فی صدی ہیں۔ پس میں کہتا ہوں کہ آپ پنجاب میں اس حقیقت سے خوفزدہ ہوں؟ (نعرۂ تحسین)

چنانچہ میں آپ سے کہوں گا کہ واقعات کے موافق اور مخالف تمام دلائل کا پورا پورا امتحان لیں۔

خواتین اور حضرات! اب ایک اور چیز باقی ہے۔ سنئے یہ ایک امر واقعہ ہے کہ آج تک کوئی فیڈرل آئین مرتب نہیں کیا گیا۔ جس پر پہلے ان تمام اجزاء اور حصص کو رضامند نہ کر لیا گیا ہو، جن کی شمولیت درکار ہے اور یہ اکائیاں کامل آزادی اور خاطر جمعی سے شامل نہ ہوں۔

اسلامیانِ ہند کے لیے یہی ایک حل ہے۔ جو آزمائش تجربہ اور وقت کی کسوٹی پر پُورا اُترتا ہے کہ ہندوستان تقسیم کر دیا جائے تاکہ دونوں فرقے اقتصادی، معاشرتی، سیاسی اور تمدنی لحاظ سے اپنی اپنی قومی روایات اور خدائی عطیات کے مطابق نشوونما پائیں۔ ہماری جدوجہد کا ایک منشا اُن مفید مواقع کا حصول ہے، جو ان امور کے لیے ضروری ہیں، اور دوسرا یہ کہ مسلمان اپنے قومی ارادوں کو جامۂ عمل پہنا سکیں۔ یہ زندگی اور موت کا معرکہ ہے اور ہماری کوشش صرف اس لیے نہیں کہ مادی فوائد حاصل ہوں بلکہ یہ تو مسلمانوں کی بقائے روح کے لیے حیات و ممات کا مسئلہ ہے اور اُسے سودا بازی سے کوئی واسطہ نہیں۔ مسلمانوں کو اس حقیقت کا پُورا پُورا احساس ہو چکا ہے۔ اگر ہم شکست کھائیں گے تو سب کچھ کھو بیٹھیں گے آیئے اہلِ ہالینڈ کی اس ضرب المثل کو اپنا مقولہ ٹھہرایئے۔

جب آدمی روپیہ کھودے تو کچھ نہیں کھوتا۔
اگر حوصلہ کھویا جائے تو بہت کچھ کھویا جاتا ہے۔
آبرو کھوئی جائے تو قریباً سب کچھ کھویا جاتا ہے۔

لیکن روح کھوئی گئی تو سب کچھ ہی کھویا گیا۔"
(بلند نعرہ ہائے تحسین)

پاکستان...... ہمارا منشور

قائداعظم محمد علی جناح نے نومبر 1940ء میں علی گڑھ کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"ہم نے اپنا منشور طے کر لیا ہے اور وہ یہ ہے پاکستان۔ اپنے اس منشور کے بارے میں ہم یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ضرورت پڑی تو اس کے حصول کے لیے ہم اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ ہمارے مخالفین اپنے دل و دماغ سے یہ خیال نکال دیں کہ یہ سودا بازی کا کوئی نعرہ یا محض کوئی جذباتی نعرہ ہے۔"

پانچویں بڑی مملکت

قائداعظم محمد علی جناح نے 27 دسمبر 1947ء کو ریلوے افسران سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"مجھے یقین ہے کہ اتحاد، ایمان اور تنظیم کے اصولوں پر کاربند رہ کر ہم نہ صرف دنیا کی پانچویں بڑی مملکت بنے رہیں گے، بلکہ ہر قوم کی برابری کر سکیں گے۔ کیا آپ آزمائش کی اس آگ میں سے گزرنے کے لیے تیار ہیں، عوام کی خدمت، دیانت اور تندہی کے ساتھ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیجیے۔ ہم خوف و خطر اور پریشانی کے دور سے گزر رہے ہیں، اتحاد، ایمان اور تنظیم ہمارے بنیادی اوصاف ہونے چاہئیں۔"

پانیلی (گونڈل)

یہ قائداعظم محمد علی جناح کے آباء واجداد کا گاؤں تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی پیدائش کے وقت اس گاؤں کی آبادی ایک ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ گاؤں کے لوگوں کا ذریعہ آمدنی زیادہ تر کھیتی باڑی تھا۔ فصلوں میں مشہور فصلیں کپاس، گندم، جوار اور باجرہ تھیں۔ قائداعظم محمد علی جناح اسے 48 سال بعد دیکھنے کے لیے 26 جنوری 1940ء کو یہاں آئے۔ یہاں ہندو اور مسلمان کسانوں نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ اسی گاؤں میں قائداعظم محمد علی جناح کی شادی ہوئی تھی۔ اس وقت قائداعظم محمد علی جناح کی عمر 16 برس تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے یہاں اپنے آباء واجداد کی رہائش گاہ اور قبرستان بھی دیکھا۔ پانیلی میں قائداعظم محمد علی جناح پر گل پاشی کی گئی۔ گاؤں کی پرانی رسم کے مطابق راس گربہ (خوشی کے گیت) گائے گئے، اور پھر گاؤں کی جانب سے انہیں ناریل، سپاری (چھالیہ) پھل اور پھول پیش کیے گئے۔ بعد ازاں کاٹھیاواڑ نیوز ایجنسی والے جناب محمد بھائی مون ویل والا کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی دل کی گہرائیوں کے ساتھ اپنے آباء واجداد کے وطن اور مادر وطن میں آنے پر خوشی کا بھرپور اظہار کیا۔

پائنیر روزنامہ

فروری 1928ء میں ہندو مسلم مسئلے کے حل میں جب مسلمانوں کو ناکامی ہوئی تو اخبار پائنیر نے اس کی تحقیقات کے بارے میں مضمون شائع کیا اس مضمون کا حوالہ قائداعظم محمد علی جناح نے نہرو رپورٹ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے دیا۔ جو انقلاب 30 اکتوبر 1928ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

پبلک سروسز کمیشن

12 ستمبر 1924ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے پبلک سروسز کمیشن کے بارے میں کمیشن کی سفارشات پر نکتہ چینی کی،

قائداعظم محمد علی جناح نے لی کمیشن کی آئینی اور قانونی حیثیت پر ایک طویل تقریر کی، اس تقریر میں قائداعظم محمد علی جناح نے لی کمیشن کی رپورٹ پر نکتہ کرتے ہوئے کہا:

''ایوان کرنل کرافورڈ کی تمام تر یقین دہانیوں کے باوجود اس رپورٹ کو مسترد کر دے گا۔''

پتنگ بازی

بچپن ہی سے قائداعظم محمد علی جناح کو پتنگ بازی کا بے حد شوق تھا۔ اس شوق نے آپ کو اوپر کی طرف پرواز کرنا سکھایا تھا۔ آپ سیاست کو پتنگ بازی کہا کرتے تھے۔ جب بھی ہندوؤں میں کوئی تحریک شروع ہوتی، اور وہ ہڑتال کر دیتے یا چرخہ کاتنا شروع کر دیتے تو قائداعظم محمد علی جناح مذاقاً فرمایا کرتے:

''دیکھو! پھر پتنگ بازی شروع ہوگئی ہے۔''

(مزید دیکھیے: بچپن)

پٹرول کے ڈرم

تحریکِ پاکستان عروج پر تھی، اور قائداعظم محمد علی جناح کشمیر جا رہے تھے۔ اس وقت سکندر حیات وزیراعلیٰ پنجاب تھے، سر سکندر حیات نے حکم دیا:

''قائداعظم کی کار کے لیے پٹرول فراہم نہ کیا جائے۔''

لیکن قوم نے اپنے قائد کے لیے پٹرول کے ڈرموں کے ڈرم بھر دیے، اور قائداعظم محمد علی جناح حکومت کی اس رکاوٹ کے باوجود کشمیر جا کر رہے۔

پٹنہ

آل انڈیا مسلم لیگ کا 26واں سالانہ اجلاس قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں دسمبر 1938ء کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں شرکت کے لیے قائداعظم محمد علی جناح دہلی سے پٹنہ پہنچے تو ریلوے اسٹیشن پر ہزاروں افراد نے ان کا استقبال کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے بیرسٹر عبدالعزیز کے مکان پر قیام فرمایا، جو ریلوے اسٹیشن سے سات میل کی مسافت پر تھا۔ 26 دسمبر کو قائداعظم محمد علی جناح نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''مولانا شوکت علی کی وفات پر مجھے بے حد دکھ ہوا وہ ایک عالی مرتبہ انسان تھے، اور نصب العین کے واسطے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ وہ میرے رفیق کار اور ذاتی دوست تھے۔ جو راستہ انہوں نے اختیار کیا تھا آخر تک اس پر چلتے رہے، اور ہمیشہ اپنے کام میں مخلص رہے۔''

ترکی کے رہنما کمال اتاترک کے انتقال پر بھی قائداعظم محمد علی جناح نے اظہارِ تعزیت کیا۔ انہوں نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''کانگریس ایک ہندو جماعت ہے اور یہ تمام ہندوؤں کی بھی نمائندہ جماعت نہیں۔ کانگریس کی ہائی کمان نشہ اقتدار میں بدمست ہو کر جو چاہے دعوے کرے لیکن ان دعوؤں سے اس کی حقیقت نہیں بدل سکتی وہ بدستور ہندو جماعت ہی رہے گی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے واردھا سکیم پر بھی کڑی نکتہ چینی کی، اور کہا:

''اس اسکیم کا مقصد مسلمانوں کی ثقافت اور ان کی مذہبی روایات کو ختم کرنا ہے، اس لیے مسلمان کبھی ایسی کسی مذموم سکیم کو قبول نہیں کریں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فیڈریشن کے مسئلے پر بھی بات چیت کی اور کہا:

''شاید پہلے کچھ ایسے مسلمان تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ

برطانوی ملوکیت سے مل کر اپنے مقاصد حاصل کیے جا سکتے ہیں، لیکن اب یہ غلط فہمی دور ہو چکی ہے میں کہتا ہوں کہ مسلم لیگ کسی کی حلیف نہیں بنے گی۔"

اس اجلاس میں مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک وفد (مولانا شبیر علی تھانوی مولانا ظفر احمد انصاری مولانا عبدالغفور پھول پوری، مولانا عبدالجبار، مولانا معظم حسین اور مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری پر مشتمل) بھیجا۔ اس وفد نے قائداعظم محمد علی جناح سے بیرسٹر عبدالعزیز کے مکان پر ملاقات کی اور انہیں اپنی حمایت کا یقین دلایا۔

پٹنہ صوبہ بہار کا دارالحکومت اور بھارت کا مشہور شہر ہے۔ 1981ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی 914000 نفوس پر مشتمل ہے۔ یہ شہر دریائے گنگا پر واقع ہے۔ زمانہ قدیم میں اسے پاٹلی پتر کہا جاتا تھا۔ ابتداء میں مگدھ سلطنت اور پھر موریا سلطنت کا دارالحکومت رہا۔ مسلمانوں کے عہد میں یہ عظیم آباد کہلاتا تھا۔ 1917ء میں یہاں یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔ پٹنہ پبلک لائبریری یہاں کی بڑی مشہور لائبریری ہے۔ مشہور مقامات میں اشوک عہد کا تعمیر کردہ ہال، والیٔ بنگال حسین شاہ کی مسجد قابلِ ذکر مقامات ہیں۔

پٹنہ سیشن (خطاب)

26 دسمبر 1938ء کو اپنے پرجوش سامعین سے فی البدیہہ خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"آپ کو جاننا چاہئے کہ کانگریس نے فاشزم کی راہ پر چلتے ہوئے تصفیہ کی ہر امید کا خون کر دیا۔ کانگریس کی ہائی کمان یہ لغو دعویٰ کرتی ہے کہ انہیں پورے ہندوستان کی نمائندگی کا حق حاصل ہے، یہ کہ ہندوستان کے بارے میں بولنے کے صرف وہی مستحق ہیں۔ دوسروں سے کہا جاتا ہے کہ وہ ان کے فیصلوں کو طاقتور مقتدر کے فیصلے سمجھ کر قبول کر لیں۔ وہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی شکایات کا ازالہ کریں گے اور توقع رکھتے ہیں کہ مسلمان ان کے اس اعلان کو منظور کر لیں گے۔ میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم مسلمان کسی کی مراعات وبخشش کے طلب گار نہیں۔ ہم نے اپنے پورے حقوق حاصل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ کانگریس سراسر ایک ہندو جماعت ہے۔ یہ ایسی صداقت ہے جس سے ہندو خود بھی باخبر ہیں۔ چند گمراہ کرنے والوں اور گمراہ کیے گئے ناپاک عزائم رکھنے والے مسلمانوں کی موجودگی اسے قومی جماعت نہیں بنا سکتی، نہ ہی اس طرح وہ قومی جماعت بن سکتی ہے۔ میں چیلنج کرتا ہوں کوئی اٹھ کر اس امر کی تردید کرے کہ کانگریس ہندو جماعت نہیں ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیا کانگریس مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے؟ اس کے پیچھے اصل نابغہ عصر کون ہے؟ مسٹر گاندھی، مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ وہ مسٹر گاندھی ہی ہیں، جو اس تصور کو ملیامیٹ کر رہے ہیں، جس کے تحت کانگریس کی تشکیل ہوئی تھی۔ وہ اکیلے کانگریس کو ہندوازم کے احیاء کی طرف موڑنے کے ذمہ دار ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہندو مذہب کو دوبارہ زندہ کیا جائے، اور ملک میں ہندو راج قائم کیا جائے۔ وہ اس مقصد کے حصول کے لیے کانگریس کو استعمال کر رہے ہیں۔ آج ہندو ذہنیت اور ہندو نقطۂ نظر کی بڑی احتیاط سے پردہ پوشی کی جا رہی ہے۔ مسلمانوں کو نئی شرائط قبول کرنے اور کانگریسی لیڈروں کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

تباہیٔ کانگریس کا ذمہ دار گاندھی

ٹھیک اٹھارہ ماہ پہلے ناگپور میں مہاتما گاندھی کو جو فتح حاصل ہوئی تھی، اس وقت سے لے کر پٹنہ میں جو ناگپور سے بڑھ کر ہندوؤں کا متبرک مقام تھا، ہونے والے سیشن تک قائداعظم محمد علی جناح نے بارہا اور اعلانیہ یہ بات کہی:

''مسٹر گاندھی کانگریس کو تباہ کر رہے ہیں۔''

لیکن پٹنہ میں خود انہیں کتنی شاندار فتح حاصل ہوئی، ان کی مساعی کا کتنا اطمینان بخش صلہ ملا، اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ یہاں انہوں نے جس پارٹی سے خطاب کیا وہ کانگریس نہیں بلکہ ان کی اپنی جماعت مسلم لیگ تھی۔ جو بھاری تعداد میں جلسہ سننے اور تالیاں بجانے آئی تھی۔ یہاں سامعین کی تعداد ناگپور سے زیادہ اور ان کا جوش و خروش بیکراں تھا۔ گاندھی کے خلاف یہ ان کا سخت ترین حملہ تھا، چونکہ ان کی تقریر دیر تک جاری رہی، اس لیے انہوں نے جواہر لعل نہرو، سبھاش چندر بوس، راجندر ناتھ پرشاد اور سردار ولبھ بھائی پٹیل سمیت دیگر رہنماؤں کو بھی خوب لتاڑا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کو خبردار کیا:

''آپ کانگریس کی یقین دہانیوں پر قطعاً اعتبار نہ کریں۔ وہ آپ کی اس فیڈریشن کو ہرگز نہیں مانے گی جو 1935ء کے دستور میں تجویز کی گئی ہے۔''

راست اقدام کی قرارداد

پٹنہ سیشن کا دوسرا دن ایک قرارداد پر بحث کے لیے وقف کیا گیا تھا۔ اس قرارداد کی رو سے مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کو یہ اختیار دینا تھا کہ وہ بہار، یوپی اور سی پی کے مسلمانوں کی شکایات کے ازالہ اور ان کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے جب بھی ضروری سمجھے ''راست اقدام'' کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ ہندو اکثریت کے مذکورہ بالا تینوں صوبوں سے مسلمانوں پر ڈھائے گئے مظالم کی بہت زیادہ رپورٹیں موصول ہوئی تھیں۔ اتفاق رائے سے منظور ہونے والی ریزولیشن کو قائداعظم محمد علی جناح نے ''انقلابی'' اور ''ماضی سے بغاوت'' کا نقیب قرار دیا، کیونکہ اس نازک موڑ تک پہنچنے تک مسلم لیگ نے ہمیشہ آئینی لحاظ سے بتدریج ترقی کی پالیسی پر عمل کیا تھا۔ اگرچہ انہیں ''راست اقدام'' کی اپیل کرنے کا اختیار دے دیا گیا تھا، تاہم قائداعظم محمد علی جناح نے صبر و تحمل سے کام لینے کی تلقین کی، اور مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ مسلم لیگ کو منظم اور مضبوط کریں تاکہ ساڑھے نو کروڑ مسلمان اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔

تیسرے دن کا زیادہ حصہ قرارداد فلسطین پر بحث میں گزرا، اس قرارداد کے ذریعے حکومت برطانیہ کو خبردار کیا گیا تھا:

''وہ فلسطین میں یہودیوں کی یلغار کو فوراً روکے۔''

قرارداد میں مزید کہا گیا:

''فلسطین کا مسئلہ پورے عالم اسلام کا مسئلہ ہے۔ اگر انگریزی حکومت نے عربوں کے ساتھ انصاف نہ کیا تو مسلمانانِ ہند عربوں کو انگریزی استحصال اور یہودیوں کے غاصبانہ تسلط سے بچانے کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔''

اس قرارداد پر بحث کرتے ہوئے عبدالستار خیری نے کہا:

''ہمارے لیے انگریز اور ہندو دونوں یہودیوں کی مانند ہیں، یعنی ہمارے دشمن ہیں۔ ہندوستان میں گاندھی ہندو یہودیوں کے رہنما ہیں۔''

ایک اور مسلم لیگی مندوب مسٹر عبدالخالق نے زور دے کر کہا:

''مغرب کے اصل یہودی انگریز ہیں، جبکہ مشرق کے یہودی ہندو ہیں، اور یہ دونوں شائیلاک کی اولاد ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مداخلت کرتے ہوئے عبدالخالق سے کہا:

''آپ اپنی تقریر سے ''شائیلاک کی اولاد'' کا جملہ نکال دیں کیونکہ ایسے بیانات لیگ کی ساکھ اور وقار کے منافی ہیں۔''

خواتین سب کمیٹی

پٹنہ میں ایک ریزولیوشن کے ذریعے محترمہ فاطمہ جناح کی سربراہی میں خواتین کی ایک سب کمیٹی بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ جس میں دہلی سمیت ہر صوبہ سے 30 سربرآوردہ مسلم خواتین کو شامل کیا گیا۔ اس کمیٹی میں بیگم شاہنواز کی طرح متعدد خواتین تھیں۔ جنہوں نے زندگی بھر اسلام کے روایتی پردہ کو نہیں اپنایا تھا، اور ان کا شمار جدید ہندوستان کے ذہین ترین اور مقبول ترین لیڈروں میں ہوتا ہے۔

پٹھانستان

قائداعظم محمد علی جناح نے 28 جون 1947ء کو خان برادران (خان عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب) کی طرف سے پیش کردہ پٹھانستان کے مطالبہ پر نکتہ چینی کی اور کہا:

''سرحدی مسلمان پہلے مسلمان ہیں اور پھر پٹھان۔ اگر صوبہ سرحد پاکستان میں شامل نہ ہوا تو وہ تباہ ہو جائے گا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس شرمناک پروپیگنڈہ کی پرزور تردید کی:

''پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا مرتب کردہ آئین شرعی نہیں ہوگا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''کانگریس تین جون کی برطانوی سکیم قبول کر چکی ہے لیکن اب صوبہ سرحد کی کانگریس نے پٹھانستان کا شرانگیز مطالبہ کر کے آل انڈیا کانگریس کی اس منظوری کی تحریف کی، کانگریسی مہاتما کی طرف سے پٹھانستان کی حمایت کا مقصد صوبہ سرحد کے مسلمانوں کو کمزور بنانا اور ان میں نفرت و افتراق پیدا کرنا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ خان عبدالغفار خان نے مجھے ابھی تک سرحد کانگریس کے فیصلے سے آگاہ نہیں کیا لیکن سرحد کانگریس کی قرارداد کا متن اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے:

1. تمام پٹھانوں کی ایک آزاد ریاست ہوگی۔
2. اس ریاست کا آئین جمہوریت، مساوات اور سماجی انصاف کے اسلامی نظریات کی اساس پر مرتب کیا جائے گا۔
3. اس میں تمام پٹھانوں سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ اس محبوب نصب العین کی خاطر متحد ہو جائیں، اور کوئی غیر پختون تسلط قبول نہ کریں۔

کانگریس 3 جون کی برطانوی اسکیم منظور کر چکی ہے۔ ان حالات میں سرحد کانگریس کی منظور کردہ مذکورہ بالا قرارداد اس بات کی واضح تحریف کرتی ہے۔ کانگریس نے 15 جون کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں قطعی طور پر برطانوی سکیم کو قبول کیا اور مسٹر گاندھی نے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے نہ صرف خود اس کی منظوری کا اعلان کیا بلکہ دوسرے کانگریسی ارکان پر بھی یہ زور دیا کہ برطانوی سکیم منظور کر لیں۔ صوبہ سرحد کا استصواب بھی برطانوی سکیم کا ایک جزو ہے اس استصواب کے ذریعے یہ مسئلہ طے ہونا قرار پایا تھا کہ صوبہ سرحد کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شامل ہونا چاہیے یا ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی میں

دوسرے الفاظ میں صوبہ سرحد کے عوام یہ فیصلہ کریں کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا ہندوستان میں مدغم ہونا۔ برطانوی سکیم کے مطابق سرحدی عوام کے سامنے اب تیسری کوئی راہ عمل نہیں ہے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی طرف سے برطانوی سکیم کی منظوری کے بعد سرحد کانگریس کے لیے اس فیصلہ کی منظوری، پابندی اور احترام ضروری ہے، کیونکہ وہ آل انڈیا کانگریس کی اکثریت ہے۔ جب آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور کانگریس ورکنگ کمیٹی نے برطانوی سکیم کو منظور کیا تو سرحد کانگریس کے نمائندے بھی ان جلسوں میں موجود تھے لہٰذا اب کانگریس پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ برطانوی سکیم کے مندرجات کا احترام کرے اور اس پر دیانتداری سے عمل پیرا ہو، لیکن اس کے برعکس مسٹر گاندھی اپنی پرارتھناؤں میں جن نظریات کی ترجمانی کرتے رہے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ خان برادران برطانوی سکیم کو ناکام بنانے کے لیے شہ پائیں سرحدی مسلمانوں کو بھڑکائیں، اور اس طرح سرحدی مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کریں۔

خان برادران یا کسی دوسرے شخص نے اس سے پہلے آزاد پٹھانستان کا شرانگیز مطالبہ کبھی پیش نہیں کیا۔ حال ہی میں جو نیا سٹنٹ کھڑا کیا گیا ہے، اور جو نئے نعرے ایجاد کیے ہیں ان کا مقصد پٹھانوں کو گمراہ کرنا ہے۔ پٹھانوں کو اب یہ بتایا جارہا ہے کہ مجوزہ پٹھانستان جمہوریت، مساوات اور سماجی انصاف کے اسلامی نظریات کی اساس پر بنایا جائے گا، اور اس طرح دراصل یہ الزام تراشی مقصود ہے کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی جو مسلمانوں کی بھاری اکثریت پر مشتمل ہوگی جمہوریت، مساوات اور سماجی انصاف کے اسلامی تصورات نظر انداز کردے گی۔ یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے۔ اس میں مقصدیت کی رمق بھی نہیں ہے۔ یہ بہت بڑا دھوکہ ہے تاکہ سرحد کے مسلمانوں کو گمراہ کیا جاسکے۔ خان برادران بالخصوص خان عبدالغفار خان جو اپنے تئیں سرحدی گاندھی کا نام لے کر پھولے نہیں سماتے، نے جمہوریت، مساوات اور سماجی انصاف کے اسلامی نظریات کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔ ابھی کل تک وہ نیشنلزم، ہندوستانی قوم کے نظریہ اور کانگریس کی طرف سے ہندوستان بھر کے لیے مضبوط فیڈرل حکومت کے مطالبہ کے پابند سلاسل تھے۔ اچانک جو نئی تبدیلی معرضِ وجود میں آئی ہے۔ وہ ایک سیاسی فراڈ ہے جس کا مقصد خان ٹولہ کو برسر اقتدار رکھنا ہے مجھے یہ معلوم کر کے سخت رنج پہنچا کہ اسے مسٹر گاندھی کی مہاتمائی دعائیں اور تائید حاصل ہو گئی ہے۔ جنہوں نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ ہر قیمت پر پٹھانوں کی خانہ جنگی کا سدباب چاہتے ہیں۔ ہر سمجھ دار انسان سمجھ سکتا ہے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی (جیسا کہ میں بار بار واضح کر چکا ہوں) ہی صرف آئین مرتب کرسکتی ہے۔

پختہ ارادہ کرلیں کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی کے حق میں ایک ووٹ ڈالا جائے۔ خان برادران نے گزشتہ دس سالوں سے سرحد کے مسلمانوں میں جو فراڈ قائم کررکھا ہے۔ ہم اس کا تاروپود بکھیر دینا چاہتے ہیں۔ ماضی میں وہ کانگریس کے اشاروں پر پٹھانوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوتے رہے۔ ہمیں یہ توقع کرنی چاہیے کہ وہ سدا پٹھانوں کو دھوکہ نہیں دے سکیں گے اور آپ اپنا واضح فیصلہ بھاری اکثریت کے ساتھ صوبہ سرحد کے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شامل

ہونے کے حق میں دیں گے۔ قبائلی علاقوں سے مجھے خیر سگالی اور دوستی کے پیغامات وصول ہوئے ہیں۔ اس مرحلہ پر میں ان کے لیے اپنے آزاد قبائلی بھائیوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ میں اس امر کی پھر وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان اور مسلم لیگ ان کی آزادی کا احترام اور تحفظ کرے گی اور ہمیشہ ان کے ساتھ ایسے برادرانہ سلوک کرنے اور سمجھوتہ کرنے پر آمادہ ہوگی جو فریقین کے لیے مفید ہوں گے۔ آپ ایسے غلط پروپیگنڈے سے ہرگز متاثر نہ ہوں کہ مسلم لیگ اپنے بھائیوں کی آزادی اور حریت غصب کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ جو اب تک آزاد رہے ہیں، اور غلام بنانے کی ہر کوشش کا مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ میں یہ اعلان کرتے وقت خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ ہم بھی اب پاکستان میں بالکل آزاد ہونے والے ہیں، اور ہم ان شاء اللہ وہی کریں گے جو دونوں کے مفاد میں ہوگا۔

جس کے مطابق صوبہ سرحد ایک آزاد ریاست ہوگا۔ اس طرح عوام خود اپنی قسمت کے مالک ہوں گے۔ اور وہ خود بھی دوسرے صوبوں کی طرح پاکستان کی وحدت یا پاکستان کی وفاقی حکومت میں ایک یونٹ کی حیثیت سے صوبہ کے عام نظم ونسق کے علاوہ اپنے سماجی، ثقافتی اور تعلیمی مسائل طے کرنے کے مجاز ہوں گے۔ لیکن خان برادری نے یہ زہریلا پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی شریعت اور قرآنی اصولوں کو نظر انداز کر دے گی۔ یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ تیرہ صدیوں سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ اس دوران میں مسلمانوں کو ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اس کے باوجود ہم قرآن کریم پر عمل کرتے رہے۔ اب دفعتاً ہم پر یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ خان برادران اپنے تئیں اسلام اور قرآن کے علمبردار بننے لگے ہیں، لیکن میں ان سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ جس طرح ہندو دستور ساز اسمبلی میں وہ بلا حیل و حجت جا شامل ہوتے اور جہاں ہندوؤں کی وحشیانہ اکثریت ہے وہاں ان کا کیا حشر ہوگا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ صوبہ سرحد کے مسلمان یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ وہ پہلے مسلمان ہیں اور پٹھان بعد میں، اور اگر ان کا صوبہ پاکستان میں شامل نہ ہوا تو صوبہ سرحد کو سخت تباہی کا سامنا کرنا ہوگا۔ صوبہ سرحد جو مالی اعتبار سے خسارے کا صوبہ ہے کے 35 لاکھ باشندوں کے لیے چند ماہ تک بھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا محال ہو جائے گا۔ اس طرح سیاسی جغرافیائی اعتبار سے صوبہ سرحد کا وجود ختم ہو کر رہ جائے گا۔ یہ درست ہے کہ آگے چل کر صوبہ سرحد کے وسیع ذرائع پاکستان کے لیے ضرور مفید ہوں گے، لیکن ابتداء میں بہرحال یہ صوبہ مالی اعتبار سے پاکستان پر بوجھ ہوگا، اور پاکستان ہی کی امداد کا طالب ہوگا اور پاکستان کے یونٹ پنجاب، بنگال اور سندھ۔ سرحدی عوام کی مالی دفاعی اور سماجی حالت کے استحکام کی خاطر صوبہ سرحد کے اخراجات کا بار اٹھائیں گے۔ ان تمام وجوہ کی بناء پر میں صوبہ سرحد کے تمام مسلمانوں سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ پاکستان کی یک جہتی اور اپنے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے پاکستان دستور ساز اسمبلی میں شامل ہونے کی پرزور حمایت کریں۔ میں آخر میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ اپنی کوششیں نرم نہ کریں

آپ یہ خیال تک بھی نہ لائیں کہ ہمارے مخالفوں نے استصواب کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کیا ہے۔''

پٹیل، ڈاکٹر جے اے ایل

پٹیل قائداعظم محمد علی جناح کے پارسی معالج تھے انہوں نے 1946ء میں تشخیص کی کہ قائداعظم محمد علی جناح پھیپھڑوں کے تپ دق کے موذی عارضے میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے اس بارے میں قائداعظم محمد علی جناح کو بھی آگاہ نہ کیا اور طب کے پیشے کے تقدس کے پیش نظر اس پیشے کے اصولوں پر سختی سے کاربند رہے، اور قائداعظم محمد علی جناح کی مہلک بیماری کے راز کو اپنے سینے میں دفن رکھا۔ ڈاکٹر جے اے ایل پٹیل 1899ء میں بمبئی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1927ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم ڈی کی ڈگری لی۔ قائداعظم محمد علی جناح، برطانوی ملکہ ازبتھ اور روس کے صدر کے معالج رہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کو ہر دو ہفتے میں انجکشن لگاتے اور وہ اپنا کام جاری رکھتے۔ ان کا 1976ء میں انتقال ہوا۔ انہیں بھارت کے صدر کی طرف سے ایوارڈ بھی دیا گیا تھا۔

پدم کا نشان

پدم کا نشان خوش قسمتی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے داہنے تلوے پر روپے کے برابر ایک نشان تھا۔ مشرق میں اس نشان کو غیر معمولی خوش نصیبی کی علامت قرار دیا جاتا ہے، اور اس کے بارے میں یہ مشہور ہے:

''یہ نشان جس کے تلوے پر ہو وہ بڑا ہو کر ایک دن بادشاہ بنتا ہے۔''

محترمہ شیریں جناح نے اپنے بزرگوں سے پدم کے بارے میں سن رکھا تھا ایک مرتبہ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے اس نشان کو دیکھنے کی اجازت چاہی تو قائداعظم محمد علی جناح نے انگریزی میں کہا:

''شیریں تو ہم پرستی میں نہ پڑو۔''

لیکن جب انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے نشان دیکھنے کی اجازت دے دی۔

پرائمری کا طالب علم

دسمبر 1940ء میں قائداعظم محمد علی جناح، وائسرائے اور کانگریسی لیڈروں کے ساتھ لندن تشریف لے گئے، انہوں نے پاکستان کے بارے میں اپنے دلائل بڑی خوبصورتی سے جگہ جگہ پیش کیے، اور کانگریس کے مسلم کش رویے اور حق تلفیوں کے بارے میں ایسے اعداد و شمار اور شواہد مہیا کیے جن سے صاف پتہ چلتا تھا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے حقوق کس طرح دانستہ پامال کیے ہیں۔

ایک پریس کانفرنس میں کسی نمائندے نے سوال کیا:

''جناب والا! کبھی آپ خود بھی کانگریس میں شامل تھے؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے فوراً جواب دیا:

''جی ہاں! میرے دوست کبھی میں پرائمری سکول کا طالب علم بھی ہوا کرتا تھا۔''

نمائندہ دم بخود رہ گیا، باقی لوگ اس ذہین جواب سے بہت محظوظ ہوئے۔

پربھارت

یہ ایک ہندو اخبار تھا جسے 1942ء میں جاری کیا گیا، اس کے مدیر لالہ نانک چند ناز تھے۔ یہ اخبار بھی دیگر اخبارات کی طرح کانگریس اور ہندوؤں کے مفادات کا نگہبان تھا۔ اس اخبار کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے تمام کارکن اس کے مالک تھے۔

بعد ازاں لالہ نانک چند ناز سے یہ اخبار ماسٹر تارا سنگھ نے خرید لیا۔ لالہ نانک چند ہی اس کے مدیر رہے مگر یہ اخبار

کامیاب نہ ہوا اور بند ہو گیا۔

یہ اخبار جب تک اشاعت پذیر رہا قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کی پالیسیوں سے اختلاف کرتا رہا۔

پرتاب (اخبار)

یہ اخبار لاہور، دہلی اور جالندھر سے بیک وقت جاری ہونے والا آریہ سماج کا ترجمان تھا۔

1935ء میں قائداعظم محمد علی جناح اور بابو راجندر پرشاد کے مابین جو مذاکرات ہوئے۔ ان پر پرتاب اخبار نے مسلمانوں کے خلاف خوب زہر اگلا۔ اخبار نے قائداعظم محمد علی جناح پر دورنگی کا الزام عائد کیا۔ بہرحال اس اخبار نے ہر لمحہ مسلمانوں، قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کی مخالفت کی۔

اسے 30 مارچ 1919ء کو مہاشہ کرشن (جن کا اصل نام رادھے کرشن تھا) نے لاہور سے جاری کیا۔ جس وقت اس اخبار کا اجراء ہوا۔ اس وقت پنجاب میں سیاسی بے چینی کا دور دورہ تھا اور یہ اخبار قومی زاویہ نگاہ کی عکاسی کرتا تھا۔ نیز اسی دن گاندھی نے دہلی سے اپنی ستیہ گرہ کی تحریک شروع کی۔ پہلے ہی شمارے کی خبریں اتنی ولولہ انگیز تھیں کہ سارا پرچہ لاہور ہی میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا اس کے بعد یہ اخبار کانگریس کی تحریک آزادی کا نقیب بن گیا۔ اس کی تحریریں فرنگی حکومت کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی گئیں۔ لہٰذا 18 اپریل 1919ء کو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ ان کی گرفتاری کے ساتھ ہی یہ اخبار بند ہو گیا۔ 1920ء میں رہا ہونے پر پھر اخبار جاری کیا گیا لیکن دو ماہ بعد اس کی ضمانت ضبط ہو گئی بعد میں اسے پھر جاری کر دیا گیا۔ اداریہ نگاری کے اعتبار سے اس اخبار کو تمام ہندو اخبارات میں ممتاز مقام حاصل رہا۔ 1947ء میں مہاشے جی دہلی چلے گئے وہیں اخبار دوبارہ جاری کیا اگرچہ مہاشے جی 25 فروری 1963ء کو وفات پا گئے تاہم اخبار اب بھی جاری ہے۔

پرچم پاکستان

قیامِ پاکستان سے قبل 11 اگست 1947ء کو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا، اس اجلاس میں وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان نے اسمبلی میں دو پرچم قائداعظم محمد علی جناح کو پیش کیے، تاکہ وہ پرچم پاکستان کی منظوری دے دیں۔ قائداعظم محمد علی جناح اجلاس کی صدارت کر رہے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ان میں سے ایک پرچم کو منظور کیا۔ مخالف بنچوں سے کرن شنکر رائے مشرقی بنگال کی کانگریس پارٹی کے لیڈر نے اس سلسلے میں صدر اسمبلی سے کچھ کہنے کی اجازت طلب کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

”ہرچند کہ اب یہ اصول کے خلاف ہے پھر بھی ایوان مسٹر شنکر کی بات سننا گوارا کرے گا۔“

اس پر شنکر رائے نے کھل کر کہا:

”ہم ایوان کے فیصلے کے بعد اس پرچم کو بطور پاکستان کے قومی پرچم کے تسلیم کرتے ہیں۔“

سید ظفر کی تحقیق کے مطابق پاکستان کا پہلا پرچم مولانا امیر الدین قدوائی مرحوم نے خود سیا اور تیار کیا تھا۔

(پاکستان کا قومی پرچم از سرفراز حسین مرزا، 19 نومبر 1975ء، نوائے وقت لاہور)

پرچم ستارہ وہلال

(دیکھیے: تیرہ سو سالہ جھنڈا)

پرچم کشائی (پاکستانی مسلم لیگ)

قائداعظم محمد علی جناح نے 21 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ کے پرچم کی پرچم کشائی کی۔ پرچم کشائی کی رسم ادا کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے زخمی خاکساروں کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

”آپ نے مجھے مسلم لیگ کا پرچم بلند کرنے کا اعزاز

قائداعظم اپنے خاندانی روایتی لباس میں، دسمبر 1896ء

بخشا ہے۔ اس پر میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ابھی ابھی میں ان زخمیوں (خاکساروں) کو میو ہسپتال میں دیکھ کر آیا ہوں جو ایک المناک حادثے کا شکار ہوئے ہیں، یہ حادثہ جس میں بہت سی جانیں ضائع ہوئی ہیں، اور بہت سے لوگ زخمی ہوئے ہیں بہت اندوہناک ہیں۔ ہم میں سے ہر مومن مرد اور عورت کو ان مقتولین اور مجروحین کے اعزہ کے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔''

پرسکون انتقال اقتدار

8 مارچ 1947ء کو کانگریس ورکنگ کمیٹی کا ایک ہنگامی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں ذیل کی قرارداد منظور کی گئی:

''انتقال اقتدار کو سہل اور پرسکون بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس سے پہلے عبوری حکومت کو عملی طور پر ڈومینین گورنمنٹ تسلیم کیا جائے، جسے سروسز اور انتظامیہ پر مؤثر کنٹرول حاصل ہو۔ مرکزی حکومت کو ایک مکمل بااختیار اور ذمہ دار کابینہ کی حیثیت سے کام کرنا چاہئے۔ کوئی دوسرا انتظام ایک اچھی حکومت کی جگہ نہیں لے سکتا اور خصوصی طور پر خطرناک ہے۔ اس مرحلہ میں جبکہ قطعی فیصلہ ہونے والا ہے، ورکنگ کمیٹی تمام پارٹیوں اور گروہوں سے خلوص کے ساتھ اپیل کرتی ہے کہ وہ پرتشدد اور جابرانہ طریقوں سے باز آجائیں، اور پرامن طور پر تعاون کریں۔ ایک دور عنقریب ختم ہونے والا ہے اور ایک نیا عہد شروع ہونے کو ہے۔ اس نئے زمانہ کی صبح کو جرأت کے ساتھ طلوع ہونے دیں، نفرتوں اور رقابتوں کو مردہ ماضی کے لیے چھوڑ دیں۔''

دوسرے روز اس قرارداد کو وائسرائے کے پاس بھیجتے وقت نہرو نے وضاحت کی:

''ہماری نیت یہ ہے کہ مسلم لیگ سے کہا جائے کہ وہ اسمبلی میں کانگریس کے ساتھ شامل ہو جائے، اور کسی سمجھوتہ پر پہنچنے کے لیے متحد ہو کر دوستانہ ماحول میں کام کرے۔''

انہوں نے دستبرداری کی قابل سماعت آہ بھرتے ہوئے مزید لکھا:

''اگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہو تو ہم نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ پنجاب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ بلاشبہ اس اصول کا اطلاق بنگال پر بھی ہوگا۔ اس کی بابت سوچنا ہمارے لیے کوئی خوشگوار بات نہیں، تاہم یہ طریق کار اس کوشش کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے۔ جو کسی ایک پارٹی کی طرف سے اپنی مرضی دوسری پر ٹھونسنے کے لیے کی جائے۔ پنجاب کے حالیہ واقعات سے ظاہر ہوا ہے کہ صوبہ میں کسی غیر مسلم اقلیت کو دبانا اس طرح ناممکن ہے، جیسے دوسری کو جبراً زیر کرنا منصفانہ اور ناپسندیدہ نہیں ہے۔ مسلم لیگ کی طرف سے کیبنٹ مشن کو منظور نہ کرنے اور دستور ساز اسمبلی میں شامل نہ ہونے کی صورت میں بنگال اور پنجاب کی تقسیم ناگزیر ہو جاتی ہے۔''

اب کانگریس پاکستان کو تسلیم کرنے کے لیے تیار تھی، جو محض مسلم اکثریت کے اضلاع پر مشتمل ہو، پھر بھی وہ پاکستان کہلائے۔ یہ مارچ 1947ء کے ابتدائی ایام تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جنگ جیت لی تھی۔ 12 مارچ 1947ء کو بمبئی میں مسلمان صحافیوں سے باتیں کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

''ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو گئے ہیں۔''

انہوں نے زور دے کر یہ بات کہی:

''ہمارا نظریہ حیات، ہمارا نصب العین، ہمارے بنیادی اور اہم اصول، ہندو تنظیموں سے نہ صرف مختلف ہیں بلکہ ان سے متصادم ہیں۔ تعاون کے لیے کوئی مشترکہ وجہ موجود نہیں۔ ایک وقت تھا جب پاکستان کے تصور کا مذاق اڑایا جاتا تھا، لیکن میں آپ کو بتا دوں کہ مسئلہ کا کوئی دوسرا حل ایسا نہیں ہے، جو ہمارے عوام کے مفاد میں ہو، اور اس سے انہیں عزت مل سکے۔ انشاء اللہ ہم پاکستان لے کر رہیں گے۔''

پرشاد، راجندر

(دیکھئے: راجندر پرشاد)

پروپیگنڈہ

مسلم لیگ اور مطالبۂ پاکستان کے خلاف نہ صرف ہندوستان میں بلکہ غیر ممالک میں بھی کانگریس کی طرف سے وسیع پیمانہ پر پروپیگنڈے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اس موضوع پر اظہار خیال فرمایا ہے، یہ تقریر لیگ کونسل کے اجلاس 9 نومبر 1942ء میں ہوئی تھی۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''حضرات! ہندوستان کی ایک جماعت، ایک نہایت منظم جماعت جس کا خاص کام ہمیں بیرون ملک میں بدنام کرنا ہے۔ پروپیگنڈہ جاری رکھے ہوئے ہے۔ وہ امریکہ، چین، انگلستان اور دنیا کے دوسرے حصوں کی رائے عامہ کو گمراہ کرنے میں مصروف و منہمک ہے، قدرتی طور پر امریکہ کے عوام ہندوستان کے صحیح حالات سے بہت کم واقف ہیں۔

بڑی دیدہ دلیری و بے باکی سے ہمارے بارے یہ غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ ہم ہندوستان میں برطانوی شہنشاہیت کے معین و مددگار ہیں، اور ملک کی آزادی و خود مختاری کے راستہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

جو اشخاص ہندوستان کے حالات اور اس کی سیاسی رفتار کا صحیح مطالعہ کرتے ہیں، اس سے واقف ہیں کہ راہِ آزادی میں رکاوٹ پیدا کرنے کا یہ الزام نہ صرف بے بنیاد بلکہ سراسر شرمناک بھی ہے۔

ہندوستان کبھی ایک نہیں رہا۔ ایک قوم نہیں رہا۔ ایک ملک نہیں رہا، اور اس پر کوئی ایک طاقت بہ نوکِ شمشیر بھی حکومت نہ کر سکی۔ یہ مختلف اقوام و ملل کا ایک ذیلی برّاعظم ہے حتیٰ کہ آج بھی جب کہ برطانیہ قلمرو کے ہندوستان پر فرماں روائی کر رہا ہے۔ ایک تہائی حصہ برطانیہ کے زیر نگیں نہیں ہے نظم و نسق کی موجودہ یکسانیت خالص برطانوی پیداوار ہے، پھر اس ذیلی براعظم کی یہ حکومت جو 150 یا 160 سال سے قائم ہے ایسی حکومت نہیں جو عوام کی منظوری سے قائم ہوئی ہو۔

(نعرۂ تحسین)

یہ محض مغل طرزِ حکومت پر جمہوری طرزِ حکومت کا نظری اطلاق ہے۔ اس کی منظوری عوام نے نہیں بلکہ برطانوی سنگینوں نے دی ہے۔ (نعرۂ تحسین) عوام میں ایک عظیم سیاسی شعور پیدا ہو چکا ہے۔ ہم آزادی چاہتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اپنے ملک کے آپ مالک بنیں، اب ہم برطانوی حکومت کو خدا حافظ کہنا چاہتے ہیں۔ (نعرۂ تحسین) ہمارے مطالبہ پاکستان میں ہندوستان کی آزادی اور خود مختاری مضمر ہے۔

(بلند نعرہ ہائے تحسین)

یہ کس قدر صاف اور واضح ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کسی کو غلط فہمی ہونی چاہیے۔ ہم ہندوستان کی تین

چوتھائی دینے کا اقرار کرتے ہیں۔ چین اور روس کے سوائے دنیا کے ہر ایک ملک سے بڑا علاقہ 25 کروڑ آبادی کے ساتھ ہم ہندوؤں کے حوالے کرنے پر تیار ہیں!

ہم یہ کہتے ہیں کہ اپنے منطقوں میں تم آزادی اور خود مختاری سنبھالو، اور ہمارے علاقوں میں ہمیں حکمرانی کرنے دو! لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندو قیادت یہ سوچتی ہے کہ ''تین چوتھائی تو بہر حال ہماری جیب میں ہے ہی، اب اگر ہو سکے تو باقی ایک چوتھائی بھی ہڑپ کر جاؤ'' بس یہی ذہنیت اور چالبازی ان مختلف کانگریسی تجاویز کے پس پردہ کارفرما ہے۔ جو تا حال ہمارے سامنے لائی گئی ہے۔ اس ہیر پھیر کا مطلب وہی قومی حکومت! کس قوم کی قومی حکومت؟ ہندو قومی حکومت!

ایک اور فقرہ۔ اکثریتی حکومت جو مجلسِ آئین ساز کو جواب دہ ہو! یہ روز مرّہ کے چلتے ہوئے آوازے ہیں، اور ان سب کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ مسلمان ایک اقلیت کی حیثیت سے اپنے آپ کو ہندو راج کے حوالے کر دیں لیکن مسمان اس کو کبھی قبول نہ کرے گا۔ (نعرے)

اب وہ زمانہ لد گیا۔ اس وقت تو موت و حیات کی کشمکش جاری ہے، ہندوستان کی سرحدوں کو سخت خطرہ لاحق ہے۔ کسی حملہ آور کے خلاف مداخلت کے لیے ہر ایک سمجھدار ہندوستانی تیار ہو جائے گا، اور ہمارے سارے وسائل و ذرائع مجتمع کرنے میں بڑی خوشی سے ممکنہ مدد کرے گا۔ ہمارے امریکی دوست امریکہ جا سکتے ہیں۔ ہمارے برطانوی دوست انگلستان جا سکتے ہیں لیکن میں کہاں جاؤں گا؟ پس اس سرزمین کی حفاظت و صیانت سے تعلق خاطر سب سے زیادہ مجھے ہے۔ (نعرۂ تحسین)

ان ہی وجوہات کی بناء پر ہم نے حکومت برطانیہ اور اس ملک کی دوسری جماعتوں سے کہا کہ وہ مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کر لیں، اور مسلمانوں کی رائے عامہ کے فیصلے کو مان لیں۔ اگر یہ فیصلہ تقسیم ہند کے حق میں ہو، خود مختار و آزاد اسلامی منطقے بنانے کے حق میں ہو تو تمام جماعتوں کو دیانت داری سے اس کا اقرار کرنا چاہیے کہ وہ اس کو روبہ عمل لائیں گے۔

اگر ایک مرتبہ ایسے عہد و اقرار سے ہمیں طمانیت دلائی جائے تو ہم مساوی حیثیت سے عارضی حکومت میں نہ صرف شریک ہوں گے، بلکہ اس کی امکانی کوشش کریں گے کہ تمام ضروری اختیارات اس عارضی حکومت کو منتقل ہو جائیں۔

اس کے جواب میں ہندو قیادت صرف ہوا کا رخ دیکھنے کی کوشش کر رہی ہے، اور غیر اقوام سے استدعائیں کر رہی ہیں۔ بیگانوں سے کیا توقع ہو سکتی ہے؟ کیا وہ اس برّ اعظم کی حکومت کو چلائیں گے؟ اس ملک کی حکومت کو اصولاً صرف دو بڑی جماعتیں چلائیں گی۔ وہ ہندو اور مسلمان ہیں! کسی قسم کی تجویز کیوں نہ ہو، ان دونوں کا اس میں شامل ہونا ضروری ہے۔

برطانیہ کی منطق بھی ناقابل فہم اور انوکھی ہے۔ محض اس لیے کہ ایک جماعت نے یہ مہمل اور ناممکن روش اختیار کی ہے، برطانوی حکومت وقت گزاری کر رہی ہے اور انتظار کرو اور دیکھو، کی حکمت عملی پر گامزن ہے! یہ فاش غلطی ہے۔ اَب آپ انتظار نہیں کر سکتے! وقت گزر رہا ہے، ہماری سرحدیں محفوظ نہیں ہیں، ہمارے جنگ کے میدانوں سے ابھی خطرہ دُور نہیں ہوا۔ یہ انتظار کرو

اور دیکھو، یہ حکمتِ عملی برطانیہ کی سب سے بڑی غلطی ہوگی جو اس سے سرزد ہو سکتی ہے۔
میں تو یہ کہوں گا کہ بڑھے چلو، حرکت کرتے رہو! اگر صد فی صد نہیں تو نوے فی صد سہی، اسی ہی سہی، مگر حرکت ضرور کرو۔
اگر برطانوی حکومت نے ہمارے مطالبہ کو تسلیم کر لیا تو نہ صرف ہندوستان کی رائے عامہ کی عدالت کے سامنے بلکہ تمام دنیا پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی۔ وہ باشندگان ہند کو بعجلت ممکنہ خودمختاری دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں پھر اس ملک کی یا کسی ملک کی رائے عامہ کی عدالت میں ہندو برطانیہ کے اس موقف کو جھٹلانے کے قابل نہ ہوں گے کیونکہ انہیں بہت معقول اور کافی سے زیادہ حصہ مل رہا ہے۔
مسلم لیگ کے بارے میں مجھے یہ کہنا ہے کہ اب یہ تنظیم سارے ہندوستان میں دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ ہم نے ایک سول ڈیفنس کمیٹی بنائی تھی جو دو مہینوں میں چودہ ہزار میل کا دورہ کر چکی ہے، جس کا مقصد یہ تھا کہ ہر جگہ مسلمانوں کو منظم کر دیا جائے۔ کوئی فتنہ برپا کرنے کے لیے نہیں بلکہ اندرونی اور بیرونی خلفشار کے مدنظر مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ اپنی خدمت خلق اور اپنے مدافعت کے جذبہ کے تحت اپنی آبرو، جان و مال کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہو جائیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ یہ تنظیم غیر مسلموں کی امداد و اعانت نہیں کر سکتی۔
ہماری پنج سالہ تجویز خدا کا شکر ہے کہ بخیر و خوبی اختتام کو پہنچی۔ اس کی تکمیل کے لیے مسلمانوں سے رقمی امداد کی کوئی اپیل نہیں کی گئی۔ آپ ان شاندار نتائج کو دیکھ کر مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ہماری پنجسالہ تجویز کامیاب رہی آج مسلم لیگ کے پرچم تلے ہزاروں نہیں لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان متحد ہو گئے ہیں۔
میں نے بیرونی نامہ نگاروں اور انگریزوں سے جو اس ملک کے طول و عرض میں دورے کرتے رہتے ہیں، سنا ہے کہ وہ جہاں بھی گئے مسلمانوں کو انہوں نے لیگ کے ساتھ پایا۔
میں نے سرمائے کے لیے جو اپیل کی تھی۔ وہ اس عظیم ادارے کو چلانے کے لیے ضروری ہے، لیکن میرا روپیہ جمع کرنے کا طریقہ کسی قدر بے تکا ہے۔ ممکن ہے بہت سوں کے لیے یہ طریقہ سازگار نہ ہو۔ میں نے کسی کو روپیہ جمع کرنے کا اختیار نہیں دیا ہے بلکہ معطیان سے اپیل کی ہے کہ وہ براہِ راست مجھے بھیج دیں۔ مجھے مسرت ہے کہ چار لاکھ روپے میرے پاس جمع ہو گئے ہیں، نہ کسی کو مجبور کیا گیا اور نہ کسی سے تقاضا کیا گیا۔
ہم نے پہلی مرتبہ ایک درجہ اول کا انگریزی اخبار جاری کیا ہے۔ اس کو چند ہی ہفتے ہوئے ہیں تاہم ہندوستان کے ایسے بہت سے اخبارات سے اس کا موازنہ کیا جا سکتا ہے، جو 25 سال سے جاری ہیں جُوں جُوں دِن گزرتے جائیں گے ہم ہندوستان کے اعلیٰ ترین اخبارات سے مسابقت کر سکیں گے۔ اس کے مالیہ کو مسلم لیگ کے سرمایہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ صرف دو یا تین اشخاص کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہ اخبار زندہ رہے گا۔'' (فلک شگاف نعرے)

پروپیگنڈے اور پاکستان

قائداعظم محمد علی جناح نے جون 1941ء میں اوڈ کمنڈ کے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''حضرات! پاکستان کے خلاف جھوٹے اور گمراہ کن پراپیگنڈے کے باوجود وہ دن دور نہیں کہ پاکستان کو ہر ایک ہندوستانی قبول کر لے، مجھے کامل یقین ہے کہ میں جس چیز کی حمایت کر رہا ہوں اس میں نہ صرف مسلمانوں کے مفادات مضمر ہیں بلکہ اس میں دوسرے فرقوں کے لیے بھی افادیت موجود ہے۔

نمائندہ طرز کی پارلیمانی حکومت کا ذکر ہی کیا میری رائے میں ہندوستان کبھی ایک قوم ہی نہیں رہا، اور نہ اس میں کبھی ایک قومی حکومت قائم ہوئی ہے۔ خواہ ہندوؤں کی حکومت رہی ہو یا مسلمانوں کی یہاں ہمیشہ ایک شخصی اور مطلق العنان حکومت رہی ہے، اور آج بھی وہ برطانوی سنگینیں ہی ہیں جو ہندوستان کو جکڑ کر ایک بنائے ہوئے ہیں۔ جس لحہ یہ سنگینیں یہاں سے ہٹائی جائیں گی ہندوستان ایک جغرافیائی وحدت بھی نہ رہے گا۔

انفرادی طور پر میرا یہ ایقان ہے اور یقیناً مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت یہی یقین رکھتی ہے کہ ہماری آزادی کے حصول کا واحد ذریعہ پاکستان ہے اور جب میں ہماری آزادی کہتا ہوں تو میرا مطلب ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ آزادی ہوتا ہے۔ جو ہندوستان کی دو بڑی قومیں ہیں۔

جب تک ہندو ہندو، اور مسلمان مسلمان رہیں گے، ہندو قوم جو ہندوستان میں ایک اکثریت ہے، اپنی مرضی، اپنے اعتقاد، اپنی تہذیب اور اپنے معاشرتی نظام کو وسیع کرتی رہے گی، اور رضامندی یا ناراضی سے یہ مسلمانوں پر عائد کیے جائیں گے جو قطعاً دوسری قومیت اور دوسری تہذیب کے حامل ہیں۔

اسی لیے مسلمانوں کا مطالبہ ہے کہ جہاں وہ اکثریت میں ہوں وہاں انہیں اپنے طریقۂ زندگی پر آزاد چھوڑ دیا جائے، اور جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے وہ اپنی طرز پر چلتے رہیں گے۔ اس طرح ہر قوم اپنے معتقدات، فلسفہ، تہذیب و ثقافت کے مطابق عمل کرنے پر آزاد ہوگی۔ ایسی تجویز کو ''تشریح زندہ'' کہنا لوگوں کے دلوں کو زہر آلود کرنا ہے۔

اقلیتوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ خواہ ایسی مسلم اقلیتیں ہندو منطقے میں ہوں یا ہندو اقلیتیں مسلم منطقے میں۔ جب ہم کسی تصفیے پر پہنچ گئے تو مسلم اقلیت کے تحفظات کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے گا، جس طرح کسی اقلیت کا کسی مہذب حکومت میں رکھا جاتا ہے، اور یہی امر مسلم منطقوں کی ہندو اقلیت پر بھی منطبق ہوگا۔''

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ پاکستان مسئلہ اقلیت کا حل نہیں ہے آپ نے پوچھا کہ پھر مسئلہ اقلیت کو حل کرنے کا کیا یہی طریقہ ہے کہ ہندوستان کے نو کروڑ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ہندو راج کے تحت ایک اقلیت بنا دیا جائے؟''

پروگرام

قائداعظم محمد علی جناح نے 12 جون 1938ء کو میمن چیمبر آف کامرس کی جانب سے ان کے اعزاز میں دیے گئے ظہرانہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''مسلمانوں کو کسی ''پروگرام'' تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کے پاس ایک ''پروگرام'' گذشتہ تیرہ سو سال سے موجود ہے، اور وہ ''قرآن کریم'' ہے۔

قرآن کریم میں ہمارے معاشی، ثقافتی اور تہذیبی مسائل کا حل موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس میں ہماری سیاسی رہنمائی کے لیے بھی ایک ''پروگرام'' ہے

اور میرا اس ''خدائی فقہ'' میں مکمل یقین ہے، اور وہ آزادی جس کے لیے میں جنگ کر رہا ہوں ''دراصل اس خدائی قانون'' کی تعمیل ہے۔

آزادی، مساوات اور اخوت، اور بحیثیت ایک مسلمان میرا بنیادی فرض ہے کہ انہیں حاصل کروں، ہماری ''نجات'' قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں ہے اور انہی پر کاربند ہو کر ہم ''آزادی'' سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔''

پروگریسو مسلم لیگ

یہ ایک سیاسی جماعت تھی جسے مولوی اے کے فضل الحق نے 1927ء میں قائم کیا تھا تاہم مولوی فضل الحق کو بعدازاں اپنے رویے پر بڑا افسوس ہوا تو انہوں نے 13 نومبر 1942ء کو قائداعظم محمد علی جناح کو خط لکھا:

''پرانی باتیں بھول جایئے اور اب مجھے اور میرے رفقاء کو دوبارہ مسلم لیگ میں شامل ہونے کی اجازت دے دیں، میں ہمیشہ مسلم لیگ کے صدر کا حکم مانوں گا، میں نے جو پروگریسو مسلم لیگ قائم کی تھی اس کا کوئی وجود نہیں وہ محض کاغذی حیثیت رکھتی ہے، جونہی میں مسلم لیگ میں شامل ہوگا۔ پروگریسو لیگ خود بخود ختم ہو جائے گی۔''

اس کے بعد 5 فروری 1943ء کے خط میں بھی مولوی فضل الحق نے یہی باتیں دہرائیں۔ اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے 10 فروری کو انہیں خط لکھا:

''وہ اپنے گزشتہ رویے پر اظہار افسوس کر دیں۔ پروگریسو لیگ کو ختم کر دیں اور وزیراعظم کے عہدے سے استعفیٰ دے دیں تو میں آپ اور آپ کے رفقاء پر سے پابندی اٹھا دینے کے لیے تیار ہوں گا اور آپ دوبارہ مسلم لیگ اور اسمبلی لیگ پارٹی کے رکن بن سکیں گے۔''

پرویز، غلام احمد

غلام احمد پرویز کا تحریک پاکستان اور قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ ایک گہرا تعلق رہا ہے۔ انہوں نے ''قائداعظم کے تصور کا پاکستان'' نامی کتاب میں بھی لکھی۔ اس ضمن میں مولانا کوثر نیازی نے پاکستان کی قومی اسمبلی اور سینٹ کے مشترکہ اجلاس میں منعقدہ 21 دسمبر 1976ء کو کہا:

''جناب غلام احمد پرویز جن سے کسی کو ہزار اختلاف ہو، لیکن قائداعظم کے ساتھ ان کی رفاقت اور تحریک پاکستان میں ان کی قلبی خدمات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔''

قائداعظم محمد علی جناح پروٹوکول کے شدت سے قائل و عامل تھے، اور وقت لیے بغیر ملنے کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا، لیکن ان کی جلوت وخلوت میں اس شخص (پرویز صاحب) کو ہر وقت ہر لمحے تمام رسمی باتوں کے بغیر حاضر ہونے کی اجازت تھی۔ یہ انہیں اللہ میں تدبر کرنے کے لیے آیات قرآنی سنایا کرتے تھے۔ (ماخذ مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی مرتبہ محمد اشرف)

ایک اور مقام پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''تم جس کام پر یعنی قرآن کے مطالعے میں لگے ہوئے ہو۔ لگے رہو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے تم اس سے آگے نہ بڑھو۔''

(ماخذ روزنامہ جنگ میگزین 25 تا 31 جنوری 1958ء)

غلام احمد پرویز 9 جولائی 1903ء کو بٹالہ ضلع گورداسپور میں چودھری رحیم بخش کے ہاں پیدا ہوئے۔ بی اے تک تعلیم حاصل کی اور گورنمنٹ آف انڈیا کے تحت سیکرٹری کے عہدے پر کام کیا۔ تحریک پاکستان کے سلسلے میں دس سال تک

قائداعظم محمد علی جناح کے معتمد خصوصی رہے، اور قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر 1938ء میں ''طلوع اسلام'' نامی رسالے کا اجراء کیا۔ جوان کی وفات کے بعد بھی جاری ہے۔ انہیں علامہ اسلم جیراجپوری کے تلمیذ ہونے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال سے بھی متاثر تھے 1955ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ صاحب تصانیف تھے۔

پرویز......قائداعظم خط و کتابت

10 اورنگ زیب روڈ

نئی دہلی

14 جون 1947ء

ڈیئر مسٹر پرویز!

میں آپ کے خط محررہ 13 جون کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کیا آپ مجھے ان افراد کے نام بھیجیں گے، جو آپ کے خیال کے مطابق ہمارے مستقبل کے سیکرٹری کے لیے حقیقی معنوں میں خادم ثابت ہوں گے

آپ کا مخلص

محمد علی جناح

غلام احمد پرویز

73 ترکمان روڈ

نیو دہلی

پرستار

قائداعظم محمد علی جناح جہاں جاتے ان کے گرد ان کے پرستاروں کا ایک جمگھٹا ہو جاتا تھا، یہ چیز قائداعظم محمد علی جناح کو ہمیشہ ناگوار گزرتی تھی اس لیے آپ جہاں کہیں آتے جاتے اس بات کی کوشش کرتے کہ کم سے کم لوگوں کو آپ کے آنے کا علم ہو، لیکن جب آپ کو فرصت ہوتی تو دور و نزدیک سے آنے والے شیدائیوں سے بڑی محبت اور خلوص سے ملتے۔

1941ء میں قائداعظم محمد علی جناح جنوبی ہند کے دورے پر گئے تو میسور کے شاہی مہمان خانہ میں مقیم ہوئے کچھ لوگ تقریباً بیس میل دور سے چل کر آپ کو ملنے کے لیے آئے۔ اس وقت آپ کو تیز بخار تھا، اور ملک کے سیاسی حالات نے آپ کو کس قدر پریشان کر رکھا تھا لیکن آپ کو لوگوں کے آنے کی اطلاع ملی تو فوراً باہر تشریف لائے، اور ان لوگوں سے کوئی گھنٹہ بھر باتیں کرتے رہے۔

پریذیڈنسی ایسوسی ایشن

1907ء میں قائداعظم محمد علی جناح سیاست میں کافی بصیرت حاصل کر چکے تھے۔ 29 نومبر 1907ء کو برطانوی ممبر آف پارلیمنٹ کے اعزاز میں بمبئی میں ''پریذیڈنسی ایسوسی ایشن'' کا اجلاس ہوا، اس میں محمد علی جناح نے بھی شرکت کی۔

پریذیڈنسی مجسٹریٹ

قائداعظم محمد علی جناح کو بمبئی کے قائم مقام ایڈووکیٹ جنرل جان مولز ورتھ میکفرسن کے دفتر میں کام کرنے کا موقع ملا۔ میکفرسن کے چیمبر میں کام کرنے کی بناء پر قائداعظم محمد علی جناح کو ان معلومات تک بہت پہلے رسائی ہو جاتی تھی جو کورٹ کی نیم تاریک غلام گردشوں سے گزر کر کئی دن بعد دوسرے وکلاء تک پہنچتی تھیں۔ میکفرسن کے ماتحت کام کرتے ہوئے چند ماہ گزرے تھے، جب انہیں پتہ چل گیا کہ بمبئی کے چار مجسٹریٹوں میں ایک کی جگہ خالی ہونے والی ہے۔ یہ قیمتی اطلاع موصول ہونے پر ان کا ذہن فوراً متحرک ہو گیا۔

ایڈووکیٹ جنرل کے دفتر سے وہ وکٹوریا گاڑی میں سوار ہوئے، اور سر چارلیس اولی ونٹ کے دفتر میں پہنچ گئے۔ سر چارلس ان دنوں صوبائی حکومت بمبئی کے قانونی ممبر تھے۔

انہوں نے میکفرسن کے اس خوبصورت پرعزم نوجوان معاون کو اتنا متاثر کرنے والا پایا کہ اسے عارضی پریذیڈنسی مجسٹریٹ کے طور پر کام کرنے کے لیے چن گیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک دیانتدار اور نڈر جج کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیے۔

پریس کانفرنس

کیبنٹ مشن کے ایام میں قائداعظم محمد علی جناح نے شملہ میں ایک پریس کانفرنس منعقد کی۔ قائداعظم کی عادت تھی کہ بیان دیتے وقت وہ ہاتھ سے تحریری ہوتا یا بیان کے بعد کسی اخبار نویس کو کہتے کہ وہ پڑھ کر سنائے کہ اس نے سن کر کیا لکھا ہے تاکہ کوئی غلط چیز نہ چھپ جائے، چنانچہ آپ نے روزنامہ ہندو، مدراس کے نمائندہ خصوصی مسٹر شاستری کو بیان سنانے کے لیے کہا لیکن جب مسٹر شاستری بیان سنانے لگے تو فوراً ہی معلوم ہوگیا کہ اس نے ٹھیک طرح سے نوٹ نہیں لیے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''مہربانی کر کے آپ یہ رپورٹنگ روک لیں، میں اپنے سیکرٹری کو ہدایت کر رہا ہوں کہ آپ کو میرے بیان کی سائیکلوسٹائل کی ہوئی کاپیاں دے دی جائیں۔''

پھر مسکرا کر کہنے لگے:

''اس کے بعد بھی آپ نے غلط بیانی کی تو میں کوئی شکایت نہیں کروں گا، پھر آپ کو اپنے آپ سے شکایت ہوگی۔''

پریکٹس کی اجازت

19 اپریل 1929ء کو قائداعظم محمد علی جناح کو بمبئی ہائی کورٹ نے پریکٹس کرنے کا اجازت نامہ جاری کیا جس کا متن درج ذیل ہے:

ہائیکورٹ آف جوڈیکچر (نظام عدالت) بمبئی میں

19 اپریل 1929ء

یہ تصدیق کی جاتی ہے کہ مسٹر محمد علی جناح بیرایٹ لاء کا نام جو کہ ایک ایڈووکیٹ تھے کو ہائی کورٹ کے رول آف ایڈووکیٹس کے داخلے کی رو سے 31 دسمبر 1928 سے انڈین بار کونسل ایکٹ 1928ء سیکشن 8 (2) کے تحت پریکٹس کرنے کا مستحق قرار دیا جاتا ہے

دستخط

ڈپٹی رجسٹرار

پریوی کونسل

17 مارچ 1911ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے امپیریل لیجسلیٹو کونسل اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ابو فتح محمد اسحاق کے مقدمے کے سلسلے میں جو 1894ء میں پریوی کونسل میں پیش ہوا کے بارے میں کہا:

''کونسل کے فیصلہ سے پیدا شدہ صورتحال کی وجہ سے وقف کے سلسلے میں مسلمانوں میں بڑا اشتعال پایا جاتا ہے۔''

1926ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے سر عبدالقادر سے کہا:

''میں ہندوستان سے نقل مکانی کر کے لندن میں آباد ہونا چاہتا ہوں تاکہ پریوی کونسل کے مقدمات میں بھی پیش ہوں۔ نیز ملک کی آزادی کے لیے بھی کام کرسکوں۔''

1931ء میں جب وہ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے بمبئی گئے تو انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ وہ لندن میں رہ کر پریوی کونسل میں مقدمات کی وکالت کریں گے۔ 1933ء میں انہوں نے پریوی کونسل کا ایک مقدمہ لے لیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی پریوی کونسل میں پیش ہونے کی اب تک روداد منظر عام پر نہیں آسکی۔ 1934ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے پریوی کونسل کی وکالت ترک کردی اور ہیمپ اسٹیڈ میں اپنی کوٹھی فروخت کردی اور ایک ہوٹل میں رہنے لگے۔

پریوی کونسل شاہی مشیروں کا ایک ادارہ ہے۔ یہ نارمن عہد میں قائم کیا گیا۔ ٹیوڈر اور سٹورٹ عہد میں اس نے ایک اعلیٰ مشاورتی ادارے کی حیثیت حاصل کرلی۔ مشیروں کی تعداد مقرر نہیں ہے اس میں شاہی خاندان کے ارکان ''لاٹ، پادری، بشپ آف لندن، چانسلر، جج مجلس قانون ساز کا صدر وغیرہ شامل ہیں۔

پریس فنڈ

26 جنوری 1940ء کو قائداعظم محمد علی جناح کاٹھیاواڑ کے دورے کے دوران اوپلیٹیا پہنچے اس روز جمعہ تھا قائداعظم محمد علی جناح نے نماز جمعہ ادا کی۔ بعد ازاں ان کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا گیا۔ میمن جماعت نے سپاسنامہ پیش کیا اور لیگ پریس فنڈ میں لوگوں نے دل کھول کر عطیات دیے۔

قائداعظم محمد علی جناح جب پور بندر پہنچے تو ان کی آمد پر انہیں توپوں کی سلامی دی گئی، اور بیس ہزار مسلمانوں کے ایک شاندار جلوس کے ساتھ پورے شہر کا گشت کیا گیا۔ رات کو میمن ابوبکر حاجی اسماعیل جوہری کی صدارت میں ایک جلسہ عام ہوا جس میں قائداعظم محمد علی جناح، چندریگر، کھنڈوانی اور مسلم لیگ کے حامی مکھن لال تنا نے تقاریر کیں، اور لیگ پریس فنڈ کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈال کر حاضرین کو متوجہ کیا۔ بعد میں پوربندر، رانا راؤ، ترسائی محال کی جانب سے پریس فنڈ میں عطیات پیش کیے گئے تھے۔

پڑنواسہ (ایک راز)

9 رمضان المبارک 1996ء کو سکندر نامی ایک اٹھارہ سالہ نوجوان کراچی کی خستہ حال آبادی میں واقع اپنے گھر سے سحری کے لیے پراٹھے لینے نکلا۔ پٹیل پاڑہ میں جہاں گروہی تصادم جاری تھا، پولیس نے اسے اٹھایا اور تھانے لے گئے، جہاں وہ ایک زخم کی وجہ سے مرگیا۔ لڑکے کی ماں خورشید نے صحافیوں کو بتایا:

''پولیس نے اسے چھوڑنے کے لیے رقم مانگی تھی، جو میں ادا نہیں کرسکی تھی۔''

خورشید پلاسٹک بیگ بیچ کر گزارا کرتی تھی، اور اس کے پاس کوئی جمع پونجی نہیں تھی۔

پھر پولیس نے خبر دی:

''لڑکا سکندر علی بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کا رشتے دار تھا۔''

کچھ اخبارات نے اس کا نام سکندر علی پونجا لکھا۔ پونجا قائداعظم کے دادا کا نام تھا۔ ابتدائی اطلاعات کے مطابق وہ جناح کی بھانجی شیریں بائی کا نواسہ تھا۔ اس لیے اردو اخبارات نے اسے جناح کا پڑنواسہ لکھا، پھر سکندر علی کے لیے پڑنواسہ کا یہ حوالہ تسلیم کرلیا گیا، پھر جب پریس نے اس کی دفات پر زیادہ شور مچایا تو کراچی کے آئی جی پولیس نے ایک بیان جاری کیا:

''وہ لڑکا جناح کا رشتے دار نہیں تھا، بلکہ درحقیقت وہ ایک بلوچ محمد علی کا بیٹا تھا، اور سٹریٹ فائٹ کے دوران، جس میں وہ ملوث تھا، اسے کاری زخم آئے۔''

لیکن ''پڑنواسہ'' کی کہانی ختم نہ ہوئی۔ پریس نے پولیس سے پوچھا:

''اگر لڑکا اتنا بری طرح زخمی تھا، تو پھر اسے ہسپتال کی

بجائے پولیس اسٹیشن کیوں لے جایا گیا؟''

لیکن اب بھی اخبارات اس لڑکے کے متعلق غیر مطمئن تھے کہ وہ کون تھا؟ اخبارات میں لڑکے کی ماں کی ایک پرانی تصویر شائع کی گئی، جس میں وہ مہتہ پیلس میں قائداعظم محمد علی جناح کی بہن شیریں بائی کے پیچھے کھڑی تھی۔ اس سے پڑنواسہ کی کہانی مزید الجھ گئی۔ زیادہ تر رپورٹرز کا خیال تھا:

''وہ قائداعظم محمد علی جناح کی بہن شیریں بائی کا نواسہ تھا۔''

لیکن کچھ اسے پونجا کہنے پر مصر تھے۔ جس سے اس کا جناح کے ددھیالی رشتے داروں سے ہونے کا پتہ چلتا تھا لیکن اگر سکندر کا باپ محمد علی بوچ تھا تو پھر اس کے اپنی ماں کی شادی کے پہلے کے نام سے منسوب ہونا ناقابلِ تسلیم تھا۔

تب اخبارات نے قائداعظم محمد علی جناح کی بہن مریم بائی کے نواسے (جو جناح کا بھی نواسہ ہے) لیاقت مرچنٹ کا بیان شائع کیا۔ جس کے مطابق سکندر واقعی جناح کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے انکشاف کیا:

''وہ لڑکا جناح کے باپ کے بڑے بھائی نتھو پونجا کا نواسہ تھا۔''

اس کے بعد ایک اور الجھن سامنے آئی:

''اگر سکندر قائداعظم محمد علی جناح کے تایا کا پڑنواسہ تھا، تو وہ قائداعظم محمد علی جناح کا بھی پڑنواسہ کیسے ہوا؟''

لیکن اخبارات اسے قائداعظم محمد علی جناح کا پڑنواسہ لکھتے رہے، حتیٰ کہ یہ اس کا معروف حوالہ بن گیا۔

لیاقت مرچنٹ قائداعظم محمد علی جناح کی وصیت کا ناظم ہے لیکن پریس کو یہ جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں کہ وہ کس کا بیٹا ہے، ہوسکتا ہے کہ لیاقت مرچنٹ اس ساری صورت حال سے محظوظ ہو رہے ہوں، لیکن پریس کا قائداعظم کے خاندان کو جاننے پر آمادہ نہ ہونا کچھ اتنا خوش کن نہیں، حالانکہ یہ رویہ تحریک پاکستان کے دوران اور آج ساٹھ سال گزرنے پر بھی مسلسل جاری ہے۔ جناح بطور عظیم آدمیوں پر کتابوں کی ایک پوری لائبریری موجود ہے، لیکن ابھی تک ایک کتاب بھی ایسی نہیں آئی، جس کا موضوع ان کا خاندان ہو۔ ایک کتاب خصوصاً اس موضوع پر لکھی گئی تھی۔ اس میں بھی قائداعظم محمد علی جناح کے والد کے بھائیوں اور ان کی آل اولاد کو مکمل طور پر نظرانداز کر دیا گیا۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح کے بھتیجے، بھتیجیوں اور بھانجے بھانجیوں پر بھی کوئی معلومات نہیں ملتیں۔

لیاقت مرچنٹ نے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا:

''جناح کی سب بہنیں مرچکی ہیں، اور ان کے بھائی احمد علی کی بیٹی زیورچ میں رہائش پذیر ہیں۔''

اس بات کی پہلے سے خبر تھی کہ قائداعظم محمد علی جناح کی بیٹی نیویارک میں رہ رہی ہیں اور ان کا بیٹا نصلی واڈیا ہندوستان کا شہری اور صنعت کار ہے، لیکن قائداعظم محمد علی جناح کی بہنوں کی پاکستان میں اولاد کا انکشاف بالکل نیا تھا۔ ان میں لیاقت مرچنٹ، کلثوم ابراہیم، زہرہ، چانڈیو، گلشن چانڈیو، عباس پیر بھائی، روبینہ پیر بھائی اور حسین ابراہیم شامل ہیں، چونکہ اخبارات نے لیاقت مرچنٹ کی والدہ کا ذکر نہیں کیا تھا (جس کی معلومات مصنف کو عبیداللہ بیگ نے دی) اور نہ قائداعظم محمد علی جناح کے بھتیجوں اور بھانجے بھانجیوں پر معلومات فراہم کی تھیں، اس لیے مسئلہ حل نہ ہوسکا۔

محترمہ فاطمہ اس خاندان کے متعلق اس معلومات کا بہترین ذریعہ تھیں۔ انہوں نے اپنی یادداشتوں میں اپنے دادا پونجا کے خاندان یعنی والجی، نتھو جناح اور مان بائی کا ذکر کیا ہے۔ جب پاکستان میں عرفان حسین کی تدوین کردہ یہ یادداشتیں شائع ہوئیں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1996ء، تو چھپائی کی ایک غلطی کے باعث نتھو کی جگہ کتھو چھپ گیا۔

قائداعظم محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ

اس کتاب میں محترمہ فاطمہ جناح نے یہ نہیں بتایا کہ والجی، نتھو اور مان بائی ادران کی اولادوں کا کیا بنا۔ انہوں نے اپنے باپ جناح پونجا کے کنبے کا ذکر بھی کیا ہے۔ محمد علی، رحمت، مریم، احمد علی، شیریں، بندے علی اور فاطمہ یعنی چار بہنیں اور تین بھائی۔ گنتی کی غلطی کے باعث اکبر انیس احمد نے اپنی کتاب Jeena, Pakistan And Islamic Identity (مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1997ء) میں بچوں کی تعداد سات کے بجائے آٹھ لکھی۔

شاید جاوید برکی نے اپنی کتاب Historical Dictionary of Pakistan (مرزا بک ایجنسی مطبوعہ 1992ء) میں اس خیال کا اظہار کیا ہے:

''جناح اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔''

لیاقت مرچنٹ نے اپنے انٹرویو میں تسلیم کیا:

''میں سکندر کے کنبہ سے گزشتہ تین سال سے نہیں ملا۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نتھو کا خاندان اس سارے عرصے میں کراچی ہی میں رہائش پذیر رہا، لیکن کسی وجہ سے جناح بھائی شاخ نے ان سے واسطہ نہ رکھا۔ ہوسکتا ہے کہ جناح کے درمیان نہ ہونے کی وجہ سے وابستگی ختم ہوگئی ہو، لیکن مہتہ پیلس والی تصویر سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک وقت تھا، جب جناح کی بہن شیریں بائی، نتھو کی نواسی کو گھر بلایا کرتی تھیں۔ قائداعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح کی وفات کے بعد شیریں بائی مہتہ پیلس کیسے پہنچیں؟

ماتحسین لاری اور سہیل لاری نے اپنی کتاب The Dualcity: Karachi (ہیرلڈ ٹیج فاؤنڈیشن اور آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1996ء) میں یہ معمہ حل کیا۔ کتاب کے صفحہ نمبر 331 پر تحریر ہے:

''بانی پاکستان کی بہن مس فاطمہ جناح سے وابستگی کی وجہ سے مہتہ پیلس قصرِ فاطمہ بن گیا۔ محترمہ فاطمہ جناح اس مکان میں 1964ء سے لے کر 1967ء میں، اپنی وفات تک رہیں۔ جس کے بعد بلڈنگ کی پہلی منزل بند کر دی گئی کیونکہ اس میں قائداعظم محمد علی جناح کی قیمتی یادگاریں محفوظ تھیں، اور وہ اپنے سٹاف ہاؤس (اب قائداعظم میوزیم) سے لائی تھیں۔ فاطمہ جناح کی قریبی ترین عزیزہ ہونے کے ناطے سے شیریں بائی کو اس مہتہ پیلس میں رہائش کی اجازت دی گئی۔ انہیں صرف نچلی منزل یعنی گراؤنڈ فلور استعمال کرنے کی اجازت تھی۔

۔ایک عدالتی حکم کے نتیجے میں پہلی منزل یعنی فرسٹ فلور 1970ء میں ان کے لیے کھول دیا گیا۔ اگر چہ یہ یادگاریں تباہ ہوگئیں۔ یا وہاں سے اٹھالی گئیں۔ باقی ماندہ اشیاء 1990ء میں قائداعظم میوزیم کو منتقل کر دی گئیں:

''مہتہ پیلس ایک لکھ پتی ہندو شواتن مہتہ کی ملکیت تھا، قائداعظم محمد علی جناح کا اپنا گھر فلیگ سٹاف ہاؤس تھا۔ جو انہوں نے قریب قریب 1940ء میں خریدا تھا، جس میں آج کل مذکورہ بالا میوزیم قائم ہے، اس مہتہ پیلس میں اُتاری گئی، اس تصویر کی وضاحت ہوتی ہے، جس میں سکندر کی والدہ، شیریں بائی کے پیچھے کھڑی ہیں۔ اب یہ بات سامنے آچکی ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کے چچا کی ایک بیٹی کا نام بھی شیریں بائی تھا۔ جس کے بیٹے محمد اسلم اور بیٹی خورشید کا ذکر اخبارات میں آچکا ہے لیکن جناح کے دوسرے تایا والجی کا کیا بنا یہ کوئی نہیں جانتا، یا کم از کم ایسی کتاب یا تحریر باقی نہیں بچی جس میں ان کے خاندان کا ذکر ہو۔ اکبر ایس احمد، جن کی مذکورہ بالا کتاب غالباً جناح پر بہترین کتاب ہے کا خیال ہے کہ جناح

کے باپ کے بھائیوں کے نام فارسی کے بجائے ہندوانہ رنگ لیے ہوئے ہیں، حالانکہ اسماعیلی النسل ہونے کے ناطے ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔
یہ درست ہے کہ پاکستان کے مورخین جناح کے خاندان کا تذکرہ پسند نہیں کرتے۔ اکبر ایس احمد نے نشاندہی کی ہے کہ جناح کے اولین مورخ شریف المجاہد نے اپنی آٹھ سو صفحات کی تصنیف میں رتی اور دینا کا نام تک نہیں لیا۔ اردو میں اس خاندان پر منظر عام پر آنے والی واحد کتاب فیصل عباس جعفری کی ہے۔ ''قائداعظم کی ازدواجی زندگی'' یہ کتاب 1995ء میں گورا پبلشرز لاہور نے شائع کی، اگرچہ اس میں جناح کے چچاؤں کا ذکر نہیں کیا گیا، لیکن جناح کی 1929ء کی وصیت شامل کی گئی ہے۔ جس میں اس کنبے کے نام شامل ہیں، رحمت، قاسم بھائی، مریم عابدین بھائی، پیر بھائی، شیریں اور احمد علی۔
لیکن مسٹر جعفری کے پاس یقین سے بندے علی کے متعلق کچھ کہنے کے کچھ تاریخی شواہد نہیں۔ محترمہ فاطمہ جناح نے اپنے اس بھائی کا نام اپنی یادداشتوں میں شامل کیا ہے۔ اس کا نام 1929ء کی وصیت میں شامل نہیں تھا۔ یا تو وہ پہلے ہی فوت ہو چکے تھے یا پھر کوئی وجہ رہی ہوگی۔ اس کتاب میں اکبر علی پیر بھائی کا حوالہ بھی غیر واضح ہے۔ یہ وہی اکبر علی پیر بھائی ہیں، جنہوں نے جناح پر ایک انتہا پسند کے حملے کے متعلق کتاب لکھی۔''
جعفری کہتا ہے:
''اکبر شیریں بائی کا بیٹا تھا۔''
کتاب میں اس کا نام آنے کی وجہ یہ تھی کہ بمبئی میں رتی کی تدفین میں شریک خاندان کا واحد فرد تھا، اور وہ اور جناح دونوں لحد میں اترے۔ یہی وہ لمحہ تھا جب لوگوں نے جناح کو اشکبار دیکھنے کا دعویٰ کیا۔ بمبئی کے ایک کلرک شیخ صاحب نے رتی کے لیے تلقین پڑھی۔ یہ شیعہ رسم میں دفن کرنے سے پہلے مردے کو تلقین کی جاتی ہے۔ اگر اکبر علی پیر بھائی، شیریں بائی کا بیٹا تھا تو پھر اس کا خاندانی نام مریم عابدین پیر بھائی کیوں ہے؟ تو نتیجہ یہ نکلا کہ عقیل عباس جعفری اس کا نام غلط درج کر گئے۔ وہ بھتیجا جو قائداعظم کے ساتھ قبر میں اترا تھا، مریم کا بیٹا تھا نہ کہ شیریں کا۔ شیریں بائی کے خاوند کا نام جعفر بھائی تھا۔ جو بمبئی کے سرکریم بھائی کے بیٹے تھے، سکندر علی کے قتل سے نظر انداز کیا گیا یہ پہلو بھی منظر عام پر آ گیا ہے۔ وہ یقیناً جناح کا ''پڑنواسہ'' نہیں تھا۔ یہ پاکستانی پریس کا اخلاقی فرض ہے کہ جناح کے خاندان پر تحقیقی کام کرے تاکہ حساب سیدھا رہے۔
(از خالد احمد، قائداعظم کے خاندانی تنازعے مطبوعہ پرنٹ لائن پبلشرز لاہور)

پسماندہ لوگوں کا ناخدا

(دیکھئے: تیرہ سو سالہ جھنڈا)

پشاور

(دیکھئے: صوبہ سرحد)

پشاور ائیر فورس بیس

11 اپریل 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح پشاور ائیر فورس کے اڈے پر اپنے ڈکوٹا طیارے میں تشریف لائے۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے اعزاز میں پیش کیے جانے والے گارڈ آف آنر کے معیار کی تعریف کی اور سلامی کے چبوترے کے گرد لڑاکا طیاروں کے حسن ترتیب پر مسرت کا اظہار کیا۔
پشاور ائیر فورس بیس پر 1922ء میں کام شروع ہوا۔ 15 اگست 1947ء کو پشاور میں آر پی اے ایف کے ائیر ہیڈ کوارٹر

کا قیام عمل میں آیا۔

پشاور ریلوے اسٹیشن

اکتوبر 1936ء میں قائداعظم محمد علی جناح جب پہلی بار صوبہ سرحد کے دورے پر تشریف لے گئے تو پشاور ریلوے اسٹیشن پر ان حضرات نے ان کا خیر مقدم کیا۔ پیر بخش خان، اللہ بخش یوسفی، ملک شاد محمد، حکیم قطب عالم، خواجہ محمد اشرف رحیم بخش غزنوی۔

قائداعظم محمد علی جناح انگریزی سوٹ میں ملبوس تھے، اور سر پر سفید سولا ہیٹ تھا۔

پشین

قائداعظم محمد علی جناح 1943ء میں سردار محمد خان ترین کی دعوت پر پشین تشریف لے گئے۔ یہ صوبہ بلوچستان کا ایک شہر ہے۔ پشین سے کچھ فاصلے پر پاکستان گیٹ نصب تھا جس سے گزر کر قائداعظم محمد علی جناح اور ان کی پارٹی کو جلوس کی شکل میں شہر کے بڑے بازار سے لے جایا گیا۔ گیٹ پر سردار غلام محمد خان کی قیادت میں چھ ہزار افراد نے قائداعظم محمد علی جناح کا خیر مقدم کیا۔

بالآخر شاندار جلوس سردار غلام محمد خان ترین کے باغ میں جا کر ختم ہوا جہاں لوگوں کی تعداد آٹھ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

پشین کوئٹہ ڈویژن میں کوئٹہ سے جانب شمال 30 میل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ شہر 1883 میں آباد ہوا۔ پھلوں کے باغات کے لیے مشہور ہے۔ خوش دل خان جھیل اس سے آٹھ میل کی مسافت پر ہے۔

پل مین

قائداعظم محمد علی جناح کی حیات میں بمبئی میں چلنے والی بس کا نام تھا۔ اس میں تھرڈ کلاس نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی شخص کو اپنے مقدمہ کے لیے وکیل کی ضرورت پڑی وہ قائداعظم محمد علی جناح کے پاس آیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے مقدمہ دیکھ کر فیس بتا دی لیکن اس قدر زیادہ فیس دینا موکل کے بس کی بات نہ تھی لہٰذا اس نے کہا:

"میرے پاس تو اتنی رقم نہیں ہے۔"

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

"تو پھر آپ تھرڈ کلاس کے ٹکٹ کے ساتھ پل مین میں سفر بھی نہیں کر سکتے۔"

پلاؤ

27 مارچ 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اسلامیہ کالج لاہور میں جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت فرمائی اور خطبہ ارشاد کیا جس کے بعد دوپہر کے کھانے کا بندوبست حبیبیہ ہال میں تھا۔ کھانا زیادہ مغربی انداز کا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر شکریہ ادا کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے ہنستے ہوئے فرمایا:

"دوستو! میں تو یہاں پلاؤ کھانے آیا تھا، آپ نے مغربی کھانوں پر ٹرخا دیا۔"

پنتھ جناح گفتگو

25 جون 1945ء کو شملہ کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ لارڈ ویول نے کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے قصر وائسرائے میں اپنی تقریر میں کہا:

"میں آپ سب کا ایسے اشخاص کی حیثیت سے جو اپنے کردار اور صلاحیت کی بنا پر اپنے صوبوں اور پارٹیوں کی قیادت تک پہنچ گئے ہیں، خیر مقدم کرتا ہوں۔ میں نے آپ سب کو ہندوستان کے مختلف حصوں سے تاریخ کے اس نازک لمحہ میں اس لیے

طلب کیا ہے کہ آپ سب مجھے ہندوستان کی خوشحالی، سیاسی آزادی اور عظمت کی طرف بڑھانے کے لیے متحدہ امداد دیں۔

میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ یہ مدد ہندوستان کی مجموعی بھلائی کے لیے وسیع اشتراک عمل کے جذبہ کے ساتھ دیں، جو چیز پیش کی جارہی ہے وہ ایک دستوری سمجھوتہ ہے اور ہندوستان کے الجھے ہوئے مسائل کا آخری حل۔''

دوسرے روز یعنی 26 جون کو کانفرنس صرف ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی، اور پھر دوسرے روز کے لیے ملتوی ہوگئی۔ سرکاری علامیہ میں بتایا گیا:

''کانفرنس بعض ابتدائی نتائج تک پہنچ چکی ہے۔ اس لیے نمائندوں کی خواہش پر کہ وہ آپس میں گفتگو کر سکیں۔ اسے کل تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔''

کانفرنس کے التواء کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے حالات کی نزاکت اور وقت کے تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے خود ہی کانگریس سے صلح و مفاہمت کی گفت و شنید میں پہل کی، اور مسٹر گوبند ولبھ پنتھ سابق وزیراعظم یوپی کو اپنی قیام گاہ پر خیالات کے لیے مدعو کیا اور ان سے لیگ کانگریس اتحاد کے امکانات پر اڑھائی گھنٹہ تک گفتگو کی۔

اس گفتگو کے بعد پنتھ نے مولانا ابوالکلام آزاد اور گاندھی سے ملاقات کی، اور انہیں اپنی اور قائداعظم محمد علی جناح کی ملاقات اور گفتگو تفصیلی بتائی۔

ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندہ نے اس حال پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا:

''پردہ کے پیچھے کوششوں کا ایک دن پنڈت گووند ولبھ پنتھ رکن کانگریس مجلس عاملہ اور صدر مسلم لیگ مسٹر جناح میں گفتگو کی شکل میں ختم ہوا ہے۔ دونوں لیڈر سوا دو گھنٹہ تک ساتھ رہے۔ ہندوؤں کی کانفرنس کے سلسلہ میں یہ یقیناً ایک اہم تبدیلی ہے، کیونکہ اس سے کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان بہت ضروری نجی گفتگو کا موقع ملا، اور اس طرح کانفرنس کے نتائج کے سلسلہ میں امیدیں بڑھ گئی ہیں۔''

اختلاف کا آغاز

27 جون 1945ء کو بمبئی کرانیکل کے نامہ نگار خصوصی نے حسب ذیل تار دیا:

''اب ایک سوال جو سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اور جس پر بحث گفتگو ہونے والی ہے یہ ہے کہ وائسرائے کی مجلس شوریٰ (ایگزیکٹو کونسل) ہندو اور مسلمان ممبروں کی تعداد پر کانگریس لیگ میں سمجھوتہ ہو جائے گا۔ مسٹر جناح پنتھ میٹنگ کو اس روشنی میں دیکھا جارہا ہے۔

مسٹر جناح اور پنتھ کے تعلقات اسمبلی کے زمانہ سے بہت اچھے ہیں، اور توقع کی جارہی ہے کہ ان کی گفت و شنید بہتر ثابت ہوگی۔

اطلاعات کے مطابق مسٹر جناح نے پنڈت پنتھ سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ لیگ اس بات سے کبھی اتفاق نہ کرے گی کہ کوئی غیر لیگی مسلمان مجلس شوریٰ کا ممبر ہو۔ پنڈت پنتھ نے اس بات پر زور دیا کہ کانگریس اپنے آپ کو اونچی ذات کے ہندوؤں کی جماعت نہیں بنائے گی، اور مسٹر جناح کے مطالبہ کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے گی۔

معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جماعتیں اپنے ابتدائی مطالبہ پر قائم ہیں، یعنی مسلم لیگ کا مطالبہ ہے کہ چونکہ تنہا وہی مسلم ہندوستان کی جماعت ہے۔ اس لیے تمام

مسلم ممبروں کا نام چننے کا حق اس کو ہے۔ اس کے برعکس کانگریس اپنے قومی جماعت کے وعدے پر جمی ہوئی ہے، اور ایک ہندو جماعت کہلانے کو کسی طرح قبول کرنے پر راضی نہیں ہے۔ اس لیے وہ صرف ہندو نمائندوں کے انتخاب پر راضی نہیں ہے۔ اس خیال کے پیش نظر کانگریس کا مطالبہ ہے کہ اگر 5 مسلمان ممبران کونسل ہوں تو اس میں سے دو غیر لیگی قوم پرست مسلمان لیے جائیں۔''

آخر مسٹر جناح نے 5 منٹ تک مسٹر پنتھ سے اور ڈھائی گھنٹہ وائسرائے سے گفتگو کی۔ اخبارات کے نمائندوں کے سوالات کے جواب میں انہوں نے فرمایا:

''میں نہایت نازک قسم کی گفتگو میں مصروف ہوں، اس سے زیادہ اس وقت میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

وائسرائے سے امیدیں

مسلم لیگ اپنے جائز اور معقول مطالبہ سے دستبردار نہیں ہو رہی تھی۔ کانگریس حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لینے پر تلی ہوئی تھی، لہٰذا اب امیدیں وائسرائے سے وابستہ کی جانے لگیں۔

28 جون 1945ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس کے سیاسی مبصر کے حسب ذیل تاثرات شائع ہوئے:

''کانگریس لیگ گفتگو میں تعطل پیدا ہو جانے کی وجہ سے شملہ کے تمام حلقوں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی ہے۔''

قائداعظم کا بیان

اب حالات ایسے آ گئے تھے کہ قائداعظم کو لب کشائی کرنی ہی چاہئے تھی۔ چنانچہ 29 جون 1945ء کو انہوں نے پریس کانفرنس میں ایک طویل بیان دیا۔ جس میں بتایا گیا:

''اگرچہ مسلم لیگ کے مطالبات ویول تجاویز میں منظور نہیں کیے گئے ہیں، پھر بھی ہم عارضی طور پر قومی حکومت کی تشکیل میں حصہ لینے کو تیار تھے لیکن اس طرح کہ مسلم نمائندوں کا حق انتخاب صرف مسلم لیگ کو حاصل رہے۔''

اس سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح کی چند اہم تصریحات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

''ویول تجاویز نے بنیاد پرست اقوام کے علاوہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مساوات پر رکھی ہے۔ ہمیں اس مساوات کے سلسلہ میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے، کیونکہ مجوزہ ایگزیکٹو کونسل میں مسلمانوں کا حصہ 1/3 سے زیادہ نہ ہوگا اور پریوی کونسل میں ایک تہائی کی اقلیت ہوں گے اور جبکہ ہندوؤں کا کوٹہ مسلمانوں کے مساوی ہوگا اوروں کے علاوہ پست اقوام کی نمائندگی ہمیں نہیں معلوم کہ کس فرقہ یا فرقوں کی نمائندگی حاصل کی جائے گی کیونکہ ابھی تک نئی ایگزیکٹو کونسل کی عددی طاقت مقرر نہیں کی گئی، اس کونسل کی ترتیب کچھ ایسی ہوگی کہ بالآخر کانگریس کو اکثریت حاصل ہو جائے گی۔''

ان حالات کو پیش کرنے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''مسلم بلاک کے خلاف کانگریس کے اپنی اکثریت کے ووٹ سے کیے ہوئے فیصلے کو روکنے کا کوئی مناسب طریقہ موجود نہیں ہے۔ اس لیے ہم کو غور کرنا ہوگا کہ اس صورت کو روکنے کی کیا صورت نکالیں۔ ہم ہر منصفانہ اور معقول سمجھوتہ کے لیے اپنی طرف سے پوری جدوجہد کے لیے تیار ہیں۔

کانگریس نے پہلے ہی مسلم بلاک سے ایک زائد ممبر

چننے کے حق کا مطالبہ کر دیا ہے، اور کوئی دوسری پارٹی یا پارٹیاں بھی ایسے ہی مطالبے کر سکتی ہیں، اگر ہم ایک حل ڈھونڈنے اور کسی سمجھوتہ پر پہنچنے کے لیے ہر طرح کی خواہش رکھتے ہیں، مگر یہ معاملہ یعنی مسلم بلاک سے کانگریس یا کسی اور جماعت کو آپ مسلمان چننے کا حق ایک ایسا معاملہ ہے، جسے ہم نہ اصولوں کی بنیاد پر قبول کر سکتے ہیں، اور نہ ہی ان حقائق کی بنیاد پر جو ہمارے سامنے موجود ہیں۔

تنہا مسلم لیگ ہی وائسرائے کو پورے مسلم بلاک کے نام دینے کی حق دار ہے۔ اس دنیا میں سو فیصد اتفاق رائے ناممکن ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ دنیا بھر میں آپ کہیں (ایسا اتفاق رائے) نہ پائیں گے۔

مجھے خیال ہوتا ہے کہ کسی اخبار میں جبکہ اس چیز پر بحث ہو رہی تھی کہ کانگریس میں مسلمان بھی ہیں، اس نے لکھا تھا کہ ایک مرغابی سے موسم گرما نہیں آجاتا، نہ کانگریس میں چند سو مسلمانوں کی موجودگی سے ہندوستان کی بحیثیت مجموعی نمائندہ بناتی ہے، نہ مسلم بلاک کے ارکان کے انتخاب میں رائے دینے کے حق کے مطالبہ کی تائید۔''

پنجاب

13 ستمبر 1917ء کو سنٹرل لیجسلیٹو کونسل کے اجلاس میں سر محمد شفیع نے پنجاب میں قانون سازی اور انتظامی امور باہم ملانے کی تجویز پیش کی اور دیگر بہت سے مسائل کا بھی ذکر کیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ قرارداد خواہشات کی آئینہ دار ہے اور اس کی حمایت نہیں کر سکتا۔ قرارداد میں مسائل کو صحیح طریق سے پیش نہیں کیا گیا کیونکہ ان کے خیال میں پنجاب کی گورنر کونسل بنانی چاہیے اور ایک ہائیکورٹ گورنمنٹ آف انڈیا کی زیر نگرانی قائم کیا جائے۔ حکومت نے 1917ء میں پنجاب میں قائداعظم محمد علی جناح کے داخلے پر پابندی لگا دی۔

13 مئی 1924ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

''میثاق لکھنؤ کی طرز پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک مکمل سمجھوتہ کرنے کے بارے میں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو جانا چاہیے۔''

24، 25 مئی 1924ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کی۔ اجلاس میں انہوں نے رولٹ ایکٹ کی منظوری کے بعد سے ہندوستان میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں اور سرگرمیوں کی نشاندہی کی اور ان کے اثرات پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے خلافت کے مسئلے پر بھی تبصرہ کیا اور مسلم رہنما غلام محمد بھرگڑی کی خدمات کو بھی خراج عقیدت پیش کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوستان کو خود مختاری دینے کا بھی مطالبہ کیا۔ اجلاس میں ایک کمیٹی بھی قائم کی گئی جسے اختیار دیا گیا کہ وہ خلافت کمیٹی سے گفتگو کر کے مسلمانوں کی تنظیم کے لیے راہ عمل متعین کرے۔

1936ء میں قائداعظم محمد علی جناح چار مرتبہ لاہور تشریف لائے۔ 1937ء کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے پنجاب کے سرداروں، سیاسی کارکنوں اور وڈیروں سے مایوس ہونے کے بعد طالب علموں کو اپنی امیدوں کا مرکز و محور بنایا۔ 1940ء میں لاہور میں قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کی۔ اس اجلاس میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی۔ 1942ء میں قائداعظم محمد علی جناح فیصل آباد گئے۔ 1944ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے سیالکوٹ میں پنجاب مسلم لیگ کے جلسہ سے خطاب کیا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پھر لاہور آئے۔

پنجاب پارلیمنٹری بورڈ

قائداعظم محمد علی جناح 19 اپریل 1934ء کو صوبہ پنجاب پارلیمنٹری بورڈ کے قیام کے لیے لاہور تشریف لائے۔

یکم مئی 1934ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے فضل حسین سے ان کی رہائش گاہ پر لال دین قیصر کی معیت میں ملاقات کی۔ قائداعظم محمد علی جناح چاہتے تھے کہ مسلم لیگ کے امیدوار مسلم لیگ کے ٹکٹ پر انتخابات میں حصہ لیں اور انہیں چاہیے کہ اسمبلی میں اپنے نظریات سے مطابقت رکھنے والے ارکان کی حمایت حاصل کر کے وزارت تشکیل دیں۔

میاں فضل حسین کا موقف یہ تھا:

''پورے ایوان میں مسلمانوں کی نشستوں کی تعداد 51 تھی اور جب تک وہ کسی با اعتبار غیر مسلم جماعت کی حمایت حاصل نہ کریں تو وہ وزارت تشکیل نہیں دے سکتے۔''

اس مقصد کے لیے انہوں نے اسمبلی میں شمولیت سے قبل یونینسٹ پارٹی تشکیل کی تاکہ وہ اسی جماعت کے نام پر انتخاب میں حصہ لے سکیں۔ قائداعظم محمد علی جناح 1935ء کے ایکٹ کو اچھی طرح جانتے تھے جس کے تحت مسلمانوں کو آبادی کے اعتبار سے نمائندگی نہیں دی گئی تھی، اور مسلمانوں کے لیے ضروری تھا کہ وہ وزارت تشکیل دینے کے لیے کسی غیر مسلم سیاسی جماعت کو اپنے ساتھ ملائیں، تاہم قائداعظم محمد علی جناح نے میاں فضل حسین سے کہا:

''وہ بے شک اسمبلی میں سر چھوٹو رام کی حمایت کریں لیکن اسمبلی کے باہر انتخاب مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ہی لڑا جانا چاہیے نہ کہ کسی مخلوط جماعت کے ٹکٹ پر تاکہ اسمبلی میں غیر مسلموں کو مسلمان اپنے علیحدہ تشخص کا احساس دلا سکیں، حتیٰ کہ مسلمانوں کی جداگانہ حقیقت کو تسلیم نہ کر لیا جائے۔ یہ مسلمانوں کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ نئی جماعت بنائیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید کہا:

''اگر آپ کو مخلوط پارٹی کے ٹکٹ پر انتخاب میں حصہ لینے کے لیے مائل کر لیا گیا ہے تو پھر آپ مشترکہ رائے دہندگان کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں مسلمان کیوں مسلم جماعت میں ہوں اور کانگریس میں کیوں نہ شامل ہوں جو یونینسٹ کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ ہے۔''

لیکن میاں فضل حسین نے قائداعظم محمد علی جناح کی باتوں سے اتفاق نہ کیا چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے ایڈیٹر ہفت روزہ ترجمان مسٹر فضل کریم درانی کی موجودگی میں علامہ اقبال سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کے نتیجے میں 1928ء میں دونوں رہنماؤں کے مابین پائی جانے والی غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ اتحاد ملت اور مجلس احرار کے رہنماؤں نے بھی قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی اور پارلیمانی بورڈ میں اپنی شمولیت پر رضا مندی کا اظہار کیا۔

8 مئی 1936ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس کے ذریعہ تمام اخبارات میں یہ مشترکہ اعلان علامہ اقبال، ملک برکت علی، خلیفہ شجاع الدین، غلام رسول اور پیر تاج دین کے دستخطوں سے شائع ہوا۔

12 مئی 1936ء کو میاں عبدالعزیز بار ایٹ لاء کی رہائش گاہ واقع کپی گیٹ پر مسلم لیگ کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت علامہ اقبال نے کی۔ اجلاس میں چار قراردادیں منظور کی گئیں۔ ایک قرارداد پنجاب مسلم لیگ کی تنظیم نو کے بارے میں تھی۔ اس قرارداد کے تحت درج ذیل عہدیدار نامزد کیے گئے۔

صدر	علامہ اقبال
نائب صدر	ملک برکت علی اور خلیفہ شجاع الدین
سیکرٹری	مسٹر غلام رسول خان بار ایٹ لاء
جوائنٹ سیکرٹری	میاں عبدالمجید اور مسٹر عاشق حسین بٹالوی

دوسری قرارداد کے ذریعے قائداعظم محمد علی جناح کی اس سکیم کو خوش آمدید کہا گیا کہ تمام صوبوں میں انتخابات کی نگرانی کے لیے ایک مرکزی پارلیمانی بورڈ قائم کیا جائے۔ ہندوستانی مسلمانوں نے اس سکیم کو کامیاب بنانے کی درخواست کی۔

تیسری قرارداد کے مطابق ایک استقبالیہ کمیٹی کے قیام پر زور دیا گیا تاکہ وہ لیگ کونسل اور مرکزی پارلیمانی بورڈ کے اجلاس میں جو جون کے وسط میں ہونا قرار پایا ہے، اس میں شرکت کرنے والے رہنماؤں کی خوراک و رہائش کا انتظام کرے۔

چوتھی قرارداد کے تحت فلسطین میں عربوں کے خلاف برطانیہ کے اقتصادی رویے پر سخت احتجاج کیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ایک ہفتہ لاہور میں قیام کیا پھر کچھ دنوں کے لیے راولپنڈی چلے گئے۔ وہاں سے قائداعظم محمد علی جناح نے کشمیر کا قصد کیا اور 21 مئی 1936ء کو سنٹرل بورڈ کے اراکین کے ناموں کا اعلان کیا ان کی تعداد 54 تھی، اور وہ پورے ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندگی کرتے تھے۔ پنجاب سے حسب ذیل افراد نامزد کیے گئے۔

① علامہ اقبال ② مولانا ظفر علی خان (اتحاد ملت) ③ شیخ حسام الدین (احرار) ④ سید زین العابدین گیلانی ⑤ میاں عبدالعزیز بار ایٹ لاء ⑥ خواجہ غلام حسین ایڈووکیٹ (احرار) ⑦ راجہ غضنفر علی خان ⑧ مولانا محمد اسحاق مانسہروی (اتحاد ملت) ⑨ چودھری عبدالعزیز بیگنوال (احرار) ⑩ مولانا عبدالقادر قصوری۔

پنجاب کریمنل لاء امینڈمنٹ ایکٹ 1933ء

سانحہ مسجد شہید گنج سے مسلمانوں کے دل و دماغ میں جوش و خروش انتہا کو پہنچ چکا تھا، اور انہوں نے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ لی تھیں۔ فضا انتہائی مکدر تھی۔ مسجد شہید گنج کے لیے ایجی ٹیشن کے سلسلے میں جن افراد کو گرفتار کیا گیا ان کی رہائی کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں، اور حکومت پنجاب نے ایجی ٹیشن کے سلسلے میں نظر بند افراد کو رہا کر دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے حکومت پنجاب کے اس فیصلے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

> ''میں حکومت پنجاب کے اس مستحسن اقدام پر خوش ہوں کیونکہ نظر بندوں کی رہائی سے میرا کام بہت حد تک آسان ہوگیا ہے۔ مسلمانوں کے تمام طبقوں کی خواہشات سے واقف نہیں ہوسکتا لیکن مجھے امید ہے کہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کو اس امر پر رضامند کرلوں گا کہ باعزت تصفیہ اور مصالحت کے لیے تعاون ہی صحیح راستہ ہے۔ میں ہندو اور سکھ اکابر کا ممنون ہوں، اور عوام اور اخبارات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے میرے متعلق خیر سگالی کا اظہار کیا۔ میں پھر ان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ میرے کام میں ہر طرح سے میرا ہاتھ بٹائیں۔''

پنجاب کی تقسیم

◆ یہ دستاویز اصل میں ایک نوٹ ہے جسے 8 فروری 1941ء کو سر شاہ نواز خان آف ممدوٹ نے ذاتی حیثیت میں قائداعظم محمد علی جناح کو لکھا۔ اس نوٹ کے مندرجات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

① پاکستان کی جغرافیائی حدود
② انڈین سٹیٹس کا مستقبل
③ حصول پاکستان کے لیے مسلم لیگ کی سیاسی حکمت عملی

سر شاہنواز ممدوٹ نے اپنے اس نوٹ میں صوبہ پنجاب کو تقسیم کرنے اور انبالہ ڈویژن کو پنجاب سے نکالنے کی تجویز پیش کی تھی۔ س وقت پنجاب میں مسمانوں کی مجموعی آبادی 56ء7 فیصد تھی۔ بنگال کے متعلق انہوں نے لکھا:

''یہ ہردواں ڈویژن کو بنگال سے کاٹ دیا جائے تا کہ بقیہ بنگال میں مسلمانوں کو 63ء2 فیصد کی عددی فوقیت حاصل ہو سکے۔ جب کہ متحدہ اور سالم بنگال میں مسلمان صرف 51ء5 فیصد ہیں۔

انڈین سٹیٹس اپنی علیحدہ فیڈریشن بنائیں حیدر آباد کو البتہ کامل آزادی ملنی چاہیے۔

تاہم تاج برطانیہ سے اس کے خصوصی تعلقات برقرار رہیں۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان کی ریاستوں دیر، چترال، سوات، قلات، مکران وغیرہ کو اپنا علیحدہ یونٹ بنانا چاہیے۔

◆ 10 مارچ 1941ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی یونین میں طلبہ کے سامنے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند کے دل میں جو خیال موجزن تھا، اس کا بے باکی سے اظہار کر دیا ہے۔ اس پر سارا ہندو پریس ہندو قیادت اور کانگریس چراغ پا ہے۔ انہوں نے مخالفت کا ایک طوفان اُٹھایا ان کے پریس کا پروپیگنڈہ، ان کی دشنام طرازی ان کی غلط بیانی اور ان کا شورِ دیوانگی ہمارے پائے ثبوت میں کوئی تزلزل پیدا نہ کر سکا۔

میں یہ بار بار کہہ چکا ہوں کہ جمہوری پارلیمانی نظامِ حکومت جیسا کہ اس وقت انگلستان اور دوسرے مغربی ممالک میں ہے ہندوستان کے لیے قطعاً غیر موزوں ہے، کانگریسی اخبارات میں آزادی کے دشمن کی طرح مجھے معتوب و مطعون کیا گیا ہے، لیکن میرے بیان کی حقیقت تمام سمجھ دار اشخاص کے دل و دماغ پر بتدریج منکشف ہوتی جا رہی ہے۔

ہندوستان میں تا حال برطانوی حکمتِ عملی کی بنیاد دو ستونوں پر رکھی گئی ہے۔ پہلا ستون تو یہ ہے کہ ہندوستان ایک وحدت ہے، اور دوسرا دستورِ ہند کی اساس مغربی طرز کے جمہوری نظام پر ہو، لیکن مسلمانانِ ہند نے ہر قسم کے شک و شبہ سے دُور یہ حقیقت مسلم کر دی ہے کہ وہ مروجہ اصطلاح مفہوم میں اقلیت نہیں ہیں بلکہ وہ ایک قوم ہیں مسٹر ایمری وزیرِ ہند بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ہندوستان کے نو کروڑ مسلمانوں کے ساتھ ایک عددی اقلیت کی طرح نہیں بلکہ ایک علیٰحدہ دستوری عنصر کی حیثیت سے برتاؤ ہونا چاہیے اور یہ کہ اُن کی مرضی کے خلاف کوئی دستور ان پر عائد نہیں کیا جا سکتا۔

مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ آج وحدتِ ہند کا ستون ٹوٹ گیا ہے، بلکہ پوری طرح مسمار ہو چکا ہے (بلند نعرے) دوسرا ستون جمہوریت تھا۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ خود یورپ میں جمہوریت کے متعلق کیا خیال ہے۔ اس کے بعد ہم یہ سمجھ لیں گے کہ ہندوستان میں اس کا کیا مطلب ہوگا۔

باشندگان انگلستان ایک قوم پر مشتمل ہیں۔ اُن کے زندگی کے بنیادی نقط اور مفادات مشترک ہیں، لیکن انگلستان کی وہ کمزور سی جمہوریت دنیا کے ایسے ممالک میں ناپید ہے جہاں دو قومیں اور دو سماج ہیں۔

ہندوستان میں جمہوریت کے تحت لازماً ایک مستقل

اور دوامی اکثریت ایک ایسے سماج پر اقتدار حاصل کر لیتی ہے جو اقلیت میں ہے۔ دنیا میں کہیں دو قوموں کی ایسی نظیر نہیں ملتی جو ایک ہی متحدہ دستور میں جوتے گئے ہوں۔ ہم نے عملی تجربے سے دیکھ لیا ہے کہ برطانوی پارلیمانی نظامِ حکومت کا نتیجہ دوسرے باشندگانِ ہند پر کامل ہندو اقتدار کے قیام پر منتج ہوتا ہے۔

ان سب امور میں جو زندگی کے لیے بنیادی اور لازمی درجہ رکھتے ہیں، ہندو اور مسلمان سخت اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے اندر ایک غیر جمہوری سماج موجود ہے لیکن اس کے باوجود وہ دفعتاً جمہوریت کے عشق میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اب تو وہ جمہوریت کے ذکر کے سوائے اور کوئی ذکر ہی نہیں کرتے۔ (قہقہہ)

حال ہی میں بمبئی میں ساحل سمندر پر ایک پیراکی کے تالاب کا افتتاح ہوا، جو صرف ہندوؤں کے لیے مخصوص ہے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ سمندر میں بھی تیرنے کو تیار نہیں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ہندوؤں کے جذبات کا مضحکہ اُڑاؤں، میں ہر شخص کے مذہبی جذبات کا احترام کرتا ہوں۔ اس واقعہ کا حوالہ صرف یہ بتانے کے لیے دیا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کس قدر گہرا اختلاف موجود ہے۔

تجویز تقسیم کے سمجھنے کے لیے کسی بڑے عقلمند یا بڑے ماہر دستور ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس تجویز کے حسن و قبح پر غور و فکر کیے بغیر کانگریس اور دوسرے ہندو ادارے آپے سے باہر ہو گئے ہیں۔ جیسے کہ یہ کوئی ہوّا ہے۔ یا کوئی خطرناک جانور! (قہقہہ)

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان یہاں صدیوں سے موجود ہے، آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گا۔ (نعرہ تحسین) یہ ہم سے چھین لیا گیا تھا۔ اب ہمیں واپس لینا ہے، ہندوؤں کا اس پر کیا استحقاق ہے؟ جو کچھ ہمارا اپنا ہے اس کے مطالبہ سے ہمیں کیونکر روکا جا سکتا ہے؟ اس میں دراصل ہندوؤں ہی کا زیادہ فائدہ ہے۔ مسلم لیگ کا آخر مطالبہ ہی کیا ہے؟ یہی نہ کہ واضح مسلم اکثریتی منطقوں کے حدود کے تعین اور ضروری علاقہ داری تنظیم مکرّر کے ساتھ اپنی خود مختار ریاستوں کا قیام چاہتی ہے کیونکہ انہیں سارا ہندوستان تو کبھی نہ مل سکے گا۔

میں کہہ سکتا ہوں کہ برطانوی اور کانگریسی حلقوں میں اس امر کا بتدریج احساس ہوتا جا رہا ہے کہ ہماری تجویز تقسیم میں دونوں قوموں کے مفادات مضمر ہیں وہ ''تشریح زندہ'' کے مخالف پاکستان نعرے، گئو ماتا کو کاٹا جا رہا ہے اور مادر ہند کے دو ٹکڑے ہو رہے ہیں۔ اب ختم ہو چکے ہیں۔ اب انہوں نے یہ پوچھنا شروع کر دیا کہ اگر ہندوستان منقسم کر دیا گیا تو آیا وہ محفوظ ہوں گے۔

ہندو اخبارات نے یہ بھوت کھڑا کیا ہے کہ اگر ہندوستان تقسیم ہو گیا تو مسلمان سارے ملک کو تاخت و تاراج کر دیں گے۔ یہ ایک بے بنیادی الزام ہے کیونکہ اگر ہندوؤں کو ایسا ہی خوف ہے تو کیا مجھے بتایا جا سکتا ہے کہ وہ سارے ہندوستان پر حکومت کرنے کا عزم کس طرح رکھتے ہیں؟

پاکستان میں سات کروڑ سے زیادہ مسلمان نہیں ہوں گے، اور ہندوستان میں بائیس کروڑ سے کم ہندو نہ ہوں گے۔ کیا ان کا یہ مطلب ہے کہ بائیس کروڑ اشخاص صرف سات کروڑ کے مقابلہ میں اپنی آزادی برقرار نہیں رکھ سکتے؟ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہندوستان کا مستقبل محفوظ نہ ہو گا کیونکہ ساری یورشیں شمال مغرب سے ہوئی ہیں، اور پاکستان میں بجائے خود ایسی

مسٹر جناح آرمی افسران کے ہمراہ

یورشوں کو روکنے کی سکت نہ ہوگی۔ اس لیے ہندوستان میں ایک مرکزی جمہوری حکومت ہونا چاہیے۔
ایک مرکزی حکومت بنا کر اور قرعہ اندازی کے صندوقچہ میں اکثریت حاصل کر کے ہندو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ملک کو حملوں سے محفوظ بنا سکیں گے (قہقہہ) پھر ہمارے ہندو دوست مسلم اقلیتوں سے پوچھتے ہیں کہ انہیں پاکستان سے کس طرح فائدہ پہنچ سکتا ہے، اور یہ کہ انہیں ہندوؤں کے ہاتھوں کیا مصیبت نہیں اُٹھانی پڑے گی۔
شمال مغربی یورشوں کے سلسلہ میں کیا مجھے بتایا جاسکتا ہے کہ پرتگالی کہاں سے آئے تھے؟ فرانسیسی کہاں سے آئے تھے؟ اور ہمارے برطانوی آقا کہاں سے آئے تھے؟ لیکن ہم جانتے ہیں کہ دراصل جدید جنگ و جدل سرحدوں کی قید سے آزاد ہے۔ جدید جنگ کا فیصلہ کن ہتھیار فضائی بیڑہ ہے۔ بری اور بحری طاقتوں کی حیثیت اب دوسرے درجہ کی ہوگئی ہے۔ آیئے ہم اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں ہندوؤں کو جنوب اور مغرب کی حفاظت کرنے دیجئے اور مسلمانوں کو سرحدوں کی حفاظت سونپئے پھر ہم مل کر کھڑے ہوں گے اور دُنیا سے کہیں گے کہ ہندوستان سے الگ رہو، ہندوستان ہندوستانیوں کے لیے ہے۔ (نعرۂ تحسین)
دوسرا اعتراض جو اقلیتوں کے متعلق ہے بہت کمزور ہے۔ مسلم اقلیت کے صوبوں میں رہنے والے مسلمان خود دار بلند حوصلہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسلم اکثریت کے منطقوں میں رہنے والے بھائیوں کی نجات و آزادی کی خاطر ہر قسم کے ایثار و قربانی کے لیے تیار ہیں، اپنے بھائیوں کے راستے میں مزاحم ہونے اور انہیں ایک متحدہ ہندوستان میں گھسیٹنے سے ہم کسی طرح اپنی حالت کو بہتر نہیں بنا سکتے، بلکہ الٹا ہم ان کی حیثیت کو بھی گھٹا کر ایک اقلیت بنا دیں گے۔
ہم نے تہیہ کرلیا ہے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ہم اپنے بھائیوں کو ہندو اکثریت کا حلقہ بگوش نہ ہونے دیں گے۔ ایسی خود مختار ریاستوں کی تخلیق درحقیقت اقلیتوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی بہترین ضمانت ہوگی، جب گفت و شنید اور مشوروں کا وقت آئے تو صوبہ جات اقلیت کے مسلمانوں کی یقیناً پوری پیروی کی جائے گی۔
ہمارے سامنے داخلی حفاظت اور خارجی حملوں کے دفاع کے مسائل پیش ہوں گے۔ چرخے چلانے سے نہ آزادی ملتی ہے اور نہ برقرار رکھی جاسکتی ہے۔ ہم کو اپنے گھربار اور اپنے نصب العین جو ہماری متاع عزیز ہے کی حفاظت کے لیے تیار ہو جانا چاہیے (نعرۂ تحسین) پاکستان کو حاصل کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔ گو ہندوستان منطقہ جنگ سے باہر ہے، لیکن ہندوستان میں بھی ایک قسم کی جنگ جاری ہے۔ میں اپیل کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو ناگہانی ضرورت کے لیے تیار رکھو! علی گڑھ مسلم ہندوستان کا اسلحہ خانہ ہے اور تم اس کے بہترین سپاہی ہو۔ تم دیہاتوں میں پھیل جاؤ ہمارے آدمیوں کو تعلیم دو، انہیں سدھارو، انہیں ہمارا مقصد سمجھاؤ بہت سے لوگ انہیں بہکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہیں ایک دفعہ سمجھ لینے دو تو پھر وہ اپنی منزل مقصود کی طرف چل پڑیں گے۔
مسلم لیگ نے چند ہی سالوں کے اندر مسلمانوں کی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ لیگ نے مسلمانوں کے وقار کو بلند کر دیا ہے، اور ایسی منزل پر پہنچا دیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے وطن اور اپنی جائیداد کے حق

استقرار کے ساتھ ایک ممتاز سیاسی وجود تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اب ہمیں حصول مقصد کے لیے ایک اور سعی مشکور کرنی ہے۔

کانگریس اور مسٹر گاندھی کی مخالفت اور ریشہ دوانیوں کے باوجود آج مسلم لیگ ایک قومی مضبوط ادارہ ہے۔ سالِ گذشتہ گاندھی جی دہلی میں مجھ سے ملنے آئے تھے، وہ مسلم ہندوستان سے ملنے آئے تھے، کیونکہ میں مسلم ہندوستان کے نمائندے کے سوائے اور کچھ نہیں ہوں۔ (نعرۂ تحسین)

کیا ہندوستان میں حکومتِ برطانیہ کے قیام کے دوران میں کبھی ایسا موقع بھی آیا ہے کہ حکومت نے مسلمانوں کا اس قدر لحاظ کیا ہو، اور ان سے کسی حد تک خوفزدہ بھی ہوئی ہو؟ مسلم لیگ کی آواز دُنیا کے دُور دراز گوشوں میں حتیٰ کہ چین اور امریکہ میں بھی پہنچ چکی ہے۔ تم نے اپنی طاقت مجتمع کی تھی اس کے نتائج بھی تم نے دیکھ لیے، لیکن ابھی بہت سے مخمصوں سے بچ کر نکلنا ہے۔

اب وقت آ گیا ہے کہ تم ایک تعمیری لائحہ عمل کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دو۔ تم اپنی چھٹیوں کو تعمیری کاموں پر صرف کر دو، اپنے آدمیوں میں تعلیم کی اشاعت اور معاشرے کی اصلاح کرو، اقتصادی ارتقاء برتر شعور سیاسی اور اپنی تنظیم کو وسیع کرو۔‘‘

پنجابی طلباء کی خواہش

مارچ 1941ء میں لاہور میں قائداعظم محمد علی جناح کی زیرِ صدارت پاکستان کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اس کانفرنس میں شرکت کے لیے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے قائداعظم محمد علی جناح کو دعوت دی اور دعوت نامہ 15 جنوری 1941ء کو کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین عبدالحمید مرزا نے بھیجا جس میں انہوں نے لکھا:

’’پنجاب کے طلبا کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ آپ اس کانفرنس کی صدارت کریں۔‘‘

قائداعظم محمد علی جناح بے حد مصروفیات کے باوجود لاہور آئے اور اپنے خطبہ صدارت میں کہا:

’’میں اس کانفرنس کی صدارت کرنے اس لیے آیا ہوں کہ مجھے ایک روحانی رشتے کی بنا پر مدعو کیا گیا ہے اور اس دعوت کو منظور کرنے سے مجھے خوشی محسوس ہوئی۔ مسلمانانِ پنجاب اب بیدار ہو چکے ہیں۔ نوجوانوں کے ایک چھوٹے سے گروہ نے پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی کانفرنس منعقد کرنے کے لیے انتھک محنت کی ہے میرے خیال میں جن لوگوں نے اس کے لیے کام کیا اور محنت کی، انہیں اس بات سے مکمل اطمینان ہو جانا چاہیے کہ ان کی کوششیں بار آور ہوئیں اور انہیں کام کا پورا صلہ مل گیا۔‘‘

(تحریکِ پاکستان میں طلباء کا کردار)

5 جولائی 1941ء کو لائل پور (موجودہ فیصل آباد) میں طلباء نے پاکستان کانفرنس سر سکندر حیات خان کی صدارت میں منعقد کی۔ 20 جولائی 1941ء کو فیڈریشن نے ملک برکت علی کی صدارت میں ایک دوسری جوابی پاکستان کانفرنس منعقد کی۔

7، 8 مارچ 1944ء کو راولپنڈی میں پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے پاکستان کانفرنس منعقد کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے فیڈریشن کے نام ایک پیغام بھیجا جس میں کہا گیا تھا:

’’پاکستان کا مخالف ایک ایسا گروہ ہے، جو اپنے آپ کو مولانا اور مولوی کہتا ہے مگر اب اس کے مضرت رساں اثرات ختم ہو چکے ہیں۔‘‘

راولپنڈی کانفرنس میں بھی پاکستان کا مطالبہ حکمرانوں کے

ایوانوں تک پہنچا۔

پنجاب کی کہانی (قائداعظم کی زبانی)

یہ کتاب محمد حنیف شاہد نے مرتب کی اور سنگ میل پبلی کیشنز نے 1986ء میں اسے شائع کیا۔ 208 صفحات پر مشتمل کتاب کے مندرجات یہ ہیں۔ پنجاب کی کہانی قائداعظم کی زبانی، پنجاب مسلم لیگ کا منشور، مسلمان شہری آبادی اصلاح و نظم ونسق، غیر ضروری سرپرستی، تعلیم، پسماندہ علاقہ جات اور اقوام کی نشوونما، مزدور زراعت اور دیہاتی آبادی، قانون انتقال اراضی، صحت، دیہاتی ثقافت کاشتکاروں کے لیے سرکاری امداد، امداد باہمی کے فارم، قانون اراضی کی اصلاح وتبویب، غریب کسانوں کے لیے سرکاری زمینیں، ٹیکسوں کا بار، انتخابات اور پارلیمنٹری طریق کار، مالیات، جنگ کی ناگہانی ضرورت، مابعد جنگ کا اقتصادی توازن، واپس آنے والے سپاہی، ہماری منزل پاکستان، پاکستان ہمارا مقصد، پاکستان کانفرنس میں تقریر، سیالکوٹ میں تقریر، تنظیم پاکستانی قوم سے خطاب، کرپس کا مجوزہ پاکستان، نواب بہادر یار جنگ کی تقریر، پشاور میں پانچ روز، پاکستان کی فتح، قائداعظم کی کراچی میں تقریر، قائداعظم کشمیر میں۔ پہلی کانفرنس،

محمد حنیف شاہد نے اس کتاب کو بڑی عرق ریزی سے مرتب کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے تحریک پاکستان کے کئی ابواب عیاں وروشن ہوتے ہیں۔

پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن

یکم ستمبر 1937ء کوعلامہ اقبال کی تجویز پر لاہور میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا قیام عمل میں آیا۔ میاں محمد شفیع (م ش) کی صدارت میں اس کا تاسیسی اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں حمید نظامی (صدر) ڈاکٹر عبدالسلام خورشید (جنرل سیکرٹری) منتخب ہوئے۔ امجد حسین، عبداللہ بٹ، اکبر ملک، چودھری رحمت اللہ اسلم (سی آر اسلم) مسٹر جسٹس انوارالحق، مولانا عبدالستار خان نیازی اور حکیم آفتاب حسن قریشی نے نمایاں خدمات انجام دیں۔

اکتوبر 1938ء میں ہندو طلبا کے ایک جلسہ میں مسلم طلبا نے بڑی تعداد میں شرکت کر کے پہلی مرتبہ یہ نعرے لگائے:

''ہم علیحدگی چاہتے ہیں۔ ہم علیحدگی چاہتے ہیں۔''

مارچ 1940ء میں پنجاب مسلم لیگ نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی کوششوں سے 78 نشستیں حاصل کرلیں۔

پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن... پیغام قائد

ستمبر 1937ء میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا قیام عمل میں آیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے فیڈریشن کے قیام پر اپنے پیغام میں کہا:

''مسلمانوں کو اپنے آپ کو منظم اور ایک پلیٹ فارم پر کھڑا کرنے اور مسلمانوں کی تنظیم (جسے آل انڈیا مسلم لیگ کہا جاتا ہے) کے پرچم تلے متحد ہونے کی شدت سے ضرورت ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا:

''ہماری امید ہمارے ان نوجوانوں سے وابستہ ہے جنہیں مستقبل قریب میں ہی جلد ایک بہت بڑا بوجھ برداشت کرنا ہوگا۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ موجودہ صورتحال اور واقعات جو تیزی سے رونما ہو رہے ہیں، اگر مسلمانوں کو منظم نہ کیا گیا اور استحکام واتحاد کی فضا قائم نہ کی گئی تو یقیناً انہیں کچل دیا جائے گا اور یہی نہیں بلکہ انہیں ملک کے قومی امور حکومت اور اس حکومت سے جو قائم کی گئی

ہے اور جو قائم کی جائے گی اصل مقام سے ہٹا دیا جائے گا۔

اس لیے میں نوجوانوں سے درخواست کرتا ہوں کہ خیالی نظریات کے پیچھے نہ بھاگیں بلکہ حقائق کی روشنی میں عملی آدمی کی طرح کام کریں۔

میں آپ کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔"

پنجاب ہائیکورٹ

(دیکھئے: براڈوے مسٹر جسٹس)

پنجابی راجپوت

جب قائداعظم محمد علی جناح کا دہلی میں طویل قیام ہوتا اور وہ ہجوم کار سے گھبرا جاتے تو باغبت ضلع میرٹھ تشریف لے جاتے، اور وہاں ایک ڈاک بنگلا میں رہتے۔ یہ ڈاک بنگلا دریا کے کنارے واقع تھا۔ منظر بہت اچھا اور جگہ بڑی پرسکون تھی، وہاں ایک روز نواب صاحب باغبت نے قائداعظم محمد علی جناح سے کہا:

"آپ کا خاندان تو تجارت پیشہ ہے، آپ میں یہ کڑک کہاں سے آئی۔"

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے مسکرا کر جواب دیا:

"صاحب میں تو پنجابی راجپوت ہوں، کئی پشتیں گزریں میرے جد کاٹھیاواڑ چلے گئے تھے، وہاں انہوں نے خوجہ لڑکی سے شادی کر لی تھی، اور وہ انہی خاندان میں مل گئے۔ اس وقت سے ہم خوجوں میں شمار ہونے لگے۔ میرے وہ جد جو کاٹھیاواڑ چلے گئے، ضلع منٹگمری کے رہنے والے تھے۔"

پنج سالہ معاشی اور معاشرتی کمیٹی

24 تا 26 دسمبر 1943ء کراچی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح کو اختیار دیا گیا:

"وہ آنے والی پاکستانی مملکت کے لیے زمین تیار کرنے کی خاطر ایک پنج سالہ معاشی اور معاشرتی منصوبہ بندی کی ایک کمیٹی بنائیں اور کمیٹی ان امور پر رپورٹ پیش کرے۔

1. پاکستانی علاقوں میں مملکت کی طرف سے صنعتوں کا اجرا
2. مفت پرائمری تعلیم کا اجرا
3. اراضی کے نظام میں اصلاح
4. مالیے کا استحکام
5. مزارعت کا تحفظ
6. مزدوروں کے حالات کار اور زراعت میں بہتری
7. ساہوکارے پر کنٹرول"

پندرہ بلوچ رجمنٹ

قائداعظم محمد علی جناح نے 15 اگست 1947ء کو گورنر جنرل کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا تو 15 بلوچ رجمنٹ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اس نے قائداعظم محمد علی جناح کو گارڈ آف آنر پیش کیا۔ اس بٹالین نے کئی تقریبات میں گورنر جنرل ہاؤس میں گارڈ کی حیثیت سے اپنی مستعدی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کی خدمات کے صلے میں قائداعظم محمد علی جناح نے پشاور میں 15 اپریل 1948ء کو قومی پرچم عطا کیا تھا۔ 25 دسمبر 1947ء کو جب قائداعظم محمد علی جناح کی سالگرہ کے موقع پر مشترکہ مسلح افواج نے قائداعظم محمد علی جناح کو

سلامی دی تھی اس میں یہ بٹالین بھی موجود تھی۔ اس رجمنٹ نے قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن کے موقع پر 22 دسمبر 1976ء کو مزار قائداعظم پر گارڈ آف آنر پیش کیا۔

پنڈت، نہرو اور جناح

روزنامہ انقلاب کی اشاعت 28 جنوری 1937ء کی اشاعت میں بعنوان ''پنڈت نہرو اور مسٹر جناح، صدر مسلم لیگ کا فیصلہ کن بیان'' اداریہ شائع ہوا، جس کا متن درج ذیل ہے:

''مسٹر جناح نے پنڈت نہرو کے جواب میں جو طویل بیان شائع کیا ہے۔ ہماری رائے میں وہ ہر اعتبار سے قطعی اور فیصلہ کن ہے۔ پنڈت جی سے ہمیں بجا شکوہ ہے کہ وہ مدت سے حقائق کو نظر انداز کیے رکھنے پر مصر ہیں۔ ہندوستان کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ قوموں کے درمیان اتحاد پیدا کیا جاتا، ان میں سمجھوتہ کرایا جاتا لیکن پنڈت نہرو اس سے پیچھے ہٹتے ہٹتے اب اس مرحلہ پر پہنچ گئے ہیں جہاں یہ مسئلہ ان کی آنکھوں سے بالکل اوجھل ہو گیا ہے۔ یا کہنا چاہئے کہ انہوں نے اس کی اصلی صورت دیکھنے، اس کا حل تجویز کرنے اور اس کے تصفیہ کی راہ نکالنے سے کاملاً علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ ہندومت سے اس باب میں اپنی خودغرضیوں کو نام نہاد نیشنلزم کے پردے میں چھپا رہے تھے۔ پنڈت نہرو نے ایک نیا نقاب تیار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ فرقہ وار مسئلہ صرف اونچے طبقوں کے مناصب پرست اصحاب نے کھڑا کر رکھا ہے۔ عوام اور جمہور کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں اور اصل مسئلہ یہ ہے کہ عوام اور جمہور کی اقتصادی حالت بہتر بنائی جائے، اور ان کے لیے روٹی مہیا کی جائے۔

لیکن جس طرح ہندوؤں کا نیشنلزم مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے جائز حقوق غصب کرنے کا ایک فریب کارانہ ہتھکنڈا تھا۔ اسی طرح پنڈت نہرو کی نام نہاد اشتراکیت بھی ہمارے نزدیک محض ایک دھوکہ ہے۔ اصل مقصود دونوں کا یہ ہے کہ فرقہ وار مسائل کے تصفیہ سے انکار کیا جائے، اور ہندوؤں کو جو تفوق اور برتری اور ہمہ گیری حاصل ہو چکی ہے وہ بدستور باقی رہے۔ اس غرض کو پوری کرنے کے لیے پنڈت نہرو زیادہ سے زیادہ ہنگامہ خیزی کے درپے رہتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ کوئی ہنگامہ خیزی حقائق پر پردہ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ کانگریس نے یا پنڈت نہرو نے اب تک عوام کی بہتری اور بہبود کی کوئی ایسی اسکیم پیش نہیں کی، جس سے وہ اقتصادی مصیبتیں دور ہو سکیں، جن کا ہر شخص کو اعتراف ہے جو کچھ اب تک ہوا ہے، وہ محض ہنگامہ خیز الفاظ ہیں، جو کبھی اخبارات کے صفحات پر صف بند ہوتے ہیں اور کبھی مختلف جلسہ گاہوں کی فضاؤں میں گرجنے لگتے ہیں۔

پنجاب کے غریب طبقوں کی گردن پر ڈیڑھ ارب روپے کے قرض کا بوجھ ہے، اس میں سے چند ہزار روپے بھی کم نہیں ہوتے، یہی حالت دوسرے صوبوں کے مقروضوں کی ہے۔ تجارت اور صنعت و حرفت پنڈت نہرو کے ہم قوموں کے ہاتھ میں ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی اجارہ داری ختم نہیں ہوئی۔ نظم و نسق پر زیادہ تر ان کے ہم قوموں کا قبضہ ہے، حتیٰ کہ ان صوبوں میں بھی ہندو برسر اقتدار ہیں جہاں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے، لیکن اس کے اقتدار میں کوئی فرق نہیں آیا۔ غریب کسانوں اور مزدوروں کی بہتری کے لیے کچھ نہیں ہوا، یہ توقع بھی پیدا نہیں

ہوئی کہ سال دو سال یا چار سال میں پنڈت نہرو کچھ کر سکیں گے، البتہ خوش کن الفاظ کا سیلاب زوروں پر ہے، لیکن یہ سیلاب عوام اور جمہور کے لیے غذا مہیا نہیں کر سکتا، اس سے ملک کی اقتصادی حالت بہتر نہیں ہو سکتی۔ اس سے غریبوں کا قرضہ نہیں اتر سکتا، سرمایہ داروں کی اجارہ داری ختم نہیں ہو سکتی، خواہ پنڈت نہرو دس ہوائی جہاز لے کر ہندوستان کی فضا میں اڑاتے اور زوردار تقریریں کرتے پھریں۔

کسی تعمیری کام اور تعمیری اسکیم کا سوال درپیش ہو تو انتہائی بے تکلفی سے کہہ دیا جاتا ہے کہ پہلے آزادی حاصل کرنی چاہیے۔ آزادی کے اسباب کی فراہمی میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ مختلف قومیں اور مختلف طبقات مل کر اور متحد ہو کر کوئی جدوجہد کریں۔ اتحاد، اتفاق کی صورت کو پیش کیا جائے تو جھٹ کہہ دیا جاتا ہے کہ ''تم فرقہ وار مسائل پیش کر رہے ہو۔ عوام کو ان مسائل سے کوئی تعلق نہیں، یہ تو صرف اونچے طبقے کے مناصب خواہ افراد نے اپنی اغراض کے لیے ایک ڈھونگ کھڑا کر رکھا ہے۔''

اب بتایئے کیا کیا جائے؟ مسٹر جناح نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ پنڈت نہرو ماسکو اور بنارس کے درمیان چکر لگا رہے ہیں، یعنی ایک طرف ہندویت ان کا دامن کھینچ رہی ہے، دوسری طرف سوشلزم کی دلفریبیاں انہیں مسحور کر رہی ہیں۔ ان کی زبان اشتراکیت کی مدح وستائش کا ساز ہے۔ ان کا دل اور ان کا عمل ہندویت کے مقاصد و اغراض کی تقویت کے لیے وقف ہے۔ ان کی تقریریں سنو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان کے ہر باشندے کو ایک لمحہ کے اندر اندر ہر احتیاج سے بے نیاز کر دینا چاہتے ہیں۔ ان کا عمل دیکھو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ہر طاقت ہندویت کے اقتدار کو ہندوستان پر مضبوط تر اور مستحکم تر بنانے کے لیے وقف ہے۔

پھر ان کی آزادی کی حالت بھی عجیب ہے۔ کبھی وہ کامل آزادی کا ہنگامہ برپا کرتے ہیں، لیکن جب ضرورت پیش آ جاتی ہے تو درجۂ مستعمرات کو تحفظات کے ساتھ قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، جیسے کہ انہوں نے دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر کہا۔ گاندھی جی اٹھتے ہیں تو آزادیٔ کامل درجہ مستعمرات اور مفاد آزادی، سب کو ایک چیز قرار دے لیتے ہیں اور نتیجہ کچھ بھی نہیں۔

صحیح صورت یہی تھی کہ قوموں کے درمیان اعتماد پیدا کیا جاتا۔ یہ فرقہ وار مسائل کے اطمینان بخش تصفیہ کے بغیر ناممکن ہے۔ ان مسائل کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ بے اعتمادی بڑھے۔ آزادی کے لیے جدوجہد کا راستہ مشکلات سے لبریز ہو جائے، اور ہندوستان کی خوش قسمتی کی توقعات مجروح ہو جائیں لیکن پنڈت نہرو اس صورت حال کو تسلیم کرنے سے منکر ہیں، اور معاملات کو بہتر بنانے کے بجائے ان کو بگاڑتے چلے جا رہے ہیں۔

پنڈت جی نے فرمایا تھا کہ وہ عام مسلمانوں کے حالات سے زیادہ آگاہ ہیں، اور ان کے دکھ درد کو وہ مسلمانوں کے رہنماؤں سے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں، لیکن اس کا ثبوت کیا ہے؟ اگر کانگریس کو یا پنڈت نہرو کو عام مسلمانوں میں زیادہ اثر ورسوخ حاصل تھا تو کیا وجہ ہے کہ وہ چند مسلمانوں کو بھی کانگریس کے ٹکٹ پر کھڑا نہ کر سکے؟ ہندو اخباروں نے لکھا ہے کہ

مسٹر جناح بھی تو مسلم لیگ کے اثر و رسوخ کے بڑے بڑے دعووں کے باوجود لیگ کے ٹکٹ پر زیادہ مسلمانوں کو کھڑا نہ کر سکے، لیکن مسٹر جناح اور لیگ کے اثر و رسوخ کا معاملہ خود مسلمان طے کر سکتے ہیں۔ اس سے یہ کس طرح ثابت ہو گیا کہ کانگریس کو یا پنڈت نہرو کو عام مسلمانوں میں اثر و رسوخ حاصل ہے؟ مسلمان لیگ کے ٹکٹ پر زیادہ کھڑے ہوئے یا نہ ہوئے لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ وہ اپنے قومی معاملات میں پنڈت نہرو کو مسٹر جناح پر ترجیح نہیں دے سکتے۔

اصل چیز ہنگامہ آرائی نہیں بلکہ کام ہے۔ اس کی کوئی صورت نکالو، اس کا کوئی بندوبست کرو۔ ہندوؤں کو پنڈت نہرو کی موجودہ ہنگامہ آرائی اس لیے پسند ہے کہ یہ ان کی اغراض کے عین مطابق ہے۔ پنڈت نہرو یا تو اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں یا دانستہ اس پر پردہ ڈال رہے ہیں۔ دونوں صورتوں میں ان کی روش افسوسناک ہے۔ آزادی کا راستہ فرقہ وار مسائل کے تصفیہ کے بغیر صاف نہیں ہو سکتا، اور مسٹر جناح نہ تو صاف طور پر کہہ چکے ہیں کہ غریبوں کو اقتصادی بہتری کی کوئی اسکیم پیش کرا دو یا امپیریلزم کے خلاف جنگ کا کوئی نقشہ سامنے لے آؤ محض باتیں بنانے سے کیا فائدہ ہے؟ اور محض لفظی ہنگامہ آرائی سے کیا بن سکتا ہے؟ ملک کی آزادی کا جذبہ کانگریس یا پنڈت نہرو کی ذاتی جاگیر نہیں، مسلمان بھی اس جذبہ سے سرتاسر معمور ہیں، اور وہ ملک کو آزاد کرانے یا اس کی حالت بہتر بنانے میں پنڈت نہرو سے ہرگز پیچھے نہیں ہیں، لیکن پنڈت جی نے یا ان کی قیادت میں کانگریس نے جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ یہ آزادی کے لیے قطعاً مفید نہیں بلکہ حد درجہ مضر ہے۔

(روزنامہ انقلاب اشاعت 28 جنوری 1937ء)

پورا ہندوستان

قائداعظم محمد علی جناح نے 10 مارچ 1941ء کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلبا سے خطاب میں فرمایا:

"برصغیر کی تقسیم کو سمجھنے کے لیے کسی بڑے فلسفے یا ماہر آئین کے دلائل کی ضرورت نہیں، ہندو اور اس کے ادارے اس تجویز کی معقولیت پر غور کیے بغیر آپے سے باہر ہو گئے ہیں، جیسے یہ کوئی ہوا ہے یا کوئی خطرناک جانور۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اس برصغیر میں صدیوں سے موجود ہے، آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گا، یہ ہم سے چھین لیا گیا تھا جو اب ہمیں واپس لینا ہے۔ ہندوؤں کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ جو کچھ ہمارا ہے ہمیں اس کے حصول سے روک سکیں۔

ہمارا مطالبہ یہی ہے کہ واضح مسلم اکثریتی صوبوں کو حدود کے تعین کے ساتھ ہم ایک خودمختار ریاست بنانا چاہتے ہیں۔ اس میں دراصل ہندوؤں ہی کا فائدہ ہے کیونکہ تقسیم کی تجویز کے تحت دو تہائی ہندوستان ہندوؤں کو ملے گا، جہاں وہ اپنی ریاستیں قائم کر سکیں گے۔ انہیں اپنے حصے پر قناعت کرنی چاہیے، اس لیے کہ پورا ہندوستان انہیں کبھی نہیں مل سکتا۔"

پورٹریٹ

◆ 23 جولائی 1944ء سے 4 اگست 1944ء تک لاہور میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے ایک کیمپ لگایا تاکہ لڑکوں کو تحریر و تقریر کے ذریعے نظریہ پاکستان کی اشاعت کی

تربیت دی جائے۔

اس تربیتی کیمپ میں قائداعظم محمد علی جناح تشریف لائے، کیمپ کے اختتام پر ایک گروپ فوٹو بھی لیا گیا جس کے بعد فوٹو گرافر نے آپ کی خدمت میں درخواست کی۔

''مجھے ایک پورٹریٹ بنانے کی اجازت دی جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ہنستے ہوئے اسے اجازت دے دی اور کہنے لگے:

''دیکھو ٹھیک ہے، مگر عوام سے میری تصویر کے زیادہ پیسے مت وصول کرنا۔''

◆ لنکنز ان میں تیزی سے داخل ہونے والے اور باہر نکلنے والے طلباء، وکلاء اور بینچرز (انز آف کورٹ کی مجلس منتظمہ کے اراکین) اس آئل پینٹنگ پر شاذ ہی نظر ڈالتے ہیں، جو جولائی 1965ء سے ان کے گریٹ ہال اور لندن کی لائبریری کے دروازہ پر آویزاں ہے۔ وہ لوگ تصویر کو دیکھ کر حیرت سے کہہ سکتے ہیں:

''پاکستان کے بانی اور پہلے گورنر جنرل ایم اے جناح کا دبلا پتلا اور غیر متبسم چہرہ ان کی طرف کیوں گھور رہا ہے؟'' (طویل قامت، نحیف و نزار جسم، چہرے پر یک چشمی عینک لگائے اور سر پر استرخانی ٹوپی پہنے اس پورٹریٹ کے نیچے لکھا ہے:

''پیدائش 25 دسمبر 1876ء اور وفات 11 ستمبر 1948ء''

جناح کی زندگی کے متعلق اس کے علاوہ اور کچھ درج نہیں۔ نامعلوم آرٹسٹ نے ان کے دیانتدارانہ اور نہ جھکنے والے جذبہ کی عکاسی کے ساتھ ساتھ لباس کے بے عیب ذوق کو اجاگر کرنے پر بھی پوری توجہ دی ہے۔ اس کے باوجود قائداعظم محمد علی جناح کا چہرہ ایک معمہ کی مانند ہے۔ یہ سادہ سپاٹ ہے۔ تصویر میں پوری طرح کھلی ہوئی آنکھیں ناظر کو بڑا متاثر کرتی ہیں۔ مضبوطی سے بند ہونٹ ناقابل تسخیر لگتے ہیں۔ اسے دیکھ کر آدمی قیاس کرسکتا ہے کہ وہ بہت کم گو تھے، لیکن انہیں آسانی سے جھٹلانا یا شکست دینا ناممکن تھا، مگر سوال یہ ہے کہ ان کے اس پورٹریٹ کو برطانوی اصول قانون کی عظیم الشان درسگاہ کی مقدس دیوار پر ایسی باعزت جگہ کیوں دی گئی ہے؟

پتھر کی ان بوسیدہ سیڑھیوں کے آر پار جو ملکہ وکٹوریہ اور ان کے اس وفد کے ارکان کے پورٹریٹ کو اٹھائے ہوئے ہیں، جو اس موقع کی یاد دلاتا ہے، جب ملکہ موصوفہ 1845ء میں گریٹ ہال اور لائبریری عوام کے لیے وقف کرنے آئی تھیں۔ ان دو انگریزوں کے پورٹریٹ ہیں، جو بظاہر اس کے مستحق ہیں۔ ان میں سے ایک سر ہنری اول کا مجسمہ ہے جو خزانے کا بیرن (نواب کا خطاب یافتہ) عذرات عامہ کی عدالت کا جج بنچر (انز آف کورٹ کی مجلس منتظمہ کا رکن) اور ان چار افسروں میں سے ایک تھا، جو ''لنکنز ان'' کا نظم ونسق چلانے کے لیے منتخب کیے گئے تھے۔ دوسرا صاحب لارڈ آرتھر باب ہاؤس 1875ء میں وائسرائے ہند کی کابینہ میں وزیر قانون رہ چکا تھا۔ اس سال وزیراعظم بنجمن ڈزرائیلی نے ملکہ وکٹوریہ کو اس بات پر آمادہ کرلیا تھا کہ وہ ''ملکہ ہند'' کا خطاب بھی اختیار کر لیں۔

دوسری طرف سنگ مرمر کے دو نیم مجسموں نے قائداعظم کے پورٹریٹ کو یوں گھیر رکھا ہے جیسے گھڑ سواری فضوں کا دستہ ان کی حفاظت پر مامور ہو۔ وہ پلک نہ جھپکنے والی آنکھ سے آگے کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اس ماحول میں وہ خوب جچتے ہیں۔ ان میں سے ایک مجسمہ لارڈ میک ناگھٹن کا ہے، جو لارڈ آف اپیل ان آرڈینیری ہونے کے علاوہ بینچر اور خزانچی بھی تھا۔ دوسرے مجسمہ نے سر فرانس ہنری گولڈ کو زندہ جاوید کر دیا ہے۔ وہ پہلا جیورسٹ بیرسٹر بینچر اور پارلیمنٹ کا ممبر تھا، تاہم یہ بات واضح ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح لنکنز ان میں کسی منصب پر

فائز نہیں رہے تھے اور نہ وہ کبھی برطانوی پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے، نہ ہی انہیں برطانیہ کی کسی عدالت کا صدر نشین جج مقرر کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے کسی وائسرائے ہند کی کابینہ میں کام بھی نہیں کیا تھا۔

پولیس انتظامیہ (قرارداد)

بابو بھوپندر ناتھ باسو کی قرارداد پولیس انتظامیہ کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح نے 28 فروری 1912ء کو اظہار خیال کیا۔

اکتوبر 1912ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے بھوپندر ناتھ کے معاملہ میں پولیس انتظامیہ کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے امپیریل کونسل میں پولیس کے مظالم کی کئی مثالیں پیش کیں۔ اس میں کہا گیا:

''پریذیڈنسی مجسٹریٹ نے ضمانتیں لینے سے انکار کر دیا تھا۔''

یہاں پر قائداعظم محمد علی جناح نے یہ تجویز پیش کی:

''معاملات کی صحیح صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیشن مقرر کی جائے۔''

پونجا جناح

قائداعظم محمد علی جناح کے والد پونجا جناح مشن سکول کراچی میں معلم تھے۔ ان کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ اس لیے انہوں نے اسے بھی جاری رکھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے والد پونجا نے 1864ء میں اپنے آبائی گاؤں پانیلی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ کر کراچی میں سکونت اختیار کر لی۔ انہوں نے 1864ء میں مٹھی بائی سے شادی کی جن کے بطن سے قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے دیگر بھائی بہنیں پیدا ہوئیں۔

پونجا جناح 1850ء میں پیدا ہوئے انہوں نے گھر پر ہی تعلیم مکمل کی۔ سن بلوغت کو پہنچے تو والد کے کاروبار میں ہاتھ بٹانے کے لیے گونڈل چلے گئے وہاں ان کا کاروبار خوب چمکا۔ اس دوران وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ ابتدا میں انہوں نے بمبئی جا کر کاروبار کرنا چاہا لیکن پھر کراچی چلے گئے اور نیونہم روڈ کھارادر کراچی میں سکونت اختیار کر لی، وہاں کے کاروباری ماحول کو سمجھنے کے بعد بوٹن مارکیٹ کے قریب والجی پونجا اینڈ کمپنی کے نام سے ایک کمپنی کی بنیاد رکھی۔ جب ان کی کمپنی نے وسیع بنیاد پر کاروبار کرنا شروع کیا تو گراہم شپنگ اینڈ ٹریڈنگ کمپنی کراچی نے ان کے کاروبار کو مزید فروغ دیا۔

25 دسمبر 1876ء کو ان کے ہاں قائداعظم محمد علی جناح پیدا ہوئے اور ان کی پیدائش کے کوئی 26 برس بعد 17 اپریل 1902ء کو پونجا جناح کا انتقال ہوا۔

پہلا انعام

(دیکھیے: نیک چلنی کا سرٹیفکیٹ)

پہلا اور آخری فساد

قائداعظم محمد علی جناح غیر مسلموں کے ساتھ بھی ہمیشہ حسن سلوک کی تلقین کرتے رہے۔ 9 جنوری 1948ء کو کراچی میں جب پہلا اور آخری ہندو مسلم فساد برپا ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح کو یہ بات بہت بری لگی اس موقع پر انہوں نے فرمایا:

''میں ایک بار پھر تمام مسلمانوں کے ذہن نشین کر دینا چاہتا ہوں کہ انہیں حکومت اور سرکاری ملازمین سے پورا تعاون کر کے اپنے ہندو ہمسائیوں کا، قانون شکن عناصر پانچویں کالم کے لوگوں یا ایسے گروہوں جو اس قسم کی گڑبڑ پھیلانے کے ذمہ دار ہوں سے تحفظ کرنا چاہیے۔ پاکستان پر صحیح طور پر قائم کی ہوئی حکومت کے ذریعہ حکمرانی ہونی چاہیے نہ کہ مفسد گروہوں یا

قائداعظمؒ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا ریڈیو (دہلی) سے آزادی کا پیغام دیتے ہوئے
قوم کو بتا رہے ہیں کہ پاکستان اگست ۱۹۴۷ء میں قائم ہو جائے گا۔

پانچویں کالم کے لوگوں یا ہجوموں کے ذریعے۔
حکومت پاکستان ایسے مجرموں کے خلاف سخت ترین کارروائی کرے گی۔"

پہلا خطاب (امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں)

قائداعظم محمد علی جناح 1909ء میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے رکن بنے اور اس حیثیت سے انہوں نے 1910ء میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل سے پہلی بار 25 فروری 1910ء کو خطاب کیا۔ اس کا موضوع جنوبی افریقہ میں ہندوستانی مزدوروں کے ساتھ بدسلوکی اور اِنڈینچر لیبر تھا۔ اس موقع پر مزدوروں کی بھرتی سے متعلق قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے کہا:

"میں اس لیے اس قرارداد پر تقریر کرنے کھڑا ہوا ہوں کہ میرے خیال میں یہ قرارداد غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ ایک تکلیف دہ معاملہ، ایک ایسا مسئلہ ہے، جس نے جنوبی افریقہ میں ہندوستانی باشندوں پر ظلم و ستم اور ان سے وحشیانہ سلوک کے خلاف ملک کے تمام طبقوں اور فرقوں میں غم و غصے کی لہر دوڑا دی ہے۔"

مجلس کے صدر لارڈ منٹو نے قائداعظم محمد علی جناح کو یاد دلایا:
"ظلم اور وحشیانہ سلوک کے الفاظ سلطنت برطانیہ کے ایک دوست اور حلیف ملک کے لیے بہت سخت ہیں۔"
لیکن قائداعظم محمد علی جناح اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور کہا:
"جناب والا! میں اس سے بھی زیادہ سخت لہجہ اختیار کرنا چاہتا ہوں لیکن مجلس کے ضوابط و قواعد سے واقف ہونے کے سبب میں حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہتا، تاہم یہ ضرور کہوں گا کہ ہندوستانی تارکین وطن پر جو ظلم و ستم روا رکھا گیا ہے اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ اس مسئلے پر ہندوستان بھر میں یکساں جذبات پائے جاتے ہیں۔"
مقامی اخبارات نے یہ خطاب شہ سرخیوں میں شائع کیا۔

پہلا خطاب (پاکستانی اسمبلی میں)

قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے اپنے اولین خطاب میں فرمایا:

"اس اسمبلی میں اپنے اولین فرض کا ذکر کرتے ہوئے میں کوئی سوچا سمجھا بیان جاری نہیں کرنا چاہتا، صرف چند ضروری باتیں کروں گا، جو میرے ذہن میں آ رہی ہیں۔ پہلی اور سب سے اہم بات جس پر زور دوں گا یہ ہے کہ یاد رکھیے۔ اب آپ کی حیثیت ایک خود مختار دستور ساز ادارہ کی ہے، اور آپ کو چھ اختیارات حاصل ہیں۔ اس لیے آپ پر 5 بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آپ اپنے فیصلے کس طرح کرتے ہیں۔ سب سے پہلی بات جو میں کہنا چاہتا ہوں اور آپ یقیناً اس سے اتفاق کریں گے۔ یہ ہے کہ امن و امان کا قیام حکومت کا اولین فرض ہے، تاکہ لوگوں کی جان، مال اور مذہبی عقیدہ کی پوری طرح حفاظت کی جا سکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سب سے بڑی لعنت جس سے ہندوستان دوچار رہا ہے۔ وہ رشوت ستانی اور بدعنوانی ہے۔ حقیقتاً یہ ایک زہر ہے۔ ہمیں سختی سے اس کا سدِ باب کرنا ہوگا۔ امید ہے کہ آپ اس سلسلے میں بہ عجلت ممکنہ مناسب تدابیر بروئے کار لائیں گے، چور بازاری ایک برائی ہے میں جانتا ہوں کہ چور بازاری کرنے والے اکثر پکڑے جاتے ہیں اور سزا پاتے ہیں۔ کبھی انہیں قید کی سزا اور گاہ محض جرمانہ کی سزا دی جاتی ہے۔ اب ہمیں اپنے معاشرہ سے اس لعنت کا مکمل خاتمہ کرنا ہوگا۔ تیسری جو چور بازاری

کرتا ہے وہ میرے خیال میں سب سے بڑے جرم کا مرتکب ہوتا ہے، یہ چور بازاری کرنے والے واقعتاً ہوشیار، ذہین اور عموماً ذمہ دار لوگ ہوتے ہیں۔ میری رائے میں انہیں بدترین سزا ملنی چاہئے، کیونکہ وہ کنٹرول کے پورے نظام کو درہم برہم کرتے ہیں، بلکہ وسیع پیمانہ پر فاقہ کشی، احتیاج یہاں تک کہ لوگوں کی ہلاکت کا سبب بنتے ہیں۔

ایک اور برائی جو میرے ذہن سے ٹکرا رہی ہے اور ہمیں ورثہ میں ملی ہے۔ وہ خویش پروری ہے۔ اس برائی کو سختی سے کچلنا ہوگا۔ میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کسی قسم کی خویش پروری، سفارش یا براہِ راست یا بالواسطہ اثر و رسوخ ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔ مجھے معلوم ہے یہاں ایسے لوگ موجود ہیں جو ہندوستان کی تقسیم، نیز پنجاب و بنگال کے بٹوارہ سے اتفاق نہیں رکھتے۔ اس کے خلاف بہت کچھ کیا جا چکا ہے لیکن اب جبکہ اسے منظور کر لیا گیا ہے، ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وفاداری کے ساتھ اس کی پابندی کرے اور معاہدہ کے مطابق باعزت طریقہ سے اس پر عمل کرے جو حتمی ہے اور ہم سب اس کے پابند ہیں، تاہم جیسا کہ میں نے کہا ہے آپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ زبردست انقلاب بے مثال ہے۔

تاہم سوال یہ ہے کہ آیا جو کچھ کیا گیا ہے، اس کے برعکس کوئی حل ممکن یا قابلِ عمل تھا؟ تقسیم لازماً ہو کر رہنی تھی۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں طرف لوگوں کے ایسے گروہ موجود ہیں جو اس سے متفق نہیں ہیں۔ جنہیں یہ حل پسند نہیں ہے، تاہم میری رائے میں اس کے سوا کوئی دوسرا حل ممکن نہیں تھا اور مجھے امید ہے کہ مستقبل کی تاریخ اپنا فیصلہ اس کے حق میں ریکارڈ کرے گی۔ علاوہ ازیں عملی تجربہ سے ثابت ہوگا جیسا کہ ہم اس تجربے سے گزر رہے ہیں کہ فقط وہی حل ممکن تھا۔ متحدہ ہندوستان کا کوئی تصور کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، اور میری دانست میں اس کا نتیجہ ہولناک تباہی کی صورت میں نکلتا، ممکن ہے وہ نکتہ درست ہو۔ ہوسکتا ہے درست نہ ہو۔ اس کا فیصلہ ہونا باقی ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ تعمیر کرنے والا یہ سوال ان کے ذہن پر ستوی ہو گیا تھا۔ انہوں نے پہلی بار خود اپنے فیصلہ پر اعلانیہ نکتہ چینی کرتے ہوئے اس پر حیرت کا اظہار کیا تھا کہ شاید درست نہ ہو۔ شاید انہیں احساس ہو گیا تھا کہ خواب کا بدترین حصہ، تقسیم کا اصل ہولناک ڈرامہ شروع ہونے والا ہے۔''

اس ''طوفان انقلاب'' کے پیچھے باد و باراں کا طوفان چھپا ہوا تھا، بایں ہمہ انہوں نے پریشان حال ملاؤں، پیروں، نوابوں، راجوں، شاہوں اور خانوں کے سامنے اظہار کا یہ غیر فطری اور یک طرفہ کلام جاری رکھا اور اپنے ہر لفظ کی تہہ تک پہنچے، نیز اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے رہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا:

''اس تقسیم میں اقلیتوں کے مسئلہ سے بچنا ممکن نہیں، خواہ وہ ایک ملک میں ہو یا دوسرے میں وہ ناگزیر تھا، اس کا دوسرا کوئی حل ممکن نہ تھا، اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ اگر ہم اس عظیم مملکت خداداد پاکستان کو شاداب اور خوشحال بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں پوری طرح اور دل جمعی سے اپنی توجہ لوگوں خصوصاً عوام الناس اور غرباء کی بھلائی پر مرکوز کر دینی چاہئے۔ اگر آپ ماضی کو بھول جائیں۔ اختلافات ختم کر دیں اور باہمی تعاون سے کام کریں تو آپ یقیناً کامیاب

ہوں گے۔ اگر آپ ماضی کو بھول جائیں، اور اس جذبہ سے مل جل کر کام کریں کہ آپ میں سے ہر ایک خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو، خواہ ماضی میں آپ کے ساتھ اس کے تعلقات کچھ ہی رہے ہوں، خواہ اس کا رنگ، نسل یا عقیدہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، اول و آخر اس ریاست کا شہری ہے، اور سارے حقوق، مراعات اور فرائض رکھتا ہے تو آپ اتنی ترقی کریں گے کہ اس کی کوئی حد نہیں ہوگی۔

میں اس پر مزید زور نہیں دے سکتا۔ ہمیں اس جذبہ سے کام شروع کر دینا چاہئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اکثریت و اقلیت کے یہ اختلافات، ہندو قوم اور مسلمان قوم کی یہ تفریق، کیونکہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ آپ کے اندر پٹھان، پنجابی، شیعہ، سنی وغیرہ موجود ہیں، اس طرح ہندوؤں میں برہمن، دشنادرس، کھشتری نیز بنگال اور مدراسی وغیرہ موجود ہیں، ختم ہو جائے گی۔ حقیقت میں اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو میں کہوں گا کہ ہندوستان کی آزادی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ مذہبی تفریق ہی تھی، ورنہ ہم بہت پہلے آزادی حاصل کر لیتے۔''

اپنے مؤقف سے کتنی شاندار پسپائی ہے۔ گویا راتوں رات وہ ایک بار پھر ''ہند مسلم اتحاد کے سفیر بن گئے'' جس پر مسز سروجنی نائیڈو جان چھڑکتی تھی، ان کا ذہن بڑی تیزی سے منطقی ربط کی طرف رجوع کر رہا تھا۔ وہ لوگوں کے ساتھ آزادانہ طور پر گھل مل رہے تھے، اور برجستہ نیز ربط وضبط سے باتیں کر رہے تھے۔ کیا واقعی وہ معاملہ ختم ہو گیا تھا؟ یا اب کچھ شروع ہونے والا تھا؟

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا:

''اب آپ آزاد ہیں۔ آپ اپنے مندروں میں جانے کے لیے آزاد ہیں۔ آپ اپنی مسجدوں میں جانے کے لیے آزاد ہیں۔ پاکستان کی اس ریاست میں آپ کو عبادت کے ہر مقام پر جانے کی کھلی چھٹی ہے۔ خواہ آپ کسی مذہب، نسل یا ملک سے تعلق رکھتے ہوں، مملکت کے کاروبار سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ ہم ایک ایسے مرحلہ سے زندگی کا نیا دور شروع کر رہے ہیں، جب آپ یا دوسری قوم، نسل یا مسلک کے مابین کوئی امتیاز یا تفریق نہیں ہے، ہم اس بنیادی اصول سے آغاز کر رہے ہیں کہ ہم سب ایک ریاست کے شہری اور مساوی المرتبہ شہری ہیں، البتہ اہل برطانیہ کو وقت کے ساتھ ساتھ صورت حال کے حقائق کا سامنا کرنا پڑا، اور وہ اپنے فرائض و ذمہ داریاں ادا کرنی پڑیں، جو حکومت کی طرف سے کی گئی تھیں۔ آج آپ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اب کیتھولک اور پروٹیسٹنٹ کا کوئی وجود باقی نہیں رہا جو چیز باقی ہے وہ یہ کہ ہر شخص برطانیہ عظمیٰ کا شہری ہے وہ سب ایک قوم کے رکن ہیں۔''

وہ کیا کہہ رہے تھے؟ ان کی ایسی باتوں کا مطلب کیا تھا؟ کیا وہ واقعی بھول گئے تھے کہ میں کہاں ہوں یا کیا حالات کی گردش نے انہیں اپنے مسلک سے اس قدر بھٹکا دیا تھا کہ اب وہ فریق مخالف کے نقطہ نظر کی حمایت کر رہے تھے؟ کیا وہ قیام پاکستان کے موقع پر ان لاکھوں خوف زدہ اور بے گناہ افراد کے سامنے جنہیں ذبح ہونا پڑا۔ اپنے گھروں، اپنے کھیتوں اور آبائی گاؤں سے بھاگ کر ہمیشہ کے لیے انہیں بھلا کر ایک اجنبی سر زمین کے مہاجر کیمپ میں پناہ لینی پڑی۔ متحدہ ہندوستان کی وکالت کر رہے تھے؟ نامزد گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''اب یہ بات ہمیں اپنے نصب العین کے طور پر

سامنے رکھنی چاہئے، اور آپ دیکھیں گے کہ وقت گزرنے پر ہندو، ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان، مسلمان نہیں رہیں گے، مذہبی معنوں میں نہیں، کیونکہ ہر فرد کا ذاتی عقیدہ ہے بلکہ سیاسی مفہوم میں، ایک ریاست کے شہریوں کی حیثیت سے، میں ہمیشہ انصاف اور سب کے ساتھ یکساں سلوک کے اصولوں سے، جیسا کہ سیاسی زبان میں کہا جاتا ہے، کسی تعصب یا عداوت، دوسرے لفظوں میں جانبداری یا خویش پروری سے بالاتر ہو کر رہنمائی حاصل کروں گا۔ میرے رہنما اصول سب کے ساتھ انصاف اور مکمل غیر جانبداری ہوگا، اور مجھے یقین ہے کہ آپ لوگوں کی مدد اور تعاون سے پاکستان دنیا کی عظیم ترین اقوام میں سے ایک بن جائے گا۔''

اس کے باوجود جونہی انہوں نے یہ پُرامید تقریر ختم کی، نواب زادہ، لیاقت علی خان نیز قائداعظم محمد علی جناح تک یہ افواہ پہنچ گئی۔

''مسلم اکثریت کا دفاعی لحاظ سے انتہائی اہم ضلع گورداسپور، جس میں سے کشمیر کو ملانے والی واحد سڑک گزرتی ہے، ریڈکلف ایوارڈ کی رو سے مشرقی پنجاب کو دیا جا رہا ہے۔''

اس پر نواب زادہ لیاقت علی خان نے اس کو خبردار کیا:

''مسلمان ایسے ''سیاسی فیصلہ'' کو قول و قرار کی سنگین خلاف ورزی پر محمول کریں گے، جس سے مستقبل میں پاکستان اور برطانیہ کے دوستانہ تعلقات خطرہ میں پڑ سکتے ہیں۔''

پہلا خطاب (پاکستانی قوم سے)

15 اگست 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے یوم آزادی کے سلسلے میں ریڈیو پاکستان سے پہلی بار خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اہالیانِ پاکستان!

میں انتہائی مسرت اور قلبی احساس کے ساتھ آج آپ کی خدمت میں تہنیت پیش کرتا ہوں۔ یہ دن ہماری آزاد و خودمختار مملکت ''پاکستان'' کے وجود میں آنے کا دن ہے۔ یہ دن مسلم قوم کی تقدیر کی بارآوری کا دن ہے۔ جس نے اپنا وطن حاصل کرنے کے لیے گزشتہ کئی برسوں میں بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔

اس انتہائی اہم ساعت میں میرا دل ہماری جنگ آزادی کے ان تمام دلیر مجاہدوں کی یاد سے پر ہے۔ جنہوں نے پاکستان کو ایک زندہ حقیقت بنانے کے لیے اپنا سب کچھ یہاں تک کہ اپنی جانیں تک قربان کر دی ہیں۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان ہمیشہ ان کا ممنون رہے گا، اور اپنے ساتھیوں کو جو ہم میں نہیں رہے ہمیشہ دل میں یاد رکھے گا۔ اس نئی مملکت کے قائم ہو جانے سے پاکستان کے شہریوں پر زبردست ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ انہیں اب یہ موقع حاصل ہوا ہے کہ دنیا میں ثابت قدم ہو کے یہ دکھا دیں کہ کس طرح ایک ایسی قوم جو مختلف عناصر پر مشتمل ہے آپس میں مل جل کر صلح و آشتی کے ساتھ رہتی ہے، اور دین اور ذات کا امتیاز کیے بغیر اپنے تمام شہریوں کے لیے یکساں فلاح و بہبود کا کام کرتی ہے۔

ہمارا مطمع نظر امن ہونا چاہیے۔ اندرون ملک بھی اور بیرون ملک بھی، ہم صلح و امن کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، اور اپنے قریبی پڑوسیوں کے ساتھ اور ساری دنیا کے ساتھ خوشگوار اور دوستانہ تعلقات قائم رکھنا چاہتے

ہیں۔ ہم کسی کے خلاف بھی جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔ ہم اقوام متحدہ کے منشور کے پابند ہیں، اور عالمی امن اور خوشحالی کے فروغ کے لیے خوش دلی کے ساتھ اپنی بساط بھر کوشاں رہیں گے۔

آیئے آج کے دن ہم اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کا شکر بجا لائیں اور دعا کریں کہ وہ ان کے اہل ثابت ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آج کا دن ہماری قومی تاریخ کی تلخیوں سے بھرپور دور کا اختتام کا یادگار دن ہے، اور آج ہی اس دن ہمارے نئے، شاندار اور پروقار عہد کا آغاز ہوتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے قول وفعل، طرز فکر سے اقلیتوں پر یہ ثابت کردیں کہ اگر وہ ان فرائض کو پورا کرتے رہے جو ان پر پاکستان کے وفادار شہریوں کی حیثیت سے عائد ہیں تو انہیں کبھی کسی قسم کا خوف وخطر نہیں ہونا چاہیے۔

ہم اپنی سرحدوں کے حریت پسند قبائل اور سرحدوں سے پرے کی مملکت کے باشندوں کی خدمت میں تہنیت پیش کرتے ہیں، اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ پاکستان ان کا ہمیشہ احترام کرے گا، اور قیام امن کے سلسلے میں ان کے ساتھ ہمیشہ دوستانہ تعاون کرتا رہے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم خود بھی باعزت طور پر زندگی بسر کریں اور دوسرے بھی۔ اس سے زیادہ ہماری کوئی تمنا نہیں ہے۔

آج جمعة الوداع ہے۔ رمضان کے مبارک مہینے کا آخری جمعہ۔ آج کے دن ہم سب کے لیے جہاں جہاں بھی ہوں اس وسیع براعظم میں ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے شادمانی کا دن ہے۔ ہمیں چاہیے کہ آج تمام مساجد میں اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہو کر اس کی ابدی رحمتوں اور بخششوں کا شکر بجا لائیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں پاکستان کو ایک عظیم مملکت بنانے کے لیے اور ہم کو اس کا شہری بنانے کے لیے اپنی ہدایت اور نصرت سے سرفراز فرمائے۔

میرے عزیز ہم وطنو! میں آخر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان کی سرزمین بے کراں وسائل سے مالامال ہے لیکن اسے ایک ایسا ملک بنانے کے لیے جو مسلم قوم کے شایان شان ہو۔ ہمیں اپنی تمام قوتوں کی آخری رمق تک بروئے کار لانی ہوگی اور مجھے بھروسہ ہے کہ آپ سب اس کے لیے دل وجان سے تیار ہوں گے۔"

پہلا خطاب (عوامی)

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنا پہلا خطاب آل انڈیا نیشنل کانگریس کے اجلاس منعقدہ دسمبر 1906ء میں کیا۔

کانگریس کے اس اجلاس کی صدارت دادا بھائی نوروجی نے کی اس اجلاس میں کم وبیش بیس ہزار افراد موجود تھے، اور یہ پہلا کانگریسی اجتماع تھا جس میں اتنی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ مسز سروجنی نائیڈو نے قائداعظم محمد علی جناح کے اس اجلاس میں خطاب کو پہلی عوامی تقریر قرار دیا ہے۔ اجلاس میں وقف علی الاولاد کی تاریخ پر اس کے قانونی نکات پر اور اس کے فنی نکات پر اور اس کے فنی پہلوؤں پر سیر حاصل تبصرہ ہوا۔ کانگریس کے اس اجلاس میں ایک قرارداد قومی تعلیم کے سلسلے میں بھی پیش کی گئی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے تعلیمی قرارداد میں احتجاجی ترامیم بھی پیش کیں۔ انہوں نے کہا:

"قرارداد میں عبارت یہ درج کی گئی ہے کہ تعلیمی لحاظ سے پسماندہ طبقات کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمان تعلیم میں پیچھے ہیں لیکن یہ کہنا درست

نہیں ہے کہ وہ پسماندہ طبقہ ہیں۔ ان کے معاملے میں بھی طرزِ عمل وہی ہونا چاہیے جو دوسرے طبقات کے معاملے میں ہوتا ہے۔ یہ تمام طبقات (ہندو اور مسلمان ہیں) ایک دوسرے کے مساوی ہیں، لہٰذا مذکورہ بالا جملہ اس قرارداد سے خارج کیا جائے۔"

لیکن یہ جملہ خارج نہ کیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس اجلاس میں حکومت خوداختیاری پر بھی تقریر کی۔

پہلا دن (بطور گورنر جنرل پاکستان)

پاکستان کا قیام 14 اگست 1947ء کو عمل میں آیا تو 15 اگست کو قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ یہ حلف لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر عبدالرشید نے ان سے لیا۔ حلف کے الفاظ یہ تھے:

"میں محمد علی جناح قانون کے مطابق قائم ہونے والے پاکستان دستور، حکومت سے سچی عقیدت اور وفاداری کا عہد مصمم کرتا ہوں، اور میں عہد کرتا ہوں کہ میں پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے شہنشاہ معظم جارج ششم اور ان کے ولی عہدوں اور جانشینوں کا وفادار ہوں گا۔"

اس روز قائداعظم محمد علی جناح سفید شیروانی اور کالے بالوں والی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ حلف برداری کی رسم کے بعد گورنمنٹ ہاؤس پر پاکستان کے گورنر جنرل کا اور اس کے باغ میں پاکستان کا پرچم لہرایا گیا۔ گورنر جنرل کا حلف اٹھانے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے وزیراعظم اور مرکزی وزراء سے حلف لیا۔

حلف برداری کی تقریب میں گورنمنٹ ہاؤس کی چھت پر سات سو کے قریب آدمی جمع تھے، جن میں غیر ملکی نمائندوں کے علاوہ پاکستان کی فوج اور دفاتر کے بہت سے اعلیٰ افسر بھی موجود تھے۔ چھت کے نیچے پاکستان کی بحری فوج اور بلوچ رجمنٹ کا ایک دستہ سلامی دینے کے لیے پہلے سے مستعد کھڑا تھا۔ حاضرین میں سر گریفتھیا سمتھ برطانوی ہائی کمشنر۔ ڈاکٹر سری پرکاش، ہندوستانی ہائی کمشنر، چینی سفیر مقیم کلکتہ ڈاکٹر لتائی، افواج پاکستان کے کمانڈر انچیف سر میسروی شامل تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی بلند نشست کے پہلو میں جو نشستیں تھیں۔ پہلے دن ان پر قائداعظم محمد علی جناح اور شیخ غلام حسین ہدایت اللہ بیٹھے تھے۔ جب قائداعظم محمد علی جناح اپنی سفید اور سنہری وردی پہنے ہوئے باڈی گارڈ کے ساتھ بنگلہ سے چھت پر آئے تو تمام حاضرین میں غلام محمد، سردار عبدالرب نشتر، غضنفر علی خان اور جوگندر ناتھ منڈل بھی موجود تھے، کھڑے ہوئے جو خوبصورت قالین پر بیٹھے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے شہ نشین پر بیٹھ جانے کے بعد پیر الٰہی بخش وزیر تعلیم نے قرآن پاک کی چند آیات تلاوت کیں، اور اس کے بعد سر عبدالرشید نے جو چیف جسٹس کا سرخ لباس پہنے ہوئے تھے جانشین ہونے پر حلف لیا، اور اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے سبزہ زار میں آ کر سلامی لی، اور اس کے بعد 21 توپوں کی سلامی دی اور پاکستان کا جھنڈا بلند کیا گیا۔

حلف لینے کی رسم تین منٹ تک خاموشی سے جاری رہی۔ اس کے بعد 9 بجے فوٹوگرافروں نے اس خاموشی کو توڑا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے حلف لینے کے بعد ہزاروں افراد نے قائداعظم زندہ باد پاکستان زندہ باد کے نعرے بلند کیے۔

جب قائداعظم محمد علی جناح گارڈ آف آنر سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اکثر مسلمانوں سے مصافحہ کیا اور مجمع کو ہاتھ ہلا ہلا کر سلام کیا۔ اس کے بعد وہ محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ گورنمنٹ ہاؤس گئے۔ گورنمنٹ ہاؤس میں گورنر جنرل کا جو پرچم لگایا گیا اس کا رنگ نیلا تھا۔ اس پر ایک شیر بنا ہوا تھا جس کے سر پر شاہی تاج دکھایا گیا اور شیر کے نیچے پاکستان لکھا

ہوا تھا۔

پہلا دورۂ بنگال

قائداعظم محمد علی جناح نے قیامِ پاکستان کے بعد بنگال کا پہلا دورہ کیا، اس دورے کے دوران چٹاگانگ میں ایک استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے 26 مارچ 1948ء میں فرمایا:

''پاکستان کی کہانی اور اس کے حاصل کرنے کی جدوجہد بلند انسانی مقاصد کی کہانی ہے، جو مخالفتوں اور مشکلات کے باوجود زندہ رہنے پر اڑے رہے، انسانی اخوت، مساوات اور بھائی چارہ، یہی وہ چیزیں ہیں جو ہماری تہذیب، تمدن اور مذہب کی بنیاد ہیں، اور پاکستان کے لیے جدوجہد ہم نے اس غرض سے کی تھی کہ ہمیں یہ خطرہ تھا کہ شاید یہ انسانی حقوق اس برصغیر میں حاصل نہ ہو سکیں۔

ہم نے اس بلند مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش اس لیے کی کہ صدیوں سے یہاں غیر ملکی حکمرانوں کے ساتھ ساتھ ایک ایسے سماج کا قبضہ تھا۔ جس کی بنیاد ذات پات اور چھوت چھات پر ہے۔ یہ قبضہ دو سو برس سے زیادہ مدت سے چلا آ رہا تھا، یہاں تک کہ ہم نے محسوس کیا کہ اس کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان انفرادی طور پر انسانوں کی حیثیت سے اور اجتماعی طور پر ایک قوم کی حیثیت سے مٹ جائیں گے۔ ہم نے پاکستان کا مطالبہ کیا، اس کے لیے جدوجہد کی اور اسے حاصل کیا تا کہ ہم جسمانی اور روحانی طور پر آزاد رہیں، اور اپنے کاموں کو اپنی روایات اور قومی نظریات کے مطابق چلا سکیں۔''

پہلا سفرِ بمبئی

اوائل 1887ء میں جناح پونجا کی اکلوتی بہن ''من بائی'' جن کے شوہر پیر بھائی بمبئی میں کامیاب تاجر تھے، اپنے بھائی سے ملنے کراچی آئیں۔ چھوٹے جناح کو اپنی پھوپھی کی ظرافت، زندہ دلی و خوش مزاجی بہت پسند آئی، اور وہ جلد ہی ان سے مانوس ہو گئے۔ دوسری طرف انہیں بھی اپنے ہوشیار اور خوب صورت اور ہونہار بھتیجے سے محبت ہو گئی۔

محترمہ فاطمہ جناح کا کہنا ہے:

''وہ ہمیں ہر رات جنوں بھوتوں کے اڑنے والے قالینوں اور پریوں کی عجیب و غریب کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔''

وہ ننھے جناح کو بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ بمبئی لے گئیں، اور انہیں اس عظیم شہر سے روشناس کرایا۔ بعد ازاں ان کی نوجوانی کا زیادہ عرصہ ہندوستان کے اس خوب صورت شہر میں بسر ہوا۔

پہلا سنگ میل

جب پاکستان رسمی طور پر نقشۂ عالم پر نمودار ہو گیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے 11 اگست 1947ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں ایک یادگار تقریر کی جس میں نئی مملکت کے بنیادی اصولوں کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

''اس کے باوجود اس تقسیم میں ان اقلیتوں کے مسئلہ سے دامن بچانا ناممکن ہے، جو ایک ڈومینین یا دوسری میں رہ جائیں گے، یہ بات بالکل ناگزیر ہے تھی اس کے سوا کوئی دوسرا حل نہیں۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اگر ہم پاکستان کی اس عظیم مملکت کو خرم و خوشحال بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم باشندوں کی خصوصاً عوام اور

غرباء کی فلاح و بہبود پر اپنی تمام تر کوشش مرتکز کردیں۔ اگر تم باہم تعاون سے کام کرو گے۔ ماضی کو بھول جاؤ گے اور مخالفتوں کو ترک کردو گے تو تم لازماً کامیاب ہوجاؤ گے، اگر تم اپنے ماضی کو بدل دو گے اور اس سپرٹ سے متحد ہو کر کام کرو گے تو تم میں سے ہر ایک خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو، خواہ ماضی میں اس کے تعلقات تمہارے ساتھ کیسے ہی رہے ہوں، خواہ اس کا رنگ اس کی ذات اور اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو، اول، دوم اور آخر اس مملکت کا شہری ہے۔ جس کے حقوق و فرائض مساوی ہیں تو ہمارے عروج و ترقی کی کوئی انتہا نہیں ہے گی۔

میں اس معاملہ پر انتہائی زور دیتا ہوں ہمیں اس سپرٹ میں کام شروع کردینا چاہیے۔ کچھ مدت میں اکثریت اور اقلیت اور ہندو قوم اور مسلم قوم کی یہ تمام بدنمائیاں غائب ہوجائیں گی، کیونکہ آخر مسلمان ہونے کی حیثیت میں بھی تمہارے ہاں پٹھان، پنجابی، شیعہ، سنی وغیرہ موجود ہیں اور ہندوؤں میں بھی برہمن، ویشنو، کھشتری، بنگالی اور مدراسی ہیں۔''

پہلا قدم (سرزمین پاکستان پر)

(دیکھئے: آمد کراچی)

پہلا گارڈ آف آنر (فضائی فوج)

قیامِ پاکستان کے بعد دسمبر 1947ء میں کراچی کے پولو گراؤنڈ میں سکواڈرن لیڈر عمر کی زیر قیادت ایک سو منتخب زیرتربیت افراد کے دستے نے مشترکہ افواج کی سالگرہ کی تقریبات کے سلسلے میں ہونے والی پریڈ میں حصہ لیا۔ جس کی سلامی قائداعظم محمد علی جناح نے لی۔ سلامی کے چبوترے پر قائداعظم محمد علی جناح کے پیچھے بحری فوج کے ایڈمرل جیفرڈ بری فوج کے میجر جنرل محمد اکبر خان اور فضائیہ کے گروپ کیپٹن ایلوردی موجود تھے۔

پہلا میدان جنگ

(دیکھئے: دہلی وار کانفرنس)

پہلا یوم پاکستان

قائداعظم محمد علی جناح کی اپیل پر پہلا یوم پاکستان 19 اپریل 1940ء کو منایا گیا۔

پہلی اجتماعی مہم

(دیکھئے: جناح میموریل)

پہلی اردو تقریر

قائداعظم محمد علی جناح اردو کے بجائے انگریزی میں اپنا مافی الضمیر زیادہ بہتر اور واضح بیان کر سکتے تھے، تاہم انہوں نے اردو میں بھی تقاریر کیں، مگر ان کی بیشتر تقریریں انگریزی میں تھیں۔

قائداعظم محمد علی جناح جب اینگلو عربی کالج دہلی کے طلبا کی درخواست پر کالج تشریف لائے تو طلبا نے اس وقت کے حالات حاضرہ پر روشنی ڈالنے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح سے درخواست کی۔ اس موقع پر بابائے اردو مولوی عبدالحق بھی وہاں موجود تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ان سے فرمایا:

''آپ کو پتہ ہے کہ میں نے پہلی اردو تقریر کہاں کی؟''

جب مولوی عبدالحق نے لاعلمی کا اظہار کیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''کئی سال ہوئے بنگال میں ایک جگہ گیا مجھے اس جگہ کا نام یاد نہیں رہا۔ غالباً انتخابات کا جلسہ تھا دیکھا کئی ہزار آدمی جمع ہیں۔ سر عزیز الحق اس وقت میرے ساتھ تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اس بھرے مجمع میں کتنے لوگ انگریزی سمجھتے ہوں گے۔''

انہوں نے کہا:

''کم وبیش پانچ سو۔''

اس کے بعد سر عزیز الحق نے کہا:

''آپ انگریزی میں تقریر فرمایئے، میں اس کا ترجمہ بنگالی میں سنا دوں گا۔''

''لیکن میں نے ان کا مشورہ نہ مانا اور اردو میں تقریر کی، یہ میری پہلی اردو تقریر تھی۔''

اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح ہنس کر فرمانے لگے:

My Urdu is Tanga Wala,s Urdu.

پہلی برسی (پیغام)

11 ستمبر 1949ء کو قائداعظم محمد علی جناح کو اپنی قوم سے بچھڑے ایک سال ہو چکا تھا۔ آج ان کی پہلی برسی تھی اور اس موقع پر وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان نے قوم کے نام پیغام میں کہا:

''ہر انسان کو خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا ایک دن مرنا ہے لیکن بڑے لوگ مرنے کے بعد زندہ وجاوید ہو جاتے ہیں۔ قائداعظم بھی ایسے بڑے انسانوں میں سے ایک تھے جو ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ وہ ہمارے درمیان موجود ہیں کیونکہ ان کی محنت کا پھل ہمارے سامنے ہے، اور ان کا پیغام ہماری رہبری کرنے کے لیے موجود ہے۔ قائداعظم کے ساتھ اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار ہم صرف اسی طریقے سے کر سکتے ہیں کہ ان کے پیغام کو ہمیشہ سامنے رکھیں، اور پاکستان کو ایسی مضبوط خوشحال اور پرامن اسلامی مملکت بنائیں جیسی وہ دیکھنا چاہتے تھے۔ مجھے قوی امید ہے کہ انشاء اللہ ہم اپنے محبوب لیڈر کے اس ورثہ کے اہل ثابت ہوں گے، جو انہوں نے ہمارے لیے چھوڑا ہے۔ مستقبل ان لوگوں کا ہوتا ہے جو دور رس نگاہیں رکھتے ہیں، اور ہر قسم کی مشکلات اور مصائب کے مقابلہ میں عزم و استقلال سے اپنے فرائض کی انجام دہی کرتے ہیں۔''

پہلی تقریر

(دیکھئے: کانگریس میں شمولیت)

پہلی سالگرہ (قیامِ پاکستان)

14 اگست 1948ء کو قیام پاکستان کی پہلی سالگرہ منائی گئی ان دنوں قائداعظم محمد علی جناح کوئٹہ میں بستر علالت پر تھے۔ چنانچہ علالت کے باعث سالگرہ کی تقریب میں شرکت سے معذوری کا اظہار کیا، اور اس موقع پر قوم کے نام پیغام دیا۔ اس پیغام کی اپنی ایک تاریخی حیثیت تھی کیونکہ قوم کے نام یہ قائداعظم محمد علی جناح کا آخری پیغام تھا۔ یہاں ان کے تاریخی پیغام کے مکمل متن کی بجائے اہم نکات دیے جا رہے ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''یاد رکھیے پاکستان کا قیام ایک ایسی حقیقت ہے جس کی دنیا کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی، مجھے اپنے عوام پر پورا اعتماد ہے۔ ہمارے دشمن ببانگ دہل یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ پاکستان کا دیوالیہ ہو جائے گا اور پاکستان کی اقتصادی بدحالی سے ان کے دل کی کلی کھل اٹھے گی لیکن دشمنوں کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ ہمارا پہلا بجٹ بچت کا بجٹ تھا۔ تجارت میں خوشگوار

توازن موجود ہے اور اقتصادی شعبہ میں حالات بہتر ہوتے جارہے ہیں۔''

پہلی سرکاری مصروفیت

قائداعظم محمد علی جناح کی پہلی سرکاری مصروفیت کراچی میں دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں شرکت تھی، یہ اجلاس 10 اگست 1947ء کو منعقد ہوا۔ یہ دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس بالآخر آخری اجلاس ثابت ہوا۔

پہلی شادی

قائداعظم محمد علی جناح کی پہلی شادی 1892ء میں لندن جانے سے قبل ایمی بائی سے ہوئی جن کی عمر اس وقت 14 سال اور قائداعظم محمد علی جناح کی عمر 16 سال تھی، اور وہ قائداعظم محمد علی جناح کے آبائی گاؤں پانیلی کی رہنے والی تھیں، ایمی بائی کے والد گوکل پراکھیم جی بمبئی کے امیر اور مشہور تاجر تھے۔ ایمی بائی آپ کی دور کی رشتہ دار لگتی تھیں۔ آپ کی والدہ نے آپ کی شادی لندن جانے سے قبل اس لیے کردی کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ وہ کسی انگریز لڑکی سے شادی نہ کرلیں۔

شادی کے بعد آپ لندن چلے گئے، ابھی تعلیم کے سلسلے میں وہیں قیام پذیر تھے کہ ایمی بائی طاعون کی بیماری میں مبتلا ہوکر انتقال کرگئیں۔ لندن میں جن دنوں قائداعظم محمد علی جناح تعلیم حاصل کرنے کے لیے قیام پذیر تھے مسٹر ڈریک نے بھی اپنی بیٹی سے شادی کروانے کی کوشش کی مگر وہ کوشش ناکام ہوگئی۔

پہلی شملہ کانفرنس

یہ 1945ء کا زمانہ تھا۔ وائسرائے ہند لارڈ ویول ان دنوں برطانیہ میں اہم برطانوی عہدیداروں سے ملاقات میں مصروف تھے۔ وہ ہندوستان کا کوئی مستقل تصفیہ یا حل چاہتے تھے۔ اس سے پہلے کہ برطانوی کابینہ ہندوستان کے متعلق کوئی فیصلہ کرتی یورپ میں جنگ ختم ہوگئی، اور چرچل کی حکومت نے استعفیٰ دے دیا۔

لارڈ ویول نے اپنے روزنامچہ میں نوٹ کیا:

''وہ جان جوکھم سفر کے لیے عجیب طرح کے ناخدا ہیں۔''

بہرحال لارڈ ویول کو اجازت مل گئی کہ وہ ہندوستانی لیڈروں کی کانفرنس بلائے، جو نئی انتظامی کونسل کی تشکیل میں مدد دے سکے۔ وہ کونسل بڑی بڑی قوموں کی نمائندہ ہو، اور اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی نمائندگی برابر برابر ہونی چاہئے۔

لارڈ ویول 7 جون 1945ء کو واپس دہلی آیا، اور اس نے اپنی کابینہ کو متوقع تبدیلیوں سے مطلع کیا۔ کونسل کے قریباً سارے ہندوستانی ممبروں نے زور دیا:

''آپ فوری طور پر ہندوستان کو مکمل درجہ نوآبادیات دینے کا اعلان کریں۔''

ایسا کرنا ان کے اختیار میں نہیں تھا۔

14 جون 1945ء کو اپنی نشری تقریر میں وائسرائے ہند لارڈ ویول نے اعلان کیا:

''یہ آئینی سمجھوتہ حاصل یا مسلط کرنے کی کوشش نہیں ہے۔ ہز میجسٹی کی حکومت کو توقع تھی کہ ہندوستانی پارٹیوں کے قائدین فرقہ وارانہ مسئلہ پر آپس میں کوئی سمجھوتہ کرلیں گے جو کہ ہمارے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے، لیکن وہ امید پوری نہیں ہوئی۔''

کانگریس ورکنگ کمیٹی کے جملہ ممبران کو جیل سے رہا کردیا گیا۔ مجوزہ کانفرنس سے متعلق ایک اخباری بیان میں گاندھی نے ''کاسٹ ہندو'' (Caste Hindu) کی اصطلاح کو ''جارحانہ'' غلط اور ہندوازم کے جدید رجحان کے خلاف قرار دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کا ابتدائی ردِعمل ''ڈان'' کے اس تبصرہ میں سامنے آیا:

جناح آرمی افسران کے ہمراہ

''لیگ کسی ایسی انتظامی کونسل میں شامل نہیں ہوسکتی،
جس میں غیر لیگی مسلمانوں کو شامل کیا گیا ہو۔''

وائسرائے ہند لارڈ ویول نے قائداعظم محمد علی جناح کے لیے سیسل ہوٹل میں ایک کمرہ مخصوص کرایا، اور انہیں 24 جون کی شام وائسریگل لاج میں نجی ملاقات کی دعوت دی، جبکہ کانفرنس 25 جون کی صبح کو شروع ہونے والی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے دعوت قبول کر لی، تاہم تجویز کیا:

''کانفرنس دو ہفتے کے لیے ملتوی کر دی جائے تا کہ نجی ملاقات میں وائسرائے کی طرف سے انہیں جن ''وضاحتوں'' کے ملنے کی توقع ہے۔ ان پر اپنی ورکنگ کمیٹی سے مشورہ کرسکیں۔''

لارڈ ویول نے ایسے مذاکرات کرنے سے انکار کر دیا، اور شیڈول کے مطابق کانفرنس کے انعقاد پر اصرار کیا۔

وسط جون میں لارڈ ویول نے اپنے روزنامچہ میں نوٹ کیا:

''گاندھی اور جناح اوپیرا کی انتہائی متلون مزاج بہترین گلوکاروں کے سے طرز کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور آخر الذکر اپنے تاروں کو مجھے موصول ہونے سے پہلے ہی پریس میں شائع کرا رہے ہیں۔ گاندھی کم از کم اتنی مروت سے کام لیتے ہیں کہ ایسے تاروں کو اجازت لے کر شائع کراتے ہیں۔''

اب وائسرائے نے تسلیم کرنا شروع کر دیا کہ سمجھوتہ کے بارے میں اس کی سادہ سی توقعات اتنی حقیقت پسندانہ نہیں ہیں، جتنا کہ اس نے برطانوی کابینہ کو یقین دہانی کرائی تھی۔ 24 جون 1945ء کو لارڈ ویول نے لنچ سے پہلے صدر کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد سے اور لنچ کے بعد گاندھی سے ملاقات کی۔ گاندھی کے ساتھ لارڈ ویول کی بات چیت کا یہ پہلا موقع تھا۔ گاندھی کسی قدر کھوئے ہوئے (پراگندی دماغ) لگ رہے تھے۔ انہوں نے گفتگو میں گول مول باتوں سے کام لیا، تاہم مجموعی طور پر تجاویز پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ جونہی گاندھی وائسریگل لاج سے نکلے۔ قائداعظم محمد علی جناح وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے وائسرائے کے ساتھ ڈیڑھ گھنٹہ گزارا۔ لارڈ ویول نے انہیں گاندھی سے زیادہ کھرا اور راست باز پایا۔

لارڈ ویول نے شملہ کانفرنس کا باضابطہ افتتاح 25 جون 1945ء کو ساڑھے گیارہ بجے قبل از دوپہر کیا۔ ہندوستان کے سرکردہ 22 سیاسی رہنما وائسریگل لاج کے ہال روم میں جمع ہوئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے کانگریس کی نمائندگی کرتے ہوئے اس کے غیر فرقہ وارانہ کردار پر اظہار خیال کیا۔ اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی طرف سے تقریر کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام کے نکات کو زیر بحث تجویز سے غیر متعلق قرار دیا، اور وائسرائے سے درخواست کی:

''آپ خود صرف ان تجاویز کے بارے میں خطاب کریں۔''

لارڈ ویول نے ایمری کو مطلع کیا:

''کانگریس کی نوعیت کے متعلق میں نے واضح کیا کہ تجاویز میں ایسی کوئی بات نہیں، جس کی بنا پر اسے فرقہ وار تنظیم قرار دیا جاسکے۔''

یہاں قائداعظم محمد علی جناح سے نہ رہا گیا، اور وہ درمیان میں بول اٹھے:

''کانگریس صرف ہندوؤں کی نمائندگی کرتی ہے۔''

اس ریمارکس پر ڈاکٹر خان صاحب نے شدید اعتراض کیا۔

لارڈ ویول کہتے ہیں:

''میں نے کہا کہ کانگریس اپنے ممبران کی نمائندگی کرتی ہے۔ کانگریس اور جناح دونوں نے ہر بات سے اتفاق کیا۔ جناح نے پہلا سیشن ختم ہونے سے پہلے ایک بار بولنے کی اجازت چاہی اور اس بات پر اصرار کیا کہ لیگ کسی ایسے دستور کو منظور نہیں کرے

گی، جو پاکستان کے بنیادی اصول پر مبنی نہ ہو۔"

انہوں نے مزید کہا:

"لیگ تعاون کے لیے پاکستان کو قبول کرنے کی پیشگی شرط عائد کرسکتی تھی، تاہم وہ وائسرائے کے خلوص پر اعتماد اور اس یقین کی بدولت کانفرنس میں شریک ہونے پر آمادہ ہے کہ برطانوی حکومت اور عوام ہندوستان کے ساتھ واقعی منصفانہ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔"

لارڈ ویول نے اس رات بڑی راحت محسوس کی اور سمجھا کہ کانفرنس کا آغاز بہت اچھا ہے۔

29 جون کو کانفرنس پھر شروع ہوئی۔ وائسرائے لارڈ ویول نے تمام پارٹی لیڈروں سے کہا:

"نئی کونسل کے لیے امیدواروں کے ناموں کی فہرست پیش کریں۔"

مولانا ابوالکلام آزاد فوراً رضامند ہوگئے، جبکہ قائداعظم محمد علی جناح نے اس بنا پر انکار کردیا:

"میں ورکنگ کمیٹی سے مشورہ کیے بغیر کوئی فہرست پیش نہیں کرسکتا۔"

اس طرح کانفرنس 14 جولائی تک ملتوی کردی گئی۔

لارڈ ویول نے 8 جولائی کی شام کو ڈیڑھ گھنٹہ تک قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ بحث کی، جس میں لارڈ ویول کے بقول:

"ہمیں وہاں لا کھڑا کیا، جہاں سے ابتدا ہوئی تھی۔"

وائسرائے نے ایمری کو رپورٹ دی:

"ملاقات کے اختتام پر جناح نے ویول کو مسلم لیگ کے امیدواروں کی فہرست دینے سے انکار کردیا اور کہا کہ وائسرائے اس سلسلے میں انہیں ایک خط بھیجیں، جس میں واضح طور پر بتایا جائے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔"

چنانچہ اگلے دن مراسلہ موصول ہوگیا، اور 9 جولائی کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے اس پر غور کیا۔ خط میں کہا گیا تھا:

"مجھے آپ کی مشکلات کا مکمل احساس ہے، تاہم افسوس سے کہنا پڑتا ہے میں آپ کو یہ ضمانت نہیں دے سکتا کہ مجوزہ کونسل کے جملہ مسلم ممبران لازماً مسلم لیگ سے ہوں گے۔ میں ایک ایسی کونسل کی تشکیل کے لیے کوشاں ہوں، جو سب کی نمائندہ، باصلاحیت اور عام طور پر قابل قبول ہو۔ اگر آپ مجھے نام دے دیں تو اس سے بڑی مدد ملے گی۔ میں نے آٹھ نام مانگے ہیں، تاہم ان میں سے پانچ یقیناً قبول کرلیے جائیں گے۔"

ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ختم ہونے پر قائداعظم محمد علی جناح نے اس روز جواب میں لکھا:

"کمیٹی نے معاملے کا بڑی احتیاط سے جائزہ لینے کے بعد مجھے یہ کہنے کا اختیار دیا ہے کہ میں نے بڑے افسوس کے ساتھ دیکھا ہے کہ آپ یہ ضمانت نہیں دے سکتے کہ مجوزہ انتظامی کونسل کے مسلم ممبران کا انتخاب مسلم لیگ میں سے کیا جائے گا۔ کمیٹی اسے اپنے بنیادی اصولوں میں سے ایک سمجھتی ہے۔ اندریں حالات مجھے افسوس ہے میں اس پوزیشن میں نہیں کہ آپ کو نام بھیج سکوں۔ ہمارے لیے اپنے بنیادی اصولوں سے انحراف کرنا ممکن نہیں۔"

وائسرائے لارڈ ویول بھی اپنی بات پر ڈٹا رہا کہ وہ اس اصول کو نہیں مانتا، اور اس رات ایمری کو بذریعہ تار مجوزہ کونسل کے لیے اپنی طرف سے تجویز کردہ ناموں سے آگاہ کردیا۔ ان میں سے چار (لیاقت علی خان، خلیق الزمان، خواجہ ناظم الدین اور اسحاق سیٹھ) کا تعلق مسلم لیگ سے تھا، اور پانچویں (سر محمد نواز خان) ایک پنجابی جاگیردار تھے۔ ہندوؤں میں سے نہرو، پٹیل، راجندر پرشاد، ڈاکٹر ایم ایس اینے اور سر بی این راؤ کے نام تجویز کیے گئے۔ ماسٹر تارا سنگھ کو سکھوں کی اور ڈاکٹر امبید کر

نیز منی سوامی پلائی کو اچھوتوں کی نمائندگی کرنا تھی۔ مدراس یونیورسٹی کے ڈاکٹر جان متھائی (جو بعد میں نہرو کے پرائیویٹ سیکرٹری رہے) انہیں انڈین کرسچین کی نمائندگی کے لیے چنا گیا۔ یوں وائسرائے اور کمانڈر انچیف کو ملا کر کونسل کی مجموعی تعداد سولہ تک پہنچتی تھی۔

برطانوی کابینہ نے حد سے زیادہ احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس بات پر اصرار کیا:

''ویول پہلے مسٹر جناح سے ملاقات کرے اور انہیں ان ناموں سے آگاہ کرے، جو وہ تجویز کرنا چاہتا ہے اور مسٹر جناح کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے کہ وہ ان ناموں کو اپنی پارٹی کی تیار کردہ فہرست کے طور پر قبول کرلے۔''

ایک اچھے سپاہی کی طرح لارڈ ویول نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے 11 جولائی کو قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی، اور انہیں اپنے موقف میں لچک پیدا کرنے کی ترغیب دی۔

لارڈ ویول کہتا ہے:

''انہوں نے ان ناموں پر اس وقت تک غور کرنے سے انکار کر دیا جب تک انہیں تمام مسلم ممبران کے انتخاب کا کلی اختیار نہ دیا جائے۔ نیز اس بات کی ضمانت دینے سے معذرت چاہی کہ کوئی ایسا فیصلہ جس کی مخالفت کونسل کے مسلم ممبران کریں صرف دو تہائی کی اکثریت کو رضامندی سے منظور کیا جائے گا۔ حقیقت میں یہ ایک قسم کا فرقہ وارانہ ویٹو تھا۔ میں نے کہا، یہ شرائط سراسر ناقابلِ قبول ہیں۔ ان کے ساتھ ہی ملاقات ختم ہوگئی۔''

لارڈ ویول نے اپنی ڈائری میں ریکارڈ کیا:

''وائسرائے ایک گھنٹہ بعد گاندھی سے ملا اور انہیں کانفرنس میں پیدا ہونے والے تعطل سے آگاہ کیا۔ گاندھی نے وہ افسوسناک خبر بڑے سکون سے سنی اور کہا کہ حکومت برطانیہ کو جلد یا بدیر یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ ہندو نقطہ نظر کو قبول کرتی ہے یا مسلمانوں کے موقف کو کیونکہ دونوں میں مفاہمت کا کوئی امکان نہیں۔''

شملہ کانفرنس کی قطعی ناکامی نے فرقہ وارانہ بداعتمادی کی سنگینی کو، جو کہ ہندوستان کا کلیدی سیاسی مسئلہ تھا۔ مزید گہرا کر دیا۔ بہت سے انگریز حکام کو توقع تھی کہ اس ناکامی سے مسلم لیگ پر مسٹر جناح کی گرفت کمزور پڑ جائے گی۔ اس کے برعکس ان کی صدارتی حیثیت مزید مضبوط ہوگئی کیونکہ پاکستان کے مطالبہ کو ملک بھر کے مسلمانوں میں پہلے سے زیادہ پذیرائی حاصل ہونے لگی۔ 15 جولائی 1945ء کو کانفرنس کے اختتامی سیشن میں قائداعظم محمد علی جناح نے اعلان کیا:

''پاکستان اور متحدہ ہندوستان ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں، اور یہ کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے پاکستان حاصل کرنے کا پختہ عزم کرلیا ہے۔''

صورت حال سے اکتائے ہوئے وائسرائے ہند لارڈ ویول نے اپنی ڈائری میں لکھا:

''پارٹیوں کے مابین بہتر افہام و تفہیم پیدا کرنے کی متعدد کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اختلافات کی خلیج کتنی وسیع ہے۔ آیا میں نے ایسی کوشش کر کے زیادہ کیا ہے یا برا؟ اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔ جناح نے معاملہ کو زیر بحث نہ لا کر جوڑ توڑ کی بڑی غلطی کی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے متعلق لارڈ ویول کی قطعی رائے یہ تھی:

''وہ تنگ نظر اور ہٹ دھرم ہیں۔ انہیں زیادہ تر کانگریس سے خوف اور بداعتمادی نے تحریک دی ہے۔ آئینی لحاظ

سے وہ دوسری پارٹی کے ساتھ دوستانہ تعاون کرنے کے قائل نہیں۔"

ایمری نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ لارڈ ویول کو یاد دلایا:

"شملہ کانفرنس کی بدولت، کانگریسی لیڈروں کو ایک مرتبہ پھر اس حقیقت کا احساس ہو گیا ہے کہ ان کی تمناؤں کی راہ میں مسلم لیگ حائل ہے۔ میں یا آپ حائل نہیں ہیں۔ اب انہیں لازماً یا تو چپ چاپ پاکستان قبول کرنا ہوگا یا سوچنا پڑے گا کہ وہ کسی نہ کسی طرح جناح کے مقابلہ میں مسلمانوں کی حمایت حاصل کر لیں، اور یہ کہ محض نمائشی بے اثر کانگریسی مسلمانوں سے کام نہیں چلے گا۔"

سیکرٹری آف اسٹیٹ نے اس سال سردیوں میں انتخابات کرانے کی تجویز پیش کی، اور دعویٰ سے کہا:

"اس سے بلاشبہ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم صوبوں میں جناح ساری نشستیں جیت لیں گے۔ اگر واقعی وہ ایسا کر گزرتے ہیں تو پھر ان کے اس مطالبہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا کہ سارے مسلم ممبران لیگ سے ہونے چاہئیں۔"

ایمری نے خود بھی حال ہی میں انتخاب لڑا اور شکست کھائی تھی۔ جنگ کے بعد لیبر پارٹی کو جو غیر معمولی فتح حاصل ہوئی۔ اس کے نتیجہ میں ایٹلی اور اس کی جماعت برسرِ اقتدار آ گئی۔ جب وائسرائے کو پتہ چلا کہ وائٹ ہال میں اس کا نیا باس لارڈ پیتھک لارنس کو بنایا گیا ہے تو اس کا ابتدائی ردِعمل یہ تھا:

"ممکن ہے اس نے پرانی طرز کے خیالات کانگریس کے ساتھ تعلقات کے نتیجہ میں اخذ کیے ہوں۔"

بہر حال اگست 1945ء کی 5 تاریخ کو ہیروشیما پر ایٹم بم کے ہولناک دھماکہ سے ایک ایسے دور کا آغاز ہوا، جس نے تاریخ کی رفتار بہت تیز کر دی۔ طویل دوسری جنگ عظیم ایک ہفتہ کے اندر اندر ختم ہو گئی، اور برطانوی راج کو بیوروکریسی کی فرسودہ گرفت سے آزادی مل گئی۔

پہلی کابینہ

قیام پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر نواب زادہ لیاقت علی خان نے جو کابینہ تشکیل دی وہ ان حضرات پر مشتمل تھی۔

وزیراعظم	خان لیاقت علی خان
وزیر دفاع	ابراہیم اسماعیل چندریگر
وزیر صنعت و تجارت	ملک غلام محمد
وزیر خزانہ	سردار عبدالرب نشتر
وزیر مواصلات	راجا غضنفر علی خان*
وزیر خوراک و زراعت و صحت	جوگندر ناتھ منڈل
وزیر قانون، محنت	فضل الرحمان
وزیر اطلاعات و تعلیم	چودھری ظفر اللہ خان
وزیر خارجہ	پیرزادہ عبدالستار
وزیر صحت	خواجہ شہاب الدین

راجا غضنفر علی خان 20 جولائی 1948ء تک وزیر خوراک و زراعت رہے اس لیے ان کے بعد پیرزادہ عبدالستار کو یہ عہدہ تفویض کیا گیا۔

پہلی گول میز کانفرنس

قائداعظم محمد علی جناح 4 اکتوبر 1930ء کو پی اینڈ او کمپنی کے جہاز "وائسرائے آف انڈیا" کے ذریعے بمبئی سے لندن روانہ ہوئے۔

جارج پنجم نے 12 نومبر 1930ء کو ہاؤس آف لارڈز کے وسیع ہال میں پہلی گول میز کانفرنس کا افتتاح کیا۔ کانفرنس میں کل 52 مندوبین شریک ہوئے، جن میں قائداعظم محمد علی

جناح، سرتیج بہادر سپرو اور جیکار جیسے چوٹی کے سیاست دانوں کے علاوہ ریاستوں کے 16 نمائندے بھی شامل تھے جن میں مہاراجہ آف پٹیالہ، بڑودہ، بھوپال اور الور کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

برطانوی وزیراعظم ریمزے میکڈانلڈ کے ساتھ ساتھ دولت مشترکہ میں شامل ممالک کے وزرائے اعظم بھی افتتاحی تقریب میں موجود تھے۔ جارج پنجم کے مختصر بیان کو حاضرین نے کھڑے ہوکر سنا۔ جارج پنجم کے چلے جانے کے بعد ایوان راجگان کے چانسلر مہاراجہ پٹیالہ نے وزیراعظم ریمزے میکڈانلڈ کا نام صدارت کے لیے تجویز کیا۔ سر آغا خان نے اس کی تائید کی۔ یوں کانفرنس کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔

ہندوستانی مندوبین میں سے لبرل لیڈر وی ایس سری نواس شاستری نے سب سے پہلے خطاب کیا۔ اس کے بعد 16 مسلم مندوبین کے ترجمان کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح کو تقریر کی دعوت دی گئی۔

ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق انہوں نے پہلی متنازعہ تجویز پیش کرتے ہوئے کہا:

''جنابِ صدر! میں خوش ہوں کہ آپ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ برطانوی حکمرانوں اور مدبرین کی طرف سے وقتاً فوقتاً اس نوعیت کے جو اعلانات کیے گئے کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کا کام وہاں کے لوگوں کو حکومت خود اختیاری دینے کے لیے تیار کرنا ہے، بالکل صاف اور واضح تھے، لیکن میں زور دے کر کہوں گا کہ ہندوستان توقع کرتا ہے کہ اب ان اعلانات کو جلد عملی جامہ پہنا دیا جائے۔''

یہ اسٹیج ان اسٹیجوں میں سے زیادہ پُرشکوہ تھا، جہاں سے انہوں نے پہلے خطاب کیا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ شاستری کی طرح اپنی تقریر میں خوشامد اور چاپلوسی کرتے، کام کی بات نہ کرتے یا اس تاریخی موقع پر کوئی تاریخ ساز آئیڈیا پیش نہ کرتے۔ اس سے پہلے جن والیان ریاست نے خطاب کیا۔ ان کی تقاریر روایتی جملوں اور فقروں سے بھری ہوئی تھیں، لیکن قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر بم شیل کی طرح تھی۔ تقریر کے آخر میں انہوں نے کہا:

''میں کانفرنس میں دولت مشترکہ ڈومینیوں کے وزرائے اعظم اور نمائندوں کی موجودگی کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ یہاں ایک ڈومینین آف انڈیا کے قیام کا مشاہدہ کرنے کے لیے موجود ہیں، جو برطانوی دولت مشترکہ میں ان کے شانہ بشانہ مارچ کے لیے تیار ہے۔''

کیا سامعین میں سے کسی نے یہ بھی سوچا کہ قائداعظم محمد علی جناح کی منزل مقصود ایک ایسی ڈومینین کی قیادت کرنا ہے جس کا وجود دور دور تک کہیں نظر نہیں آ رہا تھا؟

سر مالکم ہیلی جو پنجاب اور یوپی کے گورنر رہ چکے تھے اور کانفرنس میں حکومت ہند کے سینئر مشیر کی حیثیت سے شرکت کر رہے تھے۔ یقیناً ان لوگوں میں سے ایک تھے، جو قائداعظم محمد علی جناح کی فراست و دور بینی کا اندازہ لگانے میں ناکام رہے۔ انہوں نے وائٹ ہال سے لارڈ اروِن کو مطلع کیا:

''مجموعی طور پر اس وقت مسلمان نسبتاً خاصے متحد نظر آتے ہیں۔ آغا خان نے ان کی رہنمائی نہیں کی بلکہ اکثریت کی پیروی کرنے کو بہتر سمجھا۔ بلاشبہ جناح پر اس بارے میں بہت شک وشبہ کیا جاتا ہے۔ کانفرنس کے آغاز میں اس نے وہ کچھ نہیں کہا، جس پر ان کی جماعت نے اتفاق کیا تھا۔ اس نے اپنی تقریر کی ایک نقل کانفرنس سیکرٹریٹ کو پیشگی دینے سے انکار کر دیا، حالانکہ دیگر مندوبین میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا، تاہم اس میں شک نہیں کہ جناح ہمیشہ ان بام مچھوں کی طرح جو ان کے اسلاف بمبئی کی مارکیٹ سے

خریدا کرتے تھے، متلون مزاجی اور ہوشیاری سے کام لیتے رہے ہیں۔''

کانفرنس کا دوسرا اجلاس 17 نومبر 1930ء کو جیمز کے پیلس میں منعقد ہوا۔ قبل ازیں گذشتہ شب قائداعظم محمد علی جناح، سر شفیع اور آغا خان سے سپرو، سیتلواد، جیکار اور ڈاکٹر بی ایس مونجے سے نواب آف بھوپال کی قیام گاہ پر ملاقات کر کے باہمی اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش کی، تاہم آغا خان کے بقول ''سطحی ہم آہنگی تھی''، جبکہ جذبات اور نقطہ نظر بھی گہرے اور مشکل اختلافات بدستور موجود رہے۔ کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آئی۔ قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے زیادہ تر ساتھی اپنے چودہ نکات پر مصر تھے۔ سپرو اور سیتلواد، ان میں سے صرف نصف تناسب ماننے کو تیار تھے۔ جیکار اور مونجے بھی سارے نکات قبول کرنے پہ آمادہ نہیں تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح کے خدشہ کے مطابق کانفرنس بہت وسعت اختیار کر گئی، جبکہ ابتدائی سیشن میں صرف تین، دوسرے سیشن میں چھ اور تیسرے سیشن میں چار تقاریر کی گنجائش تھی۔ یہ تقریریں اتنی طوالانی، بھرتی کے الفاظ سے بھرپور اور فصاحت و بلاغت پر مشتمل تھیں کہ صدر کانفرنس نے اگلے مقررین کے لیے دس منٹ کے وقت کی قید لگا دی، کیونکہ سامعین پر ظاہر ہو گیا تھا کہ ان کا قیمتی وقت اکثر دہرائے گئے دلائل پر ضائع کیا جا رہا ہے۔

سپرو کے الفاظ میں ان تمام ہندوستانیوں کی تقاریر کا نچوڑ موجود تھا:

''سارا مستقبل معرض خطر میں ہے۔ وہ وقت گزر گیا، جب ہندوستانیوں کو تلقین کی جاتی تھی کہ وہ صبر و تحمل سے کام لیں۔''

والیان ریاست کی نمائندگی کرتے ہوئے بڑودہ کے گائیکواڑ نے اس سے بھی زیادہ صاف گوئی سے کام لیا۔ یہاں تک کہ سر شفیع نے بھی مزید ''تاخیری اقدامات'' سے بچنے کا مشورہ دیا، تاہم کنزرویٹو پارٹی کے سربراہ لارڈ پیل نے ان تمام اپیلوں کو نظرانداز کر دیا۔ اگرچہ وہ بڑی اہم جوش دلانے والی اور بالکل درست ثابت ہوئیں۔ لارڈ پیل نے اصرار کیا:

''پہلے سائمن کمیشن کی سفارشات پر عمل درآمد کیا جائے۔''

20 نومبر 1930ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے صرف دس منٹ خطاب کیا۔ انہوں نے لارڈ پیل کو براہ راست مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''سائمن کمیشن کی رپورٹ بے جان ہو چکی ہے۔''

پھر انہوں نے اپنے مختصر خطاب میں وہ دلائل پیش کیے جو بعد ازاں حصول پاکستان کی مہم میں ان کی سٹرٹیجی کا بنیادی مشن بن گئے۔

ایولن رنچ نے بعد میں لکھا:

''جب میں نے مسٹر جناح سے پوچھا:

''آپ کو پاکستان کا خیال پہلی بار کب سوجھا؟''

تو انہوں نے جواب دیا:

''1930ء میں۔''

تاہم اس امر کی کوئی واضح شہادت موجود نہیں کہ اس وقت تک انہوں نے اپنی جدوجہد کی بابت سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا، بہرحال نومبر 1930ء میں انہوں نے دو نکات کی وضاحت کی، اور اپنی آئندہ پالیسی کے بارے میں مدبرانہ رویے کا اظہار کیا:

''مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ برطانیہ ہندوستان میں تجارتی اور سیاسی نوعیت کے مفادات رکھتا ہے۔ اس لیے وہ اس مسئلہ کا فریق ہے۔ ہندوستان کے آئندہ آئین سے گہری وابستگی رکھتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس معاملہ میں ہمارے مفادات برطانیہ سے کہیں زیادہ اور اہم

ہیں۔ برطانیہ کے محض مالیاتی، تجارتی یا سیاسی مفادات ہیں، جبکہ ہمارے ہر قسم کے مفادات ہندوستان سے وابستہ ہیں، جہاں تک فریقوں کا تعلق ہے۔ یہاں میز کے گرد چار بڑی بڑی پارٹیاں بیٹھی ہیں۔ وہ برطانوی حکومت، ہند کے والیان ریاست، ہندو اور مسلمان ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے بہت پہلے مسلمانوں کے خصوصی مفادات، ضروریات، مسائل اور مطالبات کا ادراک کر لیا تھا، لیکن یہ ان سے پہلا تجاوز تھا، جو ان کی پاکستان حکمت عملی کا بنیادی پتھر بن گیا۔ یعنی ''مسلمان'' ہندوستان کے آئینی مسئلے میں ایک پارٹی ہیں، اگرچہ مقدار میں ان سے کم اور اثر و رسوخ کے لحاظ سے غیر اہم ہیں۔ ان کا پیش کردہ دوسرا نکتہ اگرچہ اہم تھا لیکن اس کی حیثیت ایک دھمکی سے زیادہ نہیں تھی، جن لوگوں نے ان کی تقریر سنی، انہوں نے اس دھمکی کو ''سودے بازی کرنے والے کی زبان'' قرار دیا۔ انہوں نے مشترکہ کانفرنس کو خبردار کیا:

''اگر یہ گول میز کانفرنس ہندوستان کی امنگوں کے مطابق کسی سمجھوتہ پر نہ پہنچ سکی تو سات کروڑ مسلمان اور دوسرے لوگ جواب تک الگ تھلگ رہے ہیں، تحریک عدم تعاون میں حصہ لینے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے یہ ''اہم اصول'' بیان کیا، جس کے بارے میں انہوں نے توقع ظاہر کی:

''کانفرنس کے انگریز ممبران اچھی طرح یاد رکھیں کہ ہندوستان اپنے گھر کے خود مالک بننا چاہتے ہیں، میں کسی ایک ایسے دستور کا تصور نہیں کر سکتا، جس میں ملک کو چلانے کی ذمہ داری ایسی کابینہ کو نہ سونپی گئی ہو، جو مقننہ کے روبرو جواب دہ ہو۔ یہ وہ کم سے کم مطالبہ ہے، جس کی تکمیل سے لندن آئے ہوئے ہندوستان کے سیاسی لیڈر اور برطانوی ہند کی جیلوں میں بند ہزار ہا کارکن مطمئن ہو سکتے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ریمزے میکڈانلڈ کو یاد دلایا:

''دو سال پیشتر لیبر کانفرنس میں مستقبل کے وزیراعظم نے اعلان کیا تھا:

مجھے امید ہے کہ آئندہ چند مہینوں میں، سالوں میں نہیں، برطانوی دولت مشترکہ میں ایک نئی ڈومینین کا اضافہ ہو جائے گا۔ میری مراد ہندوستان سے ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے زور دے کر کہا:

''1928ء سے اب تک دو سال گزر چکے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح وفاق کے لیے آئین کا ڈھانچہ مرتب کرنے والی اس سب کمیٹی میں شامل تھے، جس کی سربراہی لارڈ سنکی کر رہے تھے۔ سر شفیع کی معیت میں انہوں نے کمیٹی پر یہ واضح کیا:

''ایسا کوئی دستور قابل عمل نہیں ہوگا، جس میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو احساس تحفظ و سلامتی فراہم کرنے والی دفعات شامل نہ ہوں۔ 4,9 اور 15 دسمبر کو ہندو مسلم تنازعہ کے حل کے سلسلے میں لندن کی ہر کوشش کی ناکامی کے بعد ہیلی نے اروِن کو رپورٹ دی:

اس سلسلے میں آخری میٹنگ وزیراعظم کی دیہی رہائش گاہ ''چیکرز'' میں منعقد ہوئی، جس کے لیے مسلمانوں اور ہندوؤں کو بسوں کے ذریعے وہاں پہنچایا گیا، میں نے گذشتہ رات ان میں سے بعض کے ساتھ بات چیت کی۔ جہاں تک پیش گوئی کرنے کا تعلق ہے۔ آثار بتا رہے ہیں کہ مسلمان جداگانہ انتخابات سے دستبردار ہو جائیں گے، تاہم وہ پنجاب اور بنگال میں برائے نام اکثریت اور دوسرے صوبوں میں تلافی کا کلیہ حاصل کر لیں گے۔''

ہیلی کی پیشین گوئیاں قبل از وقت ثابت ہوئیں۔ مسلمان ہندوستان سے ڈالے گئے تجدید شدہ دباؤ کے تحت جداگانہ انتخابات سے دستبردار ہونے پر تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے نہ صرف مذکورہ بالا مطالبات پر اصرار رکھا، بلکہ وہ ان تمام شرائط پر ڈٹ گئے جو ان کے چودہ نکات میں شامل تھیں۔

دوسری طرف ڈاکٹر مونجے کی قیادت میں ہندو اس سمجھوتے سے مکر گئے، جو چودہ نکات کے بارے میں ہوا تھا، اس طرح ''مکمل بحران'' پیدا ہو گیا۔ ریمزے میکڈانلڈ اس تعطل سے اتنا پریشان و دل برداشتہ ہوا کہ اس نے لارڈ ولنگڈن کو جو ان دنوں کینیڈا میں گورنر جنرل تھا۔ واپس ہندوستان بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ وائسرائے کی حقیقت سے اِروِن کی میعاد اپریل 1931ء میں ختم ہونے والی تھی، لیکن برطانوی وزیراعظم نے 23 دسمبر 1930ء کو ہی حکومت کینیڈا کو ولنگڈن کی بابت فیصلہ سے آگاہ کر دیا۔

ولنگڈن جنگ عظیم اول کے دوران بمبئی کا گورنر رہ چکا تھا، اس زمانے میں قائداعظم محمد علی جناح کی اس کے ساتھ ان بن ہوگئی۔ حسب پروگرام 1931ء سے 1936ء تک وائسرائے رہا۔ حسن اتفاق سے قائداعظم محمد علی جناح نے یہ سارا عرصہ لندن میں گزارا۔ اگرچہ وہ مزاج اور ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے اب 1918ء کے نوجوان قوم پرست انقلابی لیڈر نہیں رہے تھے، جس نے ولنگڈن کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کی قیادت کی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کے متعلق ولنگڈن جو تاثرات رکھتا تھا، اس بارے میں اس قدر کہنا کافی ہوگا کہ اس نے انہیں جوائنٹ کمیٹی سے الگ تھلگ رکھا۔ جسے آخری گول میز کانفرنس کی تجاویز کو ایک نئے بل کی صورت میں مدون کرنے کا کام سونپا گیا تھا۔ اگرچہ ولنگڈن کے دورِ حکومت میں قائداعظم محمد علی جناح نے لندن میں قیام کو ترجیح دی، تاہم وہ گاہے بگاہے شملہ، دہلی اور بمبئی کے چکر لگاتے رہے۔

پہلی مجلس عاملہ (مسلم لیگ)

قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کو از سر نو منظم کیا، اس کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کی پہلی مجلس عاملہ قائم کی اس کے اراکین کے نام درج ذیل ہیں:

1. قائداعظم محمد علی جناح، صدر
2. نواب زادہ لیاقت علی خان، جنرل سیکرٹری
3. حاجی سر عبداللہ ہارون کراچی (سندھ)
4. مولانا شوکت علی (یوپی)
5. عبدالمجید سندھی کراچی (سندھ)
6. سید عبدالرؤف شاہ (سی پی)
7. ملک برکت علی (پنجاب)
8. سر کریم ابراہیم (بمبئی)
9. سردار اورنگ زیب خان (سرحد)
10. خان بہادر سعد اللہ (سرحد)
11. حاجی عبدالستار سیٹھ (مدراس)
12. عبدالمتین چودھری (آسام)
13. سر اے ایم کے دہلوی، (بمبئی)
14. مولوی فضل الحق (بنگال)
15. عبدالرحمٰن صدیقی (بنگال)
16. سر خواجہ ناظم الدین (بنگال)
17. سید عبدالعزیز (بہار)
18. محمد عاشق وارثی (بہار)
19. سر سکندر حیات خان (پنجاب)
20. نواب محمد اسماعیل خان (یوپی)
21. راجا امیر احمد خان محمود آباد (یوپی)
22. چودھری خلیق الزمان (یوپی)

پہلی ملاقات (گاندھی سے)

تاریخی اتفاق کی بدولت قائداعظم محمد علی جناح اور موہن داس کرم چند گاندھی، پہلی جنگ عظیم کے آغاز پر لندن میں تھے۔ بیرسٹر گاندھی 1893ء میں ایک ہندوستانی مسلم تجارتی کمپنی کے کام کی غرض سے بنگال گئے تھے، اور وہاں بیس سال سے زائد عرصے کے دوران قیام ستیہ گرہ (سچائی کے لیے برت رکھنا) کا اصول وضع کیا، اور ٹرانسوال نیز نٹال میں 1907ء سے 1914ء تک عدم تشدد اور عدم تعاون کے نسخے کو آزما کر دیکھتے رہے۔ جنگ چھڑ جانے کے باعث ان کے جہاز کا رخ بمبئی کے بجائے لندن کی طرف موڑ دیا گیا۔ لندن پہنچنے پر انہوں نے دنیا کو جو پہلا پیغام دیا، اس میں ہندوستانیوں سے مدد کی اپیل کی گئی تھی، پیغام میں کہا گیا تھا:

''وہ فوجی خدمات کے لیے رضاکارانہ طور پر آگے آئیں اور غیر جانبداری سے سوچیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے گاندھی کے اعزاز میں دیے گئے اس شاندار استقبالیہ سے جس کا اہتمام لندن کے سیسل ہوٹل میں کیا گیا تھا شرکت کی، تاہم نہ تو وہ فوج میں بھرتی ہوئے اور نہ گاندھی کی قائم کردہ نیلا ایمبولینس ٹریننگ کور کے رکن بنے۔ ان کا اپنا مشن بری طرح ناکام ہو گیا تھا، تاہم انگریزوں کے دل و دماغ پر جنگ مسلط تھی اور کسی کو ہندوستان کے لیے اصلاحات پر غور کرنے کی فرصت نہ تھی۔

پہلی نمازِ عید (قیام پاکستان کے بعد)

یہ ایم اے جناح روڈ پر واقع کراچی کی قدیم ترین عیدگاہ ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے قیام پاکستان کے فوراً بعد اسی عیدگاہ میں پہلی نماز عید (عیدالفطر) ادا کی۔ امامت کے فرائض حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی (والد مولانا شاہ احمد نورانی) نے ادا کیے۔ تقسیم ہند سے پہلے یہ میدان آل انڈیا مسلم لیگ کی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز رہا تھا۔ 1931ء تا 1933ء کے درمیان اس عیدگاہ کا صدر دروازہ تعمیر کیا گیا اور اسی دوران میدان کے قبلہ رخ کی نشاندہی کے لیے محراب تعمیر کی گئی۔ یہ عیدگاہ 30 ہزار مربع گز کے رقبے پر محیط ہے۔ کراچی کے مسلمانوں نے یہاں 1944ء میں مرکزی جامع مسجد کی تعمیر کا آغاز کیا، اور 1945ء میں ایک قرارداد پیش کی گئی جس کی ہندوؤں نے شدید مخالفت کی اور متبادل قرارداد کے ذریعے اس تاریخی میدان کو کھیل کود کے میدان میں تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ ہندوؤں کے مطالبہ کے پیش نظر مسئلہ التوا کا شکار رہا۔ تقسیم کے بعد مہاجرین نے یہیں ڈیرے ڈالے۔ 1963ء میں یہ محکمہ اوقاف کی عملداری میں آ گئی۔ عوام نے اس کی تعمیر کا مسئلہ پھر اٹھایا اور مجلس عمل قائم کی۔ مجلس عمل نے 30 اپریل 1969ء کو ایڈمنسٹریٹر اوقاف سے ملاقات کی تاکہ جلد سے جلد یہ مسجد تعمیر ہو سکے۔

پہلی نمازِ عیدالاضحیٰ (قیام پاکستان کے بعد)

قائداعظم محمد علی جناح نے قیامِ پاکستان کے بعد 24 اکتوبر 1947ء کو عیدالاضحیٰ کے موقع پر قوم کے نام اپنے پیغام میں کہا:

''اللہ تعالیٰ اکثر اپنے ان بندوں کو آزمائشوں اور تکالیف میں ڈالتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اس چیز کی قربانی دے جو اسے سب سے پیاری ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجا لاتے ہوئے اپنے بیٹے کی قربانی پیش کی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے خطاب میں مزید فرمایا

''آج بھی اللہ تعالیٰ پاکستان اور ہندوستان کے

مسٹر جناح آرام باغ کراچی میں عیدالفطر کی نماز ادا کرتے ہوئے، بائیں جانب مسٹر ایم۔ ایچ غفوار اور دائیں جانب ایم۔ اے کھوڑو موجود ہیں

مسلمانوں کو آزمارہا ہے، اس نے ہم سے بہت سی قربانیاں مانگی ہیں۔ ہماری نوزائیدہ مملکت کے ان زخموں سے خون بہہ رہا ہے جو دشمن نے لگائے ہیں۔ ہندوستان میں ہمارے مسلمان بھائیوں کو اس بنا پر ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ ان سے انتقام لیا جارہا ہے کہ انہوں نے قیام پاکستان کے سلسلے میں ہمدردی کی اور امداد دی تھی۔ ہر طرف سے ہمیں سیاہ بادلوں نے گھیر رکھا ہے۔ ایک لمحہ کے لیے ہم ان کی دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہو سکتے۔

مجھے یقین ہے کہ اگر ہم نے قربانی کا وہی جذبہ پیش کیا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا تو مصیبتوں کے بادل چھٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہم پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے گا۔‘‘

پھول پتیوں سے تصویر

قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن کے موقع پر جامعہ کراچی کے شعبہ نباتیات نے قائداعظم محمد علی جناح کی ایک تصویر بنائی، یہ تصویر پھول پتیوں سے بنائی گئی تھی۔ یہ تصویر شعبہ کے آرٹسٹ ایم رفیق نے بنائی۔

پی (P)

یہ انگریزی حروف تہجی کا 16واں حرف ہے، یہ حرف قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی شیروانی کے کالر کے بٹن پر کندہ کرایا تھا قائداعظم محمد علی جناح یہ شیروانی نئی دہلی میں منعقدہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس 24 تا 26۔ اپریل 1943ء میں پہن کر آئے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے حرف پی پاکستان کی علامت کے طور پر استعمال کیا تھا۔

پیارے قائد

قائداعظم محمد علی جناح کو دنیا بہت سے خوبصورت حوالوں سے جانتی ہے مگر پاکستانیوں کے لیے یہ نام ایک خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ نام ایک شخص کا نہیں بلکہ ایک تحریک کا نام ہے۔ جس کا نام پاکستان ہے، ذہن میں قائداعظم اور پاکستان کا نام ساتھ ساتھ آتا ہے۔

وہ پاکستان جسے انہوں نے محنت، ہمت اور لگن سے مسلمانوں اور اسلام کے نام پر بنایا، ان کی تعریف میں نہرو کی بہن مسز وجے لکشمی پنڈت نے کہا تھا:

’’اگر مسلم لیگ کے پاس ایک سو گاندھی، اور مولانا ابوالکلام آزاد ہوتے اور کانگریس کے پاس صرف ایک جناح ہوتا تو ہندوستان کبھی تقسیم نہ ہوتا۔‘‘

دو لمحوں کے لیے اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ اگر پاکستان اور قائداعظم نہ ہوتے تو ہم ہندوؤں کی غلامی میں رہ رہے ہوتے۔ اپنے اسلامی عقیدوں پر آزادانہ طریقوں سے عمل نہ کرسکتے، یہ ہندوؤں کی شاطرانہ چالوں کا مقابلہ کررہے ہوتے۔ ہمیں اپنے قائد کا احسان مند ہونا چاہیے۔ جن کی بدولت آج ہم ان سب مسائل سے دوچار نہیں ہیں۔

پیامِ عید

◆ یہ پیام ایک نہایت غم انگیز موقع پر دیا گیا تھا۔ جب مرکز میں مسلم لیگ کو نظرانداز کر کے نام نہاد قومی حکومت کی تشکیل پنڈت جواہر لال نہرو کر چکے تھے، اور وائسرائے نیز حکومت برطانیہ کی پوری تائید انہیں حاصل تھی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے اس پیغام میں کہا:

’’اس مبارک اور پُرسعید موقع پر میں تمام مسلمانوں کو تہ دل سے ’’عید مبارک‘‘ کا ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں

اور ان کی عظمت و اقبال مندی کے لیے دست بہ دعا ہوں۔ رمضان کا پاکیزہ مہینہ جسے تمام مسلمانوں نے کمال استقلال اور خود اعتمادی کے ساتھ گزارا اور ختم ہوگیا ہے۔ یہ مبارک مہینہ بجائے خود علم و معارف کا سرچشمہ ہے، اور مسلمانوں کو ایک بصیرت افروز پیام دیتا ہے کہ سخت کوشی، رنج و محن، صعوبتوں اور قربانیوں کے بغیر کوئی شخص اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ یہ مبارک مہینہ اسلامیان ہند کو نظم و ضبط کا ایک زبردست درس دیتا ہے۔ اب ہمیں حقائق پر نظر ڈالنی ہے، اور میں مسلمانوں سے التجا کروں گا کہ وہ ایک منظم، باعظمت اور تربیت یافتہ قوم کی طرح اپنی قوتوں کو ایک مرکز پر مجتمع کریں۔ مصیبتیں جھیل کر اور قربانیاں دے کر اپنے راستہ سے تمام رکاوٹیں دُور کریں، اس کے سوا آزادی کی اور کوئی شاہراہ نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج اس مبارک موقع پر تمام اسلامیانِ ہند مرد، عورتیں، بوڑھے، جوان اور بچے ایک تربیت یافتہ سپاہی کی طرح پوری مستعدی کے ساتھ زندگی کے تمام تعلیمی ترقی، معاشرتی اور سیاسی شعبوں میں کام کرنے کا عہد کریں تاکہ دس کروڑ مسلمانوں کی اس زندہ جاوید قوم کو اپنے درخشندہ ماضی اور تاریخی روایات کے مطابق عظمت و سربلندی حاصل ہو۔

آج ہمارے سیاسی افق پر تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ سلطنتِ برطانیہ اور وائسریگل لاج کی کارروائیاں صیغہ راز میں ہیں، ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہمارے حق نمائندگی کو مسخ کیا گیا ہے۔ ہمیں ہر طرف سے دھمکیاں دی جارہی ہیں۔ وائسرائے نے متشددانہ طرزِ عمل اختیار کیا ہے، اور مسلم لیگ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ مسلم لیگ کو مورد الزام بنانے کے لیے نہایت وسیع پیمانہ پر ایسا پروپگنڈہ کیا جارہا ہے۔ جس کو انصاف پسندی اور صداقت سے ذرہ بھر بھی تعلق نہیں ہے۔ حکومت برطانیہ کے ارباب حل و عقد اور جناب وائسرائے نے کانگریس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ہیں، اور اب ان کے لیے کھلے الفاظ میں صرف اعلان کرنا باقی رہ گیا ہے کہ ہم سب ذمہ داریوں سے دست کش ہو چکے ہیں، اور اس ملک کی حکومت اونچی ذات کے ہندوؤں کو سونپنے والے ہیں۔ برطانوی عوام الناس محض تاریکی میں ہیں، اور پارلیمنٹ کو تفریح و تفنن میں مصروف کر دیا ہے۔ ہمارے لیے نہایت نازک اور خطرناک حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ ہمیں ان نامساعد حالات کا ایک منظم اور متحد قوم کی طرح مقابلہ کرنا ہے اور کامیابی حاصل کرنی ہے، میں کامل یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر ہم دس کروڑ مسلمان متحد و منظم ہو جائیں تو ہمارے مخالفین کی تمام سازشیں اور تدبیریں بُری طرح ناکام ہوں گی، اور ہم اس جدّ و جہد میں فتح یاب ہوں گے۔ ہم پاکستان حاصل کر کے رہیں گے، کیونکہ ہماری مشکلات کا واحد حل پاکستان ہے اور اس کے بغیر ہم نیست و نابود ہو جائیں گے۔

ہم نے دلائل پیش کیے۔ اسباب و علل بیان کیے۔ ہم نے رواداری سے درخواستیں کیں اور حتی الامکان مراعات دیں لیکن بے سود اب ہمارے سامنے ایک صبر آزما جدوجہد ہے، اور ہمیں نہایت تہوّر و استقلال اور بلند حوصلگی سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ یہ مقابلہ نظم و ضبط کے ساتھ کیا جائے گا ہمیں اپنی پسپائی اور ناکامی سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، اور نہ اپنی فتح یابی پر مغرور

ہونا چاہیے۔

ہمارے مطالبات حق و انصاف پر مبنی ہیں۔ اس لیے ہم کبھی خاسر و ناکام نہیں ہو سکتے۔ میں ہر مسلمان سے التجا کرتا ہوں کہ ایسے نازک موقع پر قطعی طور پر مسلم لیگ میں شامل ہو جائے۔ ہماری صفوں میں کسی قسم کی باہمی ناراضی اور مخاصمت نہیں ہونی چاہیے، اس وقت ہمیں ایک متحد و منظم قوم کی طرح ایک پرچم کے نیچے ایک پلیٹ فارم پر کھڑا ہونا چاہیے اور بلند کردار آدمیوں کی طرح اپنے لائحہ عمل اتحاد و خود اعتمادی اور نظم و ضبط کے ماتحت ہر قسم کی صعوبتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے عزم بالجزم کر لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔''

◆ یومِ عید کے موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی ملت کے نوجوانوں کو مخاطب کیا تھا اور انہیں بتایا تھا کہ اسلام کی اصل روح کیا ہے؟ اور اس کو بروئے کار لا کر وہ کس طرح ملک وملت اور انسانیت کی خدمت بجا لا سکتے ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح کا یہ پیام عید اتنا موثر تھا کہ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم تک اس سے بہت متاثر ہوئے، گاندھی جی نے اُسے پڑھتے ہی مبارکباد کا ایک تار بھیجا، اوران خیالات کی گہرائی اور صداقت و حقیقت کا برملا اعتراف کیا، واقعہ بھی یہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے اس پیام میں اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا۔

13 نومبر 1939ء کو پیامِ عید پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں آج رات ہو سکے تو اپنے نوجوانوں کے قلوب کے نئے وجد آفریں تاروں کو چھیڑوں گا کیونکہ اب سے انہی کو ہماری تمناؤں کا بوجھ اٹھانا ہے۔

رمضان المبارک کا ضبط صوم و صلوٰۃ آج خداوند تعالیٰ کے لازوال عجز و انکسار کے ساتھ اختتام کو پہنچ رہا ہے، لیکن اُسے کمزور قلب کا عجز و انکسار ہرگز نہ ہونا چاہیے، جو ایسا کریں گے وہ خدا اور رسول (ﷺ) کے مجرم ہیں کیونکہ تمام مذاہب میں یہ ایک حقیقت موجود ہے، جو اگرچہ بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتی، مگر ہے بالکل درست کہ عاجز و متواضع ہی قوی و طاقتور ہوں گے، اور یہ حقیقت مذہب اسلام میں خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہے۔

قرآنِ حکیم کی رو سے عبادت اور زندگی میں بہت گہرا اور حقیقی تعلق ہے۔ تمہیں معلوم ہو گا کہ تمہارے مذہب نے تمہیں انسانی برادری سے میل ملاپ رکھنے ان کی تحقیق کرنے انہیں سمجھنے اور جب سمجھ چکیں تو پھر اُن کی خدمت کرنے کے کتنے عجیب مواقع عطا کیے ہیں۔ تم دیکھو گے کہ یہ سارے مواقع آئین عبادت وضع کر کے پیدا کیے گئے ہیں۔

دن میں پانچ مرتبہ ہم کو اپنے محلّہ کی مسجد میں جمع ہونا پڑتا ہے۔ ہفتہ میں ایک مرتبہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں ہمارا اجتماع ہوتا ہے، پھر ہم سال میں ایک دفعہ عید کے دن شہر کے باہر عیدگاہ میں اکٹھے ہوتے ہیں اور سب سے آخر میں حج ہے۔ جہاں اطراف عالم سے مسلمانان کم از کم اپنی زندگی میں ایک مرتبہ خانۂ خدا سے رجوع ہونے کے لیے آتے ہیں۔ تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ ہماری عبادت کی یہ ترتیب اور طریقِ عمل ہمیں لازمانہ صرف مسلمانوں سے ربط رکھنے کا موقع دیتا ہے بلکہ دورانِ سفر میں دوسرے مذاہب کے لوگوں سے بھی تعلقات قائم کرنے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ میں نہیں باور کرتا کہ ہماری عبادت سے متعلق یہ احکام محض ایک خوشگوار اتفاق ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ

اس کی تشکیل اسی غرض سے کی گئی ہے کہ مسلمانوں کی سماجی روح نمو پاتی اور تسکین حاصل کرتی رہے۔

کلام اللہ میں انسان کو خدا کا خلیفہ کہا گیا ہے۔ اگر انسان کی اس تعریف میں کچھ معنویت ہے تو پھر ہم پر قرآن کی اتباع کا فرض عائد ہو جاتا ہے اور ہم پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں جیسا کہ خدا بنی نوع انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ فرض وسیع معنوں میں ''صرف محبت کرنے اور شاکر رہنے کا فرض ہے۔ یقین کیجئے کہ یہ فرض منفی نہیں بلکہ اثباتی ہے۔''

ہمارے دلوں میں خلق خدا کے لیے خواہ وہ کسی عقیدہ کے کیوں نہ ہوں، اگر کوئی محبت اور رواداری کا جذبہ ہے تو اس کا عملی اظہار ہمارے روزمرہ کے معمولی فرائض کے دوران میں ہونا چاہیے۔ سعادت مندی اور خدا ترسی سے ہونا چاہیے۔ صوم و صلوٰۃ کی ریاضت سے ہماری اندرونی کیفیات تابندہ ہو گئی ہیں، اور اس ارادے سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں کہ آج ہم اپنے گھر میں اپنی قوم میں اور اپنے ملک میں جہاں مختلف اعتقاد و مذاہب کے لوگ بستے ہیں کامل ارتباط اور میل ملاپ سے رہیں، اور ہم ایسے کام نہ کریں خواہ وہ خانگی ہوں یا عامۃ الناس سے متعلق کہ جس کے نتائج خود غرضی پر مبنی ہوں بلکہ وہ اہل ملک کی فلاح و بہبود اور آخر میں ساری دنیائے انسانیت کی بھلائی کے لیے ہوں گے۔

یہ ایک بہت بلند تصور ہے، اور اس کے لیے بڑی کوششوں اور قربانیوں کی ضرورت ہے۔ تمہارے دلوں پر بسا اوقات خوف بیم کے بادل چھا جائیں گے، نہ صرف مادی آویزشیں ہوں گی جس پر شاید تم ہمت و ارادے سے قابو پا سکو گے بلکہ روحانی تصادم بھی ہوں گے۔ ہمیں ان سب کا مقابلہ کرنا ہے اور اگر آج جبکہ ہمارے قلوب و عجز و انکسار کے جذبات سے مملو ہیں ہم نے اس علو ہمتی کے اثر کو قبول نہ کیا تو پھر ہم کبھی اس کے قابل نہ ہوں گے۔

ہمارے ہندو و مسلم رہنما دونوں فرقہ وارانہ تنازعات سے ملول ہیں۔ میں اس کے اسباب اور وجوہات کی تاریخ میں نہیں جاؤں گا، لیکن کچھ لمحات ایسے آئیں گے جبکہ لوگوں کے دل مکدر ہوں گے اور اختلافات تصادم کی صورت اختیار کریں گے۔ میں تم سے کہوں گا کہ ایسے لمحات میں تم عید کی نمازوں کو یاد کر لیا کرو اور ان ہدایتوں کی روشنی میں جو قرآنِ حکیم نے تمہیں دی ہیں، اور اس جذبۂ عظیم کے تحت جو عین اسلام ہے۔ ذرا دیر کے لیے سوچو۔ یاد رکھو کہ ہمارے رسول پاک ﷺ کے نزدیک خدمتِ خلق اور رواداری سے بڑھ کر کوئی طریق عمل دیندارانہ اور مستحسن نہیں ہے۔

ہماری سماجی کامرانیاں اور سیاسی آزادیاں اسی پر مضمر ہیں یہی زندگی کا اصل مفہوم ہے اور یہی حقیقت کبریٰ روحِ اسلام بلکہ عین اسلام ہے۔

عظیم الشان جلسوں اور معرکہ آرا تقریروں ہی سے سیاست کی تعمیر نہیں ہوتی۔ مجھ سے بہتیرے نوجوان یہ پوچھنے آتے ہیں کہ وہ کس طرح اپنے ملک کی خدمت کر سکتے ہیں میرے نوجوان دوستو! اگر آج رات میں سیاست پر کچھ کہوں گا تو وہ صرف ایک کلمہ نصیحت ہو گا۔

مستقبل کے ہندوستان میں ہمارے کچھ حقوق اور دعاوی ہیں لیکن ہم اس میں تمرد نہ کریں گے کیونکہ تمرد سے اِن جذباتِ محبت اور احساسِ مروّت کی نفی ہوتی

ہے۔ جن کا آنحضرت ﷺ نے حکم دیا ہے، اور جس پر ہم آج عید کے دن عمل پیرا ہیں۔ ہم میں ہر شخص اگر اپنی ہی تنظیم کرے تو یہی ملک کی خدمت ہوگی اور تنظیم وضبط ہی آج کی ساعت مسعود کی جان ہے۔

کیا ہر شخص کے اطوار میں باقاعدگی اور نظم ہے؟ کیا ہر ایک مناسب وقت پر سوتا ہے؟ کیا ہر ایک سڑک کے بائیں جانب چلتا ہے یا سڑک پر کوڑا کرکٹ پھینکنے سے احتراز کرتا ہے؟ کیا ہر ایک اپنا کام مستعدی اور دیانت سے کرتا ہے؟ کیا ہر ایک دوسرے کو اتنی امداد دیتا ہے جتنی کہ دے سکتا ہے؟ کیا ہر ایک متحمل اور بردبار ہے؟ یہ ساری باتیں بیک نظر معمولی ہوتی ہیں لیکن ان میں تنظیم مضمر ہے جو برتر ہندوستان کی تعمیر میں تمام قوموں اور فرقوں کی متفقہ کوششوں سے بیش قیمت ثابت ہوں گی جو تم کو سیاسی شہرت تو نہ عطا کریں گی لیکن جب تمہیں اس کا احساس ہوگا کہ تم نے سیاستدانوں کے کام کو ہلکا کرنے میں کس قدر حصہ لیا ہے تو تمہارے دلوں کو ایک ابدی سکون بخشیں گی۔

ہمیں قرآنی دلائل کی روشنی میں اپنے اخلاق وعقائد کو درست کرنا چاہیے، اور اسی روشنی میں حق وصداقت کی جستجو بھی۔ اگر ہماری صداقت پرستی بے لاگ ہے تو ہم ضرور اپنے طریقہ پر منزل کو جالیں گے۔ راہِ راست اور صداقت پر چلتے ہوئے ہمیں اتنے ہی حصہ پر قناعت کرنی چاہیے۔ جس کو ہم دوسروں کی حق تلفی کے بغیر حاصل کر سکتے ہیں، اور سب سے آخر میں میری اس تاکید کو نہ بھولنا کہ ''اسلام ہر مسلمان سے متوقع ہے کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر اپنا فرض ادا کرے۔''

پیتھک لارنس اور جناح

پیتھک لارنس اپنے مشن پر ہندوستان میں موجود تھے، اور وہ مختلف ہندوستانی رہنماؤں سے تبادلہ خیالات کر رہے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح مشن سے انٹرویو کے لیے دس بجے آئے، اور مشن کے ساتھ تین گھنٹے تک بات چیت کی، جو وائسرائے ہند لارڈ ویول کے بقول:

''بالکل ضیاع وقت کے مترادف تھے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی بات ہندوستان کے تاریخی سروے سے شروع کی، اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ اپنے طویل ماضی میں یہ ملک شاذ ہی متحد رہا ہے۔ انہوں نے دلیل پیش کی:

''ہندو مسلمان سے ہاتھ ملانے کے بعد فوراً اپنے ہاتھ دھوتا ہے۔''

اگرچہ وہ ذاتی طور پر اس مخصوص عادت میں غالباً کسی ہندو سے زیادہ احتیاط پسند تھے۔ مزید برآں انہوں نے یہ بات کہی:

''کوئی ہندو مسٹر جناح کو اپنی عمارت میں ایک کمرہ کرائے پر نہیں دے گا۔''

تو ایسا لگا کہ وہ بہت بڑا دعویٰ کر رہے ہیں:

''ہندو معاشرہ اور فلسفہ دنیا میں سب سے زیادہ الگ تھلگ رہنے کا حامی ہے۔ آپ 10 کروڑ مسلمانوں کو 25 کروڑ ہندوؤں کے ساتھ کیسے اکٹھا رکھیں گے۔ جن کا طرزِ زندگی اتنا مختلف ہے۔''

اس پر کرپس نے قائداعظم محمد علی جناح سے سوال کیا:

''آیا آپ کے خیال میں بنگال کے ہندو اور مسلمانوں کے مابین تفاوت، سندھ کے پٹھانوں اور مسلمانوں کے درمیان پائے جانے والے فرق سے زیادہ ہے؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

''بنیادی باتیں تمام مسلمانوں میں مشترک ہیں۔ میں

ہر جگہ گیا ہوں، جہاں کہیں مسلمانوں سے ملا، میں نے دیکھا کہ وہ سب ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ دو آدمیوں اور انسانی برادری میں مساوات پر یقین رکھتے ہیں۔ ہندو ان اصولوں میں سے کسی ایک پر اعتقاد نہیں رکھتے۔''

پیتھک لارنس اور کرپس دونوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ دفاع خصوصاً شمال مغرب سے پاکستان کے حملہ کی زد میں ہونے کے باعث اس کی کمزوری پر بحث کی۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے یہ بات منوانے کی بھرپور کوشش کی۔

''تمام متعلقہ پارٹیوں کے لیے کسی قسم کا متحدہ دفاعی ڈھانچہ بہترین ہوگا۔''

لیکن قائداعظم محمد علی جناح ہر لحاظ سے آزاد و با اختیار پاکستان کے مطالبہ پر ڈٹے رہے، اور اپنی وکالت کی منفرد سختی کا مظاہرہ کرتے رہے۔

پیٹر پین

1937ء میں کانگریسی وزارتیں قائم ہونے کے بعد پنڈت نہرو نے طاقت کے نشے میں یہاں تک کہہ دیا:

''مسٹر جناح کسی گروہ یا قوم کے لیڈر نہیں ہیں۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح کو کہنا پڑا:

"I was already a first rateleader when Mr. Motial Nehru was just peeping in Politics"

پنڈت نہرو کے بارے میں نہایت ہی معنی خیز فقرہ کہا:

"Pandat Nehro is a pendulum between benaras and moscow"

اس فقرے میں طنز و بلاغت دونوں کا بھرپور اظہار ہے۔ 1937ء میں ایک موقع پر پنڈت جی کو Peter Pan کا نام بھی دیا، جو Sir james Matthew Barrie کے مشہور ڈرامے کا ہیرو ہے۔ جس کا لڑکپن کبھی ختم نہ ہوا۔ یہ پنڈت نہرو کے لیے ایک بہت ہی لطیف طنز تھا۔ پیٹر پین میں عمر بڑھنے کے باوجود عقل اور سوجھ بوجھ میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

پیچیدہ مسئلہ

24 مارچ 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ڈھاکہ میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''قیامِ پاکستان میں روڑے اٹکانے اور منہ کی کھانے کے بعد ہمارے مخالفوں کو ایسے طریقوں کی تلاش ہے جس سے ہمیں کمزور اور تباہ کیا جا سکے۔ ہماری نئی مملکت ابھی قائم نہ ہونے پائی تھی کہ پنجاب اور دہلی کا قتل عام برپا ہوا۔ ہزاروں مرد، عورتیں اور بچے بے دردی کے ساتھ قتل کر دیے گئے، اور لاکھوں گھر سے بے گھر ہو گئے۔ ان میں سے پچاس لاکھ سے زائد افراد چند ہفتوں میں ہجرت کر کے پنجاب آ گئے۔ ان خانماں برباد مہاجرین کی دیکھ بھال اور آباد کاری جو جسمانی اور روحانی دونوں طرح سے زخم خوردہ تھے، ایسا پیچیدہ مسئلہ تھا جو بڑی بڑی مضبوط سلطنتوں کی تباہی کا باعث بن سکتا تھا، لیکن ہمارے دشمنوں کو جو پاکستان کو آغاز ہی میں ملیا میٹ کر دینا چاہتے تھے۔ اس موقع پر بھی مایوسی ہوئی، پاکستان نہ صرف اس طوفان کو جھیل گیا، بلکہ اس آزمائش سے اور زیادہ مضبوط، پاکیزہ اور پختہ کار ہو کر نکلا۔''

پیراڈائز سینما کراچی

2 جولائی 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح پیراڈائز سینما کراچی میں گئے، جہاں انہوں نے اپنے دورۂ مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) کی دستاویزی فلم دیکھی۔ یہ سینما ہال کراچی

میں اب بھی وہیں واقع ہے۔

پیر بخش خان

تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن تھے، قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی پہلی ملاقات ستمبر 1931ء میں مالابار ہل بمبئی میں ہوئی تھی۔ پیر بخش خان نومبر 1904ء میں چودھری محمد بخش کے ہاں پشاور میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی سکول پشاور سے میٹرک کرنے کے بعد ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا، اور آل انڈیا کانگریس سے وابستگی اختیار کی لیکن جب انہیں اس بات کا علم ہوا کہ کانگریس مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنا چاہتی ہے تو 1941ء میں کانگریس سے علیحدگی اختیار کر لی۔

قائداعظم محمد علی جناح اکتوبر 1936ء میں پشاور آئے تو انہوں نے سر پر انگریزی ٹوپی پہن رکھی تھی جناب پیر بخش خان نے کہا:

''لوگوں کو اس پر اعتراض ہے۔ آپ ٹوپی اتار دیں۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے بڑے غصے سے کہا:

''تو''

اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے جلسہ سے خطاب کیا جو انگریزی میں تھا، اس کا اردو ترجمہ پیر بخش خان نے کیا اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''تمہارا ترجمہ میری تقریر سے زیادہ بااثر تھا۔''

پیر بخش خان 1932ء تا 1937 سرحد کی لیجسلیٹو کونسل کے رکن رہے۔ 1942ء میں اسمبلی کی ممبری سے مستعفی ہو گئے۔ پشتو زبان میں سیرت النبی ﷺ پر کتاب لکھی، جو یونیورسٹی کے ہائی پرافیشنی پشتو نصاب میں کافی عرصہ شامل رہی۔ پیر بخش خان دیگر کئی کتابوں کے مصنف تھے۔

پیر بخش قائداعظم مراسلت

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ مالابار ہل

بمبئی 17 اپریل 1936ء

ڈیئر سر

میں اس خط کے ساتھ ایک مطبوعہ خط اور مسلم لیگ کے ریزولیوشن منسلک کر کے بھیج رہا ہوں۔ میں آپ کی خدمت میں ذاتی طور پر اپیل کرتا ہوں کہ آپ اس اجلاس میں شمولیت کو خاص اہمیت دیں۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ آپ اس کی اہمیت کا احساس کریں گے، اور اب میری مکمل حمایت کریں گے اور میرے ساتھ پورا پورا تعاون کریں گے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

خط نمبر 2

شملہ 13 ستمبر 1936

میرے پیارے محترم پیر بخش

آپ کو معلوم ہوگا کہ آج کل شملہ میں ہوں ایک عرصے سے آپ نے کوئی خط وغیرہ نہیں لکھا مہربانی کر کے آپ مجھے مطلع کریں کہ آپ کے صوبے میں حالات کس طرح ہیں کیونکہ میں سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں کہ میں سرحد کے دورے پر آؤں۔ میری نظریں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے صوبے کے لیے مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کی تشکیل کروں لہٰذا مجھے امید ہے کہ آپ مجھے ضرور مطلع کریں گے کہ حالات کی نوعیت کیا ہے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

پشاور

5 اکتوبر 1936ء

مائی ڈیئر مسٹر محمد علی جناح

آپ کے خط کا بہت بہت شکریہ پٹھانوں کی سرزمین پر آپ کی متوقع آمد کی پراسرار خبریں تمام متعلقہ لوگوں تک پہنچا دی گئی ہیں۔ یقین کیجئے کہ اس خبر سے اس علاقے کے لوگوں کو نئی زندگی مل چکی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم آپ سے اس مرحلے پر جب کہ ہر آدمی کو مخلص قیادت کی ضرورت ہے صحیح رہنمائی حاصل کرسکیں گے۔ میں ایک مرتبہ پھر آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری دعوت قبول کرلی ہے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنی آمد سے چند دن پہلے تار کے ذریعے مطلع فرمائیں گے۔ اس طرح ہمیں مناسب انتظام کرنے میں کچھ وقت مل سکے گا۔

آپ کا مخلص

پیر بخش خان

پیر پگاڑہ

آپ حروں کے روحانی پیشوا تھے۔

انگریزوں نے حروں کی تنظیم پر خصوصی توجہ دینے کے سلسلے میں پیر صاحب کو گرفتار کرکے ان پر مقدمہ چلایا چنانچہ نومبر میں قائداعظم محمد علی جناح ان کے مقدمے کی پیروی کرنے کے لیے سکھر گئے تھے۔ فیصلہ 1931ء میں ہوا۔

پیر صاحب پگاڑہ کا اصل نام پیر صبغت اللہ شاہ تھا۔ انگریزوں نے انہیں موت کی سزا دی تھی اور ان کے دو بیٹوں کو تعلیم کے لیے انگلستان بھیج دیا، اور ان کا مرکز جو پیر جو گوٹھ (خیر پور سے 18 میل مسافت پر واقع ہے اسے تباہ کردیا گیا۔

پاکستان کے قیام کے بعد ان کے دونوں بیٹوں میں سے ایک پیر سکندر شاہ صاحب کو 4 فروری 1952ء کو پاکستان لاکر گدی نشین مقرر کیا گیا۔ پیر سکندر شاہ 23 نومبر 1928ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سندھ میں پائی۔ انہیں انگریزی، عربی، اردو اور لاطینی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں ان کے مریدوں نے بھارت کے خلاف جہاد میں بھرپور حصہ لیا۔ 1971ء میں سردار شوکت حیات خان کی جگہ مسلم لیگ کے صدر بنے اور مارچ 1985ء تک صدر کے عہدے پر فائز ہوئے پھر محمد خان جونیجو نے ان کی جگہ لی۔

پیر پور رپورٹ

◆ کانگریسی حکومتوں نے مسلمان عوام پر جو مظالم ڈھائے ان کی تحقیق و تفتیش کے لیے 12 اپریل 1938ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے راجا سید مہدی آف پیر پور کی سربراہی میں ایک کمیشن کا تقرر کیا۔ اس کمیشن کے ارکان نے تقریباً آٹھ ماہ تک ان صوبوں کا دورہ کیا جہاں کانگریسی وزارتیں قائم ہوئی تھیں۔ کمیشن نے چھوٹے چھوٹے شہروں میں جاکر ہر شعبہ ہائے زندگی سے متعلقہ افراد کے بیانات قلمبند کیے۔ تھانوں میں جاکر روزنامچے دیکھے اور مقدمات کی مسلوں کا جائزہ لینے کے بعد 15 نومبر 1938ء کو قائداعظم محمد علی جناح کو تفصیلی رپورٹ پیش کی۔ اس رپورٹ کے بارے میں ایک انگریز اخبار نویس پیٹرک لیسی نے کہا تھا:

> ”بعض لوگوں کو یہ واقعات معمولی نظر آئیں گے ہوسکتا ہے کہ معمولی ہوں، لیکن ہوا کا رخ پہچاننے کے لیے یہی واقعات کافی ہیں اور ان کا جو مجموعی اثر اس وقت ہوا ہوگا وہ بھی ظاہر ہے۔“

رپورٹ میں کہا گیا تھا:

(ا) صوبہ بہار کی لوکل باڈیز سے مسلمانوں کو خارج کردیا گیا ہے۔

(ب) صوبہ بہار میں جب بقرعید اور محرم کی تقریبات

آئیں تو حکومت نے سولہ مختلف مقامات پر مسلمانوں کے خلاف امتناعی احکام صادر کیے۔
(ج) ہندی کو بطور قومی زبان اپنایا گیا ہے اور اس طرح مسلمان بچوں کو ان کی مذہبی تعلیم سے محروم رکھا گیا ہے۔
(د) سکولوں میں بندے ماترم ترانہ پڑھنے کے لیے کہا گیا۔
(ر) کانگریس پارٹی کے ترنگے جھنڈوں کو قومی پرچم قرار دے کر پبلک عمارتوں پر نصب کیا گیا۔
(س) سکولوں میں معصوم بچوں کو مجبور کیا گیا کہ مسٹر گاندھی کی تصویر کو پرنام کریں۔
(ش) سرکاری ملازمتوں کا حصول مسلمانوں کے لیے مشکل قرار دے دیا گیا۔
(ص) مسلمان ریاستوں میں ہندوؤں کو بھڑکا کر والیانِ ریاست کے خلاف احتجاج کرایا گیا۔"

◆ راجہ پیرپور نے کانگریس کی زیادتیوں کے بارے میں اپنی رپورٹ نومبر 1938ء میں پیش کی۔ لیاقت علی خان نے اسے سبز پمفلٹ کی شکل میں، جس کے ٹائٹل پر مسلم لیگ کا پرچم بنا ہوا تھا دہلی سے شائع کرا دیا۔ اگرچہ اس کا مسودہ قائداعظم محمد علی جناح نے نہیں لکھا تھا، تاہم اس کے ''عمومی سروے'' کا آغاز کرنے کی منظوری انہوں نے ہی دی تھی۔ اس کا ابتدائی جملہ یہ تھا:

''فرقہ وارانہ مسائل نے ہندوستان میں سمجھوتہ کو کھٹائی میں ڈال رکھا ہے۔ ہماری ناقص رائے میں یہ ایک حقیقی مسئلہ ہے اور جتنی جلدی اسے حل کر لیا جائے، ملک کے لیے اس قدر بہتر ہوگا۔ فرقہ وارانہ مسئلہ صرف اس صورت میں حل ہو سکتا ہے۔ جب ہندوستان کو آزادی مل جائے، اور ہندوستان آزادی سے صرف اس وقت ہمکنار ہو سکتا ہے، جب فرقہ وارانہ مسئلہ حل کر لیا جائے۔ یہ گورکھ دھندہ ہمیں کسی منزل پر نہیں پہنچائے گا، اور ملک کو بیرونی استحصال کے جال میں پھنسا دے گا، فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل نہ ہونے کا سبب یہ نہیں کہ اقلیتوں کی گروہ بندی اس میں حائل ہے، بلکہ اکثریتی طاقتوں کی گروہ بندی نے اس کا راستہ روک رکھا ہے۔''

رپورٹ میں اواخر 1937ء کے بعد سے کانگریس کے زیرِ حکومت صوبوں میں ہندو مسلم مفادات کے خاص خاص واقعات کی فہرست دی گئی تھی۔ مسلمانوں کے جان و مال کو پہنچنے والے نقصان کے لیے کانگریس کی سرکاری پالیسیوں کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا تھا، اگرچہ اس مختصر سے پمفلٹ میں تفصیلی شہادتیں قلمبند نہیں کی گئی تھیں۔

پیرزادہ شریف الدین

(دیکھئے: شریف الدین پیرزادہ)

پیرس

قائداعظم محمد علی جناح مئی 1928ء میں آئر لینڈ چلے گئے ان دنوں ان کی اہلیہ رتی جناح پیرس کے ایک ہسپتال میں زیرِ علاج تھیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کے ہم سفر دیوان چمن لال بھی تھے جو ساؤتھمپٹن کی بندرہ گاہ سے پیرس روانہ ہو گئے اور قائداعظم محمد علی جناح آئر لینڈ کی طرف۔ دیوان چمن لال جب پیرس پہنچے تو انہوں نے مسز جناح کی عیادت کی اور قائداعظم محمد علی جناح کو تار دی:

''پیرس آ جائیں۔''

چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح پیرس آ گئے اور اڑھائی گھنٹے تک اپنی اہلیہ کے پاس رہے تاہم صحت یابی کے بعد دونوں

میاں بیوی کی لڑائی ہوگئی اور رتی جناح بمبئی واپس چلی گئیں۔

یہ فرانس کا صدر مقام اور تیسری بڑی بندرگاہ ہے۔ یہ بڑا صنعتی، تجارتی، سیاسی اور مواصلاتی مرکز ہے۔ یہ شہر شمالی فرانس کے وسط میں واقع ہے۔ اس کی آبادی 90 لاکھ لوگوں پر مشتمل ہے۔ 987ء سے فرانس کا دارالحکومت چلا آرہا ہے۔ صد سالہ جنگ کے دوران انگریزوں نے پیرس پر قبضہ کرلیا تھا۔ 1439ء میں جون آف آرم نے اسے آزاد کرانے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔ ایفل ٹاور یہاں کا مشہور عالمی شہرت یافتہ مینار ہے۔

پیرس روڈ علی گڑھ

اس سڑک پر نواب صفدر یار جنگ کی کوٹھی واقع تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح جب علی گڑھ تشریف لاتے تو وہ نواب صدر یار جنگ کی کوٹھی پر ہی قیام فرماتے اس کا نام حبیب منزل ہے۔

پیریٹی، کانگریس اور مسلم لیگ

جون 1945ء میں شملہ کانفرنس کے موقع پر کانگریس نے مسلمانوں اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے درمیان پیریٹی یعنی مساوی نمائندگی کی مخالفت نہیں کی۔ ابوالکلام آزاد دل سے پیریٹی کے قائل ہو چکے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کے خدشات حقیقی ہیں، اور پیریٹی کے بغیر ان کو تحفظ نہیں مل سکتا۔ چنانچہ انہوں نے 2 اگست 1945ء کو گاندھی کو ایک خط لکھا جس میں پیریٹی کی پرزور حمایت تھی، لیکن گاندھی نے مولانا ابوالکلام آزاد کو نہایت ناشائستہ طریقے سے جواب دیا۔ اس کے باوجود جب مولانا ابوالکلام آزاد کیبنٹ مشن سے ملے تو انہوں نے کانگریس کے صدر کی حیثیت سے پیریٹی کے خلاف اپنے خیالات پیش کرنے کے بعد مشن سے کہا:

"وہ ذاتی حیثیت میں بھی کچھ کہنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ سپرو کمیٹی کی رپورٹ میں کم از کم ایک تجویز ایسی ہے جو قابل غور ہے لیکن جسے بحث و تمحیص کی گرمی میں فراموش کر دیا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق مرکز میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی مساوی نمائندگی کے اصول پر حکومت بنائی جانی چاہئے اور انتخابات مخلوط ہوں۔ میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ اس تجویز پر مزید غور ہونا چاہیے۔"

مولانا ابوالکلام آزاد اپنے ساتھ صرف آصف علی کو ترجمان کے طور پر لے جاتے تھے۔ جو ان کے انتہائی اعتماد کے آدمی تھے۔ اس لیے انہیں یقین تھا کہ گاندھی کو اس تجویز کا پتہ نہیں چلے گا۔ مزید احتیاط کے طور پر انہوں نے کیبنٹ مشن کے سامنے یہ تجویز سپرو کمیٹی کے حوالے سے پیش کی۔

کرپس نے کہا:

"کیا آپ اس بات سے متفق ہیں کہ ایسی عبوری حکومت بنائی جائے جس میں مسلمان اور ہندو برابر یا اس کے قریب قریب ہوں۔"

مولانا ابوالکلام آزاد نے جواب دیا:

"ابھی تک ورکنگ کمیٹی نے اس پر غور نہیں کیا، تاہم میں اس تجویز کی قبولیت کے لیے پورا زور لگاؤں گا۔ ذاتی طور پر مجھے خدشہ ہے کہ کانگریس مسلم لیگ کے ساتھ مساوات (پریٹی) پر راضی نہیں ہوگی۔"

یہاں کرپس اور الیگزینڈر کے ساتھ نیشنلسٹ مسلمانوں کے نمائندوں کی ملاقات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ یہ ملاقات 16 اپریل 1946ء کو ہوئی۔ مولانا حسین احمد مدنی نے کہا:

"وہ ایک مرکزی حکومت اور ایک دستور ساز اسمبلی کے حق میں ہیں لیکن مرکزی حکومت اور مرکزی دستور ساز اسمبلی میں مسلمانوں اور ہندوؤں کو یکساں نمائندگی دی جائے۔ مخلوط انتخابات ہوں لیکن (مسلمانوں کے لیے) نشستیں مخصوص ہوں۔"

مسٹر جناح آرمی فورسز کے ہمراہ

اظہار الدین نے کہا:

''مرکزی حکومت میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں پیریٹی ہونی چاہیے۔''

حسین لال نے بھی اس تجویز کی حمایت کی۔

اس طرح خفیہ سرکاری دستاویزات کے پبلک ہونے پر پتہ چلا کہ مولانا ابوالکلام آزاد، حسین احمد مدنی اور دوسرے قوم پرست رہنما بھی ہندوؤں کے بارے میں وہی رائے رکھتے تھے جس کا اظہار مسلم لیگ کرتی تھی، لیکن جو کچھ ان کے دل میں تھا وہ پبلک میں کبھی ان کی زبان پر نہیں آیا۔

جب بھی سپرو یا آزاد اور ان کے ساتھی نیشنلسٹ مسلمانوں نے پیریٹی کی تجویز پیش کی تو گاندھی، نہرو اور پٹیل نے اسے غصے اور نفرت سے مسترد کر دیا۔ وی، پی، مینن نے تو دل کی بات کھل کر کہہ دی۔ وہ لکھتے ہیں:

''قوم پرست مسلمانوں نے اپنی قوم کے لیے جو تحفظات مانگے وہ اس قدر زیادہ تھے کہ ان کی موجودگی میں متحدہ ہندوستان کبھی بھی پھل پھول نہیں سکتا تھا۔''

پیریٹی سے کانگریس کی الرجی ان خطوط سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو ابوالکلام آزاد نے بحیثیت صدر کانگریس کیبنٹ مشن کے سربراہ پیتھک لارنس کو لکھے۔ دوسری شملہ کانفرنس کے دوران 6 مئی 1946ء کو وہ اپنے خط کے آخری پیرے میں رقم طراز ہیں:

''ایک اور بات جو ہم واضح کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہمیں انتظامیہ یا قانون ساز اسمبلی میں گروہوں کی مساوی نمائندگی کی تجویز قبول نہیں۔ ہمیں احساس ہے کہ ہر گروہ اور فرقے کے ذہن سے خدشات اور شبہات کے ازالے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے لیکن اس ضمن میں ایسے غیر حقیقی ذرائع استعمال نہ کیے جائیں جن سے جمہوریت کے بنیادی اصولوں کی نفی ہوتی ہو کیونکہ ان کی بنیاد ہی پر ہم اپنا دستور بنانا چاہتے ہیں۔''

یعنی مسلمانوں کے ہر ووٹ کے مقابلے پر ہندوؤں کے تین ووٹ۔

اس کے تین دن بعد 9 مئی 1946ء کو آزاد نے پیتھک لارنس کے نام ایک اور خط میں بھی پیریٹی کی مخالفت کی۔ انہوں نے لکھا:

''دونوں گروہوں (مسلمانوں اور ہندوؤں) کی تعداد میں واضح فرق کی وجہ سے ہم انتظامیہ اور مقننہ دونوں میں مجوزہ مساوی نمائندگی کے سخت خلاف ہیں۔ یہ بے انصافی ہے اور اس سے پریشانی پیدا ہوگی۔ اس طرح کی شق تصادم کے بیج بونے اور آزاد نشوونما کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔''

آزاد نے صدر کانگریس کی حیثیت سے جو خطوط 6 مئی اور 9 مئی کو کیبنٹ مشن کے سربراہ پیتھک لارنس کو لکھے وہ پیریٹی کے بارے میں خود ان کے اپنے بنیادی نظریت کی نفی کرتے ہیں۔ جن کا اظہار انہوں نے 2 اگست 1945ء کو گاندھی کے نام خط میں کیا تھا، اور بعد میں ذاتی حیثیت سے کیبنٹ مشن کے سامنے۔ معلوم نہیں کیوں ان حالات میں کانگریس کی صدارت سے مستعفی ہونے کی بجائے وہ خطوط اور کیبنٹ مشن سے گفت وشنید میں مسلسل اپنے ہی نظریات کی نفی کرتے رہے۔

صدر کانگریس کے 9 مئی 1946ء کے خط سے ایک دن پہلے، 8 مئی 1946ء کو گاندھی نے کرپس کے نام ایک خط میں پیریٹی کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا:

''مسلمان اکثریتی صوبے 9 کروڑ سے زیادہ عوام کی نمائندگی کرتے ہیں جبکہ ہندو اکثریتی صوبے 19 کروڑ عوام کے نمائندہ ہیں۔ یہ (پیریٹی) پاکستان سے بھی بدتر ہے۔ ہماری تجویز یہ ہے کہ مرکزی

قانون ساز اسمبلی اور انتظامیہ کو آبادی کی بنیاد پر تشکیل دیا جائے۔''

اس طرح گاندھی یہ تجویز کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو ہندوستان میں ایک مستقل اقلیت بنا دیا جائے جس کا حکومت چلانے میں عملاً کوئی حصہ نہ ہو۔

سیروائی لکھتے ہیں:

''خالص حسابی سوچ کی آئین سازی میں کوئی جگہ نہیں۔ آئین سازی کے لیے سب سے اہم بات مقصد کا تعین ہے۔ بلاشبہ کانگریس متحدہ ہندوستان کی آزادی چاہتی تھی۔ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر اس کے حصول کے ذرائع اختیار کرنے چاہئیں تھے۔ اگر یہ مقصد پیریٹی کے ذریعے حاصل ہو سکتا تھا تو پھر پیریٹی ہی کو اختیار کر لینا چاہیے تھا جیسا کہ ڈیسائی، لیاقت پیکٹ میں طے ہوا جیسا کہ سپرو کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں سفارش کی، جیسا کہ آزاد نے گاندھی کے نام اپنے 2 اگست 1945ء کے خط میں لکھا اور جیسا کہ قوم پرست مسلمانوں نے کرپس اور الیگزینڈر کے سامنے مطالبہ کیا۔''

لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ کانگریس کا مقصد صرف ہندوستان کی آزادی نہیں بلکہ آزادی کے ساتھ ہندوستان میں ہندو راج کا قیام تھا۔ پیریٹی ہندو راج کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ وہ اونچی ذات کے ہندوؤں کی واحد نمائندہ جماعت کانگریس کو کسی صورت میں منظور نہ تھی۔ اس لیے کانگریس کے تمام ہندوؤں نے پیریٹی کی مخالفت کی۔ اس کا ایک افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس مسئلے پر کانگریس کے صدر ابوالکلام آزاد کو اس اصول کی مخالفت کرنا پڑ رہی تھی جسے وہ ہندو مسلم اتحاد اور مسلمانوں کے مفاد کے لیے سب سے زیادہ ضروری سمجھتے تھے۔

گاندھی پیریٹی کے کیوں مخالف تھے؟ اس لیے کہ اس سے مسلمان ہندوؤں کے برابر کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہ ناقابل برداشت تھا۔ پاکستان کی مخالفت کی بھی وجہ یہی تھی کہ اس کے قیام سے مسلمان ہندوؤں کے مقابلے پر آ جاتے تھے۔

(قائداعظم محمد علی جناح، از: محمد سلیم، مطبوعہ قومی پبلشرز، لاہور)

پے انگ گیسٹ

❶ قائداعظم محمد علی جناح جن دنوں لندن میں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کر رہے تھے انہوں نے 35 رسل روڈ کینسگٹن کے ایک مکان میں پے انگ گیسٹ کی حیثیت سے قیام کیا۔

❷ محمد علی جناح جب پہلی بار لندن پہنچے تو سردی اپنے شباب پر تھی، اور چونکہ وہ اس موسم کے عادی نہیں تھے، اس لیے وہاں کی زندگی انہیں بڑی خشک اور بے جان محسوس ہوئی۔ کئی سال بعد انہوں نے اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

''میرے سامنے ایک اجنبی دیس اور نامانوس ماحول تھا۔ میں لندن میں کسی شخص سے واقف نہ تھا۔ کُہرا اور سردی نے مجھے خاصا پریشان کیا، مگر جلد ہی اس کی وحشت ختم ہو گئی، اور میں خوشی خوشی رہنے لگا۔''

انہیں لندن میں خاصی دیر قیام کرنا تھا، اور ہوٹل میں چونکہ کافی خرچ آتا تھا، لہٰذا وہاں ٹھہرنا مناسب نہ تھا۔ وہ روزانہ اخبارات کے اشتہارات دیکھتے، اور چند ایسے خاندانوں کے پتے نوٹ کر لیتے، جو کرائے پر مکان دینے کے ساتھ کھانے کی ذمہ داری بھی لینے کو تیار تھے۔ آخر انہیں موجودہ اولمپیا کے بالمقابل 35 رسل روڈ کینسگٹن میں رہائش کے لیے جگہ مل گئی اور وہ وہاں پے انگ گیسٹ کے طور پر رہنے لگے۔ مالکان کھانا بھی فراہم کرتے تھے، جس کی الگ سے کرائے کے ساتھ قیمت چکائی جاتی۔

پیسہ اخبار اور وقف علی الاولاد

25 فروری 1910ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے امپیریل لجیسلیٹو کونسل میں یہ سوال کیا:

''کیا حکومت مسلمانوں کی خواہشات کے برعکس پریوی کونسل کے پاس کردہ قانون وقف اور خصوصاً وقف الاولاد سے متعلق قانون بنانا تجویز کرتی ہے؟''

اس سوال کا منشا یہ تھا کہ حکومت کی توجہ اس کی طرف مبذول کرائی جائے کہ پریوی کونسل نے اس سلسلے میں جو فیصلہ کیا ہے۔ مسلمان اس فیصلے کو شریعت کے خلاف سمجھتے ہیں، لیکن راہ ممبر نے قائداعظم محمد علی جناح کے اس سوال کا جو جواب دیا، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ آپ کے سوال کو سمجھنے سے قاصر رہا۔

روزنامہ پیسہ اخبار کا درج ذیل اداریہ اس ضمن میں لکھا گیا، روزنامہ پیسہ اخبار اپنی اشاعت 8 مارچ 1910ء میں اپنے اداریہ میں لکھتا ہے:

''آنریبل مسٹر جناح نے قانون وقف سے جو سوال پچھلے دنوں وائسرائے کی کونسل میں کیا تھا، اس کے جواب میں سر ہنری ایڈمسن نے کہا تھا کہ ''گورنمنٹ کو معلوم ہے کہ وقف سے متعلق قانون کی جو توضیح پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے متعدد فیصلوں میں کی ہے، اس پر اعتراضات کیے گئے ہیں۔ اس وقت گورنمنٹ کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ کوئی قانون جوڈیشل فیصلوں کے مسترد کرنے کے لیے وضع کرے، لیکن گورنمنٹ اس کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ ابتدا کسی ایسی خاص تجویز پر جو ایسا قانون وضع کرانے کی بابت ہو، جس سے خانگی نزاعات کی تعداد محدود ہو جائے لحاظ کرنے کے لیے گورنمنٹ ہر وقت آمادہ ہے بشرطیکہ مسلمان ایسی تجویز کو پسند کریں۔

معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ ہند نے مسلمانوں کے قانون وقف الاولاد کو غلط سمجھا، اور اس نے جو اس بارے میں فیصلہ کیا ہے، قانون اس کے خلاف چاہتا ہے۔ مسلمان صرف اپنے مذہب کے ایک مسئلہ کی پابندی چاہتے ہیں۔ گورنمنٹ سے کسی نئے قانون کے بنانے کی درخواست نہیں کرتے۔ وہ گورنمنٹ پر تمام ممکن دلائل سے ثابت کرنے کو تیار ہیں کہ پریوی کونسل کے فیصلے اس بارے شریعت اسلام کے خلاف ہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ آج سے پہلے جس قدر فیصلے اس بارے میں ہو چکے ہیں، اس بارے میں نئے فیصلے کا اثر ان پر نہ پڑے۔''

مسلمانوں کی شکایت (علی) الاولاد

روزنامہ پیسہ اخبار اپنی 14 مارچ 1910ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

''امپیریل کونسل کے ایک گذشتہ اجلاس میں آنریبل مسٹر جناح نے سوال کیا تھا کہ ''کیا گورنمنٹ مسلمانوں کی متفقہ خواہشوں کے موافق جو پریوی کونسل کے فیصلہ وقف علی الاولاد کے خلاف ہیں۔ قانون بنانا تجویز کرتی ہے۔'' اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ گورنمنٹ کو معلوم ہے کہ وقف سے متعلق قانون کی جو توضیح پریوی کونسل نے کی ہے۔ اس پر اعتراضات کیے گئے ہیں۔ اس وقت گورنمنٹ آمادہ نہیں کہ وہ پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی کے فیصلوں کو مسترد کرنے کے لیے کوئی قانون وضع کرے، البتہ کسی خاص تجاویز پر گورنمنٹ ہمیشہ لحاظ کرنے کے لیے آمادہ ہے، جو ایسا قانون وضع کرانے کی بابت ہوں، جس سے وقف سے متعلق خانگی نزاعات کی

تعداد محدود ہو جائے، بشرطیکہ ایسی تجاویز کو مسلمان پسند کریں۔ سوال اور جواب کو مقابلہ کی میزان میں تولنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ نے مسلمان ممبر کے سوال کو سمجھا ہی نہیں، ورنہ وہ ایسا جواب نہ دیتی۔ مسلمانوں کی خواہش جس کا اظہار مسٹر جناح نے کیا ہے یہ ہے کہ پریوی کونسل نے مسلمانوں کے قانون وقف علی الاولاد کو غلط سمجھا، اس لیے اس نے جو فیصلہ صادر کیا وہ شریعت اسلام کے خلاف ہے۔ پس اس فیصلہ کو مسترد کیا جائے تاکہ آئندہ معاملات پر اس کا کوئی اثر نہ پڑ سکے۔ اس میں شک نہیں کہ جب تک کوئی نیا مقدمہ وقف علی الاولاد سے متعلق پریوی کونسل میں آئندہ در پیش نہ ہو، تب تک پریوی کونسل کو اپنے سابقہ فیصلہ کے مسترد کرنے کی ترغیب دلانا بہت مشکل ہے، اور نہ معلوم یہ بات کب حاصل ہو سکے گی۔ اس لیے جب تک کوئی نیا مقدمہ وقف علی الاولاد کا پریوی کونسل میں نہ جائے، تب تک پریوی کونسل کے سابقہ فیصلہ کے اثر ونظر سے مسلمان برابر نقصان اٹھاتے رہیں گے، اور نظر بریں حالات اگر گورنمنٹ کوئی تجویز وقف علی الاولاد سے متعلق منظور کر لیتی تو پریوی کونسل کو اپنے نقصان دہ فیصلہ کو مسترد کر دینے کے لیے لامحالہ فوری رغبت ہو جاتی۔ گو بعض لوگوں کی یہ ہی رائے ہے کہ پریوی کونسل اپنے فیصلہ کو کبھی رد نہیں کرتی، اور گورنمنٹ کو معلوم ہو چکا ہے کہ پریوی کونسل کا فیصلہ جو قانون وقف سے متعلق ہے۔ اس سے مسلمانوں میں نہ صرف بڑا فکر اور اندیشہ ہی پیدا ہو گیا ہے، بلکہ ایک حد تک ان میں اس فیصلہ کے خلاف ناراضی بھی پھیل گئی ہے، اور جو توضیح کہ پریوی کونسل کے آنریبل ممبر صاحبان نے اپنے فیصلہ میں کی ہے۔ اس سے مشہور اور مستند علماء اور مفتیان اسلام بالکل مختلف رائے رکھتے ہیں۔ امور متنازعہ یہ ہیں کہ جب کوئی مسلمان اپنی جائیداد فی سبیل اللہ خیرات یا ثواب کی غرض سے وقف کرتا ہے، جس سے غریب اور محتاج لوگ نفع اٹھائیں اور وقف ہمیشہ قائم رہے، اور صرف وقف کردہ جائیداد کا منافع اس کام میں صرف ہوتا ہے، جس کی خاطر جائیداد وقف کی گئی ہو تو ایسے وقف کو ''وقف'' کہتے ہیں نہ وقف کنندہ کا کوئی وارث اس کا مالک ہو سکتا ہے اور نہ وہ بیع اور دیگر ذرائع سے منتقل ہو سکتی ہے، البتہ اس کا منافع ضروری کام میں لایا جا سکتا ہے۔ اب پریوی کونسل نے جو فیصلہ کیا ہے، اس کے خلاف مسلمانوں کو اعتراض یہ ہے کہ کسی شخص کا اپنی اولاد کے لیے کسی جائیداد کا وقف کر دینا خیراتی کام کے تحت نہیں آسکتا۔ اس کے خلاف علماء اور مفتیانِ اسلام کی رائے یہ ہے کہ ایسے اوقاف جو اولاد کے لیے کیے جائیں مستحسن ہیں، کیونکہ شرع اسلام ان کو وقف کنندہ کا ایک فعل مسنون بتاتی ہے، جس کا وقف کنندہ کو خدا سے اجر ملے گا، مولوی شبلی اس موقع پر انگریزی زبان کی مثل Charity Begins at Home ''اول خویش بعد درویش'' پیش کرتے ہیں جس کے معنی صاف یہی ہیں کہ خیرات مقدم گھر میں ہونی چاہیے۔ مذکورہ بالا باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ پریوی کونسل کا فیصلہ مسلمانوں کے لیے وقف کے معاملات میں کس قدر نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ گورنمنٹ ہند اس فیصلہ کے مسترد کرانے کے لیے سرکاری طور پر کسی تجویز کے منظور کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ رہے گی۔ جس سے وقف سے متعلق

مسلمانوں کے خانگی نزاعات محدود ہو جائیں اور اگر اس سے مسلمانوں کو کسی قدر آسانی کی توقع ہو سکتی ہے، لیکن پھر بھی مسلمانوں کی اصل مشکل ہرگز دور نہیں ہو سکتی، جن کا ایمان ہے کہ پریوی کونسل کا فیصلہ شرع اسلام کے معنی اور منشاء کے بالکل خلاف ہے، اور یہ لاریب ہے کہ علمائے اسلام، ججان پریوی کونسل کی نسبت منتہائے اسلام کو بہتر سمجھتے ہیں۔ اس لیے میری رائے ہے کہ گورنمنٹ ہند کو اس معاملہ پر مکرر غور کر کے مسلمانوں کی اس اہم شکایت کے دور کیے جانے کے لیے کوئی کارروائی ضرور کرنا چاہیے۔ ہندوستان کے مختلف مقامات میں اس امر پر گورنمنٹ کو توجہ دلانے کے لیے بکثرت میموریل پر مسلمانوں کے دستخط ہو رہے ہیں۔''

مسودہ وقف اور ندوۃ العلماء

اس مسئلہ پر روزنامہ پیسہ اخبار اپنی اشاعت 27ء اپریل 1911ء کو لکھتا ہے:

''مولانا شبلی نعمانی بحیثیت سیکریٹری انجمن وقف علی الاولاد تحریر فرماتے ہیں: ''وقف علی الاولاد کا جو مسودہ مسٹر جناح نے کونسل میں پیش کیا ہے وہ گزٹ آف انڈیا میں شائع ہو گیا ہے، اور گورنمنٹ نے عام رائے حاصل کرنے کے لیے اس کو تمام اہل الرائے کے پاس بھیج دیا ہے، چونکہ یہ مسودہ بہت ناتمام اور قابل ترمیم و اصلاح ہے۔ اس لیے اکثر لوگ بحالت موجودہ اس سے اختلاف کریں گے اور ترمیم و اصلاح چاہیں گے، لیکن چونکہ ایک کو دوسرے کی رائے کی اطلاع نہ ہو گی۔ اس لیے بہت زیادہ ممکن ہے کہ رایوں میں باہم اختلاف ہو اور گورنمنٹ تذبذب میں پڑ جائے۔ مسٹر جناح محرکِ مسودہ نے اپنی تقریر میں خاص طور پر ندوۃ العلماء کے میموریل کا ذکر کیا ہے، اور اس کی عبادت کا اقتباس دیا ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس تحریک کا خیال ندوۃ العلماء ہی کے میموریل سے پیدا ہوا۔ اب مجلس وقف ندوۃ العلماء مسودہ مذکورہ کی نسبت اپنی تفصیلی رائے مرتب کر رہی ہے، لہٰذا عام حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اس رائے کے شائع ہونے کا انتظار فرمائیں، اور جب رائے متفقہ قرار دی جائے تو اس کے موافق گورنمنٹ کی خدمت میں ہر جگہ سے رائیں بھجوائی جائیں، اس سے متحدہ رائے کا اظہار ہو گا، اور یہ کوشش انشاء اللہ بارآور ثابت ہو گی۔''

پیسہ اخبار مزید لکھتا ہے:

''مولانا شبلی کا یہ خیال درست ہے کہ مسٹر جناح کے مسودہ پر جو رائیں مختلف حصص ملک اور مختلف فرقہ ہائے اسلام کی طرف سے گورنمنٹ کو بھیجی جائیں، ان میں اختلاف نہ ہونے پائے اور جملہ اہل اسلام کی طرف سے متفقہ آواز بلند کی جائے تاکہ گورنمنٹ کو معلوم ہو کہ یہ مسئلہ شرع اسلام کا ایک ضروری جزو ہے، اور تمام مسلمان قانون سازی کے ذریعے سے اس کی تصدیق و استحکام کے متمنی ہیں۔''

روزنامہ پیسہ اخبار اپنی 30 جون 1911ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

''آنریبل مسٹر محمد علی جناح بیرسٹر بمبئی کے مسودہ وقف علی الاولاد پر آنریبل مسٹر گوکھلے و باسو کے مسودہ جبریہ تعلیم پرائمری و ترمیم قانون شادی کی طرح لوکل گورنمنٹوں سے استصواب کیا گیا ہے، اور لوکل گورنمنٹیں اپنی اپنی جگہ اپنے ہاں کی لوکل باڈیز سے

رائے طلب کر رہی ہیں، لیکن یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوتا ہے کہ جہاں مسٹر گوکھلے کے مسودہ پر ہر حصہ ملک میں گرم جوشی سے اظہار رائے کیا گیا ہے، اور اکثر مقامات و مجالس سے تائید اور بعض سے اختلاف یا تائید مشروط کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ وہاں مسودہ وقف علی الاولاد پر بہت کم توجہ مبذول کی گئی ہے، اور شاید تمام اسلامی انجمنوں نے ہنوز اپنی رائے لوکل گورنمنٹوں کو نہیں بھیجی ہیں، حالانکہ رائیوں کے ارسال کرنے کی معیاد اب بہت کم باقی رہ گئی ہے اور تائیدی آراء کے کافی تعداد میں موصول نہ ہونے سے مسودہ سے خدانخواستہ سرسبز نہ ہونے کا سخت اندیشہ کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے ملک کے ڈسٹرکٹ لوکل و میونسپل بورڈوں سے عموماً اور اسلامی انجمنوں سے خصوصاً پیسہ اخبار کی استدعا ہے کہ وہ جلد مسودہ مذکور پر اپنی توجہ مبذول کریں، اور جن مجالس نے اب تک کوئی ایکشن نہیں لیا وہ فی الفور اپنی رائے لوکل گورنمنٹ کو بھیج دیں تا کہ لوکل گورنمنٹوں کو مسودہ کی حیثیت وضرورت کے متعلق اپنی صحیح رائے قائم کرنے کا موقعہ ملے اور امپیریل گورنمنٹ مسٹر جناح کے مسودہ کو باضابطہ آگے بڑھانے کی اجازت دے۔''

جناح کا مسودہ جواز وقف علی الاولاد

قائداعظم محمد علی جناح نے وقف علی الاولاد کے متعلق جو مسودہ امپیریل کونسل کے اندر پیش کیا، روزنامہ پیسہ اخبار نے اپنے گذشتہ اداریہ میں مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اس کی حمایت میں قراردادیں پاس کریں، چنانچہ اس اداریہ کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے اور بہت سی انجمنوں نے مسودہ کی حمایت میں قراردادیں منظور کیں۔ درج ذیل اداریہ میں اس پر خوشی کا اظہار کیا گیا، اور ساتھ ہی مسودہ میں چند ترامیم کی ضرورت پر بھی زور دیا گیا۔

روزنامہ پیسہ اخبار نے اپنے 20 جولائی 1911ء کے اداریہ میں لکھا:

''یہ دیکھنا کس قدر طمانیت بخش ہے کہ آنریبل مسٹر محمد علی جناح نامور بیرسٹر بمبئی کے مسودہ وقف علی الاولاد کی تائید میں آواز اٹھانے کی جو ضرورت اہل اسلام کو روزانہ پیسہ اخبار کے متعدد گزشتہ نوٹوں میں جتائی گئی تھی۔ اس پر ارباب قوم کا خیال ایک حد تک رجوع ہوا ہے اور پچھلے دو ہفتے کے اندر بہت سے ایسے اسلامی جلسوں کی روئیدادیں دفتر ہذا میں پہنچی ہیں جن میں وقف علی الاولاد کی تائید کے رزولیوشن پاس کیے گئے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان میں سے بعض رزولیوشن محض وقف علی الاولاد کے ایک قدیم و مسلمہ اسلامی مسئلہ ہونے کا اظہار کرتے ہیں، اور بعض مسٹر جناح کے پیش کردہ مسئلہ کو بہ تمامہ جائز و درست ٹھہراتے ہیں حالانکہ اول الذکر صورت سے مسودہ کی تائید کا ضروری منشاء بخوبی پورا نہیں ہو سکتا، اور ثانی الذکر حالت میں مسودہ کی بعض ایسی دفعات سے بھی اتفاق رائے کیا جاتا ہے، جو نہ صرف غیر ضروری و فضول بلکہ وقف علی الاولاد کے عملدرآمد میں بھی رکاوٹیں ڈالنے اور وقف و موقوفین دونوں کو چند در چند صعوبتوں میں مبتلا کرنے والی ہیں۔ ان باتوں کے علاوہ بعض اطراف میں سرے سے مسودہ کے پیش کیے جانے پر اعتراض اٹھایا گیا ہے، اور قانون سازی کی اس کوشش میں ''شریعت میں دخل اندازی'' قرار دے کر اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس سے ایک نظیر قائم ہو جائے گی، اور آئندہ شریعت کے ہر مسئلہ کو

امپیریل کونسل جدید قانون بنا کر بدل سکے گی، لیکن یہ اعتراض غالباً اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ مسٹر جناح نے اپنے بل کے ذریعے سے وقف علی الاولاد کے اجرا کی کوشش کی ہے، حالانکہ یہ کوئی نیا قانون یا مسئلہ شریعت کی جدید تعبیر نہیں ہے، اور محرک نے اس کا نام بھی ''مسودہ جواز وقف علی الاولاد'' رکھا ہے کہ مسلمہ اسلامی مسئلہ کو جس میں جوڈیشل کمیٹی پریوی کونسل کے غلط مگر طاقتور فیصلوں نے ہندوستان کی عدالتوں کے نئے مخالفانہ نظیر قائم کر دی ہے۔ بذریعہ قانون سازی جائز قرار دلوایا جائے۔ پس یہ گویا ایک قدیم اسلامی مسئلہ کی تصریح تقویت ہے، اور کسی طرح بھی اس کو شرع میں دست اندازی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرا اعتراض چند اصحاب کی طرف سے مسودہ میں جائیداد منقولہ کے وقف کو جائز مان لینے پر کیا گیا ہے۔ جو ان حضرات کے نزدیک شرع میں درست نہیں، لیکن یہ اعتراض بھی غلط فہمی یا عدم تحقیق پر مبنی ہے، ورنہ شرع اسلام نقد روپیہ کے وقف کو جبکہ اصل سرمایہ محفوظ رہے اور صرف اتنا منافع اغراض وقف پر صرف کیا جائے بالکل جائز ٹھہراتی ہے۔ پس رزولیوشن کا مضمون یہ ہونا چاہئے کہ وقف علی الاولاد کے مسئلہ اسلامی کا جواز از روئے قانون تسلیم کرانے کی بابت جو بل آنریبل مسٹر جناح نے امپیریل کونسل میں پیش کیا ہے۔ اس کے اصول سے مسلمانوں کو کامل اتفاق ہے، اور صرف مسودہ کی بعض دفعات میں وہ ترمیم کی ضرورت سمجھتے ہیں۔

رہیں مسودہ کی وہ دفعات جن کی ترمیم قومی فوائد کی حفاظت کے لیے ضروری ہے۔ ان پر کچھ عرصہ قبل روزانہ پیسہ اخبار میں تفصیلی بحث کی جا چکی ہے، لیکن مزید یاددہانی کے لیے یہ جتانا مناسب ہوگا کہ اول تعریفات کی ذیل میں جائیداد منقولہ و غیر منقولہ و رجسٹرار و دستخط وغیرہ کی تعریف لکھی جا چکی ہے۔ جو اس مسودہ پر بھی حاوی ہوگی، اس طرح دفعہ دوم میں گواہوں کی ''تصدیق'' کے بدلے صرف دستخط کا قرار ہونا چاہئے کیونکہ ''تصدیق'' کی کارروائی قانوناً چند در چند رکاوٹیں پیدا کرے گی۔ جس سے بلا ضرورت تاخیر و بدلیع واقع ہوگا۔ دفعہ سوئم میں اصل مدعا یعنی ''وقف علی الاولاد'' کا ذکر ہے، اور پریوی کونسل کے فیصلہ سے اس بارہ میں جو رکاوٹ پیدا ہوئی ہے، وہ اس دفعہ کی رو سے اٹھا لی گئی ہے لیکن انگریزی قانون کی جائیداد کے ہمیشہ ایک ہی خاندان میں رہنے کو اصول تمدن کے خلاف اور ناجائز سمجھتا ہے۔ اس لیے وقف میں اس کی صراحت ہونی چاہئے کہ شرع اسلام کی رو سے ایسی مدافعت وقف کے لیے جائز ہے، اور اس کا فائدہ نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا رہے گا۔ اس کے بعد مسودہ کی دفعات 66 لغات 12 میں ''رجسٹری دستاویز'' وقف کے لیے فضول قواعد بنائے گئے ہیں جن سے وقف کے عملدرآمد میں سہولت کے بجائے الٹی مزاحمت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، اور رجسٹرار کو بعض ایسے اختیارات دیے گئے ہیں جو صرف عدالت ہائے سول کو حاصل ہو سکتے ہیں، لہٰذا ان دفعات کو بالکل اڑا دینا چاہئے اور ان کے بجائے صرف ایسا قاعدہ رکھنا چاہئے کہ جب کوئی دستاویز وقف علی الاولاد کی نسبت کسی افسر رجسٹری کنندہ کے روبرو پیش ہو تو وہ معمولی جانچ پڑتال کے بعد جو مروجہ قانون رجسٹری کی رو سے اس پر لازم ہے۔ دستاویز مذکورہ کو رجسٹری کر دے اور اس جھگڑے سے

کوئی سروکار نہ رکھے کہ آیا وقف کردہ سول جائیداد پر کوئی قرضہ چڑھا ہوا ہے اور وہ قرضہ کہاں تک اس جائیداد سے اتر سکتا ہے۔ یہ امور سول عدالتوں سے طے ہو سکتے ہیں، اور وہیں طے ہونے چاہئیں۔ علیٰ ہذا علی القیاس دفعہ 10 میں وقف کی وفات کے بعد نفاذ وقف کا جو فائدہ مذکور ہے وہ وصیت سے تعلق رکھتا ہے، اور وصیت کے لیے شرع میں جداگانہ قواعد موجود ہیں۔ اس لیے موجودہ قانون میں ان کو داخل کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ترمیمیں رزولیوشن میں مذکور ہونی چاہئیں تاکہ گورنمنٹ کو مسلمانوں کی صحیح رائے مسودہ کی نسبت دریافت کرنے کا موقع ملے، اور وقف علی الاولاد کا جواز شرع کے منشاء کے بموجب قائم ہو سکے۔''

اسلامی وقف علی الاولاد کا مسودہ (1)

روزنامہ پیسہ اخبار کیم مئی 1912ء میں لکھتا ہے:

''روزنامہ پیسہ اخبار کے خاص نامہ نگار شملہ کی تار برقی سے یہ دریافت کر کے اطمینان ہوتا ہے کہ آنریبل مسٹر جناح کے مسودہ وقف علی الاولاد کا جو ڈرافٹ وزیرِ ہند صاحب کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا، اس کا جواب پچھلی ولایتی ڈاک سے موصول ہو گیا ہے، اور صاحب سیکرٹری نے اس کے عام اصول کو منظور فرما لیا ہے، جس کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا تفصیلات کو طے کرنے کی مجاز ہو گی اور امید ہے کہ امپیریل کونسل کے گرمائی سیشن منعقدہ شملہ میں اس بل کو کم از کم ایک منزل آگے بڑھایا جائے گا۔ آنریبل مسٹر جناح اس ضروری محنت کی ابتدائی کامیابی پر مبارکباد کے مستحق ہیں، اور ندوۃ العلماء اور مولانا شبلی نعمانی بھی اپنی مساعی جمیلہ کا کسی قدر عمدہ نتیجہ نکلنے کی خبر پا کر خوش ہوں گے۔''

وقف علی الاولاد (2)

روزنامہ پیسہ اخبار نے اپنی اشاعت 22 مئی 1912ء کو اداریہ میں لکھا:

''مسٹر جناح کے مسودہ وقف علی الاولاد کے متعلق جو مراسلہ گذشتہ سال گورنمنٹ ہند کی جانب سے وزیر ہند کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا، اس کا جواب پچھلی ولایتی ڈاک سے موصول ہو گیا ہے، اور مسلمانانِ ہند یہ سن کر خوش ہوں گے کہ جناب صاحب ممدوح نے اس کے عام اصول کو منظور کر کے گویا عملی طور پر اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ پریوی کونسل کا فیصلہ اس بارے میں بالکل خلاف شرع اسلام اور اس لیے مسلمانوں کے حق میں نہایت مہلک ہے، اور آنریبل مسٹر جناح کی لگاتار اور مسلسل کوشش فی الواقع نہایت ہی قابل قدر ہے۔ مسلمانوں کو خوش ہونا چاہئے کہ شرع اسلام کا ایک ایسا ضروری مسئلہ جس کو پریوی کونسل نے محض غلط فہمی سے ناجائز قرار دے رکھا تھا، اور جس کی بدولت ہزار ہا شریف خاندان خانماں برباد ہو گئے اور ہوتے چلے جا رہے تھے، آخر کار کامیابی کی ابتدائی منازل طے کر رہا ہے۔''

وقف بل اور آنریبل مسٹر جناح

روزنامہ پیسہ اخبار 18 جولائی 1912ء کی اپنی اشاعت میں لکھتا ہے:

''چونکہ امسال گورنمنٹ ہند کے قیامِ شملہ کے دوران میں دیگر اہم مصروفیتیں رکھنے کے باوجود اس امر کا پہلے ہی فیصلہ کیا جا چکا تھا کہ صرف اشد ضروری

قوانین ہی شملہ کے اجلاس امپیریل کونسل میں پیش کیے جائیں گے۔ اس لیے آنریبل مسٹر جناح کا پیش کردہ مسودہ وقف علی الاولاد کی مزید کارروائی بھی کونسل کے آئندہ سرمائی اجلاس تک ملتوی رہے گی، لیکن اس اثناء میں چونکہ قانونی کونسلوں کا جدید انتخاب عمل میں آنے والا ہے۔ اس لیے اگر مسٹر جناح نے خود کو دوبارہ انتخاب کے لیے پیش نہ کیا جس کا گمان غالب ہے تو اس مسودہ کی راہ میں ایک قسم کی رکاوٹ پیدا ہو جائے گی کیونکہ مشہور مثل ''تصنیف را مصنف نیکو کند بیان'' کے موافق مسٹر جناح اس مسئلہ کے مالدو ماعلیہ سے واقف ہیں، اور اپنے تیار کردہ مسودہ کی خوبیاں اور ضرورت دیگر ممبران کونسل کے ذہن نشین کرا سکتے ہیں، وہ بات کسی دوسرے ممبر سے بہ مشکل حاصل ہو سکتی ہے لیکن امید لگانی چاہئے کہ اگر مسٹر جناح بطور انتخابی ممبر کے اس مرتبہ کونسل میں نشست نہ کر سکے تو گورنمنٹ ان کو نامزدگی کے ذریعے سے قائم رکھ کر اس خدشہ کا سدِ باب کر دے گی، ورنہ بصورت دیگر کسی دوسرے مسلمان ممبر کو اس مسودہ کی تائید و تفہیم کا کام سپرد کر دیا جائے گا، جبکہ سابق ٹیکہ (حال راجہ) صاحب نابھ کا پیش کردہ انند میرج بل راجہ صاحب موصوف کے دوبارہ نامزد نہ ہو سکنے کی وجہ سے آنریبل سردار سندر سنگھ مجیٹھ کے سپرد کر کے پاس کرا دیا جا چکا ہے۔

افسوس ہے کہ آنریبل مسٹر جناح نے امپیریل کونسل میں اسلامی فوائد کی کافی نگہداشت نہ کی اور اکثر معاملات پر ان سے خلاف توقع رائیوں کا اظہار ہوا، خصوصاً آنریبل مسٹر باسو کے مسودہ شادی پر انہوں نے شرع اسلام کی ترمیم میں کوئی حرج نہ دیکھا، جس پر اہلِ اسلام کا ان سے کبیدہ خاطر ہونا بالکل سچا ہے، اور ان کے انتخاب کی بہت ہی کم امید لگائی جا سکتی ہے۔''

پیسہ اخبار لاہور

جنوری 1887ء میں یہ اخبار لاہور سے منشی محبوب عالم نے جاری کیا۔ ہفتہ وار پیسہ اخبار کے مدیر کو اگرچہ قائداعظم محمد علی جناح کے نظریہ مخلوط انتخاب اور ہندو مسلم اتحاد سے اختلاف تھا، تاہم اس کے باوجود انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں اپنا رویہ ہمدردانہ رکھا اور 8 مارچ 1910ء کو اسی اخبار کو قائداعظم محمد علی جناح پر پہلا اداریہ لکھنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ یہ ایک مکمل اخبار تھا۔ اس کے مالک و ایڈیٹر منشی محبوب عالم پڑھے لکھے اور جہاندیدہ شخص تھے اور صحافت کے رموز و نکات سے واقف ہونے کے لیے یورپ کا سفر کر چکے تھے۔ یہ اخبار 1924ء میں بند ہو گیا۔

یہ پہلے پہل فیروز والا (گوجرانوالہ) سے ''ہمت'' کے نام سے نکلا۔ ازاں بعد منشی محبوب عالم لاہور آئے تو انہوں نے اسے روزنامہ کر کے اس کا نام پیسہ اخبار رکھا۔ زمیندار اخبار کے اجرا پر اس کا زوال شروع ہوا۔

اخبار کے مدیر منشی محبوب عالم فیروز والا ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے منشی فاضل کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی اوائل عمر میں ان کی طبیعت اور فکر زراعت اور دیہاتی صنعت و حرفت کی طرف مائل تھی۔ وہ مقامی انجمن ترقی زراعت کے سیکرٹری تھے اور فن زراعت و باغبانی کی تعلیم کو فروغ دینے کے خواہش مند تھے۔ گھر کی مالی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی تاہم امداد لے کر فیروز والہ ضلع گوجرانوالہ میں خادم التعلیم کے نام سے ایک پریس قائم کیا۔ 1886ء میں 21 سال کی عمر میں زمیندار کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا جس کی کتابت در سنگ سازی خود کرتے تھے۔ پریس سے کچھ آمدنی ہونے لگی تو

دہلی میں مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے ایک اجلاس کا منظر۔ قائداعظمؒ صدارت کر رہے ہیں۔

ہفت روزہ ہمت کا اجراء کیا جسے انہوں نے بعد میں پیسہ اخبار کا نام دیا۔ پھر لاہور آئے تو پیسہ اخبار کو روزنامہ کر دیا۔ منشی محبوب عالم نے نہ صرف پیسہ اخبار کو روزانہ کیا بلکہ اخبارات کا ایک ذخیرہ قائم کیا۔ ان میں انتخاب لاجواب بچوں کا اخبار، شریف بی بی، باغبان، کلید امتحان شامل تھے، وہ اردو کے پہلے صحافی تھے جنہوں نے اخبارات کے ناموں میں ضابطہ بندی کی اہمیت محسوس کی۔ 1903ء میں جب یہاں سراج الدین نے ان کے ایک سابق ماہنامہ زمیندار کے نام سے ایک ہفت روزہ نکالا تو انہوں نے اعتراض کیا۔ لاہور میں بھی ایک شاندار پریس قائم کیا، اور اس میں 17 مشینیں لگائیں۔ لالہ لاجپت رائے کے عقیدت مند اور گہرے دوست تھے۔ پیسہ اخبار میں غیر حکومت کی چیرہ دستیوں کو بے نقاب کیا کرتے تھے جدید خیالات اور نئے رجحانات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے یورپ گئے، اور واپسی پر سفرنامہ یورپ لکھا جس پر حکومت پنجاب نے 400 روپے کا انعام دیا۔ اس سفر کے زیراثر انہوں نے رسالہ انتخاب لاجواب نکالا۔ مئی 1933 میں انتقال کیا۔

پیشہ وارانہ تکریم

شوگاؤں جہاں گاندھی آشرم تھا، اور جہاں وہ تنہا ایک کٹیا پر پرارتھنا کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک بڑا سانپ آ گیا، کہا جاتا ہے کہ گاندھی نے کسی خوف کا اظہار نہ کیا اور پراتھنا میں مصروف رہے، سانپ نے آپ کے گرد ایک چکر کاٹا اور واپس چلا گیا۔ اس خبر کو ہندو اخبارات نے بہت اچھالا، اسے مہاتمائیت کی ایک دلیل قرار دیا گیا اور کرامت کہا گیا، ملک بھر میں اس واقعہ کی بہت دھوم مچی کچھ اخبارنویس قائداعظم محمد علی جناح کے پاس آئے اور پوچھا:

''کیا آپ کے نزدیک یہ واقعہ درست ہے یا محض پروپیگنڈہ ہے؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''درست بھی ہو سکتا ہے۔''

پوچھا گیا:

''سانپ کے اس طرزِ عمل کی آپ کے نزدیک کیا توجیہہ ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

"Professional Etiguette"

''فقط پیشہ وارانہ تکریم اور کچھ نہیں۔''

اس پر سب اخبارنویس خوب ہنسے، ان دو لفظوں نے ملک کی سیاسی فضا پر فوری اثر کیا اور پھر کانگریس کی طرف سے کبھی اس واقعہ کو ہوا نہ دی گئی۔

پیکارڈ (کار)

یہ کار قائداعظم محمد علی جناح کے زیر استعمال تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اسے 1938ء میں کلکتہ سے دارا جی کی نامی کمپنی سے خریدا تھا اور اس کی نمبر پلیٹ پر کلکتہ ہی کا نمبر 715 ایم 1327 لکھا ہے۔ یہ کار 1938ء سے 1948ء تک قائداعظم محمد علی جناح کے استعمال میں رہی۔ پاکستان کے قیام کے بعد یہ کار محترمہ فاطمہ جناح استعمال کرتی رہیں۔ بعدازاں یہ کار فلیگ سٹاف ہاؤس میں کھڑی رہی۔ 1969ء میں محترمہ شیریں بائی نے اسے مہتہ پیلس لانے کا حکم دیا پھر یہ کار قائداعظم محمد علی جناح یادگاری بورڈ کی درخواست پر بورڈ کو دے دی گئی تاکہ اسے مزار قائداعظم محمد علی جناح پر بنائے جانے والے قائداعظم عجائب گھر میں رکھا جائے۔ اس کار میں آٹھ سلنڈر لگے ہوئے ہیں۔ گاڑی میں اگلے دو ٹائر پرانے زمانے کے ہیں اور ان پر گریٹ برٹن لکھا ہوا ہے پچھلے دونوں ٹائر نئے لگائے گئے ہیں۔ 26 جون 1974ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی اس کار کو مزار قائداعظم محمد علی جناح پر پہنچا دیا گیا۔

پیشین گوئی

یکم نومبر 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے پیشین گوئی کی:

''مسلم لیگ انتخابات میں بھاری اکثریت سے جیت جائے گی۔''

ایسوی ایٹڈ پریس کے رپورٹر کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

''میں پاکستان کے خلاف ان نکتہ چینوں سے اتفاق نہیں کر سکتا، جن کا استدلال یہ ہے کہ یہ منصوبہ قابل عمل نہیں، ہمارا اگلا قدم یہ ہو گا کہ برطانیہ سے پاکستان کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کریں۔''

ت

تابناک مستقبل

قائداعظم محمد علی جناح نے 15 جون 1948ء کو کوئٹہ کے شہریوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''نمائندہ حکومت اور ایسے ادارے جو عوام کی نمائندگی کرتے ہوں، یقیناً اچھے ہوتے ہیں لیکن جب لوگ انہیں ذاتی ترقیوں کا زینہ بنا لیں تو وہ اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھتے ہیں اور بدنام ہو جاتے ہیں۔ ہمیں ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے، اور یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب ہم اپنے عمل کا جائزہ لیتے رہیں، اور کسی ذاتی یا طبقاتی مفاد کی نہیں بلکہ ملک کے عام مفاد کی کسوٹی پر انہیں پرکھتے رہیں۔

میرا کہنا یہ ہے کہ آپ قدم اٹھانے سے پہلے سوچیں اور غور کریں کہ آیا آپ یہ قدم کسی ذاتی یا علاقائی پسند اور ناپسند کی بنیاد پر اٹھا رہے ہیں یا اس سے ملک کا مفاد وابستہ ہے۔ اگر ہر شخص اس طرح اپنا جائزہ لیتا رہے، اور خود بھی دیانت داری برتے اور بلاخوف و رعایت دوسروں کو بھی دیانت داری برتنے پر مجبور کرے تو مجھے مستقبل نہایت تابناک نظر آتا ہے، اگر سرکاری اور غیر سرکاری سب ہی لوگ اس جذبے اور اس انداز سے کام کریں تو تمام ملک پر اس کا نقش قائم ہوگا، اور پاکستان فخر اور کامیابی کے ساتھ دنیا کے ایک عظیم ملک کی حیثیت سے ابھر آئے گا۔''

تاج الدین، پیر

1936ء میں قائداعظم محمد علی جناح لاہور تشریف لائے تو علامہ اقبال، ملک برکت علی، خیفہ شجاع الدین، غلام رسول خان اور پیر تاج الدین نے ایک بیان میں قائداعظم محمد علی جناح کی دوراندیشی کی تعریف کی اور کہا:

''انہوں نے ایسے موقع پر مسلمانوں کی قیادت کا بیڑہ اٹھایا ہے، جب کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے تحت نئے انتخابات کا وقت قریب آرہا ہے۔''

پیر تاج الدین نے قائداعظم محمد علی جناح کو ہر ممکن یقین دلایا:

''ہم قائداعظم کے ہر اس اقدام کی تائید و حمایت کریں گے جو مسلمانوں کے مفاد میں ہوگا۔''

پیر تاج الدین 1917ء میں پنجاب مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری بنے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے بھی رکن تھے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو لندن سے واپسی پر ایک کھلا خط لکھا جس میں ان سے درخواست کی گئی تھی:

''آپ مسلم لیگ کو ایک فعال جماعت بنائیں۔''

1930ء میں لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے دوسری بار احیاء کے موقع پر پیر تاج الدین کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا رکن بنالیا گیا۔

تاج علی خان

مسلم لیگ سرحد کے صدر تھے، اور بازار احمد خان بنوں کے گاؤں کے رہائش پذیر تھے۔ والد خان بہادر غلام حیدر خان 1932ء سے 1936ء تک سرحد آئین ساز کونسل کے ممبر رہے۔ قائداعظم محمد علی جناح جب 1936 میں سرحد تشریف لائے اور سرحد میں مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلہ میں صوبائی پارلیمنٹری بورڈ بنایا گیا تو خان بہادر غلام حیدر خان کو اس بورڈ کا ممبر بنایا گیا۔ انہوں نے بنوں میں مسلم لیگ کے قیام کے لیے انتھک جدوجہد کی۔ وہ 1899ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بنوں میں حاصل کرنے کے بعد اسلامیہ کالج پشاور میں داخلہ لیا۔ ایف اے سے تعلیم چھوڑ کر ملکی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا تو لوگوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا:

> ''قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ میں شامل ہو کر قومی بہبود اور قومی حقوق کے تحفظ کے لیے جدوجہد کی جائے۔''

جلسے میں خان بہادر غلام حیدر خان، خان تاج علی خان اور نصراللہ خان وزیر ایڈووکیٹ نے پرجوش تقریریں کیں۔ بنوں کے ضلع میں کانگریس نے بری طرح اپنے پنجے گاڑھے رکھے تھے مگر مغلا حیدر خان اور ان کے بیٹے تاج علی خان کی کوششوں نے کانگریس کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ 1940ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے لاہور کے اجلاس میں خان بہادر غلام حیدر خان فوجدار خان اور حکیم فضل الرحمٰن، تاج علی خان اور بنوں کے کئی دوسرے مسلم لیگیوں نے شرکت کی۔

خان بہادر غلام حیدر خان کے بھتیجے ظفر علی خان قائداعظم محمد علی جناح کے حفاظتی دستے کے ایک رکن تھے۔ اس جلسے میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی، اور اس کے بعد آپ نے تحریک پاکستان کی تبلیغ کے لیے کام شروع کیا۔ اس سلسلے میں ہندوستان بھر کے مسلم زعما کو بنوں میں مدعو کیا گیا اور کئی بار پاکستان کانفرنسوں میں بنوں میں انعقاد ہوا۔ 1943ء میں خان تاج علی خان کو صوبہ سرحد مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا گیا۔ انہوں نے سرحد مسلم لیگ کا صدر منتخب ہونے کے بعد مسلسل پانچ سال تک دن رات پاکستان کے حصول کے لیے انتھک جدوجہد کی۔ انہوں نے اپنی جائیداد کا کثیر حصہ تحریک پاکستان کے لیے خرچ کیا۔ 1945ء تک سرحد مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے حتی الامکان تحریک پاکستان کے لیے بے لوث جدوجہد کی۔ خان بہادر غلام حیدر خان بھی دمِ واپسیں تک مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کا پرچار کرتے رہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے بے شمار مالی قربانی کی، کیونکہ کوئی تحریک مالی قربانی کے بغیر پروان نہیں چڑھ سکتی۔ باوجود ان کوششوں کے سرحد مسلم لیگ باہمی انتشار کا شکار ہوگئی۔ جس سے سرحد میں کانگریس کو کامیابی حاصل ہوئی اور 1945ء میں سرحد سے مسلم لیگ کی وزارت کا خاتمہ ہوا۔ 1946 کے انتخابات میں خان تاج علی خان نے مسلم لیگی امیدواروں کو کامیاب کرانے کے لیے بھرپور کوشش کی۔ سرحد میں تحریک سول نافرمانی اور ریفرنڈم کے دوران ان کے تمام گھرانے نے انتھک کوشش کی۔ قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ریفرنڈم کے دوران دن رات ایک کیے اور بنوں کے ضلع میں ہر ایک حلقے میں جا کر لوگوں کو کہا:

> ''وہ پاکستان کے حق میں ووٹ دیں۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو ساری عمر ہندوؤں کی غلامی میں جکڑ لیے جائیں گے اور کبھی بھی ہندوؤں کی غلامی سے چھٹکارا نہ حاصل کر سکیں۔''

وہ موٹر جسے تحریک پاکستان کے لیے وقف کیا گیا تھا۔ اسے فاتح کانگریس کا نام دیا گیا تھا۔ جواب بھی بطور یادگار ان کے خاندان کے افراد کے پاس موجود ہے۔ ان کے بھتیجے ظفر علی

خان کا نام تحریک پاکستان میں خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ انہوں نے کم سنی میں تحریک پاکستان کے اپنے چچا کے ساتھ بنوں کے گاؤں کا دورہ کیا۔ ظفر علی خان کے والد کا نام سردار علی تھا جو تاج علی خان کے چھوٹے بھائی تھے۔ انہوں نے پرائمری سکول بازار احمد خان میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور بنوں سٹی اسلامیہ ہائی سکول سے 1936ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ پھر ویدک بھراتری کالج ڈیرہ میں داخلہ لیا اور وہاں سے 1941ء میں بی اے پاس کر کے علی گڑھ یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ دوران تعلیم مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن میں شامل ہوئے، اور مسلم لیگ کے لیے دن رات کام کرتے رہے۔ یوپی، شاہجہان پور اور اردگرد کے گاؤں میں جا کر تحریک پاکستان کے لیے بڑا کام کیا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نیشنل گارڈ کے سالار اعلیٰ تھے۔ آپ نے 150 نیشنل گارڈ کو عسکری تربیت دی۔ 1943ء میں کراچی میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا تو اس میں بحیثیت سالار اعلیٰ یوپی مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا تو اس میں بحیثیت سالار اعلیٰ یوپی مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے پانچ سو گارڈز کو لے کر شامل ہوئے۔ ان دنوں یوپی کے سالار اعلیٰ لکھنؤ کے ڈاکٹر مانی تھے۔ وہ اپنی بیماری کی وجہ سے نہ آسکے۔ اس لیے انہوں نے ان کو قائم مقام سالار اعلیٰ یوپی مسلم لیگ نیشنل گارڈز مقرر کر کے کراچی کے اجلاس میں بھیجا۔ ان کی پلاٹون سلامی اور مارچ پاسٹ میں اول آئی، یہ پلاٹون ان کی کمان میں تھی۔ نواب محمد اسماعیل خان نے اعلیٰ کارکردگی کی بنا پر ایک صد روپیہ انعام میں دیا۔ جب بھی قائداعظم محمد علی جناح علی گڑھ یونیورسٹی تشریف لاتے تو وہ اپنے دستے کے قائد کی حیثیت سے گارڈ آف آنرز پیش کرتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے دو دفعہ ہاتھ ملا کر ان سے کہا تھا:

''میں بہت خوش ہوں کہ آپ نے اپنی پلاٹون کو بہترین ٹریننگ دی ہے۔''

1940ء میں اپنے چچا تاج علی خان کے ساتھ لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں بطور نیشنل گارڈ کے شامل ہوئے۔ جس میں قرارداد پاکستان پیش ہوئی تو قائداعظم محمد علی جناح کے چھ باڈی گارڈز میں سے ایک تھے، حالانکہ دفعہ 144 لگی ہوئی تھی مگر باوجود اس کے نڈر ہو کر قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ 55 بور کی رائفل ساتھ لے کر ان کی حفاظت کرتے رہے۔ 1944ء میں وکالت کی ڈگری لی اور بنوں میں وکالت شروع کی۔ اس دوران چچا کے ساتھ تحریک پاکستان میں سرگرم حصہ لیتے رہے۔ 1950ء میں جوڈیشل سروس میں مقابلے کے امتحان میں کامیاب ہوئے، اور مختلف مدارج طے کرتے ہوئے ایڈیشنل سیشن جج لاہور کے عہدے پر فائز ہوئے۔

ستمبر 1970ء تک لاہور میں رہے۔ ون یونٹ کے خاتمہ کے بعد صوبہ سرحد آئے اور سینئر سول جج پشاور بنے۔

15 اپریل 1971ء ایڈیشنل ڈسٹرکٹ سیشن جج ایبٹ آباد مقرر ہوئے۔ اکتوبر 1971ء میں مردان تبدیل ہوئے۔ اپریل 1972ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے

تاج علی خاں قائداعظم مراسلت

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ، مالا بارہل

بمبئی 18 فروری 1944

پیارے تاج!

میں آپ کے خط کی رسید لکھ رہا ہوں جس میں آپ نے صوبہ سرحد میں جرگہ کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں۔ آپ نے صوبہ سرحد کی حالت کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اچھا دماغ اور تعلیم یافتہ طبقہ اپنی خدمات کو احسن طریقے پر انجام نہیں دے رہا ہے۔ یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ تمام لوگوں کو اس بات کا احساس دلائیں کہ وہ اپنے آپ کو پہلے درست

کرلیں، اور مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ جو مخلص ہیں جنھوں نے ان تجربات سے سبق حاصل کیا جو خاص طور پر گزشتہ 18 ماہ سے رونما ہو رہے ہیں۔ مرکز ان کی ہر طرح امداد، تعاون اور ہدایت کے لیے ہر وقت تیار ہے لیکن اس کی جڑ صوبہ ہی میں ہے، لہٰذا اس بات کا انحصار آپ پر ہے کہ تمام لوگوں کو بے لوث خدمات کے لیے تیار کیجیے تا کہ وہ ایک مقصد کو حاصل کر سکیں اوران میں ٹھوس تنظیم یکجہتی اور ڈسپلن پیدا کرنے کی کوشش کیجیے، تا کہ وہ ایک مقصد کو حاصل کر سکیں۔ میں ہر وقت ایسی معلومات کو خوش آمدید کہوں گا آپ مطلع کیجیے کہ حالات کس طریقہ سے پروان چڑھ رہے ہیں، اور عوام کے غور وفکر کا کیا طریقہ ہے۔ آپ میرے پریس بیان کو ضرور دیکھیں جسے میں مسلم وزراء اور قانون ساز اسمبلی اور صوبہ سرحد کے اسپیکر سے ملاقات کرنے کے بعد دیا ہے۔ چند لائنیں تحریر کر دی گئی ہیں، اور میں یہ امید کرتا ہوں کہ اس پر جہاں تک جلد ممکن ہے عمل کیا جائے گا۔

مخلص

ایم اے جناح

تاج ہوٹل (دہلی بمبئی)

قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں مسلم لیگ کونسل کا آخری اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں 3 جون منصوبے کی وضاحت کی گئی، اور مسلم لیگ کے موقف کو طے کیا گیا اور قائداعظم محمد علی جناح کو ایک قرارداد کے ذریعے اس بات کا اختیار دیا گیا:

> ''وہ مصالحت کے طور پر منصوبے کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کریں۔''

اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

> ''میں نے پاکستان کے نو آبادیات درجہ محض عبوری مدت کے لیے منظور کیا ہے اور اس فیصلہ کا انحصار پاکستان کی دستور ساز اسمبلی پر ہے کہ آیا وہ برطانوی دولت مشترکہ میں رہنا چاہتے ہیں یا نہیں۔''

1915ء میں تاج ہوٹل بمبئی میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں قائداعظم محمد علی جناح اصلاحات کی اسکیم کا مسودہ تیار کرنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کرنے کی تجویز پیش کی۔ 1928ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح اور ان کی اہلیہ رتن بائی کے مابین ناچاقی ہوگئی تو رتن بائی اسی ہوٹل میں منتقل ہوگئیں۔ 25 دسمبر 1945ء کو اس ہوٹل میں قائداعظم محمد علی جناح کی سترہویں سالگرہ منائی گئی۔ میمن مرچنٹ ایسوسی ایشن نے قائداعظم محمد علی جناح کو عصرانہ دیا اس موقع پر اسلامی ممالک کے نمائندے بھی موجود تھے۔

تاجدار پاکستان

اس کتاب کے خالق نذیر احمد لدھیانوی تھے اور اسے مرکنٹائل پریس لاہور نے 1946 میں شائع کیا۔

تاجروں سے خطاب

میمن چیمبر آف کامرس بمبئی کے ایک اجتماع میں قائداعظم محمد علی جناح کی حیات آفرین تقریر!

یہ خطاب قائداعظم محمد علی جناح نے 27 مارچ 1947ء کو کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

> ''مستقبل قریب میں پاکستان کے اندر کسی قسم کے بحران سے دوچار نہیں ہونا پڑے گا۔ ایسا ہونا بہت غیر ممکن سا واقعہ ہے، آپ اپنی حکومت میں معاشرتی عدل وانصاف اور اشتراکی نظام کے قیام میں کافی حد تک ممد و معاون ثابت ہوں گے۔ معاشرتی انصاف اسلامی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہے۔ ہر حکومت میں ایسا ہونا چاہیے تا کہ وہ حکومت دنیا کو بتا سکے کہ وہ اقتصادیات

اور معاشرتی انصاف میں کامل یقین رکھتی ہے۔

بہت سی دوسری قومیں جن میں ہندوؤں کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ جھوٹے پروپیگنڈے پھیلا کر لاتعداد غلط فہمیاں پیدا کر رہی ہیں۔ اُن کو اتنا بدظن کر دیا گیا ہے کہ وہ ہمیں مشتبہ نگاہوں سے دیکھتی ہیں، اور وہ یہ سمجھ رہی ہیں کہ ان کے خلاف کوئی معاندانہ لائحہ عمل تیار کر رہے ہیں۔ ہمیں پاکستان قائم کرنا ہے، اور اس میں صرف مسلمانوں کی بھلائی ہی نہیں ہوگی۔ پاکستان کا مطلب ہے آزادی کسی خاص ایک قوم کے لیے نہیں بلکہ سب کے لیے۔ آزادی پاکستان کا مطلب دونوں کے لیے آزادی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے دل میں عظیم الشان ہندو قوم کی بہت عزت ہے۔ اُن کا اپنا دھرم ہے۔ اپنا فلسفہ ہے۔ وہ اپنا تمدن رکھتے ہیں عین اُسی طرح جس طرح مسلمان اپنا ایمان، فلسفۂ حیات اور تمدن رکھتا ہے لیکن دونوں الگ الگ قومیں ہیں۔

میں پاکستان کے لیے لڑ رہا ہوں کیونکہ ہمارے مسائل کا یہی ایک عملی حل ہے، متحدہ ہندوستان کا تصور اور پارلیمانی خطوط پر طرزِ حکومت ایک لایعنی خواب ہے، اور ایک غیر ممکن شے ہے۔ ہندوستان نہ تو ایک ملک ہے اور نہ ہی ایک قوم، اس میں بیسیوں قومیں ہیں۔

میں یہاں بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے ذہنوں میں یہ تصور کس نے راسخ کیا؟ ہندوستان ایک رہے یا تقسیم ہو جائے، آخر انگریزوں کا اس سے کیا واسطہ ہے! اس کے متعلق وہ کیوں پریشان ہو رہے ہیں؟ وہ کیوں اُمیدوں کے خلاف حوصلہ افزائی کر کے ملک کی قیادت کے لیے کچھ اور راہیں پیدا کر رہے ہیں۔ انگریز جا رہے ہیں انہیں یہاں سے جانا ہی پڑے گا لیکن وہ متحدہ ہندوستان کا راگ کیوں الاپ رہے ہیں۔ وہ اس راز کو خود ہندوستانیوں سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ ان کی نجات ہی اسی میں ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جب تک وہ متحدہ ہندوستان پر مصر رہیں گے، تباہی و بربادی اور قتل و خون کا دور دورہ قائم رہے گا۔ انگریزوں کی یہی چال رہی ہے، اور اب جب کہ وہ ہندوستان چھوڑ رہے ہیں مسلح کیمپ میں جوش و خروش پیدا کر رہے ہیں۔

میں مسلمانوں، ہندوؤں اور دیگر اقوام سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ حالات کا بغور مطالعہ کریں اور خوابوں کی دُنیا میں بسنے کی کوشش نہ کریں۔

آیئے اب عملی آدمیوں کی طرح قدم اُٹھائیں، اور اصول تقسیم کو تسلیم کر لیں۔ ہم پاکستان میں رہیں گے اور آپ ہندوستان میں۔ ہم ہمسائیوں کی طرح زندگی بسر کریں گے ہمیں غیر ملکیوں کی ضرورت نہیں ہم دوستوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں۔ ہم صنعت و تجارت میں دوست رہیں گے، اور دو بھائیوں کی طرح رہیں گے۔ یہی پاکستان ہے۔

حقیقت ایک کھلا راز ہے کہ مسلمانوں کی صفوں میں تشتت و افتراق پیدا کرنے کے لیے کتنی دولت صرف کی جا چکی ہے۔ دس سال کا عرصہ گزر چکا ہے، اور ہم اس آزمائش اور امتحان میں پورے اترے ہیں۔ آج مسلمان ایک متحد و منظم قوم ہیں اور پاکستان کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار ہیں۔ یقیناً ہم پاکستان قائم کر کے رہیں گے کیونکہ پاکستان کے سوا ہمارے لیے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ پاکستان کی منزل روز بروز قریب آ رہی ہے، لہٰذا آیئے اب مطالبہ پاکستان کو تسلیم کر کے التوائے جنگ کا اعلان کر دیں الگ

الگ رہ کر ترقی کی منازل طے کرنا ایک جگہ رہ کر غلامی کی زندگی بسر کرنے اور ہر چیز کو تباہ و برباد کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ متحدہ ہندوستان سراسر بربادی پر منتج ہوگا۔ آخر یہ تباہی و بربادی کیوں؟ اس کا جواب بہت مشکل نہیں ہے۔

اکھنڈ ہندوستان کا مطلب یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم پر حکومت کرے گی۔ متحدہ ہندوستان کا مطلب یہ ہے، ہندوؤں کے تین ووٹ ہوں گے اور مسلمانوں کا ایک اس لیے ایک قوم اپنی پیمانہ اکثریت کے بل بوتے پر حکومت کر کے دوسری قوم پر اپنے تصورات مسلط نہیں کر سکتی۔

مجھے کامل یقین ہے کہ یہ دونوں عظیم قومیں ہندوستان اور پاکستان میں دوستوں کی حیثیت سے زندگی بسر کریں گی، اور پاکستان اور ہندوستان میں رہنے والے عظیم الشان ہندو اور مسلمان دنیا کو بتا دیں گے کہ ہندوستان صرف ہندوستانیوں کے لیے ہے۔

''میں مسلمانوں کی تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی ترقیوں کے لیے بہت سے پلان پر غور کر رہا ہوں۔ میرے خیال میں مسلم تاجروں کی بہتری کا سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے اقتصادی تنظیم پیدا کریں کہ مسلمانوں کو ٹاٹا جیسی مہم جویانہ اور جرأت آمیز صنعتوں کی ہمسری کرنی چاہیے اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے صنعتی اور تعلیمی ادارے کھولنے چاہئیں۔ ہمیں اپنی قوم کو منظم کرنا ہو گا۔ دوسری قومیں شاید اس کو پیش دستی کہیں اور ہماری اس تنظیم کو فرقہ وارانہ جذبات پر محمول کریں۔ یہ قومیں صدیوں سے یہاں آباد ہیں اور مستقبل میں بھی زندہ رہیں گی۔

پاکستان ایک ایسی حکومت ہو گی۔ جس میں سب قوموں کو زندگی کی تمام آسائشوں کا حصہ ملے گا۔ اس لیے اب تمام مسائل حل کر لیجیے۔ پاکستان ایک ایسی حکومت ہو گی جہاں ذات پات کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ آخر مجھے کسی فرقہ کے خلاف جو اپنے افراد کی تعلیمی اور معاشرتی ترقی کے لیے کوشاں ہے، کیوں شکایت ہونی چاہیے۔ ایسی کوششوں کو فرقہ واریت کہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جتنی جلدی آپ حقائق کا سامنا کرنے کی کوشش کریں گے اتنی ہی جلدی آپ موجودہ مسائل کا حل تلاش کر لیں گے۔''

- قائداعظم محمد علی جناح نے تبدیلئ آبادی کے مسئلہ پر بہار اور نواکھالی میں مسٹر گاندھی کے جوابات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''مسٹر گاندھی نے دو سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ تبدیلئ آبادی کے حق میں ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''جس وقت تبدیلی آبادی کی تجویز میں نے پیش کی تھی۔ اس وقت یہ ایک جُرم شمار کیا گیا تھا، اور اس کے خلاف شور و غوغا بھی بلند ہوا تھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ستمبر 1944ء میں مسٹر گاندھی کے ساتھ گفتگوئے مفاہمت اور خط و کتابت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''سب سے پہلے مسٹر گاندھی نے یہ سوال اُٹھایا تھا۔ میں پورے غور و فکر کے بعد یہی کہتا رہا ہوں کہ تبدیلی آبادی نہایت ضروری ہے اور یہ ہو کر ہی رہے گا۔ کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے لیکن یہ کام ایک پرائیویٹ انجمن کا نہیں ہے جو کچھ آج کل ہو رہا ہے وہ محض معمولی سی علامتیں ہیں۔ سندھ اسمبلی میں پوچھا گیا کہ ہندو

آفیسر ہندو اکثریت کے صوبوں میں تبدیلی کیوں چاہتے ہیں، آج کل ہندوؤں اور مسلمانوں میں دونوں طرف ایسے جذبات بہت تیزی سے پیدا ہو رہے ہیں۔ مسلمان پاکستانی علاقوں میں جانے کی کوشش کر رہے ہیں، اور ہندو ہندوستان کے علاقوں میں یہ غیر دوستانہ تعلقات کا کھلا ہوا ثبوت ہے، لیکن اگر وہ پاکستان میں رہنا چاہیں تو ہم اُن کی مدد کریں گے۔

ہم ہندوؤں کو کامل یقین دلاتے ہیں کہ پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ اور برادرانہ سلوک کیا جائے گا۔ اس کے ثبوت میں ہماری تاریخ شاہد ہے۔ اسلامی تعلیمات نے ہمیں یہی سکھایا ہے۔ یاد رکھئے کہ جو حکومتیں عوام کے اعتماد پر قائم نہیں ہیں وہ کبھی ترقی نہیں کرسکتیں۔ جمہوریت مسلمانوں کے رگ و ریشہ میں ہے، اور ہم نے ہمیشہ مساوات، اخوت اور استقلال کو پیش نظر رکھا ہے۔ اسلام میں کوئی ایسا موقع محل نہیں ہے جہاں کوئی فردِ واحد اپنی من مانی کارروائی کر سکے۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آپ ایک شخصی حکومت کے مقابلہ میں ہمارے طرز حکومت میں زیادہ محفوظ ہوں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر کوئی چیز اچھی ہے تو عین اسلام اگر کوئی چیز اچھی نہیں ہے تو یہ اسلام نہیں ہے، کیونکہ اسلام کا مطلب عین انصاف ہے۔''

تاحیات صدر مسلم لیگ

آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ 1941ء میں نئی دہلی میں نواب سید محمد اسماعیل عرف نواب چھن صدر بہار مسلم لیگ نے یہ تجویز پیش کی:

''قائداعظم محمد علی جناح کو تاحیات صدر منتخب کرلیا جائے۔''

ابھی تجویز کی تائید بھی نہ ہونے پائی تھی کہ قائداعظم محمد علی جناح خود کھڑے ہوئے اور اس کی سخت مخالفت کی۔ انہوں نے اس موقع پر کہا:

''ہماری نہ یہ سیاسی روایت ہے اور نہ بنے گی ہر سال اپنے صدر کا محاسبہ ہونا چاہیے۔ میں اس تجویز کو پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔''

تادیبی کارروائی

دہلی میں ایک دفعہ بیگم رعنا لیاقت علی خان اور قاضی محمد عیسیٰ انگریزی فلم Random Harvest دیکھنے گئے جس میں رونلڈ کولمین نے بڑا اہم کردار کیا تھا۔ یہ فلم پہلی جنگ عظیم کی ایک کہانی بھی ہے جو ایک فوجی افسر کے گرد گھومتی ہے۔ یہ افسر جنگ میں زخمی ہونے کے بعد اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے، اور اپنے بیگانے حتیٰ کہ بیوی بچوں کو بھی نہیں پہچان سکتا۔

یہ فلم اس زمانے میں دیکھی۔ جب ایک خاکسار نے بمبئی میں قائداعظم محمد علی جناح پر حملہ کر دیا تھا۔ فلم دیکھنے کے بعد قاضی محمد عیسیٰ نے ازراہ مزاح بیگم صاحبہ سے کہا:

''اگر خدانخواستہ خاکسار کے حملے سے قائداعظم کو کوئی ایسی چوٹ آجاتی جس سے وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھتے تو ہمارا کیا حشر ہوتا؟ ہم مسلم لیگ کی بات کرتے اور وہ 1913ء کے وہ واقعات دہراتے جو کانگریس سے متعلق ان کے دماغ میں رہے، اور یقیناً ہم سے کہتے:

''مسلم لیگ اور پاکستان، یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔''

''ایسی صورت حال میں ہمارا کیا حال ہوتا؟''

بیگم صاحبہ نے کہا:

نواب محمد اسماعیل خان

1958-1883

علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ کیمبرج یونیورسٹی سے بارایٹ لاء کیا۔ تحریک خلافت میں شریک رہے۔ سترہ برس تک یوپی مسلم لیگ کے صدر رہے۔ 1935ء میں آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1937ء میں مسلم لیگ کی تنظیم نو میں موثر کردار ادا کیا۔ قائداعظم نے انہیں مجلس عمل کا صدر بھی مقرر کیا۔ مسلم لیگ کو علم اسلام میں متعارف کرایا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر بھی رہے۔

''قائداعظم ہمارے ہاں تشریف لارہے ہیں، ان سے
کہوں گی کہ عیسیٰ آپ کے بارے میں یوں سوچتا ہے۔''

اس کے دو دن بعد قائداعظم محمد علی جناح تشریف لے آئے تو لیاقت علی خان اور بیگم رعنا نے انہیں کھانے پر مدعو کیا۔ قاضی صاحب بھی وہیں مدعو تھے۔ بیگم رعنا نے فلم کے حوالے سے وہی ذکر چھیڑ دیا اور پورا واقعہ قائداعظم محمد علی جناح کو سنا دیا۔ وہ ساری بات سن کر بے حد محظوظ ہوئے۔ بات طویل ہوگئی، فرمانے لگے:

''ہاں، ہاں! واقعی یہ عجیب واقعہ ہے، اگر میں کہنے لگتا
یہ مسلم لیگ کیا ہے! پاکستان کیا ہے! تو پھر میرے
مختلف ساتھیوں پر اس کا کیا اثر ہوتا۔''

گویا قائداعظم محمد علی جناح نے بات کو ایک بالکل ہی نیا رخ دے دیا تھا۔ پہل لیاقت علی خان سے کی گئی کہ قائداعظم کے یادداشت کھونے کی صورت میں ان پر کیا اثر ہوتا۔

قائداعظم محمد علی جناح فرمانے لگے:

''وہ مسلم لیگ کے آئین کے اوراق پلٹتے اور سوچتے کہ
یہ شخص جو پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف بول رہا ہے،
اس کے خلاف کیا تادیبی کارروائی کی جاسکتی ہے۔''

راجہ صاحب محمود آباد کا نام آیا تو فرمانے لگے:

''راجہ صاحب کناٹ سرکس میں آکسفورڈ بک شاپ
پر پہنچتے اور انسانی نفسیات پر ایک کتاب خریدتے۔''

ایک اور ساتھی کا ذکر آیا تو اس کے متعلق قائداعظم محمد علی جناح کہنے لگے:

''وہ کہتے! اب تو یہ عقل کی باتیں کرنے لگا ہے۔''

آخر میں بیگم صاحبہ نے کہا:

''سر قاضی عیسیٰ پر کیا اثر ہوتا!''

قائداعظم محمد علی جناح فرمانے لگے:

''وہ مجھے غور سے دیکھتے، ان کے چہرے پر رنج وغم
کے اثرات امڈ آتے، پھر مجبوری اور بے بسی کے عالم
میں شانے اچکا کر کہتے:
''قائداعظم! اگر یوں کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی ہوگا۔''

اس تمام گفتگو میں شریک احباب قائداعظم محمد علی جناح سمیت سب ہی دیر تک لطف اندوز ہوتے رہے۔

تارِ عنکبوت

(دیکھئے: یومِ فتح)

تاریخ پیدائش

25 دسمبر 1876ء کو بروز اتوار 8 ذی الحج بمطابق 1293ھ قائداعظم محمد علی جناح کھارادر کراچی میں پیدا ہوئے۔

کراچی کے سابق میئر مسٹر حاتم اے علوی نے 24 ستمبر 1969ء کو کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح کی پیدائش کی تاریخ 25 دسمبر کی صحت پر اعتراض کیا اور کہا:

''ایک مرتبہ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے ان سے
کہا تھا کہ وہ بلدیہ کے ریکارڈ سے ان کی اور قائداعظم
کی صحیح تاریخ پیدائش تلاش کر کے بتائیں۔''

مسٹر علوی اس وقت کراچی کے میئر تھے انہوں نے بتایا:

''بڑی کوششوں کے باوجود بلدیہ کے پرانے ریکارڈ
سے وہ دونوں کی پیدائش کی تاریخیں نہ نکلوا سکے۔''

آخرکار انہوں نے سندھ مدرستہ الاسلام چرچ مشن ہائی سکول کے ریکارڈ کی چھان بین کی جہاں قائداعظم محمد علی جناح نے تعلیم پائی تو حسب ذیل حقائق سامنے آئے

تاریخ پیدائش	20 اکتوبر 1875ء
پہلی کلاس میں داخلہ	4 جولائی 1887

23 دسمبر 1887 انجمن اسلامیہ بمبئی سے 5 جنوری 1891ء تک چوتھی جماعت میں داخلہ

9 فروری 1891ء

شادی بعمر 17 سال 30 جنوری 1892ء

اگرچہ قائداعظم محمد علی جناح پر کتابیں لکھنے والوں نے قائداعظم کی تاریخ پیدائش 25 دسمبر 1876ء لکھی، تاہم سابق اٹارنی جنرل اور سابق وزیر خارجہ سید شریف الدین پیرزادہ نے اپنے تحقیقی مقالے میں لکھا:

''قائداعظم 20 اکتوبر 1875ء کو کراچی سے چالیس میل دور جھرک کے مقام پر پیدا ہوئے۔''

لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے خود اپنی جائے پیدائش کراچی بتائی۔ 1913ء میں کرسمس کے موقع پر کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا تھا:

''مجھے یہاں کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہوئے اس لیے فخر ہو رہا ہے کہ میں بھی کراچی میں پیدا ہوا ہوں۔''

25 اگست 1947ء کو بلدیہ کراچی نے ان کے اعزاز میں جو استقبالیہ دیا اس میں بھی قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''مجھے اس خوبصورت شہر سے بہت محبت ہے۔ اس لیے کہ میری اس سے یادیں وابستہ ہیں اور یہ میری جائے پیدائش ہے۔''

شریف الدین پیرزادہ نے کہا:

''سندھ مدرسہ اسکول اور سی ایم ایس کے ریکارڈ کے مطابق قائداعظم کی تاریخ پیدائش 20 اکتوبر 1875ء ہے۔''

لیکن فروری 1918ء میں مسز سروجنی نائیڈو نے پہلی بار انکشاف کیا:

''محمد علی جناح کی تاریخ پیدائش 25 دسمبر 1876ء ہے۔''

1935ء میں پہلی بار 25 دسمبر کو قائداعظم محمد علی جناح کی سالگرہ منائی گئی اور اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''ہندوستان کے مسلمانوں نے بھی بہت خلوص اور محبت کا اظہار کیا ہے اور یہ کرسمس کا دن بھی ہے۔''

اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کے پاسپورٹ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح 25 دسمبر 1876ء کو پیدا ہوئے۔

تاریخ ساز

قیام میسور کے زمانے میں قائداعظم محمد علی جناح ایک روز بنگلور میں رہ کر نندی ہل چلے گئے، واپسی پر ایک روز کے لیے پھر بنگلور میں قیام کیا، پندرہ روز نندی ہل میں رہے، بنگلور میں قائداعظم محمد علی جناح نے مہاراجہ میسور سے بھی بات چیت کی۔ ایک موقع پر ایک صحافی نے پوچھا:

''جناب! کیا آپ مسلم انڈیا کی تاریخ لکھ رہے ہیں؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

''میں مسلمانوں کی تاریخ نہیں لکھ رہا، بلکہ ان کی تاریخ بنا رہا ہوں۔''

ایک مرتبہ ایک اخباری نمائندے نے قائداعظم محمد علی جناح سے دریافت کیا:

''کیا مستقبل میں گاندھی کے ساتھ آپ کی ملاقات کا کوئی امکان ہے؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

''مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ اس کا انحصار ان کے دل کی آواز پر ہے، چونکہ میرا وہاں تک گزر نہیں، اس لیے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

تاریخ ساز خدمات

روزنامہ نوائے وقت کے کالم نگار شفیق احمد مشرقی اپنے کالم ''بانی پاکستان کی تاریخ ساز خدمت'' میں رقمطراز ہیں:

"11 ستمبر بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کا دن ہے، ان کی وفات کے حوالے سے ان کی یادوں کو تازہ کرنے کے لیے حکومتی سیاسی و معاشرتی ہر شعبہ میں تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے، ان تقریبات میں ہمیں اپنے ماضی، حال و مستقبل کا جائزہ لینا چاہیے۔ درحقیقت پاکستان کی سیاسی، جمہوری وارتقائی تاریخ کسی لحاظ سے قابلِ رشک نہیں ہے۔ کیونکہ اگست 1947ء میں پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی 11 ستمبر 1948ء کو بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی وفات نے پاکستان کو اعلیٰ درجے کے معمارِ آزادی سے محروم کر کے پاکستان کو قیادت کے بحران میں مبتلا کر دیا، لہٰذا پاکستان کی حکومتی، سیاسی و جمہوری تاریخ قابلِ ستائش نہ رہی، ان حقائق کی وجوہات انتہائی تلخ ہیں، کیونکہ قائداعظم کی وفات کے بعد ان کے جانشین خاص لیاقت علی خان کے کندھوں پہ قیادت کا بوجھ آ پڑا، جنہوں نے انتہائی فہم وفراست و دیانت داری کے ساتھ اپنے فرائض ادا کیے، مگر ان کے سازشی مخالفین جو قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی پاکستان کی سیاسی قیادت کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے نے ایک گھناؤنی سازش کے تحت 16 اکتوبر 1951ء کو راولپنڈی کے جلسہ عام کے دوران قومی رہنما لیاقت علی خان کو شہید کر کے پاکستان کو ایک قابلِ رشک سیاسی رہنما سے محروم کر دیا۔ شہید ملت لیاقت علی خاں کی شہادت کے بعد پاکستان جس سیاسی افراتفری کے اندھیروں میں ڈوبا، اس کے اثرات حالاتِ حاضرہ پر ہی ہوئے ہیں، اندریں حالات ہمیں یومِ قائد پہ قائداعظم محمد علی جناح، محترمہ فاطمہ جناح و شہیدِ ملت لیاقت علی خاں کی طرح کے ان رہنماؤں کا شکریہ ادا کرنا چاہیے، جنہوں نے زندگی بھر مسلمانوں کی آزادی کے لیے قربانیاں دے کر ہمیں انگریزوں، ہندوؤں کی غلامی سے نجات دلوائی۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ 18 جون 1944ء کو قائداعظم نے فرنٹیئر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام اپنے پیغام میں کہا تھا کہ "آزادی وہ مسلم نظریہ ہے جس کو ہم نے اپنانا اور اس کی حفاظت کرنا ہے، کیونکہ آزادی ہمارے لیے انمول خزانہ ہے۔ ہمیں امید رکھنا چاہیے کہ تمام شہری ہم سے استفادہ کریں گے! ہمیں اپنی منزل کا خود تعین کرنے کے ساتھ دنیا کے سامنے اپنا معاشی نظام پیش کرنا ہوگا۔ جس میں سماجی انصاف وانسانیت کو ترجیح دی جائے۔ ان حالات میں ہی ہم اپنی ذمہ داریوں سے صحیح طور پر عہدہ برآ ہونے کے ساتھ دنیا کو باور کرا سکیں گے کہ ہم امن کے قائل ہیں۔ امن ہی درحقیقت انسانیت کی بہتری، ترقی وخوشی کا ضامن ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے انتہائی دلیری کے ساتھ انگریزوں اور ہندوؤں کا مقابلہ کر کے گاندھی ونہرو کی چالوں کو ناکام کرتے ہوئے مسلمانوں کو آزادی دلوا کر آزاد پاکستان قائم کیا، اقوامِ عالم کی تاریخ میں قائداعظم کا یہ بے مثال و حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ قیامِ پاکستان کے لیے قائداعظم محمد علی جناح، شہید ملت لیاقت علی خاں، علامہ اقبال وتحریکِ پاکستان کے دیگر رہنماؤں کے حصولِ پاکستان کے لیے لہودار قربانیوں کو دیکھتے ہوئے حالاتِ حاضرہ کا اہم سوال یہ ہے کہ ہمارے حکومتی و معاشرتی رہنماؤں نے قائداعظم وتحریک پاکستان کے دیگر رہنماؤں نے حصولِ پاکستان کی تاریخ ساز قربانیوں کا کہاں تک

حق ادا کر کے قائداعظم کے ارشادات کی تکمیل کے لیے اپنے فرائض ادا کیے ہیں؟ اس سوال کی مناسبت سے مقتدر شخصیات و سیاسی رہنماؤں کے ساتھ اظہارِ خیال کیا جاتا رہا ہے۔ متذکرہ سوال کے جواب میں وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف نے ایک تقریب میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ آزادی کا حصول قائداعظم و تحریک پاکستان کے رہنماؤں کا تاریخ ساز کارنامہ ہے، مگر بدقسمتی سے آزادی کے بعد کے مراحل میں اپنے فرائض کو پورا نہ کیا جا سکا، کیونکہ حصولِ آزادی کے بعد آزادی کا قافلہ منزل پر پہنچا تو ہماری آزادی کے معمار قائداعظم محمد علی جناح و شہید ملت لیاقت علی خاں زندہ نہ رہے، لہٰذا آزادی کے قافلہ میں ایسے افراد شامل ہوئے، جو حصولِ آزادی کے سفر کی لہو دار صعوبتوں میں شریک نہ تھے، لہٰذا جو مسلمان اپنا سب کچھ لٹا کر آزادی کے تابناک خوابوں کے ساتھ ہجرت کر کے آزاد وطن پاکستان آئے، وہ نظر انداز، محروم و درماندہ رہے۔ اندریں حالات قومی و معاشرتی تعمیر و ترقی کا عمل جاری نہ رہ سکا۔ قومیں ان حالات میں ترقی کرتیں جب انہیں ایسی قیادت میسر آ جائے جو قومی مفاد کو ترجیح دیتی ہو۔ قوم کے لیے قربانی دینے کا عزم رکھتی ہو۔ قائداعظم پاکستان کو اسلامی جمہوریہ پاکستان بنانا چاہتے تھے، قائداعظم کی خدمات و ارشادات کی تکمیل کے لیے ہمارا کردار کے موضوع پہ اظہارِ خیال کرتے ہوئے وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے کہا تھا کہ آزادی سے آج تک ہمارے اثاثے زیادہ ہیں، یا ادائیگیاں اس موضوع پر بحث ہو سکتی ہے۔ ہماری بیلنس شیٹ میں کوئی چیز ادائیگیوں پر حاوی ہے تو وہ پاکستان کا ایٹمی طاقت بنا ہے۔ ہماری ایٹمی طاقت اللہ تعالیٰ کے کرم کے تحت ہوئی، ڈاکٹر ثمر مبارک مند، ڈاکٹر قدیر کی طرح کے سائنسدانوں کی بدولت ہوئی۔ اگر پاکستان خدانخواستہ ایٹمی طاقت نہ بنتا تو آج دشمن کے سامنے پاکستان کی کوئی حیثیت نہ ہوتی، غربت، جہالت پاکستان کے کروڑوں شہریوں کا مقدر بنیں، ہم نے ماضی سے سبق سیکھ کر محنت و عزم کے ساتھ آگے بڑھنا ہے۔ ملک کے روشن مستقبل کے لیے ایسی بنیادیں رکھنا ہیں کہ آنے والی نسلیں ہم پر فخر کر سکیں۔"

(روزنامہ نوائے وقت، اشاعت 11 ستمبر 2013ء)

تاریخ ساز محمد علی جناح

اس کتاب کو بشارت احمد نعیم نے مرتب کیا، اور 1976ء میں ادارہ مطبوعات پاکستان مردان نے اسے شائع کیا۔

تاریخ وفات

پاکستانی شاعر جناب صابر براری نے قائداعظم محمد علی جناح کی جو منظوم تاریخ پیدائش نکالی ہے وہ یہ ہے:

کر گئے ہیں آج قائد انتقال
ملک و ملت کا انہیں غم خوار لکھ
تھی غلامی سے انہیں نفرت بہت
حریت کے تھے علمبردار لکھ
ان کے دامن پر کوئی دھبہ نہ تھا
واقعی تھے صاحب کردار لکھ
آج تک قائم ہے جس کی آب و تاب
ہیں وہ ایسا اک درِ شہوار لکھ
فکر ہے صابر اگر تاریخ کا
قائداعظم تھے نیکو کار لکھ

(1948ء)

تاریخی تلوار

یہ وہ تاریخی تلوار ہے جسے قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ الہ آباد کے اجلاس میں 32014 روپے میں نیلام کروا کے رقم تحریک آزادی کے فنڈ میں جمع کرائی تھی۔ اس تلوار کی سب سے بڑی بولی سیٹھ عبداللہ ہارون کے اہل خاندان نے لگائی اس طرح یہ تلوار اسی خاندان کی تحویل میں آگئی بعد میں لیڈی عبداللہ ہارون نے اسے قومی عجائب گھر کو عطیہ کے طور پر پیش کر دیا جہاں اسے اہم نوادرات میں شامل کر کے محفوظ کر لیا گیا۔

تاریخی جدوجہد

(دیکھئے: آزادی کی مشعل)

تاریخی روایات

قائداعظم محمد علی جناح نے 19 اگست 1946ء کو پیام عید پر اپنے پیغام میں کہا:

''میں مسلمانوں سے التجا کروں گا کہ وہ ایک منظم، باعظمت، باوقار اور تربیت یافتہ قوم کی طرح اپنی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر مجتمع کریں۔ مصیبتیں جھیل کر اور قربانیاں دے کر اپنے راستے سے تمام رکاوٹیں دور کر دیں۔ اس کے سوا آزادی کی اور کوئی شاہراہ نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمام مسلمانان ہند مرد، عورتیں، بوڑھے جوان اور بچے تربیت یافتہ سپاہی کی طرح پوری مستعدی کے ساتھ زندگی کے تمام تعلیمی، معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی شعبوں میں کام کا عہد کریں تا کہ دس کروڑ مسلمانوں کی اس زندہ جاوید قوم کو اپنے درخشندہ ماضی اور تاریخی روایات کے مطابق عظمت و سربلندی حاصل ہو۔''

تاریخی سٹیج

آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ 23 مارچ 1940ء لاہور کے لیے جو سٹیج تیار کی گئی اسے قرارداد پاکستان کی بناء پر تاریخی حیثیت حاصل ہوئی اس اسٹیج کو لاہور کے حاجی الف دین نے بنایا تھا۔ سٹیج پر جو بینر لگا ہوا تھا اس پر علامہ اقبال کا یہ شعر تحریر تھا۔

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

قائداعظم محمد علی جناح سٹیج پر بیٹھے تو ان کے دائیں اور بائیں خواجہ ناظم الدین اور خان لیاقت علی خان موجود تھے اور سامنے میاں بشیر احمد بیٹھے تھے، جو سٹیج سیکرٹری تھے۔

تاریخی موافقت

(دیکھئے: ڈومینین سٹیٹس)

تاریخی واقعہ

قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کی پہلی سالگرہ 14 اگست 1947ء پر قوم کے نام اپنے پیغام میں کہا:

''یاد رکھیے پاکستان کا قیام ایک ایسا واقعہ ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے، اور اگر ہم نے دیانت، تندہی اور بے غرضی کے ساتھ کام کیا تو یہ بھی سال بہ سال ترقی کرتی رہے گی۔ مجھے اپنے عوام پر کامل بھروسہ ہے، اور یقین ہے کہ ہر موقع پر وہ اسلام کی تاریخ، شان و شوکت اور روایات کے مطابق عمل پیرا

ہوں گے۔ قدرت نے آپ کو ہر چیز سے سرفراز کیا ہے۔ آپ کے پاس لامحدود وسائل ہیں۔ آپ کی ریاست کی بنیادیں مضبوطی سے رکھ دی گئی ہیں۔ اب آپ کا کام یہ ہے کہ اس کی تعمیر کریں۔ جلد سے جلد اور عمدہ سے عمدہ تعمیر۔ سو آگے بڑھیے اور بڑھتے ہی جایئے۔''

تبادلۂ آبادی

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 4 دسمبر 1946ء کے اداریہ میں لکھتا ہے:

''مسٹر جناح نے بہار کی مسلم اکثریت کے مسائل اور ان کے مستقبل سے متاثر ہو کر ایک بیان میں کہہ دیا تھا کہ آبادیوں کے تبادلے کا انتظام ہونا چاہیے، ورنہ اقلیتوں کے لیے زندگی بسر کرنا دشوار ہو جائے گا۔ یہ ایک بالکل وقتی اور ہنگامی احساس کا نتیجہ تھا۔ اس لیے ہندوستان کے مسلمان اس وقت واقعی بہار کے پناہ گزینوں کے متعلق نہایت سنجیدگی سے یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر انہیں دوبارہ ان کے دیہات میں آباد کر بھی دیا گیا تو ان کی آئندہ حفاظت کی ضمانت کیا ہوگی۔ یہ مسئلہ حقیقت میں بہت تشویش واضطراب کا موجب ہو رہا ہے۔''

لیکن مخالفین مسٹر جناح کے اس بیان کو لے اڑے اور اب سے پہلے ہمارے پنجاب کے لیے سکھ وزیر سردار سورن سنگھ کو بیان دینے کی ضرورت پیش آ گئی۔ انہوں نے چلانا شروع کیا کہ سکھوں کا مذہبی و تاریخی اور ثقافتی گھر تو صرف پنجاب ہے۔ وہ کسی دوسرے صوبے میں منتقل نہیں ہو سکتے۔ یو پی کے بعض ہندو خبر رسانوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یو پی کے مسلمان تعلقہ دار اور زمیندار ہرگز سندھ میں آباد ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں، اور پٹیل صاحب نے بھی حسبِ عادت ایک بیان دے مارا۔

حقیقت یہ ہے کہ تبادلہ آبادی ہندوستان جیسے ملک میں عملاً بے حد دشوار ہے، کیونکہ بعض حالات میں اقلیتیں کروڑوں تک پہنچتی ہیں۔ جنہیں کوئی ایک طاقت ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں منتقل نہیں کر سکتی۔ یہ تبادلۂ آبادی کی گفتگو خالص حماقت ہے۔ یہاں وہاں چند ہزار آدمیوں کا نقل مکانی کرنا ہر وقت ممکن ہے، لیکن خالص ہنود اور خالص مسلمان صوبے پیدا کرنے کی غرض سے تبادلۂ آبادی کسی صحیح الدماغ آدمی کے ذہن میں نہیں آ سکتا۔ مخالفین کو اس بیہودہ پروپیگنڈہ سے باز آ جانا چاہیے۔ جس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ملک کے ہر حصے میں اقلیتیں خوف و تشویش میں مبتلا ہو جائیں، اور امن و امان کا قیام زیادہ سے زیادہ دشوار ہو جائے۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 4 دسمبر 1946ء)

تبدیلیٔ قلب ونظر

جب اقلیتوں پر بالعموم اور مسلمانوں پر بالخصوص کانگریس کی بالادستی برطانوی حکومت تسلیم نہ کر سکی تو مساعی جنگ میں رخنہ ڈالنے اور انگریز کو مرعوب کر کے اس سے اختیارات لینے کے لیے گاندھی جی نے ''ہندوستان خالی کر دو'' کا نعرہ لگایا، اور سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کا اعلان کر دیا۔

حکومت نے اقدام وعمل سے پہلے تمام کانگریسی لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ گاندھی جی پونہ کے آغا خان پیلس میں محبوس کر دیے گئے۔ جواہر لال، مولانا ابوالکلام آزاد اور سردار پٹیل وغیرہ احمد نگر کے قلعہ میں بند کر دیے گئے۔

تحریک سول نافرمانی شروع نہ ہو سکی، گاندھی جی ہار گئے۔

ملک پر عام تعطل طاری ہوگیا۔
اس موقع پر ان کانگریسی لیڈروں نے جو جیل نہیں گئے تھے اور قائداعظم محمد علی جناح کے بدترین نکتہ چیں تھے، اور ان اخبارات نے جو ہمیشہ قائداعظم محمد علی جناح کو گالیاں دیا کرتے تھے۔ ان سے رجوع کیا اور مطالبہ شروع کیا کہ وہ اس تعطل کو دور کرائیں، اُن کا کہنا یہ تھا کہ یہ تحریک انگریزوں سے زیادہ خود مسلمانوں کے خلاف تھی، لہٰذا جب تک کانگریس اور گاندھی جی تبدیلیٔ قلب ونظر کا ثبوت نہ دیں۔ وہ کیا کر سکتے ہیں؟

قائداعظم محمد علی جناح نے یہ تقریر بمبئی میں کی تھی۔
اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:
''حضرات! موجودہ تعطل کو دُور کرنے کا اختیار مسٹر گاندھی اور کانگریسی زعماء کو حاصل ہے، اگر مسائل کو سلجھانے کی کوئی حقیقی خواہش نہیں ہے تو سارا معاملہ بآسانی طے ہوسکتا ہے یہ کہا جا رہا ہے کہ میں بحیثیت صدر مسلم لیگ کے اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لوں، اور کانگریسی قائدین کو جیل سے رہائی دلواؤں، میں اسے ستائش اور قدر افزائی پر محمول کروں گا، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ملک کی صورت حال کیا ہے۔''
کانگریس کی 8 اگست والی قرارداد آزادیٔ ہند سے متعلق اس کے گزشتہ رویہ میں بہت بڑا فرق ہوگیا ہے۔ مسٹر گاندھی نے 1942ء میں کہا تھا:
''تاوقتیکہ مسلم لیگ سے کوئی قابل عمل سمجھوتہ نہ ہو جائے سول مدافعت، مخالف لیگ مدافعت میں تبدیل ہو جائے گی، اور کوئی کانگریسی ایسی تحریک کا مؤید نہیں ہوسکتا۔''
ایک اور موقع پر مسٹر گاندھی نے کہا تھا:
''فرقہ وارانہ سمجھوتہ کے بغیر دورانِ جنگ میں اگر کسی عام تحریک کا آغاز کر دیا جائے تو یہ خانہ جنگی کی شکل اختیار کرے گی، اور یہ خودکشی کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔''
الغرض مسٹر گاندھی نے اس پر زور دیا تھا کہ ہندو مسلم سمجھوتہ کے بغیر آزادی کبھی نہیں مل سکتی۔ کیا اب مسٹر گاندھی یا کانگریس یہ سمجھتی ہے کہ مسلم لیگ سے کسی سمجھوتے کے بغیر ہی وہ آزادی حاصل کرلیں گے! یہ حکمت عملی خود مسٹر گاندھی کے قول کے مطابق خودکشی کے مترادف ہے۔
یہ صحیح ہے کہ مسلمان تعداد میں ایک چوتھائی ہیں، لیکن تم ہمیشہ سروں کو گن کر تو کام نہیں چلا سکتے! اس براعظم میں مسلمان ایک طاقتور قوم ہیں۔ کانگریس کا طرز عمل بالکل صاف ہے۔ مسٹر گاندھی اور کانگریس یہ سمجھتے ہیں کہ وہ برطانوی حکومت کو جھکانے کے لیے کافی ہیں تاکہ حکومت مجبور ہو کر مسلمانوں کے اہم ترین اور دقیع مفادات کو پامال کر دے، مسلم لیگ کو نظر انداز کرنے کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے۔
ہندو مہاسبھا جو کانگریس کا ثنیٰ ہے۔ ان ارادوں کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتی وہ کہتے ہیں ہم ہندوستان کی آزادی اور خودمختاری اگر آپ چاہیں تو آپ کے ساتھ مل کر اور اگر آپ نہ چاہیں تو آپ کے بغیر ہی حاصل کرلیں گے۔
فرض کیجئے کہ کانگریس کامیاب بھی ہوگئی اور انگریزوں نے ہندوستان بھی چھوڑ دیا، اور کانگریس ہی کے تصور کے مطابق ہندوستان کو خودمختاری مل گئی تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کانگریس اس ذیلی براعظم کی آزادی برقرار رکھ سکے گی؟ یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ اسلامی ہندوستان کبھی ہندو راج قبول نہ کرے گا، اور

نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک میں صرف انتشار اور طوائف الملوکی ہوگی۔
خود مسٹر گاندھی نے بڑے وثوق سے کہا ہے کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد ہوسکتا ہے کہ کوئی مصالحت ہو یا نہ ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ خونریزی اور خانہ جنگی برپا ہو جائے۔ ان متضاد تصورات کے پیش نظر کانگریس اور ہندو مہاسبھا کی حکمت عملی کو سمجھانا بہت مشکل ہو جاتا ہے لیکن ہندو اخبارات برابر لکھ رہے ہیں کہ ''کسی نہ کسی سمجھوتے پر پہنچنا ہی چاہیے۔'' اس کے علاوہ متعدد سمتوں سے مختلف مشورے دیے جا رہے ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ''ہندوستان چھوڑ دو'' کی حکمت عملی پر وہ ایقان نہیں رکھتے۔ وہ صرف مصالحت چاہتے ہیں۔ مسلمانوں سے نہیں بلکہ برطانوی حکومت سے! گو ان کی مبینہ حکمتِ عملی یہ نہیں ہے لیکن وہ چاہتے یہی ہیں کہ انگریز اس ملک میں رہیں۔ وہ ہندوستان کی فوری آزادی یا ہندوستان چھوڑ دو کی حمایت نہیں کرتے بلکہ وہ ایک ایسی طرزِ حکومت چاہتے ہیں کہ جس میں ہندو برطانیہ کے سہارے سے مسلمانوں پر مسلط ہوں اور آہستہ آہستہ ان کا گلا گھونٹ دیں۔
ادھر مسٹر ایمری تاریخ ہند پر تحقیقی کام کرنے میں مصروف تھے، اور متحدہ ہندوستان کی تلقین کر رہے تھے اور ادھر لارڈ لنلتھگو وائسرائے ہند نے یہاں سات سال گزارنے کے بعد دفعتاً انکشاف کیا کہ ہندوستان ایک جغرافیائی وحدت ہے۔ کوئی سمجھدار آدمی اس سے کس نتیجہ پر پہنچے گا، پھر اس پر مستزاد یہ کہ ہندو مہاسبھا اکھنڈ ہندوستان کی قرارداد کا تپور کو برطانوی قدامت پرستوں کی خدمت میں سال نو کے تحفہ کے طور پر پیش کرتی ہے۔ ان حالات میں اب آپ ہی بتائیے کہ میں اس مبینہ تعطل کو کس طرح ختم کر سکتا ہوں۔ 8 اگست سے اب تک کانگریس کے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ہر چند کہ بہت سے کانگریسی جیل میں تھے، تاہم سب کے سب تو جیل میں نہیں تھے۔ ہندو پریس تو جیل میں نہیں تھا۔ تا حال کسی ذہنی تبدیلی کے کوئی آثار نہیں نظر آتے، اور ان کے پیش نظر اہم تجویز بھی نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ کانگریس کے اس موقف کی شدت سے حمایت کی جائے جو 8 اگست کی قرارداد سے پیدا ہوا ہے، اور ہندو مہاسبھا نے جس کی انتہائی جارحانہ انداز میں توثیق کی ہے۔
کیا سلیم الطبع اشخاص کی کوئی جماعت موجود نہیں ہے۔ ہندو فہم و رائے کی ایک ایسی مختار و مجاز جماعت جس کے پاس موجودہ تعطل کو ختم کرنے کی کوئی تجویز ہو؟ کیا کوئی ایسا صاحب الرائے ہے جو کسی قدر طمانیت دلا سکتا ہو، اور کوئی ایسی تجویز پیش کرنے کا مجاز ہو جس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ اب ذہنیت تبدیل ہو چکی ہے، اور گفت و شنید کے ذریعہ اسلامی ہند اور مسلم لیگ سے سمجھوتہ کرنے کی تمنا پیدا ہو چکی ہے؟
اب اگر آپ سارے موقف کا تجزیہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ موجودہ تعطل کو دور کرنے کا اختیار مسٹر گاندھی اور کانگریس کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ اپنی ذہنی تبدیلی کے ذرا سے اشارے سے ایسا کر سکتے ہیں۔
وہ اختیار و مجاز جو مجھ سے منسوب کیا گیا محض قدر افزائی ہے۔ جب مجھے جیل بھیجنے ہی کا کوئی اختیار نہیں ہے تو پھر جیل کے دروازے کھولنے کا اختیار کہاں سے لاؤں؟''

تجارت اور ملت

قائداعظم محمد علی جناح نے 27 اپریل 1948ء کو چیمبر آف کامرس کراچی سے خطاب کے دوران کہا:

''کاروبار اور بیرونی تجارت قوم کے لیے وہی حیثیت رکھتے ہیں جو خون جسم کے لیے، میں ایسے پاکستان کا تصور بھی نہیں کرسکتا جس میں تاجر نہ ہوں۔ جس طرح کاشت کاری یا سرکاری ملازمین کے بغیر پاکستان تصور میں نہیں آتا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ پاکستان میں تاجروں اور سوداگروں کا ہمیشہ خیر مقدم کیا جائے گا، اور وہ بھی اپنی جگہ اپنی تقدیریں بناتے وقت اپنی معاشرتی ذمہ داری سے غفلت نہ برتیں گے اور سب سے چھوٹوں سے اور بڑوں سے یکساں اور منصفانہ سلوک کریں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 27 اپریل 1948ء کو چیمبر آف کامرس کراچی سے خطاب میں کہا:

''تجارت ثقافت کی نسبت کہیں زیادہ بین الاقوامی ہے، اس کا تقاضا ہے کہ آپ اس انداز میں کام کریں کہ آپ کے ہر اقدام سے پاکستان کی طاقت اور وقار میں اضافہ ہو، مجھے ذرا بھی شک نہیں کہ پاکستان کی تجارت میں کاروباری ساکھ، دیانت اور طریق عمل کا اعلیٰ معیار قائم ہوجائے گا۔ اگر پاکستانی اشیاء کو اپنی ایک خاص اور منفرد شہرت بنانی ہے تو شروع ہی میں آج ہی سے مطلوبہ معیار قائم ہوجانا چاہیے۔ میری یہ زبردست تمنا ہے کہ پاکستانی اشیاء معیار اور کوالٹی کے اعتبار سے دنیا کی تمام منڈیوں میں ایک علامت، ایک نمونہ، ایک مثال کی حیثیت میں جانی پہچانی جائیں۔ خدا کرے لفظ ''پاکستان'' مال کی عمدگی اور معیار کا مترادف ہوجائے۔''

تجاویز بہ سلسلہ تنازع کشمیر

گورنر جنرل ہندوستان لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور گورنر جنرل پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے مابین یکم نومبر 1947ء کو لاہور میں ایک ملاقات ہوئی۔ جس کے دوران تنازع کشمیر طے کرنے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح نے ماؤنٹ بیٹن کو مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں۔

1. دونوں گورنر جنرل یہ اعلان کریں کہ 48 گھنٹے کے اندر اندر دونوں فریق جنگ ختم کردیں، قبائلیوں کو انتباہ کیا جائے کہ اگر وہ فی الفور جنگ بندی کا حکم نہیں مانیں گے تو پھر دونوں ملکوں کی فوجیں ان کے خلاف کارروائی کریں گی۔
2. ہندوستان کی افواج اور قبائلی بیک وقت ریاست سے نکل جائیں۔
3. دونوں گورنر جنرلوں کو ان کی حکومتیں یہ اختیار دیں کہ وہ ریاست میں امن وامان قائم کریں۔ ریاست کا انتظام خود سنبھالیں، اور بلاتاخیر مشترکہ کنٹرول اور نگرانی میں رائے شماری کا بندوبست کریں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے وعدہ کیا کہ ان تجاویز کو بھارتی کابینہ کے سامنے پیش کریں گے۔ 2 نومبر 1947ء کو بھارتی وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک نشریے میں کہا:

''پاکستان پہلے حملہ آوروں کو کشمیر سے نکالنے کا وعدہ کرے۔ دوسرے بھارتی فوج اس وقت تک ریاست میں رہے گی جب تک کہ حملہ آور باہر نہ نکل جائیں۔''

تجاویز دہلی

مشہور ہندو لیڈر سری نواس آئنگر کا شمار قائداعظم محمد علی جناح کے ذاتی دوستوں میں ہوتا تھا۔ انہوں نے فرقہ واریت

کے ازالہ کے لیے چند تجاویز مرتب کیں اور انہیں قائداعظم محمد علی جناح کو ارسال کیا تاکہ کشیدگی کا کوئی پائیدار اور مستقل حل تلاش کیا جاسکے، اور اس طرح ہندوستان میں کشیدگی کی فضا کو ختم کیا جائے گا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ان تجاویز کو مسلم لیگ کے ممتاز رہنماؤں کے سامنے پیش کیا، اور ان سے تبادلہ خیال کرنے کے بعد ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں مسلمانوں کے مسائل کی نشاندہی کی گئی تھی۔ اسی قرارداد کو تجاویز دہلی کا نام دیا گیا۔ وہ تجاویز درج ذیل ہیں:

1. سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے نیا صوبہ بنایا جائے۔
2. صوبہ سرحد اور بلوچستان کو دوسرے صوبوں کے مساوی درجہ دیا جائے۔
3. پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے نمائندگی دی جائے
4. مسلمانوں کے اقلیتی صوبوں میں ان کا تشخص برقرار رکھا جائے۔
5. مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کو ایک تہائی نشستیں دی جائیں۔

سر محمد شفیع نے ان تجاویز کی مخالفت کیوں کی کہ وہ جداگانہ انتخاب کے مطالبے کو ترک کرنے پر تیار نہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے 29 مارچ 1927ء کو ان تجاویز کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

''ان تجاویز پر عملدرآمد کرنے کے لیے مسلمان زعما کی ایک نمائندہ کمیٹی بنائی جائے گی، جو کانگریس اور دیگر سیاسی جماعتوں سے اس ضمن میں بات چیت کرسکے گی۔''

15 مئی 1927ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس سری نواس آئنگر کی صدارت میں بمبئی میں منعقد ہوا اس اجلاس میں ان تجاویز کو بغیر کسی ترمیم و اضافے کے منظور کرلیا گیا۔ ممتاز کانگریسی رہنماؤں نے ان تجاویز کو بے حد سراہا۔

تجاویز کرپس

برطانوی کابینہ جنگ نے سر اسٹیفورڈ کرپس کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا، مقصد یہ تھا کہ وہ کانگریس، مسلم لیگ اور ملک کی دیگر سیاسی جماعتوں کے سامنے کابینہ کی تجاویز پیش کریں، اگر یہ تجاویز منظور کرلی جائیں تو دورانِ جنگ میں، امکانی حد تک زیادہ سے زیادہ نمائندہ اور ذمہ دار قومی حکومت کی تشکیل کردی جائے گی۔ وائسرائے دستوری سربراہ مملکت کی حیثیت رکھیں گے، البتہ امور دفاع پر قومی حکومت کا کوئی کنٹرول نہ ہوگا۔

تجاویز کرپس میں زبان قلم سے تو نہیں البتہ معنوی طور پر ڈرتے ڈرتے پوری احتیاط اور پیش بندیاں، شرائط اور قیود کے ساتھ حق خود ارادیت تسلیم کرلیا گیا تھا۔ جس کی صورت یہ تھی کہ ہر صوبے کو حق دیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان کے مرکز سے وابستہ ہو یا نہ ہو، گویا بنگال اور پنجاب سرحد اور سندھ و بلوچستان اگر چاہتے تو وفاق ہند سے الگ رہ کر خود اپنا وفاق بنا سکتے تھے۔

کانگریس نے ان تجاویز کو اس لیے رد کردیا کہ وہ ان میں پاکستان کو چلتا پھرتا دیکھ رہی تھی، اور مسلم لیگ نے اس لیے مسترد کردیا کہ اس میں بہ الفاظ واضح مسلمانوں کا حق خود ارادیت تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔

سر کرپس مزدور جماعت سے تعلق رکھتے تھے، وہ کئی مرتبہ ہندوستان آچکے تھے۔ وہ کانگریس کے ہمدرد اور کئی کانگریسی لیڈروں کے ذاتی دوست تھے، پھر ان تجاویز سے دستبرداری کے بعد جب وہ لندن واپس پہنچے تو اُنہوں نے صاف صاف اقرار کیا کہ ''بنتی ہوئی بات اس لیے بگڑی کہ کانگریس سب کچھ خود لے لینا چاہتی تھی، دوسروں کے لیے کچھ بھی چھوڑنا اُسے منظور نہ تھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس سلسلے میں 13 اپریل

قائداعظم محمد علی جناحؒ خوشگوار موڈ میں

1942ء کو ایک پریس کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا وہ یہ ہے:

''حضرات! ہز میجسٹی کی حکومت کی جو تجاویز سر اسٹیفورڈ کرپس ہندوستان لے کر آئے تھے ناقابل ترمیم تھیں۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ اس کو جزوی طور پر نہیں بلکہ پوری تجویز قبول کرنی ہوگی۔ ہز میجسٹی کی حکومت نے سر اسٹیفورڈ کو اس کی کسی ایسی متبادل صورت پر بھی غور کرنے کا اختیار نہیں دیا تھا، جو تجویز کے حال یا مستقبل پر اثر انداز ہو۔

حالاتِ حاضرہ کے تعلق سے کوئی بدل پیش کرنے کی بھی ہمارے لیے گنجائش نہیں چھوڑی گئی تھی۔ اس میں صرف یہی دو صورتیں تھیں کہ یا تو ساری تجویز بجنسہٖ قبول کر لی جائے یا پھر اُسے مسترد کر دیا جائے، پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ ہم مستقبل کو نظر انداز کر کے صرف حال پر غور کرتے۔ اس میں پاکستان کو غیر مبہم اور واضح طور پر قبول نہیں کیا گیا تھا، اور نہ مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان تجاویز کو مسترد کر دیا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو نمائندگان پریس سے گفتگو کے دوران میں اب بھی کانگریس کا اسی طرح ذکر کرتے ہیں کہ وہ ہندوستان کی نمائندہ ہے، اور اسی کی طرف سے بولتی ہے۔ اس ادعا کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ مسلم ہندوستان اس دعوے کو رد کر چکا ہے۔ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ کانگریس نہ صرف مسلمانانِ ہند کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ وہ سارے ہندوؤں کی بھی نمائندہ نہیں ہے، جیسے غیر برہمن، پست اقوام اور دوسری اقلیتیں ہیں۔

جب سر اسٹیفورڈ نے اپنی تجاویز کی وضاحت کر دی تو مسلم لیگ نے بڑی احتیاط سے اس کو جانچا۔ ایک تو یہ تجویز ناقابلِ ترمیم اور ایک قطعی انکار یا اقرار کے مترادف تھی، دوسرے اگر مستقبل پر اتفاق ہو جاتا تو حالاتِ حاضرہ پر بھی غور ہو سکتا تھا، لیکن سر اسٹیفورڈ حال یا مستقبل کے کسی بدل پر غور کرنے کے مجاز ہی نہ تھے۔

ان حالات کے تحت ہم نے تمام تجاویز کو ایک دستاویز کی طرح جانچا، اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ مستقبل کے تعلق سے اس میں تقسیم (پاکستان) کے اصول کو قبول نہیں کیا گیا ہے، تاہم کسی صُوبے یا صُوبوں کے لیے اختیار علیحدگی ہے۔ اس مقصد کے لیے جو طریقہ بتایا گیا ہے۔ اس کے مدنظر ہمارا خیال ہے کہ اسلامی صوبوں میں طریقہ کار کے ضابطے کچھ اس طرح وضع کیے گئے ہیں کہ نو کروڑ مسلمانوں کی قسمت صوبائی مجلس آئین ساز میں چند اداروں سے بندھی رہے گی جہاں مسلمان بنگال اور پنجاب کی طرح مجلسِ آئین ساز میں اقلیت میں ہیں، حالانکہ یہی مسلمانوں کے بڑے صوبے ہیں۔ اسی طرح دوسرے اسلامی صوبے شمال مغربی سرحد اور سندھ میں غیر مسلموں کو ایسا دھکیل دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی منزل مقصود پر پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ نہ پاکستان کو اور نہ مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو صاف طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے یہ تجاویز رد کر دیں لیکن ہم اس کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ یہ ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے، جس پر آئندہ برطانوی حکمت عملی کی تعمیر ہو سکتی ہے۔ مسلم ہندوستان اس حقیقت کو بنظرِ پسندیدگی دیکھتا ہے کہ اس تجویز میں بہر حال تقسیم ہند کے اصول کو مبہم طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

پھر اس تجویز کی تفصیلات بھی ہمارے سامنے نہیں لائی گئیں، صورت حال کے مدنظر اصول سے زیادہ تفصیل کی اہمیت تھی۔ سر اسٹیفورڈ اور میرے مابین یہی گفتگو ہوئی کہ وائسرائے متعلقہ جماعتوں کے ساتھ اس کی تفصیل اور ترتیب کا تصفیہ کرلیں گے۔ ان مضامین اور بیانات کے اس طومار سے جو کانگریس کیمپ سے جاری ہوئے ہیں۔ یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سر اسٹیفورڈ نے کانگریسی قائدین سے بعض متبادل صورتوں پر بھی گفتگو کی، حالانکہ ایسی گفت وشنید سے موصوف نے انکار کیا ہے۔

کانگریس کے متبادل تجاویز ایک قومی حکومت کی آڑ میں ہندوستان کے برتر اور اہم امور کو بے ربط اور متناقص بنارہے ہیں، یہ تو ابھی ابتدا ہے۔ کانگریس کو علم ہے کہ اس کی تجویز کے تحت جو کابینہ تشکیل پائے گی وہ مخلوط ہوگی، اور ملک کی مختلف جماعتوں کے مختلف تصورات کی نمائندہ ہوگی۔ اس میں کچھ تو کانگریس سے، کچھ ہندو مہاسبھا سے، کچھ مسلم لیگ اور سکھوں کی جماعت سے نمائندے آئیں گے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی یہ غیر مبہم تشریح میرے پیش نظر ہے کہ پندرہ ارکان کی ایک مفروضہ کابینہ میں کانگریسی اکثریت آٹھ یا نو کی ہوگی، پھر اس کانگریسی اکثریت میں ہندو مہاسبھا اور سکھوں کا اضافہ ہوگا اور مسلمان ایک بے اثر اقلیت میں رہ جائیں گے۔ اس میں پنڈت نہرو نے اس پیشکش سے مسلمانوں کی اشک شوئی کی ہے۔ اگر وہ چاہیں تو مستعفی ہوسکتے ہیں۔ یہ اکثریت کے استبداد کا مظاہرہ نہیں تو اور کیا ہے۔

پنڈت نہرو کے اس بیان سے بھی تعجب ہوا کہ مجھے ایک قومی حکومت کے مطالبہ پر کوئی اعتراض نہ ہوگا، میں یقین دلاتا ہوں اگر کانگریس کا یہ مطالبہ منظور ہو جاتا تو یہ مسلمانانِ ہند کے لیے پیامِ اجل ہو جاتا۔

سوال: ''موجودہ حالات میں مسلم لیگ کیا چاہتی ہے؟''

جواب: ''اگر تمام جماعتیں مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان و تقسیم ہند اور حق خود ارادیت کو تسلیم کرلیں۔ خواہ اس کی تفصیلات کا تصفیہ بعد جنگ ہی کیوں نہ ہو، تو ہم صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے کسی معقول عارضی انتظام میں شریک ہوں تاوقتیکہ اصول پاکستان کو تسلیم نہ کرلیا جائے۔ ہم کسی عارضی انتظام سے متفق نہیں ہوسکتے۔ جو مطالبۂ پاکستان کے مغائر ہو، یا اُسے کسی طرح متاثر کرتا ہو۔''

تجاویز کرپس کے مضمرات

الٰہ آباد، پنڈت موتی لال اور پنڈت جواہر لال نہرو کا وطن ہے، ہندو مہاسبھا کے روح رواں پنڈت مدن موہن مالویہ کا ہیڈ کوارٹر بھی یہی شہر تھا، ڈاکٹر کیلاش ناتھ کا نجو مدھیہ پردیش کے وزیراعلیٰ تھے، اور جن کی گردن پر مسلمانانِ جبل پور کا خون ناحق ہے گو وہ ایک مسلمان ریاست جاورہ کی رعیت تھا، لیکن ان کی سرگرمیوں کا مرکز بھی یہی شہر تھا۔ پنڈت پرشوتم داس ٹنڈن اسپیکر یوپی اسمبلی اور سابق صدر کانگریس جو مسلم آزاد ذہنیت کے باعث شہرتِ دوام حاصل کرچکے ہیں، اسی شہر کے رہنے والے تھے۔

دھوم دھام سے مسلم لیگ کا اجلاس یہاں ہوا اور قائداعظم محمد علی جناح نے ایک نہ بھولنے والا خطبہ ارشاد فرمایا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے خطاب میں کہا:

''خواتین وحضرات! میں سچے دل سے آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ریلوے اسٹیشن پر بڑی دھوم دھام سے میرا استقبال کیا۔ میں یہ حقیقت اپنے لیے

باعث فخر سمجھتا ہوں کہ مسلم لیگ ہر مہینے ہر سال راہِ ترقی پر تیز رفتار ہے۔ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا بھی شکر گزار ہوں کہ اس نے اس برس بھی مجھے اپنا صدر انتخاب کر کے معزز فرمایا۔ میں ان تمام کارکنوں اور عہدیداروں کو مبارکباد کہتا ہوں جو گزشتہ تین ماہ میں متواتر ان تمام تیاریوں کے لیے محنت کرتے رہے ہیں، جو آج ہمارے سامنے ہیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ہماری طاقت روز بروز بیش از بیش ہو رہی ہے، اور ہم اپنی تنظیم کی قوت اور کاروبار کے اعتبار و انصرام میں ترقی کر رہے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ آج سب سے بڑا موضوع جو نہ صرف سارے ہندوستان بلکہ دنیا بھر کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے سر اسٹیفورڈ کرپس کا مشن یا کام اور کوشش ہے، جس پر ملک معظم کی حکومت نے اُسے مامور کیا ہے۔ آپ اس کے متعلق حالات اور واقعات کا روزانہ مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ میں نہایت مختصر طور پر اور جہاں تک مجھ سے ممکن ہے مشن مذکور کی تجویز کے ''اعلان بشکل مسودہ'' (ڈرافٹ) کی تشریح کرتا ہوں۔ آپ لفظ ''ڈرافٹ'' کو زیرِ نظر رکھیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ تجاویز جو ملک معظم کی حکومت کی شرمندۂ فکر و ترتیب ہیں، اور وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکی ہے کہ یہ منصفانہ اور آخری ہیں۔ آیئے ہم ان کا منشا سمجھیں اور امتحان کریں۔ میں تفصیلوں پر بحث نہیں کروں گا، بلکہ صرف بڑے بڑے نکات پر نگاہ ڈالوں گا۔ یہ حسبِ ذیل ہیں۔ اوّل یہ کہ ان کا مقصد ایک جدید انڈین یونین (مملکتِ متحدہ ہندیہ) کی تخلیق ہے۔ جو ایک ڈومینین یا مملکت ہو اور برطانیہ کی رفیق اور برطانوی تاج کے زیرِ نگیں ہو، مگر ہر معاملۂ ملکی میں سلطنتِ برطانیہ کی باقی سب ڈومینین یا مملکتوں کے برابر ہو، اور اپنے داخلی و خارجی معاملات میں کسی طرح بھی ماتحت نہ ہو۔ اس ضمن میں اس جدید انڈین کے اعمال اور اختیارات کے متعلق کچھ شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً تین چیزیں بالخصوص قابلِ توجہ اور اہم ترین ہیں۔ ایک تو ''درجہ'' دوسرے ''اختیارات'' اور انجام کار ''عمل اور کام'' مگر یہ ہے وہ معاملہ جس پر اس وقت غور و خوض کرنا ہوگا، جب کہ ہم سلطنتِ برطانیہ کے کسی ایک ڈومینین یا دو یا دو سے زیادہ کے ساتھ معاہدہ یا معاہدات پر دستخط کریں گے۔

میں نے ابھی کرپس کے مشن اور حکومت برطانیہ کی تجاویز کے متعلق بڑے بڑے امور کے ذکر کے آغاز میں پہلی بات یہ بیان کی تھی کہ ان تجاویز کا مقصد ایک جدید انڈین یونین کی تخلیق ہے، دوسرا اہم امر یہ ہے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد ہندوستان کے اندر فوراً ایسے اقدامات کیے جائیں گے، جن کے وسیلے ایک مجلس منتخب کی جائے گی، اور اس کے ذمّے یہ کام ہوگا کہ ہندوستان کی آئندہ حکومت کے لیے ایک نیا آئین وضع کرے اور مجلس کی تشکیل کا طریقہ بھی تجاویز میں موجود ہے۔ میں اس کے متعلق اس وقت بحث کروں گا۔ جب کہ تجاویز کی اس دفعہ پر نگاہ ڈالوں گا، جس میں مجلسِ مذکورہ آئین ساز مجلس کی ترتیب و تشکیل کے لیے قواعد درج کیے گئے ہیں۔

تیسرا اہم امر یہ ہے کہ ایک شرط اور قاعدہ ایسا بنایا گیا ہے، جس سے ہندوستانی ریاستوں کا استقلال مقصود ہے۔

چوتھا اہم امر یہ ہے، ملک معظم کی حکومت اقرار کرتی ہے کہ جب اس قسم کا آئین مرتب ہو جائے گا تو فی الفور عمل میں لایا جائے گا۔

چند مستثنیات رکھی گئی ہیں مگر وہ اس اعلان زیر بحث کے اصولوں پر بہر حال برقرار رکھتے ہوئے کی جائیں گی۔ پہلی اور اہم ترین چیز جو مستثنیٰ ہے یہ ہے کہ جب آئین جدید بن چکے تو برطانوی ہند کے ہر صوبے کو اس امر کا حق ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو جدید انڈین یونین میں اس جدید آئین کے ماتحت شامل نہ ہو، اور اپنی موجودہ آئینی حیثیت پر قائم رہے، لیکن ان شرائط کی تعین بھی کر دی گئی ہے جن کے مطابق کوئی صوبہ جو علیٰحدہ رہے گا بعد میں شمولیت اختیار کر سکے گا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جب مجلس آئین ساز جسے اختیارات شاہی کی سرمایہ داری کہنا چاہیے۔ آئین مُرتب کرے گی تو جو صوبہ چاہے یوں کہے "ہم اس آئین سے متفق نہیں، پس ہم اس میں شامل نہیں ہوتے" لیکن ہمارے لیے مؤثر ترین اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اس حق عدم شمولیت کو کس طرح عمل میں لائیں گے، اور اس کے متعلق خود کس طرح درست فیصلہ کریں گے، ان سوالات کا جواب اعلان یا وثیقہ زیر نظر میں نہیں، لیکن سر اسٹیفورڈ نے یہ مشورہ دیا ہے اگر کسی صوبے کی لیجسلیٹو اسمبلی ساٹھ فیصد کثرت رائے سے شمولیت کے حق میں ہو تو صوبہ شامل ہو جائے، بلکہ اس پر مجبور ہو اور اگر اکثریت کو انسٹھ اور اقلیت کو اکتالیس آرا حاصل ہوں تو پھر عامۃ الناس کی رائے براہِ راست لی جائے۔ گویا تمام عام لوگ کثرت رائے سے شمولیت یا عدم شمولیت کا فیصلہ صادر کریں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عدم شمولیت کا فیصلہ کرنے کے بعد کسی ایک صوبے یا ایک سے زیادہ صوبوں کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی ایک جدا اور علیٰحدہ انڈین یونین یا متحدہ مملکت یا ڈومینین مرتب کر لیں۔ اس کے بعد وثیقہ میں وہ شرائط درج کی گئی ہیں، جو ہندوستانی ریاستوں اور علیٰحدہ رہنے والی مملکت یا مملکتوں اور جدید انڈین یونین کے مابین معاہدات پر حاوی ہوں گی۔

اب میں حسب وعدہ ان دفعات کو لیتا ہوں جن میں مجلس آئین ساز کی تعمیر ہوگی۔ اگر دوران جنگ میں ہندوستان کے بڑے بڑے فرقے آپس میں سمجھوتہ کر کے مجلس آئین ساز کی تعمیر کی شرائط کا فیصلہ کر لیں تو بہتر، ورنہ جنگ کے خاتمے کے بعد موجودہ آئین کے مطابق جُملہ برطانوی صوبوں کی مجالس قانون ساز کے لیے انتخابات ہوں گے۔ ان سب کے ممبران کی تعداد تقریباً سولہ سو ہوگی۔ یہ سب اراکین ایک حلقۂ انتخاب متصور ہوں گے، اور وہی متناسب نمائندگی کے اصول انتخاب کے مطابق مجلس آئین ساز کے لیے قریباً ایک سو ساٹھ اراکین اپنے میں سے چُن لیں گے۔ یہ ہوگی مجلس آئین ساز جس کو آئین سازی کے لیے کامل حاکمانہ اور شاہی اختیارات حاصل ہوں گے۔

اب ہندوستانی ریاستوں کی سنیئے۔ ان کو دعوت دی جائے گی کہ اپنی آبادی کے تناسب سے اراکین بھیجیں، مگر ان لوگوں کا تقرر بذریعہ انتخاب ہوگا یا نمائندگی؟ اس کے متعلق وثیقہ میں کوئی ذکر نہیں۔ یہ ہے وثیقہ جہاں تک آئندہ کو دخل ہے۔

اب موجودہ وقت کے لیے یعنی دورانِ جنگ میں طرز حکومت کی عارضی تبدیلیوں کی کیفیت سنیئے۔ موجودہ نازک وقت سے لے کر نئے آئین کی ترتیب و تعمیر تک ملک معظم کی حکومت لامحالہ ہندوستان کے دفاع کی کامل ذمہ داری اپنے ہاتھ میں رکھے گی لیکن وہ چاہتی ہے، اور اس لیے دعوت دیتی ہے کہ اہل ہند

کے بڑے بڑے طبقوں کے لیڈر ان مشوروں میں موثر اور فوری حصہ لیں جو ہندوستان اور سلطنت برطانیہ اقوام متحدہ کے مابین ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان کو یہ موقع ملے گا کہ اس کام کے سرانجام میں عملی اور تعمیری امداد دیں، جو ہندوستان کی آئندہ آزادی کے لیے لازم ولابد اور فیصلہ کن ہے۔

خواتین وحضرات! اس دفعہ میں اہم ترین الفاظ یہ ہیں کہ دفاع ہند کی کامل ذمہ داری تو ملک معظم کی حکومت کے قبضے میں ہوگی، اور بڑے بڑے ہندوستانی طبقوں کے لیڈروں کو صرف مشاورت میں شمولیت کی دعوت دی جائے گی اور محض مشورے دینے کا حق یا اختیار حاصل ہوگا۔

خواتین وحضرات! ان میں مختلف طور پر وثیقۂ ہذا کا مفہوم و منشا جو میرے ذہن میں آتا ہے پیش کرتا ہوں۔ خواہ ایک ڈومینین یا مملکت یا ایک سے زیادہ کی تخلیق عمل میں آئے، اور اس کا یا ان کا درجہ اور اختیارات کیا ہوں گے، اور ان دو امور سے کہیں بڑھ کر قابل غور امر یہ ہے کہ سب سے بڑا مقصد ایک جدید انڈین یونین کی تخلیق ہے۔ سارا معاملہ یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ یونین کی تخلیق کا مقصد پورا کرنے کے لیے شاہانہ اختیارات رکھنے والی ایک مجلس آئین ساز بنائی جائے گی۔ یہ مجلس بقول سر اسٹیفورڈ کرپس اس امر کو ترجیح دے گی کہ سارے ہندوستان کے لیے ایک اور محض ایک یونین ہے۔

غور کیجئے کہ مجلس آئین ساز کے اراکین گیارہ برطانوی صُوبوں کی اسمبلیوں کے ممبروں میں سے لیے جائیں گے۔ یہ لوگ محض ایک حلقۂ انتخاب کی حیثیت سے انتخاب کا کام کریں گے، اور انتخاب کا اصول ''متناسب'' ہوگا نہ کہ جُدا جُدا حلقہ ہائے انتخاب کے ذریعے انتخاب عمل میں آئے گا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی تعمیر یافتہ مجلس سے اس کے سوا کوئی توقع میرے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی کہ وہ ایک اور محض ایک یونین کو یقیناً ترجیح دے گی اور اسی نتیجہ پر پہنچے گی۔ یاد رہے کہ مجلسِ آئین ساز کی تعمیر کے قواعد وضوابط اسی منشاء اور مقصد کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یہ درست ہے کہ جب مجلسِ آئین ساز ادنیٰ سے ادنیٰ کثرت رائے کے مطابق مثلاً اکیاون فیصد تائید کے ساتھ جدید آئین مرتب کرے گی تو ہر صوبے کے جو آئین جدید کو ناپسند کرے یہ موقع دیا جائے گا کہ اور امتحان میں سے گزرے جس کا ذکر میں ابھی کروں گا، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حلقہ ہائے انتخاب کی صورت میں بھی مسلمانوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ پچیس فیصد ہوگی لیکن ''متناسب نمائندگی'' کے طریق کار سے اس کا کم ہو جانا عین ممکن ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ مجلس آئین ساز کا فیصلہ محض ادنیٰ سے ادنیٰ رائے کے مطابق ہوگا؟ اس وثیقے کے مطالعہ سے میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہاں ہوگا، کیونکہ اس قسم کے قواعد وضوابط کے وثیقوں میں جب تک ایک مقررہ مقدار کی اکثریت کے لازمی ہونے کا ذکر نہ کیا جائے تو مطلب کم سے کم یا ادنیٰ سے ادنیٰ اکثریت سے ہوتا ہے، اور ایک مقررہ اکثریت کی ضرورت ہو تو واضح طور پر لکھ دیا جاتا ہے، مثال کے طور پر مسلم لیگ کا آئین لیجئے اس میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر آئین میں تبدیلی کی ضرورت لاحق ہو تو دو تہائی اکثریت کی رائے کے بغیر کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔

یہ ہے مجلس آئین ساز کی کیفیت مختصر، اور اس کے

متعلق اگر میں کسی رائے کا اظہار کروں تو میں کہوں گا کہ جب مسٹر گاندھی اس مجلس میں آئیں گے تو انہیں کامل یقین ہوگا کہ ہمیں ایک ایسا آئین ضرور مل جائے گا۔ جو ایک آل انڈیا یونین کے لیے سارے ہندوستان کی ایک متحدہ ریاست کے لیے ہوگا۔

جب یہ سب کچھ ہو چکے گا تو علیٰحدگی پسند صوبے یا صوبوں سے یوں خطاب کیا جائے گا:

''سنو! سنو! گھبراؤ نہیں، تمہیں پھانسی پر لٹکائے جانے سے پہلے ایک موقع دیا جاتا ہے۔'' (قہقہہ)

یہ موقع وثیقہ میں درج نہیں۔ محض سر اسٹیفورڈ کا پیش کردہ مشورہ ہے اور ہم بھی جب وقت آئے گا تو اس کے متعلق اپنے مشورے دیں گے۔ ہاں تو کیا فرماتے ہیں سر اسٹیفورڈ کرپس سنیے۔ وہ یوں کہتے ہیں:

''اِدھر دیکھو! اگر تم میں سے اکتالیس فی صد مخالف ہوئے تو عامۃ الناس سے براہ راست رائے لی جائے گی۔''

اس پر میں پوچھتا ہوں کہ ''کس عامۃ الناس کی رائے؟'' جواب اس کا ظاہر ہے کہ صوبۂ متعلقہ کے عام لوگوں کی رائے۔ اس کو ہم یوں بھی بیان کر سکتے ہیں کہ ''کن لوگوں سے آپ ان کا اپنا فیصلہ طلب کرتے ہیں؟ کیا ایک قوم کے لوگوں سے یا دونوں قوموں سے یک جا طور پر؟ (سنیے سنیے) اس پر جواب ملتا ہے، کہ دونوں قوموں کو یک جا کر کے'' یہ ہے اس موقع کی حقیقت۔ جو وثیقہ عنایت فرماتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ اے علیٰحدگی پسندو! اگر عامۃ الناس کی رائے تمہارے حق میں ہوئی تو تم ذبح خانے سے بچ جاؤ گے۔ ایک اور محض ایک یونین بنانے کے خواہشمندوں اور اس لیے کسی صُوبے کو علیٰحدگی سے باز رکھنے کے حامیوں کی قربانی کی باری بعد میں آئے گی۔ (قہقہہ) یہ ہے وہ امر جو اثر و تاثر کی ہمہ گیری کے لحاظ سے مسلمانوں کے لیے اہم ترین ہے۔

میں نے مسودہ قانون کی تجاویز کی تشریح کر دی ہے۔ اس کے متعلق میں کہوں گا اور میں سمجھتا ہوں کہ میری آواز آپ ہی کے احساسات کی صدائے بازگشت ہو گی کہ مسلمانوں کو سخت ترین مایوسی ہوئی ہے، کیونکہ ان کی قومی وحدت اور یقینی اخلاقی قوت کو واضح طور پر اور صاف صاف الفاظ میں تسلیم نہیں کیا گیا (سنیے! سنیے) یہ کوشش قطعی طور پر بنیادی لحاظ سے غلط ہے کہ مسئلہ ہند کے حل کرنے میں امور واقعی سے پہلو تہی کی جائے اور صوبوں کی جغرافیائی وحدت کے قیام پر ضرورت سے زیادہ اصرار کیا جائے کیونکہ یہ تقسیم برطانوی حکومت کی حکمت عملی کا نتیجہ ہے اور حکومت کے انتظام و انصرام کے لیے کی گئی۔ (سنیے سنیے!) اسلامی ہند کی تسلی و تشفی نہ ہو گی سوا اس کے کہ قومی اختیار فیصلہ متعلقہ آئین کا حق صاف اور قطعی طور پر تسلیم کیا جائے۔ (سنیے! سنیے) اس حقیقت کا احساس ہونا چاہیے کہ ہندوستان کسی زمانے میں بھی نہ ایک ملک تھا نہ ایک قوم پر مشتمل تھا۔ اس براعظم تحتی کا مسئلہ بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے، اور تمدنی معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی اختلافات اس قدر شدید اور بنیادی ہیں کہ ہم ان کو نہ دبا سکتے ہیں نہ چُھپا سکتے ہیں۔ نہ خلط ملط کر کے مطلب حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم سب کے لیے لازم و لابد ہے کہ واقعیت پسند، اہل عمل کی طرح اُن سے نپٹیں۔

وثیقہ کے مجوزہ آئین کے مطابق وہ نام نہاد اختیار جو اقلیتوں کو علیحدگی عطا کرتا ہے محض فریب نظر کی حیثیت

رکھتا ہے، کیونکہ اہلِ ہنود اس فیصلہ میں غالب فوقیت کے حامل ہوں گے کہ سارے ہندوستان کے لیے فقط ایک آل انڈیا یونین (ریاست متحدہ) قائم ہو، اور اس میں سب صوبے شامل ہوں، چنانچہ مسلمانانِ پنجاب و بنگال ہر وقت اپنے اپنے ہاں کی ہندو اقلیت کے رحم پر ہوں گے۔ اہلِ ہنود اپنی انتہائی کوشش اس امر پر صرف کر دیں گے کہ مسلمان ہمیشہ ہندوؤں کی گاڑی کے پہیوں سے بندھے رہیں۔ اس طرح تمام صوبوں کے اندر مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔

ہمیں اس امر کا کامل احساس ہے کہ اس وقت ہمیں غیر ملکی حملہ آوروں کی جانب سے سخت خطرہ اور اس بات کی تشویش ہے کہ جس طرح ہو سکے ہندوستان کی حفاظت کی جائے اور جنگ میں ہر طرح سے مدد بہم پہنچائی جائے، مگر ان سب اہم امور کے باوجود ہم زمانہ حاضر کی خاطر اپنے مستقبل کو فروخت نہیں کر سکتے۔ اگر ہم یہ کام کریں گے تو ان کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنی اولاد اور آنے والی نسلوں کے کروڑہا مسلمانوں کے خلاف ایک سخت جرم کے مرتکب ہوئے (سنیے! سنیے)

ان تجاویز کی رُو سے مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں میں فوری تغیرات کیے جائیں گے، اور موجودہ مروجہ آئین کی حدود کے اندر رہ کر، مگر اعلان ہذا کے مطالعہ سے ان کے متعلق کسی صاف اور عملی تجویز کا پتہ لگانا مشکل ہے، مگر یہ امر ناگزیر ہے کیونکہ تصویر ابھی تکمیل تک نہیں پہنچی اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی آخری کیفیت اور صورت کیا ہو گی۔ سر دست تو یہ وثیقہ محض ایک خاکہ یا ڈھانچہ ہے اور ظاہر ہے کہ اُسے قابلِ قبول بنانے کے لیے بہت سی تفصیلوں کی ضرورت اور تجاویز میں تغیرات اور تکمیل کی حاجت۔ یہ معاملہ ان معاملات میں سے ایک ہے جن میں محض اصولوں کے بیان کر دینے سے کہیں بڑھ کر مؤثر اور دُور رس تفصیلات ہوا کرتی ہیں۔ اس اعلان کے سبب ہمیں سخت تشویش ہو رہی ہے، اور شدید خطرات کا خدشہ تکلیف دے رہا ہے۔ بالخصوص تجویز پاکستان کے متعلق جو مسلمانوں کے لیے حیات و ممات کا مسئلہ ہے۔ اس لیے ہم انتہائی کوشش کریں گے کہ پاکستان کا اصول صاف صاف الفاظ میں اور قطعی طور پر تسلیم کیا جائے کیونکہ اس وقت تو اعلان میں نہایت معمولی طور پر مانا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانانِ ہند یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہماری اپنی پوری تسلی اور تشفی کے مطابق اس بات کا فیصلہ کیا جائے کہ ہم کس طرح اور کن شرائط سے ایک قوم کی حیثیت میں علیٰحدہ رہ سکتے ہیں یا اگر چاہیں تو شامل ہو سکتے ہیں۔ ہم اس کے متعلق بھی اپنی شدید کوشش جاری رکھیں گے ہم نہیں چاہتے کہ جس طرح گزشتہ جنگِ عظیم کے بعد فلسطین کا حشر ہوا تھا۔ وہی ہم پر اس جنگ کے بعد صادق آئے۔ جب کہ ہم اپنی آزادی اور علیٰحدگی کے اقراروں کی قیمت میں روپیہ، خون اور ساز و سامان ادا کر چکے ہوں گے۔ (سنیے! سنیے)

اِس اعلان سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان اور مستقبل کے اندر بہت دُور کی ایک چیز ہے، اور اس کی تخلیق کا محض امکان بھی دیر طلب ہے۔ پھر اس کے مقابلے میں ایک نئی متحدہ ریاست ہند (انڈین یونین) کے لیے قطعی ترجیح موجود ہے، بلکہ اس وقت سب سے بڑا مقصد یہی ہے، چنانچہ اس وقت تک بعض اہم امور ہمارے خلاف جا رہے ہیں، یعنی مجوزہ آئین کے

متعلق سیاسی اور آئینی مشورے طریق کار کے قواعد و ضوابط۔ سر اسٹیفورڈ کرپس کے ساتھ ملاقاتیں اور صاحب مذکور کی اپنی تشریحات وغیرہ۔ پس ان حالات کے پیش نظر میں کہوں گا کہ ہمیں ایک ایسا کھیل کھیلنے پر مجبور کیا جا رہا ہے جس میں فریق مقابل فریب کاری سے کام لے رہا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہماری مجلس عاملہ 27 مارچ سے ان تجاویز کا مطالعہ بڑی احتیاط سے کر رہی ہے اور وقت نظر سے اس کا امتحان لے رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سر اسٹیفورڈ کرپس اور ملک معظم کی حکومت بلا تامل وہ ضروری تغیرات کر دیں گے جن سے پاکستان کے اصول قطعی طور پر اور واقعی عمل میں لائے جا سکیں، اور مسلمانان ہند ایک اور محض ایک قوم کی حیثیت میں اپنی حکومت کے متعلق خود فیصلہ کرنے کے مختار ہوں۔ ہمیں اُمید ہے کہ انجام کاران مشوروں اور باہمی صلاح کار سے ایک ایسا منصفانہ سمجھوتہ پیدا ہوگا، جس سے سب کا احترام برقرار رہے گا اور جسے سب قبول کریں گے۔"

(بلند نعرہ ہائے تحسین)

تجاویز دیول

گاندھی کی تحریری اجازت سے مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے لیاقت علی خاں سے ہندو مسلم مساوات کی بنیاد پر سمجھوتہ کر لیا (یہ گویا تبدیلی قلب و نظر کا ثبوت تھا) اور اس کی اطلاع لارڈ دیول کو بھی دے دی۔

لارڈ دیول ایک فوجی آدمی تھے، اور ابھی کچھ مدت پہلے تک ہندوستان کے کمانڈر انچیف بھی رہ چکے تھے، لیکن وہ ایک مدبر اور سیاستدان بھی تھے، جیسا کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی خود نوشت میں اعتراف کیا ہے، اُنہوں نے اس روشنی میں تجاویز کا ایک خاکہ مرتب کیا۔ لندن اُڑ کر گئے اور برطانوی کابینہ سے اس کی منظوری بھی لے آئے۔

تجاویز دیول کا خلاصہ یہ ہے:

1. وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد مساوی ہوگی۔
2. یہ ایگزیکٹو کونسل رائج الوقت دستور کے ماتحت کام کرے گی۔
3. وائسرائے اور کمانڈر انچیف کے علاوہ تمام ممبران ایگزیکٹو کونسل ہندوستانی ہوں گے، آخر الذکر کی حیثیت وزیر جنگ کی ہوگی۔
4. امور خارجہ کا محکمہ بھی ہندوستانی ممبر کے سپرد کر دیا جائے گا۔
5. حکومت برطانیہ ہندوستان میں اپنا ایک ہائی کمشنر مقرر کرے گی، جو اس کے تجارتی اور دوسرے مفادات کی دیکھ بھال کرے گا۔
6. یہ ایگزیکٹو کونسل، آزادی ہند کی طرف پہلا قدم ہے۔ اس کے ممبر سیاسی جماعتوں کے منتخب کردہ ہوں گے، لیکن ملک معظم کی توثیق لازمی ہے۔
7. یہ ایگزیکٹو کونسل، رائج الوقت دستور کے ماتحت کام کرے گی، گورنر جنرل کو اس کے فیصلوں میں مداخلت کا حق ہو گا، لیکن اس حق کا کم سے کم استعمال کیا جائے گا۔ وہ بھی صرف ناگہانی موقع پر۔
8. مجوزہ قومی حکومت ہندوستان کے آئندہ دستوری خاکے پر اثر انداز نہ ہوگی۔ بالاتفاق جو اور جیسا دستور بھی منظور ہو جائے۔
9. نئی ایگزیکٹو کونسل، یعنی قومی حکومت کے خاص فرائض یہ ہوں گے۔

الف: جاپان کے خلاف اس وقت تک پوری شدت سے جنگ جاری رکھنا، جب تک اُسے شکست کامل نہ ہو جائے (واضح رہے جرمنی کو شکستِ فاش ہو چکی تھی، ہٹلر نے خودکشی کر لی تھی

اور مسولینی مارا جا چکا تھا۔)

ب: جدید دستور کے نفاذ تک یہ حکومت کام کرتی رہے گی۔

ان تجاویز پر غور کرنے کے لیے شملہ کی وائسریگل لاج میں تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندے مجتمع ہوئے، لیکن کانگریس کی ہٹ دھرمی کے سبب یہ کوشش بھی ناکام ہوگئی ناکامی کے اسباب پر قائداعظم محمد علی جناح نے پریس کانفرنس میں جو بیان دیا درج ذیل ہے۔

''تجاویز ویول کا تجزیہ کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ یہ دامِ تزویر ہے۔ ہندو قومیت کے علمبردار آزادی مسٹر گاندھی اور کانگریس، جغرافی وحدتِ ہند کے قائل لارڈ ویول، اسلامیانِ پنجاب میں تشت و تفرقہ اندازی پر آمادہ گلانسی خضر میں ایک اتحاد اور اشتراک موجود ہے۔

ان کا مقصد یہ تھا کہ ان انتظامات میں ہمیں پیچھے دھکیل دیں۔ لارڈ ویول کی تجاویز اگر ہم قبول کر لیتے تو گویا یہ اپنے ہی قتل نامہ پر دستخط کرنے کے مترادف ہوتا۔

آیئے لارڈ ویول کی تجاویز کا صحیح صحیح تجزیہ کر ڈالیں۔

1940ء سے ہم نے متعدد مرتبہ اس کا اظہار کیا ہے کہ ہم کسی عارضی تجویز یا حکومت میں شریک نہیں ہو سکتے، تاوقتیکہ حکومت برطانیہ اس کا اعلان نہ کر دے کہ مسلمانوں کو حق خود ارادیت حاصل ہے، اور مابعد جنگ یا جس قدر بھی جلد ممکن ہو قرارداد لاہور کے بموجب پاکستان کا قیام عمل میں آسکتا تھا۔

کسی عارضی انتظام میں ہمارے اشتراک کی یہی شرطِ اولین تھی۔ دوسرے یہ کہ ہم اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم ہیں، کسی ہنگامی انتظام میں ہماری شرکت اور انصرام جنگ میں ہماری امداد و تعاون اسی امر پر موقوف و منحصر ہے کہ مجوزہ مجلسِ عاملہ میں ہماری نمائندگی مساوی تعداد پر ہو۔

لیکن اس کی کوئی طمانیت تجاویز ویول میں نہیں دی گئی تھی اس کے باوجود ہم سے عظیم ترین ایثار قربانی کی خواہش کی گئی ہے۔ مجھے علم ہے کہ لارڈ ویول نے اپنی نشری تقریر میں فرمایا تھا کہ ہندوستان کے کسی آئندہ دستور پر یہ تجویز اثر انداز نہ ہوگی اور اس سے متاثر نہ ہوگا، لیکن اس کے برخلاف انہی کے الفاظ سے اس کی تردید بھی ہو جاتی ہے۔

ہر ذی فہم شخص یہ جانتا ہے کہ اگر ہم نے اس انتظام کو قبول کر لیا ہوتا تو مسئلہ پاکستان نذر طاق ہو جاتا، اور بلاتعین مدت ایک سرد خانے میں دھرا رہتا، پھر کانگریس کی تمنائیں پوری ہوتیں اور اس کو ہندوؤں کی قومی آزادی کے لیے ایک صاف اور سیدھا راستہ مل جاتا، اس لیے کہ ایک متحدہ حکومت کی طرح یہ عارضی حکومت ایک غیر معین مدت تک برسرِ کار اور برقرار رہے گی۔ برطانیہ کی وہ شہرۂ آفاق حکمت عملی اور لارڈ ویول کا یہ نظریۂ وحدت ہند ہمارے لیے موجب تباہی و ہلاکت تھا۔

اس موقع پر مسٹر ایمری کے بیان کا حوالہ دوں گا۔ انہوں نے سمجھوتے کی کوشش تو کی تھی، لیکن صرف اشک شوئی کر کے رہ گئے۔ ان کا بیان غیر مبہم ہے، اور اس سے برطانوی حکمت عملی کی صحیح وضاحت ہوتی ہے۔ مسٹر ایمری نے ''وہائٹ ہال'' میں قرطاسِ ابیض کو پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

''ہمارا مطمع نظر یہ رہا ہے کہ ریاستوں کے اشتراک و تعاون کے ساتھ ایک کل ہند وفاق قائم ہو اور اس کے ساتھ ہی ہم نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ متحدہ ہندوستان کے مسئلہ پر ہندو اور مسلمان متفق نہ ہوسکیں

گے، چنانچہ ایسا کوئی عارضی انتظام نہ ہونا چاہیے جو مستقبل کے منقسمہ یا متحدہ ہندوستان کے مسئلہ پر اثر انداز ہوتا ہو۔''

دوسرا امر یہ ہے کہ اس مجوزہ مجلس عاملہ میں تجویز کے بموجب ہم ایک اقلیت میں تبدیل ہو جاتے ہیں، اور ہماری تعداد گھٹ کر صرف ایک ثالث رہ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر تمام دوسری اقلیتیں، پست اقوام، سکھ اور پارسیوں کا وہی مقصد ہے جو کانگریس کا ہے۔

ہر چند کہ انہیں کچھ شکایات اور دعاوی ہیں، لیکن یہ محض اقلیت ہونے کی حیثیت سے ہیں۔ ان کے تصورات اور مطمع نظر ایک متحدہ ہندوستان ہی ہے۔ اس کے خلاف ہو نہیں سکتا۔ تہذیب اور ثقافت کے نقطۂ نظر سے بھی ان اقلیتوں کا ہندو معاشرے سے بالکل قریبی رشتہ ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اُن کے ساتھ منصفانہ سلوک نہ کیا جائے۔ ان کو تحفظات نہ دیئے جائیں اور وہ جہاں بھی آباد ہوں ان کی نگہداشت نہ کی جائے، میرا مقصد صرف اس قدر ہے کہ جب عملی طور پر رائے شماری کا وقت آئے گا تو ان اقلیتوں کی آراء ہمارے خلاف ہوں گی۔

اس خطرناک حیثیت کے بارے میں ہمیں کوئی تحفظ نہیں دیا گیا ہے، البتہ وائسرائے کو حق تنسیخ حاصل ہے، لیکن مقنن اور دستور ساز جانتے ہیں کہ ملک کے نظم ونسق یا مقننہ کی حکمت عملی کے خلاف اکثریت کے فیصلوں کو حق تنسیخ سے بار بار بے اثر نہیں کیا جا سکتا۔

سب سے آخری نکتہ یہ ہے کہ مجلسِ عاملہ کی جن پانچ نشستوں کا فرقہ وارانہ اساس و بنیاد پر تعین کیا گیا تھا، اور جو منصوبہ ویول کی روح ہے۔ ان پر ہم اپنے نمائندوں کا انتخاب نہیں کر سکتے۔

اس کے دو دعوے دار تھے۔

ایک کانگریس جس کا مطالبہ یہ تھا کہ ہمارے حصہ رسدی میں سے دو نشستیں اسے دی جائیں دوسرے گلانسی، خضر پنجاب کی طرف سے دو نشستوں کے طالب تھے۔ یہ مطالبات مسلم لیگ کے باوجود، موقف اور وقار پر ایک کاری ضرب تھے۔

گفت وشنید اس امر پر ناکام ہو گئی کہ پنجاب کی جانب سے لارڈ ویول ملک خضر حیات کے نامزدہ ایک غیر لیگی مسلمان کو لینا چاہتے تھے۔ جیسا کہ میں نے اس سے پہلے بھی کہا ہے کہ صرف کور چشم ہی اس حقیقت کو نہیں دیکھ سکتے کہ کل ہند مسلم لیگ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ تنظیم ہے۔

اگر ہم لارڈ ویول کے مجوزہ موقف کو قبول کر لیتے تو گویا ہم اس کانفرنس سے سب کچھ کھو کر لوٹتے۔''

تجویزِ پاکستان

14 جنوری 1945ء کو ملتوی شدہ شملہ کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا، لارڈ ویول نے اعلان کیا:

''مجھے افسوس ہے کہ یہ کانفرنس کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کانفرنس کے طلب کرنے کا خیال میرے ذہن کی پیداوار تھا، اس لیے اس کی ناکامی کا ذمہ دار بھی میں ہوں، میں مختلف پارٹیوں میں سمجھوتہ کرانے میں ناکام رہا۔ اس لیے یہ کانفرنس ختم کی جاتی ہے۔''

راج گوپال اچاریہ نے شدتِ غم اور وفورِ تاثر کے باوجود اپنے تئیں سنبھالا اور ارشاد فرمایا:

''کسی ایک پارٹی کے منفی رویہ کو ویول پلان کے

ماتحت بننے والی عارضی حکومت کے قیام میں حارج نہ ہونا چاہیے تھا۔"

پھر بہت سے مدعوئین نے تقریریں کیں، اور اپنی تقریروں میں قائداعظم پر خوب گرجے اور برسے، اس کانفرنس کے ایوان میں قائداعظم محمد علی جناح کی حمایت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ گالیاں دینے والے، طعنے دینے والے، لعن طعن کرنے والے سب تھے۔ بہرحال اس ہجومِ مخالفت، اور یورش اعداء میں یہ کوہِ وقار، لیکن دبلا پتلا، منحنی سا انسان کھڑا رہا اور یوں گرجا:

"کانفرنس کی ناکامی کی ذمہ داری سے متعلق جو باتیں کانفرنس کے مدعوئین نے کہی ہیں۔ ان کا جواب دینا قطعی غیر ضروری ہے۔

لیگ اور کانگریس نے متعلقہ مسئلہ کو دو مختلف زاویوں سے دیکھا، پاکستان اور متحدہ ہندوستان ایک دوسرے سے بالکل ہی مختلف ہیں۔ مسلمانانِ ہند نے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ وہ پاکستان حاصل کریں گے۔

مسلم لیگ عارضی حکومت کی تجویز پر غور و خوض کرنے پر رضامند تھی، بشرطیکہ ایک اعلان کیا جاتا، جس میں لاہور ریزولیوشن (تجویز پاکستان) کے مطابق مسلمانوں کے حق خودارادیت کی گارنٹی دی جاتی، اور نئی حکومت پر لیگ کو دوسری پارٹیوں کے مقابلہ میں ساری نمائندگی دی جاتی۔"

(مزید دیکھئے: خواتین اور پیغمبر اسلام ﷺ)

تحریر (قدیم ترین)

قائداعظم محمد علی جناح کی قدیم ترین تحریر ایک درخواست ہے جو انہوں نے 25 اپریل 1893ء کو آنریبل سوسائٹی آف لنکنز ان کے ماسٹر آف دی بنچ کو لکھی اس میں انہوں نے لکھا:

"جناب عالی!

میں بڑی انکساری اور ادب کے ساتھ آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں ابتدائی امتحان میں شرکت کا ارادہ رکھتا ہوں۔ یہ سن کر کہ میرا امتحان لاطینی زبان میں لیا جائے گا، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ان وجوہات کی بنا پر اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

❶ ہندوستان کا شہری ہوتے ہوئے میں نے کبھی لاطینی زبان نہیں پڑھی۔

❷ میں متعدد ہندوستانی زبانیں جانتا ہوں جن کی ہمیں ہماری روایتی یا دوسری زبانوں کی حیثیت سے ضرورت ہے۔

❸ میں نے ان دوسری زبانیں سیکھنے میں بہت سا وقت صرف کیا ہے جن کی ہمیں ضرورت رہتی ہے۔ ان حالات میں میں لاطینی نہیں سیکھ سکتا جس کے لیے اگر مجھے مجبور کیا گیا تو مجھے امتحان پاس کرنے میں کئی سال لگ جائیں گے۔

مجھے امید ہے کہ میری گزارشات کو تسلی بخش قرار دیتے ہوئے میری درخواست پر ہمدردانہ غور کیا جائے گا۔

فقط

آپ کا منکسر اور وفادار خادم

محمد علی جناح

40 گلاز بری روڈ

ویسٹ کنسگٹنس

تحریکِ آزادی، انڈونیشیا

قائداعظم محمد علی جناح نے 22 اکتوبر 1943ء کو انڈونیشیا کی تحریک آزادی سے متعلق آل انڈیا مسلم لیگ کی حکمت عملی کے بارے میں یہ بیان جاری کیا:

"باشندگانِ انڈونیشیا کو ہماری امداد اور ہمدردی حاصل

قائداعظم محمد علی جناحؒ سید وزیر حسن اور قاسم بھائی ابراہیم کے ہمراہ، بمبئی میں-1936

ہوگی کیونکہ یہ لوگ اپنی آزادی کے حصول کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ بار دیگر ہالینڈ نے اپنی استعماری حکومت قائم کر لی تو پھر یہ ایک حادثہ فاجعہ ہوگا۔ ہمیں ان ملکوں سے کامل ہمدردی ہے جو آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں اور جدوجہد عمل میں لا رہے ہیں اور جن کا مقصد اجنبی غلبہ استعمار اور لوٹ کھسوٹ کا استیصال کرنا ہے مسلم لیگ اس ملک کی کسی انجمن یا جماعت سے پیچھے نہیں رہے گی۔ اگر اقتضائے وقت کی رو سے کسی عملی کارروائی کی ضرورت محسوس ہوئی تو مسلم لیگ اپنے دعویٰ ہمدردی کو لباس عمل پہنانے کے لیے دوسری مجالس پارٹیوں کے دوش بدوش سرگرم عمل نظر آئے گی۔ بہرحال مسلم لیگ کی ہمدردیاں تمام و کمال ان ممالک کے لیے وقف رہیں گی اور ہم ایسے تمام ممالک کو ہر ممکن امداد دیں گے۔"

تحریک آزادی پاکستان (بلوچستان میں)

اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر انعام الحق کوثر ہیں۔ انہوں نے یہ کتاب مکتبہ عالیہ لاہور کے لیے 1986ء میں لکھی۔ 192 صفحات پر محیط اس کتاب میں بلوچستان میں تحریک پاکستان کی سرگرمیوں کو پہلی بار اجاگر کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی گئی۔

کتاب مستند حوالوں سے مزین ہے، اس کتاب کی بدولت بہت سے ایسے گوشے بھی سامنے آئے ہیں جو اس سے پہلے کسی کے ذہن میں بھی نہ تھے۔ مثلاً قائداعظم محمد علی جناح نے کوئٹہ کے مشہور اسلامیہ ہائی سکول کو چھوٹا علی گڑھ کہا تھا۔ بلوچستان میں مسلمان طلبا نے قیام پاکستان کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح سے کس قدر تعاون کیا۔ قیام پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح جتنی مرتبہ بلوچستان گئے انہیں تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ گوناں گو مشکلات بے پناہ رکاوٹوں اور طاغوتی طاقتوں کی گھناؤنی سازشوں کے باوجود اہل بلوچستان دل و جان سے تحریک پاکستان کے ساتھ ایسے وابستہ ہوئے کہ قائداعظم محمد علی جناح بے ساختہ پکار اٹھے:

"بلوچستان کے لوگوں پر پورے برصغیر کے مسلمان فخر کرتے ہیں۔"

تحریک پاکستان تربیتی کیمپ (لاہور)

23 جولائی تا 4 اگست 1944ء کو پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے تحریک پاکستان میں شامل طلبا کے لیے ایک تربیتی کیمپ لاہور میں منعقد کیا۔ کیمپ کی افتتاحی تقریب میں قائداعظم محمد علی جناح نے بطور مہمان شرکت کی۔ اس موقع پر ایک تصویر بھی لی گئی پہلی صف میں یہ حضرات بیٹھے ہوئے تھے

قائداعظم محمد علی جناح مسٹر بدیع الزمان سابق ایڈووکیٹ جنرل پنجاب، سید قاسم رضوی، سابق کمشنر ملتان ڈاکٹر ضیا الاسلام صدر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن، پروفیسر چودھری محمد صادق ناظم اعلیٰ تربیتی کیمپ، کرنل ڈاکٹر صبیح الدین طور اور عبدالحمید بھٹی ایڈووکیٹ۔

تحریکِ پاکستان کا وکیل

قائداعظم محمد علی جناح تحریکِ پاکستان کا مقدمہ لڑنے والے کامیاب وکیل تھے۔ ایک سچے اور کھرے وکیل جنہوں نے اپنا کیس لڑنے کے لیے بھرپور تیاری کی تھی۔

رضی الدین سید قائداعظم محمد علی جناح کی اسی خوبی کو اجاگر کرتے ہوئے اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں:

"1947ء میں قائداعظم نے دو مضبوط دشمن قوتوں

سے ایک ساتھ جنگ کر کے مسلمانوں کو اس کرۂ ارض پر ایک نہیں بلکہ دو پاکستان عطا کیے مشرقی اور مغربی۔

تحریکِ پاکستان بہت طویل، کٹھن اور سازشوں سے پُر تھی، جس میں کامیابی حاصل کر لینا ہرگز آسان نہ تھا لیکن خدائے بزرگ و برتر کا احسان ہے کہ اس نے مسلمانانِ ہند کو اس مرحلے پر قائداعظم کے نام سے ایک خصوصی شخصیت عطا کی۔ قائداعظم کو تب جو پراعتماد اور بے خوف زبان ملی تھی، مسلمانانِ ہند کا ٹھوس اتحاد بھی دراصل اس کا ایک اہم سبب تھا۔ یہ وہ ناقابلِ شکست اتحاد تھا، جسے آزادی حاصل کر لینے کے بعد برادرانِ وطن نے اب ہمیشہ کے لیے فراموش کر دیا ہے۔

قائداعظم کی خصوصیات ان گنت تھیں۔ وہ ایک کھرے اور سچے انسان تھے، جنہیں جھوٹ اور منافقت سے کراہت تھی۔ وہ وسیع المطالعہ تھے، کسی کو کیا معلوم کہ تحریکِ پاکستان کے مقدمہ کی خاطر انہوں نے اسلامی فقہ، سیرت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور مارما ڈوک پکتھال کے انگریزی ترجمہ قرآن کا باضابطہ مطالعہ کیا تھا۔ وہ کسی بھی قیمت پر بکنے والے فرد نہ تھے، ورنہ تحریکِ پاکستان کے عروج کے دور میں اپنی قوم کو فروخت کر کے قیمت کھری کر لینے میں انہیں کیا رکاوٹ درپیش تھی؟ سرزمینِ وطن کے قائدین تو اب اس ''کاروبار'' کو صبح و شام اپنائے ہوئے ہیں، اسلام سے انہیں کوئی شرمندگی یا خفت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی، بلکہ وہ برملا اس سے محبت کا اظہار کرتے تھے۔ علی الاعلان کہا کرتے تھے کہ اسلامی نظام کی موجودگی میں ہمیں اب کوئی دوسرا ''ازم'' نہیں چاہیے۔ کسی کو بھی اندازہ نہیں ہے کہ اس دور کے تحریکِ آزادی کے دیگر مسلم رہنماؤں میں قائداعظم ہی وہ واحد ہستی تھے، جنہوں نے اسلام کے ساتھ کھل کر اپنی وابستگی کا اظہار کیا تھا۔ عورتوں کے پردے پر بھی انہوں نے کبھی اعتراض نہیں کیا جیسا کہ آج کل کا فیشن بنالیا گیا ہے، بلکہ ایک بار خواتین کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے خود کہا تھا کہ ''تحریکِ پاکستان کی جدوجہد آپ پردے کے اندر رہ کر بھی کر سکتی ہیں۔''

قائداعظم بہت دوراندیش اور صاحبِ بصیرت رہنما تھے۔ کسی بھی معاملے پر رائے دیتے ہوئے وہ اس کے دوررس اثرات کو بھی سامنے رکھتے تھے۔ ان کے دل میں صرف مسلمانانِ ہند ہی نہیں بلکہ عالمِ مغرب کے مسلمانوں کا بہت گہرا درد پایا جاتا تھا۔ ان کا دامن ہمہ قسم کے اسکینڈلز سے بالکل پاک تھا، کیونکہ وہ اس قسم کے مزاج میں ڈھلنے کے لیے تخلیق ہی نہیں کیے گئے تھے۔ مہاتما گاندھی کا نوجوان لڑکیوں کے ساتھ اور جواہر لال نہرو کا لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ اسکینڈل کس کو معلوم نہیں ہے؟ یا قوم نے بھی اگر اپنی رہنمائی کے لیے ان کا انتخاب کیا تھا تو ان کی انہی بے مثال صفات کو اپنے سامنے رکھا تھا۔

ایک موقع پر جب لارڈ پیتھک لارنس نے زور دے کر کہا تھا کہ ''مسلمانوں کی نمائندگی کی اجارہ داری مسٹر جناح کو نہیں دی جا سکتی۔'' تو قائداعظم نے پلٹ کر بے باکی سے جواب دیا تھا ''آخر کیوں؟ میں کوئی تاجر نہیں ہوں اور نہ کسی بنیے کی طرح سودے بازی اور حجت وتکرار سے کام لے رہا ہوں۔''

(اسٹینلے والپرٹ)

لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے پہلی ملاقات کے موقع پر

قائداعظم نے جب گفتگو کا آغاز یہ کہہ کر کیا کہ ''میں صرف ایک شرط پر گفتگو میں حصہ لوں گا'' تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ ''مسٹر جناح، میں کوئی شرط سننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ سب سے پہلے آپ اپنا تعارف کرائیں۔'' تاہم جناح نے اپنی ذاتی زندگی کا تعارف کروانے سے انکار کردیا۔

''فریڈم ایٹ مڈنائٹ'' کا مصنف (Larry Collins) لکھتا ہے کہ ملاقات کے اختتام پر ماؤنٹ بیٹن نے انتہائی بے بسی کے ساتھ اپنے سیکرٹری سے کہا کہ ''اف میرے خدا! جناح تو برف کی طرح سرد تھے، میرا زیادہ وقت تو اس برف کو پگھلانے میں صرف ہوگیا۔''

برطانوی حکومت نے ایک بار قائداعظم کو رام کرنے کے لیے انہیں کسی صوبے کی گورنری کی پیشکش کی، اور دوسری بار ان کے لیے ''سر'' کا خطاب تجویز کیا تو قائداعظم نے اپنے روایتی سپاٹ لہجے میں جواب دیا کہ ''مسٹر پرائم منسٹر میں کوئی بکاؤ مال نہیں ہوں۔''

قرارداد لاہور 23 مارچ 1940ء کے موقع پر گاندھی نے یہ کہہ کر طوفان اٹھا دیا تھا کہ ''یہ تو مادر ہند کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کے برابر ہے۔'' ایک اور متعصب لیڈر راج گوپال اچاریہ نے تبصرہ کیا کہ یہ قرارداد تو ایک روگی ذہن کی پیداوار ہے۔ قائداعظم نے دونوں تبصروں کا جواب یہ کہہ کر دیا کہ ''کہاں ہے وہ ملک جس کے حصے بخرے کیے جائیں گے؟ جن علاقوں پر ہمارا دعویٰ ہے، وہ تو پہلے ہی سے ہمارے علاقے ہیں، کیونکہ وہاں ہماری اکثریت ہے۔ جبکہ راج گوپال اچاریہ کی گفتگو سے لگتا ہے کہ ان کی کھوپڑی میں دماغ نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔'' (یعنی انہوں نے قرارداد کو سنجیدگی سے پڑھا ہی نہیں ہے)

ایک بار قائداعظم نے پنڈت نہرو کی منافقت کا پردہ یہ کہہ کر کھلے عام چاک کیا کہ ''پنڈت نہرو بنارس اور ماسکو کے درمیان بٹے ہوئے ہیں۔ وہ بیک وقت دو کشتیوں میں سواری کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی ایک طرف ہندوازم سے بھی واسطہ رکھنا چاہتے ہیں، اور دوسری طرف اشتراکیت سے بھی! دراصل وہ ہواؤں میں اڑ رہے ہیں۔''

''جناح، دی کری ایٹر آف پاکستان'' کا انگریز مصنف ہیکٹر بولائتھو لکھتا ہے: ''ان کے اعتماد و یقین کی قوت، ان کی خطابت کو ایک نئی طاقت عطا کرتی ہے۔'' مثلاً مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے ایک بار قائداعظم نے کہا تھا: ''10 کروڑ مسلمان ہمارے ساتھ ہیں، اور جب میں 10 کروڑ کہتا ہوں تو اس سے میری مراد یہ ہوتی ہے کہ ایک فیصد غداروں، مراقیوں، دیوانوں اور مافوق البشروں کو چھوڑ کر 99 فیصد مسلمان ہمارے ساتھ ہیں۔ مہربانی کر کے گروپوں اور فرقوں میں بٹنے کے بجائے آپ اپنے اندر اسلام اور قوم کی محبت پیدا کریں۔''

برطانوی حکومت سے مخاطب ہو کر انہوں نے کھری کھری سنائی تھی اور کہا تھا: ''میں انہیں اس پلیٹ فارم سے متنبہ کرتا ہوں کہ ہماری مایوسی اور تلخی کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ آپ مسلم ہند کے ساتھ جو ناروا برتاؤ کر رہے ہیں۔ وہ خود آپ کے لیے بھی خطرہ ہے۔ میں اب اس سے زیادہ سخت زبان استعمال نہیں کرنا چاہتا۔'' ایک اور موقع پر بانی پاکستان نے انگریزوں اور ہندوؤں دونوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ

''سوال یہ نہیں ہے کہ یہ ہمیں پاکستان دیں گے یا نہیں؟ ہم اسے لیں گے۔'' اور یہ کہہ کر انہوں نے ''لیں گے'' کے الفاظ کو بہت دیر تک کھینچے رکھا تا کہ ان کے موقف کی سختی دونوں پر نمایاں ہو سکے۔
مسلمانوں کو جوش و جذبے سے بھرا ہوا دیکھ کر ایک بار انہوں نے خوشی کا اظہار کیا۔ ''سات سال قبل مسلم انڈیا کی حالت مردے کی سی تھی، مگر آج اس مردے کی حالت دیکھیے کہ وہ اپنے پورے ہوش و حواس میں ہے بلکہ چل پھر بھی سکتا ہے۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مسلم ہندوستان اب بیدار ہو چکا ہے۔''
(سید شریف الدین پیرزادہ، کتاب فاؤنڈیشنز آف پاکستان)
گاندھی نے جب آزادیٔ ہند کا مطالبہ کیا تو نعرہ لگایا کہ Quit India (بھارت سے نکل جاؤ) جواب میں قائداعظم نے برجستہ کہا کہ Divide n Quit India (بھارت کو تقسیم کرو اور پھر بھارت سے نکل جاؤ) اس طرح ایک اور موقع پر پنڈت جواہر لال نہرو نے بلند بانگ دعویٰ کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ''ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہی موجود ہیں۔ ایک کانگریس اور دوسری حکومت برطانیہ۔ بقیہ سب یا تو اس کیمپ میں آجائیں یا اس کیمپ میں چلے جائیں، ان کے لیے علیحدہ وجود کا کوئی جواز نہیں ہے۔'' پنڈت نہرو کا یہ ایک متکبرانہ اعلان تھا، جس کے جواب میں محمد علی جناح نے کلکتہ سے برملا اس کا جواب دیا۔ ''میں نے پنڈت نہرو سے پہلے بھی کہا تھا اور اب پھر کہتا ہوں کہ ہندوستان میں ایک تیسری طاقت بھی موجود ہے، اور وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی طاقت ہے، ہم کسی کے بھی اشارۂ چشم و ابرو پر چلنے کے لیے تیار نہیں ہیں، اور نہ ہم کسی پارٹی کے خیمہ بردار بن سکتے ہیں۔'' اس کے چند دن بعد انہوں نے ایک جلسہ عام میں نہرو سے زور دے کر کہا ''براہِ کرم، وہ مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں اور ان سے تعرض نہ کریں۔''
تقسیم ہند کے خلاف کانگریس کے دلائل کو رد کرنے کے لیے قائداعظم نے کہا کہ ''ہندوستان فی الحقیقت ایک ملک نہیں بلکہ ایک برصغیر ہے۔'' کتاب ٹائم اینڈ ٹائیڈ'' از سر آرتھر (یعنی جس طرح کسی براعظم میں بہت ساری قومیں بستی ہیں، اسی طرح بھارت میں بھی کئی قومیں آباد ہیں) دوسری جانب مارچ 1939ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ کے سامنے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا: ''مسلمان ایک اقلیت نہیں ایک قوم ہیں۔''
منٹو پارک لاہور میں قراردادِ پاکستان کے موقع پر مارچ 1940ء میں قائداعظم نے قرارداد پیش ہونے سے پہلے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ''ایک قوم کا ہیرو اکثر دوسری قوم کا ولن قرار پاتا ہے، لہٰذا اس قسم کی دو (متضاد) قوموں کے کندھوں پر ایک ہی واحد مملکت کا بوجھ ڈال دینا، اس طرح کہ ان میں ایک دائمی عددی اقلیت ہو اور دوسری دائمی عددی اکثریت، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس قسم کی حکومت کا شیرازہ (بالآخر) بکھر جائے گا۔''
آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک تاریخی اجلاس آرٹلری میدان کراچی میں 24 تا 26 دسمبر 1943ء کو منعقد ہوا۔
آگے چل کر رضی الدین سید لکھتے ہیں کہ اس اجلاس کی صدارتی تقریر میں محمد علی جناح نے جواباً کہا:
''ہم نے ایک قوم کی حیثیت سے حکومت اور نوکر شاہی کی جانب سے کی گئی ابتدائی مخالفت کا کامیابی

سے مقابلہ کیا ہے۔ بعد میں کانگریس نے ہم پر حملہ کیا تو ہم نے اسے بھی پسپا کر دیا۔ اب مسلمانانِ ہند کسی مزاحمت، نعرے یا ڈھونگ سے متاثر نہیں ہوں گے۔ ہمارے ساتھ لاکھوں مسلمان ہیں۔ ہمارا اپنا پرچم ہے، ہمارا اپنا پلیٹ فارم اور ایک واضح نصب العین ہے۔ حصولِ پاکستان کے لیے ہمارے پاس فوج، سمندری بیڑے یا ہوائی جہازوں کی کھیپ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے، وہ اتحاد اور اپنے نصب العین پر پختہ یقین ہے۔''

تھوڑے ہی عرصے کے بعد 9 ستمبر تا 27 ستمبر 1944ء کے درمیان تقسیم ہند کے سوال پر گاندھی اور قائداعظم کے درمیان ایک براہِ راست ملاقات مالابار ہل پر ہوئی۔ کئی بے مقصد نشستوں کے بعد قائداعظم نے تنگ آ کر گاندھی سے کہا:

''آپ نے قرارداد لاہور کے بنیادی اصولوں کو پہلے ہی ٹھکرا دیا ہے۔ آپ یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک قوم ہیں۔ آپ یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ پاکستان دو سلطنتوں پر مشتمل ہے، تو میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان کی تقسیم، ہندوستان اور پاکستان کی حیثیت سے محض آپ کی زبان پر ہے، اور یہ آپ کے دل سے نہیں نکل رہی ہے۔''

اس کے بعد ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

''گاندھی جی کا بار بار کا یہ دعویٰ کہ انہوں نے قرارداد لاہور کی روح کو پورا کر دیا ہے، محض زمانہ سازی، فریب آمیزی اور پرپیچ بات ہے۔ اگر ہم ان شرائط کو قبول کر لیں تو اس کا مطلب پاکستان کو دفن کر دینے کے برابر ہے۔ میں نے تین ہفتے تک گاندھی جی کو قائل کرنے کی مسلسل کوشش کی ہے، مگر ان کا مرض اتنا پیچیدہ اور پرانا ہے کہ وہ کسی بھی معالج کے بس سے باہر ہے۔''

اوپر ہم نے تحریکِ پاکستان میں قوم کے بلند آہنگ اور ناقابلِ شکست وکیل قائداعظم کے کردار کی محض چند جھلکیاں پیش کی ہیں، ورنہ ان کی پوری تحریکی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے مزید حیرت انگیز کارنامے ہمارے سامنے آئیں گے۔''

آگے چل کر رضی الدین سید رقمطراز ہیں:

''برصغیر پاک و ہند کے اس نازک موڑ پر اگر مسلم قوم کو قائداعظم محمد علی جناح جیسا چٹانی صفات کا حامل رہنما میسر نہ آتا تو اس قوم کو آج محض وہ آزادی حاصل ہوتی جو آزادی ہندوستان میں بھارتی ہندوؤں کی ماتحتی میں ان کے لیے مقدر ہے۔ اس عظیم قائد کے مقابلے میں ہماری آج کی بدنی اور نفس پرست سیاسی شخصیات ہیں، جن کے اندر ہر دشمن وطن سے مصالحت کا بے پناہ جذبہ پایا جاتا ہے، اور جو تقسیم ہند کو محض ایک مجنونانہ کوشش گردانتی ہیں۔''

(مضمون از رضی الدین سید، بشکریہ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ اشاعت اگست 2013ء)

تحریک پاکستان میڈل

اس میڈل کے ربن پر قائداعظم محمد علی جناح کے یہ الفاظ کندہ ہیں۔

اتحاد، تنظیم اور یقین محکم

1987ء میں یہ میڈل حکومت پنجاب کی جانب سے تیار کروایا گیا۔ اس کے ایک جانب مینار پاکستان اور درمیان میں چاند ستارہ ہے، اور پشت پر حکومت پنجاب کا نشان گندم کی

بلیں بنی ہوئی ہیں اور وزیراعلیٰ پنجاب لکھا ہوا ہے، اور نیچے ان کے دستخط ہیں جبکہ ربن پر قائداعظم محمد علی جناح کے تاریخی الفاظ اتحاد، تنظیم اور یقین محکم لکھے ہیں۔ میڈل کا وزن تقریباً 45 گرام ہے۔ 14 اگست 1987ء کو یہ پہلی بار لاہور میں دیا گیا۔

تحریک پاکستان میں طلبا کا کردار

اس کتاب کو مختار زمن نے لکھا۔

مختار زمن نے تحریک پاکستان میں مسلم طلبا کے کردار پر بھرپور روشنی ڈالی ہے حالانکہ اس سے قبل کسی نے بھی تحریک پاکستان میں مسلم طلبا کے کردار کو کلیدی حیثیت نہ دی اور نہ اسے تحریک پاکستان کے ایک جزولاینفک کے طور پر پیش کیا۔

مختار زمن نے مطبوعہ وغیر مطبوعہ مواد مسلم طلبا کی تحریک کے چند سربرآوردہ شرکا اور ذاتی یادداشتوں و معلومات کی مدد سے اکٹھا کیا ہے۔ کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی تقاریر کے وہ اقتباسات بھی شامل ہیں جو انہوں نے مختلف مقامات پر طلبا کے سامنے کیں۔

تحریک پاکستان میں مسلمان طلبا کا کردار

اس کتاب کو پنجاب یونیورسٹی کے پاکستان سٹڈی سنٹر نے 1988ء میں شائع کیا۔ یہ کتاب پانچ حصوں پر مشتمل ہے پہلے دو حصے ان خطوط اور ان کے جوابات پر مشتمل ہیں جو طلبا نے قائداعظم محمد علی جناح اور خان لیاقت علی خان کو لکھے اور انہوں نے ان خطوط کے مناسب جواب دیے۔ ان میں سے کچھ خطوط ایسے ہیں جو دونوں لیڈروں کو لکھے گئے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح تمام خطوط کا باقاعدگی سے جواب دیا کرتے تھے لیکن کتاب کے مولف کو بہت سے خطوط کے جوابات نہ مل سکے تاہم جو خطوط طلبا نے قائداعظم محمد علی جناح کو لکھے اس سے بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ طلبا کی تنظیم کے بارے میں مسلم لیگ کے لیڈروں کا رویہ کیا تھا۔

تحریک عدم تعاون

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی سیاست کے لیے چند اصول وضع کیے تھے اور وہ ساری عمر انہی اصولوں پر کاربند رہے۔ اس کی واضح مثال تحریک عدم تعاون کے سلسلے میں ہے قائداعظم محمد علی جناح نے 1920ء میں کانگریس کے سالانہ اجلاس منعقدہ ناگپور میں تحریک عدم تعاون کی قرارداد کی شدومد سے مخالفت کی، حالانکہ ہزاروں کا مجمع اور قائدین قرارداد کے پوری طرح حق میں تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کا استدلال یہ تھا:

"یہ تحریک عاقبت نااندیشانہ ہے اور اس سے قوم کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

تحفہ

◆ 1943ء کا ذکر ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کوئٹہ میں ایک ٹی پارٹی میں شریک تھے۔ اس پارٹی میں کچھ ان ملاقاتوں کا ذکر آگیا، جو اس سے پہلے قائداعظم محمد علی جناح اور لارڈ لنلتھگو وائسرائے ہند میں ہوتی رہی تھیں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"ایک دن وائسرائے نے مجھ سے کہا کہ اگر آپ یہ ضد چھوڑ دیں کہ پاکستان بنا چاہیے اور مسلمان علیحدہ قوم تسلیم کیے جانے چاہئیں تو وہ فریق ثانی کو قائل کرسکتے ہیں کہ مسلمانوں کو بہت سی مراعات دے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"میں اس کا جواب آئندہ ملاقات میں دوں گا۔"

چند دن بعد پھر اس ملاقات کا وقت آیا تو قائداعظم ایک چیز اپنی جیب میں ڈال کر وائسرائے کے ہاں لے گئے۔ وہ چیز

تھی پاکستان کا نقشہ، جس میں وہ صوبہ جات جن میں مسلمانوں کی آبادی اکثریت میں تھی، سبز رنگ سے دکھائے گئے تھے۔ یہ نقشہ ایک گیارہ سالہ لڑکی نے ریشمی رومال پر سوزن کاری سے کاڑھا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے وائسرائے کو بتایا:

''یہ لڑکی ایک پرانی وضع کے مسلمان کے گھر میں روہیل کھنڈ میں پیدا ہوئی، گھر میں پردے کی سخت پابندی تھی۔ اس لیے یہ لڑکی کسی مدرسے میں پڑھنے کے لیے نہیں بھیجی گئی تھی۔ اس نے نہایت محنت سے یہ نقشہ بنایا اور اس کی آرزو تھی کہ یہ نقشہ قائداعظم کی خدمت میں پیش کرے۔''

جب قائداعظم دورہ کرتے ہوئے اس شہر میں پہنچے جہاں یہ لڑکی رہتی تھی تو اس کا باپ قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ کچھ وقت نکال کر ان کے ہاں چلیں جہاں یہ لڑکی یہ تحفہ ان کی خدمت میں پیش کرنا چاہتی تھی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے باوجود کثرت مصروفیات کے اس کی درخواست منظور کی، اور اس کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں اس کے ہاتھ سے تحفہ قبول کیا، اور اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیا۔ جب انہوں نے وہ نقشہ وائسرائے کو دکھایا تو وہ بنانے والے کی دستکاری کی تعریف کرنے لگا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جب اس لڑکی کی عمر بتائی اور اس کی گھریلو زندگی کا حال بتایا تو اسے بڑا تعجب ہوا اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے وائسرائے سے کہا:

''آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں لوگوں کو سکھاتا ہوں کہ وہ پاکستان مانگیں، حالانکہ اصلیت یہ ہے کہ یہ خیال اس وقت نوخیز طبقے کے رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے، اور میں جب اس پر زور دیتا ہوں تو فقط اپنی قوم کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہوں۔''

لارڈ لنلتھگو اس نقشے سے بہت متاثر ہوئے، اور ان پر واضح ہو گیا کہ پاکستان کا تخیل پردے والی عورتوں اور چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے دلوں میں پہنچ گیا ہے، اب یہ خیال بدلا نہیں جا سکتا۔

◆ یہ دسمبر 1941ء کا دور تھا۔ یہ بڑا ہی نازک وقت تھا۔ جنگ کی ہولناکی نے انگریزوں کے اوسان خطا کر رکھے تھے۔ کانگریس نے اس کمزوری کو محسوس کر کے اپنے مطالبات میں شدت پیدا کر دی تھی۔ وہ مسلم قوم پر حکومت کرنے کا حق حاصل کرنا چاہتی تھی ورنہ وہ سارے ملک میں غدر برپا کر دینے کا تہیہ کر چکی تھی۔ اتحادیوں کی حالت حد درجہ سقیم تھی اور محوری طوفان ابر و باد کی طرح بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ کسی میں ہمت نہ تھی کہ ان کی پیش قدمی کو روک سکے۔

مسلمان جنگجو نسل سے تعلق رکھتے تھے، لہٰذا حکومت ان کا تعاون حاصل کرنے کے لیے بیتاب تھی، لیکن باگ قائداعظم محمد علی جناح کے ہاتھ میں تھی۔ وہ غیر مشروط تعاون کے لیے تیار نہ تھے ان کا کہنا تھا:

''پاکستان مان لیا جائے۔ امورِ مملکت میں حصہ دیا جائے تو ہم تعاون کر سکتے ہیں۔''

آخر حکومت نے لیگ اور کانگریس کی ہائی کمان سے مایوس ہونے کے بعد بالا بالا سربرآوردہ لوگوں کو توڑنے کی کوشش کی۔ وائسرائے نے نیشنل ڈیفنس کونسل کے نام سے ایک مجلس قائم کی اور جس فوجی مجلس میں پنجاب کی نمائندگی نہ ہو وہ بے کار تھی، چنانچہ سر سکندر حیات خان وزیر اعظم پنجاب کو اس کا ممبر نامزد کیا۔ اسی طرح بنگال کے وزیر اعظم فضل الحق۔ آسام کے وزیر اعظم سر سعد اللہ اور حیدر آباد کے نامزد وزیر اعظم نواب چھتاری کو بھی یہ اعزاز بخشا سر سلطان احمد کو جو مسلم لیگ کے ممبر تھے۔ اپنی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر بنا لیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا اور

اعلان کیا کہ لیگ سے سرتابی کرنے والوں کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے گی۔

مجلس عاملہ میں سر سکندر نے اپنی اور فضل الحق اور سر سعد اللہ کی طرف سے کہا:

''وائسرائے نے ہمیں وزیر اعظم کی حیثیت سے نامزد کیا ہے، اور وزیر اعظم کی حیثیت سے ہم اس نامزدگی کو مسترد نہیں کر سکتے۔''

سر سکندر حیات جانتے تھے کہ قائداعظم محمد علی جناح قانونی آدمی ہیں اور اعلیٰ درجہ کے سیاستدان بھی، قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''وائسرائے نے اگر آپ حضرات کو وزیر اعظم کی حیثیت سے نہیں بلکہ مسلم قوم کے نمائندے کی حیثیت سے نامزد کیا ہوتو؟''

سر سکندر نے کہا:

''ہم فوراً استعفیٰ دے دیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے سر راجر لملے گورنر بمبئی کا مکتوب دکھایا۔ جس میں وہی مرقوم تھا جو ابھی قائداعظم محمد علی جناح نے کہا تھا۔

سر سکندر نے ایک شریف آدمی کی طرح فوراً استعفیٰ دے دیا۔ سر سعد اللہ نے ان کی تقلید کی۔ فضل الحق اڑ گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ معتوب ہوئے یہی حشر نواب چھتاری اور سر سلطان احمد کا بھی ہوا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 29 دسمبر 1941ء کو اس مسئلہ پر اور دوسرے بہت سے اہم اور نازک مسئلوں پر اس خطبے پر روشنی ڈالی ہے۔ ع

ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

''خواتین و حضرات! اگرچہ یہاں میرے نوجوان دوستوں کا اجتماع عظیم ہے، لیکن اس میں غیر طلباء کی تعداد خاصی ہے، جیسا کہ میں نے کل رات کہا تھا میرا خاص مقصد نوجوان دوستوں سے خطاب کرنا ہے۔

''آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن'' آج سے چار پانچ سال پیشتر معرض وجود میں آئی تھی۔ اب میں پہلے آپ کی توجہ اس فیڈریشن کے آئین کی طرف منعطف کراتا ہوں۔ آپ کے آئین کی غرض و غایت جو آپ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہیے یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلم طلباء کو خود مختاری صوبائی مجالس کے توسط سے ایک منظم جماعت بنایا جائے، اور مسلم طلباء کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ نیز مسلم طلباء میں سیاسی شعور کو بیدار اور انہیں ملک کی آزادی کی جدوجہد میں مناسب حصہ لینے کے لیے تیار کیا جائے۔ اسی خیال سے میں نے آپ کے اجلاسِ امروزہ کی صدارت کا شرف قبول کیا ہے۔ اس ضمن میں بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کو کون سے مسائل پیش ہیں۔ میں آپ کے آئین کی زبان میں ہی اس کی وضاحت کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ مسلم طلباء کو اپنے ملک کی آزادی کی جدوجہد میں مناسب حصہ لینے کے واسطے تیار کرنا۔

آنے والی ذمہ داریوں کو جو آپ کے دوش پر آنے والی ہیں اُٹھانے کے لیے تیاری کرتے ہوئے اس امر کو بھی یاد رکھئے کہ یہاں آل انڈیا مسلم لیگ کی تنظیم بھی ہے، جو روز بروز قوی تر ہوتی جا رہی ہے اور ہندوستان کے طول و عرض میں تیز رفتار سے ترقی کر رہی ہے۔ مسلم لیگ نے گذشتہ تین سالوں میں نہ صرف نمایاں بلکہ معجزانہ ترقی کی ہے (تالیاں) اس لیے آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کی سرگرمیوں، پالیسی اور پروگرام سے باخبر رہنا چاہیے۔ تین سال پہلے

ہندوستان میں مسلمانوں کی جو حالت تھی اس کا موازنہ آج کی حالت سے کیجیے۔ پانچ سال پیشتر یہ حالت بہت زبوں تھی، اور دس سال پہلے قوم پر ایک موت سی طاری تھی۔ تین سالوں میں آپ نے اس چھوٹے سے براعظم کے ایک سرے سے دوسرے تک مسلمانوں میں سیاسی شعور واحساس پیدا کر دیا۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لیے ایک پرچم بنایا۔ ایک مشترکہ پلیٹ فارم تیار کیا۔ ایک نصب العین قائم کیا جو میرے نزدیک آپ کو اس ارضِ موعود تک پہنچائے گا جہاں ہم پاکستان قائم کر سکیں گے۔ (تالیاں)

ہمیں احساس ہے کہ ہمارا کوئی دوست نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم چار اطرافوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اب میں آپ کے صُوبہ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آپ کی تعداد یہاں چار فی صد ہے اور جیسا کہ میں نے 1937ء میں بمقام لکھنؤ پیشین گوئی کی تھی، آپ ایک امتحانِ آتشیں سے گزرے ہیں۔ آپ نے مصیبتیں جھیلی ہیں آپ اس صوبہ میں چار فیصد ہیں جہاں واردھا کی خاص لیبارٹری میں ایک نئی کارروائی یا عمل کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ آپ کو خوفزدہ اور مقہور کرنے کے لیے کوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ چار فیصد آبادی کو خوفزدہ کرنے کی پالیسی نہ صرف ناروا اور غیر منصفانہ بلکہ بزدلانہ تھی۔ (شرم! شرم کی آوازیں)

آپ کو دِل شکستہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ میں اس پلیٹ فارم پر یہ حقیقت ظاہر کرتا ہوں کہ میں نے عمر بھر ایسا فخر نہیں کیا تھا۔ جیسا اس صوبے کے مسلمانوں کے شاندار استقلال وعزم کا حال پڑھ کر اور سن کر کیا۔ ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دنیا کی کوئی قوم تکالیف برداشت کیے بغیر قوم نہیں بنی اور نہ کسی قوم نے ایثار کے بغیر اپنا مقصود حاصل کیا۔ یہ حقیقت ظاہر ہے کہ یہ بدبخت آئین (جو 1935ء میں مرتب کیا گیا تھا) اس ملک میں معہ اپنے صوبائی حصہ کے بری طرح ناکام رہا ہمیں اپنے عزائم اور اپنے مقاصد کی تجدید کرنی پڑے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس صوبے کے مسلمان خوش اور قوی دل رہیں۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ کوئی ناروا غیر منصفانہ اور بددیانت اقدام کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ آج کانگریسی لیڈروں میں اتنی دیانت کیوں نہیں کہ وہ آزادی سے تسلیم کر لیں کہ کانگریس مسلمانوں کی نمائندہ نہیں۔ مقدس راشٹر پتی (اشارہ ہے مولانا ابوالکلام آزاد کی طرف، جو اس زمانے میں کانگریس کے صدر تھے) کے متعلق گفتگو کرنے سے کیا حاصل ہے۔ جب کہ اس کی حیثیت ایک ''شوبوائے'' سے زیادہ نہیں۔ کانگریسی لیڈر اپنے سوا اور کس کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اپنے سوا کس کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں آپ جانتے ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی موثق نمائندہ جماعت ہے۔ ابھی باردولی اندھیرے میں ہے (قہقہہ) میں ناگپور میں جو واردھا اور سیوا گرام کے قریب ہے دُعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ باردولی میں بھی کچھ روشنی پہنچادے۔

کانگریس کیا چاہتی ہے، بعض اوقات یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس سے ٹینس کا یہ قول یاد آتا ہے۔

''بعض اوقات ایسے خیالات آتے ہیں کہ میں اُنہیں جامۂ الفاظ پہنانا گناہ سمجھتا ہوں۔''

جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے، اور جس حد تک ایک

مسٹر جناح، جنرل ایوب خاں اور دوسرے افسران

ذہین آدمی ان کا مطلب سمجھ سکتا ہے میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ میں نے کانگریس کو یہ مقصود سمجھا ہے اور کانگریس کی سرکاری قرارداد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ برطانوی حکومت سے یہ چاہتی ہے کہ ہندوستان کی آزادی کا فوری اعلان کردیا جائے۔ اس حق کے ساتھ کہ لوگ حق رائے دہی بالغان کی بنا پر ایک کانسٹی ٹیونٹ (دستوری) اسمبلی کے ذریعے اپنا آئین خود مُرتب کرلیں۔ اس کے بعد مسلمانوں میں جُداگانہ حلقہ ہائے انتخاب دینے کی نوازش کی جائے۔ جب مسلم مفاد اسمبلی کے فیصلوں سے غیر مطمئن ہوں اور یہ ایسا ہی یقینی ہے، جیسا دن کے بعد رات کا آنا۔ میں جانتا ہوں کہ مسلمان مطمئن نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی میں ہندوؤں کی 75 فیصد اکثریت ہوگی اور میں گذشتہ تین سالوں کے متعلق سینکڑوں مثالیں پیش کرسکتا ہوں کہ کسی مخلوط جماعت میں جہاں ہندوؤں کی عظیم اکثریت اور مسلمانوں کی اقلیت تھی کسی بڑے مسئلہ پر اتفاق رائے نہیں ہوسکا۔ اس صورت میں مسلمانوں کے ساتھ یہ رعایت روا رکھی جائے گی کہ وہ ثالث سے رجوع کرسکیں۔ سوال یہ ہے کہ ثالثی عدالت کے ارکان کو کون نامزد کرے گا؟ اگر میں اپنی پسند کے ثالث منتخب کروں گا تو کیا ہندو ان کو منظور کرلیں گے اگر نہیں تو پھر ثالث کون منتخب کرے گا؟ اگر ہم ثالثوں کے مسئلہ پر متفق نہ ہوسکیں تو کیا ہوگا؟ لیکن ان تمام امکانات سے قطع نظر ہم سے کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی شرکت صرف اقلیت کے تحفظات کے مسئلہ تک محدود رہے گی۔ جہاں تک دوسرے مسائل کا تعلق ہے۔ ان کا فیصلہ اکثریت ہی کرے گی۔ یہ ہے کانگریس کا مقصد۔

کانگریس کا عقیدہ جیسا کہ صفِ اول کے رہنماؤں مسٹر گاندھی اور مسٹر جواہر لال نہرو نے حال ہی میں بیان کیا۔ کامل آزادی ہے۔ مسٹر جواہر لال نے ایک تازہ تقریر میں کہا کہ انگریزوں کو اس سے نکل جانا چاہیے۔ اچھا اگر آپ کا مقصود یہی ہے تو اس پر مردانہ وار قائم رہیے۔ پہلوتہی نہ کیجئے۔ آپ انگریزوں سے اعلانِ آزادی اور کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے قیام میں سہولتوں کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں؟ مردانہ وار اپنے مقصد پر قائم رہیے اور کرامویل کے الفاظ میں انگریزوں سے کہہ دیجئے کہ ''یہاں سے نکل جاؤ'' اب دیکھئے کہ راشٹر پتی مولانا ابو الکلام آزاد کیا فرماتے ہیں؟ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر اور ترجمان کا ارشاد ہے:

''جب تک برطانوی حکومت کی روش نہ بدلے کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔''

لیکن اگر برطانوی حکومت کی روش بدل جائے تو آپ کے ''عقیدۂ آزادی'' کا کیا بنے گا؟ کیا آپ سمجھوتہ چاہتے ہیں۔ کیا آپ اپنی روح کی حوالگی چاہتے ہیں۔ یہ ہے وہ مدعا جسے اینچ پیچ سے ظاہر کرتے ہیں۔ راجگوپال اچاریہ صاحب فرماتے ہیں:

''میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں پونا پیشکش کی تجدید کرنی چاہیے۔''

اس کی تجدید کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے محبوب رہنما جناب گاندھی سے محروم ہوجائیں گے جو انگریز حکام سے جبر اور بلیک میلنگ کے ذریعہ انتقال اختیار واقتدار طلب کرنے کے فن میں بڑے خصوصی ماہر ہیں۔

جناب گاندھی ہمیشہ یہ کہتے رہتے ہیں:

''میں لڑائیوں کے خلاف ہوں، اگر دفاع وطن کے لیے بھی ہو تو میں جنگ پسند نہیں کروں گا۔ ہٹلر آتا ہے تو اُسے ہمارے جسموں کو پامال کرنے دو ہم ستیہ گرہ کریں گے۔''

لیکن جب پونا کی پیشکش کی گئی تھی تو جناب گاندھی نے اس وقت کیا اقدام کیا؟ پونا کی پیشکش کا مطلب یہ تھا کہ اگر برطانوی حکومت نے کانگریس کے مطالبات تسلیم کر لیے تو کانگریس مساعی جنگ اور ہندوستان اور انگلستان کی مدافعت میں پورا حصہ لے گی۔ جناب گاندھی کو ایسا صدمہ ہوا کہ وہ کانگریس کے جنرل نہ رہ سکے، حالانکہ وہ کانگریس کے چار آنے والے ممبر بھی نہیں۔ جناب گاندھی نے فرمایا:

''میں ایک ماہر خصوصی اور جنرل کی حیثیت سے کانگریس کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔''

پھر جناب گاندھی نے کیا کہا؟ آپ کو یاد ہو گا کہ دوسرے دن ہی جناب گاندھی نے برطانوی جرائد کے نامہ نگاروں کو ایک بیان دیا، جس میں حکومت برطانیہ کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ پیشکش پونا کو قبول کر لیں اور موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ایسا نہ کیا تو یہ شدید ترین غلطی ہوگی۔ ایک شخص جو تمام لڑائیوں کے خلاف رہا ہے۔ جو ''اہنسا'' کا قائل ہے جو یہ کہتا ہے کہ کانگریس نے میرے مدت العمر کے عقیدہ اور نصب العین کے خلاف عمل کیا ہے۔ اس لیے میں اس سے وابستہ نہیں رہ سکتا۔ دوسرے روز ہی برطانوی پریس کو بیان دیتا ہے اور پیشکش پونا کی تائید کرتا ہے۔ ان امور کے پیش نظر یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کانگریس کیا چاہتی ہے اور کس مقصد کے لیے کوشش کر رہی ہے۔

راجگوپال اچاریہ صاحب کو دیکھئے ان کا خیال ہے کہ بار بار قید خانہ میں جانا اور قید و بند کی دعوت دینا بے کار ہے۔ اب یہ لوگ باردولی میں جمع ہو رہے ہیں۔ کانگریس میں جناب گاندھی بھی ہیں اور جواہر لال نہرو بھی اور راجگوپال اچاریہ بھی لیکن یہ تینوں حضرات متضاد باتیں کہتے ہیں۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ ذی فہم آدمیوں کی طرح اس مسئلہ پر غور کیجئے اور بتایئے کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ کانگریس ایک بلند مقام پر متمکن ہونے کا باطل دعویٰ کر رہی ہے۔ یہ باطل ادعا ایک ضمنی تماشے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی مشین کے دوسرے پُرزے بھی مصروف کار ہیں۔ مثلاً ہندو مہاسبھا۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ہندو مہاسبھا اپنے عزائم صاف لفظوں میں ظاہر کرتی ہے۔ اس کے رہنما جو کچھ کہنا ہو صاف کہتے ہیں۔ ساورکر صاحب نے اپنی اس تقریر میں جو بدقسمتی سے بھاگپور میں نہیں کی جا سکتی۔ صاف طور سے اعلان کر دیا:

''میں اپنی قوم اور ہندو اقتدار کا علم بردار ہوں۔''

انہوں نے سلیس اور صاف زبان میں کہہ دیا کہ اس چھوٹے سے براعظم میں ہندو راج قائم ہونا چاہیے۔ اگر مسلمان نہیں مانتے تو ہم افغانستان کو ہندستان سے ملحق کر لیں گے اور سرحد ہندوستان ہندوکش تک وسیع کر دی جائے گی۔ مسلمان ایک اقلیت سے زیادہ کسی رعایت کے مستحق نہیں۔ یہ سب باتیں کسی تشریح اور توضیح کی محتاج نہیں۔ میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ ساورکر، ڈاکٹر مونجے اور ان کے رفقاء کو مالیخولیا ہو گیا ہے۔ وہ مسلمانوں کو کم اور اپنی جاتی کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا رہے ہیں۔ میں خوش ہوں کہ

انہوں نے کانگریس کی طرح اپنے عزائم اور مقاصد کو چھپانے کی کوشش اور اظہارِ خیالات کے لیے ڈپلومیٹک زبان استعمال نہیں کی۔ میں خوش ہوں کہ خدا کے فضل سے اب کانگریس یا اور کوئی جماعت مسلمانوں کو احمق نہیں بنا سکتی۔

ہندو مہاسبھا کس کام میں مصروف ہے۔ وہ ہندوؤں کو عسکریت اور صنعت وحرفت کی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہے۔ وہ ہندوؤں پر زور دے رہی ہے کہ میدانی، بحری اور فضائی افواج میں بھرتی ہو کر جنگ میں مدد دیں۔ کس کو صنعت اور عسکریت کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے؟ ہندو قوم کو میں جناب ساورکر اور فیلڈ مارشل مونجے سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اس ملک میں بسنے والے تمام لوگ بے عقل ہیں۔ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ انگریزوں کو بے وقوف بنایا جا سکتا ہے، پھر ایسی باتوں سے حاصل؟ زبانی اظہار وفاداری اور پوشیدہ مقصد کے ساتھ ہندوؤں کو میدانی، بحری اور فضائی فوج میں بھرتی کرانے کی تحریک سے فائدہ؟ پھر یہ کیا کریں گے؟ اس کا جواب صاف ہے۔ پاکستان بخارات کی طرح ہوا میں اُڑ جائے گا، اور انگریز یہاں سے رخصت ہو کر لندن میں جا بسیں گے۔ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ ان حضرات کو جو ایسی باتیں کرتے ہیں کسی جگہ بند کر دینا بہتر ہوگا؟

مسلمان کہتے ہیں کہ ہندوستان کا وہ حصہ ہمارے حوالے کر دو جہاں ہماری کثرت اور وطن ہے۔ ہمیں اپنی حکومت کے تحت رہنے دو، اور ہم ہندو اقلیت کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں۔ تم ہندو ہندوستان میں رہو اور اس کی مُسلم اقلیت کی حفاظت کرو۔ تین چوتھائی ملک تمہارے قبضہ میں ہوگا۔

لیکن ہندو تین چوتھائی ملک نہیں پورا ملک چاہتے ہیں۔ پھر انہیں پورا کس طرح مل سکتا ہے اور ساورکر کی اسکیم کیا ہے؟ وہ اسکیم یہ ہے کہ جب میدانی، بحری اور فضائی فوج اور نظم ونسق میں ہندوؤں کو 75 فیصد حصہ مل جائے گا، اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت فیلڈ مارشل اس امر کی کوشش کریں گے کہ ہر ایک ہندو گوشت کھانے لگے تو پھر ہندو راج قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ان مسلمانوں کا کیا حال ہوگا، جو شمال مغرب اور شمال مشرق میں رہتے ہیں؟ ان سرحدوں پر کیا واقع ہوگا۔ وہ بھی سنئے۔ سرحدوں پر ہندو فوج اسی طرح مامور کر دی جائے گی جس طرح اب برطانوی فوج متعین ہے، اور یہ ہندو فوج اس امر کا لحاظ رکھے گی کہ مقامی مسلمان سر نہ اُٹھانے پائیں۔ ہندو ایک مرکزی حکومت قائم کریں گے جو اس چھوٹے سے براعظم پر ایک سرے سے دوسرے تک حکومت کرے گی۔ ہوسکتا ہے کہ افغانستان کو بعد میں ملحق کر لیا جائے۔ اس لیے مسلمانوں کو کسی طرح کی ذمہ دار حکومت بھی نصیب نہ ہوگی۔ یقیناً وہ اس حد تک ترقی نہ کر سکیں گے کہ ایک خود مختار ریاست کی صورت اختیار کر سکیں۔ دوسرے الفاظ میں اُن کے حقوق ہمیشہ کے لیے سلب کر لیے جائیں گے۔ وہ اپنے علاقوں میں میدانی، بحری اور فضائی فوج نہیں رکھ سکیں گے۔ حضرات! یہ خواب ہی نہیں اس امر پر اصرار کرنا ہندو مہاسبھا کی بدترین حماقت ہے۔

ہندو مہاسبھا کا مطالبہ کیا ہے؟ آج کل تو اس نے بھاگل پور کے سوا سب مطالبات کو ترک کر رکھا ہے جو چند روز میں طے ہو جائے گا۔ مہاسبھا انگریزوں سے

کہہ رہی ہے۔ ہم آپ کے ساتھیوں کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔ آپ جو خدمت فرمائیں ہم بجالانے کے لیے تیار ہیں، ہندوؤں کے لیے میدانی، بحری اور فضائی افواج کی بھرتی کھول دیجئے۔ آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ ایک طرف ہندو مہاسبھا ایک پوشیدہ غرض سے جس کے متعلق کسی شخص کو شک وشبہ نہیں ہوسکتا یہ التجائیں کر رہی ہیں اور دوسری طرف اپنے ایک بھائی کے توسط سے اس بات پر زور دے رہی ہے:

''انگریز ایک وقت معین کے اندر ہندوستان کو ویسٹ منسٹر کی نوعیت کا درجہ نوآبادیات دے دیں۔''

یہ درجہ نوآبادیات کون دے گا؟ برطانوی حکومت! میں پوچھتا ہوں کہ کیا صراحتاً بے فائدہ اور لغو نہیں ہے؟ اول اس لیے کہ برطانوی حکومت ایسا نہیں کر سکتی۔ اگر کرے بھی تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ساورکر کو گدی پر بٹھا دے گی اور اس کے راج میں پولیس کے فرائض بجالائے گی ویسٹ منسٹر نوعیت کا درجہ نوآبادیات کس طرح دیا جائے گا، جیسا کہ مسٹر ایمری نے بجا طور پر کہا:

''درجہ نوآبادیات کوئی نشان یا تمغہ نہیں کہ اُسے سیفٹی پن کے ساتھ کوٹ کے کالر میں لگا دیا جائے۔''

یہ سوال ہے اس چھوٹے براعظم میں کاروبار حکومت چلانے کا۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ برطانوی سنگینوں کی حفاظت میں گدی پر بیٹھے رہیں؟ کیا آپ اس کی توقع رکھتے ہیں؟

ہندوؤں کی طرف سے وقت کے تعین کا مطالبہ کس غرض سے کیا جا رہا ہے؟ اس معاملہ میں ہمیں اپنے مخالفوں کی ذہانت کی داد دینی چاہیے۔ خود وہ کس قدر بے وقوف ہوں۔ آخر ان کا مقصد کیا ہے؟ ہندو مہاسبھا کا مطالبہ ہے کہ برطانوی حکومت وعدہ کرے کہ جنگ کے ایک یا دو سال بعد ویسٹ منسٹر نوعیت کا درجہ نوآبادیات دے دیا جائے گا۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ اگر آج برطانوی حکومت مؤثر طور پر اعلان کر دے کہ ہندوستان میں کینیڈا کی مانند ویسٹ منسٹر نوعیت کی حکومت قائم کر دی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہندوستان کا آئین یہاں کی بڑی پارٹیوں کی رائے سے مرتب نہیں کیا جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں مسلمانوں کی رضامندی ضروری نہ ہوگی، پھر کس کی منظوری سے برطانوی حکومت یہ آئین نافذ کرے گی۔ کانگریس اور ہندو مہاسبھا کی منظوری سے اگر ہندو مطمئن اور مسلمان غیر مطمئن ہوں تو برطانوی حکومت کہہ دے گی کہ ہم اپنا وعدہ پورا کر رہے ہیں، اور ہمیں آئین مرتب کرنا چاہیے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا موجودہ آئین مرتب ہونے کے بعد ہندوستان سے برطانوی فوج چلی جائے گی؟ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ انگریز ایسے بے وقوف نہیں اگر وہ ایسی حماقت کریں بھی تو وہ آئین دو ہفتوں سے زیادہ قائم نہیں رہے گا۔''

جواہر لال نہرو کہتے ہیں ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دو۔ سر تیج بہادر سپرو بھی جو زیادہ نرم اور صُلح جو اور اس وجہ سے زیادہ عیار ہیں۔ یہی کہتے ہیں۔ آپ اس معاملہ میں خاندانی مشابہت دیکھ سکتے ہیں۔ سر تیج بہادر سپرو جو بہت تیز طرّار اور ظاہردار ہیں۔ 25 دسمبر کے بیان میں کہتے ہیں:

''ہندوستانیوں کو یہ محسوس کرا دینا چاہیے کہ وہ مسائی جنگ میں شرکت کرتے ہوئے نہ صرف دولت مشترکہ

کے متعلق اپنے فرائض ادا کر رہے، بلکہ اپنی آزاد زندگی کے تحفظ کے واسطے بھی لڑ رہے ہیں۔"

وہ سفارش کرتے ہیں کہ ایک نیا اعلان کر دیا جائے کہ ہندوستان کے ساتھ محکوم اور زبردست ملک کا سا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ ایک بھائی کہتا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دو۔ دوسرا بھائی کہتا ہے، اس بات کا یقین دلا دو کہ ہندوستان کے ساتھ زبردست اور محکوم ملک کا سا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ کیا آپ ان دونوں باتوں میں کوئی فرق کر سکتے ہیں۔ سر تیج بہادر سپرو اور لبرل حضرات ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں۔ شاستری صاحب ایک تازہ تقریر میں فرماتے ہیں:

"ہمیں چاہیے کہ مسلمانوں کو وہ تمام تحفظات دے دیں جو قومی مفاد کے مطابق ہوں۔ کس کے قومی مفاد کے مطابق؟ کون سی قوم؟ ہندو یا مسلمان؟ اس طرح آپ جتنا غور کریں گے اسی ہندو اقتدار کے صوبے مضمر پائیں گے؟

خواتین اور حضرات! اس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان نہ صرف اقلیت بلکہ اپنی اکثریت کے علاقوں میں بھی ہندو راج کے تحت رہیں، اور ان کے احکام بجا لائیں جب تک مسلمان زندہ ہیں اس کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔ (نعرہ ہائے تحسین) ہندو جس قدر جلد اس بات کو چھوڑ دیں اسی قدر بہتر ہوگا۔

کرسمس میں ہندو لیڈروں کے بیانات کی بھرمار اور بوچھاڑ کیوں ہو رہی ہے! ہندو لیڈر اپنی سیاست دانی کے زعم میں یہ سمجھتے ہیں کہ جاپان کے شریک جنگ ہونے کے بعد انگریز ایک زیادہ خوفناک کشمکش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ برطانیہ پر اتنا دباؤ پڑ رہا ہے اور وہ اس قدر پریشان ہے کہ کسی نہ کسی گوشے سے مدد حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جاپانی حملہ کا مقابلہ کرنے کے لیے برطانیہ کی تیاریاں اور وسائل کافی نہ ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت برطانیہ متزلزل ہے اور یہ وقت ہے کہ ایک برق رفتار شورش کا آغاز کر دیا جائے، اور یہ دباؤ ڈال کر اس سے ہندوستان کے واسطے یہ مراعات حاصل کر لی جائیں۔ ان کی توقعات اس بنا پر بڑھ گئی ہیں کہ حکومت ہند نے بعض اقسام کے قیدیوں کو رہا کر دیا ہے۔

اسی وجہ سے کانگریس ہنوز غور و خوض کر رہی ہے پہلے روز باردولی میں 9 گھنٹوں تک اجلاس جاری رہا۔ دوسرے روز پھر 9 گھنٹوں تک بحث و تمحیص ہوتی رہی اور ابھی کئی روز تک جاری رہے گی۔ یہ چالاک لوگ ہیں وہ اپنی گردن بچنے کے لیے کوئی نہ کوئی سوراخ رکھیں گے آخر کیا ہوگا؟ راجگوپال اچاریہ کامیاب ہوئے تو گاندھی جی کنارہ کش ہو جائیں گے، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جناب گاندھی تو کانگریس کے چار آنہ والے ممبر بھی نہیں لیکن وہ ممبر نہ ہونے کی حیثیت میں کانگریس کے ممبر رہیں گے۔

جناب گاندھی نے پورن سوراج حاصل کرنے کے لیے 13 نکات مرتب کیے ہیں۔ جناب گاندھی اپنی تقریر کا جو مطلب چاہتے ہیں بیان کر دیتے ہیں اور جو کچھ لکھتے ہیں اس کا مطلب بھی جب چاہتے ہیں اپنے حسب مراد بتا دیتے ہیں۔ (قہقہہ) یہ حقیقت ظاہر ہے۔ جناب گاندھی فرماتے ہیں کہ پہلی شق فرقہ وار اتحاد ہے۔ فرقہ وار اتحاد سے ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اطاعت قبول کر لیں اور اپنے قتل نامہ پر خود دستخط ثبت کر دیں۔ اس کے بعد اچھوت پن کو

دور کرنے کا نمبر آتا ہے اور پھر امتناع مسکرات کھادی، دیہاتی صنعتیں، دیہات کی صفائی، ابتدائی تعلیم، تعلیم بالغان، تعلیم وترقی نسواں، تعلیم صحت وتندرستی، راشٹر سبھا کا پروپیگنڈہ زبان کی خدمت اور اقتصادی مساوات کس کے ساتھ؟ انگریزوں کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ نہیں۔

میں ایک اہم ترمیم پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ کانگریس پاکستان کو قبول کر لے اور اس طرح 13 کو چودہ نکات بنایا جائے۔ اس سے سمجھوتہ آسان ہو جائے گا۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے زبان کی خدمت اور اقتصادی مساوات کے معاملہ میں ہم کانگریس سے کوئی جھگڑا نہیں کریں گے ہم اپنے علاقوں میں خود مختارانہ حیثیت سے جو زبان چاہیں گے بولیں گے، ہندوؤں کو اختیار ہے جو زبان چاہیں بولیں۔ (تالیاں) جناب گاندھی جو چاہیں کہیں۔ آزادی تقریر کا سوال اُنہوں نے ہی اُٹھایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ صرف آزادئ تقریر کے واسطے لڑ رہا ہوں۔ کانگریس کے اس بڑے پروہت کا تازہ بیان پڑھیے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ حکام کو مجبور اور تنگ کرنے کا ایک طریقہ باقی تھا جو انہوں نے اختیار کر لیا۔ مقصد یہ ہے کہ حکام اس تکلیف دہ لغویت کے آگے سر تسلیم خم کر دیں جس کو انفرادی ستیہ گرہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آزادی تقریر کے لیے نہیں بلکہ پورن سوراج یا کامل آزادی کے واسطے۔ جیسا کہ خود جناب گاندھی نے توضیح کی ہے۔ سول نافرمانی کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ عام امور مثلاً آزادی کے لیے کبھی اختیار نہیں کی جاتی۔ مسئلہ ایسا صاف اور واضح ہونا چاہیے کہ آسانی سے سمجھا جا سکے اور تسلیم کرنا مخالف کے اختیار میں ہو۔

میں نے یہ تصریحات اس لیے کی ہیں کہ نوجوان دوست اس ملک کی صحیح صورتِ حال سمجھ جائیں۔ مجھے افسوس ہے تعلیم یافتہ مسلمان اور مسلم طلباء بہت بے خبر ہیں کانگریس مسائی جنگ کے خلاف ہے۔ وہ جنگ کے خلاف نعرے لگاتے ہیں لیکن سندھ میں اُنہوں نے کیا کیا ہے۔ وہاں کانگریس پارٹی الہ بخش صاحب کی حمایت کر رہی ہے۔ حالانکہ الہ بخش صاحب جنگ میں مدد دے رہے ہیں، بلکہ نام نہاد نیشنل ڈیفنس کونسل کی رکنیت بھی قبول کر لی ہے۔ جب یہ سوال اُٹھایا گیا تو گاندھی جی نے آرام کے ساتھ اُسے پارلیمنٹری کمیٹی کے حوالہ کر دیا اور اس کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ سندھ کے خاص حالات ایسے ہیں کہ کانگریس کمیٹی الہ بخش صاحب کی حمایت سے باز نہیں رہ سکتی۔ آسام میں کانگریس پارٹی نے کیا کیا؟ وہ چودھری صاحب کی تائید کے لیے تیار ہے جنہوں نے پراسرار طور سے کولیشن پارٹی کو چھوڑ دیا، حالانکہ وہ اس کی رکنیت کے باعث وزارت کے بھی رُکن تھے، اب ان چودھری صاحب نے ایک اور پارٹی بنا لی ہے۔ کانگریس ان چودھری صاحب کی وزارت کی حمایت کے لیے تیار تھی لیکن دو بلیوں میں انصاف کے واسطے بندر آ گیا۔ دفعہ نمبر 93 نافذ کر دی گئی۔ اب سر سعد اللہ اور چودھری صاحب دونوں آرام کر سکتے ہیں۔

بنگال میں کانگریس پارٹی کیا کر رہی ہے؟ فضل الحق صاحب نے جو نئی وزارت مرتب کی ہے۔ کانگریس پارٹی اس کی حمایت کر رہی ہے، اور اس کی وجہ سے فضل الحق صاحب وزارت قائم کر سکے ہیں۔ انہی فضل الحق صاحب کے باعث لارڈ لنلتھگو

صاحب یہ اعلان کر سکے کہ

''اب مجھے اس جلیل القدر وزیراعظم کی تائید حاصل ہوگی۔''

وزیراعظم بنگال اپنے عہدہ کے باعث نام نہاد نیشنل ڈیفنس کونسل کے رکن بھی ہوں گے کانگریس ان فضل الحق صاحب کی حمایت کر رہی ہے۔

میں فضل الحق صاحب کو کرسمس کے تحفہ کے طور پر لارڈ لنلتھگو کی خدمت میں پیش کرتا ہوں (تالیاں) اور گورنر بنگال کی خدمت میں نواب ڈھاکہ کو ہدیۂ پیش کرتا ہوں۔ میں خوش ہوں کہ مسلم ہندوستان کو ان لوگوں سے نجات ملی جو مسلمانوں کے ساتھ بدترین غداری اور دغابازی کے مجرم ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی انجمن میں غداروں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی بڑے آدمی ہوں ان کو نکال دینا چاہیے۔ اب ہم آبرومندانہ طور سے بڑھیں گے، اور ان غدار قسم کے لوگوں کو خارج کر کے زیادہ طاقت حاصل کر سکیں گے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت بھی ہمیں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے سے نہیں روک سکتی۔

برطانوی حکومت اور مسلم لیگ کے تعلقات کے سلسلہ میں ہم اپنی حیثیت بار بار بیان کر چکے ہیں۔ پرسوں میں نے نیوز کرانیکل کو اسی موضوع پر ایک بیان دیا ہے، ہماری روش معقول اور منصفانہ ہے اور ایسی ہی رہے گی۔ کوئی معقول، منصف مزاج آدمی ہمیں الزام نہیں دے سکتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہندوستان اور انگلستان کو ایک ہی خطرہ درپیش ہے اور اپنے لوگوں اور گھروں کی حفاظت کی خاطر ہم اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن حکومت میں حقیقی اور اصل اختیار کیے بغیر ہم اس خطرہ کا مقابلہ کامیابی سے نہیں کر سکتے۔ گذشتہ دو سال کو رائیگاں کرنے کی ذمہ داری برطانیہ پر ہے۔ اگر اس کا عمل یہی رہا تو ایک دن اس کو مسلم لیگ کی مخلصانہ پیشکش مسترد کر دینے پر پچھتانا اور افسوس کرنا پڑے گا۔''

تحلیلی منصوبہ

8 ستمبر 1946ء کو وائسرائے ہند لارڈ ویول نے ہنگامی طور پر ہندوستان کے بارے میں اپنا ''تحلیلی منصوبہ'' پیتھک لارنس کو بھجوا دیا، جس میں اندازہ لگایا گیا تھا:

''ہم پورے ہندوستان پر ڈیڑھ سال سے زیادہ حکمرانی نہیں کر سکتے۔''

واپسی کی بابت وائسرائے کے پلان کا انحصار اس بات پر تھا:

''حکومت برطانیہ پورے استقلال کے ساتھ اس کا ارادہ کر لے۔''

وائسرائے ہند لارڈ ویول نے استدعا کی:

''اس منصوبہ کا جنوری سے قبل اس نوع کا عام اعلان کرنے کی اجازت دی جائے۔''

10 ستمبر کو لارڈ ویول نے قائداعظم محمد علی جناح کی پرانی ہمدرد مسز سروجنی نائیڈو کے ساتھ کھانا کھایا۔

لارڈ ویول لکھتا ہے:

''اس موقع پر ہم نے سیاست، نیز جناح اور مسلم لیگ کی حکومت میں شامل کرنے کی ضرورت اور جناح کے کردار میں پائی جانے والی مشکلات پر طویل گفتگو کی۔ مسز نائیڈو نے جناح کا ذکر ایسے انداز میں کیا، جیسے وہ آسمان سے گرا ہوا فرشتہ ہے، وہ شخص جس نے کسی وقت عہد کیا تھا کہ وہ ہندوستان کی تحریک آزادی کا بڑا لیڈر بنے گا، لیکن اس نے خود کو کانگریس کی

جنگ سے باہر کھینچ لیا ہے۔"

روزنامہ میل کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"زخم بہت گہرا ہے، اور مذاکرات نے ہمیں اتنی شدید تلخی اور عداوت تک پہنچا دیا ہے کہ موجودہ بحث کو طول نہیں دیا جا سکتا۔ سلیٹ کو بالکل صاف کرنا ہوگا، اور نئے سرے سے آغاز کرنا ہوگا۔ میں اپنے دعویٰ کی وکالت نہیں کرتا، تاہم اگر حکومت برطانیہ نے مجھے لندن آنے کی دعوت دی تاکہ وہاں دوسرے مذاکرات کنندگان سے برابر کی بنیاد پر کانفرنسوں کا سلسلہ شروع کیا جائے تو میں اسے قبول کرلوں گا۔ اگر انگریزوں نے موجودہ عبوری حکومت کی حمایت کرنے پر اصرار کرنے کے علاوہ کوئی قدم نہ اٹھایا تو میں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان اسے برداشت کر لیں گے۔ اگر مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں تو میں فوری طور پر جیل جانے کو تیار ہوں۔"

16 ستمبر کو وائسرائے لارڈ ویول نے 75 منٹ تک قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔ اس سے پہلے اس روز وہ نہرو اور پٹیل سے بھی ملاقات کر چکے تھے۔ ان دونوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ صلح کے لیے اس کی سلسلہ جنبانی کو پسند نہ کیا۔ اب کانگریس قیادت کا لارڈ ویول پر سے اعتماد اٹھ گیا تھا، اس لیے انہوں نے کرپس، پیتھک لارنس اور ایٹلی کو مشورہ دیا:

"ویول کو اس کے منصب سے ہٹا دیا جائے۔"

وہ وائسرائے لارڈ ویول کو مسلم لیگی مطالبات کا حد سے زیادہ حامی اور خطرناک طور پر پس منظر اور تربیت کے لحاظ سے سیاسی مسائل کی بجائے فوجی تجزیہ تک محدود سمجھتے تھے، ادھر کابینہ اپنے مشن کی بری طرح ناکامی کے بعد ہندوستان کے سیاسی جنگل میں کوئی ایسا انقلابی قدم اٹھانے کو تیار نہ تھی، نہرو کے اصرار پر ویول عبوری طور پر متفق ہو گیا کہ دستور ساز اسمبلی کا اجلاس 9 دسمبر کو طلب کر لیا جائے۔ وائسرائے ہند لارڈ ویول کو توقع تھی کہ اس وقت تک مسلم لیگ سے کوئی سمجھوتہ طے پا جائے گا۔

مشن میں شامل وزراء نے 23 ستمبر کو 10 ڈاؤننگ سٹریٹ میں وزیراعظم سے ملاقات کی، جس میں لارڈ ویول کے ارسال کردہ تحلیلی منصوبہ پر غور کیا گیا۔ ایٹلی نے لارڈ ویول کی تجاویز پر ٹھوس اعتراضات کیے، جو اس کی رائے میں معمولی سی بات پر زیادہ شور مچانے کے مترادف تھا۔

کرپس نے اتفاق کرتے ہوئے کہا:

"جونہی ہماری واپسی کا اعلان ہوگا، ہر کوئی حصول مرتبہ کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگے گا۔ ہمارے خلاف فوراً خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔"

پیتھک لارنس نے محسوس کیا:

"وائسرائے کی تجویز انتظامیہ کی ناکامی کو یقینی بنا دے گی۔"

ایٹلی کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ ویول مدراس اور بمبئی سے کیوں دستکش ہونا چاہتا ہے۔ ہندوستان کے دو بہترین مقامات سے یورپیوں کو نکالنا، اور انگریزی افواج کو ہندوستان کے انتہائی حصہ پر کنٹرول کے لیے روکنا، ایسے اقدامات ہیں جو پاکستان قائم کرنے کی کوشش کے مترادف ہیں، اور خانہ جنگی کا سبب بن سکتے ہیں۔

لارڈ ویول نے 25 ستمبر 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح سے ایک اور ملاقات کی جو دو گھنٹے جاری رہی۔ وائسرائے نے انہیں بہت خاموش اور حسب توقع پایا، وہ سمجھوتہ کے لیے بہت بے چین نظر آئے، بشرطیکہ تار کو ٹھیس لگے بغیر ایسا ہو جائے۔

انہوں نے توقع ظاہر کی:

''خیر سگالی کے طور پر کسی مسلمان کی تقرری پر احتراز کرے گی۔''

اگلے روز نہرو اور گاندھی گھوڑوں والی گاڑی میں وائسرائے کے پاس پہنچے، اور ایک گھنٹہ سے زیادہ تبادلہ خیالات کیا، اور انہوں نے وائسرائے کو قائل کر لیا کہ وہ حکومت میں جناح اور لیگ کی شرکت نہیں چاہتے۔

ویول نے اعتراف کیا:

''میں اس بوڑھے شخص سے جتنا زیادہ ملتا ہوں، میں اس سے اتنا ہی زیادہ بے ایمان بوڑھا منافق سمجھتا ہوں۔''

تحمل...... بردباری

قائداعظم محمد علی جناح میں بردباری، خلوص، نکتہ رسی اور صفائی اس قدر زیدہ تھی کہ دنیا ان سے واقف ہے۔ ایک مرتبہ مسلم لیگ کے جلسہ میں جس کی صدارت آپ فرما رہے تھے کچھ ایسی بدنظمی پیدا ہوئی جو قائداعظم محمد علی جناح کے مزاج کے خلاف تھی خیال تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح اس پر شدید ناراضگی کا اظہار فرمائیں گے لیکن قائداعظم محمد علی جناح اپنی قوم کی خوبیوں اور کوتاہیوں کو اصلاح کی طرف لے جاتے تھے۔ اگر قوم سے ناراض ہوتے ان کی قیادت کس طرح فرماتے، اور اسے آزادی و حکومت کی نعمتیں کیونکر نصیب ہوتیں۔

تخیل شاعر

قائداعظم محمد علی جناح ایک عملی سیاستدان تھے۔ آپ کو شعر و شاعری، سپاسناموں یا تعریف و توصیف کے لیے دعوتوں کے اہتمام سے کوئی رغبت نہ تھی، اور نہ ہی آپ کے مصروف اوقات میں اتنی مہلت تھی کہ ان مشاغل میں حصہ لے سکتے۔ آپ سرتا پا عمل تھے۔ اس لیے سیاست کے مروجہ طریقوں سے آپ کو کوئی نسبت نہ تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی سالگرہ پر شہریوں نے آپ کو ایک استقبالیہ دیا اور آپ میزبانوں کے انتہائی اصرار کے بعد وہاں گئے۔

وہاں آپ نے جو تقریر کی، وہ آپ کی سوچ اور دل کی آواز تھی، آپ نے حاضرین کو بتایا کہ شاعری اور عملی سیاست میں کیا فرق ہے۔ اس استقبالیہ میں قائداعظم محمد علی جناح نے جو حیرت انگیز باتیں کیں ان کا لب لباب یہ تھا:

''شعرائے کرام نے جو نظمیں پڑھیں، ان کے متعلق یہ کہوں گا کہ شاعر کا تخیل آزاد ہوتا ہے۔ اس کے تصور کی پرواز پر کوئی پابندی نہیں، لیکن میری حالت اس سے مختلف ہے۔ کہنے سے پہلے مجھے سو بار سوچنا پڑتا ہے مجھے سب سے زیادہ مسرت اس وقت ہوتی ہے جب میں اپنے ہی لوگوں کے درمیان بولتا ہوں۔ مجھے ان کا خلوص اور محبت بے حد متاثر کرتی ہے۔ میں نے ان کی بھلی بری جیسی بھی خدمت کی ہے لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور یہی میری سب سے بڑی عزت ہے اور یہی اعزاز ہے۔''

ترکِ شبنم بہر تسخیر یم است!

مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ میں قائداعظم محمد علی جناح کا خطبہ!

اس خطبہ میں ان مظالم پر روشنی ڈالی گئی ہے جو کانگریسی وزارتوں نے انگریز گورنروں اور گورنر جنرل کی پشت پناہی کے بل پر مسلمانوں کے ساتھ روا رکھے تھے۔

مسلم لیگ کا یہ اجلاس لکھنؤ میں ہوا تھا، لیگ کی تنظیم نو اور احیاء کا سلسلہ یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ لیگ نے آزادی کامل کی تجویز یہیں منظور کی تھی۔

اپنے خطاب میں قائداعظم محمد علی جناح نے لکھنؤ کے

تاریخی اجلاس منعقدہ 15 اکتوبر 1937ء میں فرمایا:

''خواتین و حضرات! آل انڈیا مسلم لیگ کی گذشتہ تیس سالہ زندگی میں یہ اجلاس بے حد اہم اور نہایت ضروری ہے۔

جس پروگرام اور پالیسی کی تشکیل کے لیے آپ کو دعوت دی گئی ہے، اس پر مسلمانِ ہند اور ملک کے مستقبل کا انحصار ہے۔ مسلم لیگ نے اپنے اجلاس منعقدہ 12 اپریل 1930ء کو اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ رابطہ عوام کی پالیسی اور پروگرام کو اختیار کیا تھا۔ لیگ نے رفتارِ زمانہ اور حالات گردو پیش کا جائزہ لیتے ہوئے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے مطابق صوبائی آئین کے انتخابات کے متعلق یہ فیصلہ کیا تھا۔ اگرچہ یہ آئین قطعی طور پر غیر تسلی بخش ہے، تاہم اس سے حتی الوسع بہرہ اندوز ہونے کی کوشش کی جائے، چنانچہ اس ضمن میں یہاں پر 12 اپریل 1932ء کی منظور شدہ قرارداد بجنسہٖ پیش کرتا ہوں:

''اس ملک میں آئین جدید کے مطابق جو پارلیمنٹری طرزِ حکومت رائج کیا جا رہا ہے۔ اُس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مطابق ایسی جماعتیں معرضِ وجود میں آ جائیں جن کی پالیسی اور پروگرام معین ہو، اور وہ حلقہ ہائے انتخاب کے سیاسی رجحانات کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دے اور متقارب اغراض و مقاصد کی جماعتوں کے درمیان تعاون پیدا کر کے دستور حکومت کو حتی الامکان ملک کے لیے مفید بنا دے، اور چونکہ مسلمانوں کی تقویت و استحکام صوبجاتی حکومتوں میں مناسب و مؤثر حصہ حاصل کرنے کے لیے ان کی ایسی جماعتی وحدت ضروری ہے جو کسی ترقی پسندانہ پروگرام کی حامل ہو، لہٰذا ان خیالات کے پیشِ نظر یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ آنے والے صوبجاتی انتخابات میں انتہائی سرگرمی اور جدوجہد کے ساتھ شرکت کی جائے، چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مسٹر جناح کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی صدارت میں ایک ایسا مرکزی انتخابی بورڈ قائم کریں جس کے ممبروں کی تعداد 35 سے کم نہ ہو، اور اس کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ مختلف صوبجات میں صوبجاتی انتخابی بورڈوں کی تشکیل کے ساتھ ہی مرکز کے ساتھ ان کا الحاق بھی کر سکے، اور ہر صوبے کے مخصوص حالات کے مطابق مندرجہ صدر مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مناسب ذرائع اور وسائل تجویز کیے جائیں۔''

اس فیصلہ کے مطابق جون 1936ء میں مسلم لیگ کا ایک سنٹرل پارلیمنٹری بورڈ معرضِ وجود میں آ گیا اور لیگ کی قرارداد و ہدایات کے مطابق مختلف صوبجات میں صوبجاتی بورڈ قائم ہو گئے، لیکن کسی سابقہ تیاری اور موجودہ تنظیم کی عدم موجودگی کے باعث اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا کوئی آسان کام نہیں تھا اور بالخصوص ایسے حالات میں صوبجاتی انتخابات میں مقابلہ کرنا بھی بے حد دشوار تھا جب کہ مسلمان بحیثیت تعداد اقلیت میں ہونے کے ساتھ ہی تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ اور اقتصادی لحاظ سے بالکل ناکارہ اور ناقابلِ ذکر ہوں۔ اُن کی معاشرتی اور اقتصادی اصلاح پر کبھی توجہ نہ کی گئی ہو، اور ہمارے مقابلے میں ایک ملک کی ہمسایہ اقوام ایک باقاعدہ پروگرام کے ماتحت تنظیم و ترقی کی بے شمار منازل طے کر چکی ہوں، اور بالخصوص ہندو قوم اکثریت میں ہونے کے ساتھ ہی تربیت، ضبط، تعلیم، تجارت اور مالی اعتبار سے بہت آگے نکل چکی ہو۔

مسٹر جناح نیوی افسر کو ایوارڈ دیتے ہوئے

لیکن یہاں پر میں اس بات کا ذکر کر دینا نہایت ضروری خیال کرتا ہوں کہ انتخابات کے اختتام سے قبل چھ ماہ کا کام بہ اعتبار نتائج بے حد حوصلہ افزا ثابت ہوا۔ اس لیے ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان تمام صوبجات میں جہاں پارلیمنٹری بورڈ اور لیگی پارٹیاں بنائی گئی تھیں وہاں پر کم وبیش ساٹھ ستر فیصد لیگی امیدوار کامیاب ہو گئے، اور انتخابات کے اختتام کے بعد میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ مدراس سے لے کر شمالی مغربی سرحدی صوبے تک اب ہر صوبہ میں ڈسٹرکٹ لیگیں قائم ہو چکی ہیں۔ گزشتہ اپریل سے مسلمانانِ ہند بہ تعداد کثیر لیگ کے گرد جمع ہو رہے ہیں، اور مجھے اس بات کا یقین ہے کہ جونہی انہوں نے مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام پر متفق ہو کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے۔ ''مسلم لیگ ہندوستان کے لیے مکمل نیشنل ڈیموکریٹک سیلف گورنمنٹ (قومی و جمہوری حکومت خود اختیاری) کی طلبگار ہے۔'' نادان و نافہم عوام کے استعمال کے لیے مختلف النوع ترکیبات مثلاً پورنا سوراج، حکومت خود اختیاری، مکمل آزادی، ذمہ دار حکومت آزادی کا خلاصہ اور مستعمراتی درجہ وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کی جا رہی ہیں، بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو مکمل آزادی کا ذکر کر رہے ہیں لیکن گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کو ہاتھ میں لے کر مکمل آزادی کا تذکرہ بے کار ہے۔ جو لوگ زیادہ شدت کے ساتھ مکمل آزادی کا ذکر رہے ہیں وہی فی الحقیقت اس سے ناآشنا ہیں۔ کیا گاندھی اُروِن معاہدہ مطالبہ مکمل آزادی کے مطابق تھا؟ کیا صوبجاتی آئین پر عمل پیرا ہونے اور وزارتوں کو قبول کرنے سے قبل جو وعدے لیے جا رہے تھے وہ پورنا سوراج کے مطابق تھے؟ اور جب حکومت نے یہ یقین دلایا تو کیا عہدوں کو قبول کرنے اور اس صوبجاتی دستور پر عمل پیرا ہونے کی قرارداد جس کو حکومت برطانیہ نے تیار کر کے شاہی اقتدار کے بل پر اہل ہند پر مسلط کر دیا تھا کانگریس پارٹی کے پروگرام، پالیسی اور اعلان کے مطابق تھا؟ کیا آئین کو تباہ کرنے کا مطلب اس پر عمل پیرا ہونا ہے؟ اس قسم کے کاغذی اعلانات، نعرے اور دعوے ہمیں کہیں بھی نہ لے جائیں گے ہندوستان کے لیے ایک کامل متحدہ محاذ اور دیانت مقصد کی ضرورت ہے، اور اس کے بعد جب عوام کی حکومت عوام کے ذریعہ سے اور عوام کے لیے ہو گی تو اس کے نام کے متعلق ہمیں چنداں متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔ نام خواہ کچھ بھی ہو ہمیں تو کسی ایسے ہی نظام حکومت کی ضرورت ہے۔

کانگریس کے موجودہ لیڈروں نے خاص کر گزشتہ دس سال کے اندر ایسی خالص ہندوانہ پالیسی اختیار کی ہے جو مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کے لیے ذمہ دار ہے، اور جب سے ہندوستان کے چھ صوبوں کے اندر اُنہوں نے اپنی اکثریت کی بنا پر حکومتیں قائم کی ہیں۔ اُنہوں نے اپنے قول اور پروگرام سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہرگز عدل و انصاف سے کام نہیں لیں گے، جہاں کہیں وہ اکثریت میں ہیں اور جہاں کہیں انہیں یہ مفید معلوم ہوا انہوں نے مسلم لیگی پارٹیوں کے ساتھ تعاون سے انکار کر دیا، اور اُن سے غیر مشروط حوالگی اور اُن کے مرتبہ معاہدات پر دستخط کرنے کا مطالبہ کیا۔

کانگریس کا مطالبہ یہ تھا کہ اپنی پارٹی کو توڑ دو۔ اپنی پالیسی اور پروگرام کو ترک کر دو اور مسلم لیگ کا بالکل خاتمہ کر دو، اور جہاں انہوں نے صوبہ سرحد کی طرح یہ محسوس کیا کہ اُن کی اکثریت موجود نہیں تو وہاں پر اجتماعی ذمہ داری کا مقدس اصول غائب ہو گیا، اور کانگریس پارٹی کو کسی دوسری جماعت کے ساتھ تعاون کی اجازت دے دی گئی۔ اگر کسی مسلمان نے منفرداً اپنے آپ کو کانگریس پارٹی کے حوالے کر کے اس کے عہد نامہ پر دستخط کر دیے تو اس کو وزارت کا عہدہ عطا کر کے مسلمان وزیر کی حیثیت سے دکھایا گیا، حالانکہ ایسے مسلمانوں کو اسمبلی کے مسلمان نمائندوں کی اکثریت کا اعتماد و اعزاز ہرگز حاصل نہ تھا ایسے لوگوں کو ان کی ''وفادارانہ'' خدمات غیر مشروط حوالگی اور کانگریسی معاہدات پر غیر مشروط دستخط کرنے کے حیلے میں مسلم وزراء کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے، اور ان کو اُن کی غداری کے مطابق معاوضہ بھی دے دیا جاتا ہے۔ ہندی تمام ہندوستان کی قومی زبان ہوگی۔ بندے ماترم اس کا قومی ترانہ ہوگا، اور اس کو جبراً ہر جگہ مسلط کیا جائے گا۔ ہر کس و ناکس کو کانگریسی جھنڈے کی تعظیم و تکریم کرنی پڑے گی۔ ان قلیل و بے بضاعت اختیارات و ذمہ داری کی ابتدائی منزل میں ہی ہندوؤں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کے لیے ہے، اور صرف کانگریس ہی ایک ایسی جماعت ہے جس نے قومیت کا بہروپ بھر لیا ہے، لیکن ہندو مہاسبھا بالکل بے نقاب ہو گئی ہے۔ میں یہ نہایت زور کے ساتھ بتا دینا چاہتا ہوں کہ کانگریس کی اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جماعتی نفرت اور فرقہ وارانہ فسادات کے لیے سازگار حالات پیدا ہو کر برطانوی ملوکیت کی گرفت مضبوط تر ہو جائے۔ میں نہایت جرأت کے ساتھ یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس بات میں حکومت برطانیہ کانگریس کو کُھل کھیلنے کی اجازت دے دے گی، اور یہ کچھ اُس کے لیے کوئی بڑی بات بھی نہیں بلکہ بے حد مفید ہے بشرطیکہ اس کے ملوکانہ اقتدار و مفاد پر کوئی اثر نہ پڑے، اور اس کا حفاظتی نظم و نسق بدستور برقرار رہے، لیکن میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ جس وقت کانگریس نے اہل ہند کے اندر زیادہ سے زیادہ اختلافات پیدا کر کے متحدہ محاذ کا کوئی امکان نہ چھوڑا تو انجامِ کار ایک نہایت خوفناک ردِعمل شروع ہو جائے گا۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ اس قسم کی پالیسی سے جو تباہ کن نتائج پیدا ہوں گے۔ ان کی ذمہ داری سے حکومت برطانیہ بھی اپنے آپ کو بری الذمہ قرار نہ دے سکے گی یہ نہایت واضح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آئین کے ماتحت گورنروں اور گورنر جنرل کو اقلیتوں کی حفاظت کے لیے جو خاص ذمہ داری عطا کی گئی تھی۔ وہ اس کے استعمال میں نہایت بری طرح ناکام رہے ہیں اور مسلم وزراء کے تقرر کے معاملہ میں بھی وہ دستور حکومت اور حکومت برطانیہ کی خاص ہدایات کی خلاف ورزی میں کانگریس کے ساتھ برابر کے شریک ہیں، حالانکہ جس وقت کانگریس پارٹی نے گورنروں کے مخصوص اختیارات کے استعمال کے متعلق حکومت برطانیہ سے یہ وعدہ حاصل کرنے کی کوشش کی کہ انہیں استعمال نہیں کیا جائے گا تو اس وقت وزیر ہند لارڈ زیٹ لینڈ نے ان اختیارات کے استعمال اور اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت پر بطور خاص زور دیا تھا۔ اس کے برعکس وہ مسلمانوں کو بطور

مسلمان وزراء مقرر کرنے میں کانگریس کے ساتھ برابر کے شریک ہیں حالانکہ انہیں اس بات کا علم ہے کہ اسمبلیوں کے اندر یا باہر مسلمان نمائندوں کی حیثیت سے انہیں کوئی عزت حاصل نہیں۔ اگر اقلیتوں کی حفاظت کے لیے حکومت برطانیہ کی اختیار کردہ مقدس ذمہ داری انجام دہی میں گورنر بالکل بے بس اور نا اہل ثابت ہوئے ہیں تو کیا ایسے سینکڑوں معاملات میں جو عوام کے علم میں نہیں آئیں گے یا اسمبلیوں اور روزمرہ کے نظم و نسق میں ان کے متعلق کسی کو علم بھی نہیں ہوگا وہ حفاظت کے فرائض انجام دے سکیں گے؟ اس معاملہ میں حالاتِ زمانہ ہمیں کسی اور طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان خوشگوار سبق کو بہت جلد سیکھ لیں کہ ان حالات میں ان کا راستہ بالکل صاف ہے۔ انہیں یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ انہیں اپنے آپ کو باقی ہر قسم کے خیالات سے خالی الذہن ہو کر یکسوئی کے ساتھ منظم کرنے اور اپنی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر لانے کا وقت آ گیا ہے۔ میں اس سے قبل یہ اشارہ کر چکا ہوں کہ مسلمان باہم منقسم ہیں، اور ان میں ایک ایسی جماعت موجود ہے۔ جو اپنی نجات کے لیے حکومت برطانیہ کے سہارے کی منتظر ہے۔ اگر اب بھی انہیں تلخ تجربات سے سبق حاصل نہیں ہوا تو وہ اس کے بعد کبھی بھی بیدار نہ ہو سکیں گے۔ خدا انہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کر سکیں۔ ایک دوسری جماعت وہ ہے جو کانگریس سے امداد و حمایت کی طلبگار ہے ان کے اس خیال کی وجہ یہ ہے کہ اُسے اپنی ذات پر کوئی اعتماد نہیں رہا۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان اپنے اوپر اعتماد کرنا اور اپنی تقدیر کو اپنے ہاتھ میں لینا سیکھیں، ہمیں ایسے راسخ العقیدہ اہل ہمت اور اصحاب عزم کی ضرورت ہے جو اپنے معتقدات کی حفاظت کے لیے تمام دُنیا کے مقابلے میں تنِ تنہا ڈٹ جانے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں ہمیں طاقت اور عزم پیدا کرنا چاہیے، اور یہ طاقت و عزم مسلمانوں کے باہمی انضباط، اتحاد اور وحدت کے بغیر حاصل نہ ہو سکے گا،

چونکہ کسی صاحبِ اختیار ہندو لیڈر کی طرف سے مفاہمت کے لیے کسی مخلصانہ خواہش اور دلچسپی کا اظہار نہیں ہو رہا ہے، ہندوؤں کے ساتھ کسی سمجھوتے کا کوئی امکان نہیں۔ معززانہ مفاہمت صرف مساوی الحیثیت جماعتوں کے درمیان ہی ممکن ہو سکتی ہے، اور جب تک فریقین میں باہمی عزت اور احترام کا جذبہ پیدا نہ ہو کسی مفاہمت کے لیے کوئی ٹھوس زمین تیار نہیں ہو سکتی۔ کمزور فریق کی طرف سے دعوت مصالحت کا مطلب ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو اپنی کمزوری اور ضعف کا اقرار ہے، اور وہ فریقِ ثانی کے غضب و سلب کا تختۂ مشق بننے کے لیے تیار ہے۔ حب وطن، عدل انصاف اور مروّت کی تمام اپیلیں بے اثر ثابت ہوتی ہیں۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے کسی خاص سیاسی شعور کی ضرورت نہیں جب تک تحفظات و مفاہمت کی پشت پر طاقت موجود نہیں ہوگی وہ محض کاغذ کے پرزے ثابت ہوں گے۔ سیاسیات کا مطلب طاقت ہے اور یہ نہیں کہ عدل، انصاف اور مروت کی فریادوں پر بھروسہ کیا جائے۔ آپ اقوامِ عالم اور ان کے روزمرہ کے واقعات سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ آپ چین، اسپین اور فلسطین کے اندوہناک واقعات پر غور کریں۔ میں آخر الذکر کا تذکرہ عنقریب کروں گا۔

کانگریس ہائی کمان مختلف آوازوں کے ساتھ بول رہی ہے۔ ایک حلقے کی رائے یہ ہے کہ یہاں پر ہندو مسلم سوال اور اقلیتوں کا کوئی جھگڑا نہیں۔ دوسرے بلند خیال طبقے کی رائے یہ ہے کہ اگر اس وقت غیر منظم اور بے بس مسلمانوں کے روبرو چند ٹکڑے پھینک دیے جائیں تو ان کو اپنا مطیع و منقاد بنایا جا سکتا ہے۔ اگر اُن کا یہ خیال ہے کہ اس وقت کسی چیز کو مسلط کیا جا سکتا ہے تو وہ یقیناً ایک افسوسناک غلطی میں مبتلا ہیں۔ اب آل انڈیا مسلم لیگ نے زندہ رہنے اور سیاسیات ہند میں اپنا سکہ جمانے کا عزم کر لیا ہے۔ اس لیے اس حقیقت کا جس قدر جلد احساس کر لیا جائے گا وہ تمام جماعتوں اور مفادوں کے لیے اُسی قدر مفید رہے گا تیسرے حلقے کی رائے یہ ہے کہ ناقابل گزر تاریکی میں روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی، لیکن جوں جوں کانگریس کی طاقت اور قوت حاصل ہوتی جاتی ہے وہ سابقہ کورے چیکوں کو پُر کرنے کے وعدوں کو فراموش کرتی جا رہی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ ان حالات پر غور کرنے کے بعد مسلمانانِ ہند ایک ایسی معین اور ہمہ گیر پالیسی کے ذریعہ سے اپنی تقدیر کا فیصلہ کر لیں جس پر تمام ہندوستان میں نہایت وفاداری کے ساتھ عمل کیا جائے۔ کانگریسی مسلمانوں کی طرف سے غیر مشروط حوالگی کی تبلیغ بے حد خطرناک ہے۔ یہ شکست خوردہ ذہنیت کی انتہا ہے کہ اپنے آپ کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں اور مسلمان قوم کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی بڑی غداری نہیں ہو سکتی، اور اگر اس پالیسی کو اختیار کر لیا گیا تو میں آپ کو بتا دوں کہ مسمان اپنے مستقبل کا اپنے ہاتھوں سے خاتمہ کر لیں گے اور ملک کی قومی زندگی اور حکومت میں وہ اپنے جائز حقوق سے محروم ہو جائیں گے۔ صرف ایک چیز مسلمانوں کی حفاظت اور ان کے کھوئے ہوئے وقار کی بحالی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ سب سے پہلے اپنی روحوں کو مسخر کر کے اپنی ان عظیم الشان روایات و اصول وحدت پر قائم ہو جائیں، جو اُن کی سیاسی جماعت بندی کا طغرائے امتیاز ہیں۔ اگر مسلمانوں کو فرقہ پرست ٹوڈی اور رجعت پسند کہا جاتا ہے تو آپ اس کی پروا نہ کریں اگر کوئی بدترین ٹوڈی اور مذموم ترین فرقہ پرست آج اپنے آپ کو غیر مشروط طور پر کانگریس کے حوالے کر کے اپنے بھائیوں کو ظلم و شتم کا نشانہ بنا لے تو وہ قوم پرستوں کا تاجدار بن جاتا ہے۔ ان اصلاحات الفاظ اور گالیوں کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر احساسِ کمتری پیدا کر کے ان کو کمزور بزدل بنایا جائے، اور ہمارے اندر اختلافات پیدا کر کے ہمیں دنیا میں بدنام کیا جائے۔ یہ بُرے کا معیار ہے جس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی طے شدہ اور معین پالیسی یہ ہے کہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق و واجبات کی موثر حفاظت کی جائے۔ اس کا بنیادی اور سب سے بڑا اصول ہے، یہی اس کی زندگی کا نصب العین ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مسلم لیگ اور اس کے حامیوں سے کانگریس سخت ناراض ہو رہی ہے اور اس کے علاوہ ہے، کیا جس پر کانگریس کو اعتراض ہے؟ کانگریس بعینہٖ وہی کچھ کر رہی ہے، جس کے متعلق ہم نے آج سے دو سال قبل فیصلہ کیا تھا۔ لیگ اس بات کی ہرگز اجازت نہ دے گی کہ حکومت برطانیہ یا

اسمبلیوں کے اندر اور باہر کوئی دوسری جماعت اُن کے مفاد کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔ کانگریس نے اپنے گزشتہ دعاوی کے باوجود مسلمانوں کے لیے اب تک کچھ نہیں کیا۔ یہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو حفاظت کا یقین دلانے میں سخت ناکام رہی ہے۔ کانگریس کی طرف سے مسلمانوں میں رابطۂ عوام پیدا کرنے کی فریب آلود کوشش کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اُن میں اختلاف پیدا کر کے ان کو کمزور بنایا جائے، اور ان کو اپنے قابل اعتماد لیڈروں سے برگشتہ کر دیا جائے۔ یہ نہایت خطرناک تحریک ہے لیکن کوئی شخص اس سے گمراہ نہیں ہو سکتا۔ مختلف النوع دلفریب دعوؤں اور نعروں کے باوجود اس قسم کی چالیں کامیاب نہ ہو سکیں گی اقلیتوں کے ساتھ انصاف کے بغیر کوئی دیانتدارانہ اور سیدھا راستہ نہیں ہو سکتا۔ بھوک اور افلاس کے متعلق اس تمام شور کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں سوشلزم اور کمیونزم کا بیج بویا جائے، حالانکہ وہ اس کے لیے تیار نہیں۔ بحالاتِ موجودہ حکومت کے خلاف براہِ راست کارروائی کی پالیسی مسلم لیگ کے نزدیک بالکل فضول اور خودکشی کے برابر ہے۔ اس قسم کی دو کوششیں اب تک ناکام ہو چکیں، اور ان کے باعث لوگوں کو کافی مصیبت اور پریشانی کا مقابلہ کرنا پڑا ہے، چنانچہ بیس سال کے تجربہ کے بعد ان کو ترک کرنا پڑا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم پر ایک زیادہ پسندانہ دستور مسلط کیا گیا اور لطف یہ ہے کہ اب اس پر عمل پیرا ہے۔

ایک قرارداد کے ذریعہ سے گورنر جنرل سے یہ درخواست کرنا کہ وہ وزیر ہند کو ہمارے اس مطالبہ سے مطلع کر دیں کہ حق رائے دہی بالغان کی بناء پر ایک مجلسِ دستور ساز کی معرفت ہندوستان کے آئندہ آئین کا خاکہ تیار کرا لیا جائے۔ یہ بے خبری کی انتہا ہے اس سے یہ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس قسم کا مطالبہ پیش کرنے والے واقعات و حقائق سے کس قدر نا آشنا ہیں۔ دستوری اسمبلی کے قیام کا حق صرف کسی والی ملک یا تاجدار کو حاصل ہے۔ شاہی اختیار کی معرفت ایسے نمائندگانِ مُلک کی ایک مخصوص جماعت منتخب کر لی جائے، جو اپنی مرضی کے مطابق ملک کو دستور مُرتب کر دیں۔ اس کے بعد اُن کا کام ختم ہو جاتا ہے اور ان کا مرتبہ دستور ملک کے آئین حکومت کی حیثیت سے نافذ ہو جاتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ حق رائے دہی بالغان کی بنا پر حلقہ ہائے انتخاب کو معین کون کرے گا، اور اس بنا پر معین شدہ حلقہ ہائے انتخاب نمائندوں کی کس قدر تعداد کو منتخب کریں گے اور ایسے حلقہ ہائے انتخاب میں اقلیتوں کا حشر کیا ہوگا، اور حلقہ ہائے انتخاب کے اندر یہ شعور کیونکر پیدا ہو سکے گا کہ ان کو اس وسیع و عریض ملک کے دستور مرتب کرنے والی مخصوص جماعت کو کس طرح منتخب کرنا چاہیے، اور جماعت بھی وہ جماعت جس کو ترتیب دستور کا کلی اختیار حاصل ہو گا؟ اس مشینری کو کون چلائے گا۔ جو اس مخصوص جماعت کو انتخاب کرے گی، جس کو اپنی مرضی کے مطابق تشکیل دستور کا اختیار حاصل ہو گا؟ اور انجامِ کار یہ کہ اس جماعت میں اقلیتوں کی حیثیت کیا ہو گی؟ کانگریس کو واقعی یہ یقین ہے کہ وزیرِ ہند ان تمام مطالبات و ضروریات کو پورا کر دے گا، حالانکہ ابھی چند روز ہوئے کہ ہندوستان میں حکومتِ برطانیہ کے سب سے باختیار اور بڑے نمائندے یعنی ہز ایکسی لینسی

وائسرائے نے اپنی تقریر میں یہ کہا تھا کہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ہندوستان کو مستقبل قریب میں فیڈریشن حاصل ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ جب یہی وائسرائے ہندوستان آیا تھا تو اس نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ فیڈریشن کی اسکیم بحیثیت مجموعی اس قدر اچھی ہے کہ صوبجاتی آئین کے نفاذ کے بعد یہ بہت جلد رائج ہو جائے گی، اور اب گذشتہ ڈیڑھ سال کے تجربہ نے اُس کے اُس یقین کو اور بھی پختہ اور مستحکم کر دیا ہے اور اس کو یہ یقین ہے کہ ایک معقول عرصے کے اندر فیڈریشن قائم ہو جائے گی۔

اگر ملک کا بحیثیت مجموعی مطالعہ کیا جائے تو تا حال کانگریس اس قابل نہیں کہ وہ عنانِ نظم و نسق سنبھال سکے اور یہ حقائق کی نہایت دلچسپ تضحیک ہے کہ حکومت برطانیہ سے یہ توقع کی جائے کہ وہ دستوری اسمبلی قائم کرے گی، اور جہاں تک کانگریس کا سوال ہے وہ اس صلاحیت سے قطعی طور پر بے بہرہ ہے۔ اس مقصد کے لیے یہ ضروری ہے کہ کانگریس سب سے پہلے ملک کی تمام قابل ذکر جماعتوں اور مفادوں کو یکجا کر کے اپنے سائے تلے لے آئے، ورنہ ایک غیر ملکی حکومت سے جو اس وقت ملک کے اندر صاحب اختیار ہے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ فرقہ وار مسئلہ کے حل یا تمام جماعتوں کی طرف سے کانگریس کے اقتدار کے اقرار کے بغیر کوئی ایسا قدم اُٹھائے گی، بعینہٖ ایسا ہے جیسا کہ گاڑی کو گھوڑے کے آگے کھڑا کر دیا جائے۔ اس بات کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ہندوستان کا ایک تہائی حصہ ہندوستانی ریاستوں اور والیانِ ریاست پر مشتمل ہے، اور ان کا نکتہ نگاہ بالکل مختلف ہے۔

بے کار کوششوں کے بجائے بہتر یہ ہے کہ کانگریس پوری یکسوئی کے ساتھ اس بات کو سمجھ لے کہ گورنمنٹ انڈیا ایکٹ 1935ء میں جو فیڈرل سکیم پیش کی گئی ہے۔ وہ رائج الوقت آئین کے مقابلہ میں بھی بدرجہا رجعت پسندانہ ہے۔ اس لیے اس کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ حکومتِ برطانیہ کے نمائندوں کی طرف سے اس کے نفاذ کے متعلق جو دعوے کیے جا رہے ہیں ان کو عملی جامہ پہننے نہ دیا جائے۔ اس باب میں کانگریس کیا رہی ہے؟ کیا اُس کا یہ خیال ہے کہ وہ تنہا آپ پارٹی کی حیثیت سے اس کے نفاذ کو روک دے گی۔ یا کوئی اور فارمولا بنا لیا جائے گا اور کانگریس اس کو بھی صوبجاتی آئین کی طرح اپنے سرکردہ لیڈروں کی مخالفانہ غوغا آرائی کے باوجود قبول کر لے گی۔

اب میں مسئلہ فلسطین کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں، اس کا تمام مسلمانانِ ہند پر نہایت گہرا اثر پڑا ہے۔ حکومت برطانیہ کی عام پالیسی یہ ہے کہ اس نے شروع سے لے کر آخر تک عربوں کو دھوکا دیا ہے۔ برطانیہ نے اپنے اس وعدے کو پورا نہیں کیا جو جنگِ عظیم کے دباؤ کے ماتحت کیا گیا تھا، اور جس میں یہ کہا گیا تھا کہ عربوں کو مکمل آزادی کی گارنٹی دی جاتی ہے، اور ایک بین الاعراب وفاق کی تشکیل کا اعلان کیا جاتا ہے۔ عربوں کی سریع الاعتقادی سے پورا فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔ عربوں کو جھوٹے وعدے دے کر ان کو استعمال کرنے کے بعد برطانیہ نے بدنام خلائق اعلان بالفور کے ذریعہ سے اپنے آپ کو اُن پر مسلط کر دیا اور یہودیوں کے لیے ایک قومی وطن بنانے کی پالیسی کے بعد اب برطانیہ فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہے، اور رائل کمیشن کی سفارشات نے اس

المناک داستان کا آخری باب لکھ دیا ہے، اور اگر اس کو نافذ کر دیا گیا تو عربوں کے اپنے وطن میں ان کی تمام تمناؤں اور آرزوؤں کا خون ہو جائے گا، اور اب ہمیں یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم اصل واقعات پر غور کریں لیکن سوال یہ ہے کہ یہ حالات پیدا کس نے کیے ہیں؟ یہ برطانوی مدبرین کی پیداوار ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جمعیۃ الاقوام رائل کمیشن کی سفارشات کی تائید نہیں کرے گی، اور خدا کرے ان کی تائید نہ کی جائے اور اصل حالات کا ازسرِ نو جائزہ لیا جائے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا عربوں کو ان کا صلہ دینے کے لیے یہ کوئی دیانتدارانہ کوشش ہے؟ میں حکومت برطانیہ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر اُس نے مسئلہ فلسطین کا جرأت، دلیری اور انصاف کے ساتھ فیصلہ نہ کیا تو یہ حکومت برطانیہ کی تاریخ میں ایک جدید انقلاب کا دروازہ کھول دے گا۔ میں صرف مسلمانانِ ہند کی نہیں بلکہ اس معاملہ میں مسلمانانِ عالم کی ترجمانی کر رہا ہوں، اور تمام انصاف پسند اور فکرمند اصحاب اس بات میں میری تائید کریں گے، جب میں یہ کہوں گا کہ اگر برطانیہ نے اپنے ان مواعید، عزائم اور اعلانات کو جو زمانہ قبل و بعد از جنگ تمام دنیا کے روبرو غیر مشروط طور پر عربوں کے ساتھ کیے گئے تھے پورا نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھود رہا ہے۔ میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ عربوں کے اندر نہایت شدید احساس پیدا ہو چکا ہے اور حکومتِ برطانیہ جھلا کر اور جوش میں آ کر اعرابِ فلسطین کے خلاف نہایت سخت تشدد کے استعمال پر اتر آئی ہے۔ مسلمانانِ ہندوستان عربوں کے اس منصفانہ اور جرأت آموزانہ جہاد میں اُن کی ہر ممکن امداد کریں گے، چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے میں ان کو یہ پیغام بھیجتا ہوں کہ اس منصفانہ جنگ میں وہ جس عزم، ہمت اور حوصلے کے ساتھ لڑ رہے ہیں وہ انجام کار کامیاب ہو کر رہیں گے۔

میں ہندوستان کے ہر شہر، تحصیل، ضلع اور صوبے کے مسلمانوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ عوام کی بہبود و فلاح کے لیے تعمیری اور ترقی پسندانہ پروگرام بنائیں، اور مسلمانوں کی معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی ترقی کے لیے مناسب ذرائع اور وسائل اختیار کریں۔ میں ملک یا صوبوں کی فلاح و ترقی کے لیے کام کرنے والی جماعتوں کے ساتھ تعاون سے قطعاً گریز نہیں کرتا۔ میں آپ حضرات سے یہ درخواست اور اپیل کرتا ہوں کہ تمام مرد، عورتیں اور بچے آل انڈیا مسلم لیگ کے متحدہ پروگرام اور جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ ڈسٹرکٹ پراونشل اور آل انڈیا مسلم لیگ کے متحدہ پروگرام اور جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ ڈسٹرکٹ پراونشل اور آل انڈیا مسلم لیگ میں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں بہت جلد بھرتی ہو جاؤ۔ اپنے آپ کو منظم کر کے اپنے اندر وحدتِ مقصد و خیال پیدا کرو اور اپنے آپ کو تربیت یافتہ اور ضبط آشنا سپاہیوں کی طرح آراستہ کر لو۔ اپنے اندر اخوت و رفاقت کے جذبات پیدا کرو۔ اپنے ملک اور قوم کے لیے وفا اور دیانتداری کے ساتھ بے لوث قربانیاں کرو، صنعت، مشقت اور قربانی کے بغیر کوئی فرد اور کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ ملک کے اندر اس قسم کی طاقتیں موجود ہیں جو تمہیں پریشان اور سرگرداں کریں اور تمہیں ہر قسم کی مشکلات کو برداشت کرنا پڑے، اور انہی قربانیوں اور آگ کے امتحان سے نکل کر آپ

اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں، اور اس طرح اپنے معتقدات وعزائم پر سختی کے ساتھ قائم رہ کر ہی کوئی قوم اپنی سابقہ شاندار روایات کو برقرار رکھ سکتی ہے، اور یہی وہ چیزیں ہیں جو تاریخ عالم میں ہندوستان کے نام کو روشن کرسکتی ہیں۔ ''ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کو خائف ہونے کی ضرورت نہیں۔ اُن کی تقدیر اُن کے اپنے ہاتھ میں ہے، اور وہ ایک متحدہ، ٹھوس اور منظم طاقت کی حیثیت سے ہر خطرے اور ہر مزاحمت کا متحدہ محاذ کے ذریعہ سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ تمہارے اپنے ہاتھوں میں ساحرانہ قوت موجود ہے۔'' اب تمہیں اپنے اہم فیصلوں پر ڈٹ جانا چاہیے یہ نہایت اہم، ضروری اور نتیجہ خیز ہیں۔ کسی فیصلہ سے قبل ایک ہزار بار غور کرو لیکن جس وقت کوئی فیصلہ ہو جائے تو اُس پر شخصِ واحد کی طرح جم جاؤ، آپ کو صداقت، شعار اور وفادار رہنا چاہیے۔ بس اس کے بعد کامیابی اور فتح آپ کے پاؤں چُومے گی۔''

تھرڈ کلاس وکیل

ایک عدالت میں قائداعظم محمد علی جناح کسی مقدمہ کی پیروی کررہے تھے کہ آپ نے مجسٹریٹ کی عدم دلچسپی کو محسوس کرلیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی بحث کا انداز اس روز کسی قدر جارحانہ تھا۔ اس پر مجسٹریٹ نے تنبیہ کے انداز میں کہا:

''مسٹر جناح! آپ کسی تھرڈ کلاس مجسٹریٹ سے مخاطب نہیں ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فوراً کہا:

''جناب والا! آپ کے سامنے بھی اس وقت کوئی تھرڈ کلاس وکیل نہیں ہے۔''

ترقی

قائداعظم محمد علی جناح نے 26 ستمبر 1947ء کو ولیکا ٹیکسٹائل ملز کے افتتاح کے موقع پر فرمایا:

''ترقی کے لیے بلاشبہ رقم کی ضرورت ہے مگر قومی ترقی سو فیصد پیسوں کی محتاج بھی نہیں'' اس کا انحصار انسانی کوشش ومحنت پر ہوتا ہے، اور مجھے بھروسہ ہے کہ پاکستانی قوم ایسی محنتی اور ارادے کی پکی قوم ہے جو شاندار روایات کے مطابق ماضی میں ممتاز رہی ہے۔''

ترکِ موالات

جنگِ عظیم 1918ء میں جب ختم ہوئی تو ہندوستان میں بھی سیاسی بیداری نے انگڑائی لی، لیکن ابھی ہندوستان حرف مطلب زبان پر نہ لا سکا تھا کہ رولٹ بل کے خلاف ہنگامہ ہوگیا، جس نے 1919ء کے موسم بہار میں خطرناک صورت اختیار کرلی۔ حکومت پنجاب نے تشدد کی راہ اختیار کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو اور مسلمان متحد ہوگئے۔ تحریک ہجرت، تحریک ترک موالات اور تحریک آزادی ہند نے ملک کو ہر قسم کی قربانیوں کے لیے تیار کردیا۔ اس پرجوش زمانہ میں انتہا پسند رہنماؤں کو آگے بڑھنے کا موقع ملا لیکن عافیت پسند رہنما گوشہ گمنامی میں چلے گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح ایک اعتدال پسند رہنما تھے وہ اتنا بڑھنا نہیں چاہتے تھے کہ پسپائی کی نوبت آئے، اور خواہ مخواہ رجعت پسندی کا الزام لگنے لگے۔ قائداعظم محمد علی جناح جذباتی سیاست کے قائل نہ تھے وہ پنجاب کے حالات سے سخت متاثر تھے۔ انہوں نے لاہور آکر حکومت اور مسلمانوں میں باہمی سمجھوتہ طے کرایا۔ 29 فروری 1920ء کو قائداعظم محمد علی جناح لاہور آئے تھے۔

ترکی

آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مسٹر اے کے فضل الحق کی صدارت میں دسمبر 1918ء میں دہلی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی سے آکر شرکت کی۔ اجلاس میں حکومت کے رویہ کی سخت مذمت کی گئی اور جنگ کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کو تحفظ دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ ڈاکٹر انصاری نے رات کو مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں ایک قرارداد پیش کی اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

> ''مسلم لیگ کے آئین کے مطابق ہم انگریزوں کی خارجہ پالیسی کے متعلق کوئی نکتہ چینی نہیں کر سکتے۔''

لیکن بیشتر اراکین جرمنی اور ترکی کی جانب سے ہتھیار ڈال دینے کے بعد بڑے دل برداشتہ ہو گئے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح اصولوں پر پختہ یقین رکھتے تھے چنانچہ وہ اور راجہ صاحب محمود آباد مسلم لیگ کے آئین کی خلاف ورزی پر اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے۔

دسمبر 1919ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کا ایک اجلاس امرتسر میں منعقد ہوا اس میں بھی قائداعظم محمد علی جناح نے شرکت کی۔

پاکستان کے قیام کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے ترکی کے نامزد سفیر سے اسناد سفارت وصول کرتے ہوئے فرمایا:

> ''پاکستان اور ترکیہ کے عوام کے درمیان پائے جانے والے روحانی اور جذباتی رشتوں نے کئی سال کے باہمی روابط سے جنم لیا ہے اور پروان چڑھے ہیں۔ ترکی کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کی گزشتہ پچاس سال سے جذباتی وابستگی ہے۔''

4 مارچ 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ترکی کے پہلے سفیر ہزایکسی لینسی یحییٰ کمال بے تابی سے ملاقات کرتے ہوئے فرمایا:

> ''اہل پاکستان کے لیے آج کا دن تاریخی وجوہات سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے جیسا کہ آپ نے خود کہا، آپ کے اور میرے وطن کے رہنے والوں میں بہت پرانے روحانی اور جذباتی رشتے قائم ہیں۔ علاوہ ازیں پچھلے سال جب بھی حالات زمانہ نے پلٹا کھایا ترکی اور اہل ترکی کا خیال کبھی ہمارے دل سے محو نہیں ہوا۔ آپ کی قوم کی شجاعت اور آپ کے زعماء کی فراست جس کے بل پر آپ تن تنہا سارے یورپ سے اپنی آزادی کے تحفظ کے لیے کئی لڑائیاں جیتے ہم سے ہمیشہ خراج تحسین حاصل کرتے رہے کئی تاریخی جنگی میدانوں میں آپ کے لیڈروں کے کارنامے آپ کے قومی انقلابات کی تاریخ آپ کی سیاست دانی کا عروج، آپ کی ہمت اور تدبر، یہ سب کچھ ہمارے سامنے ہے اور ہمیشہ ہماری نظر میں رہا ہے۔
> میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان کے مسلمان آپ کے وطن کے لیے انتہائی محبت اور احترام کے جذبات دل میں رکھتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ دونوں آزاد ملک اپنے رشتوں کو اور بھی استوار کریں گے، اور یہ دوستی اور اتحاد دونوں ملکوں کے لیے فائدہ مند ہوگا۔''

جمہوریہ ترکی کا رقبہ 302,169 مربع میل اور آبادی تقریباً 5 کروڑ نفوس پر مشتمل ہے، اس کے مغرب میں بحیرہ احمر شمال مغرب میں یونان و بلغاریہ، شمال میں بحیرہ اسود، شمال مشرق میں روس، مشرق میں ایران اور جنوب میں بحیرہ روم، عراق اور شام واقع ہیں، یہ دو براعظموں ایشیا اور یورپ میں منقسم ہے۔ ایشیائی ترکی کا رقبہ کل رقبے کا 97 فیصد ہے۔

ترین، سردار محمد خان

1943ء میں بلوچستان میں مسلم لیگ کے پہلے سیکرٹری جنرل نے قائداعظم محمد علی جناح کو دورہ پشین کی دعوت دی۔

سردار محمد خان ترین 1874ء میں سردار اسکان خان ترین کے ہاں تورہ شاہ میں پیدا ہوئے۔ تورہ شاہ پشین سے آٹھ میل کی مسافت پر ہے۔ انہیں فارسی، عربی اور اردو میں خاصی دسترس حاصل تھی۔ آپ بلوچستان مسلم لیگ کے پہلے جنرل سیکرٹری چنے گئے۔ 1939ء کے بعد مسلم لیگ کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے تمام ہندوستان کا تین مرتبہ دورہ کیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے رکن بھی تھے۔ 1943ء میں قائداعظم محمد علی جناح کا پشین میں شاندار استقبال کیا گیا۔ جون 1947ء کے ریفرنڈم میں جس کے ذریعہ شاہی جرگہ نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا تھا، سردار محمد خان ترین نے نمایاں کام کیا۔ 1956ء میں ان کا انتقال ہوا اور پشین میں قلعہ اسکان خاں میں دفن ہوئے۔

تصریحاتِ قائد

شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے 14 جولائی 1945ء کو پریس کانفرنس میں فرمایا:

> ”ویول پلان کے بغور مطالعہ اور چھان بین کے بعد ہم پر یہ بات کھلی کہ وہ محض دامِ تزویر تھا۔ ہمارے خلاف ایک جتھا تورہ تھا، جو گاندھی کی ہندو کانگریس پر مشتمل تھا، جو متحدہ ہندوستان کی قومی آزادی کا علمبردار ہے، دوسرا گروہ لارڈ ویول، گلینسی (گورنر پنجاب) اور خضر (وزیراعظم) کا ہے۔ جن میں سے ایک پر ہندوستان کی جغرافیائی وحدت کا الہام ہوا ہے، اور دوسرے دو پنجاب کے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہم کو ایسے انتظام میں شامل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، کہ جس کو اگر ہم منظور کر لیتے جیسا کہ لارڈ ویول چاہتے تھے تو ہم اپنی موت کے فرمان پر دستخط کر دیتے۔

ویول کی تجویزوں میں ہماری شرطوں کی نفی کر دی گئی تھی، اور ہم سے سخت ترین قربانیاں کرنے کو کہا جا رہا تھا۔ ہر سمجھدار آدمی اس کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر ہم ان تجویزوں کو قبول کر لیں تو پاکستان کا مسئلہ پس پشت چلا جائے گا۔

برخلاف اس کے اس نظام کے ماتحت کانگریس کو وہ سب کچھ مل جاتا جو وہ چاہتی ہے، یعنی ان کے لیے ہندو قومی آزادی کا راستہ کھل جاتا کیونکہ آئندہ حکومت متحدہ ہندوستانی حکومت کے طور پر کام کرتی، اور یہ عارضی اور وقتی انتظام ایک غیر معینہ عرصے تک قائم رہتا، اور حکومت کی تمام طاقتیں حکومتِ برطانیہ اور لارڈ ویول سے مل کر جو متحدہ ہندوستان کے بڑے خواہش مند ہیں، ہمیں عضوِ معطل بنا دیتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مجوزہ حکومت میں ہم کو 1/3 کی اقلیت کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ تمام دوسری اقلیتیں مثلاً سکھ، اچھوت اور عیسائی وہی نصب العین رکھتے ہیں، جو کانگریس کا ہے۔ اقلیتوں کی طرح ان کو شکایات ہیں، مگر ان کا تصور متحدہ ہندوستان ہے، اور وہی رہے گا، مذہب اور تمدن کے لحاظ سے وہ ہندو معاشرت میں گندھے ہوئے ہیں۔

میں اس کے خلاف نہیں ہوں کہ تمام اقلیتوں سے پورا پورا انصاف کیا جائے، اور ان کا پورا پورا تحفظ کیا جائے، چاہے وہ کہیں بھی ہوں، مگر عمل اور کارروائی کے وقت ان کی رائے لازماً ہمارے خلاف ہوگی،

مسٹر جناح ADC'S کے ہمراہ

اور ہمارے لیے وائسرائے کے ویٹو کے علاوہ تحفظ کا کوئی فریضہ نہیں ہے، مگر ہر دستوری تجربہ رکھنے والا جانتا ہے کہ اس حق کو مقررہ پالیسی اور اصولوں کے مطابق حکومت اور ایوان قانون ساز کے اندر اکثریت کے فیصلے کے خلاف استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔

اس پر بھی قیامت یہ ہوئی کہ ہم کو فرقہ وارانہ طور پر جو ویول پلان کی روح ہے۔ مسلمانوں کے لیے جو 5 نشستیں دی گئی تھیں۔ ان سے متعلق ہمیں کہا گیا کہ تمام مسلم نشستوں کے لیے اپنے آدمی نامزد کرنا صرف مسلم لیگ ہی کا حق نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں دو دعویدار تھے۔ ایک کانگریس جو دو نشستوں کا مطالبہ کر رہی تھی، اور دوسرے ہزایکسلینسی ونخضر پنجاب کی طرف سے ایک نشست مانگ رہے تھے۔ ان دونوں کا یہ مطالبہ مسلم لیگ کی جڑ پر کلہاڑا چلانا تھا، اور اس کی پوزیشن، نوعیت اور مرتبہ کو ختم کیے دے رہا تھا، لیکن آخرکار ہم کو اس وقت بالکل بے تعلق ہو جانا پڑا۔

جب لارڈ ویول نے اس بات پر زور دیا کہ پنجاب کے مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر میں خضر حیات کے ایک آدمی کو ضرور لینا پڑے گا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ کوئی اندھا ہی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی ذمہ دار نمائندہ جماعت نہیں ہے۔ اگر ہم نے اس حیثیت کو قبول کر لیا ہوتا، جو لارڈ ویول ہمیں عنایت فرما رہے تھے تو ہم اس کانفرنس پر سب کچھ قربان کر دیتے، اور ہم اپنی قوم سے غداری پر مرتکب ہوتے۔ ہم اپنے تمام اصولوں کو ملیامیٹ کر کے دوسروں کے قدموں پر گر پڑتے، اور مسلم لیگ کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتار دیتے۔"

تصور اور تخلیق

قوم پر یقین اور ایمان کے علاوہ قائداعظم محمد علی جناح میں ایک ایسی بات تھی، جو علامہ اقبالؒ کے سوا ہمارے زمانے کے کسی شاعر اور ادیب کو بھی نصیب نہیں ہوئی یعنی ایک عظیم خیال پر پورا اعتماد، ہندوستان ٹائمز نے آپ کی وفات کے بعد شاید طنزاً لکھا تھا:

"ان میں ایسی قوت ارادی تھی جو حقیقتوں کو توڑ پھوڑ کر خواب کو حقیقت بنا سکتی تھی۔"

اس سے زیادہ قائداعظم محمد علی جناح کی تعریف اور کیا ہو سکتی ہے۔

جب قائداعظم محمد علی جناح کو ایک مرتبہ یقین آگیا کہ یہ ایک عظیم خیال ہے تو آپ مادی رکاوٹوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح کا شمار یقیناً انسانی تاریخ کے عظیم ترین تصور پرستوں میں ہوگا۔ محض ایک تصور کی بنیاد پر خود کو تخلیق کے لیے آمادہ کرنا۔ ایک پوری قوم کے اندر تخلیقی جذبہ ابھارنا، نفی کو اثبات میں تبدیل کرنے کا خیال دل میں لانا۔

تصور پاکستان کی ابتدا

قائداعظم محمد علی جناح کے چودہ نکات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ تصور پاکستان کی ابتدا اسی سے ہوئی ان کی بنیاد دو قومی نظریے پر قائم تھی اور برصغیر کا ایک ایسا وفاق مطلوب تھا جس میں دونوں قوموں کو قریب قریب برابر کی حیثیت حاصل ہو۔

قائداعظم محمد علی جناح کے چودہ نکات کی وجہ سے ایک نئی جدوجہد شروع ہوئی۔ ہندو کہتے تھے:

"مسلمان ان کے ساتھ مل کر انگریز کے خلاف متحد

محاذ بنالیں اور آزادی کے لیے لڑیں۔"
مسلمان کہتے تھے:

"ہم اس کے لیے تیار ہیں، البتہ یہ یقین ہونا چاہیے کہ ہم آزادی کے بعد ہندو اکثریت کے غلام نہیں بن جائیں گے۔"

یہ یقین اسی صورت میں ہو سکتا تھا، جب کانگریس اور ہندو قائداعظم محمد علی جناح کے چودہ نکات کو تسلیم کر لیتے جو مسلمانوں کے قومی مطالبات تھے۔

مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات کے دس سال بعد برطانوی حکومت نے آئینی اصلاحات کی نئی قسط کا فیصلہ کرنے کے لیے لندن میں مذاکرات کا آغاز کیا جسے گول میز کانفرنسوں کا نام دیا گیا۔ ان کانفرنسوں میں ہندوستان کی تمام اقوام کے نمائندے شریک ہوئے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان کئی بار بات چیت ہوئی لیکن ناکام رہی۔ کانگریس مسلمانوں کے قومی مطالبات کو نہیں مانتی تھی، اور مسلمانوں کو یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ اپنے ملی تشخص کا سودا کر لیں۔

تصورِ قرآن

قرآن مجید اللہ رب العزت کی آخری کتاب ہونے کی حیثیت سے مکمل ضابطہ حیات، مرکز نور و ہدایت ہے۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے اس حکمت آموز کتاب کے چیدہ چیدہ پہلوؤں کے ذکر سے اپنی تقاریر، بیانات اور پیغامات کو مزین کر کے اس کے ساتھ اپنی گہری قلبی وابستگی اور ایمانی حرارت کا ثبوت دیا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح قرآن حکیم کو صرف عقائد ہی کا مجموعہ خیال نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ اسے عبادات اور معاملات کے حقائق کا بھی آئینہ دار تصور کرنے کے حامی تھے، اور وہ عقائد کو سمجھنے کے لیے قرآن کی عقلی تفسیر و تشریح کے بھی قائل تھے۔ انہوں نے عید کے دن اپنی نشری تقریر میں اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

In the pursuit of truth an the cultivation of beliefs we should be guided by our ratiounal interpretation of the Qura.

(13 Nov, 1939)

قائداعظم محمد علی جناح کے تصورِ قرآن کا ایک اور اہم پہلو قرآنی تعلیمات کا عملی جامہ پہنانا، اور دوسروں کے ساتھ عمدہ سلوک اور انتہائی محبت و خدمت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ انہوں نے 1939ء میں مسلم یوتھ آف انڈیا (علی گڑھ) کے نام اپنے ایک پیغام میں کہا تھا:

"قرآن میں انسان کو اللہ تعالیٰ کا نائب کہا گیا ہے، یہ چیز ہمارے اوپر اتباعِ قرآن کی ذمہ داری ڈالتی ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، جو خدا انسانوں کے ساتھ کرتا ہے، گویا یہ محبت اور بردباری کا فرض ہے۔"

ایک اور موقع پر قائداعظم محمد علی جناح، قرآن اور اسلام کی حقانیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آخر وہ کیا چیز تھی جس نے مسلمانوں کو تنِ واحد کی مانند متحد کر دیا، وہ کون سا لنگر تھا جس نے اس سفینے کو ڈوبنے سے بچایا، وہ تھا اسلام اور اس کی عظیم الشان کتاب قرآن مجید جس پر عمل کرتے ہوئے شتربان قیصر و کسریٰ کے مالک بن گئے، عرب کے جاہل دنیا کے امام اور رہنما بن گئے۔ یہ تھا فیضان حدی کی تعلیمات کا اثر۔"

تصویری ڈاک ٹکٹ

25 دسمبر 1966ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی سالگرہ کے

موقع پر پہلی بار پاکستان پوسٹ آفس نے 15 پیسے اور 50 پیسے کے دو یادگاری ٹکٹ کا اجرا کیا۔ پندرہ پیسے کے ٹکٹ پر درمیان میں قائداعظم محمد علی جناح کی رنگین تصویر کالے رنگ میں شائع کی گئی جبکہ پس منظر نارنجی رنگ میں چھاپا گیا۔ یہ ٹکٹ لیتھو آفسٹ طریقہ پر طبع کیے گئے۔ ان کے نیچے درمیان میں نیلے رنگ میں اردو اور بنگالی زبانوں میں لفظ پاکستان چھپا ہوا تھا۔ نیچے دائیں اور بائیں جانب ٹکٹ کی قیمت پندرہ پیسے نیلے رنگ میں پرنٹ تھی۔ نیلے رنگ میں ہی تصویر کے نیچے قائداعظم محمد علی جناح کی تاریخ پیدائش طبع ہوئی۔ پچاس پیسے کے ٹکٹ میں قائداعظم محمد علی جناح کی تصویر کا رنگ سیاہ اور سن پیدائش اوپر دائیں کونے میں درج کیا گیا۔ اوپر بائیں جانب کا کونا اور نیچے دائیں جانب کا کونا چمکدار رنگ میں طبع کیا گیا۔ لفظ پاکستان اردو، بنگالی اور انگریزی میں نیچے دائیں جانب نیلے رنگ میں چھاپا گیا۔ ٹکٹوں کے درمیان میں اوپر اور نیچے پاکستان پوسٹیج کے الفاظ درج تھے۔

تعلیم

1887ء سے 1892ء تک قائداعظم محمد علی جناح نے پرائمری تعلیم، سندھ مدرستہ الاسلام سے حاصل کی۔ ابتدا میں انہوں نے پڑھائی پر کم اور کھیل پر زیادہ توجہ دی، اور کوشش کی کہ وہ اپنے والد کے کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹائیں، مگر جلد ہی ان کو یہ احساس ہوگیا کہ پڑھائی کے بغیر کاروبار بھی بے کار ہے! اس لیے انہوں نے اپنی پڑھائی پر پوری توجہ دی۔ رات گئے تک پڑھنا ان کا معمول تھا۔

آپ کے ذہن پر صرف ایک ہی دھن سوار تھی کہ پڑھ لکھ کر مجھے بڑا آدمی بننا ہے، اپنی دھن کے پکے محمد علی جناح کو صرف کتاب کا کیڑا بننا بھی پسند نہ تھا۔ وہ اپنے فارغ وقت میں گھڑ سواری، کرکٹ اور پتنگ بازی سے دل بہلایا کرتے تھے۔ ایسے کھیلوں سے بھی انہوں نے بہت کچھ سیکھا۔ مثلاً ان کی سیاسی زندگی میں جب ہندو لیڈر چرخہ کات کر یا مرن برت رکھ کر عوام کی توجہ اہم مسائل سے ہٹانا چاہتے تو وہ کہتے:

''یہ تو پتنگ بازی شروع ہوگئی۔''

ابھی محمد علی جناح اسٹینڈرڈ پنجم میں تھے کہ آپ کے والد نے اپنے دوست کے مشورے سے آپ کو قانون کی تعلیم کے لیے لندن بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ 1892ء میں سولہ سالہ محمد علی قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے لندن روانہ ہوگئے۔

شروع شروع میں محمد علی جناح نے لندن میں بھی اپنا روایتی خاندانی لباس ''دگلا'' پہنا، جس پر آپ کے ساتھیوں نے آپ کا مذاق اڑایا، مگر آہستہ آہستہ انہوں نے پینٹ کوٹ پہننا شروع کیا۔ وہ جلد ہی اپنی خوش پوشی کی وجہ سے مشہور ہوگئے۔ قانون کی تعلیم کے لیے انہوں نے جس ادارے کا انتخاب کیا۔ ان کا نام لنکنز ان تھا مگر لنکنز ان ہی کیوں؟

ان کے الفاظ میں وہاں کے عظیم قانون دانوں میں حضرت محمد ﷺ کا نام نامی بھی شامل تھا۔

1894ء میں محمد علی جناح کو اطلاع ملی کہ ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ دور لندن میں بیٹھے محمد علی جناح پریشان تو ہوئے مگر جلد ہی دوبارہ پڑھائی میں مصروف ہوگئے۔ لندن میں قیام کے دوران انہوں نے نہ صرف تعلیم کو سنجیدگی سے لیا بلکہ ساتھ ہی ساتھ انہیں سیاسی رہنماؤں کی تقاریر سننے اور باقاعدگی سے اخبار پڑھنے سے سیاست سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ لندن کی ان مصروفیات نے ان کے دل میں آزادی کے لیے تڑپ پیدا کی۔ انہیں اس بات کا احساس ہوگیا تھا کہ انگریزوں سے ہندوستانیوں کو آزادی حاصل کرنے کے لیے زبردست سیاسی جدوجہد کرنی پڑے گی۔

18 سال کی عمر میں انہوں نے وکالت کی تعلیم مکمل کی۔ اتنی کم عمری میں وکالت کی تعلیم مکمل کرنے والے وہ پہلے

ہندوستانی تھے، مگر ابھی انہیں کچھ عرصے کے لیے ضروری قواعد و ضوابط کو پورا کرنے کے لیے وہیں قیام کرنا تھا۔

تعلیم نسواں

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت یکم اپریل 1944ء میں لکھتا ہے:

''انجمن حمایت اسلام کے زنانہ اسلامیہ کالج (کوپر روڈ) میں 26 مارچ کو قائداعظم نے طالبات کے ایڈریس کے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا۔ اس میں چند امور خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ آپ نے اس پر انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا کہ اس کالج میں لڑکیاں صحیح قسم کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں، اور وہ اپنی ترقی پر جتنا بھی فخر کریں بجا ہے۔ قائداعظم نے طالبات کو اس صحیح تعلیم و تربیت کے حصول پر مبارکباد دینے کے بعد فرمایا:

''کوئی قوم دنیا میں ترقی نہیں کر سکتی۔ جب تک اس کی عورتیں مردوں کے پہلو بہ پہلو ترقی نہ کر رہی ہوں۔ تم نے خواہش ظاہر کی ہے کہ تم اپنی اس حیثیت کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتی ہو، جو اسلام کی شوکت رفتہ کے زمانے میں تمہیں حاصل تھی۔ میں تمہاری پوری پوری حمایت کرتا ہوں، بعض اوقات مذہب میں ایسی باتیں شامل ہو جاتی ہیں، جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ہمارے نظام میں جو برائیاں داخل ہو گئی ہیں، ان کو دور کرنا نہایت ضروری ہے۔ میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہمیں مغرب کی نقالی کرنی چاہیے، ہرگز نہیں۔ ہمیں اپنے مستقبل کو اپنی ماضی کی بنیادوں اور قرآن کریم کے اصولوں پر تعمیر کرنا چاہیے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے جاٹ سبھا، راجپوت سبھا وغیرہ کی نسلی تحریکوں کو سخت مردود اور عرب کے دورِ جاہلیت کی یادگار قرار دیا، اور فرمایا:

''یاد رکھو ہم اول بھی مسلم ہیں اور آخر بھی مسلم ہیں۔ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ نسل کو اسلام پر مقدم قرار دے۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت: یکم اپریل 1944ء)

تعلیمات قائداعظم

تحریک پاکستان کے مرکز تحقیق نے تعلیمات قائداعظم کے عنوان سے قائداعظم محمد علی جناح کی اہم تقاریر اور بیانات کے اقتباسات پر مبنی ایک کتابچہ تیار کیا ہے جو 14 اگست 1968ء کو منظر عام پر آیا۔

تحریک پاکستان کے مرکز تحقیق کا قیام 1968ء میں عمل میں آیا۔ اس مرکز نے تحریک پاکستان کے دوران اور قیام پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر اور بیانات میں سے 24 عنوانات کے تحت اقتباسات جمع کر کے انگریزی زبان میں اپنا پہلا کتابچہ شائع کیا۔ یہ کتابچہ 175 صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کتابچہ میں ان تمام مسائل پر قائداعظم محمد علی جناح کی رائے اور خیالات یکجا کر دیے گئے جن سے قوم دو چار رہی ہے اور ہے۔ یہ کتابچہ تحریک پاکستان کے مرکز تحقیق کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر اور قائداعظم کے محقق جناب رضوان احمد ایڈووکیٹ نے انگریزی میں مرتب کیا۔

تعلیماتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم)

آل انڈیا مسلم فیڈریشن جالندھر سے خطاب کے دوران ''تعلیماتِ محمدی'' کے احیاء پر اظہار خیال کرتے ہوئے 15 نومبر 1942ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''آپ ہندوستان کے مسلم طلباء کی اس طرح تنظیم

کیجیے کہ وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ایک نقطہ پر جمع ہو جائیں، اور ملت اسلامیہ کی معاشرتی، اقتصادی اور تعلیمی ترقی کے لیے تعمیری لائحہ عمل ترتیب دیں۔ ثقافتِ اسلامی اور تعلیمات محمدی کا احیاء کریں، اور ہندوستان کی مختلف اقوام کے درمیان بھائی چارے اور خیر سگالی کے جذبات پیدا کریں۔''

(قائداعظم کا پیغام طلبہ کے نام، محمد حنیف شاہد، صفحہ 135)

تعلیمی درسگاہوں کو عطیہ

بھارتی اخبار انڈین ایکسپریس نے نومبر 1970ء میں انکشاف کیا:

''بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی وصیت کے مطابق پچاس ہزار روپے کی رقم بمبئی یونیورسٹی کو اور پچیس ہزار روپے بمبئی کے ایک تعلیمی ادارے انجمن اسلام کو عطا کی تھی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے تمام روایت کے خلاف بمبئی یونیورسٹی کو یہ رقم بغیر کسی پابندی اور شرائط کے ساتھ دی تھی۔ اخبار نے قائداعظم محمد علی جناح کے اس اقدام کی تعریف کرتے ہوئے لکھا:

''عام طور پر خطیر رقم دینے والے حضرات کوئی نہ کوئی شرط یا پابندی عائد کر دیتے ہیں جس میں ان کے نام کی نمائش ضرور ہو، لیکن محمد علی جناح نے جو تقسیم ہند سے قبل برصغیر کے ایک نامور وکیل تھے، اور جنہوں نے بمبئی ہائیکورٹ میں کئی بار کئی مقدمات بھی طے کرائے۔ بمبئی کی اس مشہور تعلیمی درسگاہ کو اتنی خطیر رقم کی بغیر کسی شرط کے ادائیگی کی، یہ ایک یقیناً قابل تحسین و آفرین کام ہے۔''

تعلیمی نظریات

قائداعظم محمد علی جناح تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے، اور وہ چاہتے تھے کہ ہر مسلمان تعلیم حاصل کرے اس ضمن میں انہوں نے اس کا ذکر اپنی متعدد تقاریر میں بھی کیا ہے۔ یہاں ان کی تقاریر کے چیدہ چیدہ اقتباسات دیے جا رہے ہیں:

1. ''ہم پچھلی نسل کے لوگوں کو جتنی بھی آزمائشیں درپیش آئی تھیں درپیش آ چکی ہیں لیکن آج کی رات میں اپنے نوجوان دوستوں کی صحبت میں ان کو بھول جانا چاہتا ہوں۔ آج کی رات میں ان کے دلوں میں چھپے ہوئے جوان امنگوں کے تازہ سرچشموں کو چھونا چاہتا ہوں کیونکہ یہی ہیں وہ مردان عمل جو آئندہ ہماری قوم کی تمناؤں کا بوجھ اٹھائیں گے۔''

(پیام عید 13 نومبر 1939)

2. ''میں آپ کو مصروف عمل ہونے کی تاکید کرتا ہوں۔ کام کام اور بس کام۔ سکون کی خاطر، صبرو برداشت اور انکساری کے ساتھ اپنی قوم کی سچی خدمت کرتے جائیے۔''

(مسلم طلبا سے خطاب، جالندھر 15 نومبر 1942)

3. ''اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ منزل تک پہنچنے کے لیے تمام وسائل کو کام میں لانا پڑے گا، ہر ممکن طریقے سے مکمل تیاری کرنی پڑے گی۔ میں آپ سے کہوں گا کہ جذبات کے دھارے میں نہ بہہ جائیے۔ محض نعروں کی لپیٹ میں نہ آئیے۔''

(طلبا سے خطاب 20 مارچ 1941ء)

تعمیر پاکستان

قیام پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی ایک

تقریر میں کہا:

''ہم نے پاکستان حاصل کرلیا ہے، لیکن یہ ہمارے مقصد کی صرف ابتدا ہے۔ ابھی ہم پر بڑی ذمہ داریاں ہیں، حصول پاکستان کے مقابلہ میں اس ملک کی تعمیر پر کہیں زیادہ کوششیں صرف کرنی ہیں، اوراس کے لیے قربانیاں بھی دینی ہیں۔''

تعمیروطن

قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کی پہلی سالگرہ پر 14 اگست 1948ء کوقوم کے نام اپنے پیغام میں کہا:

''قدرت نے آپ کو ہر چیز دی ہے، بے شمار ذرائع اور وسائل آپ کو دیے ہیں۔آپ کی مملکت کی بنیادیں پڑ چکی ہیں۔اب اس کی تعمیر آپ کا کام ہے۔اسے جلد سے جلد اور بہتر سے بہتر بنایئے۔آگے بڑھیے، خدا آپ کو کامیابی دے۔''

تعمیری تنقید

قائداعظم محمد علی جناح نے 18 اپریل 1948ء کو ایڈورڈ کالج پشاور کے طلبا سے خطاب کے دوران کہا:

''ہر حکومت اپنی پالیسی اور اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلے میں سست رفتار ہوتی ہے، انتظامیہ اپنی مخصوص چال کے مطابق آہستہ آہستہ چلتی ہے، اور اس بات کا تعلق ہر آزاد اور خود مختار انتظامیہ سے ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہماری حکومت اپنے وجود اور اقتدار کے چند ماہ کے دوران ہمیشہ صحیح اور درست رہی ہے، ایسا نہیں ہے، ان کو بھی اصلاح کی ضرورت ہے، صوبوں اور مرکز کے وزراء اور خود میری ذات سب قابل اصلاح ہیں۔ ہر نئے دن ہمیں نئے سبق اور نئے تجربے حاصل ہورہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب آپ ایک آزاد اور خودمختار مملکت کے شہریوں کی حیثیت میں خود کو سربلند رکھیں۔ جب آپ کی حکومت اچھا کام کرے تو تعریف کیجیے ورنہ نکتہ چینی، عیب جوئی اور وزارت یا عہدیداروں کے خلاف تخریبی تنقید سے لذت حاصل کرنے کی پرانی عادت ترک کردیجیے، یہ آپ کی حکومت ہے۔ یہ سابق حکومتوں سے بالکل مختلف ہے ہاں جب حکومت کوئی غلط کام کرے تو بے خوفی سے تنقید کیجیے، میں صحت مند اور تعمیری تنقید کا خیر مقدم کرتا ہوں۔''

تعمیری کام

قائداعظم محمد علی جناح نے 21 مارچ 1948ء کو جلسہ عام ڈھاکہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''آزادی حاصل کرنے کے لیے لڑنے بھڑنے سے کہیں زیادہ دشوار تعمیری کام ہے۔ آزادی کے لیے جدوجہد کرنا اور جیل جانا کسی حکومت کو چلانے کے مقابلے میں کہیں آسان ہے۔ نکتہ چینی ہمیشہ آسان ہوتی ہے۔ عیب نکالتے رہنا کچھ مشکل نہیں، لوگ ان باتوں کو بھی بھول جاتے ہیں جو ان کے لیے کی جاتی ہیں۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا تو ہونا تھا۔ یہ احساس نہیں کرتے کہ اس کی خاطر سختیوں، مشکلوں اور خطروں کو جھیلنا پڑا۔''

تفرقہ

ہندوستان میں فسادات کا سلسلہ جاری تھا، مسلمان کٹ رہے تھے، لٹ رہے تھے، نہ اُن کی جان محفوظ تھی نہ مال، نہ کوئی ان کی فریاد سُننے والا تھا، نہ دادرسی کرنے والا۔ دیہاتوں

کی حالت خاص طور پر ناگفتہ بہ تھی۔ شہروں میں تو خونریزی کا سلسلہ مسلسل نہیں جاری رہتا تھا، لیکن مسلم دیہاتوں کا تو صفایا ہو جاتا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی تجویز یہ تھی کہ ہر صوبہ میں جو اقلیت کے افراد بہت حقیر اور معمولی تعداد میں اکثریت والی قوم کے حلقے میں گھرے ہوئے ہیں، انہیں ایسی جگہ لا کر آباد کر دیا جائے جہاں ان کے ہم قوم زیادہ تعداد میں بستے ہوں، فسادات کے تواتر اور تسلسل نے اس ضرورت کی اہمیت کو اور زیادہ نمایاں کر دیا تھا۔

لیکن کانگریس نے یہ تجویز نہیں تسلیم کی۔

کراچی کی ایک کانفرنس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اس مسئلہ پر پھر پوری سنجیدگی کے ساتھ اظہارِ خیال فرمایا۔

ساتھ ہی ساتھ ملک کے عام حالات اور خاص طور پر مرکز کی عارضی اور نام نہاد قومی حکومت اور اس سے متعلق کانگریسی تصورات کے بارے میں بھی قائداعظم محمد علی جناح نے 15 نومبر 1946ء کو اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''اس سوال کے جواب میں وائسرائے کے اس مکتوب کے مطابق جو انہوں نے پنڈت نہرو کو تحریر کیا تھا۔ مسلم لیگ کے عارضی حکومت میں شریک ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ برطانوی وزارتی وفد کی اسکیم کو قبول کر لے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''جیسا میں کہہ چکا ہوں، یہ بالکل ظاہر ہے کہ کانگریس نے برطانوی مشن کی 16 مئی کی تجاویز اور 25 مئی کی تصریحات کو کبھی قبول نہیں کیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے اس خط میں جو انہوں نے مسٹر گوپی ناتھ باردولی کو بھیجا تھا اور جس کا حوالہ میں نے وائسرائے کے نام اپنے خط میں دیا ہے، اس کو خود واضح کر دیا ہے اور مسٹر گاندھی نے بھی یہ اعلانات ابھی حال ہی میں 30 ستمبر اور 23 اکتوبر کو کیے ہیں۔ مزید برآں میں نے کبھی ایک لمحہ کے لیے وائسرائے کو یقین دہانی کے طور پر یا کسی اور پیرایہ میں اس کے علاوہ کچھ سمجھنے کا موقع نہیں دیا کہ طویل المدت اسکیم پر صرف آل انڈیا مسلم لیگ کونسل ہی غور اور فیصلہ کر سکتی ہے، بالکل ابتدا سے اور اس وقت تک جب کہ ہم عارضی حکومت میں شامل ہوئے ہیں۔ وائسرائے سے یہی کہتا رہا کہ طویل المدت اسکیم پر اسی وقت غور ہو سکتا ہے، جب دونوں بڑی جماعتوں کے درمیان ایک مناسب دوستانہ فضا پیدا ہو جائے۔

کانگریس نے ذرا بھی پیچھے ہٹنا گوارا نہیں کیا، اور وائسرائے نے بار بار وضاحت کی کہ اس خیال سے کانگریس سے 16 مئی کے بیان و توضیحات کو غیر مبہم طور پر تسلیم کرایا جا سکتا ہے۔ اس مسئلہ پر مزید بحث و تمحیص محض تضیع اوقات ہے۔''

اس سوال کے جواب میں کہ مسلم لیگ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے سلسلہ میں کیا رویہ اختیار کرے گی، قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''مجھے امید ہے کہ ہم زندہ رہ سکیں لیکن میں یہ سمجھنے سے معذور ہوں کہ ان حالات میں اور خصوصاً اس آتش گیر ماحول میں جو ملک کے اطراف خصوصاً بہار میں قتل کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ کوئی شخص کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے جاری رکھنے پر کیونکر مصر ہو سکتا ہے۔ یہ قطعی حماقت اور عاقبت نااندیشی ہے کہ اس راہ پر چلتے رہنے پر اصرار کیا جائے، اور مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ کانگریس کے لیڈروں اور کانگریس کے اجلاس میرٹھ نے اس آگ پر تیل چھڑکنے کی ہر

ممکن کوشش کی ہے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے کانگریس کے اجلاس میرٹھ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

"پنڈت نہرو کے الزامات کے متعلق جو اُنہوں نے مسلم لیگ پر عائد کیے ہیں، صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے جو کچھ کہا اس میں حقیقت کا شائبہ بھی نہیں۔

پنڈت نہرو نے عہدہ قبول کرتے وقت دو حلف اُٹھائے تھے، ان میں سے ایک میں اُنہوں نے ملک معظم کے ساتھ وفاداری کا عہد کیا تھا، اب انہوں نے ہم کو شاہی پارٹی کہہ کر نیز ہم پر شہنشاہیت پسند برطانوی حکومت کی مدد کرنے کا الزام لگا کر صرف دنیا کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔ یہ الزامات سراسر بے بنیاد ہیں۔

دوسرے بے وقوف سے بے وقوف آدمی سمجھ سکتا ہے کہ اُنہوں نے عہدہ قبول کرتے وقت گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کے ممبر کی حیثیت سے غیر مبہم طور پر حلف اُٹھایا تھا، یہ قطعی واضح اور ظاہر ہے، اور بارہا اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ خصوصاً وائسرائے کی 2 ستمبر کی نشریاتی تقریر میں کہ اُنہوں نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ وہ اپنی ایگزیکٹو کونسل کے اراکین کو روزمرہ کے انتظامی معاملات میں زیادہ سے زیادہ آزادیٔ عمل دیں گے۔ یہ محض پرواز خیال اور افسانہ طرازی ہے کہ اسے کابینہ قومی حکومت یا مخلوط وزارت کہا جائے۔

کانگریس کمیٹی کو بھی بعض اوقات کابینہ کہہ دیا جاتا ہے اور کبھی کبھی میں نے مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کو بھی کابینہ کے نام سے موسوم کیے جاتے سُنا ہے صرف نام رکھ دینے سے آپ اُسے آئینی یا قانونی طور پر کابینہ کے اختیارات نہیں دے سکتے۔"

آگے چل کر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"یہ ظاہر ہے کہ عارضی حکومت کے ممبروں کا انتخاب فرقہ واری بنیادوں پر کیا گیا ہے، لہٰذا جہاں تک روزمرہ کے انتظامی امور کا تعلق ہے وہ صرف 1919ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت ہی عمل کر سکتے ہیں، اور وہ تھوڑے بہت اختیارات اور مواقع جو روزمرہ کے انتظامات کے سلسلہ میں حاصل ہیں۔ عام لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ ہم وہاں صرف اسی مقصد سے گئے ہیں، لیکن پنڈت نہرو کی خوش فہمیاں سدِ راہ ہو جاتی ہیں، وہ شُتر مُرغ کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور سوچنے لگتے ہیں کہ 1919ء کا گورنمنٹ آف انڈیا خُلد آشیاں ہو چکا ہے۔

اپنے تخیل کی بلند پروازیوں کے دوران میں وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ واقعی قومی حکومت ہے، جو ووٹ دینے والوں اور عوام کے روبرو جواب دہ ہے، اور نہ صرف یہ کہ وہ صرف یہی سمجھتے ہیں کہ وہ اس طرح کام کر سکتے ہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی ایسا ہی کریں۔

حقیقت صرف اتنی ہے کہ اگر وہ زمین پر پاؤں رکھ سکیں، اور ٹھنڈے دل سے سکون کے ساتھ غور کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ نہ وہ وزیراعظم ہیں نہ یہ حکومت نہرو گورنمنٹ ہے وہ صرف امور خارجہ اور تعلقات دولتِ مشترکہ کے محکمے کے ممبر ہیں۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا:

"جب تک پنڈت نہرو اور کانگریسی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ عارضی حکومت کے اقدامات کے ذریعہ اپنی اکثریت کے بل پر ریشہ دوانیوں یا ہتھکنڈوں سے مطالبہٗ پاکستان کو تارپیڈو کر سکتے

ہیں یا رفتہ رفتہ ایسی حرکتیں کر سکتے ہیں، جس سے ہندوستان کے آئندہ دستور اساسی کے تصفیے پر بُرا اثر پڑ سکے یا جو اس کے لیے مضرت رساں ہو تو مسلم لیگ ہر ایسے اقدام پر ترکیب کا مقابلہ کرے گی۔ جس کا مقصد ہندوستان کے آئندہ آئین کے تصفیے کو بیش از بیش دشوار بنا ہو۔

پنڈت نہرو اور کانگریس مسلم لیگ کے ممبروں یا مسلم لیگ سے یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ ان کے احکام کی تعمیل کریں۔ گویا کہ وہ ان سے کمتر درجہ رکھتے ہیں۔ یہ صورت ہمارے لیے قطعاً ناقابلِ قبول ہے۔ ہم نہ پنڈت نہرو کی فرمانبرداری کر سکتے ہیں اور نہ کانگریس کی اور جب تک کانگریس کی یہ پالیسی ہے کہ وہ ایگزیکٹو کونسل کے اندر سے یا باہر سے مطالبہ پاکستان کو تارپیڈو کرنے کی خواہش مند رہے گی، اور جب تک کہ کانگریس مسلم لیگ کو اپنے مساوی مرتبہ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتی ہمارے لیے مشکل ہے کہ عارضی حکومت کا مقابلہ و مزاحمت نہ کریں۔

قائداعظم محمد علی جناح کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی کہ وائسرائے نے اپنی سرکاری خط و کتابت میں ''کابینہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

''ہاں وائسرائے پر زور ڈالا گیا اور اُسے عارضی حکومت کہنے سے کوئی فائدہ نہیں، پنڈت نہرو لفظ ''کابینہ'' پر نہایت مصر تھے، اور وائسرائے نے اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا کہ اگر اس سے پنڈت نہرو خوش ہو سکیں تو وہ یہ الفاظ استعمال کر لیں چھوٹی طبیعتیں چھوٹی باتوں کو پسند کرتی ہیں، لیکن آپ گھوڑے کو ہاتھی کہہ دینے سے اُسے ہاتھی نہیں بنا سکتے۔''

ایک نمائندے نے سوال کیا کہ اجلاس میرٹھ میں سردار پٹیل نے جو تقریر کی ہے۔ اس کے متعلق آپ کے کیا تاثرات ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

''کانگریس والوں کے خیال میں سردار پٹیل سخت آدمی ہیں اور اسی لیے وہ سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں لیکن الفاظ سے ہڈیاں نہیں ٹوٹا کرتیں۔ اگر یہ کہنے سے کہ تلوار کا مقابلہ ''تلوار سے کیا جائے گا۔'' ان کا مطلب یہ ہے کہ سارے ہندوستان میں اکثریت اقلیت کا خون بہائے گی، تو یہ ایک نہایت ہولناک امکان ہو گا۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ شاید وہ یہ محسوس نہیں کرتے کہ جو شخص اس قسم کی چیزوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے وہ ہر قوم کا بدترین دشمن ہے۔

سردار پٹیل کی تلوار کہاں ہے؟ کانگریسی وزارتیں اور وہ لوگ جو اس وقت ایگزیکٹو کونسل کے اراکین کی حیثیت سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر ان پر سے برطانوی سنگینوں کا سایہ اُٹھا لیا جائے تو وہ ہرگز کام نہ کر سکیں گے۔''

اپنے سندھ کے دورے کے متعلق قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں سندھ اس لیے آیا ہوں کہ مسلم لیگ کو الیکشن لڑنے میں ہر ممکن مدد دے سکوں۔ میں ابھی آیا ہوں اور ابھی تک اپنا پروگرام نہیں بنا سکا ہوں، لیکن ہم نے ہر نشست جیتنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ سو فیصد کامیابی ہمارا منتہائے نظر ہے، اور میں یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے جو کچھ کر سکتا ہوں کروں گا۔ اسی طرح سندھ میں پائیدار حکومت قائم ہو سکتی ہے، سندھ اسی طرح پنپ سکتا ہے۔ یہ نہ صرف احمقانہ بلکہ خطرناک بھی ہے کہ سندھ کے مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کی اور کٹھ پتلی وزیراعظم اور وزراء بنانے کی کوشش کی جائے، جو ہندوؤں کے اشاروں پر ناچیں جن کے ووٹ اور جن کی امداد انہیں ان کے منصب پر قائم رکھ سکتی ہے۔ میں غیر اقوام کے ہر سمجھ دار انسان سے اپیل کرتا ہوں

کہ وہ اس کی حوصلہ افزائی سے باز رہیں جس سے مسلمانوں میں مختلف طریقوں سے تفرقہ اندازی کی جائے۔"

آخر میں قائداعظم محمد علی جناح نے اقلیتوں کے متعلق مسلم لیگ کے طرزِ عمل پر روشنی ڈالی اور کہا:

"میں اس پر زور دینا اور اسے دہرانا چاہتا ہوں کہ ہم مسلم لیگ کے اس بنیادی اصول سے کبھی منحرف نہیں ہوں گے کہ اقلیتوں کو ہر تحفظ اور ضمانت دی جائے۔"

تفریح

1942ء میں سرایون رینج بمبئی میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملے، اور دوران گفتگو قائداعظم محمد علی جناح سے پوچھا:

"آپ کا ذریعہ تفریح کیا ہے؟ اور فراغت کے وقت آپ اپنے فرائض منصبی کی فکر کیونکر بھلاتے ہیں۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

"میرا پیشہ اس نوعیت کا ہے کہ مجھے تفریح کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔"

تفریحی سرمایہ

(دیکھیے: شگفتہ مزاجی)

تقاریر قائداعظم (بطور گورنر جنرل)

اس کتاب کو حکومت پاکستان کے محکمہ اطلاعات نے 1950-51ء میں بہ زبان انگریزی شائع کیا۔ اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح نے قیام پاکستان سے وفات تک جو تقریریں کی تھیں جن کو اخبار نویسوں یا سرکاری رپورٹروں نے اپنی زبان میں قلمبند یا ٹیپ ریکارڈ کر لیا تھا یہ مجموعہ ان تقاریر اور زیادہ تر اقتباسات پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب محققین اور مولفین کے لیے انتہائی مفید ہے۔

تقدیر کا فیصلہ

قائداعظم محمد علی جناح نے 26 دسمبر 1938ء کو مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ میں فرمایا:

"سروں کا گننا (رائے شماری) اچھی بات سہی، لیکن گنتی قوموں کی تقدیر کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ ابھی آپ کو قومیت اور قومی انفرادیت پیدا کرنی ہے۔ یہ بڑا کام ہے اور ابھی آپ نے اسے شروع ہی کیا ہے، تاہم مجھے کامیابی کی قوی امید ہے جو ترقی ہو چکی ہے۔ وہ معجزے سے کم نہیں۔ مجھے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ ہم ایسا حیرت انگیز مظاہرہ کر سکیں گے جو آج ہمارے سامنے ہے لیکن اس کے باوجود ہنوز کام کا آغاز ہے۔"

تقسیم سے انکار کیوں؟

قائداعظم محمد علی جناح نے 28 دسمبر 1940ء کو مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن احمد آباد سے خطاب میں کہا:

"اکثر اوقات ایک مشترکہ خاندان میں دو بھائیوں کے لیے مل کر رہنا ناممکن ہو جاتا ہے، اور ان کی علیحدگی ہی سے ان کے مابین امن و سکون اور بہتر روابط قائم ہوتے ہیں، پھر ہندوستان کی تقسیم سے انکار کیوں کیا جائے؟ جبکہ وہ جانتے ہیں اور انہیں کامل یقین ہے کہ تہذیب، مذہب اور معاشرتی دنیا کے مہلک اختلافات اور چشمک کے مدنظر جو ایک ہی خاندان کے دو بھائیوں سے کہیں زیادہ ہیں، وہ آپس میں امن چین سے نہیں رہ سکتے۔"

قائداعظم محمد علی جناحؒ ایک خوبصورت پوز۔1946ء

تقسیم ہند

انڈیا ونز فریڈم مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب ہے۔ وہ اس کتاب میں تقسیم ہند کا ذمہ دار آسام کے وزیراعظم مسٹر باردولی، پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کو قرار دیتے ہیں اور انہوں نے اس امر کا اعتراف کیا ہے:

"قائداعظم محمد علی جناح آخر وقت تک ہندوستان کو متحد رکھنے پر رضامند تھے۔ انہوں نے کیبنٹ مشن پلان کے تحت اے بی سی گروپنگ اسکیم میں کم از کم دس سال کے لیے اے بی سی گروپس کی مرکزی حکومت (یونین) پر اتفاق کیا تھا۔ اس منصوبے کو کانگریس نے مسترد کر دیا تھا۔"

(روزنامہ جنگ کراچی، 6 جولائی 1987ء)

تقسیم ہند کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح سے پہلے بھی متعدد افراد نے تجاویز پیش کی تھیں۔ دسمبر 1928ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے نہرو رپورٹ پر آل پارٹیز کنونشن کلکتہ کے بعد جمشید نسروانجی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"آج ہندو انڈیا اور مسلم انڈیا ایک دوسرے سے اس طرح جدا ہو گئے ہیں کہ وہ اب کبھی متحد نہیں ہو سکیں گے۔"

(دیکھیے: آزادیٔ ہند)

تقسیم ہند کے مسئلے پر غور (کمیٹی کا قیام)

قائداعظم محمد علی جناح نے 26 مارچ 1939ء کو مصطفیٰ محل میرٹھ میں مسلم لیگ کے اس اجلاس میں شرکت کی جس میں پہلی بار 26 مسلم لیگی رہنماؤں نے تقسیم ملک کے مسئلے پر طویل غور و خوض کیا، اور ایک کمیٹی قائم کر کے یہ اہم فریضہ اس کے سپرد کیا کہ وہ ان تمام تجاویز کا تفصیل سے جائزہ لے جس میں تقسیم ہند کا خاص طور پر ذکر تھا۔

اس کمیٹی میں قائداعظم محمد علی جناح کے علاوہ سردار سکندر حیات، خواجہ ناظم الدین، لیاقت علی خان، نواب محمد اسماعیل خان، عبداللہ ہارون، عبدالمتین چودھری، سید عبدالعزیز، سردار اورنگ زیب شامل تھے کمیٹی نے مختلف مکاتب کی جانب سے بھیجی گئی تقسیم ہند سے متعلقہ تجاویز کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا اور ہر تجویز پر بحث کی اور آخر پوری سنجیدگی کے ساتھ ایک رپورٹ مرتب کر کے فروری 1940ء میں مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ دہلی میں پیش کی۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا:

"22 مارچ 1940ء کو لاہور میں ایک عظیم الشان جلسے کا انتظام کیا جائے جس میں علیحدہ مملکت کا مطالبہ کیا جائے۔"

تقویمی کرامت

قائداعظم محمد علی جناح کا یوم پیدائش 25 دسمبر، یوم وفات 11 ستمبر اور یوم آزادی 14 اگست ہے۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ ان تینوں تاریخوں کا تعلق قائداعظم محمد علی جناح سے ہے اور یہی تینوں تاریخیں ہر سال ایک ہی دن آتی ہیں۔

تقسیم ہند...... واحد حل

قائداعظم محمد علی جناح نے یکم مارچ 1941ء کو پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں خطبہ صدارت میں فرمایا:

"اسلامیانِ ہند کے لیے یہی ایک حل ہے، جو آزمائش، تجربہ اور وقت کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے کہ ہندوستان تقسیم کر دیا جائے تاکہ دونوں فرقے اقتصادی، معاشرتی، سیاسی اور تمدنی لحاظ سے اپنی اپنی قومی روایات اور خدائی عطیات کے مطابق نشوونما پائیں۔

ہماری جدوجہد کا مقصد ان مفید مواقع کا حصول ہے، جو ان کے امور کے لیے ضروری ہیں اور دوسرا یہ کہ

مسلمان اپنے قومی ارادوں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

یہ زندگی اور موت کا معرکہ ہے، اور ہماری کوشش صرف اس لیے نہیں کہ مادی فوائد حاصل ہوں، بلکہ ہم تو مسلمانوں کی بقائے روح کے لیے پاکستان چاہتے ہیں۔ کسی سودا بازی سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہماری حیات وممات کا مسئلہ ہے، ہمیں اس حقیقت کا پورا پورا احساس ہے۔ اگر ہم شکست کھائیں گے تو سب کچھ کھو بیٹھیں گے۔ آیئے اس مشہور ضرب المثل کو اپنا نصب العین ٹھہرائیں۔

''جب آدمی سرمایہ کھودے تو کچھ نہیں کھوتا، اگر حوصلہ کھودے تو تقریباً بہت کچھ کھو دیتا ہے، لیکن اگر روح کھودے تو سب کچھ ہی کھو دیتا ہے۔''

تکفین

منشی عبدالرحمن نے اپنے ایک مضمون ''بابائے قوم'' میں قائداعظم محمد علی جناح کی تکفین کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا۔ یہ حال انہوں نے اسد ملتانی کے 28 ستمبر 1948ء کے حوالے سے یوں قلمبند کیا ہے:

''ان کے لیے (قائداعظم) کوئی خاص تابوت نہیں بنوایا گیا تھا، بلکہ قریب کی مسجد سے ایک عام تابوت منگوایا گیا۔ اس میں معمولی کھجور کے پتوں والی چٹائی بچھائی گئی تھی۔ کفن کے لیے بھی معمولی لٹھا ڈپو سے منگوایا گیا۔ تابوت پر محض پاکستانی جھنڈا ڈالا گیا، اور دیگر کسی قسم کی قیمتی چادر وغیرہ نہ ڈالی گئی۔ جھنڈے کے اوپر سر کی جانب تھوڑے پھول رکھے تھے، البتہ قبر پر پھولوں کے انبار لگ جاتے ہیں۔ ابھی تک قرآن خوانی کا سلسلہ جاری ہے، اور ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا ہے اس مرد مجاہد نے عجیب موت پائی۔''

تلک، گنگا دھر کیس

1908ء میں ہندو لیڈر کو موسم سرما میں گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اس پر پونا سے شائع ہونے والے اس کے اپنے مقبول اخبار ''کیسری'' کے ادارتی کالموں میں ''باغیانہ تحریر'' شائع کرنے کا الزام لگایا گیا۔ گنگا دھر تلک نے اپنا مقدمہ لڑنے کے لیے محمد علی جناح کو اپنا وکیل بنایا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے کمال جرأت و بے باکی سے دلائل پیش کیے، تاہم سب بیکار رہے، کیونکہ انگریز جج گنگا دھر تلک کے بارے میں مقدمہ کی سماعت شروع ہونے سے پہلے ہی اپنا ذہن بند کر چکا تھا۔ اگرچہ قائداعظم محمد علی جناح کے دلائل سے اس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی، لیکن اس نے بحیثیت قانون دان محمد علی جناح کی قابلیت، ذہانت اور قومی لیڈر بننے کی صلاحیت کا اعتراف کیا، کوئی عام آدمی ہوتا تو ایک ایسی سیاسی پارٹی کے لیڈر کا جو اس کی جماعت کے خلاف تھی مقدمہ لڑنے سے کسی بہانے انکار کر دیتا، لیکن محمد علی جناح نے نہ صرف اس نازک موقع پر گنگا دھر تلک کا ساتھ دیا، بلکہ 1906ء میں بغاوت کے ایک اور الزام کے تحت چلنے والے مقدمہ میں بھی اس کی وکالت کی اور کامیاب رہے۔ یوں انہوں نے ہندوؤں کے اس عظیم رجعت پسند رہنما کو نہ صرف اپنا ممنونِ احسان بنالیا، بلکہ اس سے محبت بھری تحسین وستائش بھی حاصل کی۔

تلوار

6 اپریل 1948ء کو ڈیرہ اسماعیل خان سرکٹ ہاؤس میں مختلف وفود نے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقاتیں کیں۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں ایک تلوار پیش کرتے ہوئے کہا:

''جناب یہ وہ تلوار ہے جو مغلوں نے ہمارے بزرگوں کو عطا کی تھی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے برجستہ کہا:

''یہ وہ تلوار تو نہیں ہے، جسے بعد میں آپ کے بزرگوں نے سکھوں اور انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا۔''

تمغۂ قائداعظم

یہ اعزاز دو درجوں میں ہے، یعنی تمغۂ قائداعظم اول اور تمغۂ قائداعظم دوم۔ 14 جنوری 1957ء کو یہ اعزاز صدر پاکستان میجر جنرل محمد اسکندر مرزا نے امتیازی خدمات انجام دینے والوں کے لیے جاری کیا۔

تنظیم

ستمبر 1931ء کو مسلمان نوجوانوں کا ایک جلسہ یونین ہال بمبئی میں منعقد ہوا، اس جلسہ سے قائداعظم محمد علی جناح نے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''ہم تنظیم کے زمانہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں، اور اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری آواز سنی جائے، اور اس کا کچھ اثر ہو تو چاہیے کہ اپنے آپ کو ہم منظم کریں، مسلمانوں کو اپنی تنظیم کا مشورہ دینے سے بعض لوگ یہ خیال کریں گے کہ میرا مقصد ہندوؤں سے جنگ کرنا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ میں مسلمانوں کی تنظیم کی خواہش اس لیے کرتا ہوں کہ ان کی آواز میں یقینی طور پر اثر پیدا ہو سکے، اور اس قدر طاقتور ہو کہ اس کا احترام کیا جائے۔ میں ہمیشہ اس بات پر زور دیتا ہوں، اور امید رکھتا ہوں کہ نوجوان اسے ذہن نشین کر لیں گے، میں نے اپنے تمام ہم عصروں کے ساتھ اس کے متعلق گفتگو کی، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، مجھے خوشی ہے کہ نوجوان اب بیدار ہو رہے ہیں۔''

تنگ نظری، مذہبی تعصب

(دیکھیے: مذہب)

توسیع حدود مزار قائداعظم

سینٹ نے 17 جون 1976ء کو مزار قائداعظم کی حدود میں قومی اہمیت کے ادارے قائم کرنے کے بل کی منظوری دی۔ اس بل کو وفاقی وزیر سید ناصر علی رضوی نے پیش کیا تھا۔ قومی اسمبلی نے پہلے ہی منظور کر لیا تھا۔ بل پر بحث میں مسٹر قمر الزمان شاہ، مس آصفہ فاروقی، مس نرگس، زمان سیانی، مسٹر طاہر محمد خان اور اپوزیشن کے مسٹر کامران نے حصہ لیا۔

توکل علی اللہ

12 اپریل 1948ء کو اسلامیہ کالج پشاور کے طلبا سے خطاب فرماتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''آپ سنجیدگی اور بے غرضی سے عوام کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان کے وفادار شہری کی حیثیت سے کام کریں، یاد رکھیے آپ کو استقلال سے کام لینا پڑے گا دومۃ الکبریٰ کی عظیم الشان سلطنت ایک ہی دن میں نہیں بن گئی تھی۔ وقت ضرور لگے گا، آپ کو اپنی حکومت پر اعتماد ہونا چاہیے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومت عوام کی ضروریات سے غافل نہیں، آپ اپنی حکومت کو موقع دیجیے، ہماری کامیابی یقینی ہے۔''

(مزید دیکھیے: ریڈیو بمبئی)

توہین انبیاء انسداد کا بل

مولانا محمد علی جوہر نے اگست 1927ء میں دہلی سے قائداعظم محمد علی جناح کو یہ تار بھیجا:

''واجب الاحترام پیشوایان مذاہب کی توہین کے انسداد کے لیے دہلی میں ایک کانفرنس 18 اگست کو ہونے والی ہے۔ مسلمانان دہلی قانونی کونسلوں کے جملہ ارکان کو شمولیت کی دعوت دیتے ہیں، براہ کرم شملہ جاتے ہوئے یہاں ٹھہریئے اور احباب کو ہمراہ لایئے۔ تشریف آوری سے مطلع فرمائیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے جوابی تار میں فرمایا:

''جناب کا تار موصول ہوا مجھے افسوس ہے کہ میں 15 اگست کو دہلی حاضر نہیں ہوسکتا، میں شکار پور ہوتا ہوا شملہ جارہا ہوں۔ جملہ مذاہب کے بانیوں اور پیشواؤں کے متعلق دریدہ دہنی اور حملہ کرنے والوں کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے جو بھی کارروائی کی جائے میری تائید اس کے شامل حال رہے گی۔ میری استدعا کہ مسلمان آئینی طریق کار اختیار کریں۔ حکومت پنجاب اور اس کے گورنر سر میلکم ہیلی اس نازک موقع پر نہایت خوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ عوام الناس کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص اس مدبرانہ طرز عمل کی داد دینی چاہیے جو صورت حالات پر قابو پانے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ عدالت عالیہ کے جدید فیصلے کے بعد ایجی ٹیشن کا خاتمہ ہوجانا چاہیے۔ جسٹس دلیپ سنگھ کی نیت کے متعلق جو کچھ کہا جارہا ہے اسے ناپسند کرتا ہوں۔''

(روزنامہ انقلاب 18، اگست 1927ء)

توہین عدالت

قائداعظم محمد علی جناح قانون کی بڑی پاسداری کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں کوئی موقع بھی ایسا ہاتھ نہ آنے دیا کہ وہ توہین عدالت کے مرتکب ہوئے، لیکن ایک بار جسٹس مرزا نے ان پر یہ الزام عائد کیا تھا۔ ہوا یوں کہ قائداعظم محمد علی جناح ایک مقدمہ کے سلسلے میں جسٹس مرزا کی عدالت میں دلائل پیش کررہے تھے کہ جسٹس مرزا نے انہیں ٹوکا قائداعظم محمد علی جناح نے مسٹر مرزا کے اس طرز عمل پر کچھ اس انداز میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ جسٹس مرزا کو ناگوار گزرا اور اس نے تحکمانہ انداز میں کہا:

''آپ کا لہجہ اور الفاظ توہین عدالت کے زمرے میں آسکتے ہیں۔''

فریق ثانی کی طرف سے سر چمن لال سیتل داد وکیل تھے۔ جسٹس مرزا نے گویا انہیں اپنا ہم خیال بنانے کے لیے ان سے پوچھا:

''مسٹر سیتل داد! آپ کو مجھ سے اتفاق ہے۔''

مسٹر سیتل داد نے جواب دیا:

''میرا کام یہ طے کرنا نہیں کہ مسٹر جناح توہین عدالت کے مرتکب ہوئے ہیں یا کہ نہیں۔ آپ خود ہی فیصلہ کرسکتے ہیں، تاہم میں مسٹر جناح سے واقف ہوں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ ان کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ عدالت کی توہین کریں۔''

تھیا کریسی

قائداعظم محمد علی جناح نے 11 اپریل 1946ء کو دہلی میں مسلم کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اسے اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ ہم کس مقصد کے لیے یہ لڑائی لڑرہے ہیں۔ ہمارا نصب العین کیا ہے؟ یاد رکھیے ہمارا نصب العین تھیا کریسی نہیں، ہم تھیا کریٹک اسٹیٹ نہیں بنانا چاہیے۔''

19 فروری 1948ء کو آسٹریلیا کے باشندوں کے نام قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے پیغام میں کہا:

''ہماری اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے، ہم نبی اکرم ﷺ کے اسوہ کا اتباع کرتے ہیں، ہم اس اسلامی برادری کے افراد ہیں جس میں حقوق تکریم اور عزت نفس کے اعتبار سے سب مساوی ہیں۔ اس لیے ہمارے اندر باہمی وحدت کا ایک خاص احساس ہے، لیکن آپ کو اس باب میں کوئی غلط فہمی نہیں رہنی چاہیے کہ پاکستان میں کسی قسم کی تھیا کریسی، (مذہبی پیشواؤں کی حکومت) کارفرمانہیں۔''

تھیٹر سے وابستگی

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بار بتایا:
''وکیل بننے کے بعد کچھ دوست مجھے شیکسپیئر تھیٹریکل کمپنی کے منیجر کے پاس لے گئے۔ اس نے مجھ سے کہا'
''اسٹیج پر جا کر شیکسپیئر کے بعض اجزاء پڑھیں۔''
میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کی بیگم اور وہ بہت محظوظ ہوئے، اور فوراً مجھے کام کرنے کی پیشکش کی، میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی، اور میں نے اپنے والدین کو خط لکھا کہ میری کامیابی کے لیے دعا کریں۔ میں نے انہیں بتایا:
''قانون بہت زیادہ وقت لینے والا پیشہ ہے۔ جس میں کامیابی غیر یقینی ہے، جبکہ اسٹیج پر اداکاری بہت ہی بہتر ہے، اور اس میں مجھے اچھا آغاز مل گیا ہے، اور یہ کہ اب میں خود کفیل ہو جاؤں گا، اور روپیہ پیسہ کے معاملے میں آپ کو پریشان نہیں کروں گا۔''
میرے والد نے جواب میں طویل محبت نامہ بھیجا۔ جس میں میری تجویز کو سختی سے رد کر دیا، تاہم ان کے مراسلہ میں ایک فقرہ ایسا تھا جس نے مجھے بے حد متاثر کیا، اور اپنے فیصلے میں تبدیلی کرنے پر مجبور کر دیا:

''اپنے خاندان سے غداری نہ کرو۔''
میں اپنے آجر کے پاس گیا، اور اسے دوٹوک الفاظ میں بتا دیا:
''آج کے بعد میں اداکاری کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔''
وہ بڑا حیران ہوا، اس نے مجھے کام جاری رکھنے پر آمادہ کرنے کی بہت کوشش کی، تاہم میرا ارادہ اٹل تھا۔ میں نے جس معاہدہ پر دستخط کیے تھے، اس کی شرائط کے مطابق مجھے کام چھوڑنے کے لیے تین ماہ کا پیشگی نوٹس دینا تھا، لیکن وہ انگریز تھا، اس لیے فیصلہ کن انداز میں بولا:
''ٹھیک ہے جب تمہیں اسٹیج سے کوئی لگاؤ نہیں تو تمہاری خواہش کے برعکس تمہیں کیوں رکھا جائے۔''
دستخط شدہ معاہدہ ظاہر کرتا ہے کہ لندن کے اسٹیج اور اداکاری سے محمد علی جناح کی وابستگی کتنی پختہ تھی۔ بظاہر یہ اس کا اولین اظہار تھا۔ باپ کے ''طویل خط'' میں ایسی دلچسپی سے باز رہنے پر زور دیا گیا تھا۔ جس نے انہیں ایک اہم معاملہ میں اپنا ذہن بدلنے پر مجبور کر دیا، لیکن وہ آخری موقع تھا، جب انہوں نے اپنا فیصلہ بدلا۔ خاندان سے بغاوت کے الزام نے ان کے ضمیر کو بری طرح جھنجھوڑا۔ ان کا دل زخمی ہو گیا۔ لگتا ہے اس خط کے ذریعے انہیں اپنی شفیق ماں کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی خبر ملی، ممکن ہے شریکِ حیات کے داغ مفارقت دے جانے کی اطلاع بھی اسی سے ملی ہو، کیونکہ جس کام کا آغاز کرنے پر انہیں بے پناہ خوشی ہوئی تھی، اور اس میں کامیابی کے لیے والدین سے دعا کی التجا کی تھی۔ اسے آسانی سے چھوڑنا ممکن نہ تھا۔ یہ صرف باپ کے اس خط کا کرشمہ ہو سکتا تھا، جو ہولناک خبروں، نصیحتوں اور ہدایات سے پُر تھا۔ اس مراسلہ کے مطالعہ سے انہیں کتنا صدمہ ہوا؟
لندن میں ان کے قیام کے آخری ہفتے جس بے کیف عالم

اور بدمزگی میں گزرے؟ اس کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔

تیج

یہ دہلی سے شائع ہونے والا روزانہ اخبار تھا۔

یہ اخبار آریہ سماج کا ترجمان اخبار تھا۔ 1929ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے جب چودہ نکات پیش کیے تو تیج نے ان کی شدومد سے نہ صرف مخالفت کی بلکہ کڑی نکتہ چینی بھی کی۔ اس نے اپنے 30 مارچ 1929ء کے افتتاحیہ میں نہ یہ کہ غیر شریفانہ طور پر مسٹر جینا (وہ مسٹر جناح کو جینا لکھتا تھا) کے پیش کردہ مطالبات کی تردید کی، بلکہ صاف صاف الفاظ میں نہرو رپورٹ کے مخالفین کو دھمکی دی اور اس امر کو واضح کردیا:

> ''اگر مسلمان ان کا ساتھ نہیں دیں گے یا کسی صورت میں مخالفت کریں گے تو ان کی تواضع ڈاکٹر مونجے کے لٹھ سے کی جائے گی اور تشدد کے ذریعے ان کا دماغ درست کیا جائے گا۔''

1923ء میں یہ اخبار سوامی شردھانند نے جاری کیا ان کے قتل کے بعد اس کے مدیر لالہ دیش بندھو گپتا تھے۔ ازاں بعد منشی گوپی ناتھ امن، جمنا داس اختر اور دھرم پال گپتا وفا اس کے مدیر رہے۔ یہ اخبار خالص ہندو فرقہ پرست تھا۔ شدھی اور سنگھٹن کا حامی تھا۔ بعد میں کانگریس کی تائید شروع کردی لیکن زاویہ نگاہ وہی رہا۔

تیج کی دھمکی

(دیکھیے: الجمعیۃ، روزنامہ)

تیرہ سوسال پہلے

قائداعظم محمد علی جناح نے 14 جولائی 1947ء کو پریس کانفرنس میں کہا:

> ''جب آپ جمہوریت کی باتیں کرتے ہیں تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال پہلے سیکھ لی ہے۔''

تیرہ سوسالہ جھنڈا

قائداعظم محمد علی جناح نے 24 فروری 1938ء کو اچھوتوں کی طرف سے اخبار ''چھتری'' کے اسٹاف کے ایڈریس کے جواب میں بمقام میرٹھ جس میں انہیں ''پسماندہ لوگوں کا ناخدا'' اور ''کمزوروں کا رہنما'' کے القابات سے مخاطب کیا گیا تھا، فرمایا:

> ''میرا اور مسلم لیگ کا یہ مقصد ہے کہ ہم کانگریس کو کمزوروں، مختلف طبقوں اور اقلیتوں کے ساتھ انصاف کرنے کا سبق سکھائیں۔''

اسلامی پرچم لہرانے کی رسم ادا کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

> ''جو جھنڈا آج لہرایا گیا ہے، یہ نیا جھنڈا نہیں ہے، بلکہ تیرہ سو سال پہلے کا ''اسلامی جھنڈا'' ہے، جس کے نیچے مسلمانوں نے دنیا میں انصاف اور مساوات کی حکومت قائم کی، اور دوسروں کے حقوق کی نگرانی کی۔ یہ جھنڈا دو سو برس ہوئے کہ ہندوستان میں کمزور ہو چکا تھا، مگر اب مسلم لیگ اس جھنڈے کی عزت برقرار رکھنے کے لیے میدان میں آئی ہے۔ جھنڈا لہرانے کی رسم کے معنی صرف یہ نہیں کہ اسے کھول دیا جائے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ اور ہم سب مل کر اس کی عزت قائم رکھنے کا عہد کرتے ہیں۔ اب یہ جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہے، اس کی عزت برقرار رکھو، اور اسے سرنگوں نہ ہونے دو، اور اس کے نیچے منظم ہو کر خود بھی عزت حاصل کرو، اور کمزوروں اور دوسری

اقلیتوں کے لیے انصاف کی حکومت قائم کرو۔"

7 مئی 1938ء کو بمبئی کی ابتدائی مسلم لیگ کے زیر اہتمام مسلم لیگ کے جھنڈے کے لہرانے کی رسم ادا کی گئی۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بصیرت افروز تقریر کے دوران فرمایا:

"یہ جھنڈا تیرہ سو سالہ ہے، مگر آج یہ جھنڈا آل انڈیا مسلم لیگ کے پروگرام اور اس کی پالیسی کی نمائندگی کرتا ہے۔ مسلمانانِ ہند آزادی کے خلاف نہیں، مگر وہ چاہتے ہیں کہ ان کے لیے بھی ہندوستان میں آزادی ہو۔ ہندوستانی مسلمان اس امر کے متمنی ہیں کہ آزاد ہندوستان میں "اسلام بھی آزاد ہو۔"

تیسرا بکتر بند بریگیڈ

قیامِ پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح پہلی بار صوبہ سرحد کے دورے پر گئے تو انہوں نے 13 اپریل 1948ء کو رسالپور میں تیسرے بکتر بند بریگیڈ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"مجھے خوشی ہے کہ آج مجھے آپ سے رسالپور میں ملنے کا موقع ملا۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے رسالپور رسالوں کا گہوارہ رہا۔ آپ کا بریگیڈ آل پاکستان میں بلکہ کل عالم اسلام میں اپنی مثال آپ ہے، اور یہ دنیا میں سب سے بڑی اسلامی ریاست کے لیے باعث فخر ہے۔ آپ نے انتہائی مشکلات کے باوجود آٹھ ماہ کے مختصر عرصے میں حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ اس ترقی کا باعث آپ کا اعلیٰ اخلاقی کردار، جذبہ وفاداری اور فرض شناسی کے اوصاف حسنہ ہیں، اور مجھے یقین ہے کہ آپ آئندہ بھی اسی طرح گراں فرض سے سبکدوش ہونے سے ذرا نہ ہچکچائیں گے۔"

آخر میں انہوں نے فرمایا:

"مجھے یہ کہہ کر خوشی محسوس ہوتی ہے کہ میں آپ کو دیکھ کر بہت ہی مسرور ہوا جس ملک میں آپ جیسے تربیت یافتہ اور سازو سامان سے لیس سپاہی موجود ہوں وہ یقیناً دنیا کے ترقی یافتہ ممالک سے ہمسری کا بجا طور پر دعویٰ کرسکتا ہے۔"

تیسری پارٹی

روزنامہ انقلاب نے اپنی 7 جنوری 1937ء کی اشاعت میں درج ذیل اداریہ لکھا:

"مسٹر جناح نے کلکتہ میں حضرت مولانا محمد علی جوہر کی برسی کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو کے اس غلط اور بے بنیاد دعوے پر بھی نکتہ چینی کی تھی کہ ہندوستان میں صرف دو پارٹیاں ہیں۔ ایک حکومت اور دوسری کانگریس، مسٹر جناح نے بالکل صحیح فرمایا کہ ہندوستان میں ایک تیسری پارٹی بھی ہے اور وہ مسلمان ہیں، بلکہ ہم جناح سے بھی آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ ہندوستان میں اور پارٹیاں بھی ہیں مثلاً اچھوت جنہیں کانگریس اور اس پر برسر اقتدار ہندوؤں کی غلط اور وطنیت کش پالیسی سے شدید اختلاف ہے۔"

"ملاپ" مسٹر جناح کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اگر تمام ہندوستانی ان کی (مسٹر جناح کی) تقلید میں تیسری پارٹیاں بنانے لگ جائیں تو کیا ان کا یہ وطن ہمیشہ کے لیے غلامی اور محکومیت اور خانہ جنگی کا گہوارہ نہ بن جائے۔"

پہلی گذارش یہ ہے کہ یہ دعویٰ کسی حقیقی کانگریسی کے لیے تو زیبا ہوسکتا تھا "ملاپ" کے لیے زیبا نہ تھا جو قطعاً کانگریسی نہیں، بلکہ صرف وقت اور حالات کے

اعتبار سے رنگ بدلتا رہتا ہے۔ ''پرتاپ'' کے لیے زیبا نہیں جس کے نزدیک کانگریسیت کا مدعا محض یہ ہے کہ اپنی اغراض کے لیے کانگریس سے نقاب کا کام لیا جائے۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ تیسری پارٹی کے بننے کا ذمہ دار کون ہے؟ مسٹر جناح ذمہ دار نہیں ہیں، مسلمان ذمہ دار نہیں ہیں، جو ہمیشہ کانگریس کے ساتھ مخلصانہ تعاون کے لیے تیار رہے ہیں، حکومت ذمہ دار نہیں ہے، اور اگر ہو بھی تو ہم اسے طعنہ نہیں دے سکتے، صرف کانگریس اور اس کے کارپرداز ہندو ہیں۔ مثلاً ''گاندھی جی، مالویہ جی، پنڈت نہرو، بابو راجندر پرشاد، سبھاش چندر بوس، سرت چندر بوس بنگال کے تمام نام نہاد کانگریسی ہندو اور پنجاب کے تمام نام نہاد کانگریسی ہندو۔

ان لوگوں کی غلط غرض پرستانہ اور ہندو نواز پالیسی نے تیسری پارٹی کے لیے گنجائش پیدا کی۔ بلاشبہ اس طرح ملکی آزادی کو نقصان پہنچا، لیکن اس کی ذمہ داری بھی کانگریس پر اور ہندوؤں پر عائد ہوتی ہے۔ جنہوں نے منصفانہ اور باعزت سمجھوتے کا دروازہ بند کیا۔ مسلمانوں اور دوسری تمام اقلیتوں کو عملاً مٹا کر صرف ہندو اقتدار کے لیے کوششیں کیں۔ جب تک یہ صورت باقی رہے گی، تیسری پارٹی موجود رہے گی، خواہ ہندو نیشنلزم، وطنیت اور سوشلزم کے بے بنیاد دعوؤں سے ساری دنیا کی فضا کو لبریز کر دیں۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 7 جنوری 1937ء)

تیقن براللہ

اسلامیہ کالج لاہور کے طلباء کے ایک وفد نے 7 مئی 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح سے کہا:

''ہم آپ کی جائے رہائش پر پہرہ دیں گے۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

''مجھے اللہ کی ذات پر بھروسہ ہے۔''

مگر طلباء نے بہت اصرار کیا تو قائداعظم نے انہیں اجازت دے دی۔

مسلم نیشنل گارڈز صوبہ بمبئی نے اصرار کیا:

''ہم آپ کے در دولت پر سنتری متعین کرنا چاہتے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے یہ کہہ کر ان کی پیشکش کو مسترد کر دیا:

''مجھے محافظ حقیقی کی ذات پر بھروسہ ہے، جب تک ملت اسلامیہ کے لیے میرا زندہ رہنا مقرر ہو چکا ہے، وہ مجھے یقیناً زندہ رکھے گا۔''

تین جون کا اعلان

3 جون 1947ء بروز پیر کی صبح کو ہندوستانی لیڈر نئی دہلی کے وائسرائے ہاؤس کی نارتھ کورٹ میں پہنچے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے ہمراہ نواب زادہ لیاقت علی خان اور سردار عبدالرب نشتر تھے، جبکہ نہرو کے ساتھ سردار ولبھ بھائی پٹیل، جے بی کرپلانی (کانگریس کے صدر) اور سردار بلدیو سنگھ آئے۔ یہ اجلاس جس میں لندن سے لائے گئے پلان کے بارے میں بریف کیا گیا، صرف دو گھنٹے جاری رہا۔

وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے:

''فضا کشیدہ تھی، میں نے محسوس کیا کہ ان لیڈروں کو بولنے کا جس قدر کم موقع دیا جائے، اختلاف کا امکان اس قدر کم ہوگا۔ میں نے انہیں ہز میجسٹی گورنمنٹ اور حزبِ اختلاف کے مثبت رویہ سے آگاہ کرنے کے

بعد کہا کہ اس پلان کے بارے میں اپنے اپنے جواب سے رات بارہ بجے تک مطلع کر دیں۔ جناح نے کہا، وہ اپنی ورکنگ کمیٹی سے ملاقات کے بعد ذاتی طور پر رات گیارہ بجے جواب دینے آئیں گے۔ اجلاس ختم ہونے پر میں نے جناح کو روک لیا، اور ان پر یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ مسلم لیگ کی طرف سے "انکار" کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوگا۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے چرچل کا پیغام بھی قائداعظم محمد علی جناح کے گوش گزار کر دیا۔

وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن رقمطراز ہے:

"جناح اس رات کو گیارہ بجے کے قریب میرے پاس پہنچے، انہوں نے صوبوں کی تقسیم کے بارے میں اپنی ورکنگ کمیٹی کے اجتماع سے آگاہ کرنے پر نصف گھنٹہ صرف کیا۔ اس کے بعد میں نے ان سے براہِ راست سوال کیا:

"آیا آپ کی ورکنگ کمیٹی تقسیم منصوبہ کو منظور کرتی ہے یانہیں؟"

جناح نے جواب دیا:

"وہ مثبت رائے رکھتے ہیں۔"

پھر میں نے پوچھا:

"کیا آپ خود اسے منظور کرنے کی نیت رکھتے ہیں؟"

انہوں نے کہا:

"میں ذاتی طور پر آپ کی حمایت کرتا ہوں، اور پوری کوشش کروں گا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اس کی منظوری دے دے۔"

انہوں نے کونسل کا ہنگامی اجلاس اگلے سوموار (9 جون) کو طلب کر رکھا تھا، آخر میں نے ان سے دریافت کیا:

"آیا میں وزیراعظم کو یہ مشورہ دینے پر حق بجانب ہوں گا کہ وہ اپنا کام جاری رکھیں اور اعلان کر دیں۔"

اس پر انہوں نے بڑی ثابت قدمی سے "ہاں" کہا۔

ماؤنٹ بیٹن نے باہم صلاح مشورے کے لیے اگلی صبح اپنے سٹاف سے ملاقات کی اور انہیں بتایا:

"جناح سے پلان کی تحریری منظوری حاصل نہیں کی جا سکی، اور یہ کہ کونسل کے اجلاس سے پہلے کوئی بھی "دباؤ" انہیں ایسا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔"

جناح کی مخصوص حکمتِ عملی

پھر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم محمد علی جناح کو یاد دلایا:

"کانگریس آپ کی اس مخصوص حکمت عملی کے بارے میں جو آپ ہمیشہ استعمال کرتے رہے ہیں زبردست شک و شبہ کا اظہار کر رہی ہے، جس کے ذریعے وہ انتظار کرتے رہتے ہیں، تا آنکہ کانگریس کسی پلان کی بابت حتمی فیصلہ کر لیتی ہے۔ اس طرح انہیں یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ جو فیصلہ مسلم لیگ کے موافق ہو، اسے قبول کر لیں، ورنہ مسترد کر دیں، کوئی چیز ان کے موقف سے نہیں ہٹا سکتی۔"

آخر میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے فیصلہ کن انداز میں کہا:

"اگر آپ کا یہی طرزِ عمل رہا تو کانگریس اور سکھ قیادت بھی حتمی منظوری دینے سے انکار کر دے گی۔ اس طرح صبح کو ہونے والے اجلاس میں تعطل پیدا ہو جائے گا، اور آپ پاکستان سے شاید ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیں گے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا:

"جو کچھ لازمی ہے، وہ لازمی ہے۔"

کسی نے خفگی سے کہا:

''مسٹر جناح! اس سمجھوتہ کے سلسلہ میں اب تک جو کچھ ہو چکا ہے، میں آپ کو اس پر پانی پھیرنے کی اجازت نہیں دوں گا، چونکہ آپ مسلم لیگ کی طرف سے منظوری نہیں دے رہے، اس کی طرف سے میں خود بات کروں گا۔ میری صرف ایک شرط ہے، وہ یہ کہ صبح کے اجلاس میں جب میں یہ کہوں کہ ''مسٹر جناح نے مجھے یقین دہانی کرا دی ہے، جو میں نے قبول کر لی ہے، اور میں اس سے مطمئن ہوں، تو آپ کسی طور اس کی تردید نہیں کریں گے، اور جب میں آپ کی طرف دیکھوں گا تو آپ اثبات میں سر ہلا دیں گے۔''

جناح کی طرف سے اس اعلان کا جواب محض سر کی جنبش سے دیا گیا۔

تقسیم کا باضابطہ اعلان 3 جون 1947ء کی رات کو کیا گیا۔ نواب آف بھوپال، مہاراجہ پٹیالہ اور ایک درجن سے زائد ریاستوں کے وزرائے اعظم نے وائسرائے کے اوول ہاؤس سے پلان کی نقول حاصل کر لی تھیں۔ شام سات بجے آل انڈیا ریڈیو سے پبلک اعلان نشر کیا گیا۔ اس موقع پر پہلے وائسرائے کا خطاب بعد ازاں نہرو، جناح اور بلدیو سنگھ کی تقاریر نشر ہوئیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے اعلان کیا:

''ہز میجسٹی کی گورنمنٹ نے 20 فروری 1947ء کو جون 1948ء تک انتقال اقتدار کا عندیہ ظاہر کیا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اس وقت تک تمام پارٹیوں کا تعاون حاصل کر لیا جائے گا، لیکن وہ امید پوری نہ ہوئی۔ نیچے جس طریق کار کا خاکہ دیا گیا ہے، وہ لوگوں کی خواہشات جاننے کا بہترین عملی طریقہ ہے تاکہ اس اتھارٹی یا اتھارٹیز کا تعین کیا جا سکے، جسے اقتدار منتقل کیا جائے گا۔''

اس کے بعد تصریحات کے ساتھ پاکستان کے لیے صوبوں اور اضلاع کی تقسیم کا بیان تھا، کہ مجلس دستور ساز استصواب رائے کے ذریعے سادہ اکثریت کی بنیاد پر کس طرح صوبائی نیز قومی تقسیم کے حق میں یا اس کے خلاف فیصلہ کرے گی۔ تاخیر سے بچنے کے لیے طے پایا کہ مختلف صوبے یا صوبوں کے حصے جداگانہ طور پر کام کریں گے، اور موجودہ مقننہ نیز نئی مجلس دستور ساز (اگر وہ بنی) فوراً دستور کی تدوین شروع کر دے گی۔ یہ ادارے اپنے قواعد وضع کرنے میں آزاد و بااختیار ہوں گے۔ حکومت برطانیہ جون 1948ء تک یا اس سے بھی پہلے ہندوستان کی آزاد حکومت یا حکومتیں قائم کرنے پر آمادہ ہے۔ چنانچہ تجویز کیا گیا کہ رواں سال کے دوران ایک یا دو جانشین حکومتوں کو انتقالِ اقتدار کے لیے پارلیمنٹ کے موجودہ اجلاس میں ہی بل پیش کر دیا جائے۔

پاکستان زندہ باد

ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کے بعد قوم سے خطاب کرتے ہوئے اس شام قائداعظم محمد علی جناح نے اعلان کیا:

''میں اس بات سے بہت مسرور ہوں کہ مجھے ریڈیو کے ذریعے آپ سے براہِ راست مخاطب ہونے کا موقع فراہم کیا گیا ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ کسی غیر سرکاری آدمی کو سیاسی امور پر لوگوں سے اس طاقتور میڈیا کے ذریعے خطاب کرنے کی سہولت دی گئی ہے۔ یہ ایک اچھا شگون ہے، اور میں امید کرتا ہوں کہ مستقبل میں مجھے اس سے بھی زیادہ سہولتیں حاصل ہوں گی، تاکہ میرے خیالات اور آراء براہِ راست اور تازہ بہ تازہ آپ تک پہنچ سکیں، اور آپ کو دیر سے چھپنے والے اخبارات کا انتظار نہ کرنا پڑے۔''

قائداعظم محمد علی جناح لائبریری میں مطالعہ کرتے ہوئے۔1918ء

قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر نے جذبات کو ٹھنڈا کرنے میں بڑی مدد دی، چنانچہ مسلم لیگ کے ایک ''ماہر سیاسیات'' نے رائے ظاہر کی:

''اس کا مطلب ہے ملک میں امن قائم ہو گیا۔''

بہرحال لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے پریس سیکرٹری نے اپنا تاثر قلم بند کرنے میں احتیاط سے کام لیا۔ اس نے لکھا:

''نہرو کے آخری الفاظ تھے ''جے ہند'' جبکہ جناح نے اپنی تقریر ''پاکستان زندہ باد'' کے ساتھ ختم کی۔''

5 جون 1947ء کی صبح کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے سیاسی لیڈروں سے اپنے دفتر میں دوبارہ ملاقات کی تاکہ تقسیم کے انتظامی مسائل پر بحث کی جا سکے۔ قائداعظم محمد علی جناح اس نکتہ کی وضاحت حاصل کرنے کے لیے بڑے بے چین تھے کہ دونوں ریاستیں ہر لحاظ سے مساوی المرتبہ اور آزاد ہوں گی۔

تین جون 1947ء کی تاریخی تقریر

3 جون 1947ء کو آل انڈیا ریڈیو دہلی سے قائداعظم محمد علی جناح نے جو تاریخی تقریر کی اس کا متن درج ذیل ہے:

''مجھے خوشی ہے کہ مجھے دہلی سے اس ریڈیو کے ذریعہ آپ سے براہ راست بات کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ پہلا موقع ہے کہ ایک غیر سرکاری آدمی کو اس طاقتور آلے کے ذریعے عوام کو مخاطب کرنے اور لوگوں سے براہ راست سیاسی امور پر کچھ کہنے کا موقع فراہم کیا گیا، جو بلاواسطہ آپ تک پہنچے گا اور اخبارات کی افسردہ طباعت کی بہ نسبت آپ کو زندگی کی حرارت مہیا کرے گا۔

حکومت کا وہ اعلان جس میں ہندوستانی عوام کو اقتدار کی منتقلی کا پلان شامل ہے، نشر ہو چکا ہے۔ اب یہ پریس کو جاری کر دیا جائے گا، اور کل صبح یہاں اور ملک سے باہر شائع ہو جائے گا۔''

اس میں پلان کا خاکہ پیش کیا گیا ہے تاکہ ہم اس پر انتہائی سنجیدگی سے غور کر سکیں ہمیں ٹھنڈے دل، سکون اور متانت سے اس کا جائزہ لینا ہے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمیں نہایت ہی عظیم الشان فیصلے کرنا ہیں، اور ایسے سنگین مسائل سے نمٹنا ہے جو چالیس کروڑ کی آبادی والے اس عظیم ذیلی براعظم کو درپیش پیچیدہ مسائل کے حل کی راہ میں موجود ہیں۔

ہز ایکسی لینسی کو جو پر مشقت اور دشوار گزار فرض انجام دینا ہے۔ دنیا میں اس کی مثال نہیں۔ ہندوستانی لیڈروں کے کاندھوں پر خصوصیت کے ساتھ بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، لہٰذا ہمیں اپنی تمام تر توانائیوں کو مستحکم و مربوط کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ انتقال اقتدار میں پرامن و منظم طور پر اعانت ہو۔ میں ہر فرقے بالخصوص مسلمانان ہند سے مخلصانہ اپیل کرتا ہوں کہ امن و امان برقرار رکھیں۔ ہمیں اس پلان کا جائزہ لینا ہے۔ اس کے معنی و مفہوم کو سمجھتے ہوئے نتائج اخذ کرنا اور پھر فیصلہ کرنا ہے۔ خدا سے میری دعا ہے کہ وہ اس پیچیدہ لمحے میں ہماری رہنمائی کرے اور اس قابل بنائے کہ ہم من حیث المجموع اس پلان کا احترام کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں سے دانشمندانہ اور مدبرانہ طور پر عہدہ برآہ ہو سکیں۔

یہ تو واضح ہے کہ یہ پلان ہمارے نقطہ نظر کے بعض پہلوؤں کی تکمیل نہیں کرتا اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے یا محسوس کر سکتے کہ ہم مطمئن ہیں یا یہ کہ اس پلان میں جن چند امور سے نمٹا گیا ہے ہم ان سے متفق ہیں، تاہم ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ ہز میجسٹی کی حکومت نے جو پلان پیش کیا ہے کیا ہم اسے قبول کر سکتے ہیں تاکہ کوئی

مفاہمت یا سمجھوتہ ہو سکے۔ اس نکتے میں پہلے سے کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتا۔ اس کا فیصلہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کرے گی۔ جس کا اجلاس پیر 9 جون کو طلب کیا گیا ہے۔ ہمارے دستوری طریق اور عمل کے مطابق اس کا آخری فیصلہ کانفرنس ہی میں ہو سکتا ہے۔

لیکن جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں بحیثیت مجموعی دہلی کے مسلم لیگی حلقوں میں اس کا ردعمل امید افزا ہوا ہے، لیکن کوئی آخری فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں اس پلان کے مضمرات کو پرکھنا ہے۔ مجھے یہ کہنا چاہیے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ وائسرائے کو مختلف قوتوں کے خلاف بڑی بہادری سے جنگ کرنا پڑی ہے، اور انہوں نے میرے ذہن پر جو تاثر چھوڑا ہے وہ یہ کہ ان کے اعلیٰ شعور، انصاف پسندی و غیر جانبداری نے انہیں متحرک رکھا، اور اب یہ ہمارے اوپر ہے کہ ہم ان کے کام کی مشکلات کم کریں اور جہاں تک ہمارے بس میں ہو ان کی مدد کریں تاکہ وہ ہندوستانیوں کو اقتدار منتقل کرنے کا اپنا مشن پرامن و منضبط طریقے سے پورا کر سکیں۔

اب جو پلان نشر ہو چکا ہے اس کے پیراگراف گیارہ ہیں۔ یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ شمال مغربی سرحدی صوبے کی موجودہ قانون ساز اسمبلی کے انتخاب کنندوں کی ایک رائے شماری ہوگی، اور اس بات کا انتخاب کریں گے کہ پیراگراف چار کے دو متبادلات میں سے وہ کسے اختیار کرتے ہیں۔

یہ رائے شماری گورنر جنرل کی سرکردگی میں صوبائی حکومت کے مشورے کے ساتھ ہوگی۔ اس طرح یہ عیاں ہے کہ صوبہ سرحد کے عوام کا فیصلہ اور انتداب اس بارے میں حاصل کیا جائے گا کہ آیا وہ پاکستانی دستور ساز اسمبلی میں شریک ہونا چاہتے ہیں یا ہندوستان دستور ساز اسمبلی میں ان حالات میں صوبہ سرحد صوبائی مسلم لیگ سے میں استدعا کرتا ہوں کہ وہ اپنی پرامن شہری نافرمانی کی وہ تحریک واپس لے لے جسے چلانے اور جس کا سہارا لینے پر وہ مجبور ہوئی تھی، اور میں مسلم لیگ کے تمام لیڈروں اور عام مسلمانوں سے یہ کہتا ہوں کہ وہ ہمارے لوگوں کو اس طرح منظم کریں کہ وہ امید اور حوصلے کے ساتھ اس رائے شماری کا مقابلہ کریں۔ مجھے اعتماد ہے کہ سرحد کے لوگ ایک ٹھوس ووٹ کی شکل میں اپنا فیصلہ اس بات کے لیے دیں گے کہ وہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شرکت کرنا چاہتے ہیں۔

مسلمانوں کے تمام طبقات نے جو مصیبتیں سہیں اور قربانیاں دیں خاص طور پر صوبہ سرحد کی خواتین نے ہماری شہری آزادی کی جنگ میں جو عظیم کردار ادا کیا۔ اس کے لیے میں ان کی ستائش کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کسی ذاتی عناد کے بغیر اور یہ مشکل ہی ایسا کرنے کا موقع ہو۔ میں دل کی گہرائیوں سے ان تمام لوگوں سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں جنہیں مصیبتیں اٹھانی پڑیں، جن کی جانیں گئیں اور جن کی املاک تباہ ہوئیں۔ میں گرم جوشی کے ساتھ یہ امید کرتا ہوں کہ صوبہ سرحد اس رائے شماری سے امن و امان کے ساتھ گزر جائے گا، اور ہر شخص کی جستجو یہی ہونی چاہیے کہ سرحد کے عوام کا منصفانہ، آزادانہ اور صاف ستھرا فیصلہ حاصل کر لیا جائے۔

میں ایک مرتبہ پھر سب سے مخلصانہ اپیل کرتا ہوں کہ امن و امان برقرار رکھیں۔ پاکستان زندہ باد!''

تین نکاتی تجویز

قائداعظم محمد علی جناح نے اسمبلی کے اندر فرقہ وار فیصلہ، صوبہ جاتی نظام اور فیڈریشن کی تجویز کے تین پہلو پیش کیے، اس پر روزنامہ انقلاب نے اپنی اشاعت 8 فروری 1935ء میں اپنے اداریہ میں لکھا:

"سمجھ نہیں آتا کہ مسٹر این، این، سرکار نے اسمبلی کے لیڈر کی حیثیت میں پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ کے متعلق بحث کی تحریک پیش کرتے ہوئے مسٹر جناح کی پیش کردہ ترمیم کو کس بناء پر بطور خاص ہدف تنقید بنایا۔ انہیں مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کی ترمیم ناقابلِ فہم معلوم نہ ہوئی۔ مسٹر اینے اور بھائی پرمانند کی ترمیم میں کوئی خاص پیچیدگی محسوس نہ ہوئی، صرف مسٹر جناح کی ترمیم فہم سے بالانظر آئی۔ کیا ہم یہ سمجھیں کہ سر این این سرکار 4 فروری کو اسمبلی میں تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تھے تو ان کی سرکاری حیثیت سے پیشتر کی غیر سرکاری حیثیت نے ان کی سرکاری حیثیت پر غلبہ پالیا تھا۔

مسٹر جناح کی ترمیم کے تین حصے ہیں۔ اول حصے کا مواد یہ ہے کہ فرقہ وارانہ فیصلہ جیسا بھی ہے، اسے مختلف اقوام کے مابین کسی نئی مفاہمت تک باقی رکھا جائے۔ اس پر کسی معقولیت پسند انسان کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں نے گزشتہ سال آٹھ سال کی مدت میں مفاہمت کی صدہا کوششیں کیں، لیکن ہندوؤں پر ہندو راج کا جنون مسلط تھا، اور وہ کسی ایسی مفاہمت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے، جس میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کی انفرادی حیثیت محفوظ رہتی۔ اس روش کا نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی مفاہمت نہ ہوسکی، اور حکومت برطانیہ کو ترتیب دستور کا کام جاری رکھنے کے لیے فرقہ وار فیصلہ صادر کرنا پڑا۔ مسلمان آج بھی مفاہمت کی گفتگو کے لیے تیار ہیں، لیکن جب تک مفاہمت نہ ہو فرقہ وار فیصلے کو قبول کرتے ہیں۔ انڈی پینڈنٹ پارٹی کی پوزیشن بھی یہی ہے، حکومت کی پوزیشن بھی یہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ این این سرکار کو سرکاری ممبر کی حیثیت میں اس پر معترض ہونے یا اسے ہدف مذاق بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

مسٹر جناح کی ترمیم کا دوسرا حصہ صوبہ جاتی نظام حکومت سے تعلق رکھتا ہے، اور اس کا مواد یہ ہے کہ صوبہ جاتی نظام حد درجہ غیر تسلی بخش اور مایوس کن ہے، اس لیے اس میں متعدد ناقابلِ اعتراض امور موجود ہیں، جن امور کا ترمیم میں خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں:

1. متعدد صوبوں میں ایوان ثانی کا قیام
2. گورنروں کے غیر معمولی اور خاص اختیارات کی وسعت
3. پولیس کے قواعد وضوابط اور خفیہ اطلاعات کے متعلق خاص تقیدات۔

یہ ترمیم مظہر ہے کہ ان امور کی موجودگی میں انتقال اختیارات بالکل غیر مؤثر ہو جاتا ہے، اور جب تک قابلِ اعتراض امور دور نہ کیے جائیں، صوبہ جاتی نظام ہندوستانیوں کے کسی طبقے کو بھی مطمئن نہ کر سکے گا۔

محولہ بالا تینوں امور کے رد کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان کے سوا کوئی اور امر قابلِ اعتراض نہیں۔ مسٹر این، این، سرکار نے جو نتیجہ اخذ کیا کہ مسٹر جناح کو اقلیتوں اور ملازمتوں کے متعلق خاص اختیارات پر چنداں اعتراض نہیں تو یہ بالکل غلط ہے، اقلیتوں کا مسئلہ گورنر کے خاص اختیارات میں شامل

ہے، اور مسٹر جناح ان تمام اختیارات سے اختلاف کا صاف اعلان کر چکے ہیں۔ ملازمتوں کا مسئلہ یقیناً قابلِ اعتراض ہے، اور جو صورت تجویز کی گئی ہے، وہ کسی طبقے کے لیے بھی موجب اطمینان نہیں ہو سکتی۔ ہم گورنمنٹ آف انڈیا بل کو سامنے رکھ کر تفصیل کے ساتھ بتائیں گے کہ صوبہ جاتی نظام میں کتنی چیزیں قابلِ اعتراض ہیں، اور ان کی موجودگی میں صوبہ جاتی نظام کو خود اختیاری نظام قرار دینا کس قدر غلط اور غیر مناسب ہے۔

مسٹر جناح کی ترمیم کا تیسرا حصہ مرکز سے تعلق رکھتا ہے، ہم عرض کر چکے ہیں کہ فیڈریشن کے قیام میں ریاستوں کے شمول کی شرط کو قبول کرنا انتہا درجہ کی غلطی تھی۔ مسٹر جناح شروع ہی سے اس کے مخالف چلے آتے ہیں، لیکن افسوس کہ گول میز کانفرنس کے پہلے اجلاس میں اس شرط کو قبول کر لیا گیا، اور کانگریس بھی اس پر معترض نہ ہوئی، حالانکہ سب پر واضح تھا:

① صوبوں اور ریاستوں کے نظام ہائے حکومت کی حیثیت ایک نہیں، لہٰذا دونوں کو ایک جگہ جمع کرنے سے تحفظات میں اضافہ ہوگا کمی نہ ہوگی۔

② سب جانتے تھے کہ ریاستوں کے نمائندے مرکز میں سرکاری بلاک کا کام دیں گے۔

③ سب جانتے تھے کہ ریاستوں کے شمول کے انتظار میں فیڈریشن کا قیام مؤخر ہو جائے گا۔

صحیح صورت یہی تھی کہ صرف برٹش انڈیا فیڈریشن پر زور دیا جاتا۔ مسٹر جناح نے یہی کہا ہے، اس باب میں ان کی پیش کردہ ترمیم کا مواد یہ ہے کہ فیڈریشن کی مجوزہ اسکیم اصولاً خراب اور کلیتاً ناقابلِ قبول ہے، لہٰذا اسے ترک کیا جائے۔ سردست برطانوی ہند کے فیڈریشن کی ایسی تجاویز مرتب ہونی چاہئیں، جن کی بناء پر حقیقی اور مکمل ذمہ دار حکومت قائم ہو جائے، اور اسمبلی میں جتنی ترمیمیں پیش ہوئی ہیں، ان میں سے صحیح اور تعمیری ترمیم یہی ہے، کانگریس کی ترمیم کا مطلب اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ جو کچھ تجویز ہو چکا ہے اسے مسترد کر دیا جائے، خواہ اس کی جگہ کوئی چیز آئے یا نہ آئے، بلکہ بعض بڑے بڑے کانگریسی تو موجودہ و مروجہ نظام حکومت کو مجوزہ نظام پر ترجیح دے چکے ہیں۔ مالویہ پارٹی کی ترمیم میں مختلف اقوام کے مابین سمجھوتے کی گنجائش موجود ہے، اور سمجھوتے تک فرقہ وار فیصلے کو قبول کرنے پر زور دیا گیا ہے، تاکہ اقوام ہند اگر مفاہمت نہ کر سکیں تو ملکی کام نہ رک جائے۔ صوبہ جاتی نظام حکومت کی نمایاں خرابیوں کو دور کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ مرکزی نظامِ حکومت کو تاخیر اور تحفظات کو بھول بھلیوں سے باہر نکالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سر این این سرکار یا کوئی دوسرے صاحب ہمیں بتائیں کہ تعمیری ترمیم اور کیا ہو سکتی تھی، لیکن حکومت کی ذہنیت قابلِ افسوس ہے کہ تخریبی ترمیمیں تو اس کی سمجھ میں آ سکتی ہیں، تعمیری ترمیم اسے ناقابلِ فہم معلوم ہوتی ہے۔ سرکاری ذہنیت کا جو مظاہرہ 4 فروری کو سر این این سرکار نے کیا، اس سے تو صرف یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔''

تین ووٹ

1940ء میں اپنے ایک بیان میں گاندھی نے کہا:

''میرے نزدیک ہندو، مسلمان، پارسی، ہریجن، سب برابر ہیں، میں قائداعظم محمد علی جناح کا ذکر کرتے ہوئے بھلا Frivolous (بے وقعت) کیوں ہونے لگا۔''

اس پر اس سال لاہور کے اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا:

''میں تو یہی جانتا ہوں کہ مسٹر گاندھی Frivolous ہیں۔ وہ مجھے کہتے تو اپنا بھائی ہیں مگر ان کے تین ووٹ ہیں، اور میرا صرف ایک ووٹ ہے، اور اگر میں ان کا بھائی ہوں تو بہت ہی غریب سا بے چارہ سا بھائی ہوں، اور ایک غریب بے چارہ بھائی، حقیقت میں کوئی بھائی نہیں ہوتا۔''

ٹ

ٹائم اینڈ ٹائیڈ

یہ لندن کا مشہور مجلّہ ہے اس مجلہ میں قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بصیرت افروز مقالہ لکھا۔ یہ مقالہ ٹائم اینڈ ٹائیڈ کی اشاعت 19 جنوری 1940ء میں شائع ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس مقالے میں اپنے اس نظریہ کی نہایت جامع وضاحت پیش کی تھی کہ مغربی طرز جمہوریت اس برصغیر کے لیے کیوں ناموزوں ہے، اور یہ کہ اس طرز جمہوریت کو یہاں کے لوگوں پر تھوپنا ہی جسم سیاست کا اصل ناسور ہے۔

اس مقالے کا ایک مختصر اقتباس یہ ہے:

''اس وقت ہندوستان جن آئینی عوارض کا شکار ہے۔ ان کو بہترین طریقہ پر اگر بیان کیا جائے تو صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ جسم سیاست میں جو بیماری کی جڑ پکڑے ہوئے ہے، یہ سب عوارض اس بیماری کی علامتیں ہیں۔''

ٹائمز (لندن)

3 جون 1914ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ٹائمز (لندن) میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان کے مضمون کا پہلا فقرہ بڑا پرزور تھا:

''برطانوی سلطنت، بلکہ ساری مہذب دنیا میں ہندوستان وہ واحد ملک ہے جس کے نظم ونسق میں صحیح معنوں میں عوام کی کوئی نمائندگی نہیں، اور جہاں نمائندہ حکومت کا کوئی نظام نہیں۔''

اس کے بعد انہوں نے اپنے دلائل تفصیل سے دہرائے اور بل کی خامیوں پر اپنے اعتراضات کی وضاحت کی۔

ٹائم میگزین (نیویارک)

اس میگزین نے اپنی 4 دسمبر 1939ء کی اشاعت میں قائداعظم محمد علی جناح کو ایسی اہم شخصیت قرار دیا کہ ان کی تصویر شائع کی اور ان کو مکمل طور پر منتشر ہندوستان میں اتحاد کے لیے عظیم ترین تنہا قوت قرار دیا۔

ٹائمز آف انڈیا

یہ بھارت کا سب سے بڑا اخبار ہے۔ اس اخبار میں قائداعظم محمد علی جناح نے 1918ء میں اہالیان بمبئی کی جانب سے 129 اکابر کے دستخطوں کے ساتھ ایک مراسلہ بھیجی جس میں قائداعظم محمد علی جناح نے لکھا:

''میں اس جلسہ میں شرکت کرنا چاہتا ہوں۔ جو سبکدوش ہونے والے گورنر لارڈ ولنگڈن کے اعزاز میں منعقد کیا جانے والا ہے، تاکہ بمبئی میں لارڈ ولنگڈن کی یادگار قائم کرنے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرسکوں۔''

اس اخبار کا اجراء 1838ء میں جین اور ڈالمیا خاندان نے کیا۔ اس کے صرف دہلی ایڈیشن کی اشاعت 1,14,500 تھی۔ اس وقت یہ بیک وقت بمبئی، دہلی اور احمد آباد سے شائع ہورہا ہے۔

ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا

یہ مشہور و معروف کتاب ہے۔ اسے وی پی مینن نے تصنیف کیا۔ اس میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں لکھا ہے:

''قائداعظم اور گاندھی جی ملاقات کا یہ عملی تجربہ برآمد ہوا ہے کہ مسلم لیگ کے مطالبے کی معین شکل ظاہر ہوگئی ہے، جس پر مسلم لیگ اب تک بغیر اس کی تعریف کیے ہوئے اصرار کر رہی تھی، اس سے عموماً مسلمانوں میں مسٹر جناح کی حیثیت بڑھی اور ان کا وقار بلند ہوا۔''

ٹرسٹی

(دیکھیے: راہِ جہاد)

ٹرومین کی یہود نوازی

جنگ کے دوران میں فلسطین کے عربوں نے نہایت شرافت اور رواداری کا مظاہرہ کیا۔ آئین شکن سرگرمیاں بند کر دیں، اور مساعی جنگ میں اتحادیوں کا ساتھ دیا۔ حکومت برطانیہ نے بھی ایک قرطاس ابیض شائع کر کے ایک حد تک انہیں مطمئن کر دیا۔

لیکن ہٹلر اور مسولینی کی شکست کے بعد اتحادیوں نے بجائے اس کے کہ فلسطین کو دادِ وفا آزاد کر کے دی جاتی۔ وہ فلسطین کو غلام بنانے کی اسکیمیں سوچنے لگے۔ ان سب میں پیش پیش جمہوریہ امریکہ کے صدر ٹرومین ہیں، جنہوں نے صدر روز ویلٹ کے عہد و میثاق کو توڑ کر اعلانیہ یہودیوں کے داخلہ فلسطین کی حمایت شروع کر دی، بلکہ حکومت برطانیہ پر زور ڈالا کہ وہ پابندیاں واپس لے لے، اور یہودیوں کو غیر مشروط طور پر فلسطین میں داخل ہونے کی اجازت دے۔

ٹرومین کی اس مکروہ اور قابلِ نفرت روش نے سارے عالم اسلام میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ مصر، سعودی عربیہ، یمن، شام، لبنان، عراق اپنی کمزوری، بے مائیگی اور نیم آزادی کے باوجود ایک ہو گئے۔ عرب لیگ عبدالرحمٰن عزام بے کی سرکردگی میں قائم ہوئی، اور تمام ممالک عربیہ نے فلسطین کی حرمت پر کٹ مرنے پر عہد کر لیا۔ ہندوستان بھی اس سے غیر متاثر نہ رہا۔

26 اکتوبر 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح کے حسب ہدایت ہندوستان کے طول عرض میں نہایت جوش و خروش سے ''یومِ فلسطین'' منایا گیا۔

(دیکھیے: فلسطین)

ٹریبیون

یہ لاہور سے شائع ہونے والا ہندو اخبار تھا، سردار دیال سنگھ نے ٹریبیون ٹرسٹ قائم کر کے اس اخبار کی مالی حالت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا۔ یہ اخبار کانگریس کو بڑے مفید سیاسی مشورے دیتا تھا مثلاً اس اخبار نے 7 فروری 1935ء کو کانگریس پر یہ اعتراض کیا:

''مسٹر جناح کی قرارداد کے پہلے حصے یعنی فرقہ وار فیصلے کی نسبت ووٹنگ کے وقت کانگریس نے غیر جانبداری قائم رکھی۔''

ٹرینٹی کالج

گول میز کانفرنس ناکام ہو چکی تھی۔ برطانوی مدبرین تمملا اٹھے تھے، اور سیاسیات ہند کے ہندو بزرجمہر اس سلسلے میں سدِ راہ ثابت ہوئے تھے۔

گول میز کانفرنس کی ناکامی کے بعد کیمبرج یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم طلبا نے انڈین مجلس کے زیرِ اہتمام ایک کانفرنس منعقد کی۔ کیمبرج کے مسلمانوں نے بھی جناب ایم اے حسین کے

زیر اہتمام کانفرنس بلائی۔

جلسے میں قائداعظم محمد علی جناح سے تقریر کرنے کی درخواست کی گئی تو انہوں نے فوراً قبول کرلیا۔ 6 جون 1931ء کو جلسہ منعقد ہوا۔

جلسہ میں قائداعظم محمد علی جناح اپنی بہن محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ فرانس کی بنی ہوئی مشہور قیمتی گاڑی ہپانو سوئزا میں بیٹھ کر تشریف لائے جن لوگوں نے انہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا، وہ ان کی شخصیت سے بے حد مرعوب و متاثر ہوئے۔ ان کی خوش پوشی نے انہیں فوراً ہی نوجوان خوش باش طلباء کا محبوب بنا دیا۔ طالب علموں کے علاوہ جو علم دوست حضرات جلسہ میں شریک ہوئے ان کی حیرت کا وقت بعد میں آنے والا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر کوئی گھنٹہ بھر جاری رہی جیسا کہ عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے اس وقت تک وہ ہندو مسلم اتحاد کے بڑے زبردست حامی تھے، اور حالانکہ ان کے 14 مطالبات نے فرقہ پرست ہندوؤں کے دل میں ان کی طرف سے ایک کد پیدا کردی تھی لیکن ان میں اکثر سچے دل سے یہی سمجھتے تھے کہ ہندو مسلمان اتحاد اگر کوئی حاصل کرسکتا ہے تو صرف مسٹر جناح۔''

انہوں نے کہا:

''ہندوستانی مسلمانوں کا ایک واضح کلچر اور طرز زندگی ہے جو انہی کے لیے مخصوص اور انہیں بے حد محبوب ہے، اور اس کے لیے ان کی خواہش ہے کہ آئین میں ان کے اس تمدن اور معاشرت کو پورا تحفظ فراہم کیا جائے۔''

دوسری اہم بات جو قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر کہی تھی وہ یہ تھی:

''مسلمانوں کے جائز مطالبات بھی اکثریت رکھنے والی قوم کے دل میں اس کی طرف سے بے اعتباری پیدا کردیتے ہیں۔ یہ رویہ مناسب نہیں۔''

اس موقع پر انہوں نے مصر کے زاغول پاشا کے ایک واقعہ کا ذکر کیا جس میں زاغلول پاشا نے اپنے ایک صحیح عمل سے قبطی اور مصری مسئلہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیا۔ اس کے برخلاف ہندو ہمیشہ مسلمانوں سے کوئی سودا کرنے اور سودے پر جھگڑے کی فکر میں رہتے ہیں۔ مسئلہ کو حل کرنے کا یہ طریقہ صحیح نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگ ایک دوسرے پر بھروسہ کریں۔ ایم اے جین نے لکھا:

''حالانکہ اس جلسہ میں جناح صاحب نے مسلمانوں کے نقطہ نظر اور مسلمانوں کے وفد کے طرز عمل کی ترجمانی بڑی قابلیت اور کامیابی سے کی تھی لیکن انہوں نے اس موقع پر اس چیز کی وضاحت بھی کردی کہ چونکہ عام طور پر مسلمان مشترکہ انتخابات کے حامی ہیں اس لیے آئین میں جدا انتخابات کا ہونا لازمی ہے۔''

''قائداعظم محمد علی جناح نے پورے مسئلے کو اس قدر وضاحت اور منطقی انداز سے پیش کیا کہ کیمبرج کے وہ نوجوان بھی جنہیں عموماً اپنی قابلیت کا پندار ہوتا ہے ان سے کوئی الٹا سیدھا سوال نہ کرسکے۔ اس طرح قائداعظم محمد علی جناح کی ذات کی بدولت کیمبرج مسلم ایسوسی ایشن کا پہلا جلسہ بے حد کامیاب رہا۔ اس بات سے ہمارے بعض ہندو دوست کچھ خوش نہ ہوئے اور ہم لوگوں کے تعلقات بظاہر بغیر کسی معقول وجہ کے کچھ دن تک کشیدہ رہے۔''

ٹمبر ایسوسی ایشن

6 اگست 1945ء کو جب قائداعظم محمد علی جناح بمبئی پہنچے تو ان کے اعزاز میں ٹمبرز ایسوسی ایشن نے ایک استقبالیہ دیا۔

''قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''شملہ کانفرنس میں حکومت اور کانگریس کے معاندانہ رویہ کے باوجود میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلم لیگ پاکستان کے سوال پر ان میں سے کسی ایک کو بھی خاطر میں نہیں لائے گی، میری خواہش ہے کہ حکومت فوری انتخابات منعقد کرانے کا اعلان کرے تاکہ کھرے اور کھوٹے کا فیصلہ ہو جائے۔''

استقبالیہ میں ٹمبر ایسوسی ایشن کی جانب سے مسلم لیگ فنڈ کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک لاکھ روپے بھی پیش کیے گئے۔

ٹوپی کا عطیہ

قیامِ پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح 19 اپریل 1948ء کو پشاور کے اسمبلی ہال کے خوبصورت لان میں گارڈ پارٹی دی گئی اس موقع پر خان عبدالقیوم خان نے کوہاٹ کے مشہور مجاہد آزادی پیر شہنشاہ کا قائداعظم محمد علی جناح سے تعارف کراتے ہوئے کہا:

''پیر صاحب نے قسم کھا رکھی کہ جب تک انگریزوں کی غلامی سے نجات نہ ملے گی اس وقت تک وہ ننگے سر رہیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے پیر شہنشاہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے ان کے آزادی کے جذبے کی تعریف کی اور اردلی سے کہا کہ وہ ٹوپی لائے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی ذاتی ٹوپی کو ہاتھ میں لے کر پیر شہنشاہ کے سر پر رکھا اور کہا:

''آزادی حاصل ہو گئی ہے۔ اب آپ ٹوپی پہن لیں۔''

پیر شہنشاہ نے قائداعظم محمد علی جناح کی ٹوپی قائداعظم محمد علی جناح کے ہاتھوں سے پر سر پر رکھنے کا شکریہ ادا۔ یہ ٹوپی اس وقت ''قائداعظم محمد علی جناح اور سرحد'' کے مصنف عزیز جاوید کے پاس محفوظ ہے۔

ٹوورڈز پاکستان

اس کتاب کو ڈاکٹر وحید الزمان نے تصنیف کیا، اور پبلشرز یونائیٹڈ لمیٹڈ لاہور نے مارچ 1964ء میں شائع کیا۔ اس کتاب میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کے اجلاس منعقدہ ناگپور کی مکمل کارروائی شائع کی گئی ہے۔ اس میں مصنف نے یہ لکھا ہے:

''قائداعظم نے اسی اجلاس میں کانگریس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا تھا کیونکہ قائداعظم کو ان تمام قراردادوں سے اصولی اختلاف تھا جو اجلاس میں پیش کی گئی تھیں اور جنہیں کانگریس نے منظور کرا لیا تھا۔ اس اجلاس میں انہوں نے گاندھی سے واضح الفاظ میں کہا:

''تمہارا راستہ غلط ہے اور میرا صحیح، کیونکہ آئینی اور قانونی طریق کار ہمیشہ درست ہوتا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح اس بات کے مخالف تھے:

''طلبا کو سکولوں اور کالجوں سے اٹھا کر ہنگاموں اور مظاہروں کی راہ پر چلایا جائے۔''

ٹھٹھہ مسلم اسٹوڈنٹس یونین فیڈریشن

تحریک پاکستان کے دوران ملک بھر کے مسلم طلبا کی طرح ٹھٹھہ کے طلبا نے بھی یہ تنظیم قائم کی۔ غلام دستگیر اس تنظیم کے جنرل سیکرٹری تھے۔ اس کے قیام پر ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت پر پورے اعتماد کا اظہار کیا گیا اور شملہ کانفرنس کے مسئلہ پر مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کی گئی تھی یونین نے قائداعظم محمد علی جناح کو یقین دلایا:

''حصول پاکستان کے لیے مسلمان ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہیں۔''

19 اکتوبر 1945ء کو مسلم سٹوڈنٹس یونین نے نواب زادہ لیاقت علی خان کو پھر اپنی بھرپور حمایت کا یقین دلایا اور انہیں لکھا:

''یہ مسلمانوں کا آخری امتحان ہے جس میں انہیں ثابت کرنا ہے کہ وہ ایک الگ اور منظم قوم ہے۔''

ٹیگور، رابندر ناتھ

وہ عظیم بنگالی شاعر تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے 1941ء میں رابندر ناتھ ٹیگور کے انتقال کی خبر سنی تو انہوں نے ان کی وفات پر اظہار رنج و غم کیا۔ روزنامہ عصر جدید کلکتہ اور دیگر اخبارات نے اسے شائع کیا۔

رابندر ناتھ ٹیگور 6 مئی 1861ء کو کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں انہیں رابی کہا جاتا تھا۔ کم سنی میں والدہ کا انتقال ہوا تو والد نے تربیت کی۔ آٹھ سال کی عمر میں شاعرانہ اور ادبیانہ صلاحیتیں اجاگر ہوئیں۔ جب ان کے بڑے بھائی جیوندرا ناتھ نے بھارتی رسالہ نکالنا شروع کیا تو انہیں اس رسالے کی مجلس ادارت کا رکن بنایا گیا۔ سرگزشت شاعر ان کی پہلی طویل نظم تھی۔ یوں آہستہ آہستہ انہوں نے ڈرامے بھی لکھنے شروع کیے۔ سٹیج ڈراموں کی وجہ سے موسیقی بھی ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔ انہوں نے نئے نئے راگ بنائے اور انہیں لفظی جامہ پہنانے میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ 1901ء میں ناول نویسی کی ابتدا کی۔ گیتا نجلی ان کی مشہور کتاب ہے، جس پر 1913ء میں انہیں نوبل انعام بھی ملا۔ 1914ء میں حکومت ہند نے انہیں سر کا خطاب دیا، مگر انہوں نے اسے واپس کر دیا رابندر ناتھ ٹیگور کا انتقال 1941ء میں ہوا۔

ٹیلی پرنٹر سروس

اردو اخبارات میں روزنامہ احسان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ 23 مارچ 1940ء کو اس کے ٹیلی پرنٹر سروس کا افتتاح قائداعظم محمد علی جناح نے کیا۔ جونہی قائداعظم محمد علی جناح ٹیلی پرنٹر کے قریب پہنچے تو ایسوسی ایٹڈ پریس کی طرف سے کریڈ پر ہدیہ تہنیت پیش کیا گیا جس کے الفاظ یہ تھے:

''ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا قائداعظم کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔ جو ٹیلی پرنٹر کی افتتاحی رسم ادا کرنے کے لیے اس وقت دفتر احسان میں تشریف فرما ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کریڈ سے خبر پھاڑی اور پڑھ کر ایڈیٹر کے حوالے کر دی اور کہا:

''میں آپ کو اور ادارے کے دوسرے ارکان کو اس مبارک موقع پر مستحق مبارکباد سمجھتا ہوں۔ یقیناً آپ اسی طرح مسلمانوں کی خدمت انجام دیتے رہیں گے جس طرح ماضی میں آپ نے ان کی خدمات انجام دی ہیں۔''

جس وقت قائداعظم محمد علی جناح کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے تھے سردار اورنگزیب اور سردار عبدالرب نشتر قائداعظم محمد علی جناح کے قریب دائیں بائیں کھڑے تھے، اور باقی ماندہ مسلم لیگی لیڈر جن میں سر شاہنواز خان ممدوٹ اور میاں امیر الدین بھی شامل تھے۔ ایڈیٹر کے کمرے میں بیٹھے، چنانچہ ٹیلی پرنٹر سروس کی تنصیب سے مسلم اخبارات میں خبروں کی کمی کی شکایت دور ہوگئی۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ اقلیتی کارکنوں کے ہمراہ

ث

ثالثی ٹربیونل

حکومتِ برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 175 کا متن:

آئٹم نمبر 3

ثالثی ٹربیونل

پنڈت نہرو نے مسٹر جناح کی اس تجویز کی مخالفت کی کہ ثالثی ٹربیونل کا چیئرمین پریوی کونسل کی عدالتی کمیٹی کے کسی رکن کو مقرر کیا جائے۔ انہوں نے رائے دی کہ فیڈرل کورٹ کے تینوں جج ثالثی ٹربیونل کے رکن مقرر کر دیے جائیں۔
مسٹر جناح نے فیڈرل کورٹ کے اس استعمال کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا کہ انہیں ہائی کورٹ کے ججوں کا کافی تجربہ ہے۔ ان کی رائے میں موجودہ تقرری خاص طور پر کافی مایوس کن ہے۔ ہندوستان میں اس وقت ایک بھی جج ایسا نہیں جو پریوی کونسل کی عدالتی کمیٹی کے کسی رکن کا عشر عشیر بھی ہو۔ انہوں نے کہا کہ پنڈت نہرو کے والد ہمیشہ پریوی کونسل کی عدالتی کمیٹی کے زبردست معترف رہے ہیں۔ فضیلت مآب وائسرائے نے کہا کہ چونکہ اس مسئلے پر اختلاف رائے کافی شدید ہے۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ اس پر مزید گفتگو میٹنگ کے بعد ہو جائے۔ انہوں نے اس پر توجہ دلائی کہ دونوں نئی حکومتوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ ثالثی ٹربیونل کے فیصلوں پر پابندی کا یقین دلائیں۔

اس پر اتفاق ہوا کہ:

سردار پٹیل اور مسٹر لیاقت علی خان دونوں ثالثی ٹربیونل کے بارے میں مزید مذاکرات کریں، اور اپنی متفقہ رائے سے وائسرائے کو آگاہ کر دیں۔

ثمین جان خاں

وہ صوبہ سرحد مسلم لیگ کے صدر تھے۔ جب قراردادِ پاکستان منظور ہوئی تو انہوں نے قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کو مردان سے ایک تار دیا جس میں لکھا تھا:
"میں تاحیات آپ کے ساتھ ہوں۔"
ثمین جان خان 1893ء میں پشاور کی تحصیل نوشہرہ کے ایک گاؤں محبّ بانڈہ میں ایک زمیندار حاجی عبدالخالق کے ہاں پیدا ہوئے۔ اکبر پورہ پرائمری سکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر گورنمنٹ ہائی سکول میانوالی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ تعلیم کے بے حد شوقین تھے چنانچہ انہیں لاہور کے اسلامیہ کالج میں داخل کرا دیا گیا۔ جہاں سے انہوں نے بی اے کیا۔ پھر علی گڑھ جا کر ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ دورانِ تعلیم ہی بنگال کی خفیہ تنظیم سے منسلک ہو گئے اور اس خفیہ تنظیم کا مقصد انگریزوں کو ملک سے نکال کر آزادی کر حاصل کرنا تھا۔ علی گڑھ سے وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد پشاور میں وکالت شروع کر دی۔ اس دوران پشاور میں

خلافت کی تحریک شروع ہو چکی تھی، چنانچہ ثمین جان خاں کو سرحد خلافت کمیٹی کا صدر مقرر کر دیا گیا، ان کی مساعی سے سرحد میں خلافت کمیٹیاں مختلف مقامات پر قائم کی گئیں۔ 1937ء کے سرحد کے پہلے انتخابات میں کانگریس کے ٹکٹ پر اسمبلی کے ممبر بنے، مگر پارٹی لیڈر سے اختلاف کی بنا پر اس سے علیحدہ ہو گئے۔

1943ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ صوبہ سرحد کے تاریخی استصواب میں بھی حصہ لیا۔ سیاسی زندگی کا آغاز سرخ پوش کارکن کی حیثیت سے کیا۔ 1930ء میں سول نافرمانی کی تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں جیل بھی گئے۔ 1937ء میں کانگریس کے ٹکٹ پر سرحد اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1938ء میں کانگریس سے اختلاف کی بنا پر استعفیٰ دے دیا۔ 1943ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی، اور سردار اورنگ زیب کی پہلی کابینہ میں شامل ہوئے۔ جب صوبہ سرحد میں تاریخی ریفرنڈم ہوا تو وہ صوبہ سرحد مسلم لیگ کے صدر تھے۔ 1949ء میں عوامی لیگ میں شامل ہوئے اور انتقال تک اس سے وابستہ رہے۔

ان کا انتقال 17 ستمبر 1956ء کو پشاور کے لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں ہوا۔

ج

جارج لائڈ، جارج

1919ء میں قائداعظم محمد جناح نے دیگر ہندوستانی زعما کے ساتھ مل کر ایک یادداشت لائیڈ جارج کو بھیجی اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے تحریر کیا:

''آپ نے 5 جنوری 1918ء کو تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم ترکی کو اس کے دارالحکومت سے محروم کرنے کے لیے جنگ نہیں کر رہے، اور نہ ہی ہم ایشیائے کوچک اور گریس پر جو کہ ترکی النسل لوگوں کی اکثرت کے علاقے میں قبضہ کرنے کے لیے جنگ کر رہے ہیں۔ یہ تقریر نہ صرف آپ کی حکومت بلکہ تمام سلطنت کی ترجمانی کرتی تھی۔ اب جب کہ جنگ میں فتح حاصل کی جا چکی ہے اور اس فتح میں مسلمانوں کا خون اور مال بھی شامل ہے۔ اب مسلمان اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ مطالبہ کریں کہ اس وعدہ کا جو آپ نے تمام دنیا اور بالخصوص مسلمانوں سے کیا تھا۔ ایفا کیا جائے اور اس میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ابتدا میں تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، لیکن جب یہ تحریک گاندھی کے ہاتھ میں چلی گئی اور قائداعظم محمد علی جناح کے خیالات کے برعکس غیر آئینی طریق کار اختیار کیے جانے لگے تو قائداعظم محمد علی جناح اس تحریک سے علیحدہ ہو گئے۔

جارج مارشل

امریکہ کے وزیر خارجہ تھے۔ وہ قائداعظم محمد علی جناح سے بے حد متاثر تھے۔ 11 ستمبر 1948ء کو جب قائداعظم محمد علی جناح کا انتقال ہوا تو انہوں نے کہا:

''اپنے عقیدے اور اس سے غیر متزلزل وابستگی کی بدولت جس کے لیے انہوں نے جان دی محمد علی جناح بے مثل قائد تھے۔ وہ نہ صرف دنیا کی عظیم قوموں میں سے ایک قوم کو وجود میں لائے بلکہ اس کے ابتدائی دشوار گزار مرحلہ میں اس کی قیادت کی۔''

جارج مارشل 1880ء میں پنسلوانیا میں پیدا ہوئے۔ 1901ء میں فوج میں کمیشن حاصل کیا پہلی جنگ عظیم میں حصہ لیا۔ 1939ء میں جنرل کے عہدے پر چیف آف آرمی سٹاف مقرر ہوئے اور نومبر 1945ء میں مستعفی ہو کر چین میں امریکہ کے سفیر مقرر ہوئے۔ 1947ء میں وزیر خارجہ کا قلمدان سنبھالا، 1950ء میں وزیر دفاع بنے۔ مارشل منصوبہ بنایا جس کے تحت غیر ممالک کو امریکی امداد کا حصول ممکن ہوا۔ نیز جنگ میں متاثرہ ممالک نے اپنی معیشت کو بہتر بنا لیا۔ جارج مارشل کا انتقال 1959ء میں ہوا۔

جارحانہ خطاب

ایک برطانوی جاسوس کی رپورٹ کے مطابق جو مسلم لیگ کے تمام اجلاسوں میں شریک ہوتا رہا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی تقریروں نے خواہ وہ ورکنگ کمیٹی میں کی گئی ہوں یا سبجیکٹس

کمیٹی میں یا کھلے اجلاس میں ان تاثرات کی توثیق کی:

''ان کا ذہن بڑی دیر سے تبدیلی کے کسی عمل سے گزر رہا ہے۔ وہ پہلے سے زیادہ حملہ آور زیادہ چیلنج کرنے والے اور زیادہ تحکمانہ انداز کے حامل بن گئے۔ بظاہر اس کا سبب اقتدار کا وہ شعور تھا جو بعد میں حاصل ہوا، نیز ان پرانے زخموں کا احساس جن کا بدلہ اب لیا جا سکتا تھا۔''

دہلی سیشن 24 تا 25 اپریل 1943ء کے بارے میں ایک خفیہ رپورٹ میں کہا گیا:

''انہوں نے انگریزوں کو قطعی طور پر خبردار کر دیا ہے، اور ان کے رویہ پر اپنے گہرے عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ مسٹر جناح نے لیگ کی صوبائی حکومتوں سے کہا کہ وہ آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ابھی سے تیاریاں شروع کر دیں۔ انہوں نے سرمایہ داروں پر زبردست نکتہ چینی کی، اور معاشرتی انصاف اور اقتصادی تنظیم نو کے حوالے سے لوگوں کو بہت جوش دلایا، انہوں نے صوبائی وزرائے اعظم کو یہ بات ذہن نشین کرائی کہ ان کے مستقبل کا انحصار جناح کی رہنمائی میں آگے بڑھنے پر ہے۔ سب سے بڑھ کر انہوں نے غیر جانبدار دنیا کو اپنی نیک نیتی دکھانے کے لیے کانگریس کو ایک کھلی اور تقریباً آخری دعوت دی کہ اگر وہ واقعی سمجھوتہ کرنا چاہتے ہیں تو ان سے ملاقات کر لیں۔ بلاشبہ اگلا مرحلہ ناگزیر جدوجہد کے لیے تیاری کا ہوگا، اور اس کے لیے جدوجہد کی نوبت آئے گی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوستان کی سیاسیات اور اس کی بڑی پارٹیوں کے مابین ہمیشہ بدلتے ہوئے باہم دگر ردِ عمل کو جس خوبی سے سمجھا، واضح طور پر اس کا انکشاف ابھی تک نہیں کیا گیا۔ بہر حال انہوں نے برطانیہ کی مابعد جنگی طاقت کا ضرورت سے زیادہ اندازہ لگایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امریکہ، روس اور چین کی تیزی سے ترقی کرنے اور پھیلنے کی صلاحیت کا صحیح ادراک نہیں کر سکے۔ یہ پیشین گوئی کرتے وقت کہ جنگ مزید تین سال تک جاری رہ سکتی ہے۔ انہوں نے حکیمانہ انداز میں اپنے پیروکاروں پر زور دیا:

''آپ درمیانی عرصہ میں اپنے گھر کو ٹھیک ٹھاک رکھیں۔''

چونکہ یہ سیاسی داؤ پیچ کے بڑے ماہر تھے، انہوں نے اپنا خطاب اس نتیجہ کے ساتھ ختم کیا:

''چونکہ لڑائی ناگزیر ہے، اس لیے ہمیں ایسی تیاری کرنی چاہئے جس میں کوئی خامی نہ ہو۔''

ہندوستانی سیاست دانوں میں سے یہ ذہین ترین شخص اس بات سے بے خبر نہ تھا کہ اس کے الفاظ کو بڑی احتیاط سے ریکارڈ اور نقل کر کے بذریعہ تار دنیا بھر میں پھیلایا جاتا ہے۔ جس سے برطانوی اقتدار کے اعلیٰ ایوانوں میں بیٹھے ہوئے حکام کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔ دہلی کے کھلے جلسے میں سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

''اگر ان کے پاس کچھ دیانتدار ایجنٹ ہیں تو انہیں لندن والوں کو برابر مطلع کرنا چاہئے۔ میں ایک بار پھر حکومت برطانیہ کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ واقعتاً یہ بڑی سنگین صورت حال ہے، اور میں اسی پلیٹ فارم سے انہیں خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ مسلم ہندوستان کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا ہے وہ خود ان کے لیے خطرناک ہے۔ مسلم لیگ حکومت برطانیہ سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ مزید تاخیر کے بغیر دو ٹوک اعلان کرے، جس میں مسلمانوں کے حق خود ارادیت کی ضمانت دی گئی ہو، اور اس امر کا

وعدہ کیا گیا ہو کہ وہ رائے عامہ کے اس فیصلہ کی پابندی کریں گے جو مسلم لیگ کے لاہور سیشن میں منظور کردہ قرارداد کے خطوط پر کیا جائے۔

میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ دس کروڑ مسلمان ہمارے ساتھ ہیں، جب میں دس کروڑ مسلمان کہتا ہوں تو میری مراد یہ ہوتی ہے کہ ان میں سے 99 فیصد ہمارے ساتھ ہیں۔ ان لوگوں کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے جو غدار، ہرجائی، مافوق البشر یا پاگل ہیں۔ ایسی برائی جس سے کوئی معاشرہ یا قوم خالی نہیں۔ اب میں انہیں جس طرح دیکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ مسلم ہندوستان نے تباہی کے ڈھیر سے ققنس کی طرح جو کروٹ بدلی ہے، اور نئے سرے سے زندگی پائی ہے وہ ایک معجزہ سے کم نہیں۔ جن لوگوں کا سب کچھ لٹ گیا تھا اور جو چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آ گئے تھے وہ جدید ہندوستان میں انگریزوں کے بعد معاشرتی طور پر سب سے زیادہ ٹھوس، فوجی لحاظ سے سب سے زیادہ مستعد اور سیاسی طور پر سب سے اہم فیصلہ کن عنصر بن گئے ہیں۔ اب وقت ہے کہ اس قوم کی تنظیم کے لیے تعمیری پروگرام شروع کیا جائے تا کہ وہ ہماری منزل پاکستان کے راستہ پر مارچ کر سکے۔ منزل قریب ہے۔ متحد ہو کر اٹھیں۔ اپنے قدموں پر جمے رہیں اور آگے کی طرف بڑھیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے صدارتی خطبہ کے اختتام سے قبل ہی ''قائداعظم زندہ باد' پاکستان زندہ باد اور مسلم لیگ زندہ باد کے فلک شگاف نعروں اور بلند تالیوں کے شور نے آسمان سر پر اٹھا لیا، اور قائداعظم محمد علی جناح کا پیغام ان لاکھوں لوگوں تک پہنچا دیا، جن تک ان کی کمزور آواز نہیں پہنچ سکی تھی۔ وہ جلد ہی اپنے عظیم قائد کے پیچھے اپنی موعودہ سرزمین کی طرف غم و آلام سے بھری مارچ میں شامل ہو گئے۔

جالندھر

جالندھر میں مسلم لیگ کا قیام چودھری عبدالحمید کے ہاتھوں اس وقت عمل میں آیا جب وہ علی گڑھ سے ڈبل ایم اے کرنے کے بعد واپس جالندھر آ چکے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے مسٹر جسٹس شیخ محمد شریف کو آمادہ کیا کہ وہ زمام کار اپنے ہاتھوں میں لے لیں، اور جالندھر مسلم لیگ کی صدارت قبول کر لیں۔ انہوں نے اس شرط پر چودھری عبدالحمید کی درخواست قبول کی:

''وہ سیکرٹری بن جائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، تاہم ضلعی سطح پر جسٹس محمد شریف کے شاگرد چودھری محمد یعقوب علی خان (جو پاکستان کے چیف جسٹس بھی رہے) انہیں ڈسٹرکٹ مسلم لیگ جالندھر کا سیکرٹری بنا دیا گیا۔ یہ تھا وہ آغاز جس کے بعد مسلم لیگ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریک جالندھر میں اس قدر پھیلی اور منظم ہوئی کہ مخالفین دنگ رہ گئے۔ مسلم لیگ کے ابتدائی تشکیلی اور تاسیسی دور میں خدمات انجام دینے کے بعد چودھری عبدالحمید ملازمت کے سلسلہ میں کابل چلے گئے اور ان کے بھائی مسٹر عبدالغنی جنہوں نے گریجوایشن کی تھی انہیں سیکرٹری بنا دیا گیا۔

انہی ایام میں نومبر 1942ء میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کیا جس سے قائداعظم محمد علی جناح نے خطاب کیا، اور اس میں ملک بھر سے طلبا کے مندوبین نے شرکت کی۔ اس اجلاس نے تو پورے صوبے میں سیاست کا رخ موڑ کر رکھ دیا۔ حمید نظامی اس کے مدارالمہام تھے۔

حمید نظامی نے قائداعظم محمد علی جناح کو خوش آمدید کہا۔ 15 نومبر کو قائداعظم محمد علی جناح نے خطبہ صدارت دیا اور بڑے

نپے تلے الفاظ میں تقریر کی۔ اجلاس میں سکھ بھی موجود تھے۔
قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا:
''آیئے ہم ایک دوسرے کے خلاف باتیں نہ کریں، ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کریں۔''
اپنی تقریر میں قائداعظم محمد علی جناح نے فیڈریشن کے اغراض و مقاصد پر بھی روشنی ڈالی اور طلبا کو مشورہ دیا:
''حصول پاکستان کی جدوجہد میں مناسب حصہ لینے کے لیے خود کو تیار کریں۔''
اجلاس میں کم و بیش ایک لاکھ افراد شریک ہوئے۔
قائداعظم محمد علی جناح نے اردو میں تقریر کی۔
اسی اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے طلبا سے کہا:
''میں آپ کو مصروف عمل ہونے کی تاکید کرتا ہوں۔ کام کام اور بس کام۔ سکون خاطر۔ صبر و برداشت اور انکساری کے ساتھ اپنی قوم کی سچی خدمت کرنی چاہیے۔''
قائداعظم محمد علی جناح جب جالندھر تشریف لائے تو ان کی آمد پر بازاروں کو دلہن کی طرح سجایا گیا جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے اشتہارات لگے ہوئے تھے جن پر یہ شعر درج تھا:

دیدہ و دل کر دو فرش راہ
تشریف لا رہے ہیں محمد علی جناح

قائداعظم محمد علی جناح بذریعہ ریل جالندھر تشریف لائے انہیں اسٹیشن سے کار میں بٹھا کر لے جایا گیا۔ اسی روز برلٹن پارک (حال گاندھی پارک جالندھر) میں قائداعظم محمد علی جناح نے مختصری تقریر کرتے ہوئے کہا:
''جالندھر نے بڑے بڑے شاعر پیدا کیے۔ (اشارہ تھا جامی آذر جالندھری، حفیظ جالندھری، رسا جالندھری، نشتر جالندھری کی طرف)''
بڑے سپورٹس مین پیدا کیے (یاد رہے کہ ایک وقت میں آل انڈیا کرکٹ ٹیم میں جالندھر کے چار کھلاڑی نذیر علی، زبیر علی، بقا جیلانی جہانگیر اور نثار شامل تھے)
(بحوالہ مضمون جب میں نے قائداعظم کو پہلی مرتبہ دیکھا چند یادیں۔ چند باتیں از عبدالقادر قریشی ایم اے، روزنامہ مشرق لاہور 25 دسمبر 1968ء)

جام نگر

10 جون 1918ء کو بمبئی کے ٹاؤن ہال میں بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگڈن کی صدارت میں وار کونسل کا اجلاس منعقد ہوا اس میں قومی فوج کے قیام کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح نے ڈٹ کر اپنے موقف کا اظہار کیا لیکن موہن داس اور مہاراجہ جام نگر نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر ان دونوں سیاسی لیڈروں کی جانب سے پیش کی جانے والی تجاویز کی مذمت کی اور کہا:
''فی الوقت حکومت کی تائید کر کے بعد میں اپنے مطالبات کو تسلیم کرانے کی امید رکھنا سودا نہیں تو اور کیا ہے۔ ہم اس وقت حکومت کی کوئی مدد نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم پر بھروسہ نہ کیا جائے۔''
اس پر لارڈ ولنگڈن نے کہا:
''مقرر کو شملہ یا دہلی جا کر موقف بیان کرنا چاہیے۔''

جامعہ ملیہ

آل انڈیا خلافت کمیٹی- جیسا کہ ڈاکٹر امبید کر نے بھی اپنی مشہور کتاب (گاندھی اور کانگریس نے اچھوتوں کے لیے کیا کیا؟) میں لکھا ہے۔ سب سے پہلے برطانوی حکومت کے مقابلہ میں آئی۔ کانگریس نے کافی سوچ بچار اور ردوکد کے بعد اس کا پروگرام قبول کیا، چنانچہ برطانوی مصنوعات، برطانوی عدالتوں اور برطانوی تعلیم گاہوں کے مقاطعہ کا حکم بھی خلافت اور کانگریس، علی برادران اور گاندھی جی نے دیا۔

لیکن اس حکم پر کسی نے مسلمانوں کی سی صداقت اور وفاداری کے ساتھ عمل نہیں کیا۔

تعلیم گاہوں کے مقاطعہ کا جب سوال پیدا ہوا تو مالویہ جی نے بنارس میں ڈیرہ ڈال دیا اور ہندو یونیورسٹی کی تعلیم ایک دن کے لیے بھی بند نہیں ہونے دی، گاندھی جی بھی کچھ نہ کر سکے، محمد علی، شوکت علی نے علی گڑھ میں جا کر وہاں کے طلبہ اور اساتذہ اور ممبران کورٹ کو یہی پیام دیا، ممبران کورٹ نے یہ پیام رد کر دیا۔ اساتذہ کی ایک بڑی جماعت اپنے شاندار حال اور روشن مستقبل کو تباہ کرنا نہیں چاہتی تھی اس نے مستعفی ہونے سے انکار کر دیا، لیکن طلبہ کی ایک بڑی تعداد ہر طرح کی دشواریوں کے باوجود باہر نکل آئی۔

محمد علی نے ''نیشنل مسلم یونیورسٹی''، جامعہ ملیہ اسلامیہ، کے نام سے ایک نئی تعلیم گاہ کی بنیاد ڈال دی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبند نے اس کا افتتاح کیا۔ محمد علی اس کے پہلے شیخ الجامعہ بنے، اور درختوں کے نیچے چٹائیوں پر بیٹھ کر تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

جب تک خلافت کمیٹی کے پاس روپیہ رہا، وہ جامعہ کے جُملہ مصارف جو کئی لاکھ سالانہ تھے برداشت کرتی رہی، مسلمانوں کا جوش جب کم ہوا تو خلافت کمیٹی کی ساکھ بھی ختم ہو گئی اور ساکھ ختم ہوتے ہی اس کا خزانہ بھی خالی ہو گیا۔

آخر مسیح الملک حکیم اجمل خان اُسے دہلی لے آئے۔ خوش قسمتی سے ڈاکٹر ذاکر حسین خان جنہوں نے مسلم یونیورسٹی سے ترک تعلق کر کے جامعہ کو آباد کیا تھا، اور پھر تکمیل تعلیم کے لیے جرمنی چلے گئے تھے۔ جرمنی سے واپس آ گئے، انہوں نے عہد کیا ہم فاقے کریں گے، لیکن جامعہ کو بند نہ ہونے دیں گے، حکیم صاحب نے یہ ذمہ داری ڈاکٹر صاحب کو سونپ دی اُنہوں نے فقید المثال ایثار کے ساتھ نہایت نامساعد اور ناقابل برداشت حالات میں واقعی فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر کے اور اپنے رفقاء میں یہی جذبہ پیدا کر کے جامعہ کو چلایا۔ ڈاکٹر صاحب جب جرمنی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے تو وہاں اُن کی ملاقات پروفیسر محمد مجیب اور ڈاکٹر عابد حسین سے بھی ہوئی، یہ دونوں بھی تکمیل تعلیم کے لیے وہاں تشریف رکھتے تھے، چنانچہ اب ڈاکٹر صاحب کے ساتھ یہ دونوں دوست بھی جامعہ کی تعمیر نو میں مصروف ہو گئے، عابد صاحب تو بیچ بیچ میں دوسرے مشاغل بھی اختیار کرتے رہے لیکن مجیب صاحب نے بدترین اور بہترین کسی دور میں بھی جامعہ کے سوا اپنا کوئی اور مشغلہ نہ رکھا، اور اب تک شیخ الجامعہ کی حیثیت سے وہ اسی کے لیے اپنی زندگی وقف کیے ہوئے تھے، کیونکہ ڈاکٹر صاحب کو تقسیم ہند کے بعد مسلم یونیورسٹی کا وائس چانسلر بننا پڑا ورنہ یونیورسٹی ختم ہو جاتی۔

جامعہ کے اکثر اساتذہ اور طلبہ کا رجحان کانگریس کی طرف زیادہ رہا، لیکن ایک جماعت طالب علموں اور استادوں کی ایسی بھی رہی جو خلافت اور بعد میں مسلم لیگ کے جان و دل سے حامی تھی۔ عام شہرت یہی تھی کہ جامعہ کے کارکن کانگریسی ہیں، اسی کے سبب قائداعظم محمد علی جناح بھی کچھ بدظن سے تھے۔

لیکن نومبر 1946ء میں جب جامعہ کا جشن سیمیں اوکھلا (جامعہ نگر) میں منعقد ہوا تو ڈاکٹر صاحب کی سحر طرازی، جہاں جواہر لال کو کھینچ لائی وہاں قائداعظم محمد علی جناح کو بھی لے آئی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے یہ تقریر اسی موقع پر کی تھی۔

19 نومبر 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے سلور جوبلی پر تقریر کرتے ہوئے کہا:

''اسلامی ہند جامعہ کو امداد دے کر اُسے اپنے خاص قومی ادارہ میں تبدیل کر چکا ہے۔ اب جامعہ کے کارکنان کو مالی امداد کے بارے میں پریشان اور ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ مسلمان اس قومی ادارے کی طرف دستِ تعاون ہمیشہ بڑھاتے

رہیں گے۔ جامعہ ایک ایسا ادارہ ہے جو ترقی کی منازل طے کرتا جارہا ہے۔ اب یہ بلاشبہ مسلمانوں کی قومی یونیورسٹی بن چکی ہے۔ یہ مسلمانوں کی قومی تحریک کا موجد ہے اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بھی جامع کی مثال قابلِ تقلید ہوگی۔''

ڈاکٹر ذاکر حسین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''آپ نے ایک ایسا ادارہ قائم کیا ہے جو ایک صحیح طرز تعلیم کی طرف رہنمائی کر رہا ہے، لیکن میں آپ کو یہ بتا دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ ماضی میں جامعہ کے متعلق جو تعصبات اور غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ ان کا رفع کرنا اب اشد ضروری ہے۔ اب آپ کو عملی طور پر یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ حقائق پر مبنی نہیں تھیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا:

''بدقسمتی سے اب تک اسلامی ہند مُردہ تھا لیکن اب قوم میں نئی زندگی کے آثار نمایاں ہیں۔ ہم تعلیم کے فوائد کے احساس سے سرشار ہو چکے ہیں، مجھے اُمید ہے کہ آپ مسلم قوم کی ضروریات کی تکمیل کرنے میں سرگرم کوششیں جاری رکھیں گے۔''

جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد)

انجمن طلبا قدیم جامعہ عثمانیہ نے قائداعظم محمد علی جناح کو سالانہ عشائیہ میں شرکت کی دعوت دی۔ چنانچہ 28 ستمبر 1939ء کو قائداعظم محمد علی جناح حیدرآباد دکن پہنچے اور اس سے اگلے دن جامعہ عثمانیہ کے قدیم طلبا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میرے ملک کے مفادات کے لیے میرا عزم غیر متزلزل ہے، اور میں اپنے ملک کے لیے حصول آزادی کی جدوجہد میں کسی سے ہار نہیں مانوں گا۔ میں ہر مسلمان سے کہتا ہوں کہ اسلام تم سب سے یہ توقع رکھتا ہے کہ تم اپنا فرض ادا کرو گے، اور ایک قوم کی طرح اپنی جماعت کا ساتھ دو گے۔''

1943ء میں حیدرآباد مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے سیکرٹری جنرل قاضی عبدالمنان نے قائداعظم محمد علی جناح کو لکھا:

''میں پوری طرح کوشش کر رہا ہوں کہ حیدرآباد کے مسلم طلبا میں خصوصاً اور سندھ کے طلبا میں عموماً سیاسی شعور پیدا کروں، اللہ کا شکر ہے کہ سندھ کے مسلمان طلبا اب بیدار ہو چکے ہیں اور آپ جب بھی انہیں حکم فرمائیں وہ ایک دوسرے کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار رہیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 22 جون 1943ء کو مسٹر عبدالمنان کو خط کے جواب میں لکھا:

''میں جب دسمبر میں سندھ آؤں گا تو امید ہے کہ آپ سے ملاقات ہوگی۔''

یہ جامعہ 1930ء میں حیدرآباد کے آخری مسلمان بادشاہ اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خان نے قائم کیا تھا اس میں ادبیات کے علاوہ سائنس، طب اور انجینئرنگ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ تمام علوم کے لیے ذریعہ تعلیم اردو زبان تھی۔ درسی کتب مہیا کرنے کے لیے جامعہ کا اپنا عظیم الشان دارالترجمہ بھی قائم کیا گیا جس میں ہندوستان بھر کے قابل افراد جمع کر لیے گئے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد حکومت ہند نے ذریعہ تعلیم انگریزی کو قرار دیا۔

جانسٹن، جسٹس

1929ء میں قائداعظم محمد جناح غازی علم الدین شہید کے مقدمے کے سلسلے میں لاہور تشریف لائے تو 15 جولائی 1929ء کو پنجاب ہائی کورٹ میں جسٹس براڈوے اور جسٹس

جانسٹن کی عدالت میں پیش ہوئے۔

جائیداد (بھارت میں)

قائداعظم محمد علی جناح کی بھارت میں جائیداد کی مالیت 94 لاکھ روپے بنتی تھی جو اس وقت 20 کروڑ کے برابر ہوگی۔ یہ قائداعظم ٹرسٹ کی ملکیت ہے۔ اس کی آمدنی سے انجمن اسلام ہائی سکول بمبئی، بمبئی یونیورسٹی، اینگلو عربک کالج دہلی اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو امداد ملتی ہے۔

بھارت نے 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد اسے دشمن کی املاک قرار دیا۔

جائیداد کا تنازعہ

قائداعظم محمد علی جناح ہندوستان کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے اپنی وصیت 1939ء میں تحریر کی۔ ان کی بیوی رتی کا انتقال 1929ء میں ہو چکا تھا، اور ان کی بیٹی دینا نے بغیر اجازت ایک غیر مسلم سے شادی کر لی تھی۔ ان کی سب سے چھوٹی بہن فاطمہ جناح ان کے ہمراہ رہتی تھیں، جبکہ دیگر تینوں بہنیں شادی شدہ اور اپنے گھر آباد تھیں (یہ پتہ نہیں چلتا کہ آیا ان کی بہن شیریں 1939ء میں شادی شدہ تھیں یا نہیں کیونکہ وصیت میں ان کا شادی کے بعد کا نام نہیں آتا) اس وصیت میں تین اشخاص کے نام بطور منتظم اور متولی شامل ہیں۔ فاطمہ جناح، بمبئی کا ایک وکیل محمد علی چائے والا اور نواب زادہ لیاقت علی خان، وصیت سے مستفید ہونے والوں میں ان کی بہن، بھائی، بیٹی اور ان کی اولاد شامل ہے۔ ان کے نام رحمت، قاسم بھائی جمال، مریم آدن بھائی پیر بھائی اور شیریں ہیں۔

شیریں کی شادی بعد میں بمبئی کے جعفر بھائی سے ہوئی۔ ان کے بھائی کا نام احمد علی درج ہے۔ بیٹی کا ذکر ''میری بیٹی'' کہہ کر کیا گیا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے بھائی بندے علی اس وصیت کے لکھے جانے تک فوت ہو چکے تھے۔ پتہ نہیں انہوں نے کوئی اولاد چھوڑی یا نہیں۔ احمد علی کی ایک بیٹی تھی، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سوئٹزر لینڈ میں فاطمہ گومز کے نام سے زندگی گزار رہی ہے۔ ان کے متعلق بھی نہیں پتہ کہ حیات ہیں یا نہیں۔

محترمہ فاطمہ جناح کو شیئرز شاک اور سکورٹیز تحفے میں دیے گئے، جو پہلے سے ان کی تحویل میں تھے۔ ان کے علاوہ وصیت میں ان کے لیے بمبئی کا مالا بار ہلز والا گھر میں تھا۔ وصیت میں ہدایت تھی کہ فاطمہ کو ماہانہ 2000 بقایا جائیداد کے کرائے میں سے اخراجات کے لیے دیے جائیں۔ بیٹی دینا کو ایک بنک میں پڑے دو لاکھ کے منافع سے ایک ہزار روپے ماہوار ادا کیے جانا تھے۔ بہنوں رحمت، شیریں اور مریم اور بھائی احمد علی کو تا حیات 100 روپیہ دیا جانا تھا۔ مطلب یہ کہ ان کی اولاد ماہوار رقم سے مستفید نہیں ہوسکیں گی۔

وصیت میں اداروں کے لیے خاصی رقوم مختص کی گئیں۔ 25000 روپے بمبئی کے انجمن اسلام اسکول کو 50,000 روپے بمبئی یونیورسٹی کو اور 25,000 روپے دہلی کے عربک کالج کو دیے جانا تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی باقی سب جائیداد فروخت کر کے حاصل ہونے والی رقم درج ذیل تین اداروں میں مساوی تقسیم کی جانا تھی۔ علی گڑھ یونیورسٹی، اسلامیہ کالج پشاور اور سندھ مدرسہ کراچی۔

1948ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد سندھ ہائی کورٹ نے محترمہ فاطمہ جناح اور وزیراعظم لیاقت علی خان کو ''وصیت کے ناظم'' مقرر کیا۔ یعنی انہیں وصیت پر عملدرآمد کروانا تھا۔ بعدازاں ناظمین وصیت میں درج ذیل ناموں کا اضافہ کر دیا گیا۔ ایم اے ایچ اصفہانی (قائداعظم محمد علی جناح کے ایک اسماعیلی دوست) پروفیسر حسن عبدالرحمٰن (پرنسپل ایس ایم کالج)

اور پروفیسر غلام مصطفیٰ شاہ (وائس چانسلر سندھ)

1967ء میں محترمہ فاطمہ جناح کے انتقال کے بعد ان کی جگہ بہن شیریں بھائی کا تقرر کیا گیا اور جب ان کا 1980ء میں انتقال ہوا تو قائداعظم کی بھانجی کے بیٹے ''لیاقت مرچنٹ'' کو ان کی جگہ پر مقرر کیا گیا، جو ایک وکیل ہیں۔ وہ مریم بائی کی بیٹی شہر بانو کے بیٹے ہیں۔ جن کی شادی ہارون مرچنٹ سے ہوئی تھی بعد ازاں عدالت عالیہ نے دو اور ناظم مقرر کیے ایک سید ہاشم رضا (سابق کمشنر کراچی) اور دوسرے حیات محمد جونیجو (سابق جج سندھ ہائی کورٹ)

21 فروری 1999ء کے ڈان میگزین میں چھپنے والی فریحہ رزاق ہارون کی ایک تحریر کے مطابق آخری تین 1980ء سے قائداعظم کی وصیت کے ناظم چلے آرہے تھے، جبکہ جسٹس جونیجو ترک وطن کر کے کینیڈا آباد ہو جانے کے باعث ''معطل'' قرار پائے تھے۔

ہندوستان اور پاکستان کے تعلیمی اداروں کے حصے کے حوالے سے ''بقیہ جائیداد'' والے حصے کے علاوہ باقی وصیت پر عملدرآمد ہو چکا ہے۔

یہ بقیہ جائیداد کراچی کے فلیگ سٹاف ہاؤس جسے قائداعظم محمد علی جناح نے 1940ء میں خریدا تھا، کراچی میں ملیر میں واقع زمین، لاہور کے گلبرگ میں واقع اور ماڑی پور میں واقع وسیع رقبہ پر مشتمل ہے۔ یہ جائیداد سندھ ہائی کورٹ کے احکامات کے تحت 1982ء تک فروخت ہو چکی تھی۔ 1994ء تک وصیت کے ناظمین نے سندھ مدرسہ، اسلامیہ کالج پشاور اور علی گڑھ یونیورسٹی کو تقریباً گیارہ گیارہ ملین روپے کی ادائیگی کر دی تھی۔ صرف علی گڑھ یونیورسٹی کو سیاسی وجوہات کی بنا پر ترسیل زر نہ ہو سکی۔

علی گڑھ یونیورسٹی کو ترسیل زر نہ ہونے کی دو وجوہات تھیں۔ ایک ہندوستان سے معاندانہ تعلقات دوسری 1965ء کی آئینی ترمیم جس کے تحت علی گڑھ یونیورسٹی کو سیکولر ظاہر کرتے ہوئے اس کا بطور مسلم اقلیت کے ادارے کے خاتمہ کر دیا گیا تھا چونکہ قائداعظم کا مطمع نظر مسلمانوں کی فلاح و بہبود تھا۔ اس لیے سندھ ہائی کورٹ کے نزدیک مذکورہ بالا تبدیلی کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی وصی نہیں ہوتی۔

فریحہ رزاق نے اپنے مضمون میں باقی دو وصی اداروں کی کہانی بیان کر کے ہماری معلومات میں اضافہ کیا گیا ہے۔ بمبئی یونیورسٹی کی انتظامیہ نے چھوڑی گئی رقم بطور ایک شخصی عطیہ کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے جناح چیئر قائم کرنے یا کسی عمارت کا نام اس سے منسوب کرنے سے انکار کر دیا تھا، لیکن اس خواہش کا اظہار کیا گیا تھا کہ یہ عطیہ یونیورسٹی کے عمومی فنڈز میں جمع کروایا جا سکتا ہے۔

1984ء میں سندھ ہائی کورٹ نے پاکستان کے غریب مسلم طالب علموں کی مدد کے لیے قائداعظم علی گڑھ سکالرشپ ٹرسٹ قائم کرنے کا فیصلہ کیا، عدالت نے تین نگران مقرر کیے۔ شریف الدین پیرزادہ (قائداعظم کے سابق سیکرٹری) لیاقت مرچنٹ اور جسٹس (ریٹائرڈ) زید ایچ چنا جو علی گڑھ کے گریجوایٹ تھے۔

1985ء سے 1997ء تک ٹرسٹ نے اس فنڈ میں سے اخراجات کیے، جو سرکاری سرمایہ کاری کی اسکیموں میں لگنے کے بعد بڑھ کر تقریباً 155 ملین ہو چکا تھا۔ اس ٹرسٹ کے غریب طالب علموں کو اہلیت کی بنیاد پر دو ہزار آٹھ سو چار وظائف دیے، جن میں تریسٹھ غیر ملکی وظائف بھی شامل تھے۔ کل تقریباً 14.1 ملین روپے تقسیم کیے گئے، امیر طالب علم اس وظیفہ کے لیے اہل نہ تھے۔

اسلامیہ کالج پشاور بھی کراچی کے سندھ مدرسہ کے ساتھ باقی ماندہ جائیداد کا وصی تھا۔ جب اسلامیہ کالج کے حق وصیت کی تکمیل ہو چکی تو جیسا کہ ڈان میگزین کے مضمون میں

شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی

وفات 1974

ممتاز طبیب، حکیم محمد حسن قرشی گجرات کے رہنے والے تھے آپ نے اسلامیہ کالج لاہور سے تعلیم حاصل کی۔ طبیہ کالج دہلی میں مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان سے فیض یاب ہوئے اور طبیہ کالج بمبئی میں پرنسپل کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں بعدازاں 1920ء میں طبیہ کالج لاہور کے پرنسپل تعینات ہوئے۔ انہوں نے اطباء کی تنظیم کی بنیاد رکھی۔ پنجاب طبی کانفرنس کے بانی صدر تھے۔ تحریک خلافت اور تحریک کشمیر میں حصہ لیا۔ تحریک پاکستان میں سرگرم عمل رہے۔ 1946ء میں مسلم لیگ کے فیصلے کے مطابق شفاء الملک کا خطاب واپس کر دیا۔ 1947ء کی سول نافرمانی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ تحریک اتحاد اسلامی کے داعی تھے۔

انکشاف کیا گیا ہے، سندھ مدرسہ متنازعہ بن گیا۔ محترمہ فاطمہ جناح، شیریں بائی اور بعد میں ناظمین ٹرسٹ نے سندھ مدرسہ کو بھی باقی ماندہ جائیداد میں سے ایک تہائی دے دیا۔ بورڈ آف گورنرز کے تحت چل رہا تھا۔ جس میں پروفیسر غلام مصطفیٰ شاہ، جسٹس (ریٹائرڈ) عبدالرزاق تبسم، امداد حسین کیچر اور این ایم عقیلی شامل تھے۔ 1972ء میں مدرسہ قومی تحویل میں لے لیا گیا، اور 1974ء میں اسے وفاقی وزارت تعلیم کی براہ راست نگرانی میں دے دیا گیا، مرکز نے ایک نیا بورڈ آف گورنرز تشکیل دیا۔ اس کے قومی تحویل میں آتے ہی اس کے بورڈ آف گورنرز کا ازخود تحلیل ہونا تسلیم کرلیا گیا تھا۔

وصیت کے ناظمین نے رقم پرانے بورڈ کو دے دی تھی، جس نے اسے نئے بورڈ آف گورنرز کو منتقل نہ کیا، سندھ ہائی کورٹ میں انکشاف ہوا کہ اس طرح تقریباً دس ملین روپے لاپتہ ہو گئے۔ جو قائداعظم کی ''باقی ماندہ'' جائیداد کے ایک تہائی سے زیدہ تھے۔ رقم کہاں گئی؟ مبینہ طور پر پرانے بورڈ نے ملیر میں ایک نیا قائداعظم پبلک سکول قائم کیا۔

سندھ اور پرانے بورڈ کے اراکین کے درمیان تنازعہ ابھی عدالت میں زیر سماعت ہے۔ 1998ء میں قائداعظم کی وصیت کے ناظمین نے سپریم کورٹ میں بیان دیا:

''اس کے سود میں دینا اور اس کی اولاد کے لیے ماہانہ نکلے گا۔''

باقی تمام وصیت پر عمل ہو چکا ہے۔ یہ دفعہ سپیشل سیونگ سرٹیفکیٹ سکیم میں لگا دی گئی تھی، اور منافع اسے نیویارک بھیجا جاتا تھا۔

تقریباً دوسو پچاس ڈالر سالانہ کی ترسیل زر، زرمبادلہ کے نئے قوانین کے نفاذ تک جاری رہی۔ اس وجہ سے ناظمین نے سٹیٹ بنک سے دو لاکھ روپے زرمبادلہ کی شکل میں حبیب بنک لندن منتقل کرنے کی درخواست کی تاکہ دینا کو ترسیل زر ڈالروں میں کی جا سکے۔

محترمہ فاطمہ جناح 1967ء (اپنی وفات) تک مہتہ پیلس میں رہیں۔ یہ مشترکہ جائیداد انہیں مالابار ہلز والی رہائش گاہ کے بدلے میں ملی تھی، جو انہیں قائداعظم سے ورثہ میں ملی اور جس پر بعد ازاں ہندوستان حکومت نے متروکہ جائیداد قرار دے کر قبضہ کر لیا۔ 1967ء سے 1980ء تک مہتہ پیلس میں محترمہ فاطمہ جناح کی بہن اور قریب ترین عزیزہ کی حیثیت سے مقیم رہیں۔ 1980ء سے 1990ء تک مہتہ پیلس عدالت میں زیر سماعت ایک مقدمہ کی وجہ سے بے آباد اور لاوارث پڑا رہا۔ اس دوران یہ ہیروئن کے عادیوں اور جرائم پیشہ افراد کا اڈا بن گیا۔ جنہوں نے اس کا سامان تزئین و آرائش اٹھا کر بیچ ڈالا۔

عدم توجہی کی اس دہائی میں کسی وقت ضیاء گورچانی نے مہتہ پیلس کو دیکھا اور وہاں محترمہ فاطمہ جناح کی ذاتی دستاویزات ایک کمرے میں بکھری پائیں (ڈان میگزین 23 مئی 1999ء) ان دستاویزات میں اس وقت کی نیک نام کمپنیوں کے حصص کے خرید و فروخت کے کاغذات بھی شامل تھے۔

1938ء میں قائداعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح نے ایسوسی ایٹڈ سیمنٹ کے دوسو شیئرز دو ہزار روپے فی شیئر کے حساب سے خریدے۔ 1939ء میں انہوں نے بمبئی ٹیلی فون کمپنی کے 60 شیئرز تین ہزار روپے فی شیئر کے حساب سے خریدے۔ 1948ء میں انہوں نے برن اینڈ کمپنی کے 600 شیئرز ایک لاکھ بیس ہزار پانچ سو ستائیس روپے فی شیئر کے حساب سے خریدے۔ 1952ء میں محترمہ جناح نے آٹھ ہزار روپے میں اور رینٹ ایئرویز کے ایک ہزار شیئرز خریدے۔ 1956ء میں انہوں نے آدم جی کاٹن ملز کے 4 ہزار شیئرز 4 ہزار روپے فی شیئر کے حساب سے خریدے۔

محترمہ فاطمہ جناح کے پاس میرپور پیپر ملز، اس اکاک الیش ڈاؤن اینڈ کمپنی، سٹیٹ گڑھ پیپر ملز، سرسلک ملک لمیٹڈ،

راولپنڈی الیکٹرک کمپنی، سوئی گیس، حفیظ ٹیکسٹائل ملز، کرنافلی پیپر ملز، حبیب انشورنس، آدم جی جیوٹ ملز اور محمدی سٹیم شپ کمپنی کے شیئرز بھی تھے۔ ضیاء گورچانی کی نظر سے گزرنے والے ان کاغذات کے مطابق محترمہ فاطمہ جناح کے پاس پی آئی اے کے سات ہزار چار سو شیئرز تھے۔ اگرچہ ضیاء گورچانی نے ذکر نہیں کیا، لیکن امکان غالب ہے کہ یہ کاغذات ابھی تک ان کے پاس ہیں۔

ضیاء گورچانی کی نظر سے گزرنے والے بعض دیگر کاغذات کے مطابق محترمہ فاطمہ جناح کے پاس ڈیڑھ لاکھ روپے مالیت کا ایک ڈائمنڈ سیٹ تھا۔ یہ سیٹ ایک منگل سوتر تھا، جس میں 45 ہزار روپے کے اکیاون ہیرے ایک دستی چوکی ہیرا مالیتی 45 ہزار روپے، ہیرے اور زمرد کے بندھن اور کلپ مالیتی 17 ہزار روپے اور 14 ہیرے جڑوں ایک پازیب مالیتی پانچ ہزار روپے۔

ایک اور خط سے پتہ چلتا ہے کہ محترمہ فاطمہ جناح کے پاس کلفٹن پر ایک قطار میں واقع زمین کے چار پلاٹ تھے۔ 1965ء میں صرف ایک جائیداد پر انہوں نے 3726 روپے ٹیکس کی مد میں ادا کیے۔

ان کاغذات میں ایک انتباہ بھی شامل ہے، جو انہیں بذریعہ ٹیلی گرام 21 ستمبر 1965ء کو بھیجا گیا تھا:

''بخاری شریف کی ایک حدیث کے مطابق وہ کسی اسلامی ملک کی سربراہ نہیں بن سکتیں۔''

تاہم بے شمار خطوط ایسے تھے، جن میں انہیں جنرل ایوب خان کے خلاف مہم میں حمایت کا یقین لایا گیا تھا۔

(از قائداعظم کے خاندانی تنازعے، صفحہ 5 تا 15 از خالد احمد، پرنٹ پبلشرز)

جبلی صلاحیتیں

قائداعظم محمد علی جناح نے 17 اپریل 1946ء کو صوبائی اور مرکزی اسمبلی کے مسلم ارکان سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''ہم مسلمانوں کو خدا کے فضل سے بہت سی چیزیں حاصل ہیں۔ ہمارے پاس دماغ، فہم، ادراک، قابلیت اور ہمت سبھی کچھ موجود ہے اور یہی وہ خصوصیات ہیں، جو اقوام کے لیے ضروری ہوتی ہے، لیکن ہماری راہ میں کچھ دشواریاں حائل ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی تمام توجہات ان کی جانب مرکز کریں۔ ہم ڈیڑھ صدی سے غیر ملکی اقتدار اور ہندو غلبے کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔''

جداگانہ انتخاب

قائداعظم محمد علی جناح ابتدا میں جداگانہ انتخابات کے مخالف اور مخلوط انتخاب کے زبردست حامی تھے۔ 1916ء میں قائداعظم محمد علی جناح جداگانہ انتخاب کے ذریعے امپیریل کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔

جداگانہ انتخاب اور جناح

یہ 1916ء کا دور تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح اس دور میں مخلوط انتخاب کے حامی تھے، جبکہ پیسہ اخبار جداگانہ انتخاب کی حمایت کیا کرتا تھا۔ ان کے انتخاب پر کامیابی پر پیسہ اخبار نے اپنی اشاعت 25 جون 1916ء کو درج ذیل اداریہ لکھا:

''مسٹر ابراہیم رحمت اللہ کے انتخاب کو قابل استثنیٰ قرار دینے کی تائید میں بمبئی پریذیڈنسی کے ایک اور کانگریس خیال کے مسٹر محمد علی جناح کی مثال پیش کی جاسکتی ہے، جو باوجود نیشنل کانگریس کے پرانے حامی اور سرگرم ہوا خواہ ہونے کے مسٹر مظہر الحق کی طرح مخلوط انتخاب سے وائسرائے کی قانونی کونسل میں پہنچنے کا دروازہ بند پا کر مسلمانانِ بمبئی کے جداگانہ انتخاب کے طفیل سے مولوی رفیع الدین احمد بیرسٹر

کے مقابلے میں کثرت رائے سے امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں اہلِ اسلام پریذیڈنسی کے قائم مقام منتخب ہوئے ہیں۔ گو مولوی رفیع الدین احمد کے ہاتھ میں مسلمانوں کے فوائد زیادہ محفوظ رہنے کی توقع کی جا سکتی تھی، مگر شاید پریذیڈنسی کے متعلق اور نیز ایک اور رقیب اسلامی تعلیمی کانفرنس کے وجود میں آنے کے باعث بدقسمتی سے مسٹر رفیع الدین احمد اور وہاں کے بعض مسلمانوں میں کچھ اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔''

جداگانہ تشخص

قائداعظم محمد علی جناح نے 2 مارچ 1941 کو پنجاب سٹوڈنٹس یونین کے خطبہ صدارت میں فرمایا:

''یہ کہنا کہ ہندوستان ہندوؤں کی مملکت ہے، قطعاً حماقت ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان بھی کسی زمانے میں ہندو تھے، ہندو لیڈر یہ اور ایسے ہی دوسرے احمقانہ دلائل پیش کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ فرض کرو ایک انگریز جو انگلستان میں رہتا ہے اور مسلمان ہو جاتا ہے کبھی پاکستان کا مطالبہ نہیں کرتا۔ کیا آپ کے پاس دیکھنے کو آنکھیں اور سمجھنے کو دماغ نہیں کہ اگر انگلستان میں ایک انگریز اپنا مذہب تبدیل کرتا ہے تو اس کے باوجود اپنے سماج کا ممبر رہتا ہے اور پہلے کی طرح اپنی تہذیب، نظام معاشرت اور ثقافت سے تعلق رکھتا ہے۔''

اس کے برعکس کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ جب ایک ہندو اسلام اختیار کرتا ہے۔ چاہے یہ واقعہ ایک ہزار سال پہلے پیش آیا ہو اور ایک ہندو نہیں بلکہ اکثر و بیشتر بہت سے ہندو جو مسلمان بن گئے۔ ہندوؤں کے نزدیک وہ ملیچھ ٹھہرے۔ معاشرے سے خارج کیے گئے اور ہندوؤں نے ان لوگوں سے کسی قسم کا دینی اور تمدنی واسطہ نہ رکھا۔ چنانچہ تبدیل مذہب کے ساتھ ہی ان مسلمانوں نے ہندوؤں سے ایک جداگانہ دنیا میں رہنا شروع کیا اور ایک ایسے دینی، تمدنی، معاشرتی نظام کے پابند ہو گئے جو ہندوؤں سے مختلف تھا بلکہ اہل ہندو اور اہل اسلام کے نظام میں ہمیشہ تصادم رہا۔ مذہب اور معاشرت سب کے لحاظ سے یہ اختلاف ہزار سال سے چلا آتا ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ اب ان حقائق کا مقابلہ اس بیوقوفانہ دعوے سے کیا جائے کہ محض مذہب کی تبدیلی کو مطالبہ پاکستان کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا آپ بنیادی اختلاف کو کیوں نہیں دیکھتے۔ میں اس کا دعویٰ کرتا ہوں کہ کوئی دیانتدار آدمی اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا کہ مسلمان ہند ہندوؤں سے قطعی طور پر ایک جداگانہ قوم ہے، اور وہ اپنے اس تشخص پر اصرار کرتے ہیں۔''

جداگانہ قوم

(دیکھیے: پہلا ہندو)

جداگانہ موقف

جداگانہ انتخابات کے مسئلے پر دونوں ''قوموں'' اور ان کی نمائندہ سیاسی جماعتوں کا موقف اپنی جگہ قائم رہا۔ کانگریس کا موقف یہ تھا کہ وہ دونوں قوموں کی نمائندہ ہے جب کہ مسلم لیگ اس سے انکار اور مسلمانوں کی قومی نمائندگی کا اعلان کر رہی تھی۔ کانگریس کے راہنماؤں نے مسمانوں کو یہ یقین دہانی کرانے کی کوشش کی کہ ہندوستان کی آزادی سے تمام مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ وہ مسلمانوں کی جداگانہ قومی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ہندوستانی

ہونے کے ناتے سے مسلمان اور ہندو ایک ہی قوم یا بلا تفریق ملت ہندوستانی قومیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہندوستان کی آزادی کی صورت میں ہندوؤں، اور مسلمانوں کو یکساں فائدہ پہنچے گا۔ کانگریس کے اس پر چار میں اس کے ہمنوا نیشنلسٹ مسلمان بھی ساتھ شامل تھے۔ کانگریس، اور نیشنلسٹ مسلمانوں کے موقف کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ہوسکتا ہے:

نہرو نے آل انڈیا کنونشن 1937ء کے خطبہ صدارت میں کہا:

◆ ۱ ''ایسے لوگ ابھی تک موجود ہیں جو ہندوستان کا ذکر اس طور پر کرتے ہیں گویا دو قوموں کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ جدید دنیا میں اس دقیانوسی خیال کی گنجائش نہیں۔ آج جماعتوں، اور ملتوں کی بنیاد اقتصادی فوائد پر رکھی جاتی ہے''۔

نہرو نے اپنی خودنوشت میں ایک مقام پر لکھا:

◆ ۲ ''سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ مسلم قومیت کا تخیل بالکل لغو معلوم ہوتا ہے، اور معاشی نقطہ نظر سے یہ اس سے بھی زیادہ مہمل ہے۔ اسے بمشکل ہی قابل توجہ سمجھا جاسکتا ہے۔ مسلم قومیت کا ذکر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں سرے سے کوئی قوم موجود ہی نہیں۔ بس مذہبی اخوت کا رشتہ ہی ایک چیز ہے۔ اس لیے جدید مفہوم میں کوئی ایسی قومیت نشو و نما نہیں پا سکے گی''۔

مولانا حسین احمد مدنی نے کہا:

◆ ۳ ''اس زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں''۔

1938ء میں مولانا حسین احمد مدنی نے ایک فتویٰ شائع کیا جس کے الفاظ ہیں:

◆ ۴ ''ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب شامل ہوں، حاصل کرنے کے لیے سب کو متفقہ کوشش کرنی چاہیے۔ ایسی مشترکہ آزادی اسلام کے اصولوں کے عین مطابق ہے، اور اسلام اس کی اجازت دیتا ہے''۔

گاندھی نے کہا:

◆ ۵ ''اگر مذہب کو اس حال پر رہنے دیا جائے کہ یہ بندے، اور خدا کے درمیان ایک ذاتی، اور نجی نوعیت کا تعلق ہے تو پھر ہندوؤں، اور مسلمانوں کے لیے ایک سے زیادہ وجوہات اشتراک نکل آئیں گی، جو انہیں مجبور کریں گی کہ یہ مل جل کر زندگی بسر کریں، اور ان کی ''راہ عمل بھی مشترک ہو''۔

(ہندوستان ٹائمز 9 جون 1940ء)

گاندھی نے ''ینگ انڈیا'' کی 16 اکتوبر 1921ء کی اشاعت میں لکھا:

◆ ۶ ''عملی زندگی میں ہم دونوں (یعنی ہندوؤں، اور مسلمانوں) کو جداگانہ قوموں میں تقسیم کرنا ناممکن ہے۔ یہ دو مختلف قومیں نہیں ہیں۔ ہر مسلمان اگر اپنے خاندان کی تاریخ میں دور تک پیچھے جائے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ اس کا اصل نام ہندو نام ہے۔ ہر مسلمان دراصل ہندو ہی ہے جس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ایسا کرنے سے کوئی جداگانہ قومیت تو پیدا نہیں ہوتی۔''

جداگانہ موقف پر علامہ اقبال نے مولانا حسین احمد مدنی کی تقریر کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

۱ ''مسلمان ہونے کی حیثیت سے انگریز کی غلامی کو توڑنا اور اس کے اقتدار کو ختم کرنا ہمارا فرض ہے، لیکن آزادی سے ہمارا مقصد صرف یہ نہیں کہ ہم آزاد ہو جائیں بلکہ ہمارا اولین مقصد یہ ہے کہ اسلام قائم رہے اور مسلمان طاقتور بن جائے۔ اس لیے میں

ایسی حکومت کے حق میں رائے نہیں دے سکتا جس کی بنیادیں انہی اصولوں پر ہوں جن پر انگریزی حکومت قائم ہے۔ ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل کو قائم کرنا چہ معنی دارد۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کلیۃً نہیں تو ایک بڑی حد تک دارالاسلام بن جائے، لیکن اگر آزادی ہند کا یہ نتیجہ ہو جیسا کہ دارالکفر ہے ویسا ہی رہے یا اس سے بھی بدترین ہو جائے تو مسلمان ایسی آزادی وطن پر ہزار مرتبہ لعنت بھیجتا ہے۔ میں ایسی آزادی کی راہ میں لکھنا، بولنا، روپیہ صرف کرنا، لاٹھیاں کھانا، جیل جانا، گولی کا نشانہ بننا سب کچھ حرام، اور قطعی حرام سمجھتا ہوں"۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 1939ء میں ہندوؤں کے عزائم کی ان الفاظ میں نشان دہی کی تھی:

۲ ''مملکت برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتی ہے، اور گاندھی جی مسلم ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم دونوں کو اپنے اوپر حکومت نہیں کرنے دیں گے خواہ دونوں متحد ہو کر یا تنہا کوشش کر دیکھیں"۔

قائداعظم محمد علی جناح نے نومبر 1940ء میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن دہلی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

۳ ''کانگریس، اور ہندو ایک ایسا سمجھوتا چاہتے ہیں جس کی بناء پر سارے ہندوستان کا اقتدار انہیں مل جائے۔ دوسری طرف مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ انہیں آزادی، اور ہندوستان کی آئندہ حکومت میں مساوی حصہ ملے۔ ہندوؤں کو چاہیے کہ وہ ہندو راج کے خواب دیکھنا چھوڑ دیں، اور ہندوستان کو مسلم ہندوستان (پاکستان) اور ہندو ہندوستان میں تقسیم کرنے پر راضی ہو جائیں"۔

ایک، اور موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے کانگریس کے تحفظات کے فریب کا پردہ ان الفاظ میں چاک کیا:

۴ ''شاستری صاحب ایک تازہ تقریر میں فرماتے ہیں،

''ہمیں چاہیے کہ مسلمانوں کو وہ تمام تحفظات دے دیں جو قومی مفاد کے مطابق ہوں۔ کس کے قومی مفاد کے مطابق؟ ہندو کے یا مسلمان کے؟ اس پر آپ جتنا غور کریں گے اس میں ہندو راقتدار کے منصوبے مضمر پائیں گے۔ خواتین وحضرات! اس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان نہ صرف اقلیت بلکہ اپنی اکثریت کے علاقوں میں بھی ہندو راج کے تحت رہیں، اور ان کے احکام بجا لائیں۔"

ہندوؤں کے طرز عمل کا ایک ہی جواب ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کو نہایت تیزی کے ساتھ منظم کیا جائے۔ علامہ شبلی نعمانی نے لکھا تھا کہ مسلمان اسلام سے ہیں۔ اس لیے انہیں مسلم قومیت کی بجائے اسلام (ملت) کے نام سے پکارا جائے، پھر دیکھو اس کی بیداری کا عالم کیا ہوتا ہے۔

علامہ اقبال نے جو حکیم الامت کی حیثیت سے ملت اسلامیہ کے سامنے آئے تھے، قائداعظم محمد علی جناح پر زور دیا کہ وہ مسلمانوں کو دین کی خاطر جمع کریں۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے علیحدہ، اور آزاد اسلامی ریاست پر زور دیا، اور مذہب وسیاست کی ہم آہنگی کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح نے جب مختلف مکاتب فکر کے دھارے کو ایک ہی سمت بہتے دیکھا تو انہوں نے اپنے سیاسی نظریات بدل ڈالے، اور سیاسی تحریک کا نصب العین دو قومی نظریے پر مبنی ریاست کی تشکیل قرار دے دیا۔ یہ سب امور اسی تصور کی ترویج کرتے ہیں، جو جنوبی ایشیا یا ہندوستان کو دو واضح ریاستوں (مسلم، اور ہندو یا ملت اسلامیہ وملت کفار) میں تقسیم کرنے کی بات پیش کرتا ہے، مگر اس سے اب بھی نظریہ پاکستان بطور تصوری

پورے طور پر واضح نہیں ہوتا، البتہ یہ تصور اس کی ایک بنیاد ضرور ٹھہرتا ہے، چنانچہ ابھی مزید تجزیے، اور مطالعے کی ضرورت ہے۔ ہمیں دوملی اور دوقومی نظریات کو بطور اساس قبول بھی کرنا ہے، اور ایک خاص علاقے میں مسلم اکثریتی ملک پاکستان کی حدود کو بھی دیکھنا ہے۔

(پاکستان ایک نظریہ یا تحریک، از ڈاکٹر عطش درانی مطبوعہ مکتبہ عالیہ لاہور)

جداگانہ نظام حیات

یکم جولائی 1942ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ایسوی ایٹڈ پریس امریکہ کو بیان میں کہا:

''ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں۔ زبان و ادب، فنون لطیفہ، فن تعمیر، نام و نصاب، قانون واخلاق، شعور و اقدار و تناسب، رسم و رواج، تاریخ و روایات اور رجحان و مقاصد ہر ایک لحاظ سے ہمارا اپنا انفرادی زاویہ نگاہ اور فلسفہ حیات ہے۔ بین الاقوامی قانون کی ہر تعریف ہماری قومیت کو تسلیم کرتی ہے۔''

جدوجہد تا دمِ آخر

ابوالحسن اصفہانی اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں:

''قائداعظم سخت محنت کرتے تھے، اور انہوں نے اپنے آپ کو ایک بے وقت موت کی جانب دھکیل دیا۔ جب وہ کام میں مشغول ہوتے تھے تو بھوک تک کی پرواہ نہ کرتے تھے، اور نہ ہی اس کا خیال کرتے تھے کہ کچھ لوگ جنہیں ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا ہے، ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ بے انتہا انہماک سے کام کرتے تھے، اور دوسروں سے بھی یہی توقع رکھتے تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے:

''وقت بہت تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔''

''فروری 1948ء میں گورنر جنرل ہاؤس منتقل ہونے کے تھوڑے ہی عرصے بعد جو چیز ان کی خرابی صحت کا باعث بن گئی، وہ پریشانی اور سخت محنت کا، بالخصوص 1946ء اور 1947ء کے درمیان میں زبردست بوجھ تھا۔ جولائی 1948ء میں انہوں نے اسٹیٹ بنک کا افتتاح کیا تو وہ بہت دبلے پتلے اور بیمار نظر آرہے تھے۔ اس روز سے ان کی صحت مسلسل بگڑتی چلی گئی۔ اگرچہ ان کی صحت تیزی سے رو بہ انحطاط تھی، تاہم ان کا جذبۂ پیکار کبھی اتنی بلندیوں کو نہ پہنچا تھا۔ انگریزوں اور ہندوؤں کے گٹھ جوڑ نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ پاکستان ایسی شرائط پر دینا منظور کیا جائے کہ اس نئی ریاست کو یہ موقع ہی نہ ملے کہ وہ اپنے آپ کو ایک خودمختار حیثیت سے مستحکم کر سکے۔ اس طرح کے حالات کے دباؤ سے وہ ہندوستان کے ساتھ الحاق پر مجبور ہو جاتے۔

مسٹر نہرو نے لیونارڈ موسلے سے گفتگو کے دوران میں کہا تھا:

''سچ یہ ہے کہ ہم لوگ تھک چکے ہیں، اور پھر ہم سن رسیدہ بھی ہوتے جارہے ہیں۔ تقسیم کے منصوبے نے ایک راہ کھول دی، اور ہم نے اسے اختیار کر لیا، لیکن اگر گاندھی ہمیں ایسا کرنے سے منع کرتے تو ہم لڑتے رہتے اور انتظار کرتے رہتے، مگر ہم نے منظور کر لیا، ہمیں یہ توقع تھی کہ تقسیم عارضی ہوگی، اور پاکستان لازمی طور پر ہماری طرف واپس لوٹ آئے گا۔''

مہاجرین کے مسئلے کے پہلو بہ پہلو اقتصادی بدحالی اور تنگدستی کی وہ دھمکی بھی تھی، جس کا ہندوستان کی حکومت کی طرف سے پاکستان کو سامنا کرنا پڑا۔

قائداعظم کی پاکستان کی عمارت ہر پہلو بالخصوص اس کے کمزور پہلوؤں پر تھی۔ وہ پاکستان کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لیے بے چین تھے۔ خواہ اس کی خاطر انہیں اپنی جان کی قربانی بھی کرنی پڑے۔ انہوں نے شمال مغربی سرحدی صوبے اور بلوچستان کے دور دراز کے سفر کیے، اور قبائلیوں سے براہ راست رابطہ قائم کیا۔ وہ اس وقت تک ایک جاذب نظر فیصلہ کر چکے تھے، جو سرحدی علاقوں کے لوگوں کو بہت پسند آیا تھا، انگریز شورش پسند قبائلیوں کو قابو میں رکھنے کے لیے سرحدی علاقوں میں مسلح فوجیں رکھا کرتے تھے۔ قائداعظم نے ان علاقوں میں سے فوجیں واپس بلانے کا حکم دیا اور قبائلیوں سے کہا:

''انگریز چلے گئے اور اب یہ تمہارا اپنا ملک اور ریاست ہے۔''

قائداعظم کو قبائلیوں پر جو اعتماد تھا، وہ بالکل صحیح ثابت ہوا۔ انہیں اب فطری طور پر یہ احساس ہو گیا کہ پاکستان کی سالمیت اور آزادی کو برقرار رکھنا اب ان کی ذمہ داری ہے۔ انہیں اس کے شہری ہونے پر فخر محسوس ہونے لگا۔

بعض غیر صحت مند اثرات اور رجحانات کے ظہور سے مشرقی پاکستان میں ایک کسی قدر پریشان صورتحال پیدا ہو گئی تھی۔ ہندوؤں اور ہندو دوست لوگوں کا یہ پروپیگنڈہ کہ مشرقی بنگال سے بے التفاتی برتی جا رہی ہے، اور ایک تنہا قومی زبان کی حیثیت سے اردو اس پر زبردستی نافذ کی جائے گی، خطرناک امکانات کا حامل تھا۔ اس لیے سفر کے خطرات سے بے خوف ہو کر قائداعظم نے مشرقی پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیا تا کہ اس صوبے میں حالات کو درست کیا جا سکے، جسے سرحد پار سے اس زمانے میں ناپاک منصوبوں کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ شروع کے دنوں میں پاکستان کے دونوں بازوؤں کے درمیان ہوائی جہاز کا سفر نہ تو اتنا تیز تھا جتنا کہ آج کل، اور نہ اتنا آرام دہ، قائداعظم نے ایک پرانے ڈکوٹا جہاز میں سفر کیا جس کی ڈھاکہ تک تھکا دینے والی پرواز میں دس گھنٹے سے زیادہ لگے۔ وہ اپنے دل کی گہرائیوں تک سچے جمہوریت پسند واقع ہوئے تھے، اور عوام پر ان کے اعتماد کی کوئی حد نہ تھی۔ انہوں نے بڑے بڑے مجمعوں سے خطاب کیا، اور ریڈیو پر بھی تقریریں کیں، اور ان کے الفاظ نے مشرقی پاکستان کے لوگوں کے دلوں کے تاروں کو چھیڑا، انہوں نے ان سے کہا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا ہے۔ انہوں نے ان کے بہت سے مسائل پر بحث کی جن کا مشرقی پاکستان کو سامنا تھا اور یہ بتایا کہ ان پر قابو کس طرح پایا جا سکتا ہے۔ وہ مشتعل جذبات کو ٹھنڈا کرنے اور لوگوں کی توجہ تعمیری مساعی اور قومی تعمیر کے کاموں کی طرف منعطف کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کے لوگوں میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ پاکستان کے مستقبل میں اس کا ایک باعزت مقام تھا۔

قائداعظم نے 26 مارچ 1948ء کو چٹاگانگ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''جب آپ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کو معاشرتی عدل و انصاف اور اسلامی نظام معاشرت کی، جس میں انسانی مساوات اور اخوت پر زور دیا گیا ہے۔ مضبوط بنیادوں پر قائم کرنا چاہیے تو آپ محض میرے جذبات اور کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کر

رہے ہیں۔ ترقی کی ان غایتوں کے بارے میں پاکستان میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ ہم نے پاکستان کا مطالبہ کیا، ہم نے اس کے لیے جدوجہد کی، اور ہم نے اسے حاصل کیا تو محض اس لیے کہ ہم اپنے معاملات کو اپنی روایات اور افتادِ طبع کے مطابق سرانجام دے سکیں، جسمانی اور روحانی طور پر آزاد ہو سکیں، اور انسانی ترقی، معاشرتی عدل و انصاف، مساوات اور اخوت کے ان عظیم الشان تصورات کی حقیقت کو سمجھ سکیں، جو ایک طرف تو پاکستان کی تخلیق کے بنیادی اسباب میں، اور دوسری طرف ہماری ریاست میں ایک مثالی معاشرتی نظام کی نشوونما کے لامحدود امکانات مہیا کرتے ہیں۔''

جب ان کی صحت کی خرابی نے خطرناک صورت اختیار کر لی تو قائداعظم ایک عوامی فریضہ ادا کرنے کے لیے ڈاکٹروں کے مشورے کے خلاف زیارت سے کراچی آئے ان کے نزدیک اپنے فرائض کی ادائیگی ہمیشہ صحت یا آرام و آسائش پر مقدم تھی۔ انہیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ اپنی مالی اور اقتصادی حکمت عملی کے لیے پاکستان ریزرو بنک آف انڈیا بھروسہ نہیں کر سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ اپنے انتقال سے پہلے پاکستان کو مالی اور اقتصادی آزادی کے راستے پر گامزن ہوتا دیکھ لیں، چنانچہ ان کے حکم سے اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے قیام کا منصوبہ بہت ضرورت سے پہلے ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ یکم جولائی 1948ء کو اسٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا:

''یہ بنک مالی معاملات میں ہماری خودمختاری کی علامت ہے۔''

انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا:

''مغرب کے اقتصادی نظام نے انسانیت کے لیے بعض ناقابل حل مسائل پیدا کر دیے ہیں۔''

اور ان کے نزدیک پاکستان کے عوام کو خوش اور قانع بنانے کے لیے مغربی نظریے اور طرزِ عمل کو اختیار کرنا مفید طلب نہ ہوگا۔

انہوں نے ایک زیادہ منصفانہ اقتصادی نظام کے ارتقاء پر زور دیتے ہوئے کہا:

''ہمیں اپنی قسمت اپنے ہی طور طریقے کے بنانی چاہیے، اور دنیا کے سامنے ایک ایسا نظامِ معاشرت پیش کرنا چاہیے، جو اسلام کے انسانی مساوات اور معاشرتی انصاف کے سچے تصور پر مبنی ہو۔''

جس زمانے میں قائداعظم زیارت میں خطرناک طور پر بیماری اور کمزوری کی حالت میں صاحبِ فراش تھے، تو اس وقت بھی وہ اپنے سرکاری کام میں مصروف رہتے تھے۔ مجھے وہ گفتگو ابھی تک یاد ہے جو میرے کراچی سے زیارت آنے پر ایک روز صبح کے وقت ہوئی تھی۔ جب میں نے ان پر زور دیا کہ وہ فائلوں اور حکومت کے روزمرہ کے کاموں کی فکر نہ کریں بلکہ کھل کر آرام کریں، بقول ان کے معالج کرنل الٰہی بخش کے آرام صحت کی بحالی کے لیے بہت ضروری تھا، تو انہوں نے میری بات نہ سنی، میں نے لجاجت سے یہ کہا:

''ہماری نوزائیدہ خودمختار ریاست کے لیے آپ کی جان ہر چیز سے زیادہ اہم ہے، اور یہ کہ ہماری زندگی کے اس نازک مرحلے پر آپ کی جدائی ہم سے ایک بڑا اور خوفناک المیہ ہوگا۔''

اس پر وہ مسکرائے اور کہنے لگے:
''بیٹا، تقسیم کے فوراً بعد اور 1948ء کے شروع تک ایک وقت ایسا ضرور آیا تھا کہ جب مجھے یہ فکر لاحق تھی کہ آیا پاکستان ان بہت سے غیر متوقع صدموں سے جانبر ہو سکے گا۔ جو ہندوستان سے ہماری جدائی کے ذرا بھی دیر بعد ہمیں ان کے ہاتھوں پہنچے تھے لیکن ہم نے انہیں برداشت کر لیا، اور آئندہ کبھی کوئی چیز ہمیں اتنا پریشان نہ کرے گی۔ مجھے اب کوئی خوف نہیں رہا۔ آدمی آتے رہیں گے اور جاتے رہیں گے لیکن پاکستان صحیح طور پر مضبوطی سے قائم ہو چکا ہے اور اللہ کے فضل وکرم سے ہمیشہ باقی رہے گا۔''
یہ تھا ان کا ایمان اور عقیدہ اس وطن پر جسے اللہ کی مدد سے انہوں نے بنایا تھا، اور ہر پاکستانی کا اپنے وطن کے مقدر کے بارے میں یہی ایمان اور عقیدہ ہونا چاہئے۔ قائداعظم چار چار آنے کے منی آڈرز تک کی رسیدوں پر دستخط کرنے میں بڑی احتیاط برتتے تھے۔ یہ وہ رقمیں ہوتی تھیں، جو ہندوستان کے وہ غریب مسلمان چندے کے طور پر بھیجتے تھے، جنہیں ان سے محبت تھی، اور جو ان کی قیادت پر ایمان رکھتے تھے۔ اپنے قیمتی وقت اور قوت کو اس طرح صرف کرنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ہر چندہ دینے والا یہ فخر محسوس کرے کہ اس نے کچھ مدد کی ہے، خواہ وہ کتنی تھوڑی ہی کیوں نہ ہو، اور اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے لیڈر نے بذاتِ خود اس کی رسید لکھی ہے۔ علاوہ ازیں اس سے ان کے کردار کا ایک اور خاصہ بھی نمایاں ہوتا ہے، جو ان کی طبیعت میں بہت راسخ تھا۔ وہ چھوٹی سی جزئیات کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ اس خصوصیت کا انہوں نے کئی طریقوں سے اور کئی موقعوں پر اظہار کرے۔ میں صرف دو مثالوں کا ذکر کروں گا۔ جو ان کے پاکستان کے گورنر جنرل بننے کے بعد میں جیسا کہ ہر شخص جانتا ہے، 14 اگست 1947ء کو، یعنی جس روز پاکستان بنا ہماری حکومت کے نظم ونسق میں سخت گڑبڑ پیدا ہو گئی تھی۔ نئی دہلی نے پاکستانی عملے اور ہمارے سامان اور روپیہ پیسے کے حصے کو ضرورت سے زیادہ دیر تک روکے رکھا۔ ہمیں کاغذ سے لے کر ڈیسک تک، آدمی اور روپیہ کی ضرورت تھی، اس زمانے میں اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ان دستاویزات پر استعمال کرنے کے لیے جن کی حکومت کی جانب سے تصدیق کی جاتی ہے، مہریں بنوائی جائیں اور ہمارے ملک کے ایک ایسے سرکاری نشان (کورٹ آف آفر) کا نمونہ بنایا جائے، جو برطانوی اور ہندوستانی نشان ہی سے مختلف ہو، میری واشنگٹن سے واپسی پر قائداعظم نے مجھ سے کہا کہ میں نمونے تیار کراؤں اور ان کی پسند کے لیے جلدی سے ان کے پاس بھیج دوں۔ میں نے تعمیل حکم کی میں وہ نمونے مع ان ملاحظات کے جو انہوں نے اپنے دستخط کے ساتھ لکھے تھے نقل کرتا ہوں اس سے معلوم ہوگا کہ ذرا ذرا سی جزوی باتوں میں بھی وہ کس قدر محتاط تھے۔ چھوٹی سے چھوٹی جزئیات کی طرف وہ ذاتی طور پر توجہ کرتے تھے۔
میں نے یہ تجویز کی کہ وہ ایک نئی کار خرید لیں۔ یعنی ''کیڈیلاک'' کیونکہ انگریز جو کاریں پیچھے چھوڑ گئے تھے وہ کوڑے کباڑ کے ڈھیر کے قابل تھیں، انہوں نے یہ تجویز مان لی۔ انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ کرنے میں اتنا شوق تھا کہ انہوں نے کار کا رنگ خود پسند کیا اور مجھے یہ اجازت نہ دی کہ میں ان

کے لیے ایک سیاہ رنگ کی کار بھیج دوں، کیونکہ عموماً یہی رنگ ریاستوں کے سربراہ اور معزز پسند کرتے ہیں۔

اپنے 17 اکتوبر 1947ء کے خط میں انہوں نے لکھا:

''جہاں تک رنگ کا تعلق ہے، میں یہ پسند کروں گا کہ وہ اس نمونے کے مطابق ہو جو میں اس خط کے ساتھ ملفوف کر رہا ہوں۔''

خواجہ ناظم الدین آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن تھے، اور دہلی میں مجلس عاملہ کے ایک اجلاس میں شرکت کرتے وقت اچانک بیمار ہو گئے تھے، اور انہیں فوراً ہسپتال لے جانا پڑا تھا اس موقع پر ہمیں یہ خیال ہوا کہ قائداعظم سنگدل اور انسانی جذبات سے عاری ہیں، لیکن بعض مواقع ایسے بھی ہوئے، جن سے ان کے ردعمل سے اس تاثر کی تردید ہوتی تھی۔ میں ایسے ایک واقعہ کا جو ان کی بیش قیمت زندگی کے آخری ایام میں پیش آیا تھا۔ ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

جب ان سے زیارت میں ملاقات کے بعد جہاں وہ بیماری کی حالت میں پڑے تھے۔ میں واشنگٹن واپس آیا تو میں نے ایک سے زائد مرتبہ ان کی خیریت دریافت کرنے کی غرض سے انہیں یہ خط لکھا۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ مجھے ان کی صحت کے بارے میں اتنا ہی زیادہ خیال تھا جتنا ان کے خاندان کے کسی فرد کو۔ انہیں میری محبت، عقیدت اور احترام کا علم تھا اور مجھے یہ بھی یقین تھا کہ وہ یہ بھی بخوبی جانتے ہیں کہ وہ روز بروز کمزور ہوتے جا رہے ہیں، اور ان کا سفر زندگی تیزی سے اپنے خاتمے کے قریب آ رہا ہے، لیکن پھر بھی وہ مجھے افسردہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس سے ان کے کردار کی ایک ایسی شرافت اور انسانی ہمدردی ظاہر ہوتی ہے جو عموماً دیکھنے میں نہیں آتی۔

میں نے 17 اگست 1948ء کو انہیں حسب ذیل خط لکھا۔

''مائی ڈیئر قائداعظم!

اگر میں نے آپ کی صحت کے بارے میں وزارت کا وہ بیان نہ پڑھا ہوتا جو دو روز پیشتر شائع کیا گیا تھا تو میں آپ کو یہ خط لکھ کر پریشان نہ کرتا۔ بیان میں بتایا گیا ہے کہ آپ کا ارادہ اس ہفتے کے آخر تک کراچی واپس آنے کا ہے۔ یہ خبر بہت پریشان کن ہے۔

میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ ستمبر کے ختم سے پہلے کراچی واپس نہ جائیں۔ اگر زیارت میں آپ کو سردی زیادہ محسوس ہوتی ہے تو آپ کوئٹہ جا سکتے ہیں۔ بہرحال، آپ کو مکمل آرام کرنا چاہئے اور کام، ملاقاتوں اور ہر قسم کے تفکر سے دور رہنا چاہئے۔ خواہ اس کے فوری یا طویل المدت نتائج کچھ بھی ہوں۔ آپ کے لیے آرام کرنا اور جب تک آپ وہ طاقت جو آپ نے زیادہ تھکن اور کام کی زیادتی کی وجہ سے کھو دی ہے۔ دوبارہ حاصل نہ کر لیں ستانا ضروری ہے۔

میں آپ کو بتانے سے کبھی نہ تھکوں گا کہ آپ نے جس ریاست کو بنایا ہے۔ اس کے لیے یہ کتنا ضروری ہے کہ آپ آئندہ بہت سالوں تک اس کے صدر اور سربراہ رہیں۔ آپ اس کے بیش بہا گوہر ہیں۔ آج سہ پہر کو تار کے ذریعے مجھے بہ صیغہ راز یہ اطلاع پا کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ کی صحت اب بہتر ہے۔ تھوڑے سے اور آرام و سکون سے آپ ایسے تندرست اور طاقتور ہو جائیں گے، جیسا کہ آپ کو ہونا چاہئے، خدا تعالیٰ آپ کو برکت دے اور آپ کو زندہ

قائداعظم محمد علی جناحؒ۔1910ء

سلامت رکھے۔ آمین

آپ کا بہت مخلص حسن''

اور انہوں نے یکم ستمبر کو یہ جواب لکھا:

''گورنر جنرل ہاؤس

کراچی

کوئٹہ کیمپ

یکم ستمبر 1948ء

مائی ڈیئر حسن!

آپ کے خط کا بہت بہت شکریہ۔ حسن، آپ نے میری صحت کے بارے میں فکرمندی ظاہر کی ہے ابھی میری کراچی کی واپسی کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہوئی ہے اور آپ اس خیال سے متفکر نہ ہوں کہ میں اپنی واپسی میں تعجیل کرنے کی کروں گا۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر مجھے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔ آپ کی توجہ اور خیال کا بے حد شکریہ۔ فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

بنام ہز ایکسی لینسی میرزا ابوالحسن اصفہانی

سفیر پاکستان متعینہ امریکہ

32343 اسٹریٹ نورتھ ویسٹ

واشنگٹن ڈی سی

ان خطوں میں جو انہوں نے کبھی مجھے لکھے تھے، یہ سب سے مختصر تھا، یہ مجھے 13 ستمبر کو ان کے انتقال سے دو روز بعد ملا۔ ان کے دستخط سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ قائداعظم کی طاقت کم ہوتی جارہی تھی، اور قوتِ حیات بہ عجلت رخصت ہورہی تھی۔

اس سے پہلے جب میں ان سے زیارت میں رخصت ہوا تو میں نے قائداعظم کو ایسی جذباتی کیفیت میں دیکھا جو شاذ و نادر ہی نظر آئی تھی، حالانکہ انہیں ایک سخت دل اور سرد مہر آدمی سمجھا جاتا تھا۔ میں نے پہلی دفعہ ان کے آنسو دیکھے، جو ان کے نحیف و لاغر رخساروں پر بہہ کر نیچے گرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ ان کی آنکھوں کی گہرائیوں میں دیکھے جاسکتے تھے۔ مجھے کراچی واپس جانا تھا، اور کراچی سے اپنی جگہ پر واشنگٹن ہوائی جہاز سے پہنچنا تھا۔ میں نے انہیں آخری بار اس حالت میں دیکھا کہ جب میں ان کے سونے کے کمرے کے دروازے سے نکل رہا تھا تو وہ ہاتھ ہلا کر مجھے خدا حافظ کہہ رہے تھے۔ زینے کے اوپر برآمدے میں مجھے مس جناح ملیں۔ وہ خاموشی سے رو رہی تھیں اور فرطِ جذبات سے میں بھی پرسکون و خاموش نہ رہ سکا۔ میں زینے سے نیچے اترا اپنا سوٹ کیس اٹھایا، کیونکہ میں قائداعظم کے مکان پر ہی ٹھہرا ہوا تھا۔ مس جناح کو خدا حافظ کہا اور بوجھل دل سے کوئٹہ روانہ ہوگیا۔

اگرچہ میں نے یہ معلوم کرنے کی بہت کوشش کی کہ درحقیقت میرے رہنما کو کیا شکایت تھی، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ ڈاکٹر الٰہی بخش جو سینئر نگران ڈاکٹر تھے۔ مجھے بتانا نہیں چاہتے تھے۔ مجھے تپ دق کا شبہ نہ ہوتا تھا۔ اگرچہ وہ ان موذی مرض کا شکار ہو جانے کے لیے موزوں معلوم ہوتے تھے۔ میرا خیال تھا کہ ان کی بیماری محض تھکن کی وجہ سے تھی۔ جس کا سبب ان کی محدود قوتِ جسمانی پر برسوں کا مسلسل بوجھ، لامتناہی انکار، ناکافی غذا کھانا اور یقینی بے خوابی تھی، تاہم میری زیارت سے روانگی سے پہلے یہ طے ہوا تھا کہ اگر امریکہ کے کسی ماہر خصوصی (اسپیشلسٹ) کی مدد کی

ضرورت ہوئی تو مجھے بروقت اطلاع دے دی جائے گی، اور ایسے وقت نہیں کہ جب موقع ہاتھ سے نکل جائے۔

بلاوا میری واشنگٹن میں واپسی کے بعد آیا، لیکن مدد کی درخواست آنے کے بیس گھنٹے کے اندر ہی کراچی سے یہ خبر آئی کہ ہمارے استاد، ہمارے عظیم رہنما، برصغیر کے دس کروڑ مسلمانوں کے سالارِ اعلیٰ رحلت کر گئے۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

(روزنامہ ایکسپریس، اشاعت: 11 ستمبر 2013ء)

جرمنی

ہندوستانی لیڈر گوکھلے کی چھٹی برسی 19 فروری 1921ء کو بمبئی میں منائی گئی اور اس سے خطاب کے دوران قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''گاندھی جی نے ہمارے نوجوانوں اور طالب علموں کو اسکولوں اور کالجوں کا بائیکاٹ کرنے کی دعوت دی ہے لیکن انہوں نے یہ کبھی نہ سوچا کہ بائیکاٹ کے بعد کیا ہوگا۔ گاندھی نے کہا کہ پہیہ روک لو اور خود کو ہندی تعلیم کے لیے وقف کر دو۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حقیقتاً یہ سیاسی تحریک نہیں ہے کسی ملک کے لیے سب سے بڑی اہم چیز عوام کو منظم کر کے حکومت کو اس کی کارکردگی سے روکنے کی جدوجہد کرنا ہوتا ہے۔ جرمنی میں جنگ سے قبل چالیس سال تک عوام کو منظم کیا جاتا رہا اور ہندوستان کی قوت ہی کیا ہے۔''

جرنلسٹس ایسوسی ایشن (الٰہ آباد)

الٰہ آباد کے صحافیوں کی انجمن 5 اپریل 1942 اس نے قائداعظم محمد علی جناح کو چائے کی دعوت دی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے دعوت میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''میں تسلیم کرتا ہوں کہ آج ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان عظیم اختلافات ہیں، لیکن اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ میرے دل میں بڑی ہندو جماعت یا کسی اور جماعت کے خلاف بداندیشی کا خفیف ترین جذبہ بھی نہیں۔

جہاں تک پریس کا تعلق ہے مجھے یہ اعتراف کرنے میں تامل نہیں کہ جرائد نے میرے ساتھ منصفانہ اور فرخدلانہ سلوک کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پارٹی کے اخباروں کو یہ آزادی ہے کہ وہ مختلف اختلافی مسئلوں پر بحث جاری رکھیں۔ میں پریس کے جذبہ خیر سگالی کی تعریف کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میرے اور پریس کے درمیان دوستانہ تعلقات رہیں گے، اور وہ ہر ایک اچھے مقصد کے لیے تعاون کریں جس کے لیے جدوجہد جاری ہے ہر ایک اختلافی مسئلہ کو تجزیہ اور تحقیق سے ہی اس کی اصل صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے میں اس اجتماع میں بھی ہندو مسلم پارٹی اور عیسائی اخبارنویسوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج مجھ پر اعتراضات ہوتے ہیں۔ بعض حلقوں میں منافرت انگیزی کا الزام لگایا جاتا ہے، مجھے کامل یقین ہے کہ وہ دن آئے گا کہ جب نہ صرف مسلمان بلکہ بڑی ہندو جماعت بھی مجھے دعا دے گی (خواہ یہ وقت میری زندگی میں نہ آئے۔) آج ہمارے درمیان اختلافات ہیں، لیکن میں ایک مثال توضیح کے لیے پیش کرتا ہوں۔ پہلا شخص جو چھتری لے کر سڑک پر نکلا اس کو ہدف تنقید بنایا گیا اور لوگ اس پر ٹوٹ پڑے اس وجہ سے کہ انہوں نے اس سے پہلے چھتری نہیں دیکھی تھی میں چھتری لے کر نکلا ہوں آپ مجھے

ہدف تنقید بنا سکتے ہیں لیکن ایک وقت آئے گا جب آپ نہ صرف چھتری کی حقیقت سمجھ جائیں گے بلکہ خود بھی اس کے استعمال سے فائدہ اٹھائیں گے۔
تاریخ میں ایسے اشخاص کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں جو نئے راستوں پر گامزن ہوئے اور لوگوں نے انہیں ہدف تنقید بنایا اور ان سے مذاق کیا گیا۔ ان کو بالجبر دبایا گیا ان کے خیالات کی غلط ترجمانی کی گئی۔ ان کے ساتھ نفرت و حقارت کا سلوک کیا گیا۔ ڈسرائیلی ان لوگوں میں شامل تھا جس نے ٹرف اور تحفظ کی چھتری لے کر کام کرنا شروع کیا تو اسے پارلیمنٹ سے نکل جانا پڑا اور وہ اکیلا رہ گیا، لیکن اس کا بیٹا اس کا جانشین بنا جس نے پارلیمنٹ کے متفقہ ووٹ سے تحفظ اور ٹرف کی وہی پالیسی اختیار کی۔
مجھے امید ہے کہ یہ مقصد میری زندگی میں حاصل ہو جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہوسکا تو میں کوئی فرزند نہیں رکھتا جو میرا جانشین ہوتا ہم سے جو شخص بھی اس مقصد کو حاصل کرے گا، جس کے لیے میں جدوجہد کر رہا ہوں وہ دیکھے گا کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔''

جعفر خان جمالی، میر

میر جعفر خان جمالی کی پہلی ملاقات قائداعظم محمد علی جناح سے 1939ء میں مدراس میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسے میں ہوئی پھر وہ 1940ء میں لاہور میں 1941ء میں کراچی میں 1942ء میں الٰہ آباد میں 1943ء میں دہلی اور جالندھر میں 1945ء میں کوئٹہ اور 1946ء میں دہلی میں مسلم لیگ کے سالانہ جلسوں میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملے۔
میر جعفر خان جمالی کا شمار بلوچستان کے جمالی قبیلے کے با اثر افراد میں ہوتا ہے۔ پریوی کونسل میں قائداعظم محمد علی جناح نے جائیداد کے سلسلے میں ان کا مقدمہ لڑنے پر بھی آمادگی ظاہر کر دی تھی، لیکن جب وہ لندن گئے تو حکومت کے حق میں فیصلہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے بلوچستان میں استصواب رائے کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ تحریک پاکستان میں انہوں نے بے پناہ خدمات انجام دیں۔ قائداعظم محمد علی جناح سے خط و کتابت بھی رہی۔ 7 اپریل 1967ء کو ان کا انتقال ہوا۔

جعلی خط

روزنامہ نوائے وقت اپنی اشاعت 13 مئی 1945ء میں لکھتا ہے:

''اخبارات میں مسٹر جناح کا ایک فرضی خط شائع ہوا۔ کہا گیا کہ یہ خط جولائی 1944ء میں سری نگر سے مسٹر ایمری کو لکھا۔ مسٹر جناح اور مسٹر ایمری میں بعض اہم سیاسی امور کے متعلق خط و کتابت جاری تھی کہ انہیں مسٹر گاندھی کی طرف سے ملاقات کی دعوت موصول ہوئی۔ جناح صاحب نے مسٹر ایمری کو لکھا کہ میرا سیاسی ضابطہ اخلاق بہت سخت ہے، اور عام حالات میں شاید مسٹر گاندھی سے ملنا پسند نہ کرتا، کیونکہ ابھی میرے اور آپ کے مابین خط و کتابت جاری ہے، لیکن مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر میں نے مسٹر گاندھی سے ملنے سے انکار کیا تو ہندو پریس نہ صرف مجھے گالیاں دے گا، بلکہ مسلمانوں کے مقصد اور نصب العین کو بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے گی۔''

مسٹر جناح نے خود اس فرضی خط کی قلعی کھول دی ہے۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا ہے:

''میں نے مسٹر ایمری کو ایسا کوئی خط نہیں لکھا، ہمارے ہندو معاصرین نے تصدیق و تردید کا انتظار کیے بغیر اس خط پر حاشیہ آرائی کی ہے کہ عقل دنگ رہ گئی ہے۔

ہمارے یہ معاصر دور کی کوڑی لائے کہ مسٹر جناح برطانوی سامراج کے ایجنٹ ہیں۔ وہ مسٹر ایمری سے ساز باز کر رہے ہیں۔ ایک لال بجھکو نے تو یہ بھی لکھ مارا کہ جناح صاحب مسٹر ایمری کی سی آئی ڈی میں شامل ہیں۔ جب تک اس کا پتہ نہ چل جاتا کہ یہ خط واقعی مسٹر جناح کا ہے یا کسی نامہ نگار نے اپنی دماغی اپج کا ثبوت دیا ہے۔ ہم اس موضوع پر خامہ فرسائی کے حق میں نہ تھے، اور اب مسٹر جناح کی تردید کے بعد تو یہ قصہ ختم ہی ہو جانا چاہیے تھا، مگر ان محترم ہندو معاصرین کی اس عجیب وغریب منطق نے ہمیں مجبور کر دیا ہے کہ اس مسئلہ پر کچھ عرض کرنے کی جسارت کریں۔

فرض کیجیے کہ مسٹر جناح نے واقعی اس مضمون کا خط مسٹر ایمری کو لکھا تو اس میں برائی کیا ہے؟ اس خط سے تو ان کے کریکٹر کی پاکیزگی اور بلندی ظاہر ہوتی، اور واقعی ان کے مخالفین بھی ان کی خوش معاملگی کی داد دینے پر مجبور ہو جاتے۔ ہمیں افسوس ہے۔ نواب زادہ ممدوٹ، راجہ غضنفر علی خان اور قاضی محمد عیسیٰ صاحبؒ ہندو اخبارات کے اس منطقی جال میں الجھ کر رہ گئے، اور انہوں نے بھی مسٹر جناح کو ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا، اور ان کی طرف سے صفائی کے وکیل کی حیثیت سے یہ بیان جاری فرمانا ضروری سمجھا کہ مسٹر جناح سے ''ایسی حرکت کا ارتکاب ناقابلِ یقین ہے۔'' اگر یہ خط حقیقی بھی ہوتا تو سوال یہ ہے کہ اس خط میں کون سی ایسی بات ہے جو مسٹر جناح کے شایانِ شان نہیں؟ مسٹر ایمری سے خط و کتابت کوئی گناہ نہیں۔ مسلمانوں کے لیڈر کی حیثیت سے مسٹر جناح نے بارہا وزیر ہند اور وائسرائے سے خط و کتابت کی ہے، اور شاید اب بھی کر رہے ہوں۔ مسٹر گاندھی نے مسٹر ایمری اور ان کے پیش رووں سے بارہا خط و کتابت کی، اور اس فرق کے ساتھ جہاں مسٹر جناح کی خط و کتابت خالص کاروباری ہے، وہاں مسٹر گاندھی اپنے ہر خط میں ہر وزیر ہند اور ہر وائسرائے کو اپنی حب انگلستان اور ذاتی نیازمندی کا یقین دلاتے رہے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ مسٹر جناح نے مسٹر ایمری کو گاندھی سے متوقع ملاقات کی اطلاع کیوں دی؟ یہی وہ نکتہ ہے جو مسٹر جناح کے کریکٹر کو ''مہاتما'' کے کریکٹر سے سو درجہ بلند کر دیتا ہے۔ مسٹر جناح ایک خوش معاملہ اور دیانت دار آدمی ہیں۔ وہ سمجھوتے کے موضوع پر وزیر ہند سے خط و کتابت فرما رہے ہیں۔ اس دوران میں مسٹر گاندھی انہیں سمجھوتے ہی کے لیے دعوت دیتے ہیں۔ مسٹر جناح خاموش رہتے، اور مسٹر ایمری کو یہ مبینہ خط نہ لکھتے تو عملاً پوزیشن میں کیا فرق پڑ جاتا؟ مسٹر گاندھی کی دعوت ملاقات کوئی پوشیدہ واقعہ تو نہ تھا، اور یقیناً مسٹر ایمری بھی ان کے اس نفسِ مضمون سے لاخبر تھے، لیکن مسٹر جناح کی ذاتی دیانت اور پاکیزگیٔ اخلاق نے گوارہ نہ کیا کہ وہ مسٹر ایمری کو اپنی طرف سے بھی اس کی اطلاع نہ دیں۔ بالکل اس زمانہ میں، بالکل انہی حالات میں مسٹر گاندھی کا بھی ایسا ہی ایک واقعہ ہے۔ انہوں نے مسٹر جناح کو ملاقات کے لیے خط لکھا، اس میں ہندو مسلم سمجھوتہ کے لیے ملنے کی آرزو کا اظہار تھا، مگر وائسرائے کو جو خط لکھا گیا اس میں ایک ایسے کانگریس انگریز سمجھوتہ کی راہ نکالنے کی کوشش کی گئی۔ جس میں مسلمانوں کو نظرانداز کرنا مقصود تھا۔ مسٹر گاندھی نے مسٹر جناح کو آخر وقت تک

اس کی اطلاع نہیں دی کہ ان سے آرزوئے صلح کے اظہار کے باوجود ان کی بربادی کے لیے اپنی تدبیروں میں حکومت کو معاون بنانے کے لیے وائسرائے سے خط و کتابت میں مصروف ہیں۔ مہاتمائیت، روحانیت، اہنسا اور ستیہ کا لاکھ احترام کیجیے، لیکن یہی طرزِ عمل کوئی عام انسان اختیار کرے تو اسے صریح بددیانتی اور دھوکہ بازی کے سوا اور کیا نام دیجیے گا؟ اور مسٹر جناح کے اخلاق کا یہ عالم ہے کہ وہ مسٹر گاندھی سے کوئی خفیہ سودا کرنے نہیں جا رہے۔ ان کی متوقع ملاقات بھی صیغۂ راز میں نہیں۔ وہ مسٹر گاندھی سے کوئی خفیہ خط وکتابت نہیں کر رہے، مگر بہ ایں ہمہ ان کی شرافت نے یہ گوارہ نہ کیا کہ مسٹر ایمری کو مسٹر گاندھی کے خط کی اطلاع نہ دیں۔ مسٹر جناح کے بدترین نکتہ چین بھی غور فرمائیں کہ ان کے اس طرزِ عمل میں کون سی بات قابلِ اعتراض یا معیوب ہوتی؟ اب تو یہ سارا قصہ بھی غلط نکلا۔ اگر فی الواقعہ مسٹر جناح نے مسٹر ایمری کو کوئی ایسا خط لکھا بھی ہوتا تو اس پر ہندو پریس کا غم وغصہ بالکل بے جا ہوتا۔''

(روزنامہ نوائے وقت، اشاعت: 13 مئی 1945ء)

اب روزنامہ نوائے وقت قائداعظم محمد علی جناح کے جعلی خط کے حوالے سے اپنی اشاعت 17 مئی 1945ء کو لکھتا ہے:

''بمبئی کے اخبار ''ماتر بھومی'' نے ایک جعلی اور فرضی خط شائع کر کے اسے مسٹر جناح کی طرف منسوب کر دیا۔ مسٹر جناح نے واضح الفاظ میں اس خط کو جعلی قرار دیا۔ مسٹر ایمری کی طرف سے انڈیا آفس کے افسر نے بھی رائٹر کو یہ بتایا کہ یہ خط جعلی ہے، اور مسٹر جناح نے مسٹر ایمری کو اس مضمون کا کوئی خط نہیں لکھا۔ ان واضح بیانات کے بعد یہ قصہ یہیں ختم ہو جانا چاہیے تھا، اور ان ہندو اخبارات کو جنہوں نے اس جعلی خط کی بناء پر مسٹر جناح پر سب وشتم کی بوچھاڑ کی تھی، بالعموم اور ماتر بھومی کو بالخصوص مسٹر جناح سے معافی مانگ کر اس معاملہ کو ختم کر دینا چاہیے تھا، مگر صحافتی اخلاق و دیانت کے اس مظاہرہ کی بجائے اکثر ہنود اخبارات نے تو ان تردیدی بیانات کو اپنے کالموں میں جگہ ہی نہ دی، اور جنہوں نے مسٹر جناح اور وزیر ہند کے دفتر کے افسر کا یہ بیان شائع کیا ہے، انہوں نے بھی دوبارہ یہ لکھا ہے کہ ماتر بھومی کا شائع کردہ خط جعلی نہیں حقیقی ہے، اور بشرطِ ضرورت اس کا فوٹو شائع کیا جا سکتا ہے۔

فوٹو شائع کرنا کوئی بڑی بات نہیں، اور کوئی جعلی خط محض اس کا فوٹو شائع کر دینے سے اصلی نہیں بن سکتا۔ جس شخص نے یہ جعلی خط بنا کر ماتر بھومی کے ہاتھ بیچا، اس نے یقیناً مسٹر جناح کے خط لکھنے کا پیڈ استعمال کیا ہوگا، اور ان کے جعلی دستخط بھی بنائے ہوں گے۔ مسٹر راجگوپال اچاریہ نے بالکل درست فرمایا ہے۔ جب تک اخبارات کے مدیر چرائے ہوئے خطوں کی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں گے، اہلِ غرض جعلی خط بنا کر انہیں اصلی خطوں کے طور پر بیچتے رہیں گے۔ اس سے قبل پچھلے سال بمبئی کے گجراتی اخبار جنم بھومی نے مسٹر گاندھی کے اسٹاف کے ایک آدمی کو رشوت دے کر گاندھی جناح خط وکتابت کی نقل حاصل کر لی، اور اسے چھاپ دیا۔ پچھلے دنوں بمبئی ہی کے ایک ہفتہ وار اخبار بلٹز نے اپنی طرف سے یہ اعلان کیا کہ ہر اس شخص کو جو کوئی اہم دستاویز، خط یا سرکاری راز بلٹز کے ہاتھ بیچ سکتا ہے، معقول قیمت دی جائے گی، اس اعلان کی بنا

پر اس اخبار کے بعد میں معافی مانگ لینے کے باوجود ضمانت طلب کی گئی۔ اس قسم کی ترغیبات وتحریص صحافت کے اصولوں کے منافی ہے، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ بعض جعل ساز اپنی طرف سے اہم سیاسی لیڈروں کے جعلی خطوط یا دستاویزات بنالیں گے، اور انہیں اخباروں کے دفتروں میں بیچ آئیں گے۔ ماتر بھومی کے مدیر کو بھی کسی ایسے ہی جعل ساز نے احمق بنایا، اور اگر اب ماتر بھومی جعلی خط یا خطوط کے فوٹو شائع کرے گا تو اپنی حماقت کا خود ڈھنڈورا پیٹے گا، کیونکہ خط کا فوٹو شائع ہو جانے کے بعد ایک معمولی ماہر دستخط بھی بتادے گا کہ یہ خط مسٹر جناح کا نہیں بلکہ جعلی ہے۔''

(روزنامہ نوائے وقت، اشاعت: 17 مئی 1945ء)

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

روزنامہ نوائے وقت اپنی اشاعت 18 مئی 1945ء میں اس جعلی خط کے حوالے سے مزید لکھتا ہے:

''ماتر بھومی نے شرافت کا ثبوت دیا، اور مسٹر جناح اور مسٹر ایمری دونوں سے ان جعلی خطوط کی اشاعت کے لیے معافی مانگ لی، جنہیں بنیاد بنا کر بعض ہندو اخبار ہفتہ وار مسٹر جناح کو کوستے رہے ہیں۔ ماتر بھومی کے مدیر نے اب اس بات کا اعتراف کرلیا ہے کہ وہ جعلی خطوط تھے۔ انہوں نے یہ نہیں بتلایا کہ اس جعل سازی کے لیے کون ذمہ دار تھا؟ لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ کسی حاجت مند نے ایڈیٹر کو بے وقوف بنایا، اور جعلی خط بیچ کر ٹکے کھرے کرلیے۔ خیر یہ قصہ اب ختم ہوا۔ مسٹر جناح نے تردید کردی، مسٹر ایمری نے تردید کردی، اور ماتر بھومی کے مدیر نے معافی مانگ لی، مگر بعض ہندو اخبارات نے اس سلسلہ میں جو روش اختیار کی وہ بے حد معیوب ہے۔ اس صفحہ پر آپ کو ایک مقامی ہندو معاصر کا ایک اقتباس نظر آئے گا۔ جس میں مسٹر جناح اور مسٹر ایمری کی تردید کے باوجود اس اخبار کے فاضل ایڈیٹر نے اس پر اصرار کیا ہے کہ چونکہ ماتر بھومی نے مسٹر ایمری کے خط کا عکس شائع کردیا ہے۔ اس لیے کوئی اسے نہیں جھٹلا سکتا۔ اس اخبار نے گاندھی جناح خط وکتابت کی اشاعت کا بھی تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ماتر بھومی نے یہ خط وکتابت بھی شائع کی تھی، اور مسٹر جناح کے دفتر کے کسی آدمی نے مسٹر جناح کے فائل سے اس خط وکتابت کی نقل چرا کر مدیر ماتر بھومی کے ہاتھ بیچ ڈالی۔ اس اخبار کے ایڈیٹر صاحب سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کیے بغیر کوئی مضمون نہیں لکھتے، مگر افسوس کہ ان کا حافظہ ان کی ساری محنت پر پانی پھیر دیتا ہے، اور جس طرح انہیں یہ بات یاد نہیں رہی کہ فراعنہ کا تعلق مصر سے تھا یا ایران سے اسی طرح انہیں یا تو اس بات کا پتہ ہی نہیں یا انہیں یاد نہیں رہا کہ جس اخبار نے گاندھی جناح خط وکتابت شائع کی تھی، وہ ماتر بھومی نہیں بلکہ جنم بھومی تھا، اور گاندھی جناح خط وکتابت بیچنے والا مسٹر جناح کے اسٹاف کا ممبر نہیں تھا، بلکہ مہاتما جی کے آشرم نواسیوں میں ایک صاحب نے یہ کارنامہ سرانجام دیا تھا۔''

(روزنامہ نوائے وقت، اشاعت 18 مئی 1945ء)

اس صحافت کی داد دیجیے

روزنامہ نوائے وقت اپنی اشاعت 19 مئی 1945ء میں لکھتا ہے:

''یہ جعلی خط کا قصہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔ قائداعظم نے تردید کردی۔ مسٹر ایمری نے تردید کردی، اور ماتر بھومی کے ایڈیٹر نے معافی مانگ لی۔ اس کے بعد معاملہ ختم ہو جانا چاہیے تھا، مگر بعض ہندو اخبارات ابھی تک ''میں نہ مانوں'' کی رٹ لگائے جا رہے ہیں۔

لاہور سے ہندوؤں کے روزانہ چار اخبار شائع ہوتے ہیں، ان چاروں اخباروں نے اپنے کالموں میں مسٹر جناح کے مبینہ خط (جواب جعلی ثابت ہو چکا ہے) پر تبصرہ کیا ہے، اور مسٹر جناح کو ٹوڈی، وطن دشمن، ایمری کا ایجنٹ اور سامراجیوں کا سی آئی ڈی تک کہا، مگر آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ جب جعلی خط چھاپنے والے اخبار ماتر بھومی کے ایڈیٹر نے معافی مانگ لی تو اس کی معافی کی خبر ''پرتاپ، ویر بھارت، پربھات'' کسی اخبار میں بھی شائع نہیں ہوئی۔ صرف روزنامہ ملاپ میں ماتر بھومی کا یہ معافی نامہ شائع ہوا ہے، اور وہ بھی چند سطروں میں ایک نہایت غیر اہم جگہ پر۔ کیا اپنے قارئین کو اس طرح دھوکے میں رکھنا صحافت ہے؟ لطف یہ ہے کہ ''پربھات'' نے آج بھی اپنے ادارتی صفحہ پر اس موضوع پر تین جگہ مختلف عنوانات سے خامہ فرسائی کی ہے۔''

(روزنامہ نوائے وقت، اشاعت 19 مئی 1945ء)

ماتر بھومی کا معافی نامہ

اب ملاحظہ کیجیے، اس سلسلے میں روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 20 مئی 1945ء میں کیا لکھتا ہے۔

''بمبئی کے اخبار ''ماتر بھومی'' نے پہلے مسٹر جناح کا ایک مفروضہ خط وزیر ہند کے نام شائع کیا۔ جس پر مسٹر جناح نے اعلان کیا کہ انہوں نے کوئی ایسا خط نہیں لکھا، اس کے بعد ''ماتر بھومی'' نے دوبارہ لکھا کہ ہم ان خطوط کے عکس شائع کریں گے۔ اس دوران میں انڈیا آفس کے ایک افسر نے بھی اعلان کر دیا کہ مسٹر جناح اور وزیر ہند کے درمیان ایسی کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی۔

آج ''ماتر بھومی'' کے ایڈیٹر کی طرف سے ایک معافی نامہ شائع ہوا ہے، جس میں لکھا ہے کہ اب ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ یہ خط و کتابت بالکل جعلی تھی، اور ہم وزیر ہند اور مسٹر جناح دونوں سے معافی مانگتے ہیں۔

یہ ہندوؤں کی اخبار نویسی ہے؟ ہمیں تو بالکل امید نہ تھی کہ ''ماتر بھومی'' کا ایڈیٹر اس جعل کے انکشاف پر اظہار پشیمانی کرے گا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وزیر ہند اور حکومت ہند کی طرف سے قانونی کارروائی کی دھمکی دی گئی ہے، اور اس کا معافی نامہ حقیقت میں جناح کے لیے نہیں بلکہ وزیر ہند کے لیے ہے۔ بہرحال ''ماتر بھومی'' کی اس ذلت سے اخباری جعل سازی کو عبرت ہونی چاہیے، اور ہمارے نزدیک تو حکومت کا فرض ہے کہ ماتر بھومی کے ایڈیٹر سے ان چٹھیوں کے ماخذ کا پتہ چلائے۔ یہ چٹھیاں کس نے بنائیں؟ ماتر بھومی نے اس کو کس طرح اور کس معاوضے پر حاصل کیا؟ اخبار نے تو مسٹر جناح اور وزیر ہند سے معافی مانگ لی۔ اس کے خلاف اب غالباً کوئی قانون کی کارروائی نہیں کی جائے گی، لیکن اصل جعل ساز کا پتہ ضرور چلانا چاہیے، کیونکہ وہ تعزیراتِ ہند کے تحت مجرم ہے، اور پولیس کا فرض ہے کہ اس کا سراغ لگائے۔ جب تک اس شخص کو خواہ وہ کوئی باہر کا آدمی ہو یا ''ماتر بھومی'' کے عملے کا رکن ہو۔ عبرت انگیز سزا نہ دی جائے گی، جعل سازوں کا سدِ باب نہ ہو سکے

گا۔ بمبئی کے تمام اخباروں کو چاہیے کہ اپنے صوبے کی حکومت سے اس معاملے کی تفتیش کا مطالبہ کریں۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت: 20 مئی 1945ء)

ماتر بھومی کی معافی

ہفت روزہ پاکستان لاہور نے اپنی اشاعت 21 مئی 1945ء کو اس خط کے حوالے سے لکھا:

''بمبئی کے ایک اخبار ''ماتر بھومی'' نے قائداعظم مسٹر جناح اور مسٹر ایمری وزیر ہند کی ایک خط و کتابت شائع کی تھی، جس میں قائداعظم مسٹر جناح کے خطوط سے ظاہر کیا گیا تھا کہ آپ گاندھی جی کی دعوت صلح کو ایک سیاسی ہتھکنڈہ اور اپنے لیے جال سمجھتے ہیں، اور اس سلسلہ میں آپ نے وزیر ہند کو وقتاً فوقتاً حالات سے مطلع کرنے کا وعدہ بھی کیا۔

اس فرضی خط و کتابت کا شائع ہونا تھا کہ ہندو اخبارات نے آسمان سر پر اٹھا لیا، اور گاندھی جی کی نیند حرام ہو گئی۔ اگرچہ ان خطوط میں کوئی نئی بات نہیں تھی، اور نہ اخلاقی طور پر یہ کوئی جرم تھا، بلکہ قائداعظم کے اعلیٰ سیاسی کریکٹر کی ایک مثال تھی کہ کسی فریق کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتے تھے۔

بہرحال پہلے تو اس اخبار نے ذرا ڈھیٹ پن سے کام لیا، لندن سے انڈیا آفس نے بھی اس کی تردید کی، پھر بھی یار لوگوں نے اسے چال اور جھوٹ ہی سمجھا، مگر آخر کار ایڈیٹر صاحب ''ماتر بھومی'' نے اس تمام خط و کتابت کا جعلی ہونا تسلیم کر لیا اور کہا کہ اس کی حیثیت ایک افسانہ سے زیادہ نہیں۔ آپ نے قائداعظم اور مسٹر ایمری سے معافی مانگ لی۔

ہم ایڈیٹر ''ماتر بھومی'' کو اس پر مبارکباد دیتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس سلسلہ میں گمراہ کیا گیا، اور دھوکہ دیا گیا۔ ایسے موقع پر جب سان فرانسسکو میں بالخصوص اور تمام یورپ میں بالعموم ہندوستان کا مسئلہ پیش ہے۔ اس فرضی خط و کتابت کے شائع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ دنیا پر مسٹر ایمری کے الفاظ میں یہ ظاہر کیا جائے کہ گاندھی جی کا رویہ مسٹر جناح سے دورانِ گفتگو میں صلح کن تھا، اور مسٹر جناح نے اپنی سخت گیر پالیسی سے صلح کا ایک نادر موقع کھو دیا۔

کچھ بھی ہو دنیا بہت جلد ہندو معیار صحافت سے آگاہ ہو گئی۔ ''ماتر بھومی'' کے کئی بھائی بند لاہور میں موجود ہیں۔ جو آئے دن ''اسپیشل سروس'' کے بم چھوڑتے ہیں۔ مطلب ان کی ''اسپیشل سروس'' کا یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں باہمی بداعتمادی پیدا کی جائے، ان لیڈروں کے خلاف عوام میں ہیجان پیدا کیا جائے، اور کسی طرح مسلم لیگ کو بدنام کیا جائے، مگر اب مسلمان اس قدر سادہ اور بے خبر نہیں کہ برادرانِ وطن کے ان ذلیل ہتھکنڈوں میں آ جائیں۔''

(ہفت روزہ پاکستان، اشاعت: 21 مئی 1945ء)

جگو، محمد صدیق

قائداعظم محمد علی جناح کے حجام محمد صدیق جگو تھے۔ کوئٹہ کے قیام کے دوران انہیں قائداعظم محمد علی جناح کی حجامت بنانے کا اعزاز حاصل رہا۔ قائداعظم محمد علی جناح شیو بناتے وقت چار تولیے استعمال کرتے تھے۔

محمد صدیق جگو کا انتقال 13 اگست 1986ء کو ہوا۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے شیو)

جلیانوالہ باغ

یہ باغ امرتسر میں واقع تھا جو بعد میں میدان رہ گیا تھا۔ یہاں برطانوی حکومت نے وحشیانہ بربریت کا اظہار کیا، اور نہتے انسانوں پر فائرنگ کر دی، جس سے سینکڑوں جانیں تلف ہوئیں اور کئی زخمی ہوئے۔

قائداعظم محمد علی جناح کو جلیانوالہ باغ کے حادثے اور سائمن کمیشن کی رپورٹ کی بنا پر انگریزوں سے سخت نفرت تھی۔ انہوں نے ایک بار ان دونوں کے بارے میں فرمایا تھا:

''جلیانوالہ باغ کا حادثہ ہماری جسمانی قربانی تھی اور سائمن کمیشن کا تقرر ہماری روح کی موت ہے۔''

1919ء میں رولٹ بل (بلا مقدمہ چلائے نظر بندی کے قانون) کے خلاف ہندوستان میں شدید ردعمل ہوا جس کے بعد پنجاب میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا اسی دوران تحریک آزادی کے رہنماؤں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ 13 اپریل 1919ء کو ان کی گرفتاریوں کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے جلیانوالہ باغ میں ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا۔ برطانوی جنرل ڈائر نے کسی انتباہ کے بغیر تنگ گزرگاہ کی جانب سے مشین گنوں کے دہانے کھول دیے۔ سینکڑوں شرکاء کے جلسہ جس میں ہر فرقے کے لوگ شامل تھے چند لمحوں میں لقمہ اجل بن گئے۔ اس واقعہ نے تحریک آزادی کو اور تقویت دی آزادی کے بعد یہاں ہلاک ہونے والوں کی یاد میں ایک مینار تعمیر کیا گیا۔

جماعت علی شاہ، پیر

قائداعظم محمد علی جناح پر 1943ء میں قاتلانہ حملہ ہوا تو حضرت پیر جماعت علی شاہ ان دنوں حیدر آباد دکن میں مقیم تھے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک خط لکھ کر ان کی خیریت دریافت کی۔ نیز قائداعظم محمد علی جناح کو چند تحائف بھی بھیجے۔ اس کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے شکریہ ادا کیا اور شعائر اسلامی کی پابندی کرنے کا عہد کیا۔

1944ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح سری نگر گئے تو قائداعظم محمد علی جناح سے قائد ملت چودھری غلام عباس کے ہمراہ ان سے ملاقات کی۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ نے قائداعظم محمد علی جناح کو پرتکلف دعوت دی اور دو پرچم (ایک سبز اور دوسرا سیاہ) اور نقد روپیہ ادا کیا۔ نیز پاکستان کی کامیابی کے لیے دعا بھی کی اور قائداعظم محمد علی جناح کو بڑے اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔

بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس 1946ء کی کامیابی پر قائداعظم محمد علی جناح نے بذریعہ تار انہیں مبارک باد دی۔

پیر جماعت علی شاہ علی پور سیداں میں پیدا ہوئے۔ قرآن پاک حافظ شہاب الدین کشمیری سے اور دیگر کتب مولانا عبدالرشید اور مولانا عبدالوہاب امرتسری سے پڑھیں۔ مولانا علامہ قادر بھیروی مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولانا محمد علی مونگیری کانپوری، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا قاری عبدالرحمن پانی پتی اور مولانا عبدالحق مہاجر مکی سے استفادہ کیا، اور حضرت خواجہ فقیر محمد چورہ شریف کے مرید ہوئے اور خلافت واجازت سے نوازے گئے۔ تبلیغ اسلام کے سلسلے میں بھی پیر جماعت علی شاہ نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ہزاروں عیسائیوں اور ہندوؤں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹے دعویٰ نبوت کی زبردست تردید کی۔ شاہی مسجد لاہور میں مرزا غلام احمد قادیانی کی موت کی پیش گوئی کی جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ مسجد شہید گنج لاہور کی تحریک میں حصہ لیا۔ ''امیر ملت'' کا خطاب پایا۔ تحریک پاکستان کے سلسلے میں بنارس سنی کانفرنس میں اپنے مریدوں سمیت شرکت کی۔ 1904ء میں انجمن خدام الصوفیہ کی بنیاد رکھی۔ اسی نام سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا۔ ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال بھی ان

کے معتقد تھے۔ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ نے 30 اگست 1951ء کو وفات پائی۔

جماعت علی شاہ، قائداعظم مراسلت

علی پور سیداں
سیالکوٹ
17 جولائی 1946ء

قائداعظم صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ!

گزشتہ ہفتے میں ایک پیغام عزم حج کی مبارکبادی پر بھیج چکا ہوں۔ اب دوسری مرتبہ آپ کو مسلم لیگ کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں کیونکہ مسلم لیگ کی کامیابی کا سہرا ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں میں سے خداوند کریم نے آپ ہی کو نصیب فرمایا اور باوجود پانچ گروہوں کی سخت مخالفت کے خدا تعالیٰ نے آپ ہی کو نصیب فرمایا، حالانکہ مخالفین کو ہر مرتبہ آپ کی مخالفت میں لاکھوں نہیں کروڑوں روپیہ صرف کر کے بھی روسیاہی اور ذلت نصیب ہوئی۔ انہوں نے کوشش کی کہ مسلمانوں کو آپ سے برگشتہ کر کے بقول کشمیریاں گاندھی کا بنا لیا جائے، مگر سوائے تین شخصوں کے اور کسی کو بھی گاندھی کا نہ بنا سکے۔

آفرین باد بریں ہمت مردانہ تو
ایں کار از تو آمد و مرداں چنیں کند

اس پیغام میں دوسری مبارک باد حضور نظام اور اہل حیدر آباد کو دیتا ہوں، جنہوں نے آپ کو سونے کے برابر وزن سے تول کر دس کروڑ مسلمانوں کی لاج رکھ لی، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک سونے سے وزن کرنے کی عزت سوائے آغا خان اور آپ کے کسی بادشاہ کو بھی کسی ملک میں نہیں ہوئی، کیونکہ خدا تعالیٰ نے آج کی ساری دنیا کے مسلمانوں سے برگزیدہ کر کے آپ کو یہ مرتبہ نصیب فرمایا ہے۔ اس لیے اب آپ کا فرض ہے کہ ان ہزار ہا اشغال کو چھوڑ کر اپنے وعدے کے مطابق اس بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر دربار شریف حضرت رسول اللہ ﷺ پر حاضر ہو کر اس کا شکریہ ادا کریں، اور فقیر کے پیغام کو معمولی نہ سمجھیں۔ عیدالفطر کے بعد ہوائی جہاز میں سوار ہو کر کراچی سے دوسرے دن مکہ پہنچ جائیں، اور پانچ دن میں مناسک حج ادا کر کے دو تین گھنٹے میں مدینہ طیبہ حاضر ہوں، وہاں ہفتہ عشرہ قیام فرما کر تیسرے دن کراچی واپس پہنچ جائیں۔ اس میں آپ کے کل تین دن کے قریب صرف ہوں گے جس وقت یہ نیاز نامہ پہنچے اُسی وقت اپنے عزم بالجزم سے بذریعہ تار علی پور سیداں قلعہ سوبھا سنگھ (تارگھر) کے پتے پر فقیر کو مطلع فرمائیں۔

برکریماں کارہا دشوار نیست
آپ کے ٹیلی گرام کا سخت انتظار رہے گا۔

الراقم
سید جماعت علی شاہ عفی اللہ عنہ

10۔ اورنگ زیب روڈ
دہلی
13 اگست 1946ء

ڈیئر سید جماعت علی شاہ!

17 جولائی کے خط کا بہت بہت شکریہ۔ آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں تیزی کے ساتھ جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں ان کی بنا پر میرے لیے اس وقت ہندوستان سے دور ہونا ممکن نہیں ہے۔

آپ کے شکریہ کے ساتھ
آپ کا مخلص
ایم اے جناح

میر جعفر خان جمالی

1967 - 1908

آپ روجھان ضلع نصیر آباد میں پیدا ہوئے۔ انگریزوں کے جبر و استبداد کے خلاف آواز بلند کی تو حکومت نے انہیں ان کی اراضی سے محروم کر دیا۔ قائد اعظمؒ نے ان کے مقدمے کی پیروی کی جس کی بدولت حکومت کو ان کی اراضی واپس کرنا پڑی۔ سندھ اور بلوچستان میں مسلم لیگ کی تنظیم سازی کیلئے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ اکتوبر 1938ء میں جیکب آباد میں قائد اعظم کے لئے عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا۔ بلوچستان کی پاکستان میں شمولیت کے معاملے پر انگریزوں کی سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور شاہی جرگہ کے اراکین اور اکابرین کو پاکستان میں شامل ہونے کے لئے قائل کیا۔ تحریک پاکستان کے اس مخلص کارکن نے کبھی اپنی سیاسی وفاداری تبدیل نہ کی۔

10۔اورنگ زیب روڈ

دہلی

6اگست 1947ء

ڈیئر بیر صاحب!

آپ کی نیک تمناؤں اور مبارکبادوں کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمان خوش ہیں کہ ہم نے آخر کار دو سو سال کی غلامی کے بعد خود اپنی پاکستان کی آزاد اور خودمختار مملکت بنا لی۔آپ نے ازراہ لطف مجھے شفتالوؤں کا جو پارسل ارسال کیا ہے میں اس کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

بہترین تمناؤں کے ساتھ

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

جمرود

یہ خیبر ایجنسی صوبہ سرحد (صوبہ خیبر پختون خواہ) کا ایک قصبہ ہے۔ 1936ء میں قائداعظم محمد علی جناح سب سے پہلے صوبہ سرحد کے دورے پر گئے تو انہوں نے 22 اکتوبر کو جمرود کا بھی دورہ کیا۔قیام پاکستان کے بعد وہ پھر 14 اپریل 1948ء کو جمرود کے دورے پر گئے۔قائداعظم محمد علی جناح کی کار جونہی جمرود کے قلعے کے نزدیک پہنچی تو فضا قائداعظم زندہ باد پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔قائداعظم محمد علی جناح کے ہمراہ صوبہ سرحد کے گورنر ایمبر وز ڈنڈاس، کرنل اے ایس بی شاہ، کرنل صاحبزادہ خورشید کھڑے تھے۔قائداعظم محمد علی جناح کی کار کی قائداعظم محمد علی جناح باہر آئے تو خاصہ داروں کے ایک دستے نے قائداعظم محمد علی جناح کو سلامی دی۔جس وقت آفریدی، شنواری، ملاگوری اور سلیمان قبائل کے پرچم فضا میں لہرا رہے تھے۔پولیٹیکل ایجنٹ خیبر کرنل بیکن نے بتایا:

''سرداروں کا قائد سے تعارف کرایا گیا۔قبائلی نمائندوں نے قائد کو چھ سالم دنبے مہمان نوازی کے طور پر دیے۔''

جمشید علی خان، نواب

آپ باغپت کے نواب تھے، قائداعظم محمد علی جناح دو مرتبہ باغپت تشریف لائے تو انہیں قائداعظم محمد علی جناح کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔جمشید علی خان 1894ء میں نواب راؤ خورشید علی خان کے ہاں باغپت میں پیدا ہوئے۔تکمیل تعلیم کے بعد انہوں نے میدانِ سیاست میں قدم رکھا۔ 1920ء سے لے کر 1952ء تک یو پی لیجسلیٹو کونسل کے رکن رہے اور آخر میں حزب اختلاف کے لیڈر رہے۔1930ء میں گول میز کانفرنس منعقدہ لندن میں زمینداروں کی نمائندگی کی۔یو پی کی سیاست، سماجی اور تعلیمی زندگی میں انہیں اہم مقام حاصل تھا۔گاندھی ایک مرتبہ لارڈ لنلتھگو وائسرائے ہند تین مرتبہ قائداعظم محمد علی جناح دو مرتبہ اور دیگر زعما نواب صاحب کے ذاتی مہمان کی حیثیت سے باغپت آئے۔ 26 نومبر 1957ء کو 63 برس کی عمر میں انتقال کیا۔

جمشید نوشیرواں جی

1928ء میں قائداعظم محمد علی جناح کلکتہ کنونشن سے واپس آئے تو انہوں نے اپنے دوست جمشید نوشیرواں جی سے کہا:

''اب ہماری راہیں جدا جدا ہیں۔''

وہ 1904ء میں پیدا ہوئے۔ 1922 میں ٹاٹا سنز لمیٹڈ کے کاروبار میں شریک ہوئے 1929ء میں ہندوستان کے پہلے پائلٹ کی حیثیت سے تربیت حاصل کی۔ 1938ء میں ٹاٹا آئرن اینڈ سٹیل ملز کے چیئرمین مقرر ہوئے۔

جمعیت العلمائے کانفرنس

2 مارچ 1939ء کو نئی دہلی سے قائداعظم محمد علی جناح نے اعلان کیا:

''جمعیت العلماء کانفرنس (جو دہلی میں منعقد ہو رہی ہے) سے مسلم لیگ کا کوئی تعلق نہیں لہٰذا مسلم لیگ کا کوئی فرد دہلی میں ہونے والی اس کانفرنس میں شرکت نہ کرے کیونکہ اس جمعیت کی کارروائیاں نہ صرف مسلم لیگ کے مفاد کے خلاف ہیں بلکہ مسلم لیگ کو تباہ کرنے کی غرض سے اختیار کی جا رہی ہیں۔''

دراصل اس کانفرنس کے انعقاد میں دیوبندی علماء کی اکثریت شامل تھی جو نہ صرف قیامِ پاکستان کے مخالف تھے بلکہ اس کے نظریہ ہی کو نہیں مانتے تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا قاسم نانوتوی وغیرہ کا نظریہ تھا کہ قومیں، اوطان سے وجود میں آتی ہیں، ان کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے ہندوستان کے مسلمان، ہندی ہیں اور وہ الگ قوم یا ملت نہیں۔ اس کے برعکس علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ نسل، رنگ یا زمین سے قوم کے وجود میں آنے کا نظریہ اہلِ مغرب کا ہے۔ جبکہ مسلمان رسولِ ہاشمی ﷺ کے حوالہ سے ملت اسلامیہ قرار پاتے ہیں۔

انہوں نے فرمایا:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

دوسرا شعر:

ان کی جمعیت کا ہے قوم و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

تیسرا شعر:

دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بن گئی

اس سلسلہ میں علامہ کی فارسی رباعی بھی مشہور ہے جس میں انہوں نے حسین احمد مدنی کے نظریہ کا بُطلان کیا تھا۔ اب ان کے حواری تاریخ کو مسخ کر رہے ہیں۔

جمہور کی مسلم لیگ

درج ذیل اداریے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس 1924ء کے بارے میں لکھے گئے ہیں۔ جس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی تھی۔ ان اداریوں میں ان کی اعتدال پسندی کی تعریف کی گئی، اور ساتھ ہی مسلم لیگ کو عوامی جماعت بنانے پر زور دیا گیا۔

مسلم لیگ اجلاس لاہور، 1924ء

روزنامہ زمیندار لاہور اپنی اشاعت 23 مارچ 1924ء کی اشاعت میں اپنے اداریے میں لکھتا ہے:

''عالی جناب محمد علی جناح صدر مسلم لیگ مدتوں سے اس کوشش میں مصروف ہیں کہ مسلم لیگ کے قالب مردہ میں روح پھونکیں اور اس اسلامی انجمن کو خدمت مسلمین کے لیے تیار کر لیں، لیکن اب تک آپ کی کوششیں بارآور ثابت نہیں ہوئیں، ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ مسلم لیگ کے احیاء کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کے انتشار کو مٹانے، عامۃ المسلمین کو بیدار کرنے اور انہیں سیاسی تگ و دو میں برادرانِ وطن کے دوش بدوش چلانے کے لیے ایک ایسی جمعیت کی اشد ضرورت ہے، جو اپنے لائحہ عمل میں مسلمانانِ ہندوستان کی داخلی اصلاحات کو شامل کرے، اور انہیں بیدار کرنے میں کمربستہ ہو جائے، لیکن ہمیں

افسوس ہے کہ ہماری معروضات پر غور نہیں کیا محض اس کے احیاء کی ضرورت کا احساس ہی ہمارے معروضات کا کافی جواب نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ جماعت مسلمانوں کی نمائندگی کا حق ادا کر سکے۔ اس کی رکنیت کا شرف ہر بالغ و عاقل مسلمان کو حاصل ہو، اور اس کی شاخیں ہر گاؤں میں قائم ہو جائیں، تا کہ وہ کام جو برادرانِ وطن مدتیں گزریں انجام دے چکے ہیں، مسلمان بہت جلد اسے پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ جمعیت خلافت کے فرائض کچھ اور ہیں، اور اس جماعت سے ہر قسم کے کام و انصرام کی توقع رکھنا قرین دانش نہیں ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک ہی جماعت دنیا جہاں کے کام انجام دے سکے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم لیگ کو ایک نمائندہ جماعت بنایا جائے۔ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کی حقیقی صورت یہی ہے کہ اس کے دستور عمل میں نمایاں تبدیلی کی جائے، اور اسے آل انڈیا مسلم کانفرنس اور جمعیت خلافت کے دستور العمل کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا جائے، وہ دور گزر گیا جب ہر ایک صدا وکلاء اور امراء کی طرف سے بلند ہوتی تھی، اور ہر انجمن کا صدر دفتر ٹھنڈی سڑک سے اس پار کوٹھیوں میں نظر آتا تھا۔ اب جمہوریت کا دور ہے۔ جب تک جمہور کو اس جماعت میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ اس کی کامیابی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ مسلمانانِ پنجاب کے لیے یہ خبر موجب مسرت ہوگی کہ مسلم لیگ کا اجلاس مئی 1924ء میں مقامِ لاہور منعقد کیا جائے گا۔

سال ڈیڑھ سال سے جو انتشار و افتراق مسلمانوں میں نمایاں تھا، اس میں مسئلہ خلافت نے ایک زبردست اضافہ کر دیا ہے۔ اس وقت مسلم لیگ کے اجلاس کا انعقاد ایک زبردست اہمیت رکھتا ہے۔ مسلمانانِ ہند پنجاب کو چاہیئے کہ وہ بہت جلد مختلف اضلاع میں جلسے منعقد کر کے مسلم لیگ کی شاخیں قائم کریں۔ جن اضلاع میں شاخیں موجود ہیں۔ وہ دوسرے اضلاع میں شاخیں قائم کرنے میں مدد دیں تا کہ ایک نظام مرتب ہو سکے، اور مسلم لیگ کا اجلاس کامیاب ہو جائے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ مسلمانانِ پنجاب اپنے فرائض کو محسوس کریں گے، اور اس جلسہ کی اہمیت کو مدنظر رکھ کر ابھی سے مصروف عمل ہو جائیں گے۔“

مسلم لیگ لاہور میں (1)

ہفت روزہ پیسہ اخبار نے اپنی اشاعت 10 مئی 1924ء کو اداریہ میں تحریر کیا:

”آخر کار آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس 24، 25 ماہ حال کو لاہور میں حبیبہ ہال (اسلامیہ کالج) میں منعقد ہوگا۔ مسٹر جناح پریذیڈنٹ مع اپنی پارٹی کے 23 کی صبح کو ساڑھے آٹھ بجے بمبئی میل پر لاہور اسٹیشن پر پہنچ جائیں گے۔ وہاں مسلمانانِ لاہور بڑی تعداد میں ان کے جلسوں کے استقبال کے لیے جمع ہوں گے۔ گو بہت سے لوگوں کی خواہش تھی کہ پریذیڈنٹ کا شاندار جلوس شہر سے نکالا جائے لیکن کچھ تو طاعون کے چھیڑ چھاڑ اور کچھ موسم گرم ہو جانے کی وجہ سے جلسوں کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ استقبالی کمیٹی کے سپرنٹنڈنٹ پچھلے اتوار کے اجلاس میں آغا محمد صفدر خان صاحب وکیل بالاتفاق منتخب ہو گئے۔ استقبلی کمیٹی مہمانوں کو ٹھہرانے کے انتظام، قیام و طعام و اجلاس کے لیے سرتوڑ کوشش کر رہی ہے۔ جس کے سرگرم سیکرٹری سردار حبیب اللہ خان بیرسٹر ہیں۔“

لیگ کا مستقبل (2)

ہفت روزہ پیسہ اخبار نے اپنے اداریہ اشاعت 25 مئی 1924ء میں لکھا:

''یہ تو انعقاد اجلاس کے بعد معلوم ہوگا کہ لیگ کو پنجاب میں کس قدر کامیابی حاصل ہوئی ہے، لیکن جو آثار اس وقت نظر آ رہے ہیں، وہ ہر طرح سے امید افزا ہیں سردست لیگ کی استقبالی کمیٹی میں ہر رائے کے مسلمان اہل الرائے شریک ہیں۔ کارکنانِ موالات اور انتہاپسندوں سے لے کر معتدل رائے والوں تک سبھی مل جل کر کام کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ امید ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ اغلباً آئندہ اپنا مسکن لکھنؤ کے بجائے لاہور میں بنائے گی۔ گو اس بات کی کوئی ضمانت نظر نہیں آتی کہ لیگ لاہور آ کر بھی پہلے کی طرح مسلمانوں کی سرد مہری کا شکار نہ ہو جائے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ گو لیگ کا پریذیڈنٹ مسٹر جناح جیسا ریڈیکل لیڈر ہے، اور استقبالی کمیٹی کا پریذیڈنٹ آغا صفدر خان جیسا تارک موالات کانگریس میں سے چن لیا گیا، لیکن اپنے اہم مقصد میں لیگ پنجاب میں ایکسٹریمسٹ نہیں رہ سکتی۔''

آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس لاہور (3)

ہفت روزہ پیسہ اخبار نے اپنی اشاعت 29 مئی 1924ء میں درج ذیل اداریہ لکھا:

''دو سال پیشتر مسلم لیگ کا اجلاس لکھنؤ میں زیر صدارت مسٹر برگری مرحوم منعقد ہوا تھا، مگر بعض ٹیکنیکل وجوہات یعنی کورم میں کمی کے باعث وہ برخاست کرنا پڑا، لیکن چند سالوں میں مسلمانوں کی قومی راہ نمائی کے فقدان کی وجہ سے مسلم لیگ یا کسی اور ایسی ہی سیاسی انجمن کی سخت ضرورت لاحق ہوگئی تھی۔ بہت سے ہمدردانِ قوم نے اس ضرورت کو سختی سے محسوس کیا کہ مسلم لیگ کو اس مردہ حالت سے، جس میں وہ گزشتہ چند سالوں میں تحریکِ خلافت کی انتہاپسندوں کے باعث جا پڑی تھی۔ دوبارہ زندہ کیا جائے یا کوئی دوسری اس قسم کی تحریک جاری کی جائے تاکہ مسلمانوں کی قوم کا شیرازہ جو اس وقت بکھرا ہوا ہے، اور بوجہ راہ نمائی کے فقدان کے قوم پراگندگی کی حالت میں پڑی ہوئی ہے۔ اس شیرازے کو ازسرنو جوڑا جائے، اور قوم کے مختلف خیالات کے افراد کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے انہیں سب سے بہتر راستے پر چلایا جائے۔ یہ ضرورت جیسی کہ پنجاب میں محسوس ہو رہی ہے، ویسی ہی صوبہ جات متحدہ، بنگال اور بمبئی میں محسوس کی جاتی تھی، اس لیے بعض صاحبان نے لیگ کو جھنجھوڑا بھی مگر وہ بیدار نہ ہوئی۔ کلکتہ اور بمبئی میں ایک بڑی جماعت اعتدال پسند مسلمانوں کی اس بات پر آمادہ ہوگئی کہ ایک نئی تحریک مسلمانوں کی قومی راہ نمائی کے لیے کھڑی کی جائے، لیکن آخر سب سے پہلے لیگ کو نئی زندگی دینے اور اس میں تمام مختلف الخیال لوگوں کو جمع کرنے کی تجویز مستحسن سمجھی گئی اور اس کے مطابق سالانہ جلسہ لاہور میں 24، 25 مئی 1924ء زیر صدارت مسٹر محمد علی جناح بیرسٹر بمبئی منعقد کیا گیا۔ مسٹر موصوف مسلمانوں کے نامور اور قابل مدبر ہیں۔ تحریک خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کی انتہاپسندانہ کشش کے باوجود وہ اس گروپ میں پڑنے سے الگ اور اعتدال پسند رہے تھے۔ دوسری طرف یہ بھی خواہش تھی کہ لیڈرانِ خلافت و ترک موالات بھی اس میں

پوری جمعیت کے ساتھ شامل ہو جائیں، چنانچہ یہ لوگ بھی ملک کے تمام حصوں سے جمع ہو کر شریک ہوئے تھے۔ استقبالی کمیٹی میں تمام نامور اعتدال پسند اور خلافتی و تارکانِ موالات پہلو بہ پہلو شامل ہو چکے تھے۔ استقبالی کمیٹی نے اپنا صدر آغا صفدر خان وکیل ایسے نامور ترکِ موالات کو منتخب کیا تھا جو نہ صرف پنجاب خلافت کمیٹی کے سیکرٹری بلکہ صوبہ کی کانگریس کمیٹی کے بھی صدر رہ چکے تھے اور حال میں ہی جیل خانے سے واپس آئے تھے، بہر حال ہر خیال کے مسلمان لیگ کے اس اجلاس میں شریک تھے، اور مل جل کر قوم کی بہترین رہنمائی کے لیے نئے کام کرنے پر آمادہ تھے، چنانچہ لیگ کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ صدر استقبالی کمیٹی اور میر مجلس لیگ نے اپنے اپنے ایڈریس پڑھے جن سے گو آزادی کی جھلک نمایاں تھی، مگر باریش بابا بازی کا کوئی نشان موجود نہ تھا۔ صدر لیگ کا ایڈریس اسی اشاعت میں کسی دوسری جگہ درج ہے، اور لیگ کے رزولیشن نقل مع کارروائی کے خلاصہ کے بھی آج کی اشاعت میں موجود ہے۔ ان کے مطالعہ سے معزز ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ لیگ میں کیا کیا کارروائی ہوئی اور مسلمانانِ ہند کی مختلف سیاسی امور پر اس وقت کیا متفقہ رائے ہے۔

بہر حال لیگ کا اجلاس نہایت بارونق تھا، گو لاہور اور پنجاب کے اراکین کی تعداد بہت زیادہ تھی تاہم ہندوستان کے دوسرے تمام حلقوں سے بھی لیگ کے ارکان تشریف لائے تھے، اور بہ لحاظ تعداد اور مباحثات کی دلچسپی کے ایسا جلسہ تھا کہ لامحالہ اسے کامیاب کہنا پڑتا ہے، گو یہ دوسری بات ہے کہ مسلمان ان مباحثات اور اظہارِ خیالات کی وجہ سے اپنی حقیقی حالت میں ایک انچ بھی آگے نہ بڑھے ہوں، تاہم ان کی رائے ایک نقطہ پر جمع ہوتی نظر آ گئی تھی اور گورنمنٹ اور ہم عصر اقوام کو معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کے سیاسی خیالات مختلف مسائل حاضرہ کے متعلق کیا کیا ہیں۔ ہمارے خلافتی اور تارک موالات دوست بہ سرکردگی مولانا محمد علی اتنی معقول تعداد میں جمع ہو گئے تھے۔ تمام صوبوں کے کھدر پوش مسلم لیڈر موجود تھے، تاہم کثرت رائے اعتدال پسند گروہ کے حق میں رہی۔ خود تارک موالات و بیرون طریقہ خلافت مانتے تھے کہ ان کا گروہ انحطاط پذیر ہے۔ بہر حال مختلف گروہوں اور اختلافات کی موجودگی کسی قوم کے لیے موجب خیر و برکت ہو سکتی ہے، اگر اختلافات نیک نیتی اور مقصد کی بہتری کے لیے ہوں نہ کہ کسی بڑے دھڑے بندی، ضد اور انانیت پر مبنی ہوں۔''

جمہوریت

جمہوریت کے فروغ کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے قیام پاکستان سے پہلے اور بعد میں قوم کو کوئی ایسا موقع فراہم نہیں کیا جب انہوں نے جمہوریت کا استحصال کیا، حتیٰ کہ پاکستان کا قیام عمل میں آنے کے فوراً بعد یعنی 14 نومبر 1947ء کو مسلم لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا کیونکہ قائداعظم محمد علی جناح عملی طور پر مسلم لیگ کو حکومت سے علیحدہ رکھنے کے خواہاں تھے جس کا عملی مظاہرہ کر کے انہوں نے آئندہ کے حکمرانوں کے لیے ایک مثال قائم کر دی۔

ایک اور موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے 14 دسمبر 1946ء کو فرمایا:

''جب آپ جمہوریت کی باتیں کرتے ہیں تو مجھے شبہ

ہوتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال پہلے سیکھ لی تھی۔''

''جمہوریت مسلمان کی رگوں میں خون کی طرح رواں دواں ہے۔مسلمان انسانوں کی برابری کو اپنا مطمع نظر سمجھتا ہے میں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں، جب میں مسجد میں عبادت کے لیے جاتا ہوں تو میرا شوفر (ڈرائیور) میرے دوش بدوش کھڑا ہو کر خدا کے حضور سجدہ کرتا ہے۔''

14 فروری 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوہ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام نے ہمارے لیے بنایا ہے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔''

جمہوریت پسندی

1942ء میں قائداعظم محمد علی جناح بیمار پڑ گئے۔نواب بہادر یار جنگ، بمبئی سے آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔صوبائی مسلم لیگ کے دفتر میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ رابطہ قائم کیا اور ملنے کی خواہش ظاہر کی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں بتایا:

''ڈاکٹر نے مجھے ایک دو دن کے لیے ملاقات کے لیے منع کر رکھا ہے۔''

عثمان بھائی، رحیم بھائی سپاہی جو بمبئی میں معمولی بزنس مین تھے، اور پرائمری مسلم لیگ وارڈ نمبر 3 کے صدر بھی تھے قائداعظم محمد علی جناح بھی اس پرائمری مسلم لیگ کے رکن تھے۔انہوں نے نواب بہادر یار جنگ سے کہا:

''نواب صاحب! قائداعظم نے آپ کو تو وقت نہیں دیا، دیکھنا مجھے ملیں گے میں ابھی فون کرتا ہوں اور وہ مجھے فوراً بلا لیں گے۔''

نواب صاحب عثمان صاحب سے متفق نہیں ہوئے کہ قائداعظم مجھ سے ملاقات نہیں کرتے تو آپ کو کیسے وقت دیں گے۔

عثمان بھائی رحیم بھائی سپاہی نے فون ملایا اور کہا:

''عثمان بھائی رحیم بھائی سپاہی صدر پرائمری مسلم لیگ وارڈ نمبر 3 بول رہا ہوں۔میں پرائمری مسلم لیگ کے سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''فوراً آجاؤ۔''

قائداعظم محمد علی جناح کتنے جمہوریت پسند تھے کہ بیماری اور ڈاکٹر کی ہدایت کے باوجود اپنے صدر کو وقت دے دیا۔ دراصل قائداعظم پرائمری مسلم لیگ کے عہدیداروں کو ان کا مقام دیتے۔چنانچہ جب کبھی انہیں بمبئی میں پرائمری مسلم لیگ کے جلسہ عام میں شرکت کا موقع ملتا تو آپ پرائمری مسلم لیگ کے صدر کو کرسی صدارت پر بٹھاتے۔

جمہوری حق

ڈھاکہ میں مشرق بنگال کی نئی صوبائی حکومت قائم ہونے والی تھی۔حسین شہید سہروردی تقسیم کے وقت بنگال کے وزیراعلیٰ تھے۔اب ان کی جگہ خواجہ ناظم الدین نے لے لی۔

کلکتہ جو حسین شہید سہروردی کا قلعہ تھا۔بھارت کو ملا، خواجہ ناظم الدین ڈھاکہ سے تعلق رکھتے تھے اور مشرقی بنگال کی صوبائی اسمبلی کے ارکان سہروردی کے مقابلے میں زیادہ تر ان کے ساتھ تھے۔حسین شہید سہروردی نے قائداعظم محمد علی جناح کے سامنے یہ خواہش ظاہر کی:

''ہم دونوں میں ایک کو مرکزی کابینہ میں لے لیا

جائے، اور دوسرے کو مشرقی بنگال کا بلا مقابلہ وزیراعلیٰ بننے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔''

مگر قائداعظم محمد علی جناح نے فیصلہ کیا:

''اسمبلی کے ارکان اپنا حق استعمال کریں گے، اور رائے شماری کے ذریعے وزیراعلیٰ کا انتخاب عمل میں لائیں گے۔''

چنانچہ رائے شماری ہوئی اور خواجہ ناظم الدین مشرقی بنگال کے وزیراعلیٰ منتخب کرلیے گئے۔

جمیلہ

میجر جنرل شاہد حامد کی ہمشیرہ محترمہ ہیں، میجر صاحب اپنی شائع شدہ کتاب ڈساسٹرس ٹوائی لائٹ میں 29 اپریل 1947ء کو رقمطراز ہیں:

''میری ہمشیرہ جمیلہ اس زمانے میں بائیں بازو کے نظریات کی جانب مائل اور مسلم لیگ کی پالیسیوں کی مخالف تھیں۔ ان کی خواہش پر ہم دونوں قائداعظم محمد علی جناح سے ملنے کے لیے ان کے گھر (لندن) گئے تو انہوں نے بڑی محبت سے ہمارا استقبال کیا۔ جمیلہ نے قائداعظم محمد علی جناح سے بہت سے سوالات کیے جن میں بعض پر میں نے اعتراض کیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''انہیں جو کچھ کہنا ہے کہنے دو۔''

انہوں نے ہر سوال کا بڑے تحمل سے اور موثر انداز میں جواب دیا۔ بالآخر میں نے محسوس کیا کہ جمیلہ ان کے اخلاص اور دلائل سے بہت متاثر ہوئی ہیں۔ چلتے وقت انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے ہاتھ کو بوسہ دیتے ہوئے ان سے کہا:

''میں آپ کے نقطہ نظر کی قائل ہوگئی ہوں۔''

دورانِ گفتگو میں نے قائداعظم محمد علی جناح کی مصروفیات کے خیال سے کئی بار اجازت لینا چاہی تھی لیکن انہوں نے بات مکمل ہوئے بغیر اجازت نہ دی تھی۔ چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے ہمیں رخصت کرتے وقت مسکراتے ہوئے فرمایا:

''دیکھا میرے بیٹے! میں نے اپنا وقت ضائع نہیں کیا۔ میں نے ایک کارکن تیار کرلیا ہے۔''

(بحوالہ ہفت روزہ تکبیر 25 تا 30 دسمبر 1987ء)

جن (Jin)

محترمہ فاطمہ جناح اپنے محترم بھائی قائداعظم محمد علی جناح کو کبھی کبھی جن بھی کہا کرتی تھیں۔

(دیکھیے مائی برادر محترمہ فاطمہ جناح)

جناح

◆ ایم ایچ سید کی کتاب جس کا ذکر قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے اس خط میں کیا ہے، جو انہوں نے نئی دہلی سے سی ایم ایس ہائی سکول کے پرنسپل مسٹر ایس این اسپنس کو 11 نومبر 1946 کو لکھا۔

◆ یہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے بازو۔

جناح آف پاکستان (Jinnah of Pakistan)

اسٹینلے والپرٹ یونیورسٹی آف کیلی فورنیا (لاس اینجلز) کے شعبہ تاریخ کے استاد تھے انہیں جنوبی ایشیا کے امور میں مہارت حاصل تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں ان کی یہ کتاب 1984ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے طبع کی، اور دنیا بھر میں اس کے کاپی رائٹ صرف آکسفورڈ پریس ہی کو حاصل ہیں۔ صدر پاکستان جنرل محمد ضیا الحق نے 25 دسمبر 1987ء کو ایوانِ صدر میں بلائے گئے مہمانوں سے کہا:

''یہ کتاب پاکستان سے باہر طبع ہوئی ہے۔ میں نے اسٹینلے والپرٹ کو پیغام بھجوایا ہے:

''یہ کتاب قائداعظم پر لکھی گئی ہے۔ پاکستان قائد کا ہے جب تک یہ پاکستان میں نہ پڑھی جائے تو اس کا فائدہ نہ ہوگا۔ اگر یہ دو تین جملے حذف کر دیے جائیں تو ہم بڑے مشکور ہوں گے۔''

مگر اسٹینلے والپرٹ نے نہ میں جواب دیا۔

مصنف کی یہ خوبی ہے کہ وہ ہر اس مقام تک چل کر گیا جہاں جہاں قائداعظم محمد علی جناح نے 25 دسمبر 1876ء سے 11 ستمبر 1948 تک قدم رکھا تھا۔

جناح اسٹیڈیم (اسلام آباد)

19 اپریل 1985ء کو صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلام آباد میں پاکستان کے سب سے بڑے اور انتہائی جدید جناح اسٹیڈیم کا افتتاح کیا، اور توقع ظاہر کی:

''یہ سٹیڈیم ملک میں کھیلوں کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کرے گا۔''

یہ اسٹیڈیم چین کی مدد سے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ اسٹیڈیم دونوں ممالک کی دوستی کی علامت بن چکا ہے۔ صدر مملکت نے اسے بابائے پاکستان کے نام سے موسوم کیا۔ اس موقع پر کھیلوں اور ثقافت کے وزیر جناب غلام محمد احمد خاں مانیکا نے صدر کو سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے کہا:

''اسپورٹس کمپلکس کی تعمیر سے کھیلوں کے فروغ میں بڑی مدد ملے گی اور رفتہ رفتہ اسے سپورٹس یونیورسٹی کی حیثیت مل جائے گی۔''

صدر نے تختی کی نقاب کشائی کی اور 21ویں قومی اتھلٹکس چیمپئن شپ کا افتتاح کیا

جناح اسٹیڈیم (سیالکوٹ)

قیامِ پاکستان سے قبل سیالکوٹ کے ایک انگریز ڈپٹی کمشنر مسٹر کانلے نے جنہیں کرکٹ سے خصوصی دلچسپی تھی سرکل روڈ پر واقع ریلوے لائن کے نزدیک ایک وسیع قطع اراضی پر کانلے پارک کی بنیاد رکھی۔ اس پارک میں کرکٹ گراؤنڈ اور ایک چھوٹا سا پویلین بھی تعمیر کیا گیا۔ جب برصغیر میں کرکٹ کے کھیل کا بتدریج آغاز ہوا تو یہاں کانلے کرکٹ ٹورنامنٹ کا آغاز ہوا۔ جس میں ہر سال ہندوستان کے دیگر شہروں کی نامور کرکٹ ٹیمیں بھرپور حصہ لیا کرتی تھیں۔ قیام پاکستان کے بعد جناب عبدالحمید خان کی سعی سے کانلے کرکٹ ٹورنامنٹ جاری رہا۔ یہیں ایم سی سی اور دیگر غیر ملکی ٹیموں کے میچوں کا آغاز کیا گیا۔ 1960 کے عشرے میں یہاں کے ڈپٹی کمشنر سید حسنات احمد کی ذاتی کوششوں سے سٹیڈیم کی تعمیر کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی لیکن ایک بلاک کی تعمیر کے بعد پھر تعمیری کام رک گیا، بالآخر مسٹر وقار احمد ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے اسے سیالکوٹ کے مخیّر حضرات کے تعاون سے تعمیر کرایا۔ گورنر پنجاب مسٹر صادق حسین قریشی نے 15 جنوری 1974ء کو اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ 1976ء میں نیوزی لینڈ کی ٹیم نے اس اسٹیڈیم میں پہلا ون ڈے میچ کھیلا۔ بی سی سی پی کے صدر عبدالحفیظ کاردار نے اسے ٹیسٹ سنٹر کی حیثیت دی۔ اب یہاں بین الاقوامی کرکٹ میچ منعقد ہوتے ہیں۔

جناح اسکول (لاہور)

نومبر 1942ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح لاہور تشریف لائے تو اس سکول کی طالبات کی جانب سے دیے گئے استقبالیہ میں شرکت کی، اور طالبات سے خطاب بھی کیا۔ اسی روز قائداعظم محمد علی جناح نے کالج کی خواتین سے بھی خطاب فرمایا۔

جناح اسلامیہ کالج آف کامرس (لاہور)

یہ نجی شعبے میں قائم ہونے والا ایک کالج ہے۔ اس کالج میں نصابی تعلیم کے ساتھ دینی تشخص ابھارنے کا فریضہ بھی انجام دیا جاتا ہے۔ اس کالج کے قیام کا سہرا ڈاکٹر بشیر گورایہ اورالخیر ٹرسٹ آف پاکستان کے چیئرمین کے سر ہے۔

جناح اسلامیہ کالج آف کامرس کے قیام 1987ء سے اب تک بی کام اور ڈی کام کے نتائج بڑے شاندار رہے ہیں اور طلباء کی بڑی تعداد نے اعلیٰ نمبروں اور امتیازی پوزیشنوں سے بی کام اور آئی کام کیا۔

کالج کا تدریسی عملہ انتہائی تجربے کار اور اپنے میدان میں مہارت رکھتا ہے۔ کالج کی اپنی لائبریری بھی ہے۔

6 اگست 1988 کو کالج کی پہلی کانووکیشن میں آزاد جموں وکشمیر کے صدر مجاہد اول سردار عبدالقیوم خان نے طلبا کو اسناد فضیلت اور انعامات دیے۔ اس کالج کی ایک برانچ راولپنڈی اسلام آباد میں ہے۔ میٹرک میں کالج ہذا میں داخلہ کے لیے چالیس فیصد نمبر لینا ضروری ہیں۔

جناح، اللہ بخش یوسفی خط وکتاب

قائداعظم محمد علی جناح نے جناب اللہ بخش یوسفی کو مرکزی مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ کے قیام کے بعد یہ خط لکھا:

شملہ

عزیزم یوسفی صاحب!

آپ کو علم ہو چکا ہوگا کہ میں اس وقت شملہ میں ہوں، کافی عرصہ سے تمہاری جانب سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ براہ مہربانی مطلع کریں کہ آپ کے صوبہ کی حالت کیسی ہے۔

مجھے پورا اعتماد ہے کہ آپ اپنے صوبہ میں مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ قائم کرنے کی طرف توجہ دیں گے۔ ازراہ کرم حالات سے باخبر رکھیں۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

جناح اور پاکستان

اس کتاب کو 1945ء میں حاجی لق لق نے مرتب کیا۔ اظہر امرتسری چیف ایڈیٹر روزنامہ زمیندار لاہور نے آغازیہ کے نام سے ابتدائی کلمات تحریر کیے۔ یہ کتاب 120 صفحات پر مشتمل ہے اور اسے خواجہ بکسٹال کے مالک خواجہ غلام حسن شاد نے شائع کیا۔ آغازیہ کے آخر میں 22 دسمبر 1945ء کی تاریخ درج ہے۔

جناح اور پنڈت نہرو

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 16 جنوری 1940ء کی اشاعت میں درج ذیل اداریہ لکھتے ہوئے کہتا ہے:

''پنڈت نہرو نے 9 جنوری کو میرٹھ میں جو تقریر کی وہ ان کی سابقہ تقریروں کے مقابلے میں لب ولہجہ اور انداز واسلوب میں بالکل مختلف تھی۔ پنڈت جی لیگ اور مسٹر جناح کے خلاف بات کرتے وقت عام طور پر بہت تیز وتند اور تلخ و درشت الفاظ استعمال فرمایا کرتے تھے، لیکن میرٹھ میں ان کا انداز گفتگو یقیناً نرمی اور ضبط وتحمل کا ایک خوشگوار نمونہ تھا۔ خدا کرے کہ وہ نئی روش پر استقلال کے ساتھ قائم رہیں۔

معلوم ہے کہ مسٹر جناح کی طبیعت اور مزاج کو بے جا الزام تراشی اور تعریض سے کوئی مناسبت نہیں، لیکن گاندھی جی اور پنڈت نہرو نے پے درپے ان کے خلاف یہ تہمت لگائی کہ وہ برطانوی اقتدار کے حامی ہیں، اور انگریزی حکومت کو ہندوستان میں قائم رکھنا

چاہتے ہیں۔ اس پر مجبور ہو کر مسٹر جناح کو یہ کہنا پڑا کہ یہ الزام نہ محض بے بنیاد و بے اساس ہے، بلکہ حد درجہ کمینگی کا مظاہرہ ہے۔ اس ایک فقرے نے پنڈت نہرو کا مزاج درست کر دیا اور ان کی تیزی و تندی کا سارا نشہ اتر گیا۔

لیکن مسلمانوں کے متعلق پنڈت جی کے خیالات و افکار کا الجھاؤ بدستور باقی ہے۔ وہ ابھی تک غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں، اور جب تک یہ غلط فہمیاں باقی رہیں گی، اصلاحِ احوال کی توقع کیونکر ہو سکتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ مسٹر جناح اور میرے سیاسی نقطۂ نگاہ میں زمین آسمان کا فرق ہے، اور یہ فرق آج سے نہیں بلکہ ترکِ موالات کے زمانے سے چلا آتا ہے، لیکن اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ فرق کی حقیقت ہرگز وہ نہیں جو پنڈت نہرو نے پیش کی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ پنڈت نہرو خوانخواہ اس فرق کو ایک خاص حیثیت دے کر اپنے گرد و پیش اوہام کی دیواریں کھڑی کر لیں۔

مسٹر جناح بھی چاہتے ہیں کہ ہندوستان جلد سے جلد آزاد ہو جائے۔ پنڈت نہرو بھی آزادی کے دعویدار ہیں۔ فرق یہ ہے کہ مسٹر جناح ہندوستان بھر کی آزادی کے خواہاں ہیں۔ ان کی آرزو یہ ہے کہ آزادی کے دستور میں ہندوستان کی تمام قوموں کے جائز حقوق و مقاصد کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست ہو جائے اور اس غرض سے باہم ایک سمجھوتہ ہو جائے، تاکہ اقوامِ ہند اس سمجھوتے کی بنا پر متفقہ و متحدہ حیثیت سے سعی و جدوجہد کر سکیں، اس کے برعکس نہرو جی کی سعی و کوشش یہ ہے کہ یا تو مختلف اقوام کے حقوق کا سوال ہی نہ اٹھایا جائے، یا اٹھایا جائے تو اس کا دائرہ بالکل محدود ہو۔ باقی تمام اصول و اساسی امور میں ہندو اکثریت کی رائے اور مرضی کو ہر اعتبار سے فائق و برتر رہنا چاہیے۔ بہ الفاظِ دیگر مسٹر جناح ہندوستان کی تمام قوموں کو آزادی سے بوجہ احسن فائدہ پہنچانے کے قائل ہیں، اور پنڈت نہرو صرف اکثریت کے ہاتھوں سارے معاملات کی باگ دینا چاہتے ہیں۔ یہ فرق کم ہو یا زیادہ ہو، ہر شخص جو انصاف میں یقین رکھتا ہے یہ اعتراف کرے گا کہ پنڈت نہرو کی روش اصولاً غلط اور غیر منصفانہ ہے۔ مسٹر جناح اور پنڈت نہرو میں فرق زمین آسمان کا ہے یا اس سے کم ہے۔ اس کی ذمہ داری مسٹر جناح پر عائد نہیں ہوتی بلکہ صرف پنڈت نہرو اور ان کے رفیقوں پر عائد ہوتی ہے۔''

(تفصیل کے لیے دیکھئے: نہرو جناح مراسلت، روزنامہ انقلاب اشاعت 16 جنوری 1940ء)

جناح اور سیاست

مسلمانوں میں مسٹر جناح، ایک ایسے بھی تھے جن کو سلطنت عثمانیہ اور اماکن مقدسہ کی حفاظت کی فکر کسی سے کم نہیں تھی، مگر وہ ہر دشواری کی کلید اس کو سمجھتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے وطن میں اختیار و اقتدار پہلے حاصل ہو۔ وہ مسلمانانِ ہند کی داخلی سیاست میں پورے انہماک کے ساتھ مصروفِ کار رہے۔

قائداعظم محمد علی جناح کو سیاست کا ذوق طبعی اور فطری تھا۔ 1893ء میں جب وہ قانون کی تعلیم کے لیے انگلستان گئے تو ان کی عمر صرف 17 سال تھی اور وہ وہاں چار سال رہے۔ اس دوران میں دادا بھائی نوروجی نے جو کانگریس کے بڑے ممتاز لیڈر تھے سینٹرل فنسبری کے حلقہ انتخاب سے ہاؤس آف کامنز

قائداعظمؒ شملہ میں جواہر لال نہرو کے ہمراہ۔

کی رکنیت کے لیے الیکشن لڑا۔ ان کے کارکن وہ نوجوان ہندوستانی بنے جو انگلستان میں زیر تعلیم تھے۔ کم سن محمد علی جناح بھی اس جدوجہد میں شریک ہو گئے، اور اس طرح کہ دادا بھائی نوروجی نے ان کو لائق توجہ سمجھا۔ یہ اتفاق کی بات تھی کہ بہ عنوان سیاست پہلی بات جو قائداعظم محمد علی جناح کے کان میں پڑی وہ کانگریس کی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح بیرسٹری کی سند لے کر 1896ء میں ہندوستان واپس آئے۔ ان کے لیے پہلا مرحلہ اپنے معاشی وسائل کی ترقی اور ان کا استحکام تھا۔ بڑی ہمت اور کمال خودداری کے ساتھ قانون کے پیشے میں انہوں نے اپنے لیے مقام پیدا کیا، اور کانگریس ہی کے پلیٹ فارم سے ملک کی سیاسی خدمت شروع کر دی۔ 1906ء کے اجلاس کانگریس میں دادا بھائی نوروجی صدر تھے اور قائداعظم محمد علی جناح ان کے پرائیویٹ سیکرٹری۔ اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے بڑی تیزی سے کانگریس کے حلقوں میں ترقی کی اور مرتبہ امتیاز حاصل کر لیا۔ گنگا بال تلک، دادا بھائی نوروجی، کرشن گوپال گوکھلے، سر فیروز شاہ مہتہ وغیرہ کی صحبتوں میں وہ جونیئر ضرور تھے مگر ابھرتے ہوئے لیڈر۔ کانگریس کے لیڈروں میں قائداعظم محمد علی جناح کو گوکھلے کی روش سب سے زیادہ پسند تھی کیونکہ ان کے مزاج میں اعتدال، معقولیت اور رواداری تھی۔

1909ء میں قائداعظم محمد علی جناح مسلمانان بمبئی کے نمائندے کی حیثیت سے سپریم لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ ابتدا ہی سے یہاں ان کی عظیم صلاحیتوں کا اظہار ہونے لگا، اور انہوں نے بڑی جرأت اور جسارت سے ہندوستانیوں کی ترجمانی کی۔ نیٹال کی انڈینچرڈ لیبر کے ریزولیشن ہر کونسل کے آغاز ہی میں صدر کونسل لارڈ منٹو وائسرائے ہند سے ان کی حجت ہو گئی کہ انہوں نے جنوبی افریقہ کی حکومت کو ظالمانہ کیوں کہہ دیا۔ پھر پولیس کے انتظام ابتدائی تعلیم کے مسودہ قانون، شادی کے مسودہ قانون، انڈین ایکسٹریڈیشن بل اور مسودہ ترمیم قانون تعزیرات ہند پر انہوں نے جو پرزور تقریریں کیں ان سے قائداعظم محمد علی جناح کی دستوری قابلیتوں کا سکہ بیٹھ گیا۔ 1913ء میں لارڈ ہارڈنگ نے محض اسی وجہ سے قائداعظم محمد علی جناح کو دوسری معیاد کے لیے کونسل کا رکن نامزد کیا کہ وہ اس مشہور مسودہ قانون کو کونسل میں آگے بڑھائیں جو وقف کو ازروئے قانون جائز قرار دینے کے لیے مسلم لیگ کی خواہش پر خود قائداعظم محمد علی جناح نے پیش کیا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی خوبی سے یہ مسودہ پیش کیا اور اپنی قابلیت سے اسے منظور کرایا کہ سب نے اس کی تعریف کی۔ کسی غیر سرکاری ممبر کی طرف سے کونسل میں یہ پہلا مسودہ قانون تھا۔ مسلمانوں کو اس سے بڑا نفع پہنچا۔ ان کی نظر میں قائداعظم محمد علی جناح کی بڑی وقعت بڑھی۔

منٹو مارلے اسکیم میں مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق ملنے کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو کشیدگی پیدا ہو گئی تھی اسے رفع کرنے کے لیے پہلی مرتبہ سرولیم ویڈربرن کی ہدایت پر، جو کانگریس کے اجلاس الہ آباد (1910ء) کے صدر تھے۔ الٰہ آباد میں ہندو اور مسلمان لیڈروں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ قائداعظم محمد علی جناح کو یہ خیال بڑا عزیز تھا کہ یہ دونوں قومیں ایک مطمع نظر پر متحد ہوں، لہٰذا وہ اس کوشش میں بڑے سرگرم تھے، بالآخر ہندو لیڈروں کی مدد سے گزری ہوئی حرص اس میں مانع آئی اور کانفرنس ناکام ہو گئی، مگر پھر بھی کانفرنس ہندوستان کی دو بڑی قوموں کے درمیان اتحاد کے لیے آئندہ کوششوں کی تمہید بنی۔

مسلمان اب حوصلہ مندی کے ساتھ سیاست میں حصہ لینا چاہتے تھے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل نے 1910ء اور 1911ء کے اجلاسوں میں یہ سفارش کی تھی کہ مسلم لیگ کے دستور میں تبدیلی کی جائے۔ اس پر دو سال گفتگو رہی۔ اس دوران میں قائداعظم محمد علی جناح کو بھی دعوت دی گئی کہ وہ مسلم

لیگ کے جلسے میں اپنے خیالات ظاہر کریں اور یہ ہوا۔ اس طرح خوب غور وخوض اور قائداعظم محمد علی جناح سے اتفاق رائے کے بعد سالانہ اجلاس 1919ء متحدہ لکھنؤ میں مسلم لیگ نے مندرجہ ذیل مطمع نظر اختیار کیا:

''زیر سایہ تاج برطانیہ آئینی وسائل سے ایسا طرز حکومت خود اختیاری حاصل کرنا جو ہندوستان کے لیے موزوں ہو اور مذکورہ بالا مقصد کے حصول کے لیے منجملہ دوسری باتوں کے ہندوستان کے لوگوں میں عوامی خدمت کا ذوق پیدا کر کے اور مختلف گروہوں کے درمیان تعاون قائم کر کے موجودہ انتظام حکومت میں مستحکم اور مسلسل اصلاح کرنا۔''

مسلم لیگ کا یہ مطمع نظر اس اعتبار سے بڑا مدبرانہ تھا کہ اس میں ترقی کی غیر محدود گنجائش موجود تھی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ مسلم لیگ کے پیش نظر اس وقت پاکستان تھا تو اس کی تردید مشکل ہو گی۔ صرف یہ ہی نہیں کہ مسلم لیگ مطمع نظر کی بلندی میں کانگریس کے برابر آئی بلکہ حقیقت میں اس سے آگے بڑھ گئی۔ سیاسی مرتبے کے اعتبار سے یہ مطمع نظر ادنیٰ اوسط اور اعلیٰ تمام مدارج پر حاوی تھا، مگر اس وقت کانگریس کو بس اس قدر محسوس ہوا کہ سیاسی تمناؤں اور آرزوؤں کے اعتبار سے مسلم لیگ اور اس کے درمیان کوئی فرق اور بُعد نہیں ہے۔

ہندو مسلم اتحاد کی تحریک میں پھر جان پڑی۔ کانگریس کے باہر جو مسلمان تھے وہ سرسید احمد خان ہی کے وقت سے اتحاد کے لیے کوشاں رہے، مگر اب کانگریس میں قائداعظم محمد علی جناح تھے اور وہ قوت کے ساتھ کانگریس کو اس کی ضرورت محسوس کرا رہے تھے، اور ان کی یہ کوشش اہل کانگریس کی نظر میں تھی۔ چنانچہ مسٹر گوکھلے نے جو ہندو لیڈروں میں سب سے زیادہ سمجھدار تھے بڑے شاندار الفاظ میں اس کا اعتراف کیا:

''بڑے ہی سچے مادے سے ان کا خمیر ہوا ہے اور ان کا ہر قسم کے فرقہ وارانہ تعصب سے بری ہونا ان کو ہندو مسلم اتحاد کا بہترین سفیر بنائے گا۔''

اسی ابتدائی زمانے میں قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوستان کے مشترکہ امور میں اتنی خدمات انجام دی تھیں کہ ہندو لیڈروں اور ہندو پریس کے لیے اس سے مفر ہی نہ تھا کہ ان کی تعریف کریں۔ اپریل 1931ء میں قائداعظم محمد علی جناح مسٹر گوکھلے کے ساتھ یورپ گئے۔ محمد علی جوہر (ایڈیٹر کامریڈ) اور سید وزیر حسن، سیکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ، بہ سلسلہ، مسئلہ مسجد کانپور لندن ہی میں تھے۔ محمد علی جوہر کی تحریک وترغیب سے قائداعظم محمد علی جناح باضابطہ مسلم لیگ کے رکن بن گئے مگر اس شرط کے ساتھ کہ ہندوستان کے مشترکہ امور میں مسلم لیگ کی رکنیت مانع نہ آئے۔'' یہ مسز سروجنی نائیڈو کا قول ہے جو قائداعظم محمد علی جناح کے تمام سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے، لیکن قائداعظم محمد علی جناح کی افتادطبیعت سے اس کی مطابقت نہیں ہوتی۔ اگر واقعی مسلم لیگ کی طرف سے ان کے دل میں شبہات تھے تو محمد علی جوہر کے عہد و پیمان سے وہ رفع کیسے ہو جاتے۔ مسلم لیگ کی رکنیت قبول کرنے کے بعد خود قائداعظم محمد علی جناح کی بھی مسلم لیگ میں وہی حیثیت تھی جو محمد علی جوہر کی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کے اطمینان کے لیے یہ کافی تھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے ضوابط میں اس کی کوئی ممانعت نہ تھی کہ ایک شخص دونوں انجمنوں کا رکن رہے۔ آئندہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے یہ خود اس کی ذاتی بصیرت پر منحصر تھا، جو قائداعظم محمد علی جناح میں بہت وافر تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ کی رکنیت اختیار کرنے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کے لیے ہندو مسلم اتحاد کی کوشش زیادہ آسان ہو گئی اور ہندوستان کے عام مقاصد کے لیے جدوجہد اس سے بھی زیادہ آسان۔ اس سے خود اپنی قوم میں ان کو ایک مقام حاصل ہو گیا اور ایسی پارٹی مل گئی جس پر وہ اعتماد کر سکتے تھے۔

27 دسمبر 1913ء کو آل انڈیا نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس کراچی میں منعقد ہوا۔ اس میں بھوپندر ناتھ باسو نے ایک ریزولیوشن میں مسلم لیگ کے اس اقدام کا خیر مقدم کیا کہ اس نے سیلف گورنمنٹ کو اپنا مطمع نظر قرار دیا، اور دوسرے فرقوں کے ساتھ تعاون کی ضرورت کا اعلان کیا۔ مسٹر باسو نے کہا:

''ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنی تمام تر توجہ ایک مطمع نظر پر مرکوز کر دینی چاہیے کیونکہ آج کا ہندوستان نہ ہندوؤں کا ہے نہ مسلمانوں کا ہے، نہ اینگلو انڈین کا ہے اور یورپین کا تو وہ ہے ہی نہیں، بلکہ وہ ہندوستان ہے جس میں سب شریک ہیں۔ اگر ماضی میں اس کے متعلق کوئی غلط فہمی تھی تو ہم کو چاہئے کہ اس کو بھول جائیں۔ مستقبل کا ہندوستان زیادہ طاقتور ہوگا۔ زیادہ شریف ہوگا، زیادہ عظیم ہوگا، زیادہ بلند اور روشن ہو گا۔ جیسا نہ اشوک کے کمال عروج میں ہوا اور نہ اکبر کے۔''

یہ بڑے صحیح خیالات تھے جو مسٹر باسو نے ظاہر کیے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک مختصر وقفے کے لیے ہندو مسلمانوں کی سیاسی سمجھ درست ہوگئی تھی۔

انڈیا کونسل کی اصلاح کے لیے کوششیں جاری رہیں۔ کانگریس کا وفد انگلستان بھی گیا، جس میں قائداعظم محمد علی جناح شریک تھے۔ 1914ء کی عالمگیر جنگ بھی شروع ہوگئی۔ اعتدال پسند اور انتہا پسند کانگریسی لیڈروں کے درمیان اختلافات تھے اور مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی مسلمانوں کی خارجی سیاست میں الجھ گئے۔ اس زمانے میں قائداعظم محمد علی جناح نے زیادہ توجہ کے ساتھ مسلم لیگ اور کانگریس کی وساطت سے ہندو مسلم اتحاد کے لیے تدابیر اختیار کیں۔ کراچی میں کانگریس کی طرف سے جن جذبات کا اظہار کیا گیا تھا، وہ ان کو عملی صورت دینے میں مصروف ہو گئے۔

اس سال کانگریس کا اجلاس بمبئی میں ہو رہا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کو بھی دعوت دی کہ وہ اپنا اجلاس بمبئی میں کرے۔ مسلم لیگ کی کونسل نے یہ تجویز منظور کی، مگر مسلمانوں میں بعض گروہ غلط فہمی کی وجہ سے اس کے مخالف تھے اور حکومت کو بھی یہ پسند نہ تھا۔ یہ شہرت دی گئی کہ مسلم لیگ کو کانگریس میں ضم کیا جا رہا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کو اس کی تردید میں یہ صاف بیان دینا پڑا:

''اشتراک عمل مقصود ہے، لیگ کو کانگریس میں ہرگز ضم نہیں کیا جائے گا اور وہ بدستور جداگانہ اور آزاد انجمن رہے گی۔''

اس پر بھی مخالفین نے دوران اجلاس میں بڑا ہنگامہ کیا۔ بعد میں واقعی یہ ثابت ہوگیا کہ پولیس کمشنر بھی مفسدوں کی مدد کر رہا تھا اور وہ یہ چاہتا تھا کہ مسلم لیگ کا اجلاس نہ ہو۔ بہر حال دوسرے روز کی کارروائی پنڈال میں نہ ہو سکی۔ ہنگامے کی وجہ سے جلسہ ملتوی کیا گیا اور بقیہ کارروائی کی تکمیل کے لیے مسلم لیگ کا جلسہ تاج محل ہوٹل میں ہوا۔

یہاں قائداعظم محمد علی جناح نے اس مفہوم کا ریزولیوشن پیش کیا:

''ایک کمیٹی مقرر کی جائے جو دوسری سیاسی انجمنوں کے مشورے سے آئینی اصلاحات کی ایک اسکیم مرتب کرے۔ اس میں مسلمانوں کی خصوصی ضروریات اور مفاد کا لحاظ کیا جائے۔''

اس کے جواب میں کانگریس نے اپنی کمیٹی کو ہدایت کی کہ مسلم لیگ کے مشورے سے سیلف گورنمنٹ کی اسکیم مرتب کرے۔

مقصود یہ تھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ حکومت برطانیہ کے

سامنے آئینی اصلاحات کی کوئی متفقہ اسکیم پیش کریں

اس طرح دونوں انجمنوں کی کمیٹیوں میں مشورے ہونے لگے اور قائداعظم محمد علی جناح نے امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ارکان کو ہموار کر کے وائسرائے کی خدمت میں 19 ارکان امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے دستخطوں سے ایک یادداشت بھجوائی۔ کانگریس اور مسلم لیگ کی کمیٹیوں نے مستقبل کے لیے اصلاحات کی اسکیم مرتب کی۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے اجلاس پھر ایک ہی جگہ لکھنؤ میں منعقد ہوئے۔ قائداعظم محمد علی جناح مسلم لیگ کے صدر تھے۔ وہ اسکیم جو مسلم لیگ اور کانگریس کی کمیٹیوں نے مرتب کی تھی اپنے اپنے سالانہ اجلاسوں میں دونوں انجمنوں نے منظور کی، پھر یہ ہندوؤں اور مسلمانوں یا کانگریس اور مسلم لیگ کے مطالبہ کی حیثیت سے حکومت کے سامنے پیش کی گئی۔

لکھنؤ پیکٹ

اس اسکیم میں مسلمانوں کے خاص حقوق اور مفاد کے لیے یہ تھا کہ صوبائی کونسلوں میں جداگانہ انتخاب کے ذریعے مندرجہ ذیل تناسب کے مطابق مسلمانوں کی نمائندگی ہو۔ پنجاب میں ہندوستانی منتخب ارکان کونسل کی نصف تعداد مسلمان ہو، یوپی میں 30 فیصد، بنگال میں 30 فیصد، بہار میں 25 فیصد، سی پی میں 15 فیصد، مدراس میں 15 فیصد، اور بمبئی میں منتخب ہندوستانی ممبروں کی ایک تہائی تعداد۔ یہ اس شرط پر کہ مسلمان صوبائی مجالس واضعانِ قانون اور امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے انتخابات میں سوائے اپنے خاص حلقوں کے دوسرے حلقوں سے کھڑے نہ ہوں۔

دوسری شرط یہ تھی کہ کسی ایسے مسودہ یا اس کی کسی دفعہ اور نہ کسی ایسے ریزولیشن پر جو کسی غیر سرکاری ممبر نے پیش کیا ہو اور جس سے ایک یا دوسرا فرقہ متاثر ہوتا ہو کسی مجلس واضعان قانون یا امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں کوئی کارروائی نہ کی جائے گی اگر فرقہ متاثر کی تین چوتھائی تعداد اس مسودہ قانون یا اس کی دفعہ یا ریزولیشن کی مخالفت کرے۔ یہ فیصلہ کرنا کہ وہ مسودہ قانون یا اس کی کوئی دفعہ یا ریزولیشن اس فرقے اور ضرر کے ساتھ اثر انداز ہے اس فرقے کے ان لوگوں کا کام ہوگا جو اس مجلس میں واضعان قانون کے رکن ہوں۔

امپیریل کونسل کے متعلق یہ تھا کہ اس میں منتخب ہندوستانی ممبروں کی کل تعداد کا ایک ثلث مسلمان ہوں گے، اور وہ مختلف صوبوں سے اسی تناسب کے مطابق جو ان کا صوبائی کونسلوں میں ہو، جداگانہ مسلم انتخابی حلقوں سے منتخب ہوں۔

- جو چیز مشترکہ ہندوستان کی تاریخ میں لکھنؤ پیکٹ کے نام سے مشہور ہے وہ یہی مشترکہ اسکیم تھی۔ بے شک لکھنؤ پیکٹ قائداعظم محمد علی جناح کی معاملہ فہمی الجھے ہوئے معاملات کو سلجھانے کی صلاحیت اور بدگمان فریقوں کے درمیان افہام و تفہیم کی قابلیت کا ایسا شاہکار ہے کہ بس ایک ہی دفعہ ظہور میں آ سکا، لیکن چودھری خلیق الزمان نے اس کو سیاست میں مسلمانوں کی ناتجربہ کاری پر محمول کیا ہے کہ انہوں نے اس وقت تعداد آبادی کی بنا پر نیابت کا فیصلہ نہ کیا اور وہ بنگال میں 40 فیصد اور پنجاب میں 50 فیصد نیابت پر رضامند ہو گئے، اور ان صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے انہوں نے پاسنگ کے طور پر اضافی نشستیں حاصل کیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ اس سے وہ مسائل پیدا ہوئے جنہوں نے ہندو مسلم تعلقات میں زہر ملا دیا اور ہندوستان کی تقسیم کی بنیاد پڑ گئی، اور پھر 1947ء میں جب ملک تقسیم ہوا تو پاکستان پنجاب اور بنگال کے وسیع علاقوں سے محروم ہو گیا۔ یہ عجیب رائے ہے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کا وہ سب سے پہلا بلوہ جس کا برطانوی کاغذات میں ذکر ہے۔ 1809ء میں واقع ہوا، اور بنارس میں، جہاں ہندو نہایت طاقتور تھے۔ اس میں کئی سو آدمی

قتل ہوئے اور پچاس مسجدیں مسمار کی گئیں۔ کوپ لینڈ کی رائے ہے:

''یہ بلوہ عالمگیر اول کے اس فعل کا انتقام تھا کہ اس نے ہندوؤں کی نہایت متبرک زمین پر سو برس قبل مسجد تعمیر کی تھی۔''

اس کے بعد 1817ء اور 1872ء میں بلوے ہوئے، لیکن لاہور اور کرنال کے بلوے بڑے سخت تھے جو 1885ء میں ہوئے، پھر دہلی (1886ء)، ڈیرہ غازی خان (1889ء)، بالاکوٹ (1891ء) اور بمبئی اور یوپی کے وسیع علاقوں میں (1883ء) بڑا کشت وخون ہوا۔ کوپ لینڈ کے نزدیک ان بلوؤں کا اصلی اور خاص سبب یہ تھا کہ 1885ء میں کانگریس کی تاسیس ہوئی اور آئندہ چند سال کے اندر اس نے عوامی اسٹیج پر اپنا مقام استوار کیا۔ ہنگاموں سے لبریز اور پریشانی کا دوسرا زمانہ 1907ء سے 1914ء تک رہا جس کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ منٹو مارلے اصلاحات پر بحث وگفتگو جاری رہی۔ یہ اصلاحات قانون کی صورت میں منظور ہوئیں اور ان کا نفاذ ہوا۔ یہ بالکل صحیح رائے ہے۔ ہندو مسلم تعلقات میں زہر کی یہ وہ علامتیں ہیں جو لکھنؤ پیکٹ سے بہت پہلے ظاہر ہو چکی تھیں۔ یہ زہر کیوں ملا اور کس نے ملایا؟ یہ بلوے بالکل اسی زہر کے اثر سے تھے جس نے راجہ سندھ کو 522ء اور 523ء میں دو دفعہ بلاوجہ مکران پر عربوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے ابھارا تھا اور سندھ کے بحری ڈاکوؤں کو لنکا کا وہ جہاز لوٹنے پر آمادہ کیا تھا جس میں مسلمان عرب سفر کر رہے تھے۔ ہندو مذہب کیسا ہی مبہم اور غیر معین ہو، مگر ہندو مذہب ہی کی بنا پر دنیا کی سب سے زیادہ متعصب قوم ہیں، وہ جب ان بدھوں کے ساتھ رواداری نہ برت سکے، جن کا مذہب ہندوستان ہی میں پیدا ہوا اور جو نسل، وطن اور کلچر کے اعتبار سے وہی تھے جو برہمنی مذہب کے ہندو، تو ان مسلمانوں کے ساتھ وہ کیسے رواداری برتتے یا برتیں گے۔ جن کے مذہب وعقائد واعمال معین اور قطعی ہیں اور ہندو مذہب کی بالکل ضد ہیں۔ مسلمانوں نے اپنی تاریخ کے ہر دور میں اس حقیقت کو فراموش کیا اور اس کے برے نتائج بھگتے۔

ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف عناد کا زہر ہے، اور اس کا سبب مسلمانوں کا مسلمان ہونا ہے۔ لکھنؤ پیکٹ، جداگانہ انتخاب اور ویٹیج وغیرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں، البتہ یہ وہ تدبیریں ضرور تھیں جو مسلمانوں نے اس زہر سے بچنے کے لیے اختیار کیں۔ جب شکاری کی گولی خطا کرتی ہے تو شکاری کو اپنے صید پر غصہ آتا ہے خواہ وہ بھولا کبوتر ہو یا چالاک گلدار۔ اس کو چاہیے تھا کہ وہ گولی کے سامنے آجاتا۔ وہی غصہ ہندوؤں کو مسلمانوں کی ہر اس تدبیر پر آتا رہا جو مسلمانوں نے اپنے بچاؤ کے لیے کی اور غصے کا اظہار ان بلوؤں سے ہوتا رہا جن کے وہ بدھوں کے زمانے سے عادی ہیں۔

اسی بات کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب بنگال تقسیم ہوا تو مغربی بنگال میں ہندوؤں کی اکثریت تھی، اور مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی۔ ہندو یہ بھی گوارا نہ کر سکے کہ بنگال کے ایک حصے میں مسلمانوں کی اکثریت ہو اور انہوں نے اس تقسیم کے خلاف سخت شورش کی۔ اگر 1916ء میں مسلمان یہ مطالبہ کرتے کہ پورے بنگال میں تعداد آبادی کی بنا پر ان کو اکثریت کی حیثیت سے نیابت دی جائے تو ہندو اس کو ہرگز منظور نہ کرتے اور یہی پنجاب کے معاملے میں ہوتا، لہٰذا ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان 1916ء میں کوئی معاہدہ نہ ہوتا اور وہ سیاسی فوائد جو مرکز میں ایک تہائی نیابت، صوبوں میں ویٹیج، پنجاب میں انتخاب جداگانہ کے ساتھ پچاس فیصد اور بنگال میں 23 غیر مسلموں کے مقابلے میں 5 مسلم نشستوں کی جگہ 40 فیصد مسلم نیابت سے حاصل ہوئے، اور تاتقسیم ہند حاصل رہے، ان سے وہ محروم رہتے۔

لکھنؤ پیکٹ ہوا، مگر اس سے تمام کام کی تکمیل نہیں ہوئی۔ اس ہندو مسلم سمجھوتے کے مطابق حکومت برطانیہ سے آئینی اصلاحات حاصل کرنے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کو بڑی سخت جدوجہد کرنی پڑی اور یہ مسلم لیگ اور کانگریس کے اس مقصد کو پورا کرنے کی سعی کے ساتھ کہ ملک کے انتظام حکومت میں مستحکم اور مسلسل اصلاح کی جائے۔

انتظام حکومت میں اصلاح کے لیے انہوں نے انڈین ڈیفنس فورس بل اور ابتدائی تعلیم کے مسودہ قانون پر (1917ء) پرزور تقریریں کیں۔ انہوں نے اس پر سخت اصرار کیا کہ آئینی اصلاحات کی جو اسکیم مرتب کی جائے، اس سے قبل کہ وہ آئین کی حیثیت سے پارلیمنٹ میں منظور ہو، ہندوستانیوں کو اس کا موقع دیا جائے کہ وہ اس پر غور و بحث کریں۔ اس زمانے میں اس پر گفتگو تھی کہ برطانوی پالیمنٹ میں ہندوستانیوں کی معقول نیابت ہونی چاہیے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس میں بھی ہندوستان کی بڑی قوت سے ترجمانی کی۔

اسی دوران میں مسز اینی بیسنٹ نے بڑی جوش سے ہوم رول کا نعرہ بلند کیا۔ ہوم رول لیگ قائم کی، اور اس کی طرف سے ایسا سخت احتجاج کیا کہ مدراس گورنمنٹ نے مسز اینی بیسنٹ کے خلاف تعزیری کارروائی کرنے کے لیے مرکزی حکومت کو مسلسل لکھا، بالآخر وہ اور ان کے رفقاء نظر بند کیے گئے۔ ابتدا میں قائداعظم محمد علی جناح نے ہوم رول لیگ اور اس کی سرگرمیوں کی طرف قطعی توجہ نہ کی، لیکن مسز اینی بیسنٹ کی گرفتاری کے بعد بڑے جوش سے اس میں شریک ہو گئے، حتیٰ کہ ہوم رول لیگ کے ارکان کی درخواست پر انہوں نے اس کی صدارت بھی منظور کر لی۔ ہوم رول لیگ میں شرکت اور اس کی صدارت کی وجہ سے لارڈ ولنگڈن اور قائداعظم محمد علی جناح آستینیں چڑھا کر کھڑے ہو گئے کہ بمبئی کی طرف سے لارڈ ولنگڈن کو ہرگز رخصتی پارٹی نہیں دی جائے گی۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح کی ذاتی بہادری اور قیادت کی صلاحیت کا ایسا شاندار مظاہرہ ہوا کہ اس کی یادگار میں اہل بمبئی نے جناح ہال تعمیر کیا۔

مسز اینی بیسنٹ کی گرفتاری کے ساتھ حکومت کی طرف سے داروگیر شروع ہو گئی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس مستبدانہ پالیسی کے خلاف سخت احتجاج کیا۔

اس کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اور کانگریس کمیٹی کا مشترکہ جلسہ ہوا جس میں چند ریزولیشن منظور ہوئے اور ایک مشترکہ بیان مرتب کیا گیا۔ اس بیان میں وائسرائے بعض گورنروں، اور برطانوی اہل سیاست کی اس حرکت کے خلاف سخت احتجاج کیا گیا کہ وہ امپیریل لیجسلیٹو اسمبلی کے 19 ارکان کی یادداشت کے اصولوں کو غلط معنی پہنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس طویل بیان کے اہم اقتباسات وزیر ہند اور وزیراعظم برطانیہ کو بحری تار کے ذریعے سے بھیج دیے گئے۔

پالیسی کا اعلان

عراق کی مہم میں بدنظمیاں ہوئیں۔ آئینی چیمبرلین پر، جو اس وقت وزیر ہند تھے، مسٹر مانٹیگو نے سخت نکتہ چینی کی۔ مسٹر چیمبرلین کو استعفیٰ دینا پڑا۔ مسٹر مانٹیگو ان کی جگہ وزیر ہند ہوئے۔ ان کو ہندوستان کے حالات کا اچھا علم تھا اور وہ خوش تدبیر آدمی تھے۔ انہوں نے وزارت ہند کا عہدہ اختیار کرتے ہی 20 اگست 1917ء کو مندرجہ ذیل بیان دیا:

> "ملک معظم کی حکومت کی یہ پالیسی ہے اور حکومت ہند اس سے متفق ہے کہ ہر شعبے میں ہندوستانیوں کو ترقی کے ساتھ شریک کیا جائے، اور حکومت خود اختیاری کی تنظیمات کو اس نظر سے بتدریج بڑھایا جائے کہ حکومت برطانیہ کو جزو لاینفک کی حیثیت سے

رفتہ رفتہ ہندوستان میں ذمہ دار حکومت قائم ہو۔ چنانچہ ملک معظم کی حکومت نے ملک معظم کی منظوری سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں ہندوستان جانے کے لیے وائسرائے کی دعوت قبول کرلوں۔ ان معاملات پر وائسرائے اور حکومت ہند سے گفتگو کروں، وائسرائے کے ساتھ مل کر مقامی حکومتوں (صوبائی حکومتوں) کی رائے پر غور کروں، نیابتی اور دوسری تنظیمات کی تجاویز حاصل کروں۔ ان تجاویز پر بحث کرنے کے لیے پورا موقع دیا جائے گا جو مناسب وقت پر پارلیمنٹ میں پیش کی جائیں گی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے حکومت برطانیہ سے پالیسی کے اعلان کا مطالبہ کیا اور وزیر ہند نے پالیسی کا یہ اعلان کیا۔ بین طور پر یہ قائداعظم محمد علی جناح کی فرمائش کی تعمیل تھی۔ ہندوستان میں اس اعلان کا خیر مقدم کیا گیا۔

مسٹر مانٹیگو 10 نومبر 1917ء کو ہندوستان آئے۔ لارڈ ڈونومور، سرولیم ڈیوک، بھوپندر ناتھ باسو اور چارلس رابرٹس، بحیثیت ارکان مشن ان کے ساتھ تھے۔ مشن نے مختلف صوبوں کا دورہ کیا۔ ہر خیال کے وفود سے اس نے ملاقاتیں کیں پھر دہلی میں کانفرنسوں کا سلسلہ رہا، گورنروں سے والیان ملک کی کمیٹیوں سے اور ملک کے اہل سیاست سے اس نے باتیں کیں۔ مولانا محمد علی جوہر نے جو اس وقت نظر بند ہی تھے ملنا چاہا۔ ان کو اجازت نہیں دی گئی۔ نواب محمد اسحاق خاں صاحب، آنریری سیکرٹری علی گڑھ کالج کی سرکردگی میں مسلمانوں کا وفد مسٹر مانٹیگو سے ملنے دہلی آیا۔ اس کے لیے ملاقات کی یہ شرط قائم کی گئی کہ ایڈریس سے علی برادران کا ذکر خارج کرے۔ وفد نے اس کا یہ غیرت مندانہ جواب دیا کہ وفد کے ارکان ذاتی حیثیت میں نہیں مل رہے ہیں، بلکہ یہ وفد مسلمانوں کی طرف سے ہے اس لیے ایڈریس میں وفد نہ کوئی اضافہ کرسکتا ہے اور نہ اس میں سے کچھ خارج کرسکتا ہے۔ حکومت نے یہ عذر قبول نہیں کیا اور وفد مسٹر مانٹیگو سے نہیں ملا۔

مسٹر گاندھی، مسز اینی بیسنٹ، پنڈت مدن موہن مالویہ، مسٹر چنتامنی، امام صاحب جامع مسجد دہلی، بیگم صاحبہ بھوپال، راجہ صاحب محمود آباد اور قائداعظم محمد علی جناح ملے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے متعلق مسٹر مانٹیگو نے اپنی ڈائری میں لکھا:

> ''جناح بڑے ہوشیار آدمی ہیں، اور یہ بڑا افسوس ناک ظلم ہے کہ ایسے شخص کے لیے اس کا موقع نہیں ہے کہ وہ اپنے ملک کے امور کے انصرام میں شریک ہو۔''

ہندو مسلم کشیدگی

اس کا اعلان ہوگیا کہ ہندوستان کو کچھ دیا جائے گا۔ بس اب تعین باقی ہے کہ کیا دیا جائے گا۔ اس کی راہ میں دشواریاں پیدا ہو رہی ہیں، اور دشواریاں پیدا کی جا رہی ہیں۔ اینگلو انڈین لوگ اور اینگلو انڈین اخبارات اس اسکیم کی مخالفت کر رہے ہیں۔ لارڈ سڈنہم انگلستان میں اس کے خلاف لکھ رہے ہیں۔ خیر یہ ہوتا اور یہ سمجھا جاتا کہ انگریز ہندوستان کی آزادی کے مخالف ہیں اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان افتراق پیدا کرنا چاہتے ہیں، مگر یہ کیوں ہوا کہ ہندو مسلم بلوے شروع ہو گئے۔ آراء میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر سخت وحشیانہ مظالم کیے، اور پھر یہ کیوں ہوا کہ مسٹر گاندھی جیسے دانش منداور محب وطن ہندو نے ایک انگریز مسٹر ارون کے خط کے جواب میں وہ خط لکھا اور اسٹیٹ مین میں شائع ہوا جس کا اقتباس ذیل میں درج ہے:

> ''غلط یا صحیح گائے کی پوجا ہندو فطرت میں داخل ہے، اور مجھ کو اس سے کوئی مفر نظر نہیں آتا کہ عیسائی اور مسلمان ایک طرف ہوں، ہندو دوسری طرف اور ان کے درمیان اس مسئلے پر نہایت متعصبانہ اور خونی جنگ

ہو، مگر سوائے اس کے کہ ہندو راہنما کے اس مذہب کو قبول کریں اور اس پر عمل کریں جس کو میں نے اپنے طور پر اختیار کیا ہے اور زندگی میں میرا وہ حقیر مشن ہے جس کی میں تبلیغ کرتا ہوں۔ جو حقیقت ہے اس کا سامنا کرنا چاہئے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ اس گاؤ کشی کو جو یورپیوں کے لیے ہو رہی ہے ہندو بالکل محسوس نہیں کرتے۔ میں جانتا ہوں کہ ان کا غصہ اس خوف کے نتیجے میں ہوا ہے جو انگریزوں کی حکومت نے ان میں پیدا کر دیا ہے، لیکن ہندوستان کے طول و عرض میں ایک ہندو بھی ایسا نہیں جس کو یہ توقع نہ ہو کہ وہ ایک دن اپنے ملک کو گاؤ کشی سے پاک کرے گا، مگر میں جانتا ہوں کہ ہندو مذہب کے مزاج کے خلاف وہ اس سے بھی دریغ نہ کریں گے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کو بزورِ شمشیر گاؤ کشی کے ترک پر مجبور کرے۔''

اس سب کے علاوہ دسمبر 1917ء میں مسلم لیگ اور کانگریس کے سالانہ اجلاس ایک ہی جگہ کلکتہ میں منعقد ہوئے، اور کانگریس اور مسلم لیگ نے مشترکہ طور پر آئینی اصلاحات کی جو اسکیم پیش کی تھی اس کی تائید میں ریزولیشن منظور کیے، البتہ سر رضا علی نے مسلم لیگ کے اجلاس میں ایک ریزولیشن پیش کیا اور وہ متفقہ طور پر منظور ہوا۔ جس میں یہ شکایت کی گئی تھی کہ آرا میں مسلمانوں پر ہندوؤں کے مظالم کو ہندو لیڈروں نے خاموشی سے دیکھا اور ان کی مذمت نہیں کی۔

جون 1918ء میں مانٹیگو چمسفورڈ رپورٹ شائع ہوئی۔ اس میں لیگ اور کانگریس کی اس تجویز سے مختلف کہ ایگزیکٹو (عاملہ) مستقل ہو وزارتیں تھیں، جن کی بقا پورے ایوان کے اعتماد پر منحصر تھی۔ مالیات اور تعلیم و انتظام صوبوں میں محفوظ شعبے تھے۔ جن کا انتظام و اہتمام گورنر کے ذمے تھا۔ تعلیم اور لوکل سیلف گورنمنٹ وغیرہ وہ شعبے تھے جن کا انتظام و اہتمام وزارتوں کو منتقل کیا گیا۔ ان تجاویز پر غور کرنے کے لیے اگست 1918ء میں کانگریس کا خاص اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا اور وہیں مسلم لیگ نے اپنا اجلاس کیا۔

کانگریس میں اس وقت کئی فریق تھے اس لیے کانگریس کی رائے متفرق تھی، اعتدال پسندوں اور انتہا پسندوں میں کسی طرح ساز نہیں ہوتا تھا۔ اعتدال پسند کانگریس کے اجلاس میں شریک تک نہیں ہوئے۔ صدر نے دو روز تک جلسہ ملتوی رکھا۔ شاید بڑی کوشش سے جب چند اعتدال پسند آئے تو ناکافی، ناقابل اطمینان اور مایوس کن کہہ کر ترمیمات کے ساتھ اصلاحات کی منظوری کا ریزولیشن پاس ہوا۔ مسلم لیگ نے اپنے ریزولیشن میں اصلاحات کی مذمت نہیں کی، بلکہ یہ رائے دی کہ ترمیمات کے ساتھ مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات منظور کر لی گئیں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے ان تجاویز پر ایک اخباری بیان دیا جس میں برطانوی اعلان کے اس حصے سے انہوں نے اختلاف کیا کہ ترقی کے ساتھ ذمہ دار حکومت کا حصول محض صوبوں تک محدود رہے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ لوکل سیلف گورنمنٹ صوبوں اور مرکز میں ایک ساتھ ترقی کرے۔ انہوں نے اس پر سخت اصرار کیا کہ سوائے ان قوانین کے جو ملک کے امن و انتظام اور حفاظت سے متعلق ہوں کسی میں گورنر جنرل یا اجلاس کونسل کے سرٹیفکیٹ سے کام نہ لیا جائے، بلکہ ہر مسودہ قانون آئینی اور پارلیمنٹری ضوابط کے مطابق منظور ہو۔

رولٹ ایکٹ

آئینی اصلاحات کی رپورٹ ہندوستان کے مطالبے سے کتنی ہی کم سہی مگر اختیار میں ترقی کی نوید تھی، لہٰذا امید افزا۔ اس کے ساتھ ہی رولٹ کمیٹی کی سفارش پر جو 1917ء میں بہ

صدارت سر سڈنی رولٹ اس غرض سے قائم کی گئی تھی کہ تحقیقات کر کے بتائے کہ ملک میں کس قدر سازشیں موجود ہیں۔ ان کی نوعیت کیا ہے اور ان کے استیصال کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ فروری 1919ء میں حکومت ہند نے دو مسودات قانون مرکزی اسمبلی میں پیش کر دیے۔ جن میں ایک کا نام انڈین کریمنل لا (امینڈمینٹ) بل نمبر 1، تھا اور دوسرے کا دی کریمنل لا (ایمرجنسی پاورس) بل نمبر 2۔ یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت جابرانہ تھے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد ان کی کوئی ضرورت نہ تھی مگر ہندوستان کی تمام سیاسی انجمنوں کے احتجاج اور ہر خیال کے ہندوستانیوں کی مخالفت کے باوجود یہ اسمبلی میں آئے۔ اصلاحات کی شیرینی میں ان جابرانہ قوانین کی تلخی ملانے سے انگریز مدبروں کا مقصد یہ تھا کہ آزادی خواہ پارٹیاں جابرانہ قوانین کے خلاف احتجاج میں لگ جائیں اور ان نرم مزاج ہندوستانیوں کو جن سے حکومت برطانیہ کا ساز ہوسکتا تھا، نیا آئین برتنے کا پورا موقع ملے۔

مسٹر گاندھی نے رولٹ کمیٹی کی رپورٹ پڑھنے کے بعد اپنے اس ارادے کا اعلان کر دیا کہ مجوزہ قوانین کے خلاف ستیہ گرہ کریں گے۔ انہوں نے ایک عہد نامہ مرتب کیا جس کا یہ مفہوم تھا کہ ستیہ گری عہد کرتا ہے کہ اگر یہ مسودات بطور قانون منظور ہو گئے تو جب تک یہ واپس نہ لیے جائیں گے وہ ان کی اور ان تمام قوانین کی پابندی سے انکار کر دے گا۔ جن کو وہ کمیٹی مناسب سمجھے جو بعد میں قائم ہوگئی۔ مسٹر گاندھی نے مشورے کے لیے اور اس عہد نامے پر دستخط کرنے کے لیے کانگریس کے ان مقتدر ارکان کو مدعو کیا جنہوں نے 24 فروری کو احمد آباد میں اس عہد نامے پر دستخط کیے۔ اس کے بعد ہندوستان کے دوسرے مقامات پر سینکڑوں آدمیوں نے دستخط کیے۔

مسٹر گاندھی کی اس دھمکی کا حکومت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اس نے سرمائی اجلاس امپیریل کونسل میں غور و بحث کے لیے ایک مسودہ قانون پیش کر دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اسمبلی میں اس مسودہ قانون کی سخت مخالفت کی اور سازشوں کے انسداد کے لیے رولٹ کمیٹی نے جو تدابیر تجویز کی تھیں ان کے متعلق انہوں نے کہا:

''کوئی مہذب حکومت یہ تصور نہیں کر سکتی کہ ان سفارشات کو قانون کی صورت میں منظور کرے، مگر کوئی دلیل اور صحبت کام نہ آئی۔ رولٹ ایکٹ پاس ہو گیا، اور وائسرائے نے فوراً اس کی منظوری دے دی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے وائسرائے کو ایک مفصل خط لکھا۔ جس کی بڑی شہرت ہوئی، اور اسی خط میں مسودہ قانون کی منظوری کے خلاف انہوں نے احتجاجاً امپیریل لیجسلیٹو کونسل کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔

مسٹر گاندھی نے رولٹ ایکٹ کی منظوری کے بعد دوسرا اتوار اس کے لیے معین کیا کہ لوگ عجز و نیاز کے ساتھ دعا کریں اور ہدایت کی کہ اس دن ہڑتال کی جائے اور سب لوگ روزہ رکھیں۔ وہ اتوار 20 مارچ کو تھا، پھر یہ تاریخ کسی وجہ سے تبدیل کر کے 6 اپریل مقرر کی گئی۔ اس سے بڑی غلط فہمی ہوئی۔ دہلی میں 20 مارچ کو جلوس نکلا۔ اس پر پولیس نے گولی چلائی۔

آخری تجویز کے مطابق 6 اپریل کو تمام ہندوستان میں یوم ستیہ گرہ منایا گیا۔ ہڑتالیں ہوئیں، جلوس نکلے، جلسے ہوئے، ان میں پر جوش تقریریں کی گئیں۔ بمبئی میں یوم ستیہ گرہ منا کر مسٹر گاندھی، بہ عزم پنجاب، دہلی روانہ ہوئے۔ پلول کے اسٹیشن پر ان کو حکم امتناہی ملا کہ وہ پنجاب میں داخل نہ ہوں۔ مسٹر گاندھی نے تعمیل سے انکار کیا۔ اس پر ان کو پولیس کی حراست میں بمبئی واپس بھیج دیا گیا۔ اس واقعہ سے تمام ملک میں شورش ہوگئی۔ 11 اپریل 1919ء کو امرتسر میں ستیہ گرہ کے جلسے کا اعلان کیا گیا۔ ڈپٹی کمشنر نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کو

گفتگو کے لیے اس بنگلے پر بلایا اور وہیں سے کسی نامعلوم مقام پر بھیج دیا۔ اس سے لوگ مشتعل ہوئے اور جلوس کی صورت میں ڈپٹی کمشنر کے بنگلے کی طرف چل پڑے۔ فوج نے جلوس کو روکا۔ مجمع نے فوج پر اینٹیں اور پتھر پھینکے۔ فوج نے گولی چلائی۔ عوام میں جوش وجنون کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ پانچ انگریز ہلاک ہوگئے۔ امرتسر کو فوج کے انتظام میں دے دیا گیا۔ اسی روز بمبئی، کلکتہ، لاہور، احمد آباد میں ہنگامے ہوئے۔

(پاکستان ناگزیر تھا، از سید حسن ریاض، مطبوعہ کراچی یونیورسٹی)

جناح اور گاندھی

یہ کتاب ایس کے موجمدار نے مرتب کی اور اسے پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور نے شائع کیا۔

اس کتاب میں مرتب نے صفحہ 194 اور 197ء پر لکھا ہے:

''ہندوستان چھوڑ دو کا اقدام پوری طرح ناکام ہوگیا، اور گاندھی نے دین کی سچائی کا جو دعویٰ کیا اس کی قیمت ہندوستان کو ادا کرنا پڑی۔ جناح نے کانگریس کی حماقتوں کا پورا پورا فائدہ اٹھایا، اور اپنی پوزیشن مسلم عوام اور حکومت برطانیہ کی نظر میں ایسی مضبوط کرلی کہ اب جناح اور مسلم لیگ کو چھیڑنے کی ہمت کسی کو نہ رہی۔''

ہندوستان چھوڑ دو۔ تحریک کے سلسلے میں کانگریس کی قیادت جیل میں تھی اور سیاسی میدان پوری طرح مسلم لیگ کے تصرف میں تھا۔ اس موقع سے قائداعظم محمد علی جناح نے فائدہ اٹھایا اور نچلے نہیں بیٹھے بلکہ اس دوران لیگ کی تنظیم کو مضبوط و مستحکم کرنے اور پاکستان کی تحریک سے عوام کو روشناس کرانے میں لگے رہے۔

جناح اور لیگ

کچھ عرصہ سے آل انڈیا مسلم لیگ کے دو گروپوں کے درمیان رسہ کشی جاری تھی۔ 1934ء میں اس اختلاف کو دور کر کے قائداعظم محمد علی جناح کو آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس سلسلے میں ہفتہ وار پیسہ اخبار نے اپنی 15 مارچ 1934ء کی اشاعت میں درج ذیل اداریہ میں امید ظاہر کی کہ آپ اس سیاسی تنظیم کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ ہفتہ وار پیسہ اخبار نے لکھا:

''مسٹر جناح ہندوستان کے لائق ترین سپوت اور بہترین لیڈر ہیں، ان کی قابلیت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ ان کو قدرت نے ایسی زبان بخشی ہے جس سے اچھے سے اچھے الفاظ میں ہمیشہ معقول ترین باتیں نکلتی ہیں۔ قوم بھی ان کی قدر و قیمت جانتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم لیگ کے دو پریذیڈنٹ جن کے درمیان ایک مدت سے رسہ کشی جاری تھی۔ بے چون و چرا ان کے حق میں صدارت سے دستبردار ہوگئے۔ اسمبلی میں جس ان کی خاطر سیٹ خالی کرنے کے لیے کئی ایک مسلم ممبر تیار ہیں۔ اس وقت قوم کی آنکھیں اپنے لائق سیاسی لیڈر مسٹر محمد علی جناح پر لگی ہوئی ہیں۔ امید ہے کہ مسٹر موصوف لیگ کو صحیح معنوں میں قوم کی نمائندہ مجلس بنا کر اس کے ذریعے سے مسلمانانِ ہندوستان کی عظیم الشان سیاسی اور قومی خدمت انجام دیں گے۔''

(ہفتہ وار پیسہ اخبار، اشاعت: 15 مارچ 1934ء)

جناح اور مسلم ایوانِ تجارت

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 29 مارچ 1944ء میں لکھتا ہے:

قائداعظم محمد علی جناحؒ اور مہاتما گاندھی

''گذشتہ جمعہ کے دن شام کے وقت ایوان تجارت پنجاب کی طرف سے قائداعظم کی خدمت میں ایک ایڈریس پیش کیا گیا، جس میں سب سے زیادہ نمایاں چیز یہ شکایت تھی کہ حکومت مسلمان تاجروں کی شکایات و مطالبات کی طرف کما حقہ توجہ نہیں کرتی۔

مسٹر جناح نے اس کے جواب میں بالکل صحیح کہا:

''حکومت کی اس کم توجہی کے لیے خود مسلمان تاجر ذمہ دار ہیں۔ اس لیے کہ غیر منظم لوگ اس کے مستحق ہیں۔''

اس میں شک نہیں کہ مسلم ایوان تجارت کے کار پرداز تاجروں کی تنظیم میں کسی قدر سرگرمی کا اظہار کر رہے ہیں، لیکن انہیں یہ فراموش نہ کرنا چاہئے کہ وہ اپنی ہمسایہ قوم سے بہت پیچھے ہیں اس کے علاوہ عام مسلمان تاجر ابھی تنظیم کے فوائد کو محسوس نہیں کرتے۔ اس لیے کار پردازوں کو اس تنظیم کی کوشش دوچند کر دینی چاہئے۔ اگر وہ ایک دفعہ منظم اور طاقتور ہو کر حکومت سے کوئی مطالبہ کریں گے تو ان کی آواز یقیناً سنی جائے گی۔ ڈیڑھ سو ممبر کافی نہیں ہیں۔ چند معزز کار پردازوں کو صوبے کے بڑے بڑے تجارتی مرکزوں کا دورہ کرنا چاہئے، اور مسلمان تاجروں کو ایوان تجارت کا ممبر بنانے میں جدوجہد کرنے میں اپنے روپے، اپنی محنت اور اپنے وقت کا ایثار گوارہ کرنا چاہئے۔

ہم بھی اس اظہار مسرت میں مسٹر جناح کے ہم آہنگ ہیں کہ اب خدا کے فضل سے مسلمان تاجروں میں بیداری پیدا ہو رہی ہے، لیکن اس بیداری کی رفتار کو تیز تر کرنے کی ضرورت ہے۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 29 مارچ 1944ء)

جناح اور مہاسبھائی

روزنامہ انقلاب نے اپنی اشاعت 24 ستمبر 1937ء میں جو اداریہ لکھا وہ درج ذیل ہے:

''مسٹر جناح نے شملہ میں مسلمانوں کے ایک سپاسنامہ کے جواب میں جو تقریر فرمائی، اس میں اسلامیانِ ہند کی سیاسیات کے تمام اہم پہلو ایک مرتبہ پھر انتہائی وضاحت سے پیش کر دیے، مثلاً

1. کانگریس کی طرح مسلم لیگ کا نصب العین بھی آزادئ کامل ہے۔
2. ہندوؤں نے مسلمانوں کے مطالبۂ حقوق کو پس پشت ڈالنے کے لیے جو ہتھکنڈے ایجاد کیے ہیں، ان میں سے ایک ہتھکنڈہ یہ بھی ہے کہ جب تک ہندوستان کو حقوق نہ مل جائیں، اس وقت تک تقسیم کا سوال ہی نہیں اٹھانا چاہئے۔

مسٹر جناح نے صاف فرما دیا ہے۔ اس قسم کی باتوں سے اصل مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔

3. مسٹر جناح نے فرمایا کہ اگر میں اپنی قوم کو مستقل اور مضبوط بنانا چاہتا ہوں تو یہ کوئی جرم نہیں ہے۔
4. اکثریت اور اقلیتوں کا مسئلہ صرف ہندوستان کے لیے مخصوص نہیں ہے، بلکہ دوسرے ممالک میں بھی یہ مسئلہ پیش ہوتا رہا ہے اور اب بھی پیش ہے۔
5. ایک مذہب، ایک کلچر اور ایک تمدن والی اکثریت بھی ظالم و جابر بن سکتی ہے۔ پھر ہندو اکثریت کی طرف ظلم و جبر کے اعتبار سے مسلمانوں سے اور دوسری اقلیتوں سے بالکل مختلف ہے؟
6. مسٹر جناح نے فرمایا کہ ہم باہمی تصفیہ کی خواہش میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں، اور متحدہ محاذ پیش

کرنے کے آرزومند ہیں۔ ہندوستان اس وقت تک آزادی حاصل نہیں کر سکتا، جب تک اقلیتوں کے مسئلہ کو عزم راسخ کے ساتھ طے نہ کیا جائے۔

ہندو اخباروں نے حسبِ عادت مسٹر جناح کے ان صاف اور واضح بیانات کی مخالفت کی ہے اور بعض نے تو اس باب میں تلبیس اور فریب کاری کے ایسے کارنامے انجام دیے ہیں کہ انسان ان لوگوں کی جرأتِ دروغ بیانی پر دنگ رہ جاتا ہے۔ مثلاً ''ملاپ'' لکھتا ہے کہ

''تقسیم حقوق کی کئی کوششیں ہوئیں۔ اتحاد کانفرنسیں ہوئیں، آل پارٹیز کانفرنسیں ہوئیں، پیکٹ بنے، معاہدے ہوئے لیکن کیا حاصل ہوا؟ کیا ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات بہتر ہو گئے؟ کیا پہلے تقسیم کر لینے کے بعد انہوں نے آزادی حاصل کرنے کی متحدہ کوشش کی؟ ہندوستانیوں کے علاوہ غیر ہندوستانی برطانوی مدبرین نے بھی اس مسئلہ کو اسی طرح حل کرنے کی کوشش کی ہے جس طرح مسٹر جناح چاہتے ہیں۔ جداگانہ انتخابات، فرقہ وارانہ نیابتیں اور آخر کار کمیونل ایوارڈ اس کوشش کا نتیجہ ہیں۔ ان سب کو دیکھتے ہوئے آسانی کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں تک مسٹر جناح کا مطالبہ ہے، وہ پورا ہو چکا ہے۔ برطانوی مدبرین نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے حقوق الگ الگ کر دیے ہیں۔ اس تقسیم کے بعد بھی مسلمان بھائی (میرا مطلب مسلم لیگی جناحوں اور ظفر علیوں سے ہے) وطن پرستانہ تحاریک سے الگ کیوں ہیں؟ کیوں وہ متحد طور پر یہ کوشش نہیں کرتے کہ ہندوستان آزاد ہو جائے۔''

کوئی تلبیس اور کوئی دروغ بیانی اس سے بدتر صورت اختیار نہیں کر سکتی۔ کیا ''ملاپ'' ہمیں بتائے گا کہ اتحاد کانفرنس اور آل پارٹیز کانفرنسوں میں کون سے معاہدے ہوئے۔ واقعات یہ ہیں:

① 1916ء میں ہندوؤں نے میثاقِ لکھنؤ مرتب کیا، جس کی بنیاد و اساس یہ تھی کہ ہندوستان بھر میں مسلمانوں کی اکثریتیں فنا ہو جائیں، مسلمانوں نے مسلسل اس کی مخالفت کی۔

② 1922ء سے لے کر 1927ء تک بار بار کوششوں کے باوجود ہندوؤں نے کوئی سمجھوتہ نہ ہونے دیا۔

③ 1928ء میں نہرو رپورٹ بنی جسے ہندوؤں کے زیر اثر کانگریس نے ہندوستان کا متحدہ دستور قرار دیا، حالانکہ ہر اسلامی جماعت اس کے خلاف تھی۔

④ 1931ء میں بمبئی والی اسکیم تیار ہوئی، ہر اسلامی جماعت اس کی بھی مخالف تھی۔

⑤ گول میز کانفرنسوں میں دو مرتبہ باہمی سمجھوتے کی کوشش کی گئی، دونوں مرتبہ یہ کوشش ناکام رہی۔

⑥ 1936ء میں حکومت نے فرقہ وار فیصلہ صادر کیا۔ یہ فیصلہ پنڈت مالوی اور متعدد دوسرے ہندوؤں کی درخواست کے مطابق صادر ہوا تھا۔ گاندھی جی نے بھی اس کی تائید کی تھی۔ مسلمانوں نے اسے قبول کر لیا لیکن ہندوؤں اور سکھوں نے اس کی مخالفت شروع کر دی۔

ان واقعات کو پیش نظر رکھ کر ''ملاپ'' کا محولہ بالا دعویٰ کیونکر درست سمجھا جا سکتا ہے؟ بلاشبہ تقسیم حقوق ہو چکی ہے لیکن ہندوؤں کی تو یہی کوشش رہی ہے کہ یہ تقسیم مٹ جائے، اب متحدہ محاذ پیدا ہو تو کیونکر ہو، ہندوستان کی آزادی کے لیے قدم اٹھایا جائے تو کیونکر اٹھایا جائے۔ مسٹر جناح تو اسمبلی میں بھی کہہ

چکے ہیں کہ فرقہ وار فیصلہ کی بناء پر متحدہ محاذ پیدا کر لیا جائے، اور ہندوستان کی آزادی کے لیے کوشش کی جائے، لیکن اس کی مخالفت ہندوؤں کے سوا کون کر رہا ہے۔ ہندوؤں کی سعی تو یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی بے شک معرضِ اختلال میں پڑ جائے، لیکن ہندو راج کا راستہ صاف رہنا چاہئے، یعنی اقلیتوں کے لیے حفاظت و استقلال کا کوئی سامان باقی نہ رہے، کیا ہندوستان کو آزاد کرانے کا یہ طریقہ ہے؟ کیا متحدہ محاذ اس طرح پیدا ہوگا؟

اور آج کانگریس آزادیٔ ہند کی کون سی کوشش میں مشغول ہے؟ ہر صوبے کی کانگریس پارٹی دستور کو ناقابلِ قبول سمجھنے کے باوجود عام تعاونیوں کی طرح اس پر عمل پیرا ہے۔ اپنی اکثریت کے زعم میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق پامال کرنے کے درپے ہے۔ اڑیسہ میں مسلمانوں کو ہیئت عالیہ حاکمہ میں شامل نہ کیا گیا۔ دوسرے صوبوں میں صرف ان مسلمانوں کو وزیر بنایا گیا، جو کانگریس اور ہندو اکثریت کے پٹھو تھے، اور غیر مشروط طور پر ہندوؤں کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے تھے۔ کیا آزادیٔ وطن کے یہ ڈھنگ ہیں؟ کیا متحدہ محاذ پیدا کرنے کی تدبیریں ایسی ہوتی ہیں؟

''ملاپ'' لکھتا ہے:

''ہندوستان سے فرقہ پرستی کو مٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہندو مسلم کی تمیز اڑا دی جائے۔ ہم ہندوستانی اپنے آپ کو ایسا بنالیں کہ مذہب کو اپنی ذات تک محدود رکھیں۔ اسے سیاسیات میں داخل کرنے کی کوشش نہ کریں۔''

لیکن کیا مذہب کو اپنی ذات تک محدود رکھنے کی شکل یہ ہے کہ مثلاً اگر کہیں مذبح بن رہا ہو تو کانگریس اور غیر کانگریسی ہندو اس کے خلاف صف آراء ہو جائیں۔ اگر قیامِ امن کے مقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا جائے کہ مسجدوں کے روبرو اوقاتِ نماز میں باجہ نہ بجے تو اس کی مخالفت کی تیاریاں کی جائیں، اور ماسٹر تارا سنگھ کو فتنہ انگیزی کا قائد بنا کر شرارتوں کے دروازے کھول دیے جائیں؟ کیا مذہب کو اپنی ذات تک محدود رکھنے کی شکل یہ ہے کہ کشمیر میں اگر کسی مسلمان کو ذبیحہ گاؤ پر پورے دس سال کی سزا نہ ملے تو حکومت کشمیر کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی جائے۔

ہندوؤں کو اس قسم کے دعوے پیش کرنے پر شرم آنی چاہئے، ان کا مدعا ہرگز یہ نہیں کہ مذاہب اشخاص کی ذاتوں تک محدود ہو جائیں، ان کا مدعا محض یہ ہے کہ مسلمان مذہب کو اپنی ذاتوں تک محدود رکھیں، اور ہندوستان کے طول و عرض میں صرف ہندوؤں کا مذہب، ہندوؤں کا کلچر اور ہندوؤں کی معاشرت جاری ہو جائے۔ وہ ہندویت کو ہر جگہ مسلط کر دینے کے آرزومند ہیں۔ پنڈت جواہر لعل نہرو کی فرقہ پرستی ملاحظہ ہو کہ جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمہ اسلامی جماعتوں اور اسلامی قائدوں کے خیالات و افکار ہندو راج کی اسکیموں کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے تو وہ ان جماعتوں اور قائدوں کو غیر نمائندہ قرار دے کر عام مسلمانوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا ڈھونگ رچا بیٹھے۔ اس ملعون اور خبیثانہ فرقہ پرستی کو کون برداشت کر سکتا ہے۔ ہندوؤں کے یہی اعمال و افکار تھے، جن کی وجہ سے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو ان سے بدظنی پیدا ہوئی، اور ہندو لاکھ کوشش کر لیں

اب اقلیتوں کو دبانا غیر ممکن ہے۔ ہندوؤں کے ایسے ہی غلط طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ اچھوتوں میں بیداری پیدا ہوگئی، اور گاندھی جی کا ''مرن بھرت'' بھی اس بیداری کو نہ روک سکا۔ وہ وقت دور نہیں جبکہ آٹھ دس کروڑ اچھوت بھی ایک مستقل قوم بن جائیں گے۔ صحیح راستہ اب بھی یہی ہے کہ ہندوؤں کی ذہنیت درست ہو جائے۔ وہ اقلیتوں کے ساتھ انصاف کریں۔انہیں حفاظت کا یقین دلائیں۔متحدہ محاذ اس طرح پیدا ہوگا، ہندو راج کی اسکیموں کو معرض عمل میں لانے کی مساعی بہر حال ناکام ہوں گی۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 24 ستمبر 1937ء)

جناح اور نظریہ پاکستان

1945ء میں شملہ کانفرنس کی قطعی ناکامی کے بعد نئی دہلی میں گورنروں کا اجلاس ہوا تاکہ لارڈ ویول اور وائٹ ہال کو ان کے اگلے سیاسی اقدامات کا فیصلہ کرنے میں مدد دی جا سکے۔ سردیوں کے انتخابات پر زیادہ تر اتفاق رائے پایا گیا، تاہم پنجاب کے گورنر گلانسی نے شدید مخالفت کرتے ہوئے دعویٰ کیا:

''جب تک پاکستان کے وسائل میں پوشیدہ خامیوں کو اجاگر کرنے کے لیے ایک اقتصادی کانفرنس نہ بلائی جائے۔ایسے انتخابات بے معنی ہوں گے۔''

اس نے زور دے کر یہ بات کہی:

''اگر مسلم لیگ کو پاکستان کی خام خیالی سے نہ نکالا گیا تو پنجاب میں خانہ جنگی کا زبردست خطرہ ہے،اور مرکز میں فوری انتخابات سے مسلم لیگ کی پوزیشن مضبوط ہونے کا امکان ہے۔''

گلانسی کو خوف تھا:

''پنجاب کے مسلمان محض ایک ''مذہبی مسئلہ'' کو سامنے رکھ کر ووٹ دیں گے۔''

اس کے خدشات نے خضر حیات کے عمیق ترین اندیشوں کی توثیق کر دی۔ بنگال کے گورنر نے اس سے اتفاق کیا:

''بنگال کا کوئی بھی سرکردہ رہنما میرے سامنے یہ وضاحت نہیں کر سکا کہ پاکستان سے ان کی کیا مراد ہے۔آخر کار وہ جناح کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئے۔ یعنی انہوں نے یہ کہہ کر جان چھڑا دی کہ جناح اس بارے میں مطمئن ہیں کہ اقتصادی لحاظ سے پاکستان بڑا مضبوط ہوگا۔ پس ہم بھی یقین رکھتے ہیں کہ وہ ایسا ہی ہوگا۔''

کیسی کے خیال میں وقت ایک اہم عامل تھا، کیونکہ اسے علم تھا کہ جناح کا کوئی حقیقی جانشین نہیں، اس کا استدلال یہ تھا:

''جناح کے بغیر نظریہ پاکستان کے پرزے اڑ جائیں گے۔''

جناح ایجوکیشن بورڈ

1946ء میں محترمہ فاطمہ جناح نے ایک زنانہ کالج قائم کیا اور اسے جناح ایجوکیشن بورڈ کا نام دے کر وقف کر دیا۔

جناح اور نہرو رپورٹ

1928ء میں سیکرٹری آف اسٹیٹ لارڈ برکن ہیڈ کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے ہندوستانیوں نے ایک آل پارٹیز کانفرنس کا انعقاد کیا، جسے ہندوستان کے لیے ایک متفقہ آئین تیار کرنا تھا، اور یہ کام پنڈت موتی لال نہرو کی زیر نگرانی ایک کمیٹی کو سونپا گیا۔ اس کمیٹی نے جو آئین تیار کیا، اس کو نہرو رپورٹ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس رپورٹ کی خاصیت یہ تھی کہ اس میں مسلمانوں کے تمام اہم مطالبات یکسر نظر انداز کر دیے گئے تھے۔ روزنامہ انقلاب لاہور اشاعت 2 نومبر

1928ء کا اداریہ اسی بارے میں ہے۔ روزنامہ انقلاب نہرو رپورٹ کا سخت مخالف تھا۔اس سلسلے میں اخبار اپنے اداریہ میں لکھتا ہے:

''مسٹر جناح نے ہندوستان کے ساحل پر قدم رکھنے کے بعد جو انٹرویو دیا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناح ممدوح نے نہرو رپورٹ یا لکھنؤ کے ان فیصلوں کی تائید نہیں کی، جو فرقہ وارانہ مسائل سے تعلق رکھتے ہیں اور جن پر بحث ہو رہی ہے۔ خود ٹریبون بھی اس انٹرویو کو ''سخت مایوس کن'' بتاتا ہے۔ امید ہے کہ جب وہ نہرو رپورٹ کو اطمینان سے پڑھیں گے نیز اپنے رفقا کار مثلاً مولوی محمد یعقوب صاحب، سر عبدالرحیم صاحب سے لکھنؤ کانفرنس کے حالات سنیں گے تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ اس مرتبہ بھی انصاف نہیں کیا، بلکہ ان کی بے انصافی کا دائرہ روز افزوں ہے۔ مسٹر جناح نے اس کے ساتھ ہی زور دیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی تنظیم کرنی چاہئے۔ متحد رہنا چاہئے اور اپنا نقطہ نگاہ پورے زور کے ساتھ پیش کرنا چاہئے۔ ہم صاحب موصوف کے ان خیالات کی تہہ دل سے قدر کرتے ہیں۔ تنظیم و اتحاد کا مطلب یہی ہے کہ مسلمان گروہ در گروہ بن کر مختلف خیالات ظاہر نہ کرتے پھریں، بلکہ انہیں جماعتی حیثیت سے ایک فیصلہ کر لینا چاہئے جس پر وہ سب کے سب یا ان کی اکثریت متفق ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر جناح مجوزہ آل انڈیا مسلم کانفرنس کی پوری پوری تائید کریں گے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کے اتحاد و تنظیم کی یہی ایک بڑی بہترین مشکل ہے۔ ہمیں امید ہے کہ صاحب موصوف اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھیں گے، اور اس سے قوم کے فیصلے کا پروانہ لے کر ہندوؤں سے یا کانگریس سے ملک کی دوسری اقوام کی جماعتوں سے فیصلہ کرنے کے لیے جائیں گے تو زیادہ آسانی سے فیصلہ ہو سکے گا یا کم از کم مسلمانوں کے حقوق اور تحفظات کے ساتھ کسی کو مذاق اور استہزاء کا موقع نہیں ملے گا۔''

(روزنامہ انقلاب، لاہور، اشاعت 2 نومبر 1928ء)

مسٹر جناح نہرو رپورٹ کے مخالف ہیں

روزنامہ انقلاب کا درج ذیل اداریہ روزنامہ زمیندار کے ایک اداریہ کا جواب ہے۔ اس دور میں زمیندار مخلوط انتخاب، ہندو مسلم اتحاد اور نہرو رپورٹ کا سخت حامی تھا۔ اس کے برعکس روزنامہ انقلاب نہرو رپورٹ کی مخالفت میں پیش پیش تھا، اور مخلوط انتخاب کے حامیوں کو ''مخلوطیوں'' کے نام سے یاد کرتا تھا۔

''روزنامہ زمیندار نے اپنے گذشتہ ایڈیشن میں لکھا تھا کہ مسٹر جناح کے پہلے بیان سے قطعاً ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ نہرو رپورٹ اور فیصلہ لکھنؤ کو تجاویز دہلی اور کلکتہ لیگ کے فیصلے کے خلاف سمجھتے ہیں، اس کے ساتھ ہی موصوف نے مسٹر جناح کو مسلمانوں کا مقتدر رہنما تسلیم کر کے ان کی اصابت رائے کو اسلامی اور غیر اسلامی حلقوں میں مسلم کر دیا، لیکن ہمیں یقین ہے کہ مسٹر جناح کے اس مکتوب سے جو آپ نے پنڈت موتی لال نہرو کے نام بھیجا ہے، زمیندار اور دوسرے مخلوطیوں کی آنکھیں کھل گئی ہوں گی۔ اس مکتوب میں مسٹر جناح صاف اور واضح الفاظ میں فرماتے ہیں کہ نہرو رپورٹ تجاویز دہلی کے متناقض اور علی الخصوص مرکزی مجلس وضع قوانین میں مسلمانوں کی نیابت اور بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کے لیے نشستوں کی

تخصیص کی نسبت فیصلہ ہائے لکھنؤ اور تجاویز دہلی میں صریح اختلاف موجود ہے۔

مسٹر محمد علی جناح کے اس اظہارِ خیال نے ہندوستان بھر میں نہرو رپورٹ کے حامیوں کی کمر توڑ دی ہے۔"

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 7 نومبر 1928ء)

مسٹر جناح کا بیان

روزنامہ انقلاب کا درج ذیل اداریہ جناح لیگ کونسل کے بارے میں ہے۔ اس دور میں آل انڈیا مسلم لیگ دو حصوں شفیع لیگ اور جناح لیگ میں بٹی ہوئی تھی، روزنامہ انقلاب شفیع لیگ کا زبردست حامی تھا۔ روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 17 نومبر 1928ء کو لکھتا ہے:

''مسٹر جناح سے فری پریس کے نمائندے نے لیگ کونسل کے اجلاس کے بعد انٹرویو کیا تو صاحب موصوف نے فرمایا: ''میں کونسل کے اجلاس کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کونسل نہرو رپورٹ کو منظور کرنے پر تیار نہیں ہے۔ اس وجہ سے رپورٹ کے متعلق غور و خوض کو لیگ کے آئندہ سالانہ اجلاس پر ملتوی کر دیا گیا ہے۔'' مسٹر جناح نے یہ بھی کہا کہ ''عام ممبر رپورٹ میں تبدیلیوں اور ترمیموں کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔''

ہم خود افتتاحیہ میں عرض کر چکے ہیں کہ لیگ نے نہرو رپورٹ کو منظور نہیں کیا، اور یقین ہے کہ بہت بڑی اکثریت اس کے خلاف ہوگی، ورنہ لکھنؤ میں ہٹلر پیلس کی جاذبیت کے تمام دوائر مصروف عمل و سحر طرازی ہوں، اور اس کے باوجود رپورٹ پر غور و خوض ملتوی ہو جاتے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے اور صاف ظاہر ہے کہ مخالفت بڑی ہی زبردست ہو گی لیکن ہمیں اس کے باوجود اس قرارداد پر افسوس ہے جو منظور کی گئی۔ اس لیے کہ موجودہ حالات میں وہ قرارداد بھی مختلف النوع غلط فہمیاں پیدا کر سکتی ہے۔ مسٹر جناح نے یہ بھی فرمایا کہ مسلمانوں کی تمام جماعتوں میں اتحاد ہو جائے گا۔ یہ امر یقیناً باعث مسرت ہونا چاہیے لیکن جناح لیگ کونسل نے سالانہ اجلاس کے مقام، تاریخ اور صدر کے فیصلے کر کے اتحاد میں بڑی مشکلات پیدا کر دی ہیں، اگر ان امور کے متعلق کوئی فیصلہ نہ ہوتا تو بہتر ہوتا۔ اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لیگ کی کونسل نے خود ہی اتحاد کے راستے میں کانٹے بکھیر دیے ہیں۔ جو قدم قدم پر خواہش مندانہ اتحاد کے حارج سفر ہوں گے۔

مسٹر جناح چاہیں تو اب بھی اپنے اثر و رسوخ کو قوم کے بہترین مقاصد و عزائم کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ ان کی خواہش بھی یہی معلوم ہوتی ہے، لیکن ہمارا خیال ہے کہ جس کشتی میں وہ ایک مرتبہ قدم رکھ چکے ہوں اس کے رخ کے بدلنے کی اتنی کوشش نہیں فرماتے جتنی انہیں اپنی خواہش اصلاح کی بنا پر کرنی چاہیے یا جتنی کہ قوم کی مقتضیات فلاح و بہبود کی بنا پر ضروری ہے۔"

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 17 نومبر 1928ء)

جناح اینڈ جوہر

یونیورسٹی اسلام آباد کے پروفیسر ریاض احمد نے یہ کتابچہ قائداعظم یونیورسٹی کے لیے 1979ء میں انگریزی زبان میں لکھا اس کا نام:

JINNAH AND JAUHAR
Point of contact and divergence

ہے "جناح اور جوہر...... ملاقات اور اختلاف کے نکات"

جناح اینڈ میکنگ آف اے نیشن

اس کتاب کو سلیم قریشی نے انگریزی زبان میں لکھا۔ مصنف نے اس کتاب میں ان اقدامات کی نشاندہی کی جو قائداعظم محمد علی جناح نے قیام پاکستان کے سلسلے میں کیے گئے تھے۔ قیام پاکستان کے سلسلے میں لکھی جانے والی کتب میں یہ کتاب حوالے کی کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔

جناح اور وکالت

جووٹ مشہور انگریز قانون دان تھے، اور لیبر پارٹی کے دور اقتدار میں 1945 تا 1951ء برطانیہ کے وزیر قانون کے عہدے پر فائز رہے۔ انہوں نے پریوی کونسل میں قائداعظم محمد علی جناح کی وکالت کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا:

"جناح قانونی معاملات میں نہایت ہوشیار تھے، اور پریوی کونسل میں اپنے مقدمات کی پیروی میں وہ بڑی فہم وبصیرت کا ثبوت دیتے تھے۔ ان کی ان صلاحیتوں کے باعث ہم ان کا بے حد احترام کرتے ہیں۔"

ان کا پورا نام ولیم ایلن جووٹ تھا۔ جووٹ 1885ء میں پیدا ہوئے۔ 1909ء میں انہوں نے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ 1922ء میں پارلیمنٹ کے رکن اور 1929ء میں لیبر پارٹی کے ٹکٹ پر پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے 1929 تا 1932ء برطانیہ کے اٹارنی جنرل، 1940ء تا 1942ء سولسٹر، پے ماسٹر جنرل، وزیر بے محکمہ اور 1945ء تک نیشنل انشورنس کے وزیر رہے۔ جووٹ نے 1945ء سے 1951ء تک وزیر قانون کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ 1957ء میں ان کا انتقال ہوا۔

جناح ایک عظیم مدبر

10 اگست 1947ء کو جب کراچی میں دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس منعقد ہوا تو نواب زادہ لیاقت علی خان کی تجویز پر انہوں نے اجلاس کی صدارت کی اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح بھی موجود تھے:

جوگندر ناتھ منڈل پاکستان کے پہلے وزیر قانون تھے۔ جوگندر ناتھ منڈل نے اس موقع پر کہا:

"میں اس عظیم اور اہم موقع پر قائداعظم کی خدمت میں ہدیہ تحسین وتبریک پیش کرتا ہوں۔

قائداعظم پاکستان کے بانی اور معمار ہیں۔ مجھے پورا بھروسہ ہے کہ ان کی اعلیٰ قیادت، تدبر اور لیاقت کے زیر سایہ پاکستان کے تمام باشندوں کو خوشحالی اور ترقی نصیب ہوگی۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مسٹر جناح آج کی دنیا میں عظیم مدبر اور عظیم ترین انسان ہیں۔ مجھے امید ہے کہ پاکستان کے مختلف حصوں اور فرقوں کے نمائندے جو یہاں موجود ہیں پاکستان کے لیے ایک ایسا دستور مرتب کریں گے جو واقعی ایک اعلیٰ دستور ہوگا۔"

جناح بمقابلہ کانگریس

◆ قائداعظم محمد علی جناح کی کانگریس سے پہلی رسمی وابستگی ستمبر 1905ء میں ہوئی۔ ستمبر 1905ء میں بمبئی پریذیڈنسی ایسوسی ایشن نے قائداعظم محمد علی جناح کو انگلستان جانے والے وفد میں مسٹر مہتا کی جگہ کانگریسی وفد کا ایک رکن نامزد کیا، اس وفد کے رکن کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی بھرپور صلاحیتوں کا اظہار کیا۔ 1906ء میں کلکتہ میں کانگریس کا اجلاس ہوا تو اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی

پہلی سیاسی تقریر کی اور وہ بھی حکومت خود اختیاری کی قرارداد پر۔
دو برس بعد مدراس کانگریس میں قائداعظم محمد علی جناح کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا رکن منتخب کرلیا گیا ہے۔
کلکتہ کانگریس میں قائداعظم محمد علی جناح نے دو تقریریں کیں ان میں سے پہلی کا تعلق وقف علی الاولاد سے اور دوسری کا تعلق مقابلے کے امتحانوں سے تھا۔ کانگریس کا رکن ہونے کے باوجود قائداعظم محمد علی جناح نے برادری مسلمانوں کے لیے مناسب مراعات کا مطالبہ کیا، اور وہ مسلمان برادری کو ایک پسماندہ طبقہ کی حیثیت سے روشناس کرانے کو تضحیک کے مترادف قرار دیتے تھے۔ ان کا موقف تھا:

''مسلمان کسی طور پر بھی ہندوؤں سے کمتر نہیں بلکہ ہر لحاظ سے ان کے برابر ہیں۔''

1914ء تک قائداعظم محمد علی جناح نے کانگریس میں نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا، اور وہ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ایک پل کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ ان کی تگ و دو کے نتیجے میں کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاس یکے بعد دیگرے 1915ء میں بمبئی کے مقام پر منعقد ہوئے۔ انہوں نے کانگریس اور مسلم لیگ کی متفقہ اسکیم تیار کرنے کی تجویز پیش کی۔ ان کی یہ جدوجہد 1916ء کے میثاق لکھنؤ پر منتج ہوئی۔
کانگریس کی سیاست میں جب تشدد کو جگہ ملی تو قائداعظم محمد علی جناح بے حد مایوس ہوگئے۔ اکتوبر 1920 میں جب گاندھی نے ہوم رول لیگ کا صدر منتخب ہو کر اس کا دستور اور نام تبدیل کرنا چاہا تو قائداعظم محمد علی جناح اس سے مستعفی ہوگئے۔ 1920ء میں ناگپور میں کانگریس کا جو اجلاس منعقد ہوا اس میں عدم تعاون کے پروگرام پر حتمی مباحثہ ہوا اور اس پر عملدرآمد کا فیصلہ کرلیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس پروگرام کی مخالفت میں آخری کوشش کی مندوبین نے ان کی بات سننے سے انکار کردیا۔ چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے کانگریس سے علیحدگی اختیار کرلی۔

◆ ''جناح بمقابلہ کانگریس'' اس کتاب کو سید احمد حسین نے تصنیف کیا۔
یہ کتاب 1988ء کے اوائل میں منظرعام پر آئی اور اسے ای 3 کوزی سوئر حسن اسکوائر کراچی نے شائع کیا۔
اس کتاب میں سید احمد حسین نے تحریک پاکستان کے سفر کو قدرے غیر روایتی انداز سے دیکھا اور بیان کیا۔ انہوں نے اختلاف کا حق بھی استعمال کیا ہے اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے اور ناکام بھی۔ انہوں نے مفروضوں سے زیادہ دستاویزات کی روشنی میں واقعات کی کڑیوں کو ملانے کی کوشش کی ہے۔ ایک محقق کی طرح کلیات و جزیات کو برابر اہمیت دی ہے۔ کہیں کہیں سید احمد حسین اپنی مخالفت کا اس شدت سے اظہار کرتے ہیں کہ جانب دار نظر آنے لگتے ہیں۔ ان کا یہ لہجہ صداقت کو متاثر کرتا ہے، ممکن ہے یہ شدت ان کے شدید جذبہ حب الوطنی کی ایک صورت ہو۔

جناح بنام ابوالکلام آزاد

مولانا ابوالکلام آزاد نے 12 جولائی 1940ء کو قائداعظم محمد علی جناح کے نام ایک تار بھیجا قائداعظم محمد علی جناح نے اس کا یہ جواب دیا:

''آپ کا تار اعتماد پیدا نہیں کرسکتا۔ میں آپ سے خط و کتابت یا کسی اور طریقے پر گفت و شنید سے انکار کرتا ہوں، کیونکہ آپ مسلم ہندوستان کا قطعی طور پر اعتماد کھو چکے ہیں۔ کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ آپ کو کانگریس کا مسلم ''شو بوائے'' صدر اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس بات کو رنگ دے کر بیرونی ممالک کو دھوکہ دیا جاسکتا ہے کہ یہ نیشنل کانگریس ہے۔ آپ نہ مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہیں اور نہ ہندوؤں کی۔

کانگریس ایک ہندو جماعت ہے۔ اگر آپ میں عزت نفس ہے تو فوراً مستعفی ہو جائیں۔ اب تک آپ نے لیگ کے ساتھ بدترین سلوک کیا ہے۔ آپ کو علم ہے کہ آپ بری طرح ناکام ہوئے ہیں۔ اسے چھوڑ دیجیے۔''

جناح بنام وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 317 کا متن

مسٹر جناح بنام وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن

10 اورنگ زیب روڈ، نئی دہلی

24 جون 1947ء

ڈیئر لارڈ ماؤنٹ بیٹن!

آپ کا 19 جون کا مکتوب موصول ہوا جس کے لیے آپ کا شکریہ۔ جہاں تک آپ کی اس تجویز کا تعلق ہے کہ حد بندی کمشنوں کے چیئرمینوں کے انتخاب میں اختلاف رائے کی صورت میں عالمی عدالت انصاف کے سربراہ سے کیا جائے کہ وہ ان کا چناؤ کر دیں۔ ہم نے گذشتہ رات میٹنگ میں گفتگو کی اور ان وجوہات کی بنا پر جو میں نے وہاں بیان کی تھیں، یہ طریقہ کار کسی طور پر بھی تسلی بخش نہیں۔

حد بندی کمشنوں اور ثالثی چیئرمینوں کے بارے میں اپنی رائے میں پہلے بتا چکا ہوں۔ ثالثی بورڈ دفاع، مواصلات اور مالیات سے متعلق اثاثوں اور واجبات کی تقسیم میں آخری فیصلہ دے گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری تجویزوں کے بارے میں کانگریس کو متفق آنے پر آمادہ کر لیں گے جو جائز اور معقول ہیں اور اس سے کم از کم عرصے میں سارے تنازعے طے ہو جائیں گے۔

پنجاب حد بندی کمشن کے لیے میں درج ذیل دو نام بھجوا رہا ہوں۔

1. مسٹر جسٹس دین محمد سابق جج لاہور ہائی کورٹ
2. مسٹر جسٹس محمد منیر موجودہ جج ہائی کورٹ

اور بنگال حد بندی کمیشن کے لیے:

1. مسٹر جسٹس ابو صالح محمد اکرم، جج کلکتہ ہائی کورٹ
2. مسٹر جسٹس ایس اے رحمٰن، جج پنجاب ہائی کورٹ

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

جناح بیٹن مذاکرات

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم محمد علی جناح سے ایک بار پھر 7 اپریل 1947ء کو ملاقات کی۔ بعد میں لارڈ اسمے بھی بات چیت میں شریک ہو گیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہر ممکن کوشش کی کہ قائداعظم محمد علی جناح کیبنٹ پلان قبول کرنے اور دستور ساز اسمبلی میں شریک ہونے پر آمادہ ہو جائیں، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اگلی شام انہوں نے دو گھنٹے تک ایک اور ملاقات کی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنے عزائم سے مطلع کیا:

''میں حکومت برطانیہ سے یہ سفارش کرنے والا ہوں کہ جملہ بڑی پارٹیوں کا نقطہ نظر سننے کے بعد اقتدار کی منتقلی کے بہترین طریق کار پر عمل شروع کیا جائے۔ کابینہ مشن کے برعکس میں اس کا انتظار نہیں کروں گا کہ فریقین کسی ''سمجھوتہ'' پر پہنچ جائیں، کیونکہ انتقال اقتدار کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے۔''

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کہتے ہیں۔ تب میں نے پوچھا:

''اگر آپ میری جگہ ہوتے تو کیا حل تجویز کرتے؟''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بار پھر پاکستان کا مطالبہ دہرا دیا۔

وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے انہیں دعوت دی:
''تقسیم ہند کے متعلق اپنے دلائل پیش کریں۔''
لارڈ ماؤنٹ بیٹن کہتے ہیں:
''اس پر انہوں نے اپنے وہی پرانے دلائل دہرائے۔ جب میں نے ان پر واضح کیا کہ ان کے دلائل کا اطلاق پنجاب اور بنگال کی تقسیم پر بھی ہوتا ہے، اور یہ کہ اگر پورے ہندوستان کی ان کی منطق قبول کرتا ہوں، تو اس کا اطلاق مذکورہ بالا دونوں صوبوں پر بھی ہوگا۔ جب میں نے انہیں ''کرم خوردہ پاکستان'' دینے کی کوشش کی تو بہت مضطرب ہوئے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا شوشہ کانگریس نے گیدڑ بھبھکی کے طور پر چھوڑا ہے، تاکہ مجھے خوف زدہ کر کے پاکستان کے مطالبہ سے باز رکھ سکیں، لیکن میں اتنی آسانی سے اس مطالبہ سے نہیں ہٹوں گا۔ کانگریس کی گیدڑ بھبھکی سے مرعوب ہو گئے تو مجھے افسوس ہوگا۔''

9 اپریل 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن میں پھر ایک مرتبہ مذاکرات ہوئے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس بات پر اصرار کیا:
''پاکستان ہر قیمت پر اپنی جداگانہ فوج رکھے گا۔''
اس سلسلے میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی یادداشتوں میں یہ نوٹ ملتا ہے:
''میں نے انہیں سمجھایا کہ میرے نزدیک یہ بات ایک المیہ سے کم نہیں کہ آپ مجھے متحدہ ہندوستان کا تصور ترک کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''
میں نے انہیں تفصیل سے بتایا:
''ہندوستان متحد رہ کر کتنی عظمت اور قوت حاصل کر سکتا ہے۔''

آخر میں میں نے کہا:
''میں نے دیکھا ہے کہ عبوری حکومت کی کارکردگی اور جذبہ تعاون روز بروز بہتر ہو رہا ہے، اور میں اس بات پر غور کر رہا ہوں کہ مرکزی حکومت کو خود مسٹر جناح کے وزارت عظمیٰ کے کنٹرول میں دے دوں۔''
قریباً 45 منٹ بعد، مسٹر جناح جنہوں نے اپنے متعلق میرے ذاتی ریمارکس کا پہلے کوئی ذکر نہیں کیا تھا، اچانک بڑی سنجیدگی سے یہ تاثر دینے لگے گویا میں انہیں وزیراعظم بنانے پر سنجیدہ ہوں۔''
آگے چل کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کہتے ہیں:
''مسٹر گاندھی کی معروف اسکیم مسٹر جناح کی خود پسندی پر اب بھی اثر انداز ہو سکتی تھی۔ اس امر کے باوجود کہ اس نے مجھے ایک ایسے شخص کا تاثر دیا، جس نے ایک عظیم سکیم کے کسی پہلو پر بھی غور نہ کیا ہو، اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ پہنچے گا، جب اسے عملی دنیا میں زمین پر اترنا پڑے گا، اور وہ مبہم تصوراتی تجاویز کو ٹھوس بنیاد پر عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرے گا۔''

پھر 10 اپریل 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ تنہائی میں تین گھنٹے تک مذاکرات کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنے سٹاف کے سامنے بونگی ماری:
''مسٹر جناح ذہنی مریض ہیں۔''
وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم محمد علی جناح کو متاثر کرنے کے لیے ہر ممکن دلیل پیش کی تاہم ایسا لگتا تھا کہ ساری اپیلیں اکارت ثابت ہوئیں۔ قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے حق میں اپنے مطالبہ پر مضبوطی سے ڈٹے رہے۔
لارڈ ماؤنٹ بیٹن جب تک قائداعظم محمد علی جناح سے نہیں ملے تھے، اس بات کو ناممکن سمجھتے تھے کہ احساس ذمہ داری سے

میر احمد یار خان خان آف قلات

1977 - 1902

آپ صرف 32 سال کی عمر میں ریاست قلات کے سربراہ بنے۔ انہوں نے بلوچستان میں مسلم لیگ کو کامیاب بنانے میں نہایت اہم اور قابل قدر کردار ادا کیا۔ آپ نے 1948ء میں باضابطہ طور پر ریاست قلات کے پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کیا۔ آپ نوابزادہ لیاقت علی خان کی سربراہی میں اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کرنے والے وفد میں شریک تھے۔ اسی طرح آپ نے سرکاری وفد کے ساتھ چین کا دورہ بھی کیا۔ آپ صوبہ بلوچستان کے گورنر بھی رہے۔

غازی کوئی شخص اتنی طاقت حاصل کر سکتا ہے، جتنی کہ انہیں حاصل تھی۔

جناح پارک (مدراس)

آل انڈیا مسلم لیگ کا اٹھائیسواں اجلاس 12، 15 اپریل 1941ء کو مدراس کے جس مقام پر ہوا اسے پبلک پارک کہا جاتا تھا، لیکن یہ اجلاس قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس بنا پر قائداعظم محمد علی جناح سے عقیدت رکھنے والوں نے اس کا نام جناح پارک رکھ دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے مرزا ابراہیم غازی کی رہائش گاہ پر قیام کیا اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح کی محافظت کے فرائض طلبا نے انجام دیے۔

جناح پوسٹ گریجوایٹ میڈیکل سنٹر کراچی

1938ء میں جنگ عظیم دوم میں میڈیکل کور کے نام سے میڈیکل سنٹر قائم ہوا۔ 1942ء میں اسے ایئر فورس کے حوالے کر دیا گیا اور اس کا نام برٹش جنرل ہسپتال رکھا گیا۔ پاکستان کے قیام کے بعد کراچی کی آبادی کے پیش نظر اس کے بستروں کی تعداد بڑھا کر ایک سو سے 250 کر دی گئی اور اس کا نام جناح سنٹرل ہسپتال رکھا گیا، اور اس کے ساتھ ساتھ بستروں کی تعداد مرحلہ وار 938 تک پہنچ گئی۔ اب ہسپتال 1119 بستروں پر مشتمل ہے۔ اس کے تین بڑے شعبے ہیں۔ پہلا انتظامیہ، دوسرا بیسک میڈیکل سائنس ڈویژن اور تیسرا کلینیکل ڈیپارٹمنٹس ہے۔ اس میں 25 علیحدہ علیحدہ وارڈ ہیں۔ ان میں اسپیشل، سرجیکل، ریڈیو تھراپی، میڈیکل، گائنا، کارڈیالوجی، آرتھوپیڈک، این ٹی نیورو سرجری، انتہائی نگہداشت، پلاسٹک سرجری، خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ تشخیصی امراض کے لیے ڈیپارٹمنٹ آف ریڈیالوجی فزیکل میڈیسن اسکول آف فزیالوجی، آرتھوپیڈک ورکشاپ ڈیپارٹمنٹ آف نرسنگ سکول آف نرسنگ، نرسنگ سروسز، ایڈمنسٹریشن، بلڈ بنک، کلینیکل لیبارٹری جیسے 11 دیگر شعبے بھی ہیں۔

جناح پونجا

(دیکھیے: پونجا جناح)

جناح پیپلز میموریل ہال (بمبئی)

اس ہال کو تیس ہزار روپے کی رقم سے تعمیر کیا گیا۔ 11 دسمبر 1918ء کو ٹائمز آف انڈیا کے مدیر سر اسٹینلے ریڈ نے لارڈ ولنگڈن کو الوداعی ضیافت دی اور کہا:

''یہ بمبئی کے عوام کی جانب سے ہے۔''

حالانکہ لارڈ ولنگڈن کوئی محبوب شخصیت نہ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ٹاؤن ہال جہاں ضیافت اور جلسہ تھا وہاں بیگم جناح رتی بائی نے ٹاؤن ہال سے باہر مظاہرین کی قیادت کی یہ الوداعی ضیافت ناکام ہوگئی اور بمبئی کے مسلمانوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے یہ ہال تعمیر کیا۔

جناح ٹرسٹ

اس ٹرسٹ کا ملک بھر میں قائداعظم محمد علی جناح کی نجی جائیداد کی دیکھ بھال اور اس کی حفاظت ہے۔ لاہور میں گلبرگ کے علاقے میں قائداعظم محمد علی جناح کی اراضی 36 کنال پر مشتمل ہے۔ یہ تین پلاٹوں میں بٹی ہوئی ہے پلاٹ نمبر 26 لبرٹی سنیما کے قریب ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد ان کے ٹرسٹیوں نے پوری جائیداد کا اندازہ لگانے کے لیے فروخت کر دی۔ اب اس کے ایک حصے پر شالیمار ہوٹل تعمیر ہو چکا ہے۔

جناح ٹرمینل کمپلیکس کراچی

11 اگست 1987ء کو کراچی ایئر پورٹ پر نئے مجوزہ جناح ٹرمینل کمپلیکس کا نظرثانی شدہ منصوبہ سول ایوی ایشن اتھارٹی نے وزارت دفاع کو پیش کیا تاکہ قومی اقتصادی کونسل کی منظوری حاصل ہو جائے۔ اس نئے کمپلیکس کا رقبہ ایک لاکھ مربع میٹر سے کم کر کے 66 ہزار مربع میٹر کر دیا ہے۔ اس طرح لاگت میں کمی کی خاطر لوڈنگ برجیز کی تعداد 16 سے کم کر کے 12 کر دی گئی، اور آٹو میٹک بیگج سسٹم اور ٹرمینل موونگ واک ویز کا ارادہ بھی ترک کر دیا گیا۔ ان اقدامات کی بدولت کمپلیکس پر اخراجات کا تخمینہ 3 ارب 8 کروڑ 20 لاکھ روپے سے کم کر کے 2 ارب 64 کروڑ 60 لاکھ روپے کر دیا گیا۔

جناح چوک

بھارت کے شہر کرناٹک میں یہ چوک واقع ہے، اسے 30 جولائی 1984ء کو یہ نام دیا گیا تھا۔

جناح خاندان

قائداعظم محمد علی جناح کے دادا کا نام پونجا بھائی تھا۔ چچاؤں کا نام نتھو بھائی اور روال جی، پھوپھی کا نام من بائی، والد کا نام جناح پونجا اور والدہ کا نام میٹھی بائی تھا۔
قائداعظم محمد علی جناح کے تین بھائی احمد علی، بچو بھائی اور بندے علی تھے۔ بہنوں میں رحمت بائی، شیریں بائی اور فاطمہ جناح شامل تھیں۔ بہنوئی کا نام خیس بھائی تھا، قائداعظم محمد علی جناح نے دو شادیاں کیں پہلی ایمی بائی اور دوسری رتن بائی سے۔ رتن بائی سے ان کی بیٹی دینا پیدا ہوئیں۔

جناح خضر حیات بات چیت

قائداعظم محمد علی جناح کی یہ شدید کوشش تھی کہ ہندوستان کی تمام مسلمان جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو جائیں تاکہ پاکستان کا حصول جلد ممکن ہو سکے۔ اسی نظریے کے تحت اپریل 1944ء میں قائداعظم محمد علی جناح لاہور تشریف لائے تو انہوں نے 20 اپریل سے 27 اپریل تک خضر حیات ٹوانہ سے مذاکرات کیے، مگر خضر حیات نے قائداعظم محمد علی جناح کی پیش کردہ شرائط تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے حسب ذیل بیان جاری کیا:

> ''میرے اور خضر حیات کے درمیان 19 مارچ سے گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تھا، اور طول وطویل تبادلہ خیالات ہوا میں۔ میں 20 اپریل کو خضر حیات سے ملا۔ انہوں نے نصف درجن ملاقاتوں کے دوران میں جن میں ہر ملاقات دو یا تین گھنٹے سے زیادہ جاری رہی مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ آج اپنا آخری جواب دیں گے۔ آج سہ پہر 27 اپریل کو وہ میری قیام گاہ پر آئے، میں نے پوچھا کہ چھوٹو رام، سردار بلدیو سنگھ اور خود ان کا ان تجاویز کے متعلق کیا خیال ہے جو میں ان کے سامنے رکھ چکا ہوں۔ اس پر زبانی انہوں نے بہت سی باتیں کیں لیکن میں نے کہا کہ جواب تحریری ہونا چاہیے۔ میں نے اسی وقت اپنے سیکرٹری سے خط ٹائپ کروا کے انہیں دیا انہوں نے وعدہ کیا کہ صبح 9 بجے جواب دوں گا۔ صبح 9 بج کر بیس منٹ پر ٹیلی فون پر جواب آیا۔ انہوں نے کہا کو جو کچھ زبانی گفتگو ہو چکی ہے اس کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں۔ 27 کی رات کو میں نے ایک اور خط ایک ذمہ دار آدمی کے ہاتھ بھیجا مگر خضر حیات خان نے وصول یابی کی رسید پر دستخط کرنے سے بھی انکار کر دیا۔
> پھر مجھے نواب دولتانہ اور نواب صاحب ممدوٹ کے ذریعہ خط بھیجنا پڑا لیکن خضر حیات نے خط وصول

کرنے سے انکار کر دیا۔ میں نے اپنے خط میں حسب ذیل تجاویز پیش کی تھیں۔

1. پنجاب اسمبلی میں لیگ کے ہر ممبر کو اعلان کر دینا چاہیے کہ وہ مسلم لیگ کا وفادار ہے۔
2. کولیشن موجودہ لیبل یونینسٹ پارٹی ترک کر دے۔
3. کولیشن کا نام مسلم لیگ کولیشن پارٹی رکھا جائے۔

غرض خضر حیات نے ان تجاویز کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ازاں بعد قائداعظم محمد علی جناح سیالکوٹ تشریف لے گئے تو انہوں نے وہاں بھی کہا:

''ملک خضر حیات خان نے مسلم لیگ کو دھوکا دیا ہے اور صرف مسلم لیگ کو نہیں بلکہ مسلمانان ہندوستان کو دھوکہ دیا ہے انہوں نے ایسا رویہ اختیار کیا جس کی مثال کسی ملک اور کسی سیاسی جماعت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔
خضر حیات کا فرض تھا کہ مسلم لیگ کا کارکن ہونے کی حیثیت سے کانفرنس میں شریک ہوتے اور قوم کے سامنے اپنی پوزیشن واضح کرتے اور بتاتے کہ میری (قائداعظم) کیا غلطی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح اگست 1944ء میں لاہور سٹی مسلم لیگ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اگر خضر حیات خان ٹوانہ اب بھی ہمیں قائل کر دیں کہ انہوں نے غیر مسلم رفقا کے ساتھ جو خفیہ سمجھوتہ کر رکھا ہے، وہ مسلمانوں کے لیے فائدہ مند ہے تو میں بخوشی وزیراعظم پنجاب کا پیرو بن جاؤں۔''

وہ 17 اگست 1900ء کو پیدا ہوئے۔ انہوں نے ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ شاہ پور ڈسٹرکٹ بورڈ کے وائس چیئرمین اور پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے 1937ء تا 1948ء رکن رہے۔ 1937ء تا 1942ء حکومت پنجاب کے وزیر اور پھر 1943ء تا 1947ء وزیراعظم پنجاب رہے۔

جناح، راجندر پرشاد گفتگو

قائداعظم محمد علی جناح اور بابو راجندر پرشاد کے درمیان جو گفتگو ہوئی، اس پر ہندو اخبارات بالخصوص ''پرتاپ'' اور ''ملاپ'' نے مسلمانوں کے خلاف خوب زہر اگلا۔ روزنامہ انقلاب نے اپنی یکم فروری 1935ء کی اشاعت میں درج ذیل اداریہ میں ان اخبارات کی خوب خبر لی، اور اس بات کو واضح کیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مفاہمت مسٹر جناح کے چودہ نکات کی بنیاد پر ہی ہوسکتی ہے:

''صدر کانگریس اور مسٹر جناح کے مابین فرقہ وار سمجھوتے کے متعلق گفتگو کے سلسلے میں جو تفصیلات معلوم ہوئی ہیں کہ بابو راجندر پرشاد نے مسٹر جناح کو خط لکھا تھا کہ تبادلہ خیالات کے ذریعے سے معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کون کون سے امور و نکات ہیں، جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں متنازعہ فیہ ہیں، اور جن کی وجہ سے باہمی سمجھوتہ نہیں ہوتا۔ نیز اس خط میں سوال کیا گیا تھا کہ کیا ایسی صورت نکل سکتی ہے کہ اب اس آخری وقت میں بھی باہمی تصفیہ ہو جائے۔
بیان کیا جاتا ہے کہ مسلم لیگ کونسل کا جو اجلاس ہفتے کی شام کو ہوا تھا، اس میں مسٹر جناح نے اس خط کا ذکر کیا تھا، جس پر بعض اصحاب نے اسے دھوکہ اور فریب قرار دیا، لیکن طویل بحث کے بعد شرکائے اجلاس کا عام رجحان یہ تھا کہ مسٹر جناح ضرور گفتگو کریں، ایسا حل تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں، جس سے سمجھوتہ ہو سکے اور موجودہ کشمکش ختم ہو جائے۔ اگر راجندر بابو کے خط کا مضمون وہی تھا، جس کا مواد ہم اوپر پیش کر چکے ہیں تو ہمیں افسوس کے

ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ ہم اسے زیادہ بہتر اور زیادہ امید افزاء خیالات کا مرقع نہیں سمجھ سکتے۔ راجندر بابو پرانے کانگریسی ہیں، پرانے کارکن ہیں۔ ہماری باہمی کشمکش کی دوسالہ زندگی کے لیل و نہار کا ہر سیاہ و سفید ورق ان کے سامنے تھا۔ ہر مختلف فیہ مسئلے اور ہر متنازعہ فیہ امر پر ایک مرتبہ نہیں، دو مرتبہ نہیں، بیس بیس، پچاس پچاس، سو سو مرتبہ بحثیں ہو چکی ہیں۔ کشمکش کے میدان آراستہ کیے جا چکے ہیں، پھر صدر کانگریس کو متنازعہ فیہ مسائل کے متعلق تجاہل عارفانہ سے کام لینے کی کیا ضرورت تھی؟ جن اصحاب نے مسلم لیگ کی کونسل کے اجلاس میں بھی اس خط کو فریب اور دھوکے سے تعبیر کیا، ہماری رائے میں وہ اتنے ناحق بجانب نہ تھے، جتنا کہ انہیں دہلی کے ایک معاصر کے نامہ نگار نے ظاہر کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ ان لوگوں کا حسب ارشاد نامہ نگار مذکورہ سرکاری عناصر اور تنخواہ دار وزراء ہونا ''مسلم'' مان لینا ان کی رائے کی پختگی کو قطعاً نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ سمجھوتہ ضروری ہے، اس کے لیے سعی و کوشش ضروری ہے۔ اگر گفتگو کا کوئی موقع پیدا ہو تو اس سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ اس لیے کہ ہندوستان کی مختلف اقوام کا اور ہندوستان کا مستقبل اور پائیدار فائدہ سمجھوتے ہی پر موقوف ہے لیکن اگر مقصود محض یہ ہو کہ چند اشخاص ایک مقام پر جمع ہو کر محض علمی حیثیت سے تبادلۂ خیالات کریں تو ظاہر ہے کہ اس سے اصل قومی و وطنی مقاصد کو بال برابر بھی فائدہ نہیں پہنچ سکے گا، ضرورت اس بات کی ہے کہ ذہنوں میں تبدیلی ہو، اور جو امور گذشتہ دس سال سے وجہ اختلاف چلے آرہے ہیں، ان سے تجاہل بابو راجندر پرشاد کی یا دوسرے

کانگریسیوں کی ذہنیت کی تبدیلی کا کوئی اچھا ثبوت پیش نہیں کر رہا، لیکن اب یہ بحث بعد از وقت ہے۔ مسلم لیگ کی کونسل مسٹر جناح کو گفتگو کی اجازت دے چکی ہے اور ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ یہ گفتگو اپنی نوعیت سے سابقہ مذاکروں سے زیادہ بہتر اور خوشگوار تر نتائج پیدا کرے گی۔ اگر آج بھی سمجھوتے کی کوئی شکل نکل آئے تو ہندوستان کی مصیبتیں ختم ہو سکتی ہیں، اور وہ اپنے مقاصد کے بہت قریب پہنچ سکتا ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں پر واضح رہنا چاہئے کہ باہمی سمجھوتہ بہرحال ضروری ہے اور حکومت برطانیہ اگر فرقہ وارانہ مسائل میں ثالث بنے گی تو دوسرے مسائل میں بھی اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کرے گی۔ ہندوستان کی خواہش کو ملحوظ نہ رکھے گی لیکن مسٹر جناح کے چودہ نکات اسلامی مطالبات کا وہ اقل ترین کا مرقع ہیں۔ جن میں کسی مزید تخفیف کی گنجائش نہیں، اور سب پر واضح ہے کہ ان مطالبات میں تخفیف یا ان کی حقیقی حیثیت کو زائل کرنے کے لیے مختلف النوع فریب کاریاں سمجھوتے کو قطعاً قریب نہیں لا سکتیں۔ الٰہ آباد کانفرنس میں فریب کاریوں ہی سے کام لیا گیا تھا، اس کا نتیجہ عالم آشکارا ہے۔ اگر ہندو یا کانگریس چودہ نکات کو قبول کرنے کے لیے بنا بریں تو آج سمجھوتہ ہو سکتا ہے، ورنہ فرقہ وار فیصلہ باقی رہے گا، اور مسلم لیگ بھی فیصلہ کر چکی ہے کہ یہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کوئی دوسرا سمجھوتہ نہ ہو اور اس کی بنا پر وہ ملک کی دوسری جماعتوں سے تعاون کرے گی۔ ہمارے مقامی ہندو معاصرین نے اس گفتگو کی مفاہمت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے نہایت ہی افسوسناک لکھا۔ مثلاً ''ملاپ'' لکھتا ہے کہ گفت و شنید

سے پہلے اس امر کا فیصلہ ہو جانا ضروری ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے مطالبات کو ہندو منظور کر لیں تو کیا پھر مسلمان آئندہ کبھی بھی ملک کے ساتھ غداری تو نہ کریں گے؟ کیا پھر وہ ہمیشہ کانگریس کے ساتھ مل کر ملکی آزادی کے سنگرام میں پیش پیش رہیں گے؟ اگر مسلمان اس کا صحیح صحیح جواب دے دیں تو پھر بیشک مسلمانوں کے ساتھ بات چیت کا سلسلہ شروع ہو جانا چاہیے۔ مسلمان بھی اور کانگریس والے بھی یقین رکھیں کہ کوئی بھی ہندو یہ نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کے جائز حقوق ان کے حوالے نہ کیے جائیں۔ مسلمانوں کی بہبودی کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے، اور انہیں ہر طریقہ سے ترقی کرنے کا موقع ہونا چاہیے، اور اس مقصد کے لیے جتنے بھی حقوق مسلمان ضروری سمجھتے ہیں وہ ان کو دے دیے جائیں، لیکن اگر مسلمان اپنی گذشتہ غداری کی قیمت طلب کریں اور یہ دھمکی دیں کہ ان کے ناجائز مطالبات کے سامنے بھی سر جھکا دو ورنہ وہ انگریزوں سے مل جائیں گے، اور زیادہ وطن فروشی پر کمر کس لیں گے تو پھر اس دھمکی کے سامنے نہیں جھکنا چاہیے۔

غداری کس نے کی؟ انگریزوں سے کون ملا؟ غداری ہندوؤں نے کی۔ انگریزوں سے ملنے کی انتہائی کوششیں پنڈت مالوی جی نے کیں۔ 1923ء میں مسلمانوں کے خلاف لیبر پارٹی کے ساتھ سازباز ہندو مہاسبھا نے کی۔ پہلی گول میز کانفرنس میں بھی اور دوسری گول میز کانفرنس میں بھی ہندو انگریزوں سے ملے تھے۔ مالویہ جی نے اس بھروسے پر وزیر اعظم کو فرقہ وار معاملات میں ثالث بنایا تھا، البتہ یہ درست ہے کہ ہندو ان خفیہ طریقوں سے جو فائدہ اٹھانا چاہتے تھے وہ نہ اٹھا سکے اور یہ ایک اتفاقی بات تھی، پھر مونجے انگریزوں کے پاس گئے۔ دوسرے مہاسبھائی گئے۔ خود پنڈت نانک چند کے ارشاد کے مطابق ہندوؤں نے ایک انگریز خاتون کی خدمات حاصل کیں جو دس دس مرتبہ پارلیمنٹری کمیٹی کے 23 ممبروں کے پاس گئی، لیکن افسوس ہے کہ صرف ایک کو اپنا ہم خیال بنا سکی۔ اگر انگریزوں سے ملنا کوئی معنی رکھتا ہے تو اسے انگریزوں سے ملنا کہتے ہیں۔ غریب مسلمانوں کے پاس نہ روپیہ تھا کہ ڈاکٹر مونجے کی طرح تین ماہ میں 65 ہزار روپے خرچ کر آتے نہ ان کے پاس اتنی استطاعت تھی کہ کسی ایسی بااثر انگریز عورت کی خدمات حاصل کرتے جو پارلیمنٹری کمیٹی کے ممبران کے پاس دس دس مرتبہ جاتی، اور انہیں فرقہ وار فیصلہ کی مخالف بناتی، پھر غدار وہ ہیں جو زبان سے کانگریس کی جماعت کے دعویدار ہیں، لیکن حقیقت میں اس کی جڑ کاٹتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں نے کھلے اصول کی بناء پر اور محکم وجوہ کی بنا پر کانگریس کی مخالفت کی، غدار اور وطن فروش وہ ہیں جنہوں نے پنجاب کی برائے نام اسلامی اکثریت کی مخالفت کے جنون میں صوبہ جاتی خود اختیاری کے پاؤں میں طرح طرح کی بیڑیاں ڈلوائیں، غدار اور وطن فروش وہ ہیں جو ہندوستان کی بہبود کے ہر وسیلے اور اقلیتوں کے ساتھ انصاف کے ہر موقع کو اپنی ناواجب حرص اور غیر مناسب لالچ کی خاطر بلا تامل قربان کر دیتے رہے، اور آج بھی ان کی حالت یہی ہے۔ آج مسلمانوں کے چودہ نکات قبول کر لو۔ وہ آج سے پہلی منزل میں جا کھڑے ہوں گے لیکن مسلمانوں کے مطالبات کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ مسلمان ہی

کر سکتے ہیں۔ ہندو نہیں کر سکتے، یا وہ چند مسلمان نہیں کر سکتے جو چھ سات سال سے مسلمانوں سے منقطع ہوکر ہندوؤں کی تائید کر رہے ہیں، اور جن کی نمائندہ حیثیت اب کسی تشریح وثبوت کی محتاج نہیں رہی۔

''پرتاپ'' لکھتا ہے کہ ''مسٹر جناح دورنگی سے کام لے رہے ہیں، وہ کانگریس کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے کانگریس آگے ہی بہت دور جاچکی ہے۔ اصولاً وہ بھی کمیونل ایوارڈ کے متعلق غیر جانبدار رہ سکتی تھی، لیکن اس ڈر سے کہ کہیں مسلمان ناراض نہ ہو جائیں، اس نے فرقہ وارانہ فیصلے کو نامنظور کیا۔ اگر مسٹر جناح سمجھتے ہیں کہ وہ کانگریس پارٹی کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اسے کمیونل ایوارڈ منظور کرنے کے لیے تیار کرلیں گے، تو وہ غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں، کانگریس چاہے کتنی ہی دب جائے، لیکن وہ کسی حالت میں اسے منظور کرنے کے لیے تیار نہیں ہوسکتی، جس دن اس نے ایسا کیا اس دن وہ کانگریس نہ رہے گی۔''

یعنی محض یہی نہیں کہ کوئی منصفانہ سمجھوتہ نہیں ہونے دیں گے، بلکہ اگر فرقہ وار فیصلہ کو بھی بنا مفاہمت بنایا جائے تو کانگریس کی مخالفت کریں گے۔ کیا اسے مفاہمت کی ذہنیت قرار دیا جا سکتا ہے اور ''پرتاپ'' نے یہ نہیں سوچا کہ آج کانگریس فرقہ وار فیصلے کو تا فیصلہ ثانی منظور لیتی تو ایک بات بھی تھی۔ اب چھ ماہ تک فیصلے کو کمزور کرنے کے لیے ساری کوششوں میں ناکامی کے بعد صرف اپنے ووٹ بڑھانے کے لیے فیصلے کو بنا مفاہمت بنانے پر آمادہ ہونا کانگریس کی نیک نیتی نہیں بلکہ غرض پرستی کا ثبوت ہوگا۔ کانگریس کے ساتھ یا کسی دوسری جماعت کے ساتھ سمجھوتہ صرف چودہ نکات کی بنا پر ہی ہوسکتا ہے، ورنہ فرقہ وار فیصلہ قائم رہے گا، اور مسلمان جو کچھ مناسب سمجھیں گے آزادانہ کریں گے۔ فرقہ وار فیصلہ قائم رہے گا، خواہ مالوجی بیس مرتبہ ناک رگڑتے ہوئے انگلستان جائیں، اور ہندو قوم کے بڑے بڑے سیٹھوں کی ساری دولت خرچ کر ڈالیں۔''

جناح، راجندر فارمولا

روزنامہ انقلاب نے 19 ستمبر 1937ء کی اشاعت میں بعنوان ''جناح راجندر فارمولا'' کے ضمن میں درج ذیل اداریہ تحریر کیا:

''مولانا ظفر الملک صاحب علوی نے بابو راجندر پرشاد کے اس فارمولے کو جو 1935ء میں مسٹر جناح کے روبرو پیش ہوا تھا، از سرنو شائع کر کے دو سال پرانی بحث تازہ کر دی ہے۔ اس فارمولے کا ملخص یہ ہے:

1. رائے دہی کے ایسے اصول مقرر کیے جائیں کہ ہر قوم کے رائے دہندوں کا تناسب صوبوں میں اور مرکز میں اس کی آبادی کے مطابق ہو جائے، اور اس باب میں حقیقی مقصد کے حصول کے لیے جہاں جداگانہ اصول کا نفاذ ضروری ہوا، اسے اختیار کر لیا جائے۔
2. پنجاب میں فرقہ وار فیصلے کے تناسبات کو قبول کرلیا جائے۔ سب سے پہلے سکھوں کو حق دیا جائے کہ وہ اپنے لیے حلقہ ہائے انتخاب منتخب کرلیں۔ اس کے بعد ہندوؤں کو یہی حق دیا جائے جو حلقے باقی رہ جائیں وہ مسلمانوں کے سمجھے جائیں۔
3. بنگال کے تعلق میں بھی فرقہ وار فیصلے کا تناسب

قبول کرلیا جائے، لیکن ہندو اور مسلمان مشترکہ حیثیت سے کوشش کریں کہ یورپینوں سے کچھ نشستیں واپس لے لی جائیں، اس طرح جتنی نشستیں واپس ملیں، وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں آبادی کے تناسب سے تقسیم ہو جائیں۔

◆ ۴ بقیہ صوبوں میں مسلمانوں کے لیے فرقہ وار فیصلوں کے مطابق نشستیں مخصوص ہو جائیں۔

◆ ۵ مرکز میں بھی مسلمانوں کی نشستیں فرقہ وار فیصلے کے مطابق مخصوص ہو جائیں۔

◆ ۶ ان شرطوں کے ساتھ صوبوں میں اور مرکز میں جداگانہ انتخاب کی جگہ مخلوط انتخاب رائج ہو جائے۔

مسٹر جناح کی طرف سے اس سلسلے میں جو بیانات حال ہی میں شائع ہوئے ہیں، ان سے ظاہر ہو چکا ہے کہ صاحبِ ممدوح نے اس فارمولے کو منظور نہیں کیا تھا، اور نہ راجندر پرشاد اسے ہندوؤں کی طرف سے قبول کرنے کی ذمہ داری اٹھانے پر رضامند تھے، بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ بابو راجندر پرشاد پنڈت مالوی جی کو بھی رضامند نہیں کر سکے تھے۔ اگرچہ پنڈت جی ہر اعتبار سے کانگریسی سمجھے جاتے تھے۔

باقی رہا فارمولا تو جن اصحاب کو واقعات کا علم ہے، وہ جانتے ہیں کہ یہ مختلف تجاویز کے مختلف اجزاء کا مجموعہ ہے۔ مثلاً پنجاب کے تعلق میں یہ فارمولا وہی ہے، جو سر سکندر حیات خان اور سر فضل حسین کی طرف سے تجویز ہوا تھا، لیکن ہندوؤں اور سکھوں نے اس سے انکار کر دیا تھا۔ بنگال کے تعلق میں الٰہ آباد اتحاد کانفرنس کی تجویز کو فی الجملہ اختیار کر لیا گیا، اور معلوم ہے کہ مالوی جی کی انتہائی کوشش کے باوجود بنگال کے ہنود اس سے انکار کر چکے تھے۔ آج اس کے متعلق ہندوؤں کی جو رائے ہے، وہ ''پرتاپ'' اپنی تازہ اشاعت میں لکھتا ہے: ''ہندوستان اور خاص کر بنگال اور پنجاب کے ہندو اس بات کے لیے کبھی تیار نہیں ہوں گے کہ سب کچھ دے کر مشترکہ انتخاب لے لیں۔ اس فارمولے میں جو سودا کیا گیا ہے۔ وہ ہندوؤں کو تو کیا کسی بھی قوم پرست کو قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ مشترکہ طریق انتخاب اتنی بھاری قیمت دے کر خریدنا ہندوؤں اور سکھوں کے لیے کون سی سیاسی دانش مندی اور تدبر ہے۔ ہمیں حیرت ہے تو یہ کہ بابو راجندر پرشاد جیسے مدبر اور سیاست دان نے جو بنگال اور پنجاب کے تمام حالات سے بخوبی واقف ہے۔ کس طرح اس فارمولے کو قبول کیا۔ ہمیں اس میں اور کمیونل ایوارڈ میں مطلقاً کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ سوائے اس کے کہ اس میں جداگانہ طریق انتخاب کی جگہ مشترکہ طریق کو منظور کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کو اس قدر مہنگا سودا کرنے کا کون سا چاؤ ہے۔''

یعنی ہندوؤں کی یہ غرض نہیں کہ جداگانہ انتخاب کی جگہ مخلوط انتخاب کو رائج کر دیں۔ ان کی غرض صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے جائز حقوق کے حصول کا کوئی موقع باقی نہ رہے، اور وہ ہر لحاظ سے اتنے بے دست و پا ہو جائیں کہ ہندو ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کر سکیں، جیسا سلوک صدیوں تک اچھوتوں کے ساتھ ہوتا رہا۔

بابو راجندر پرشاد کی ''بے تدبیری'' ملاحظہ ہو کہ انہوں نے ہندوؤں کی اس حقیقی غرض سے بے پردہ ہو کر ایک ایسا فارمولا تجویز کر دیا جس میں مسلمانوں کی کچھ نہ کچھ حیثیت باقی رکھی گئی۔ ''پرتاپ'' اور آگے بڑھ کر کہتا ہے:

''اگر کوئی شخص کہے کہ اس قسم کے معاہدوں سے

ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد ہو جائے گا تو یہ محض خام خیالی ہے۔ کئی حلقوں میں یہ 1916ء کے معاہدے سے بھی بدتر ہے۔ کانگریس نے لکھنؤ میں مسلم لیگ کے سامنے جھک کر جو غلطی کی تھی۔ اس کی بھی تلافی نہیں ہوئی، بلکہ اس نے فرقہ پرست مسلمانوں کو اس قدر شہ دے دی کہ ان کے مطالبات کی کوئی حد نہیں رہی۔''

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس فارمولے کی بناء پر تصفیہ ناممکن ہے اور اس کے لیے کانگریس اور لیگ کے درمیان گفت وشنید کرنا بھاری غلطی ہوگی۔

''مستقل تصفیے اور سمجھوتے معاہدوں اور کانفرنسوں سے نہیں ہوتے بلکہ تبدیلیٔ دل سے ہوتے ہیں۔ جب کہ مختلف فرقے اپنے مفاد کی بجائے قومی مفاد کو مقدم نہ رکھیں گے، یہ قومی اتحاد کی کوئی صورت ہو سکتی ہے نہ کسی تصفیہ کی۔ ہندوستان میں جب تک کمیونل ایوارڈ موجود ہے، جب تک مسلمان اس ایوارڈ کو نعمت غیر مترقبہ سمجھتے رہیں گے، ان کا نقطہ نگاہ کبھی قوم پرورانہ نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی فرقہ وار جھگڑوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔''

گویا فرقہ وارانہ اتحاد تبدیلیٔ قلوب پر موقوف ہے، اور تبدیلیٔ قلب صرف مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ ہندوؤں کے لیے ضروری نہیں، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ فرقہ وار فیصلے پر لعنت بھیجیں اور اپنے حقوق سے دستبردار ہو جائیں تاکہ ہندوؤں کو ہندوستان یا اپنی مرضی کے مطابق ہندو راج کے قیام کا موقع مل جائے۔ فرقہ وار جھگڑے اسی صورت میں ختم ہو سکتے ہیں کہ مسلمان اپنی قومی ہستی کو مٹا دینے کا اقرار کر لیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ''پرتاپ'' کے ہم قوم لازماً فرقہ وار جھگڑوں کو قائم رکھیں گے، اور ہندوستان میں امن قائم نہ ہونے دیں گے۔ محولا بالا الفاظ کا اگر کوئی اور مطلب ہو سکتا ہے تو مہربانی فرما کر ہمیں سمجھا دیا جائے۔ ہندوؤں کی یہی ذہنیت ہے جس کی وجہ سے سیاسی معاملات کے متعلق باہمی سمجھوتوں کی گفتگو کرنا ہی اور قومی مصالح کے منافی بن گیا ہے۔ اس لیے کہ ہر گفتگو ہندوؤں کی محولا بالا ذہنیت کو تقویت پہنچاتی ہے۔ جب کوئی نیک دل مسلمان اپنی نیک دلی اور خلوص کی بناء پر یہ کوشش کرتا ہے کہ باہمی اختلافات معقول طریق پر طے ہو جائیں تو ہندو یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ان کے غلط اور غرض پرستانہ پروپیگنڈے نے اس شخص کو ڈرا دیا ہے۔ مرعوب کر دیا ہے۔ وہ تھوڑا سا جھکا ہے۔ مزید شور مچایا جائے گا تو مزید جھک جائے گا۔ ''پرتاپ'' نے جو کچھ لکھا ہے تو اسی غلط غرض پرستانہ اور حد درجہ ناپاک ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ وہی ملعون اور خبیثانہ فرقہ پرستی ہے۔ جس کے لیے کانگریس مدت سے پردہ دار بنی ہوئی ہے، یعنی مسلمان اپنے جائز تحفظ کے لیے جو کچھ پیش کریں اسے فرقہ پرست قرار دو اور ہندو ناواجب تسلط اور آزادی کش اقتدار کے لیے جو تدابیر سوچیں انہیں قوم پرستی اور نیشنلزم بتاؤ۔ ہمیں کسی سے جھگڑے کی ضرورت نہیں، کسی کے ساتھ کشمکش پیدا کرنے کی خواہش نہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلمان فرقہ وار فیصلے کو اس وقت تک چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے جب تک اس سے بہتر اسکیم ان کے سامنے نہ آجائے۔ جداگانہ انتخاب مسلمانوں کی مستقل قومی ہستی کی بنیاد و اساس ہے۔ یہ بہر حال قائم رہے گا، البتہ پنجاب و بنگال میں مسلمانوں کی

نشستوں کے تناسب میں جو کمی رہ گئی ہے۔ اسے پورا کرنے کی کوششیں جاری رہیں گی۔ کانگریس نے میثاق لکھنؤ میں مسلمانوں کی غفلت اور نادانی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کی اکثریتوں کو بالکل ملیامیٹ کر دیا تھا۔ مثلاً صوبہ سرحد میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، اسے اصلاحات سے محروم کر دیا گیا۔ سندھ میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، اسے بمبئی کی بڑی ہندو اکثریت میں شامل کر کے عملاً ختم کر دیا گیا۔ پنجاب و بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ ان صوبوں میں مسلمانوں کی نشستوں کا تناسب گھٹا دیا گیا۔ فرقہ وار فیصلے میں اس کھلی ہوئی ناانصافی کی بڑی حد تک تلافی ہو گئی ہے۔ سندھ اور سرحد متصل صوبے بن گئے ہیں۔ پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت بحال ہو گئی ہے لیکن ابھی اس اکثریت کو اوپر جانا ہے، اور آبادی کے تناسب تک پہنچنا ہے۔ اس طرح بنگال میں ابھی ایک مرحلہ باقی ہے۔

1916ء سے لے کر 1921ء تک مسلمان میثاق لکھنؤ کی بے انصافی کو دور کرانے کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ ہندوؤں نے اپنا سارا زور مسلمانوں کے خلاف صرف کیا، جابجا فساد برپا کیے، مسلمانوں میں افتراق کی آگ منتقل کی۔ برطانیہ کے ارباب بست و کشاد کے ساتھ ساز باز کی، لیکن ہندوؤں کی ساری مخالفانہ کوششوں کے باوجود مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ مسلمانوں میں کسی وجہ سے دوسری اقلیتیں محفوظ ہوئیں، مسلمانوں ہی کی وجہ سے اچھوتوں کے لیے ایک مستقل قوم بننے کا دروازہ کھلا۔ مسلمان آج بھی بظاہر کمزور نظر آتے ہیں۔ ان میں بلند حیثیت کا کوئی راہنما نہیں، ان میں جماعتی اتحاد نہیں۔ ان کے پاس دولت نہیں، پروپیگنڈے کے ذرائع نہیں، ان کے مختلف کارکن ہندوؤں کے پٹھو بنے بیٹھے ہیں، لیکن ان مصیبتوں کے باوجود ملت اسلامیہ اپنے مقاصد کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی ہے۔ حق اس کے ساتھ ہے۔ انصاف اس کے ساتھ ہے اور ہمیں یقین ہے کہ غرض پرست ہندوؤں کے سارے ہتھکنڈوں کے باوجود مسلمان منزل مقصود پر پہنچیں گے۔ ان کا استقلال بحال رہے گا اس لیے کہ جداگانہ انتخاب بحال رہے گا، بلاشبہ اس وقت بھی ان کے کارکنوں پر ایک گونہ انفعالی کیفیت طاری ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی اصل مقصد سے غافل نہیں۔ جداگانہ انتخاب ہر حال میں قائم رہے گا اور مسلمانوں کی اکثریتیں ہر حال میں فعالیت کا درجہ حاصل کرنے کی طرف گامزن رہیں گی۔ ہندوؤں کی طرف سے فرقہ وار جھگڑوں کو قائم رکھنے کی دھمکیاں مسلمانوں کو ان کے قومی و ملی مقاصد سے باز نہیں رکھ سکتیں۔''

(روزنامہ انقلاب اشاعت 19 ستمبر 1937ء)

جناح روڈ (کراچی)

یہ کراچی کی سب سے بڑی شاہراہ ہے۔ یہ پہلے بندر روڈ کے نام سے موسوم تھی۔ 30 جنوری 1951ء کو جب میونسپل کارپوریشن کراچی نے شہر کی اٹھارہ سڑکوں کے نام تبدیل کیے تو اس کا نام قائداعظم کی نسبت سے جناح روڈ رکھا گیا۔

جناح روڈ (کوئٹہ)

یہ کوئٹہ کی مشہور دورویہ سڑک ہے۔ یہ سڑک امداد ہوٹل سے شروع ہو کر پی آئی اے کے دفتر پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔ اس شاہراہ پر امداد سینما، سائنس کالج، سول ہسپتال، بلوچستان

لائبریری اینڈ آرٹس کونسل، فرخ ہوٹل اور کبیر بلڈنگ کی دیدہ زیب عمارات ایستادہ ہیں اس سڑک پر ائیرفورس کا دفتر بھی ہے۔

جناح سٹیڈیم (ساہیوال)

یہ سٹیڈیم ساہیوال شہر میں واقع ہے۔

جناح سنٹرل ہسپتال

یہ کراچی کی بنیادی طبی علوم کا انسٹیٹیوٹ ہے۔ اس انسٹیٹیوٹ میں یہ سہولیات فراہم کی گئی ہیں کہ ملک کے اندر ہی علم تشریح، بائیوکیمسٹری، حیاتیات، جرثومی علم الامراض، علم دوا سازی، علم الاعضا اور دیگر شعبوں میں پوسٹ گریجوایٹ کی تعلیم دی۔ جب 1947ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا تو اس ملک میں صرف ایک میڈیکل کالج (کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج) تھا اس کے علاوہ میڈیکل کالجوں کے اکثر اساتذہ اور مستند ڈاکٹروں نے بھارت میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ ان حالات میں پاکستان میں خیبر میڈیکل کالج پشاور، فاطمہ جناح میڈیکل کالج لاہور اور نشتر میڈیکل کالج ملتان جیسے نئے میڈیکل کالج قائم کیے گئے اور بعض پرانے میڈیکل کالجز مثلاً ڈو میڈیکل کالج، چٹاگانگ میڈیکل کالج اور راج شاہی میڈیکل کالج میں معیار تعلیم کو بلند کیا گیا۔ یہ ادارہ پاکستان اور امریکہ نے مشترکہ طور پر قائم کیا۔ اس کے ابتدائی اساتذہ میں انڈیانا یونیورسٹی امریکہ کے فنی ماہرین شامل تھے۔ 1959ء میں پہلی بار طالب علم داخل کیے گئے۔ اپریل 1959ء میں اس کا باقاعدہ افتتاح صدر محمد ایوب خان نے کیا تھا۔

مئی 1988ء میں جناح پوسٹ گریجوایٹ میڈیکل سنٹر کے شعبہ ادارہ ریڈیوتھراپی نے ساڑھے چودہ لاکھ روپے کی لاگت سے کوبالٹ کے حصول میں کامیابی حاصل کی اور اس وقت وہاں دو کوبالٹ یونٹ کام کر رہے ہیں اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اب چار گنا مریضوں کا علاج ہوسکتا ہے۔

جناح سے قائداعظم

پروفیسر وارث میر اپنے مضمون ''جناح سے قائداعظم وہ کیونکر بنے'' میں رقمطراز ہیں:

''انسانی تاریخ وتہذیب کا یہ اصول چلا آیا ہے کہ جب بھی اور جہاں کہیں کسی مقصد کے حصول کے لیے افراد کی جمعیت مشترکہ طور پر کچھ کرنے پر آمادہ ہوتی ہے۔ اس کے لیے خود بخود جذبہ اور جدوجہد کی کوکھ سے ایک لیڈر جنم لیتا ہے۔ جمعیت کا ایک خاص فرد، جسے ہم لیڈر کے نام سے پکارتے ہیں۔ آگے بڑھ کر جمعیت کے ہر فرد کے سینے میں مقصد ومنزل سے عشق کی آگ روشن کر دیتا ہے، کسی بھی مشترکہ جدوجہد اور مہم کی کامیابی کے لیے لیڈر کی موجودگی اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ تکمیل آرزو کے لیے عزم صمیم، جسم کے لیے جان، جان کے لیے روح اور روح کے لیے جوہر حیات ضروری ہے، لیکن ہر شخص کسی قوم یا جمعیت کی آزادی اور امنگوں کی جان کے لیے روح اور روح کے لیے جوہر حیات نہیں بن سکتا۔ لیڈر کہلانے کا مستحق وہی شخص ہوسکتا ہے جسے خود اپنے مجوزہ پروگرام پر حق الیقین ہو۔ بڑے سے بڑا طوفان بھی اس کی یقین وایمان کی چٹان کو ہلا نہ سکے۔ وہ قوم کا لیڈر بھی ہو اور مصلح بھی، رہبر بھی ہو اور کمانڈر بھی، کمانڈر اس بلا کا کہ اس کے حکم سے کسی کو سرمو انحراف نہ ہو۔ اس کے ہر عزم اور پروگرام کی دھڑکنیں قوم کی رفتار نبض کے مطابق ہوں۔ اس کی موثر اور ہمہ گیر شخصیت قوم کے مختلف العقیدہ افراد کو اپنے حسن تدبیر، حسن لیاقت اور حسن انتظام سے ایک مرکز پر

قائداعظم محمد علی جناحؒ خوشگوار موڈ میں

ایک راہ عمل پر متفق و متحد کر سکے۔ ایسے لیڈر کی شخصیت ہی قومی غیرت واحساس وتقدس ووقار کے جھنڈے کو بلند رکھنے کے لیے ایک ناقابل شکست حصار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس ناقابل شکست معمار کی غیر موجودگی میں کوئی قومی نظام اور حرکت وعمل کا کوئی پروگرام زندہ نہیں رہ سکتا اور کسی جماعتی پیکر میں روح باقی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ کچھ عرصہ کے بعد ہر مردہ قوم کی راکھ میں چھپی ہوئی کسی ایسی چنگاری کو شعلہ بنا دیتا ہے۔

خون اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری

بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے چھوٹے بڑے پہلو پر اتنا کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے کہ مزید کچھ کہنے یا لکھنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ اس کے باوجود اتنا کہہ دینا جسارت نہیں سمجھا جائے گا کہ پاکستانی قوم نے انہیں دل وجان سے ''قائداعظم'' تسلیم کرنے کی باوجود اپنے قائداعظم کی قائدانہ صلاحیتوں کو ایک جذبے کے ساتھ دنیا کے سامنے لانے کی کماحقہ کوشش نہیں کی۔ قائداعظم ایک عظیم المرتبت اور باہمت شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی قائدانہ صلاحیتوں کا جائزہ لینا ایک اہم اور مشکل کام ہے۔ اس مضمون میں ان کے ارشادات وتصورات پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جا رہی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ قائداعظم کی تقریروں میں ایک عظیم قائد کی تمام مسلمہ خصوصیات جگمگ جگمگ کرتی نظر آتی ہیں۔ نپولین، ہٹلر اور مسولینی جیسے لیڈروں کی لیڈری صرف ان کی مسلسل فتوحات کی مرہون منت تھی لیکن سچا لیڈر وہ ہوتا ہے (جس کے نام کے ڈنکے چار دانگ عالم میں بج رہے ہوں) لیکن جو اپنے حلقے میں حاکمانہ اختیار نہ رکھنے اور بے تاج ہونے کے باوجود تاجدارانہ حیثیت رکھتا ہو۔ وہ اپنے دل کی تڑپ اور آرزو کے جنون کی کچھ ایسی آگ اپنے پیروؤں کے دلوں میں لگا دیتا ہے کہ لیڈر کے ساتھ انہیں اپنے کعبہ مقصود تک رسائی کا حق الیقین ہوتا ہے۔ قائداعظم واقعی سچے، حقیقی اور عظیم قائد تھے۔ 1939ء میں قائداعظم نے اپنے حق الیقین کا یوں اظہار کیا: ''کانگریس اور انگریز حکومت متحد ہو کر بھی ہماری روح کو فنا کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تم اس تہذیب کو مٹا نہ سکو گے۔ اس اسلامی تہذیب کو جو ہمیں ورثہ میں ملی ہے۔ ہمارا نور ایمان زندہ ہے، زندہ رہے گا، تم ہمیں مغلوب کرو، ہم پر ظلم وتشدد کرو، ہمارے ساتھ بدترین سلوک روا رکھو ہم ایک نتیجے پر پہنچ چکے ہیں اور ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر مرنا ہی ہے تو لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔''

ایک اور جگہ انگریز کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:
''ہم تعداد میں کم ہو سکتے ہیں، کم ہیں مگر یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ہم مسلمان اگر چاہیں اور ارادہ کر لیں تو آپ کو کانگریس سے سوگنا زیادہ عذاب میں مبتلا کر سکتے ہیں۔''

عجب کیا ہے جو یہ ڈوبا ہوا بیڑا ابھر آئے
کہ ہم نے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

منزل مقصود کا تعین کرتے وقت، گذشتہ حالات وکوائف ایک لیڈر کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ماضی میں اگر وہ غلط موقف پر قائم رہا تو ڈنکے کی چوٹ پر اپنی غلطیوں کا اعتراف کر لیتا ہے۔ قائداعظم نے ایک بار ببانگ دہل اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

''معلوم نہیں اس وقت میری خودداریوں کو کیا ہو گیا تھا کہ میں کانگریس کے سامنے ہاتھ پھیلایا کرتا تھا، میں نے اس مسئلے کے حل کے لیے اتنی انتھک اور مسلسل کوششیں کیں کہ ایک اخبار نے لکھا:

''مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے سوال سے کبھی بیزار نہیں ہوتے۔''

لیکن گول میز کانفرنس کے اجلاسوں میں مجھے اپنی زندگی کا سب سے بڑا دھچکا لگا۔ خطرہ نمودار ہوتے ہی ہندو دل و دماغ، ہندو جذبات اور ہندو روش نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ بالآخر اتحاد کی توقع ہی اٹھ گئی۔ اس وقت میرے احساسات پر قنوطیت چھائی ہوئی تھی۔ میرے جذبات پر مایوسیاں منڈلا رہی تھیں۔ میں اپنے ملک سے ناامید ہو گیا تھا۔ صورت حال بہت ہی بری تھی۔ مسلمان بے یار و مددگار تھے۔ ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا، جب میں نے محسوس کیا کہ حصول اتحاد کے سارے طریقے آزمائے جا چکے ہیں تو میں نے مڑ کر حالات کا جائزہ لیا وہ کس امر کے متقاضی ہیں۔''

ماضی کی غلطیوں کا اعتراف کرنے کے بعد ایک لیڈر جب قوم کے لیے کسی نئے کعبہ مقصود کا انتخاب کرتا ہے تو اپنے موقف کی حمایت میں اس کے پاس ناقابل تردید دلائل اور تلخ تجربات کا خزانہ موجود ہونا چاہئے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے دوسروں سے ہٹ کر سیاسی زندگی کی کٹھن راہ اختیار کی تو منزل مقصود ان پر واضح تھی اور اپنے طرز فکر و عمل کا خاکہ انہوں نے واقعاتی و تاریخی حقائق کی روشنی میں تیار کیا تھا۔ آپ نے فرمایا:

''اس ملک میں چار طاقتیں کارفرما ہیں۔ اول برطانوی حکومت، دوسرے والیان ریاست اور ان کی رعایا تیسرے ہندو اور چوتھے مسلمان۔ کانگریسی پریس جس قدر چاہے شور مچائے۔ کانگریسی اخبار، صبح، دوپہر، شام اور رات کے ایڈیشن شائع کریں۔ کانگریسی اخبار خواہ کتنا ہی شور مچا کر لکھیں کہ کانگریس قومی انجمن ہے لیکن میں کہوں گا کہ یہ غلط ہے۔ کانگریس ایک ہندو جماعت ہے یہ حقیقت ہے اور کانگریسی لیڈر اس سے واقف ہیں، برطانیہ عظمیٰ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ مسٹر گاندھی اور کانگریسی مسلمانوں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم برطانیہ کو اور نہ مسٹر گاندھی کو مسلمانوں پر حکومت کرنے دیں گے۔ ہم آزاد رہنا چاہتے ہیں۔''

حیات انسانی کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور تصورات مختلف ہیں، دونوں قوموں کی رزمیہ نظمیں ان کے سربرآوردہ بزرگ اور قابل فخر تاریخی کارنامے سب مختلف اور الگ الگ ہیں۔ اکثر اوقات ایک قوم کا زعیم اور رہنما دوسری قوم کی بزرگ اور برتر ہستیوں کا دشمن ثابت ہوتا ہے۔ ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔ ایسی دو قوموں کو ایک ریاست اور حکومت کی ایک مشترکہ گاڑی کے دو بیل بنانے اور ان کو باہمی تعاون کے دلوں میں بے صبری روز بروز بڑھتی جائے گی جو انجام کار تباہی لائے گی۔''

اس تقریر کے ایک ایک لفظ سے حضرت قائداعظم محمد علی جناح کی فراست و بصیرت اور اعلیٰ تجزیاتی صلاحیت، خاص طور پر تاریخ و عمرانیت کا عمیق مطالعہ ٹپکتا ہے۔ آپ نے اپنے مخالفین کے سامنے مختلف قوموں کے عمل و کردار میں نازک فرق اور حقائق و معارف کا ایک متحرک نمونہ پیش کر دیا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اس حقیقت کو اتنے زور سے اور اتنی تکرار کے ساتھ دہرایا تھا کہ مشہور بھارتی رہنما مسٹر منشی نومبر 1941ء میں پکار اٹھا تھا:

''تمہیں کچھ معلوم ہے کہ پاکستان ہے کیا؟ نہیں معلوم تو سن لیجئے کہ پاکستان کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کا حق حاصل ہو کہ وہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ علاقوں میں اپنے لیے ایسا وطن بنائیں جہاں زندگی اور طرز حکومت قرآنی اصولوں کے ڈھانچے میں ڈھل سکے۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ پاکستان مسلمانوں کا ایسا خطہ ارض ہوگا جہاں اسلامی حکومت ہوگی اور مسلمانوں کو اسلامی حکومت کی ضرورت کیوں تھی؟''

قائداعظم محمد علی جناح کی زبانی سنئے:

''اسلامی حکومت کے تصورات کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت و وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمانی کی، نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن مجید کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔ حکمرانی کے لیے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔''

(اگست 1941ء عثمانیہ یونیورسٹی کے طلبا سے خطاب)

جو لیڈر قدم قدم پر گھبرا جانے کا عادی ہو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کامیاب لیڈر ایک لمحہ کے لیے کمر ہمت نہیں کھولتا۔ وہ جانتا ہے کہ کسی قوم کی کشتی کا ناخدا ہونا دراصل سعی و عمل پیہم کا دوسرا نام ہے اور آرام کر لینا یا ہتھیار کھولنا، جمود و سکوت اور مرگ دوام کو دعوت دینا ہے۔ وہ نپولین کے اس قول پر عمل پیرا ہوتا ہے۔

''انتہائی نازک ترین مرحلہ فتح و نصرت کا نقاب اوڑھ کر انجمن آراء ہوتا ہے۔''

ہمارے عظیم قائد نے کہا:

''یہ زندگی اور موت کا معرکہ ہے اور ہماری کوشش صرف مادی فوائد حاصل کرنا نہیں بلکہ یہ ہم سب مسلمانوں کے لیے حیات و ممات کا مسئلہ ہے اور اسے سودا بازی سے کوئی واسطہ نہیں۔''

آیئے اہل ہالینڈ کی اس ضرب المثل کو اپنا اصول ٹھہرائیں کہ:

''جب آدمی روپیہ کھودے تو کچھ نہیں کھوتا اگر حوصلہ کھودے تو قریباً سب کچھ کھویا جاتا ہے لیکن روح کھوئی گئی سب کچھ مکمل طور پر کھویا گیا۔''

ایک عظیم لیڈر قوم میں نہ صرف ہر دلعزیز ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے ماتحتوں پر دبدبہ اور رعب بھی قائم رکھتا ہے۔ وہ کبھی نوحہ خوانی نہیں کرتا کہ اس کی قوم کمزور یا بزدل ہے بلکہ وہ ہر ممکن طریقے سے اس کی سوئی ہوئی غیرت کو جگاتا ہے۔

شاندار ماضی کی یاد دلاتا ہے اور خون گرماتا ہے، لیکن جب حکم دیتا ہے تو اس کا حکم اٹل ہوتا ہے اور ہر حالت میں صاف اور غیر مبہم ہوتا ہے۔ حصول پاکستان کے بعد بابائے قوم نے فرمایا:

''اب جبکہ اتحاد، پاکستان سے بھی زیادہ اہم ہے، اب بھی غلط رہنمائی کا خطرہ ہے۔ پس متحد ہو جاؤ اور اپنے ہر قسم کے اختلافات ختم کر دو۔''

''صوبہ پرستی کو موت کے گھاٹ اتار دو۔ میں ان مجرموں کو جانتا ہوں جو رشوت لیتے ہیں۔ صو.

پرست ہیں اور دیگر جرائم کرتے ہیں۔ میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ خیانت منصبی میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا، جہاں مجھے معلوم ہوا کہ فلاں جگہ ایسا ہو رہا ہے تو پھر کوئی خواہ کتنا ہی بڑا یا چھوٹا کیوں نہ ہو اسے ہرگز نہیں بخشوں گا۔'' (14 اگست 1947ء)

بڑا لیڈر عالم گیر سیاسی بصیرت کا حامل ہوتا ہے۔ وہ ہر دو بدلتے سیاسی و معاشرتی حالات کے آئینے میں اپنی قوم اور ہمسایہ قوم کی تقدیر کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ 20 دسمبر 1946ء کو قاہرہ میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''مسلمان اور عرب حکومتیں اس وقت تک حقیقی معنوں میں آزاد ہوں گی جب تک پاکستان قائم نہ ہو، اس لیے کہ جو شخص ہندوستان پر اقتدار رکھتا ہے وہی مشرق وسطیٰ پر اقتدار رکھتا ہے۔ اگر ہندوستان میں شہنشاہیت قائم ہوگئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہندوستان سے ہی اسلام ختم نہیں ہوگیا بلکہ دوسرے اسلامی ملکوں سے بھی ختم ہوگیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ مذہبی اور روحانی رشتے ہمیں اور مصریوں کو ایک رشتے میں باندھے ہوئے ہیں۔ اگر ہم ڈوبے تو ہم سب ڈوب جائیں گے۔''

فقید المثال قوت ارادی کے علاوہ ایک بڑے لیڈر کو بردبار، صابر، متحمل اور مستقل مزاج ہونا چاہیے اسے اپنے خلاف تنقید کو برداشت کر کے اپنی اصلاح کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔ مدیر ڈان الطاف حسین کو ایک بار قائداعظم محمد علی جناح نے اعلیٰ صحافت کا اصول سمجھاتے ہوئے کہا:

''کسی موضوع پر غور کرو اور اپنے دل میں فیصلہ کرلو۔ اگر تم اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہو کہ ایک خاص نظریہ یا اعتراض پیش کرنا ضروری ہے تو بالکل وہی لکھ ڈالو جو حقیقتاً تم نے محسوس کیا ہے۔ اس خیال سے کبھی پس وپیش نہ کرو کہ کوئی ناراض ہو جائے گا یہاں تک کہ اپنے قائداعظم کی ناراضگی کی بھی پرواہ نہ کرو۔''

لیڈر کی تحریر و تقریر کی کامیابی کا راز اس ایک نقطے میں پوشیدہ ہے کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے قطعی وسادہ مگر زوردار الفاظ میں کہے اور قوم سے جو کچھ کرانا چاہتا ہے اس کا نمونہ خود اپنے عمل سے پیش کر کے دکھائے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے واضح طور پر کہا:

''میں کئی بار کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ جناب گاندھی دیانت داری سے تسلیم کرلیں کہ کانگریس ہندو جماعت ہے اور صرف ہندوؤں کی نمائندہ ہے۔ جناب گاندھی کیوں یہ بات فخریہ نہیں کہتے کہ ''میں ہندو ہوں اور کانگریس کو ہندوؤں کی حمایت حاصل ہے۔'' مجھے تو یہ کہنے میں کہ میں مسلمان ہوں کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی۔ ہندو لیڈر اور ہندوؤں کے نمائندہ کی حیثیت میں آؤ اور مجھ سے باتیں کرو کہ میں مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی کروں۔'' پھر کہا:

''ہمارا کوئی دوست نہیں ہے ہمیں نہ انگریز پر بھروسا ہے نہ ہندو پر، ہم دونوں کے خلاف جنگ کریں گے، کوئی طاقت اور حکومت نہیں ہے جو ہمیں اپنے محبوب ترین نصب العین ''پاکستان'' کے حصول سے باز رکھ سکے۔ ہم تعداد میں کم ہونے کے باوجود فتح یاب ہوں گے اور اسی طرح فتح یاب ہوں گے جس طرح مٹھی بھر مسلمانوں نے ایران وروم کے تخت الٹ دیے تھے۔'' اس قسم کی حق گوئی و بے باکی کا مظاہرہ آپ نے اس وقت کیا جب 1946ء میں وائسرائے اور وزیر ہند نے ملت اسلامیہ سے غداری کی۔ آپ نے

فرمایا:

''میں وزارتی مشن پر صاف الفاظ میں الزام لگاتا ہوں کہ اس نے کانگریس کے ساتھ سازش کی ہے اور وائسرائے کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر ان میں ہمت ہے تو اس الزام کی تردید کریں۔''

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

قائداعظم محمد علی جناح کی حیات اور کارناموں کے طالب علم پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ وہ پاکستان کو ایک ایسی مملکت بنانا چاہتے تھے جس میں مسلمان اپنی روایات اور ثقافت کے مطابق اپنی مضمر صلاحیتوں کو پروان چڑھا سکیں اور جہاں اسلام کے عدل عمرانی کے اصول اور آزادانہ طور پر روبہ عمل لائے جاسکیں۔ ایک سچے اور حقیقی رہنما کی طرح آپ اپنے وعدوں پر قائم رہے اور قوم کی نیک آرزوؤں کو شرمندہ عمل کرنے کے لیے ہمیشہ کوشاں ومضطرب رہے۔ سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''ہمارے پیش نظر مقصد یہ ہے کہ یہاں کے عوام خوشحالی اور اطمینان کی زندگی بسر کرسکیں۔ اس مقصد کا حصول مغرب کے اقتصادی نظام کو اختیار کرنے سے کبھی نہیں ہوسکتا۔ ہمیں اپنا راستہ آپ متعین کرنا چاہئے اور جو انسانی مساوات اور عدل عمرانی کے اسلامی تصورات پر مبنی ہو۔ صرف یہی وہ طریق ہے جس سے ہم اس فریضہ سے عہدہ برآ ہوسکیں گے جو ہم پر مسلمان ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتا ہے اور دنیا کو وہ پیغام دے سکیں گے جو اسے تباہیوں سے بچالے گا اور نوع انسان کی بہبود و مسرت اور خوشحالی کا ضامن ہوسکے گا۔ یہ کام کسی اور نظام سے نہیں ہو سکتا۔ ٹھیٹھ اشتراکیت اور بالشویت کا فلسفہ آپ نے عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء کو یوں سمجھایا تھا کہ اشتراک بالشویت یا اسی قسم کی دیگر سیاسی اور معاشی مالک درحقیقت اسلام اور اس کے نظام سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سارا رابطہ اور تناسب نہیں پایا جاتا لیکن ساتھ ہی زمینداری اور سرمایہ داری سے نفرت کا اظہار بھی کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 1943ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے دہلی کے سیشن میں برملا اعلان فرمایا کہ

''اس مقام پر میں زمینداروں اور سرمایہ داروں کو بھی متنبہ کرنا چاہتا ہوں وہ ایک ایسے فتنہ انگیز ابلیسی نظام کی رو سے جو انسان کو ایسا بدمست کردیتا ہے کہ وہ کسی معقول بات کے سننے کے لیے آمادہ ہی نہیں ہوتا، عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی پر رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ عوام کی محنت کو غصب کرلینے کا جذبہ ان کے رگ و پے میں سرایت کرچکا ہے۔ میں اکثر دیہات میں گیا ہوں وہاں میں نے دیکھا کہ لاکھوں خدا کے بندے ہیں جنہیں ایک وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی، کیا اسی کا نام تہذیب ہے؟ کیا یہی پاکستان کا مقصد ہے؟ اگر پاکستان سے یہی مقصود ہے تو میں ایسے پاکستان سے باز آیا۔ اگر ان سرمایہ داروں کے دماغ میں ہوش کی ذرا سی رمق بھی باقی ہے تو انہیں زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ چلنا ہوگا۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ان کا خدا حافظ۔ ہم ان کی کوئی مدد نہیں کرسکتے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے افکار وتصورات کا یہ مختصر سا جائزہ بتاتا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں اسلامیان

ہند کے ''قائداعظم'' بننے کے قابل تھے۔ ایک ایسی درماندہ پس ماندہ قوم کے قائداعظم جو خودشناسی اور خوداعتمادی کے جوہر سے محروم ہو چکی تھی۔ اس قائد نے ہمیں غلامی کی تاریکیوں سے نکال کر آزادی کی روشنی اور کامرانیوں سے ہمکنار کیا تا کہ ہم اپنے آپ کو پہچان سکیں، اپنی قومی شخصیت سے واقف ہو سکیں لیکن افسوس کہ پاکستان کی نئی نسل قائداعظم محمد علی جناح تو کیا خود پاکستان سے واقف نہیں ہے۔ Verdict on India کے مصنف بیولے نکلس نے 1964ء میں کہا تھا:

''میں نے بیس سال پہلے پاکستان کی حمایت میں قلم اٹھایا تھا اور ایک دنیا میری مخالف ہوگئی لیکن میں پاکستان کی حمایت میں مسٹر جناح کو جانتا تھا اگر پاکستان کی نئی نسل کے دل میں پاکستان کی محبت کم ہو رہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ نسل زبانی سنئے۔

''مجھے اپنی زندگی میں بے شمار سیاست دانوں سے سابقہ پڑا مثلاً لائڈ جارج، چرچل، کرزن مسولینی اور مہاتما گاندھی لیکن جناح! ان سب میں منفرد تھے۔ میرے خیال میں ان سے کوئی بھی جناح سے زیادہ مضبوط سیرت و کردار کا مالک نہیں تھا۔ ہوش، تدبر اور عزم و استقامت جو سیاست کے سنگ بنیاد ہیں۔ جناح میں بدرجہ اتم موجود تھے'' اور مولانا شبیر احمد عثمانی نے قائداعظم محمد علی جناح کے متعلق کہا تھا ''شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے بعد ہندوستان نے اتنا بڑا مسلمان پیدا نہیں کیا جس کے غیر متزلزل ایمان اور اٹل ارادے نے دس کروڑ شکست خوردہ افراد کی مایوسیوں کو کامرانی میں تبدیل کر دیا۔''

(ماہنامہ نظریہ پاکستان، اشاعت دسمبر 2013ء)

جناح عدالت میں

ہیکٹر بولائتھو اپنی کتاب ''پاکستان کا بانی محمد علی جناح'' میں رقمطراز ہیں:

''محمد علی جناح 1896ء کے موسم خزاں میں وطن لوٹے۔ اس وقت وہ بیس سال کے سند یافتہ بیرسٹر تھے، اور سیاست میں گلیڈسٹن، مارلے اور دادا بھائی نوروجی کی لبرلزم کے پرستار تھے۔ انگریزی ان کی زبان بن چکی تھی اور یہی آخر تک ان کی زبان رہی، کیونکہ اُنہوں نے اُردو پر کبھی عبور حاصل نہ کیا۔ اس دور میں بھی جب وہ مسلمانوں کی جنگ آزادی میں ان کی قیادت کر رہے تھے، اس جدوجہد کے مقصد اور اس کے نصب العین کی وضاحت وہ ایک غیر زبان ہی میں کرتے رہے، اور مغربی لباس بھی، جو اُنہوں نے قیام انگلستان کے زمانے میں اختیار کیا تھا، تقریباً ساری عمر ان کے ساتھ رہے ہاں آخری چند سالوں میں وہ پاکستان کے عام مسلمان شرفا کا لباس، شیروانی اور شلوار بھی پہنا کرتے تھے۔ ان کا انداز تخاطب بھی انگریزی تھا۔ جب وہ وطن واپس آئے تو ان کی یہ عادت پڑ چکی تھی کہ وہ اپنے مخاطب کی طرف اُنگلی ہلا کر اس سے کہتے ''میرے عزیز، تم میری بات نہیں سمجھتے۔''

جب وہ کراچی واپس پہنچے تو یقیناً وہ اپنے ہم وطنوں میں اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتے ہوں گے۔ ان کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی لڑکپن کی رفیقۂ حیات بھی، جن کے ساتھ اُنہیں زندگی کے نشیب و فراز اور انسانی تعلقات کا کوئی تجربہ نہ ہوا ہوگا، رحلت کر چکی تھیں اور ان کے والد اپنا سارا اندوختہ کھو چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ انگریز مزاج جناح نیونہم روڈ کے ان

دو کمروں میں بے چین سے رہتے ہوں گے۔ اس پر یہ اور مصیبت کہ وکالت میں قدم جمانے کے لیے انہیں کسی طرف سے مدد نہ ملی۔

اس سے پہلے چار سال وہ لندن کی مصروف زندگی میں گم رہے تھے۔ انہوں نے بڑے بڑے عالموں سے گفتگو کی تھی، اور ویسٹ منسٹر 1 (Westminister) میں بڑے بڑے مدبروں کی تقریریں سنی تھیں، اور انہیں حکومت کی گتھیاں سلجھاتے دیکھا تھا۔ اُنہوں نے جواں سال اصلاح پسندوں کے خطبے بھی سنے تھے، جن میں اصلاحی خیالات کا ولولہ تھا، اور جب کراچی واپس آ کر اُنہوں نے اپنا پرانا طرز زندگی دوبارہ اختیار کرنے کی کوشش کی ہو گی تو انہیں خاصی پریشانی ہوئی ہو گی۔ کراچی کی چھوٹی سی دنیا، جس کی دل چسپیاں تجارت، جہاز رانی اور گپ شپ تک محدود تھیں لندن سے کتنی مختلف تھی۔ لندن میں ان کوششوں کے لیے میدان کتنا وسیع تھا، اور وہ کتنے شوق سے وہاں کی زندگی سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے اور یہاں کراچی میں ان کے لیے مواقع اور امکانات کتنے محدود تھے۔ ایک قصہ مشہور ہے، لیکن معلوم نہیں کہاں تک سچ ہے، کہ ایک وکیل کے دفتر میں ان کو کام کا موقع اس شرط پر ملا کہ وہ اس کی بیٹی سے عقد کر لیں لیکن وہ اس قسم کی گھٹیا سودے بازی سے کوسوں دور تھے، بالآخر وہ کراچی کے ہمت شکن ماحول کو چھوڑ کر بمبئی جا پہنچے جہاں ہائی کورٹ تھا، جو وکالت کے پیشے کا بڑا مرکز تھا اور جہاں باحوصلہ نوجوانوں کے واسطے کوشش اور ترقی کا وسیع میدان تھا۔

1897ء میں محمد علی جناح سمندری جہاز سے بمبئی پہنچے لیکن ابھی پریشان حالی اور مایوسی کے اور تین سال ان کی قسمت میں تھے۔ تنگ دستی اور مصیبت کے اس زمانے کا ذکر خاصی تفصیل سے ان کے سیکریٹری مطلوب الحسن سید نے اپنی کتاب Mohammad Ali Jinnah- A Political Study (محمد علی جناح کی سیاسی سوانح عمری) میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''وکالت کے یہ پہلے تین سال بڑی تنگ دستی میں گزرے۔ وہ بڑی باقاعدگی سے روز اپنے دفتر جاتے رہے، لیکن اس عرصے میں ایک مقدمہ بھی ان کے ہاتھ نہ لگا۔ اگر بمبئی کے لمبے اور روندے ہوئے فٹ پاتھ بول سکتے تو وہ ضرور زبانِ حال سے اس جواں سال وکیل کی سعی لاحاصل کی شہادت دیتے جو ہر صبح شہر میں اپنی قیام گاہ سے اپنے دفتر تک پیدل جاتا اور شام کو جب امیدوں کے چراغ گل ہونے لگتے، تھک ہار کر گھر لوٹ جاتا۔''

لیکن بیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی جناح کی قسمت پلٹ گئی۔ بمبئی کے قائم مقام سرکاری وکیل جان میک فرسن (John Molesworth Macpherson) نے از راہِ کرم کم عمر جناح کو اپنے دفتر میں کام کرنے کی اجازت دے دی۔ بقول مسز سروجنی نائیڈو:

''یہ ان کی بڑی عنایت تھی، اور اس سے پہلے کسی ہندوستانی کو یہ رعایت نصیب نہ ہوئی تھی۔ جناح خود یہ احسان کبھی نہ بھولے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میک فرسن کی اس عنایت نے مصیبت کے اس تاریک دور میں ان کے لیے امید کا دیا روشن کر دیا۔''

1900ء کے شروع میں بمبئی میں ایک پریذیڈنسی مجسٹریٹ کی جگہ خالی ہوئی، مگر اسے حاصل کرنے کے

لیے کسی زوردار سفارش کی ضرورت تھی۔ ایک روز جناح بیٹھے سوچ رہے تھے کہ ان کو اس کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ انہوں نے سگریٹ سلگا لیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے کہ یکا یک ان کے دل میں ایک خیال آیا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ کر سیدھے سر چارلس اُولی وینٹ (Charles Ollivant) کے دفتر جا پہنچے۔ یہ صاحب ان دنوں حکومت بمبئی کے امور قانونی کے ممبر تھے۔ ان سے جناح نے اپنا مدعا بیان کیا۔ پھر مسٹر میک فرسن نے ان کی سفارش بھی کر دی، اور چند ہفتوں میں وہ عارضی پریذیڈنسی مجسٹریٹ مقرر ہو گئے۔ اس طرح ان کی مالی پریشانی ختم ہو گئی۔ انہوں نے ایک گاڑی خرید لی اور ایک بہتر مکان میں منتقل ہو گئے۔ اس کے علاوہ اپنی بہن فاطمہ کو کراچی سے بمبئی لے آئے اور باندرے کے کانوینٹ اسکول میں انہیں داخل کرا دیا۔

بمبئی کا شہر اس زمانے میں مذہبی اور ذات پات کے امتیازات میں بری طرح جکڑا ہوا تھا، اور ایک مسلمان لڑکی کو کانوینٹ اسکول میں پڑھانا بڑی ہمت کا کام تھا۔ اس واقعہ کے نصف صدی بعد ایک مضمون میں کسی شخص نے اس کا ذکر یوں کیا ہے:

''اس زمانے میں فاطمہ جناح کے فرقے کے لوگ ہرگز یہ برداشت نہ کر سکتے تھے کہ وہ ایک کانوینٹ اسکول میں پڑھیں اور اس کے بورڈنگ ہاؤس میں رہیں۔ فرقے کے قدامت پرست عناصر سخت مضطرب تھے، اور انہوں نے بڑی کوشش کی کہ وہ اسکول چھوڑ دیں۔ بے چاری فاطمہ کے متعلق چہ مگوئیاں بھی ہوئیں، لیکن ان کے بھائی محمد علی نے پوری طرح ان کا ساتھ دیا اور انہیں قدامت پرستوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت دلائی۔ جناح خود انہیں لے کر اسکول گئے اور ان کے داخلے کا سارا انتظام کیا، پھر ان کے ساتھ اسکول کی عمارتوں اور اس کے احاطے کا معائنہ کیا اور بعد میں جب وہ اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گئیں تو جناح ہر اتوار کو گھوڑے پر سوار ہو کر بمبئی سے باندرے جا کر بہن سے ملتے۔''

بھائی بہن کی یہ محبت اگلی نصف صدی کے نشیب و فراز میں برابر قائم رہی اور پاکستان بننے کے بعد جناح نے ایک عام جلسے میں فاطمہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

''سیاسی جدوجہد کے دنوں میں میری ہمشیرہ برابر میرے ساتھ رہیں اور شام کو جب میں گھر آتا تو یوں محسوس ہوتا کہ روشنی اور امید کی ایک کرن روشن ہو گئی۔ اگر وہ میرے ساتھ نہ ہوتیں اور میری دیکھ بھال اتنی مستعدی سے نہ کرتیں تو میری پریشانیاں بہت بڑھ جاتیں اور میری صحت زیادہ بگڑ جاتی۔''

شاید فاطمہ وہ واحد ہستی تھیں جس کی محبت جناح کے دل میں نیونہم روڈ کے زمانے سے لے کر اپنی آخری کامیابی کے دنوں تک قائم رہی۔

برِصغیر ہندوستان کی تقسیم زیادہ تر محمد علی جناح کے تخیل اور اُن کی کوششوں کا نتیجہ تھی لیکن موجودہ ہندوستان میں بمبئی کے پرانے ہندو وکیل اب بھی بڑے احترام سے اُنہیں یاد کرتے ہیں۔ شہر بمبئی کے بیچوں بیچ وکٹورین عہد کی وہ لق و دق عمارت ہے جہاں نومبر 1900ء میں محمد علی جناح نے عارضی پریذیڈنسی مجسٹریٹ کے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد وکالت شروع کی تھی۔ اس عمارت کے ایک حصے میں قید خانہ ہے، جس کی آہنی سلاخوں کے باہر دو شان دار سپاہی نیلی اور سنہری پگڑیاں باندھے کھڑے تھے۔

اس کے آگے ایک لمبا چوڑا اور تاریک دفتر ہے، جس میں قریب بیس وکیلوں کے ٹائپسٹ بیٹھے مشینوں پر اپنے فاضل مالکوں کی تحریریں ٹائپ کر رہے تھے۔ اسی کمرے میں 54 برس پہلے محمد علی جناح نے وکالت کا کام شروع کیا تھا۔ گلیارے کے ساتھ ایک اور کمرہ ہے جس میں ایک بوڑھا وکیل تھا۔ اُس کو جناح کا اپنے دفتر میں پہلی دفعہ آنا اچھی طرح یاد تھا۔ اُس نے بتایا کہ جناح نے آنے کے بعد اپنے دفتر کو ایسے عمدہ فرنیچر سے آراستہ کیا جو کسی اور وکیل کو نصیب نہ تھا۔ اس بوڑھے وکیل نے بڑے شوق سے محمد علی جناح کی جوانی کی باتیں سنائیں۔ کہنے لگا:

''آپ نے جناح کی وکالت کے آغاز کا وہ قصہ تو سنا ہی ہو گا کہ سر چارلس اولی وینٹ نے اُنہیں ایک خدمت کی پیش کش کی جس میں تنخواہ 1500 روپے ماہوار تھی۔ جناح نے اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ''میں تو 1500 روپے روزانہ کمانا چاہتا ہوں۔'' ان کے مزاج میں ان دنوں بڑی بے باکی اور جھپٹ تھی، لیکن انہوں نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ اپنی وکالت جمانے کے بعد انہوں نے بمبئی کے تمام دوسرے وکیلوں سے زیادہ روپیہ کمایا۔''

پھر بوڑھے وکیل نے پاس کے ایک دفتر سے دو دوستوں کو بلایا اور تینوں نے باری باری جناح کے متعلق قصے سنائے۔ ان میں سے ایک شخص اُن کو اُس زمانے سے جانتا تھا:

''جب ان کے مالی حالات اچھے نہ تھے، لیکن اس وقت بھی ان کا لباس ان کا طرۂ امتیاز تھا اور اُس مشکل وقت میں بھی ان میں انتہا کی خود اعتمادی اور بے باکی تھی، شاید اُس سے بھی زیادہ جس کے لیے وہ بعد میں اتنے مشہور ہوئے، اور ان کی دیانت بھی انتہا درجے کی تھی۔ بے شک وہ ذرا ٹیڑھے آدمی تھے، لیکن میں نے کبھی یہ نہیں سنا کہ انہوں نے کوئی ناانصافی یا ہیر پھیر کیا ہو۔ یہ باتیں ان کی فطرت کے خلاف تھیں۔''

تیسرے وکیل نے کہا:

''یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ اُن کی قسمت نے صحیح معنوں میں پلٹا کیوں کر کھایا۔ 1903ء میں جیمز میکڈانلڈ (James MacDonald) نامی ایک اسکاٹستانی بمبئی کارپوریشن کا صدر تھا۔ وہ نہایت اہم شخص تھا اور کارپوریشن کے تمام شعبوں پر چھایا ہوا تھا۔ ایک دن ہائی کورٹ میں ایک بڑا مقدمہ سنا جا رہا تھا اور عدالت کا کمرہ اتنا بھر گیا تھا کہ اُس کے دروازے بند کرنا پڑے۔ کمرے کے اندر ایک حصہ وکلا کے لیے مخصوص تھا، لیکن جب جناح اندر آئے تو اُس میں ایک کرسی بھی خالی نہ تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ وکیلوں کی کرسیوں میں سے ایک پر جناب جیمز میکڈانلڈ صاحب تشریف فرما ہیں۔ جناح نے ان سے کرسی خالی کرنے کو کہا۔ جب وہ نہ مانے تو جناح نے عدالت کے منشی سے شکایت کی اور مطالبہ کیا کہ میکڈانلڈ کو کرسی سے اٹھا دیا جائے۔ منشی ہچکچایا تو جناح نے دھمکی دی کہ وہ جج سے شکایت کریں گے۔ اس پر بے چارہ منشی مجبور ہو کر میکڈانلڈ کے پاس گیا اور اُس سے کرسی خالی کرائی۔ میکڈانلڈ بھی غیر معمولی آدمی تھا۔ بجائے ناراض ہونے کے اُس نے کرسی چھوڑ دی اور جناح کا نام دریافت کیا۔ کچھ دن بعد اُس نے ان کو 1000 روپے ماہوار پر کارپوریشن کا وکیل مقرر کر دیا۔''

اس پر دوسرا وکیل بات کاٹتے ہوئے بولا:
''جناح کی خود اعتمادی حیرت انگیز تھی۔ آپ نے سنا ہو گا کہ ایک جج نے کسی مقدمے کی سماعت کے دوران میں اُن کے انداز تخاطب پر بگڑ کر کہا 'مسٹر جناح یاد رکھئے کہ آپ کسی تیسرے درجے کے مجسٹریٹ کے سامنے بحث نہیں کر رہے۔' جناح نے برجستہ جواب دیا: ''جناب عالی! آپ کی اجازت سے میں بھی آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ کوئی تیسرے درجے کا وکیل اس وقت جناب کے سامنے نہیں۔''
مجھے اس امیر ہندو زمین دار کی بات بھی یاد آ رہی ہے جس نے جناح کی بھاری فیس پر ان سے احتجاج کیا تو وہ بولے: ''تو آپ تیسرے درجے کے ٹکٹ پر 'پلمن' (ریلوے سیلون) میں سفر کرنا چاہتے ہیں؟''
تیسرا وکیل پھر بولا:
''مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں ایک امدادی فنڈ کے لیے چندہ جمع کر رہا تھا۔ بار لائبریری میں اُنہیں دیکھ کر میں ان کے پاس گیا اور چندے کی فہرست ان کے ہاتھ میں دے دی۔ اُنہوں نے اپنا اِکا لگا کر اُسے پڑھا، پھر واپس مجھے دے کر بولے: ''مجھے اس معاملے سے کوئی دلچسپی نہیں۔''
اس کے بعد تیسرے وکیل نے پھر اپنی داستان شروع کی:
''جناح بہت بڑے وکیل تھے، حالانکہ بہ حیثیت قانون دان اُن کا مقام اتنا بلند نہ تھا۔ ہر مقدمے کی تفصیلات بڑی احتیاط سے اُنہیں سمجھانا پڑتی تھیں، لیکن ایک دفعہ معاملہ سمجھ لینے کے بعد وہ پوری طرح اس پر حاوی ہو جاتے تھے، اور پھر بحث میں ان کا مقابلہ کوئی نہ کر سکتا۔ ان کی صلاحیتیں زیادہ تر خداداد تھیں، اور ان میں خود ان کی کوششوں کا کم دخل تھا۔ خدا نے انہیں بڑا زبردست وکیل بنایا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان میں کوئی پوشیدہ حس بھی ہے جس کی مدد سے اُنہیں مقدمے کے چھپے ہوئے پہلو اور اس کی دقتیں آسانی سے نظر آ جاتی ہیں۔ یہی ان کی قابلیت کا راز تھا۔ ان کی تقریر اور بحث کے تجزیے سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کا ذہن رسا اور روشن اور انداز فکر سلجھا ہوا ہے، حالانکہ اُن میں اُس نفاست کی کمی تھی جو یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم سے حاصل ہوتی ہے، تاہم وہ اپنے مقدموں کے اہم نکتے بڑی خوبی سے نکالتے اور پھر آہستہ آہستہ، لفظ بہ لفظ، وہ اُنہیں جج کو سمجھاتے۔ اُن کی بحث خالص منطقی ہوتی تھی، جذبات کے جوش اور گرمی سے پاک۔''
پھر پہلے وکیل نے ایک اور قصہ سنایا:
''جناح کے زمانے میں ہائی کورٹ میں ایم۔اے، سوم جی نامی ایک اور وکیل تھا، جو عمر میں ان سے چھوٹا تھا (سوم جی بعد میں، ہائی کورٹ کا جج ہو گیا۔) ایک مقدمے میں جناح اور سوم جی مخالف فریقوں کی طرف سے پیش ہو رہے تھے۔ سوم جی کسی اور عدالت میں بحث کر رہے تھے کہ یکا یک جناح والے مقدمے کی آواز پڑ گئی۔ سوم جی کے مشیر نے جناح سے مختصر التوا کی درخواست کی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ مشیر نے جج سے مدد چاہی تو جج نے کہا: ''اگر جناح مان جائیں تو مجھے التوا پر کوئی اعتراض نہیں۔'' لیکن جناح راضی نہ ہوئے۔ بولے: ''میرے فاضل دوست (سوم جی) کا فرض تھا کہ وہ ذاتی طور پر مجھ سے التوا کی درخواست کرتے۔''
جناح اگر اتنے لائق اور دُھن کے پکے نہ ہوتے تو ان کا غرور انہیں تباہ کر دیتا۔ ہم میں سے اکثر ان کی

مسٹر جناح اور فاطمہ جناح جشن آزادی 1947ء کے موقعہ پر، لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن بھی ہمراہ ہیں۔

رعونت اور کج خلقی کے شاکی تھے، اور ہمیں یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان میں ہمدردی کے جذبے کی بہت کمی ہے لیکن بحث میں ان کی لیاقت اور برتری کے سب قائل تھے۔ وہ عدالت میں بحث کے لیے ایک خاص انداز سے کھڑے ہوتے، اپنا اکا آنکھ پر لگاتے اور پھر آہستہ سے جج کی طرف آنکھ اٹھاتے۔ ان کی حرکات وسکنات سے ایک ایکٹر کی ہوشیاری جھلکتی۔ پھر یوں معلوم ہوتا کہ وہ ساری عدالت پر چھا گئے ہیں۔ ہاں وہ سچ مچ چھا جاتے تھے۔''

''یہ ٹھیک ہے'' تیسرا وکیل بات کاٹتے ہوئے بولا: ''لیکن جب ہم جناح کو یاد کرتے ہیں تو ہمیں بار بار ان کی غیر معمولی دیانت داری کا خیال آتا ہے۔ ایک دفعہ ان کے سولسٹر (Solicitor) نے ایک موکل ان کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ اس کے پاس مقدمے کے لیے زیادہ روپیہ نہیں۔ جناح نے مقدمہ لے لیا۔ وہ ہار گئے، لیکن انہیں یقین تھا کہ مقدمے میں جان ہے، لہٰذا انہوں نے مشورہ دیا کہ اپیل کی جائے۔ سولسٹر نے پھر انہیں یاد دلایا کہ موکل کے پاس پیسے نہیں۔ جناح نے سولسٹر سے کہا کہ اپیل دائر کرنے کے اخراجات کا کچھ حصہ وہ اپنی جیب سے دے، اور خود مفت مقدمہ لڑنے کا وعدہ کیا۔ اپیل میں وہ جیت گئے، لیکن جب سولسٹر نے انہیں فیس دلوانا چاہی تو جناح نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ انہوں نے مقدمہ بغیر فیس کے لیا تھا۔''

''میں اسی قسم کا ایک اور واقعہ آپ کو سناتا ہوں۔'' دوسرے وکیل نے کہا:

''جناح کا ایک موکل عدالت میں ان کی کارکردگی سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے مقررہ معاوضے کے علاوہ ان کو کچھ روپیہ بھیجا۔ جناح نے یہ فاضل رقم واپس کر دی اور اس کے ساتھ ایک پرچے پر لکھ بھیجا: ''آپ مجھے اتنی رقم دے چکے ہیں، جتنی فیس طے ہوئی تھی، بقایا رقم واپس بھیج رہا ہوں۔''

جب ان تینوں وکیلوں سے میں نے پوچھا کہ وہ محض جناح کی قابلیت سے متاثر تھے یا انہیں پسند بھی کرتے تھے، تو ان میں سے ایک بولا:

''میں انہیں واقعی پسند کرتا تھا، کیوں کہ وہ بڑے منصف مزاج تھے۔ سیاسی زندگی کے اختلافات اور تلخیوں کے باوجود ان کے دل میں کینہ نہ تھا۔ وہ سخت ضرور تھے، لیکن کینے سے بالکل پاک تھے۔''

ان تینوں وکیلوں میں سے دو ہندو تھے اور ایک پارسی۔ کچھ عرصے بعد ایک پرانے بیرسٹر نے جناح کی وکالت کے بارے میں جو خیال ظاہر کیا وہ اس سے خاصا مختلف ہے، اور شاید یہ رائے زیادہ گہرے مشاہدے کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے کہا:

''ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ جب جناح نے وکالت شروع کی، اس وقت بمبئی میں وہ واحد مسلمان بیرسٹر تھے۔ ممکن ہے کہ دو ایک اور بھی ہوں، لیکن ان میں کوئی قابلِ ذکر نہ تھا۔ وکلا میں سے اکثر ہندو یا پارسی تھے، اور شاید وہ اس بات پر خوش نہ تھے کہ مسلمان تاجروں کے خاندان کا ایک بیرسٹر اپنے کام میں ایسی غیر معمولی محنت کر رہا ہے۔ اس لیے وہ اس پر نکتہ چینی بہت سختی سے کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جناح کی زندگی لطف وعشرت سے یکسر خالی تھی اور اپنے کام کے سوا انہیں کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔ وہ رات دن اپنے مقدموں میں لگے رہتے۔ میں اب بھی چشمِ تصور میں انہیں دیکھ سکتا ہوں۔ بانس کی طرح پتلے،

تیوری پر بل پڑے ہوئے اور ہمیشہ یوں معلوم ہوتا کہ بڑی جلدی میں ہیں۔ ان کی نجی زندگی بہت سنہری تھی اور اس کے متعلق کبھی کسی قسم کی چہ مگوئیاں سننے میں نہ آئیں۔ وہ ایک محنتی غیر شادی شدہ جوان تھے، اور زیادہ خوش خلق اور متواضع نہ تھے۔ سنجیدگی مزاج میں اس درجے تھی کہ بہت کم لوگ ان سے دوستی کرنا چاہتے۔ اس قسم کے کردار پر لوگ عموماً تنقید زیادہ کرتے ہیں، بالخصوص مشرقی ممالک میں جہاں لوگوں کے پاس کام کم اور باتوں کی فرصت زیادہ ہے اور جہاں انسان کی خامیاں تو معاف کر دی جاتی ہیں لیکن اس کی خوبیاں ہدفِ تنقید بن جاتی ہیں۔

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ 1907ء میں ایک مقدمے میں جو بعد میں کوکس کیس (Caucus Case) کے نام سے مشہور ہوا، جناح کو پہلی مرتبہ اپنی پوری صلاحیتیں دکھانے کا موقع ملا۔ بمبئی کے چند شہریوں نے ایک درخواست گزاری جس میں یہ الزام لگایا گیا کہ میونسپل بورڈ کے انتخابات میں شہر کے یورپین باشندوں کے ایک گروہ نے سر فیروز شاہ مہتہ کو ہرانے کے لیے ناجائز ذرائع استعمال کیے تھے۔ سر فیروز شاہ مہتہ جو مذہباً پارسی تھے کانگریس کے بزرگ لیڈروں میں سے تھے۔ لوگ ان کا بہت احترام کرتے تھے اور شہر کے مقامی معاملات میں ان کا بڑا اثر تھا۔ جناح ان دنوں سر فیروز شاہ کے دفتر میں کام کیا کرتے تھے۔ انتخاب کی تنسیخ کے لیے جن شہریوں نے درخواست دی تھی انہوں نے اپنی وکالت کے لیے جناح کا انتخاب کیا۔ جناح مقدمہ ہار گئے، لیکن جس قابلیت سے انہوں نے بحث کی اس سے ان کا وقار بہت بلند ہوا اور پہلی دفعہ ان کا نام اخباروں کی سرخیوں میں آیا۔ سر فیروز شاہ خود ایک ممتاز بیرسٹر تھے اور اس سے بڑھ کر جناح کی قانونی صلاحیتوں کا کیا اعتراف ہو سکتا تھا کہ سر فیروز شاہ کی طرف سے عدالت میں جناح پیش ہوں۔ اس کے بعد کئی اور مواقع ایسے آئے جب جناح پر کسی ایسے شخص نے اعتماد کیا جو عمر میں ان سے بہت بڑا تھا۔ یہ دانش مند بزرگ شاید بات کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ جناح کی رعونت محض زیادہ میل جول سے بچنے کا ایک بہانہ ہے، اس رعونت کے خول کے نیچے جو زبردست صلاحیتیں تھیں اس کا وہ پوری طرح اندازہ کر سکتے تھے۔

جناح پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ اچھے وکیل ضرور تھے مگر بڑے قانون دان نہ تھے۔ یہ صحیح نہیں۔ یہ ان وکیلوں کی رائے ہے جو خود اچھی بحث نہیں کر سکتے اور اس کام کے لیے دوسرے وکیلوں کی خدمات مستعار لیتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جناح قانون پر پورا عبور رکھتے تھے۔

ہاں یہ ٹھیک ہے کہ جناح کے طور طریقے ذرا انوکھے تھے۔ ایک مقدمے کی سماعت کے دوران میں ایک جج نے انہیں بلند آواز سے بولنے کو کہا: ''مسٹر جناح میں آپ کی آواز نہیں سن سکتا۔'' جناح نے جواب دیا: ''میں بیرسٹر ہوں، ایکٹر نہیں، جج بات پی گیا، لیکن ذرا دیر کے بعد پھر مجبور ہو کر بولا ''مسٹر جناح، میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ ذرا اونچا بولیے۔'' اب کے جناح نے کہا کہ ''اگر جناب کتابوں کا انبار اپنے سامنے سے ہٹا دیں تو آپ آسانی سے مجھے سن سکیں گے۔''

''میں اس طرح کے بہت سے قصے آپ کو سنا سکتا ہوں، لیکن اگر آپ جناح کے غیر معمولی کردار کو سمجھ لیں تو ان کی بہ ظاہر غیر معمولی باتیں آسانی سے آپ کی سمجھ میں آجائیں گی۔ میرے خیال میں ان کی ظاہری کج خلقی ان کی پکی دیانت داری سے متعلق تھی۔ آپ شاید آسانی سے اس بات پر یقین نہ کریں، لیکن آپ یہ نہ بھولیں کہ جناح ایک ایسے ملک میں رہتے تھے جہاں ذاتی اخلاق بالعموم پست تھے، اور جناح نے اپنے لیے ایمانداری کا جو معیار قائم کیا تھا وہ ان کے گرد و پیش کے لوگوں کے اخلاق سے بہت مختلف تھا۔

''اس زمانے میں ایک مشہور تاجر حاجی عبدالکریم تھے جنہیں کسی سنگین الزام کے سلسلے میں عدالت میں طلب کیا گیا۔ وہ جناح کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ وہ مقدمے کی کتنی فیس لیں گے۔ جناح نے کھرے پن سے جواب دیا: ''پانچ سو روپے روز۔'' حاجی صاحب محتاط آدمی تھے، پوچھا: 'مقدمہ کتنے عرصے چلے گا؟ میرے پاس کل پانچ ہزار روپے ہیں، کیا آپ یہ ساری رقم بطور معاوضہ قبول کر لیں گے؟'' جناح اپنی بات پر اڑے رہے: ''میں یہ رقم قبول نہیں کروں گا۔ میری فیس 500 روپے روزانہ ہے، یا تو آپ اس فیس پر مجھے اپنا وکیل کریں، یا کوئی اور وکیل تلاش کریں۔'' عبدالکریم نے ان کی شرط منظور کر لی اور جناح نے تین دن میں مقدمہ جیت لیا۔ اُن کی کل فیس 1500 روپے بنی، جو انہوں نے بہ خوشی قبول کر لی۔

''ایک آخری قصہ اور سن لیجیے جس کا تعلق مجھ سے ہے۔ میں نے شروع میں کچھ دنوں عارضی مجسٹریٹ کی حیثیت سے کام کیا تھا اور اس زمانے میں جناح دو ایک مقدموں میں میری عدالت میں پیش بھی ہوئے تھے، لیکن میں عمر میں ان سے چھوٹا تھا۔ میرے والد صاحب کی قرابت جناح کے خاندان سے تھی، اور جب میں گریز اِن (Gray's Inn) سے بیرسٹری کی سند لے کر بمبئی واپس آیا تو والد صاحب مجھے جناح کے پاس لے گئے اور کہا: ''یہ میرا بیٹا ہے اس کو اپنا سا لائق بنا دیجیے۔'' جناح نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا: ''یہ خوشی سے آ کر میرے دفتر میں کام کریں، لیکن لیاقت خود اپنی محنت سے پیدا کریں۔''

وکالت میں کامیابی کے آغاز میں جناح کی ملاقات مسز سروجنی نائیڈو سے ہوئی۔ یہ بہلی ذہین اور حساس خاتون تھیں جنہوں نے جناح کی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ کیا، اور اُن کی ظاہری رعونت کے پردے کے پیچھے ان کے کردار کی اصلیت کو پہچانا۔ وہ جناح کے متعلق یوں لکھتی ہیں:

''میں نے کسی شخص کی ظاہری خصوصیتوں اور اس کے اصل کردار میں اتنا مکمل تضاد نہیں دیکھا۔ وہ بلند قامت ہیں لیکن بے انتہا دبلے، اور دیکھنے میں کمزور معلوم ہوتے ہیں۔ اُن کی عادتیں رئیسانہ ہیں، لیکن ان کی جسمانی ناتوانی ایک نظر فریب پردہ ہے جس کے پیچھے ذہن اور کردار کی غیر معمولی توتیں پوشیدہ ہیں۔ وہ روکھے اور تنک مزاج ہیں، اپنے کو ذرا لیے دیے رہتے ہیں، اور بالعموم لوگوں سے بے تکلفی سے نہیں ملتے۔ ان کا انداز اکثر تحکمانہ ہوتا ہے، لیکن جو لوگ ان کو اچھی طرح جانتے ہیں اُنہیں معلوم ہے کہ جناح کی تمکنت اور رعونت کے خول میں ایک بڑی

دل کش شخصیت ہے۔ ان کی انسانیت میں بڑا بھولا پن ہے۔ ان کا مشاہدہ ایک عورت کے مشاہدے کی طرح تیز اور نازک ہے، اور اُن کے مزاج میں بچوں کے مزاج کی سی شوخی اور دل کشی ہے۔ وہ بنیادی طور پر عملی آدمی ہیں اور ان کے جذبات پوری طرح ان کے ذہن کے تابع ہیں۔ زندگی کے متعلق ان کے خیالات بالکل غیر جذباتی ہیں لیکن ان کی دنیاداری اور حقیقت پسندی کے پردے میں اصول پرستی اور بے غرضی کے بڑے جوہر پوشیدہ ہیں اور یہی اس شخص کے کردار کی بنیادی خصوصیت ہے۔"

مسز نائیڈو کی طرح اُس زمانے کی اور کئی جوان خواتین کے دل میں جناح کا بڑا احترام تھا۔ جناح کے ہم پیشہ جس چیز کو تکبر اور رعونت کہتے تھے یہ عورتیں اُسی کو خودداری کہتیں۔ ان خواتین میں سے ایک بڑی بی کو، جو اب بھی مالا بار ہل پر رہتی ہیں، جناح کا وہ زمانہ یاد ہے جب وہ اٹھائیس سال کے تھے۔ اُن دنوں کی یاد تازہ کر کے وہ بولیں: "ہاں ان میں بڑی کشش تھی۔ وہ کتنے خوش رو تھے، اور مجھے یقین ہے ان کو اپنے کشش کا احساس تھا اور یہ معلوم تھا اس میں بڑی طاقت ہے لیکن جب وہ کمرے میں داخل ہوتے تو عورتوں کے لیے ایک آدھ تعریفی کلمہ ضرور کہہ دیتے، مثلاً: 'واہ آپ کی ساڑھی کتنی خوب صورت ہے۔' ایسے شخص کی خودداری، بلکہ اس کی رعونت بھی عورتیں معاف کر دیتی ہیں۔"

(پاکستان کہانی، محمد علی جناح، ز ہیکٹر بولیتھو، مترجم زبیر صدیقی، اردو سائنس بورڈ)

جناح عوامی لیگ

25 جنوری 1951ء کو حسین شہید سہروردی اور خان افتخار حسین ممدوٹ نے جناح لیگ اور عوامی لیگ کے ادغام سے نئی سیاسی جماعت کے قیام کا اعلان کیا۔ نئی جماعت کا نام جناح عوامی لیگ رکھا گیا۔ حسین شہید سہروردی اس کے صدر مقرر ہوئے۔ بعد ازاں جناح کا لفظ متروک ہوگیا اور صرف عوامی لیگ رہ گئی۔

جناح فٹ بال ٹورنامنٹ

اکتوبر 1944ء کے آخری ہفتہ میں قائداعظم محمد علی جناح بمبئی سے دہلی گئے جہاں انہوں نے 12 نومبر 1944 کو جناح فٹ بال ٹورنامنٹ کا افتتاح کیا۔

جناح قاتل کے مقابل

اس کتاب کو بمبئی کے بیرسٹرایٹ لاء اکبرائے پیر بھائی نے Jinnah Faces an Assassin کے عنوان سے لکھا اور اس کا اردو ترجمہ سید شریف الدین پیرزادہ نے کیا۔ اس کتاب میں مصنف نے قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کا ایک خاکہ لکھا جس کا ذکر قائداعظم محمد علی جناح نے سی ایم ایس ہائی سکول کراچی کے پرنسپل مسٹر ایس این اپنس کو اپنے خط محررہ 11 نومبر 1946ء میں کیا۔

مذکورہ بالا کتاب بمبئی کے پبلشر ساؤنڈ پبلیکشنز کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ اس کتاب سے قائداعظم محمد علی جناح پر قاتلانہ حملہ کی تفصیل بھی معلوم ہوجاتی ہیں۔ مصنف لکھتا ہے:

"جسٹس بلیگڈن کے اس تاریخی فیصلے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ ان نام نہاد اور خود ساختہ مورخین کے سر شرم سے جھک جاتے اور ان کی بے لگام زبانیں قابو میں آجاتی لیکن آج بھی کچھ بدطینت اور بدخصلت لوگ اس بات پر بضد ہیں کہ حملہ آور خاکسار تھا حالانکہ انگریزی قانون کی رو سے انگریزی عدالت کا مذکورہ

فیصلہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح پر حملہ کوئی منظم سازش ہرگز نہ تھی اور نہ حملہ آور کا خاکسار تحریک سے کوئی ادنیٰ سا تعلق تھا۔ اس معاملہ میں خاکساروں کو اپنے ڈیفنس کی کوئی ضرورت درپیش نہ آئی بلکہ واقعات اور نتائج نے خود ہی ان کا دفاع کیا اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ثابت کر کے رکھ دیا۔''

مشہور مسلم لیگی اخبار زمیندار کا تبصرہ ان بدطینت مورخین کے لیے تازیانہ عبرت کی حیثیت رکھتا ہے۔

بمبئی ہائیکورٹ کا فیصلہ منظر عام پر آنے کے بعد مسلم لیگ کے ترجمان روزنامہ زمیندار لاہور نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''جسٹس بلیگڈن کے فیصلے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بعض عجلت پسند اخبارات جرم بے گناہی پر بھی خاکسار تحریک کو قابل مواخذہ سمجھ رہے تھے انہوں نے اپنی غلط فہمیوں اور حقیقت فراموشی و بے تدبیری سے مسلمانوں کو دو عظیم الشان جماعتوں (خاکسار اور مسلم لیگ) کو افتراق میں مبتلا کرنے کا تہیہ کیا تھا۔ اب یہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ چکی ہے، اور اصول صحافت، اسلامی مفاد اور مومنانہ شان کا تقاضہ یہ ہے کہ اسی قسم کے تمام اخبارات جو صابر کی مذموم حرکت کا رشتہ خاکسارانہ سازش سے باندھ رہے تھے۔ اپنے کیے پر پشیمان ہوں، ورنہ یہ حقیقت زیادہ بے نقاب ہو جائے گی کہ یہ کاغذی شخصیتیں نفاق و افتراق کے خنجر سے اسلامی اخوت کا سینہ چاک کرنا چاہتی ہیں، اور خاکسار سے اگلے وقتوں کا انتقام لینے کے لیے اسلامی وقار کو کند چھری سے ذبح کیا جا رہا ہے۔''

جناح کا استقلال

روزنامہ انقلاب اپنے 31 جنوری 1940ء کے اداریہ میں لکھتا ہے:

''مسٹر جناح نے بالکل درست فرمایا تھا کہ ہندوستان ایک ملک نہیں، اور نہ اس میں ایک قوم بستی ہے بلکہ یہ ایک چھوٹا براعظم ہے، جس میں مختلف قومیں آباد ہیں۔ ہندو اور مسلمان اس میں سے دو بڑی قومیں ہیں، اگر اچھوتوں کو علیحدہ سمجھا جائے تو تین بڑی قومیں بن جاتی ہیں۔ گاندھی جی گذشتہ بیس برس سے اس حقیقت کو محو کرنے یا اسے پردوں میں چھپا دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ ان کی ساری سرگرمیوں کا محور و مرکز اس کے سوا کچھ نہیں رہا کہ ہندوستان میں مختلف اقوام کا وجود تسلیم نہ کیا جائے، بلکہ اس کے تمام باشندوں کو صرف ایک قوم جانا جائے۔''

خواب پریشان ہو گیا

اخبار اپنے اداریہ میں لکھتا ہے

''باہر کے لوگ چونکہ اس قسم کے حالات سے کبھی روشناس نہیں ہوئے جیسے ہندوستان میں موجود ہیں، لہٰذا وہ غلط فہمیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ گذشتہ بیس برس میں دو تین مواقع ایسے آئے کہ گاندھی جی کی یہ کوشش کامیابی کے قریب پہنچ جاتی رہی، لیکن اللہ کے فضل و کرم سے دفعتاً غیر متوقع طور پر ایسے حالت پیدا ہوتے گئے کہ گاندھی جی کا خواب پریشان ہوتا رہا، اور ان کا تار و پود بکھرتا رہا۔ اب مختلف قوموں میں اتنی بیداری پیدا ہو چکی ہے کہ گاندھی جی خود سراسیمہ بیٹھے ہیں اگرچہ اب تک پرانی لکیر کو پیٹتے چلے جا

رہے ہیں، لیکن اب بظاہر ان کے دل کو بھی یقین ہو گیا ہے کہ ان کی مدت العمر کی کوششیں ہمیشہ کے لیے درہم برہم ہوگئیں۔"

جناح فرماتے ھیں

اخبار اپنے اداریہ میں آگے چل کر لکھتا ہے:
"اب وہ کہتے ہیں کہ مسٹر جناح نے ہندوستان کی جو تصویر پیش کی ہے۔ اگر تصویر درست ہے یعنی اگر ہندوستان کی ملکی اور قومی وحدت کے لیے کوئی گنجائش موجود نہیں اور مختلف قوموں کا وجود مسلم مان لیا جائے تو کانگریس گذشتہ پچاس برس سے جو کام کرتی رہی ہے، اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔
مسٹر جناح فرماتے ہیں کہ کانگریس نے اپنی زندگی کے ابتدائی بیس سالوں میں جو کام کیا تھا، اسے گاندھی جی نے برباد کر دیا۔ وہ گذشتہ بیس برس سے جس پالیسی اور پروگرام پر چل رہے ہیں، موجودہ افسوسناک حالات کی ذمہ داری اسی پالیسی اور پروگرام پر عائد ہوتی ہے۔ کیا کوئی سلیم العقل منصف مزاج ہندوستانی اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے؟"

جناح کی پالیسی

اخبار اپنے اداریہ میں مزید لکھتا ہے:
"مسٹر جناح کی پالیسی کانگریس کے گذشتہ پچاس برس کے کام کو برباد کرنے والی ہو یا نہ ہو، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ گاندھی جی کے زندگی بھر کے کام کی بنیادیں اس نے یقیناً منہدم کر ڈالی ہیں۔ گاندھی جی کا کام کیا رہا؟ محض یہ کہ ہندوستان میں صرف ایک قوم سمجھی جائے اور مختلف اقوام کا وجود تسلیم نہ کیا جائے۔ ہندو اکثریت کو ہندوستان پر مسلط کرنے اور ہندو راج کو معرضِ عمل میں لانے کی یہی بہترین تدبیریں، اور اس کے لیے گاندھی جی نے اپنی تمام عمر وقف کر دی لیکن یہ کام ایسے بھونڈے طریقے پر کیا گیا کہ آہستہ آہستہ سب قوموں کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں صاف نظر آنے لگا کہ اگر گاندھی جی کی پالیسی کامیاب ہوگئی تو ان کا استقلال ختم ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے وہ سب اس پالیسی کی مخالفت کے لیے تیار ہو گئیں۔ کانگریسی حکومتوں کے دل آزار طرز عمل نے گاندھی جی کی پالیسی کا چہرہ پوری طرح بے نقاب کر دیا۔ اب کوئی قوم بھی دھوکے میں مبتلا نہیں رہ سکتی۔ اس لیے گاندھی جی کو صاف نظر آ رہا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کی امیدیں ہمیشہ کے لیے پارہ پارہ ہو چکی ہیں۔"

فریب خوردگی یا فریب آرائی

اخبار اپنے اداریہ میں لکھتے ہوئے کہتا ہے:
"اب گاندھی جی نے اپنے دل کو طفل تسلی دینے کے لیے یہ ڈھونگ ایجاد کیا ہے کہ مسٹر جناح جو کچھ فرما رہے ہیں، یہ سب ان کے رفیقوں کی رائے کا آئینہ نہیں یا لیگ کے یہ خیالات و افکار مستقل حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ایک عارضی قسم کی چیز ہیں، لیکن اس قسم کی فریب خوردیوں یا فریب آرائیوں سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ شتر مرغ اگر شکاریوں سے بچنے کے لیے اپنا سر ریت میں چھپائے تو اس طرح وہ گرفتاری کے خطرے سے بچ نہیں سکتا، حقائق کی طرف سے آنکھیں بند کر لینا، حقائق کو نہیں مٹا سکتا۔ گاندھی جی کو کیا معلوم ہے کہ لیگ کے خیالات و افکار کی حیثیت کیا ہے؟ ان کا دل یقیناً یہی چاہتا ہوگا کہ لیگ والے مسٹر جناح کی تردید کے لیے کھڑے ہو جائیں یا لیگ

کوئی ایسا فیصلہ کر دے جس کی بنا پر مسٹر جناح کے ارشادات کی صحت مشتبہ ہو جائے، لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ دلی خواہشات کو واقعات کی صورت میں پیش کرنا بھی محفوظ طریقہ نہیں سمجھا گیا، اور ایسے طرزِ عمل کا نتیجہ کبھی بھی خوشگوار نہیں نکلا۔''

جناح کا ارشاد

اخبار آخر میں اپنے اداریہ میں لکھتا ہے:
''مسٹر جناح کا یہ ارشاد کانگریس اور غیر کانگریسی ہندوؤں اور حکومت کے کارپردازوں کے دل پر نقش ہو جانا چاہئے:
''مسلمان اپنی تقدیر کو اور اپنے مستقبل کو کسی کے حوالے کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ وہ خود ہی یہ فیصلہ کرنے کے حقدار ہیں کہ ان کے لیے کون سی چیز بہتر ہے؟ جو مختلف فریق ہندوستان کے مستقبل کی تشکیل میں حصہ لے رہے ہیں۔ ان سب کا فرض ہے کہ مسلمانوں کو ایک ذمہ دار اور معزز قوم سمجھیں۔''
ہمیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ انگریزوں کی مصلحتیں کیا ہیں۔ ان کے خیالات وافکار کیسے ہیں، ہندو کیا چاہتے ہیں، کانگریس کی خواہش کیا ہے، اور گاندھی جی کا رخ کس طرف ہے، لیکن یہ حقیقت سب پر واضح ہونی چاہئے کہ مسلمان اپنے تمام معاملات کا فیصلہ خود کریں گے، وہ کسی کو اپنا ترجمان یا نمائندہ ومختار نہیں بنا سکتے، وہ اپنا مستقبل کسی کے حوالے نہیں کر سکتے اور نہ انہیں کوئی طاقت کسی بات پر مجبور کر سکتی ہے۔ ہماری معلومات کے مطابق ہندوستان کی دوسری قوموں کی پوزیشن بھی یہی ہے۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 21 جنوری 1940ء)

جناح کا اعلان

پنڈت جواہر لال نہرو کے حکومت بنانے کے بعد ہندوستان میں فسادات پھوٹ پڑے۔ ملک فساد کی آگ میں جل رہا تھا۔ بنگال سے، بہار سے، یوپی سے، دردمندوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ بیوائیں فریاد کر رہی تھیں، یتیم چیخ رہے تھے، بربادی، آبادی کا مرثیہ پڑھ رہی تھی، کنوئیں لاشوں سے پٹے ہوئے تھے، سڑکوں پر قطع برید کی ہوئی لاشیں پڑی تھیں، بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ بے بس اور بے سہارا لوگ افراتفری کے عالم میں دولت چھوڑ کر، گھر چھوڑ کر، کپڑے چھوڑ کر، اناج چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ بے تحاشا بھاگ رہے تھے۔ فاقہ کش حالت میں یتیم عریاں حالت میں آہ وزاری کرتے ہوئے فریاد وفغاں کرتے ہوئے بلکتے ہوئے، روتے ہوئے، چیختے ہوئے۔

لیکن کانگریس کی طرف سے ''آگے بڑھنے'' کا کام جاری تھا۔ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی اسے فرصت نہ تھی۔ اس کی طرف سے اعلان ہو چکا تھا:

''9 دسمبر 1946ء کو دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ہوگا۔ خواہ مسلم لیگ اس میں شریک ہو یا شرکت سے انکار کر دے۔ ہم آگے بڑھ رہے ہیں، ہم رک نہیں سکتے، جو ہمارے ساتھ آجائے گا، وہ آگے بڑھے گا، جو پیچھے رہ جائے گا، پیچھے رہے گا۔''

کامل تین ہفتہ تک قائداعظم محمد علی جناح اس کے منتظر رہے کہ اصلاح احوال کی کوشش کانگریس کی طرف سے ہو۔ فساد زدہ لوگوں کے درد کے درماں مہیا کرے۔ ہٹ اور ضد چھوڑ کر معقولیت اور دوا داروں کے راستہ پر آجائے۔ زمرہ بندی کی جوائنٹ پیپر کی بنیادی دفعہ کو تسلیم کر لے۔ فی الحال دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دے۔ اس وقت جذبات بھڑکے ہوئے ہیں۔ عناد اور مخالفت کی کارروائی ہے۔ خود

اعتمادی اور حسنِ ظن کا کہیں کوسوں پتہ نہیں۔ ایک دوسرے کو شک اور بدگمانی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ان حالات میں دستور سازی کا کام نہیں ہو سکتا۔ دستور سازی کا کام یکسوئی چاہتا ہے۔ اعتماد چاہتا ہے۔ تعاون چاہتا ہے۔ خوشگوار فضا چاہتا ہے اور اس وقت یہ سب چیزیں ناپید ہیں۔

لیکن مسٹر جناح کی یہ دونوں باتیں رد کر دی گئیں۔ اصلاح احوال کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ زمرہ بندی کا اصول تسلیم نہیں کیا گیا اور دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ملتوی نہیں کیا گیا۔ قائداعظم نے کانگریس سے اپیل کی، مگر اس کا جواب نہ ملا۔ قائداعظم نے لارڈ ویول سے اپیل کی۔ اس کا جواب نہ ملا لیکن دستور ساز اسمبلی کے ممبروں کو دعوت نامے بھیج دیے گئے کہ وہ 9 دسمبر 1946ء کے اجلاس میں شریک ہوں، اس ضد کا جواب قائداعظم یہی دے سکتے تھے کہ دستور ساز اسمبلی کا بائیکاٹ کر دیں، چنانچہ انہوں نے اعلان کر دیا:

''مسلم لیگ دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں شریک نہیں ہوگی۔''

قائداعظم یہ اعلان کر کے سندھ کے دورہ پر روانہ ہو گئے۔ جہاں صوبائی اسمبلی کا نیا انتخاب ہو رہا تھا۔

شاید کانگریس کی طرح حکومت برطانیہ بھی اس غلط فہمی میں مبتلا تھی کہ مسلم لیگ کی عدم موجودگی میں جو دستور بنے گا وہ مسلم قوم پر نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ بہ نوکِ سنگین اگر ایسا کیا جائے تو وہ دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔

آخر برطانوی وزیراعظم ایٹلی نے قائداعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خان، جواہر لال نہرو، ولبھ بھائی پٹیل اور سردار بلدیو سنگھ کو صلاح مشورہ کے لیے لندن طلب کیا۔

قائداعظم صلح کے خواہاں تھے۔ وہ لندن جانے پر تیار ہو گئے۔ جواہر لال نہرو، ولبھ بھائی پٹیل اور سردار بلدیو سنگھ نے انکار کر دیا۔ آخر میں مسٹر ایٹلی کے دوستانہ اصرار اور لارڈ ویول کے مشفقانہ تقاضے سے متاثر ہو کر آخرالذکر حضرات نے بھی لندن کی دعوت قبول کر لی، لیکن شرط یہ رکھی کہ دستوری اسمبلی کا اجلاس بہر حال ملتوی نہیں ہوگا۔ وہ ضرور 9 دسمبر کو منعقد ہوگا۔

وزیراعظم برطانیہ نے یہ مطالبہ بھی منظور کر لیا اور آخر کار مسلم لیگ، کانگریس اور سکھ پارٹی کے رہنماؤں کا قافلہ لارڈ ویول کی معیت میں لندن میں روانہ ہوا۔

فضائی اڈہ پر وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس بہ نفس نفیس استقبال کے لیے موجود تھے۔ وزیر ہند اور وزیراعظم نے پہلے ان تمام اصحاب سے فرداً فرداً باتیں کیں، اور قائل معقول کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔

پھر آخری بار کوشش ہوئی کہ ایک چھوٹی سی گول میز کانفرنس منعقد کی جائے شاید باہمی گفت و شنید کا کچھ نتیجہ نکل سکے۔ یہ کانفرنس ہوئی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نکلا تو وہی جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے:

پئے مشورت مجلس آراستند!
نشستند و گفتند و برخاستند!

اصل اختلافی مسئلہ زمرہ بندی کا تھا، قائداعظم کا اصرار یہ تھا:

''کانگریس نے عملاً 16 مئی کی اسکیم کو مسترد کر دیا ہے، اور اگر تسلیم کیا ہے تو لازمی طور پر زمرہ بندی کا اصول بھی ماننا چاہیے۔''

کانگریس کا جواب ہوتا:

''ہم نے زمرہ بندی کی اسکیم تو مان لی ہے لیکن اپنے مفہوم و معنی کے مطابق ہمارا خیال ہے کہ اسکیم کے مصنف یعنی کابینہ وفد کے ارکان اپنی تحریر کا جو مطلب بتا رہے ہیں وہ غلط ہے۔ ہماری تشریح صحیح ہے یعنی زمرہ بندی لازمی نہیں ہے، اور ہم بہر حال اپنی ہی تشریح پر عمل کریں گے۔''

جب وزیراعظم برطانیہ کو صلح و مفاہمت سے مایوسی ہوگئی تو انہوں نے اپنی کابینہ کی مکمل تائید کے ساتھ ایک تشریحی بیان مرتب کیا اور شائع کر دیا، بیان یہ ہے:

''ملک معظم کی حکومت نے پنڈت نہرو، مسٹر جناح، مسٹر لیاقت علی خاں اور سردار بلدیو سنگھ سے یہ مذاکرات کیے تھے، وہ آج شام اس لیے ختم ہو گئے کہ پنڈت نہرو اور سردار بلدیو سنگھ کل صبح ہندوستان واپس جا رہے ہیں۔''

قائداعظم جب لندن سے کراچی واپس آئے تو نمائندگانِ پریس نے ان سے پوچھا:

''اب آپ کا اقدام کیا ہوگا؟''

قائداعظم نے فرمایا:

''یہ کانگریس سے پوچھیے، جب تک وہ کوئی فیصلہ 6 دسمبر کے برطانوی دستور کی روشنی میں نہ کرے، مجھے نہ کچھ مزید کہنا ہے نہ کرنا ہے۔''

قائداعظم کا استدلال یہ تھا:

''دستور ساز اسمبلی میں ہر صوبہ اور ہر گروپ شرکت پر مجبور ہے اور وہ اکثریت کے فیصلے ماننے کا بھی پابند ہے۔''

چنانچہ مسلم لیگ کی طرف سے قائداعظم اس پر تیار تھے کہ اے گروپ یعنی ہندو گروپ اکثریت سے جو فیصلہ کرے گا، مسلم ممبر اگرچہ اس کے مخالف ہوں، اسے ماننے پر مجبور ہیں اور مانیں گے۔ اس طرح آسام، بنگال کی اکثریت کے فیصلے ماننے کا اصول بغیر کسی شرط کے پابند ہے۔ اگرچہ اسے اپنے زمرہ کی بعض باتیں اور بعض فیصلے ناپسند ہوں۔

کانگریس کی پوزیشن یہ تھی کہ اے گروپ کی اکثریت جو فیصلے کرے۔ مسلم لیگ کے ممبران اختلاف کے باوجود انہیں تسلیم کرنے کے پابند ہیں، لیکن بنگال کا گروپ جو فیصلہ بکثرت رائے سے کرے، اس کی پابندی ہرگز آسام پر لازمی نہیں ہے۔

اس منطق کی روشنی میں اگر قائداعظم نے یہ فیصلہ کیا کہ کانگریس نے 6 دسمبر کی تشریح بھی 16 مئی کی اسکیم کی طرح عملاً مسترد کر دی ہے تو کیا غلط فیصلہ کیا؟ اور بالآخر کراچی میں جب مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی منعقد ہوئی تو اس نے حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا:

''یا تو ہندو دستور ساز اسمبلی منسوخ کی جائے، ورنہ مسلم دستور ساز اسمبلی کے قیام کا اعلان کیا جائے۔''

بعد میں واقعات نے ثابت کر دیا کہ قائداعظم کی رائے حرف بہ حرف درست اور صحیح تھی۔

''مومن کی فراست کبھی بھی دھوکہ نہیں کھاتی۔''

جناح کری ایٹر آف پاکستان

قائداعظم محمد علی جناح کی سرکاری سوانح عمری، اس کتاب کو ہیکٹر بولائتھو نے تصنیف کیا اور حکومت پاکستان کی ہدایت پر یہ کتاب 9 ماہ کے اندر 23 فروری 1953ء تک مکمل کرنا تھی لیکن یہ کتاب نومبر 1954ء میں شائع ہوسکی اس کا مسودہ پاکستانی حکام نے پڑھا تاکہ کوئی واقعاتی غلطی باقی نہ رہے۔ کتاب لکھنے پر ہیکٹر بولائتھو اور ان کے نائب پیل کو سٹرلنگ کی صورت میں 14 ہزار دو سو روپے اور پاکستانی کرنسی کی صورت میں 24 ہزار تین سو روپے دیے۔

جناح کورٹ ہاسٹل

یہ سندھ کے طلبا کی قدیم اقامت گاہ ہے اس عمارت کو کراچی میں جون 1932ء میں قائم کیا گیا۔ ابتدا میں یہ عمارت لیسلی ولسن مسلم ہوسٹل کے نام سے موسوم تھی جہاں سندھ کے دور دراز کے علاقوں سے طلبا آکر رہائش پذیر ہوتے تھے۔ یہ عمارت ایک لاکھ نواسی ہزار روپے کی لاگت سے تیار

ہوئی تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد اسے قائداعظم محمد علی جناح کے نام سے موسوم کر کے اس کا نام جناح کورٹ ہوسٹل رکھ دیا گیا۔ یہ عمارت ڈاکٹر ضیاالدین روڈ پر 8088 ایکڑ رقبہ پر محیط ہے۔ اسے 1985ء میں طلبا سے خالی کرا لیا گیا تھا کہ سندھ کلچرل کمپلیکس بنایا جاسکے۔

جناح کی آواز

روزنامہ انقلاب اشاعت 15 فروری 1935ء میں اداریہ لکھتا ہے:

''ٹریبیون'' اس بات پر بے حد خفا ہے کہ کانگریس نے 7 فروری کو مسٹر جناح کی قرارداد کے پہلے حصے یعنی فرقہ وارانہ فیصلے کی نسبت ووٹنگ کے وقت غیر جانبداری قائم رکھی۔ ہمارا معاصر رقمطراز ہے:

''کانگریس پارٹی اس باب میں خاص طور پر مستوجب الزام ہے۔ اس لیے کہ اس پارٹی نے ووٹوں میں حصہ نہ لے کر مجلس عاملہ کانگریس کی نام نہاد غیر جانبداری کی قرارداد کی بھی خلاف ورزی کی ہے۔ اس قرارداد کا موجب یہ تھا کہ کانگریس فرقہ وار فیصلے کو نہ قبول کرتی ہے اور نہ مسترد کرتی ہے، لیکن 7 فروری کو جس قرارداد پر ووٹ لیے جا رہے تھے، اس کا مطلب یہ تھا کہ ایوان اسمبلی فرقہ وار فیصلے کو منظور کرتا ہے۔ پھر کیا دلائل، منطق اور حس عامہ کا تقاضہ یہ نہ تھا کہ کانفرنس کے ارکان اس کے خلاف ووٹ دیتے؟ ایسا نہ کرنے سے وہ اپنی پوزیشن سے ہٹ چکے ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے فرقہ وار فیصلے کے حامیوں کے لیے تائید وحمایت کا سامان بہم پہنچایا۔''

لیکن ''ٹریبیون'' اگر فرقہ وار فیصلے کی مخالفت کی قرارداد پر ووٹنگ کا تصور کر لیتا جو مسٹر اینے اور بھائی پرمانند کی طرف سے پیش ہوئی تھی تو محولہ بالا استدلال کی لغویت اس پر خود بخود واضح ہو جاتی۔ ہم جانتے ہیں کہ کانگریس کی پوزیشن کے بارے میں حقیقتاً غیر جانبداری کا دعویٰ کیا گیا تھا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا تھا کہ فیصلہ وہی ہوگا جو اقوام ہند باہم کریں گی۔ یہ فرقہ وار فیصلے کی حمایت نہ تھی۔ غیر جانبداری نہ تھی بلکہ صریح مخالفت تھی۔ ابتدا یہ صحیح ہے کہ کانگریس پارٹی نے حمایت یا مخالفت میں ووٹ نہ دیے، لیکن وہ جس طرح مسٹر جناح کی حمایت یا مخالفت میں ووٹ دینے سے محترز رہی، اسی طرح بھائی پرمانند یا مسٹر اینے کی قراردادوں کی مخالفت یا حمایت سے الگ رہی، اور گمراہ ''ٹریبیون'' کے استدلال کے مطابق مسٹر جناح کی قرارداد کی مخالفت کرتی تو اس کے لیے کیا یہ ضروری نہ ہوتا کہ مسٹر اینے کی قرارداد کی بھی مخالفت کرتی؟

''ٹریبیون'' کا استدلال صرف اس رنج و قلق سے پیدا ہوا ہے کہ اسمبلی میں یہ فرقہ وارانہ فیصلہ کیوں منظور ہوا، لیکن یہ رنج و قلق اس حقیقت کو نہیں جھٹلا سکتا کہ اسمبلی کی اکثریت فرقہ وارانہ فیصلے کے حق میں رائے دے چکی ہے۔ اسمبلی کی اکثریت اگر ملک کی اکثریت کی نمائندہ کہی جا سکتی ہے تو واضح ہے کہ یہ پنڈت مالویہ اور مسٹر اینے اور بھائی پرمانند کے ساتھ نہیں اور نہ کانگریس کے ساتھ بلکہ مسٹر جناح کے ساتھ ہے۔''

ملک کی اکثریت کی خواہش یہ ہے:

1. جب تک کوئی دوسرا سمجھوتہ نہ ہو، فرقہ وار فیصلہ قائم رہے۔
2. صوبہ جاتی نظام کے حد درجہ قابل اعتراض پہلو علیحدہ کر دیے جائیں تو یہ قابل قبول ہو سکتا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ

◆ آل انڈیا فیڈریشن کی سکیم سخت خراب ہے۔ چاہئے کہ اسے ترک کر کے برٹش انڈیا فیڈریشن کی ایسی اسکیم تیار کی جائے، جس سے مرکز میں کامل ذمہ دار حکومت قائم ہو جائے۔

مسٹر جناح نے محض فرقہ وارانہ فیصلے کی مخالفت یا موافقت کو اپنا اصل الاصول نہیں بنایا، یہ نہیں کہا کہ کوئی دوسرا سمجھوتہ کیے بغیر فرقہ وارانہ فیصلہ کو مسترد کر دیا جائے یا فرقہ وارانہ فیصلے کے قیام کے جوش میں سمجھوتے کا دروازہ بند نہیں کیا۔ انہوں نے نہایت صحیح اور معقول پوزیشن اختیار کی اور وہ یہ کہ جب سمجھوتہ ہو جائے تو پھر کسی چیز کا سوال ہی باقی نہیں رہے گا، لیکن جب تک سمجھوتہ نہ ہو فرقہ وار فیصلہ قائم رکھا جائے۔ اس طرح اقلیتوں کو بھی اطمینان ہو گیا۔ اکثریت کے لیے یہ موقع بھی باقی رہا کہ اقلیتوں کو مطمئن کر کے فرقہ وار فیصلہ کا خاتمہ کر دے اور متحدہ جدوجہد کے لیے بنیاد واساس بھی موجود رہی۔

مسٹر جناح نے یہ بھی نہیں کیا کہ محض رپورٹ کے استرداد کو خدمت وطن سمجھ لیں یہ کہہ دیں کہ مروجہ دستور و نظام مجوزہ نظام سے بہتر ہے۔ جس طرح گاندھی جی نے یا سردار پٹیل نے یا بابو راجندر پرشاد نے کہا یا جس طرح مسٹر ایے اور دوسرے ہندوؤں کی خواہش ہے۔ مسٹر جناح نے صوبہ جاتی نظام کی ظاہری شکل وصورت کو درست سمجھا، اس لیے یہ کہا کہ اگر اس میں سے گورنروں کے وسیع اختیارات نکال دیے جائیں یا پولیس کے سلسلے میں بعض مخصوص تفصیلات باقی نہ رہیں؟ اس نوع کے بعض دوسرے قابل اعتراض حصے علیحدہ کر دیے جائیں تو صوبہ جاتی نظام کو قبول کر لیا جائے گا۔

البتہ مرکز میں جو کچھ تجویز کیا جا رہا ہے وہ قابلِ قبول نہیں۔ برطانوی ہندوالوں کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ریاستوں کے شمول کے انتظار میں بیٹھے رہیں، اور پھر ریاستیں شامل بھی ہوں تو ان کا داخلی نظام برطانوی ہند سے بالکل علیحدہ ہوگا، نیز ان کے ممبر نامزد ہوں گے۔ برطانوی ہند کے ممبر منتخب ہوں گے لہٰذا دوکلیتہً مختلف چیزوں کو یکجا کیونکر کیا جا سکے گا؟ اور اگر وہ یکجا ہوں گی تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ برطانوی ہند کی پوزیشن بھی خراب ہو، اور اسے بھی ریاستوں کی مطابقت میں آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹنا پڑے۔ انہی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے مسٹر جناح نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ فیڈریشن صرف برطانوی ہند کا ہو۔ کاش کانگریس اور ہندو آج بھی مسٹر جناح کی پوزیشن کو قبول کر لیں۔

رہا ''ٹریبیون'' کا اعتراض تو ہم اپنی سابقہ اشاعت میں عرض کر چکے ہیں کہ اگر کانگریس پارٹی 7 فروری کو مسٹر جناح کے فرقہ وار فیصلہ کی قرارداد کے خلاف بھی ووٹ دیتی تو ہندوؤں کی خواہش کا پورا ہونا مشکل تھا۔ کانگریس کے تمام ممبر زیادہ سے زیادہ 42 یا 44 بیان کیے گئے ہیں۔ اگر 7 فروری کو یہ 42 یا 44 افراد مالویہ پارٹی کے 15 ووٹوں میں شامل ہو جاتے تو فرقہ وار فیصلہ کی مخالفت کے ووٹ 61 یا 60 بن جاتے، لیکن اس کے حق میں 68 ووٹ تھے، لہٰذا نتیجہ اس صورت میں بھی وہی نکلتا جو اب نکلا ہے۔ کانگریس یا ان نے ووٹوں کے قریب غیر جانبدار رہ کر مسلمانوں پر احسان نہیں کیا، بلکہ اپنے اوپر احسان کیا ہے۔ اس نے خود غیر جانبداری کی قرارداد پیش کی جو حقیقتاً مسلمانوں کے خلاف تھی لیکن شکست کھائی۔

''ٹریبون'' نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسٹر جناح نے فرقہ وار فیصلے کے سلسلے میں کہا کہ جو فیصلہ ہندوستانی نہ کریں، میں اسے خودداری کے خلاف سمجھتا ہوں، یہ بالکل درست ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ فرقہ وار فیصلے کی بجائے موجودہ پوزیشن اچھی ہے یا خودداری کے مطابق ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ پنجاب و بنگال کے مسلمانوں کو اگر اقلیت میں رکھا جائے تو مسٹر جناح کی خودداری کو ٹھیس نہیں لگی، لیکن اگر ان مسلمانوں کو اکثریت یا مساوات حاصل ہو تو پھر خودداری کا آئینہ چکنا چور ہو جاتا ہے، یہ مطلب بھی نہیں کہ ہندو اگر ہندو راج کی خاطر قیامت تک سمجھوتہ نہ کریں اور وہی پوزیشن اختیار کیے رہیں، جو انہوں نے 1922ء سے 1932ء تک اختیار کیے رکھی، تو مسٹر جناح اپنے تمام جائز حقوق سے بے پردہ ہو جائیں اور صرف اس بات پر نظر رکھیں کہ ان کی ''خودداری'' محفوظ رہے۔ جس طرح باہمی سمجھوتے کے بجائے دوسروں کا فیصلہ قبول کرنا منافی، خودداری ہے، اسی طرح ہندوؤں کی طرف سے بیس مرتبہ استرداد مطالبات کے باوجود ان سے درخواستیں کرنا بھی منافی خودداری ہے، اور اپنے کسی حق کو ترک کرنا تو محض خود داری ہی کے منافی نہیں بلکہ خودکشی بھی ہے۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 15 فروری 1935ء)

جناح کی اپیل

ہفتہ وار پیسہ اخبار لاہور نے اپنے اداریے اشاعت 22 مارچ 1934ء کو لکھا:

''مسٹر محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی صدارت قبول کرنے کے بعد جو بیان شائع کیا ہے، وہ ہر ایک نیک دل ہندوستانی کے لیے گوش ہوش سے سننے کے قابل ہے۔ آپ نے صحیح فرمایا ہے کہ میں لیگ کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھوں گا، لیکن حصول مقصد کے لیے مجھے اکیلے مسلمانوں کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ دیگر اقوام کی امداد بھی درکار ہے۔ مسلم لیگ کی صدارت پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ ہندوستان کی سیاسی حیات میں مسلمانوں کو خاص اہمیت حاصل ہے لیکن ساتھ ہی ان پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیونکہ ہندوستان کا مستقبل ان کی قومی حکمت عملی کے ساتھ اس طرح وابستہ ہے جس طرح ہندو قوم یا کسی دوسری قوم کی پالیسی کے ساتھ۔ اگرچہ ہندوستان کے سیاسی افق پر اس وقت روشنی سی نظر آ رہی ہے، لیکن ملک میں کامل اتحاد اور یک آہنگی کی سخت ضرورت ہے۔ مسلمان ہندوستان کے مفاد اور آزادی کے لیے کسی قوم سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ بلکہ اس پاکیزہ مقصد کے حصول کے لیے وہ بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ موجودہ حالات میں وہ اپنے قومی تحفظات کے دعاوی پیش کرنے میں حق بجانب ہیں تاکہ جدید دستور اساسی کے تحت ان کو اپنی پوزیشن کے استحکام کا یقین ہو جائے، لیکن ملک کے مشترکہ مفاد کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ میرے نزدیک یہ مقصد بے حد ضروری اور مقدس ہے۔

مسٹر جناح کے بیان کا خلاصہ، مقصد یہ ہے کہ ملکی مفاد کی خاطر ہندو مسلمانوں کو متحد اور یک جان ہو جانا چاہیے۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت: 22 مارچ 1934ء)

جناح کی پیشین گوئی

مسلم لیگ نے دسمبر 1945ء کے انتخابات میں مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کے لیے مخصوص جملہ تیس نشستیں جیت لیں، جن میں قائداعظم محمد علی جناح کی سیٹ بھی شامل تھی۔ اس شاندار کامیابی سے جناح کی پیشین گوئی درست ثابت ہو گئی اور ظاہر ہو گیا کہ پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کے لیے عمومی کشش رکھتا ہے۔ کانگریس نے اگرچہ 55 کی بالادستی بحال رکھی، تاہم وہ چار سیٹوں سے ہاتھ دھو بیٹھی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے مسرور و محظوظ حامیوں کو یقین دلایا:

''وہ دن دور نہیں جب پاکستان تمہارے قدموں میں ہوگا۔''

انہوں نے نہرو پر بڑھ چڑھ کر تنقید کی، اور اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے اسے تندخو پنڈت سے تعبیر کیا، جو کسی بات کو ہرگز نہیں بھلاتا اور کبھی بوڑھا نہیں ہوتا، وہ پیٹرس کے نعرے کے سوا کچھ نہیں۔ (دیکھیے: پیشین گوئی)

جناح کیپ

قائداعظم محمد علی جناح نے سب سے پہلے یہ ٹوپی مسلم لیگ کے جس اجلاس میں پہنی وہ 25 واں سالانہ اجلاس تھا جو لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے ٹوپی پہننے کے بعد اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ شام تک لکھنؤ شہر میں جتنی بھی ٹوپیاں دستیاب تھیں وہ سب کی سب بک گئیں۔

اس کی کہانی یہ ہے:

1935ء میں راجا صاحب محمود آباد کی قیام گاہ لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس ہو رہا تھا۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے سرکردہ پیرو جمع تھے۔

مسٹر ایم اے ایچ اصفہانی رقمطراز ہیں:

''اجلاس شروع ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے راجہ صاحب محمود آباد چودھری خلیق الزمان اور مسٹر جناح راجہ صاحب کی رہائش گاہ میں بیٹھے دن کا پروگرام دیکھ رہے تھے۔ جب نواب اسماعیل خان برآمدے میں بنے ہوئے ڈرائنگ روم میں ہمارے ساتھ آ ملے۔ وہ حسب معمول نہایت دیدہ زیب لباس زیب تن کیے ہوئے تھے اور ان کے سر پر سمور کی سیاہ ٹوپی تھی۔''

مسٹر جناح نواب صاحب کی ٹوپی سے بہت متاثر تھے اور پوچھا:

''کیا آپ ایک لمحے کے لیے اپنی ٹوپی سے جدائی گوارہ کریں گے۔''

جب ایسا ہو گیا تو نواب صاحب نے اپنی روایتی شان کے ساتھ یہ درخواست کی:

''آپ اسے اپنے سر پر پہنیں تاکہ دیکھا جائے کہ آپ کو کس طرح سجتی ہے۔''

ایم اے ایچ اصفہانی کہتے ہیں:

''مجھے مسٹر جناح کا ٹوپی پہننا یاد ہے۔ وہ ہمارے تعریفی الفاظ پر اٹھے اور ساتھ والے روم میں جا کر پوری لمبائی کے آئینہ کے سامنے کھڑے ہو گئے تاکہ ہماری اس رائے کا اندازہ کریں کہ ٹوپی انہیں پوری ہی نہیں آئی بلکہ خوب سجتی بھی ہے۔''

جناح کی تصریحات

روزنامہ نوائے وقت اپنی اشاعت 18 جنوری 1945ء میں لکھتا ہے:

''احمد آباد کی پریس کانفرنس میں قائداعظم نے کانگریس مفاہمت یا ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں مسلم لیگ کی

پوزیشن انتہائی مختصر اور موزوں ترین الفاظ میں بیان کردی ہے آپ نے فرمایا:

''اصل مسئلہ صرف اس قدر ہے کہ کیا ہندو ان علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، ان کی غالب حکومت کو منظور کرنے اور اپنی اقلیتوں کے معاملے میں ان پر اعتماد کرنے کے لیے تیار ہیں یا نہیں؟ اس طرح مسلمان ان علاقوں میں جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے ان کی غالب حکومت ماننے اور اپنی اقلیتوں کے معاملے میں ان پر اعتماد کرنے کے لیے آمادہ ہیں یا نہیں؟''

قائداعظم نے فرمایا:

''ہندو مسلم سمجھوتہ یا لیگ کانگریس کی بنیاد ان باتوں پر رکھی جاسکتی ہے:

1. کانگریس لیگ کی قرارداد لاہور منظور کرے۔
2. قرارداد اگست کا وہ حصہ جو مسلمانوں کے خلاف ہے واپس لیا جائے۔
3. مسٹر جگت نرائن لال کی قرارداد منسوخ کی جائے۔''

دراصل قائداعظم کی شرائط صرف دو ہی ہیں، پاکستان ریزولیوشن کی منظوری کے لیے جگت نرائن قرارداد کا استرداد ضروری ہے، کیونکہ اس قرارداد کا مفہوم یہ ہے کہ کانگریس تقسیم ہند کی کسی قرارداد کو منظور نہیں کرے گی۔ قائداعظم نے اس پریس کانفرنس میں ایک بہت بڑے جھوٹ کی نہایت واضح الفاظ میں تردید فرمائی:

''مسلم لیگ کے خلاف دیدہ دانستہ یہ جھوٹا اور غلط پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ وہ حصولِ پاکستان کے لیے انگریز پر تکیہ کرتی ہے، اور پاکستان کا اصل مقصد ہندو مسلمانوں کو تقسیم کر کے انگریزی سامراج کو استحکام بخشنا ہے۔''

قائداعظم نے صاف الفاظ میں فرمایا:

''جہاں تک ہندوستان سے تشریف لے جایئے کے مطالبہ کا تعلق ہے۔ ہم صدق دل سے قرارداد اگست کی تائید کرتے ہیں، اور اس مطالبہ میں کانگریس کے ہم نوا ہیں۔ ہمیں صرف اس بات پر اعتراض ہے کہ قراردادِ اگست میں جس حکومت کے قیام کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ مسلمانوں کے مفاد میں منافی ہے۔ اگر کانگریس اور گاندھی مسلمانوں سے انصاف کا ثبوت دیں اور ان کا جائز مطالبہ مان لیں تو مسلم لیگ کانگریس سے مل کر متحدہ محاذ قائم کرے گی کیونکہ لیگ کانگریس سمجھوتہ کے بعد ہمارے فرائض ختم نہیں ہو جائیں گے۔ اس وقت ہم میں کوئی جھگڑا نہیں ہوگا۔ اس وقت ہندوستان اور پاکستان کا فرض ہوگا کہ وہ مل کر حکمرانوں کو مجبور کریں کہ وہ اپنے اس قول کے مطابق کہ اس ملک پر اس کے باشندوں کو حکومت کرنی چاہیے، حقوق و اختیارات ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم آزاد و خود مختار حیثیت سے اپنی حکومت سنبھال سکیں۔ اس اعلان میں کوئی ابہام نہیں ہے اور ان لوگوں کو جو پروپیگنڈہ کیا کرتے ہیں کہ لیگ کانگریس سمجھوتہ کے بعد بھی متحدہ محاذ کے قیام کے امکانات کیا ہیں، اس واضح جواب کے بعد مطمئن ہو جانا چاہیے کہ وہ قدم بقدم آگے بڑھنے اور مسلمانوں کے مطالبہ کو قسط وار منظور کرنے کی بجائے ہمت و جرأت سے کام لیں اور لیگ کی قرارداد لاہور کو منظور کر کے ہندو مسلم سمجھوتہ اور متحدہ ہندو مسلم کا سنگ بنیاد رکھیں۔ ہمیں اعتراف ہے کہ کانگریس بہت آگے بڑھی ہے اور اس نے قرارداد لاہور کو منظور کرنے کے

لیے بہت سی بالواسطہ کوششیں کی ہیں، مگر اس سے مقصد حاصل نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ قرارداد لاہور کا اصول نہایت سیدھا سادہ ہے۔ اگر کانگریس اس اصول کو تسلیم کرتی ہے تو سمجھوتہ کی جزئیات طے کرنے میں زیادہ دقت نہیں ہوگی۔ اس لیے کانگریس کو قانونی موشگافیوں میں پڑنے کی بجائے صاف الفاظ میں یہ اعلان کرنا چاہیے کہ ہم اس اصول کو مانتے ہیں۔
وقت بہت تیزی سے گزر رہا ہے۔ اختتام جنگ سے قبل ہندو مسلم اتحاد ضروری ہے ورنہ امن کانفرنس میں ہندوستان کی طرف سے کوئی آواز بلند نہ ہوگی اور اس جنگ کے بعد بھی ہندوستان بدستور مجبور و مقہور رہے گا۔"

قائداعظم نے بالکل درست فرمایا ہے:
"نہ ہندو مسلمانوں کو پاکستان دے سکتے ہیں نہ مسلمان ہندوؤں کو اکھنڈ ہندوستان، اکھنڈ ہندوستان اور پاکستان دونوں اس وقت اجنبی حکمرانوں کے قبضے میں ہیں اور ہندوؤں اور مسلمانوں کی آرزوئے آزادی ہندو مسلم اتحاد کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی۔"

(روزنامہ نوائے وقت، اشاعت 18 جنوری 1945ء)

جناح کی تقریریں

اس کتاب کو عثمان صحرائی نے مرتب کیا اور یہ کتاب ادارہ اشاعت اردو حیدر آباد دکن سے 1945ء میں طبع ہوئی۔ یہ کتاب 278 صفحات پر مشتمل ہے۔

جناح کی حق گوئی

روزنامہ انقلاب اپنے 24 دسمبر 1938ء کے اداریہ میں لکھتا ہے:

"مسٹر جناح نے وائسرائے کی کلکتہ والی تقریر کے ضمن میں ساری پوزیشن واشگاف طریق پر بیان کر دی ہے۔ ہندوستان کی سیاسی ترقی اور سیاسی اتحاد کی پہلی اور آخری شرط فرقہ وار اتحاد ہے۔ جب تک یہ اتحاد نہ ہوگا، ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جا سکتا۔ کانگریس اس اتحاد کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ بنی کھڑی ہے۔ اس نے اپنے زیر اقتدار صوبوں میں اقلیتوں کے ساتھ بالعموم اور مسلمانوں کے ساتھ بالخصوص جو ناروا، غیر منصفانہ اور ناقابل برداشت سلوک روا رکھا، اس کے متعلق ہم کسی تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اس لیے کہ "انقلاب" کے صفحات پر اس سلوک کی داستان بارہا بیان ہو چکی ہے۔ جب تک یہ حالت موجود ہے، مسلمان کیونکر مطمئن ہو سکتے ہیں کہ مجوزہ فیڈریشن ان کے لیے شدید تر مصائب کا سامان نہ ہوگی۔ مختلف صوبوں میں کانگریس نے اقتدار حاصل کر کے جو طرز عمل اختیار کیا، اور گورنروں نے اس طرز عمل کے متعلق جس طرح خاموشی اختیار کیے رکھی، کیا اس کے بعد ایک لحہ کے لیے بھی یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ مجوزہ فیڈریشن مسلمانوں کے لیے یا دوسری اقلیتوں کے لیے کسی نقطۂ نگاہ سے بھی قابل قبول ہوگی؟"

اعلیٰ اصول و مقاصد کی پامالی

اخبار مزید لکھتا ہے:
"مختلف صوبوں کے حالات مختلف تھے۔ بعض مقامات پر کانگریسیوں کو نمایاں اکثریت حاصل تھی۔ مثلاً بہار، اڑیسہ، یوپی، سی پی، بمبئی اور مدراس میں۔ اڑیسہ میں اس نے کسی مسلمان کو وزیر نہ بنایا۔ سی پی میں پہلے

مسٹر شریف کو وزارت دی گئی لیکن بعد میں ایک معمولی سے واقعہ کی بنا پر انہیں وزارت سے خارج کر دیا گیا، حالانکہ مسٹر شریف کے بیان کردہ ''جرم'' سے بدرجہا بڑھ کر یوپی کے برہمن وزیراعظم مسٹر گوبندھ پنت اور سی پی کے برہمن وزیراعظم مسٹر شکلا نے افسوسناک کام کیے تھے، لیکن ان پر نہ کوئی شخص جائزہ کے لیے مقرر ہوا نہ کسی جج کو ان کے اعمال کی جانچ پڑتال کے لیے مقرر کیا گیا، جس طرح مسٹر شریف کے ایک فعل کی جانچ پڑتال کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ یوپی، مدراس، بمبئی اور بہار میں صرف ان مسلمانوں کو وزیر بنایا گیا، جو مسلمانوں کی نمائندگی سے محروم تھے، اور جن کے غیر نمائندہ ہونے کا اعلان مسلمان بار بار کر رہے تھے۔ جن صوبوں میں کانگریس کو اکثریت حاصل نہ تھی، وہاں سازشیں کی گئیں، اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈال دیا گیا۔ آسام اور سندھ میں یہی صورت حال پیش آئی۔ پنجاب اور بنگال بھی ان سازشوں سے پاک نہیں ہیں، اڑیسہ میں اس لیے مسلمانوں کو وزارت سے محروم رکھا گیا تھا کہ وہاں کا قابل مسلمان ممبر عارضی وزارت کا ممبر رہ چکا تھا، لیکن آسام میں سابقہ وزارت کے دو وزیروں کو نام نہاد کانگریسی وزارتوں میں شامل کر لیا گیا۔ سرحد کی ڈیموکریٹک پارٹی کانگریس کا مقابلہ کر چکی تھی، لیکن چونکہ اس کی اعانت کے بغیر وزارت نہیں بن سکتی تھی۔ اس لیے ڈیموکریٹک پارٹی کے ایک ممبر کو وزارت دے دی گئی، اور دوسرے کو ڈپٹی اسپیکر بنا دیا گیا۔ اب یہ صاحب عذرداری کی بنا پر ممبروں سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔''

کانگریس کیا چاہتی ہے؟

اخبار مزید لکھتا ہے:

''ان واقعات سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ محض یہ کہ کانگریس اپنے اصول کار اور مقاصد اتحاد و اتفاق کو بے دردی سے پامال کرتی جا رہی ہے۔ اس کی خواہش اور کوشش محض یہ ہے کہ اقلیتیں مٹ جائیں، ان کی انفرادی ہستیاں باقی نہ رہیں، ہر جگہ اختیار و اقتدار ہندو کے ہاتھ آ جائے ہر جگہ عنان حکومت ہندو کے ہاتھ میں ہو۔ جو گذشتہ ڈیڑھ پونے دو برس میں یہ سب کچھ دیکھ چکے ہیں، اور یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ گورنر ان معاملات میں چپ بیٹھے رہے، بلکہ مسلمانانِ اڑیسہ کے مطالبۂ انصاف کو گورنر اڑیسہ نے غلط اور بے بنیاد عذرات کی بناء پر مسترد کر دیا تھا، وہ کیونکر یقین کر سکتے ہیں کہ ہندوستان کا موجودہ نظام حکومت عملاً مسلمانوں یا دوسری اقلیتوں کے لیے باعث کشش ہے۔ یا اس کی عام روش ہندویت کے غرض پرستانہ مقاصد کی موئید نہیں۔ اس لیے وہ فیڈریشن کی تائید کیوں کر سکتے ہیں اور اس بات کو کیونکر گوارا کر سکتے ہیں کہ جن مصیبتوں کی صوبہ جاتی خودمختاری نظام میں اقلیتوں کی انفرادی حیثیتوں کے لیے مختلف النوع خطرات پیدا کر دیے ہیں۔ اب فیڈریشن میں ان مصیبتوں اور خطروں کا دائرہ عمل و کار وسیع ہو جائے؟''

اخبار اپنے اداریہ میں لکھتا ہے:

''مسٹر جناح نے صحیح فرمایا ہے:

''اس اسکیم کو بہ زور نافذ کرنے کا نتیجہ معاہدۂ وارسائی سے بھی برا ہوگا۔ معاہدہ وارسائی کے ذریعے سے

اتحادیوں نے چیکوسلواکیہ کی نام نہاد جمہوریت بنائی تھی جو مختلف آبادیوں سے مرکب تھی، لیکن کیا چیک اور سلواک دوسری آبادیوں کو تابع رکھ سکے یا باہم متحد رہ سکے؟ کیا دنیا پر واضح نہیں ہو گیا کہ معاہدہ وارسائی کی یہ مخلوق آج کس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے؟ ہندوستان میں اگر یہی تجربہ دہرایا جانے والا ہے تو اس کا انجام یقیناً چیکوسکواکیہ سے بہتر نہ ہو گا۔''

اخبار اپنے اداریہ میں مزید لکھتا ہے:

بد دیانتی کی حد ہو گئی

''مسٹر جناح نے اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ عوام کے اتحاد و اتفاق کی خوشگوار امیدوں کا سفینہ کانگریسی فسطائیت کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو چکا ہے، اور جب تک کانگریس بلادلیل و بلاثبوت ہندوستان کی تمام اقوام کی طرف سے ترجمانی و نمائندگی کا بے بنیاد دعویٰ پیش کرتی رہے گی، ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مفاہمت غیر ممکن ہے، کانگریس کو مسلمانوں کی طرف سے نمائندگی کا کیا حق ہے؟ ہندوستان کے مختلف صوبوں کے منتخب شدہ مسلم نمائندوں میں سے اس کے ساتھ کتنے ہیں؟ تمام مسلم ممبروں کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے، لیکن کانگریس کے حامیوں کی تعداد پچیس تیس سے زائد نہیں نکلے گی، مسلم حلقوں کے مختلف انتخابات میں کانگریس لیگ کے مقابلے میں کھڑی ہوئی۔ اس نے روپیہ صرف کیا۔ بعض مسلم کارکنوں کی خدمات سے بھی فائدہ اٹھایا، لیکن یوپی، بہار، پنجاب اور سرحد سب جگہ کانگریس کو پے در پے شکستوں سے سابقہ پڑا۔ اگر یہ تمام حقائق مسلمانوں میں کانگریس کی بے حقیقی ظاہر کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں تو خود وائسرائے بہادر یا کانگریس کے کارپرداز ہی بتلائیں کہ اور کس قسم کا ثبوت درکار ہے؟ لیکن اس کے باوجود کانگریسیوں کی زبان پر مسلم نمائندگی کا لغو اور لچر دعویٰ موجود ہے۔ اس کا مطلب بجز اس کے کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ ہندوؤں کی فرقہ وار خواہشات کے تابع ہو کر ہندو اکثریت کی تائید و حمایت سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اور انگریز اس مصلحت سے نہیں بدلتے کہ انہیں خوامخواہ اکثریت سے جھگڑا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

مسٹر جناح نے آخر میں یہ حقیقت بھی واضح کر دی ہے کہ نواب اسماعیل خان نے مولانا ابوالکلام آزاد سے اگر کوئی گفتگو کی تھی تو نواب صاحب اس کے لیے لیگ کی ایگزیکٹو کونسل کی طرف سے مجاز نہیں بنائے گئے تھے اور نہ مسٹر جناح کو اس گفتگو کا کچھ علم تھا۔

مسٹر جناح فرماتے ہیں:

''میں اس بات کو حد درجہ ناپسند کرتا ہوں کہ لیگ کا کوئی ممبر مولانا آزاد کے پاس جائے اور اس طرح بالواسطہ یا بلاواسطہ اس غلط دعویٰ کو تسلیم کرے کہ مولانا آزاد کانگریس ہائی کمان میں اسلامی امور و معاملات کا قلمدان سنبھالے بیٹھے ہیں۔''

اخبار لکھتا ہے:

''ہم اس ارشاد کے ایک ایک حرف کی تائید کرتے ہیں، کانگریس ہائی کمان میں مولانا آزاد کی پوزیشن خواہ کتنی ہی اونچی کیوں نہ ہو، لیکن جب ہمیں اصولاً کانگریس سے اختلاف ہے اور وہ اختلاف ذاتی و انفرادی نہیں بلکہ جماعتی و قومی ہے تو پھر افراد کے لیے اپنے طور پر مولانا سے گفتگو کا کیا مطلب ہے؟ مولانا

ذاتی طور پر ہمارے لیے واجب الاحترام ہیں، لیکن اسلامی سیاسیات کے تعلق میں ہمارے ذاتی تعلقات وتصورات ومیلانات پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ مولانا کی سیاسیات ہمارے لیے سخت رنج دہ ہیں۔ ہم سب کا فرض یہی ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کی انفرادی ملی ہستی کو ہرگزند سے محفوظ رکھیں، اور اپنے ذاتی تعلقات ومیلانات کو ایسی صورت اختیار نہ کرنے دیں، جو مسلمانوں کی جماعتی وملی حیثیت ومقاصد پر برا اثر ڈالے۔''

(روزنامہ انقلاب اشاعت 24 دسمبر 1938ء)

جناح کی مساعی

ہفتہ وار پیسہ اخبار لاہور نے اپنی اشاعت 18 اپریل 1937ء کے اداریہ میں لکھا:

''مسٹر محمد حسین (ممبر کونسل آف سٹیٹ) نے مسٹر جناح کے متعلق صحیح لکھا ہے کہ وہ ہندوستان بھر کے مسلمانوں کی تنظیم نو میں مصروف ہیں، اغلب یہ ہے کہ وہ اپنی مساعی جمیلہ میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ادھر کانگریس مسلمانوں میں تفریق پیدا کر کے اپنا الو سیدھا کرنا چاہتی ہے۔ مسلمانوں کو اس عیارانہ چالبازی سے متنبہ رہنا چاہیے کیونکہ قوم فروش جراثیم کانگریس کے پیسہ پر اپنی قوم میں پھوٹ ڈالنے کی مذموم اور قابلِ تفریق کوششوں میں پوری سرگرمی سے مصروف ہیں۔''

(ہفتہ وار پیسہ اخبار، اشاعت 18 اپریل 1937ء)

جناح کیمبرج ہائی سکول (پرائیویٹ)

ابتداء میں یہ سکول اپریل 1975ء میں سول لائنز نزد کچہری روڈ شیخوپورہ پر قائم کیا گیا۔ پھر اسے ملک انور روڈ پر منتقل کر دیا گیا۔ یہ سکول نرسری سے مڈل تک تھا لیکن 1980ء میں میٹرک کی کلاسوں کا بھی اجرا کیا گیا۔ سکول کی عمارت کرائے کی ہے، بچوں کو ان کے گھروں تک پہنچانے کے لیے سکول کی جانب سے کنوئنس مہیا کی جاتی ہے۔ غریب طلبا کو بھی مراعات ملتی ہیں۔

بچوں کی جسمانی صحت کے لیے ہر سال کھیلوں کے بین الکلیاتی مقابلے منعقد کرائے جاتے ہیں۔

سکول میں بچوں کو میرٹ کی بنیاد پر داخلہ ملتا ہے۔

جناح کی واپسی (1934ء-1939ء)

پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت کے بعد جناح پر مزید واضح ہو گیا کہ ہندو مسلمانوں سے اتحاد کر کے آزادی حاصل کرنا نہیں چاہتے بلکہ اپنی اکثریت کی بنیاد پر انگریز کا وارث بن کر ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنے کے آرزومند ہیں۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ اپنے حقوق کی جدوجہد میں مسمان متحد نہیں ہیں۔ مسلم لیگ صرف کاغذوں میں رہ گئی ہے۔ وہ خود بھی اپنی بے باک گفتگو، آزادانہ سوچ اور صاف گوئی کی وجہ سے اس زمانے کے کسی بھی سیاسی فریم ورک میں فٹ نہیں ہوتے۔ وہ اتنے مایوس اور دل شکستہ ہوئے کہ انہوں نے انگلستان ہی میں رہ جانا مناسب سمجھا۔ انہوں نے اپنی بہن فاطمہ جناح اور بیٹی دینا (Dina) کو بھی وہیں بلالیا۔ اس کے بعد فاطمہ جناح ان کی وفات تک برابر ان کے ساتھ رہیں، اور ان کی دیکھ بھال کرتی رہیں۔ انہوں نے انگلستان میں ہیمپسٹیڈ (Hampstead) میں آٹھ ایکڑ کے باغ کے درمیان ایک تین منزلہ شاندار مکان خرید لیا، اور پریوی کونسل میں وکالت شروع کر دی۔ ہندوستان میں چند مرتبہ مختصر مدت کے لیے آنے کے سوا وہ مارچ 1934ء تک انگلستان ہی میں رہے۔ یہ

ان کی سیاسی زندگی کا سب سے خاموش دور تھا۔ 3 فروری 1931ء کو رائٹر (ReuTer) کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

''انگلستان میں میرے ٹھہرنے کا بڑا سبب یہ ہے کہ یہاں سے ہندوستان کے لیے جنگ کروں۔ اس مقصد کے لیے میں پارلیمنٹ میں داخل ہونے کی توقع رکھتا ہوں۔''

والپرٹ لکھتے ہیں:

''اس دوران جناح نے کوشش کی کہ وہ لیبر پارٹی یا کنزرویٹو پارٹی کے ٹکٹ پر برطانوی پارلیمنٹ کا الیکشن لڑ سکیں لیکن وہ ٹکٹ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔''

بھلا کون سی پارٹی یہ پسند کرتی کہ جناح جیسا آزاد فکر کا مالک' بے خوف اور کسی کے ہاتھ نہ بکنے والا شخص برطانوی پارلیمنٹ میں بیٹھ کر ان ہی کی سلطنت کے تار و پود بکھیرے!

جناح انگلستان میں تھے لیکن ان کا دل ہندوستان کی سیاست میں اٹکا ہوا تھا۔ ہندوستان میں بھی شدید احساس تھا کہ انہیں واپس آ جانا چاہیے۔ 19 مارچ 1931ء کو مدراس کی غیر برہمن جسٹس پارٹی کے رہنما' سر اے۔ پی۔ پترو (Patro) نے انہیں لکھا:

''مسلمانوں میں کوئی ممتاز رہنما نہیں ہے۔ لیفٹیننٹ تو بہت سے ہیں لیکن جنرل کوئی نہیں، ہم آپ کی غیر موجودگی شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔''

24 مارچ 1931ء کو سندھ کے مسلم لیگی رہنما سر عبداللہ ہارون نے انہیں لکھا:

''یہاں اب کوئی نظم و ضبط اور لگاؤ نہیں ہے، یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آپ کی غیر موجودگی کو ہم سب بڑی شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔''

1932ء میں ایک مختصر مدت کے لیے جناح ہندوستان آئے۔ دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے واپس جاتے ہوئے انہوں نے بمبئی میں مسلم سٹوڈنٹس یونین سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''میں پہلے ایک ہندوستانی اور پھر ایک مسلمان ہوں، مگر اس کے ساتھ ساتھ میں اس بات سے بھی اتفاق کرتا ہوں کہ اگر کوئی ہندوستانی' مسلمانوں کے مفاد کو نظر انداز کرتا ہے تو وہ اپنے ملک کی خدمت نہیں کر رہا، کیوں کہ مسلمانوں کو طاقت ور بنا کر' انہیں متحد کر کے اور انہیں مملکت کے مفید شہری بنا کر ہی آپ ملک کی خدمت کر سکتے ہیں۔ میں آپ کو دیانت داری سے بتا رہا ہوں کہ موجودہ رویہ اختیار کر کے ہندوؤں نے حماقت، انتہائی حماقت کا ثبوت دیا ہے۔''

آسام کے مسلم لیگی رہنما عبدالمتین چودھری کے ساتھ ان کی خط و کتابت رہتی تھی۔ 2 مارچ 1932ء کو لندن سے انہوں نے لکھا:

''مجھے خوشی ہے کہ آپ نے مجھے جملہ کوائف سے مطلع کیا ہے۔ از راہ کرم مجھے حالات سے باخبر رکھیں، مسلمانوں کو متحد رہنا چاہیے، اور مجھے آپ سے اتفاق ہے کہ ان کی ایک تنظیم ہونی چاہیے۔ آپ صرف تحفظات کے سہارے زندہ نہیں رہ سکتے۔ آپ کو اپنی صلاحیتوں اور جدوجہد سے زندہ رہنا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوؤں کو غلط مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ تحفظات کے بارے میں مسلمانوں کی بات نہ مانیں۔ ہندو خود اپنے حق میں کانٹے بو رہے ہیں، اور ہندوستان کی آزادی کی منزل کو دور سے دور تر کیے جا رہے ہیں، مجھے یقین ہے کہ آٹھ کروڑ مسلمانوں کو خصوصاً ''ایسی صورت میں کہ وہ متحد ہوں'' نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

تاہم مسلمان متحد نہیں تھے اور عام خیال یہی تھا کہ جناح ہی ہندوستان کے مسلمانوں کو متحد کر سکتے ہیں۔ عبدالمتین چودھری نے انہیں لکھا کہ وہ ہندوستان آ کر مسلمانوں کی قیادت سنبھال لیں اور انہیں ایک پلیٹ فارم پر متحد کریں۔ اس کے جواب میں 30 مارچ 1933ء کو جناح نے انگلستان سے لکھا:

''اس وقت میں ہندوستان آ کر کیا کروں گا۔ آپ کی یہ تجویز صحیح ہے کہ مجھے اسمبلی میں جانا چاہیے لیکن کیا اسمبلی میں کچھ کرنے کی زیادہ امید ہے، جب تک ہندوؤں کو صحیح صورت حال کا احساس نہ ہو گا، ہندوستان کو بچانے کے لیے کچھ نہیں ہو سکتا۔''

دسمبر 1933ء میں لیاقت علی خاں اپنی دوسری شادی کے بعد اپنی بیگم رعنا کے ہمراہ سیر و تفریح کے لیے لندن گئے تو ایک استقبالیہ میں ان کی جناح سے ملاقات ہو گئی۔ لیاقت نے ملتے ہی ان سے اصرار کرنا شروع کر دیا کہ وہ وطن لوٹ چلیں کیوں کہ قوم کو ایسے رہنما کی ضرورت ہے۔ جو کسی قیمت پر بھی خریدا نہیں جا سکتا۔ جناح نے انہیں ہیمپسٹیڈ میں ڈنر پر مدعو کیا۔ وہاں بھی لیاقت نے زور دے کر ان سے کہا:

''آپ کو ہندوستان واپس آنا چاہیے۔ عوام کو آپ کی ضرورت ہے۔ صرف آپ ہی مسلم لیگ میں نئی روح پھونک کر اس کی جان بچا سکتے ہیں۔''

یہ باتیں سن سن کر قدرتی طور پر جناح کے دل میں وطن واپسی کے جذبے کا شعلہ تیزی سے بھڑکنے لگا۔ جناح ہندوؤں سے بالکل مایوس ہو چکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہندو اکثریت کسی صورت بھی مسلم اقلیت کے جائز مطالبات تسلیم کرنے اور ان کے مفادات کا تحفظ دینے کے لیے تیار نہیں۔ ہندو لیڈروں خاص طور پر گاندھی سے واسطہ پڑنے کے بعد وہ سمجھنے لگے تھے کہ ہندو مسلم اتحاد کی سعی کا اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں۔ جب تک مسلمان بھی اس طرح متحد اور مضبوط نہ ہوں جس طرح کہ ہندو ہیں۔ انہوں نے طے کر لیا کہ وہ اپنی پوری توانائی مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کے لیے صرف کریں گے۔ ادھر ہندوستان کے مسلمان اس امید پر بیٹھے تھے کہ وہ نجات دہندہ واپس آئے اور انہیں انگریزوں کی غلامی اور ہندوؤں کے غلبے سے نجات دلائے۔

جناح کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد 4 مارچ 1934ء کو مسلم لیگ کا دہلی میں اجلاس ہوا، اور متفقہ طور پر جناح کو اس کا صدر چن لیا گیا۔ مسلم لیگ کونسل کی میٹنگ کے بعد جناح نے ایسوسی ایٹڈ پریس سے ایک انٹرویو میں کہا:

''مسلم لیگ مکمل طور پر ٹھیک اور صحت مند ہے۔ ہندوستان کے بہترین مفاد میں کام کرنے کے لیے مسلمان کسی اور فرقے سے پیچھے نہیں رہیں گے۔''

اس کے بعد کچھ مدت کے لیے جناح پھر انگلستان چلے گئے۔ پنجاب کے سر فضل حسین سے بھی ان کی خط و کتابت تھی۔ 15 مئی 1934ء کو انہوں نے جناح کو لکھا:

''انڈیا، خاص طور پر مسلم انڈیا، آپ کو کھونے کی تاب نہیں رکھتا۔ بصیرت، آزادانہ رائے اور مضبوط کردار کے آدمی بہت ہی کم ہیں، اس بحران میں آپ جیسی غیر معمولی قابلیت کے آدمی ہی مسلمانوں کی رہنمائی کر سکتے ہیں، اور اسی وجہ سے مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے اپنی صدارت میں مسلم لیگ کی تنظیم نو کے لیے رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔''

اکتوبر 1934ء میں جب وہ لندن ہی میں تھے، بمبئی کے مسلمانوں نے انہیں ایک بار پھر مرکزی اسمبلی کے لیے بلامقابلہ چن لیا۔

24 اکتوبر 1934ء کو وہ ہندوستان واپس آ گئے، اور انہوں نے مسلم لیگ کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ اب قائداعظم کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ ہندو ہندوستان کی آزادی کے لیے

ابراہیم اسماعیل چندریگر

1960 - 1897

ابراہیم اسماعیل چندریگر احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ بمبئی یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی اور وکالت شروع کر دی۔ 1937ء میں آپ بمبئی لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ یہیں سے ان کی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ آئی آئی چندریگر نے 1936ء میں ہی مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی تھی اور ساتھ ہی اہم خدمات سنبھال لی تھیں۔ آپ مسلم لیگ کے بڑے سرگرم رہنما تھے۔ اس بنا پر آپ کو بمبئی مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا گیا۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا اور قائداعظم بھی بمبئی مسلم لیگ کی ایک شاخ کے اہم رکن تھے۔ چندریگر اس منصب پر 1940-47 تک فائز رہے۔ جب مسلم لیگ عبوری حکومت میں شامل ہوئی تو چندریگر بھی قائداعظمؒ کے نامزد کردہ وزراء میں سے تھے اور تجارت کا قلمدان انہیں سونپا گیا۔ جب پاکستان بنا تو آپ پاکستانی کابینہ کے رکن تھے۔ اس کے ایک سال بعد آپ کو افغانستان میں سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ بعد ازاں آپ صوبہ سرحد اور پھر پنجاب کے گورنر رہے۔ بعد میں اکتوبر سے دسمبر 1957ء تک آپ پاکستان کے وزیراعظم رہے مگر اصول کی بنا پر مستعفی ہو گئے۔ ان کا تعلق مسلم لیگ سے تھا۔ مسلم لیگ جداگانہ انتخاب کی علمبردار تھی۔ اسمبلی کے بہت سے اراکین جداگانہ انتخاب کے مخالف تھے۔ ابراہیم اسماعیل چندریگر نے اصول کی بنا پر وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا۔

نہیں بلکہ ہندوستان میں ہندو راج کے قیام کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تمام قوت مسلمانوں کو منظم کرنے کی طرف لگا دی۔ وہ بجا طور پر سمجھتے تھے کہ اگر مسلمان متحد اور مضبوط ہوں گے تو وہ ہندوؤں کی نمائندہ جماعت کانگریس سے برابری کی سطح پر بات چیت کر سکیں گے۔ چنانچہ انگلستان سے واپسی پر انہوں نے ذاتی ملاقاتوں میں مسلمان لیڈروں کو سمجھایا، ہندوستان کا دورہ کر کے مسلمان عوام کی توجہ دلائی اور بیانات جاری کر کے پڑھے لکھے طبقے کو یاد دلایا کہ مسلمانوں کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب ایک پلیٹ فارم پر کھڑے ہوں۔ صورت حال یہ تھی کہ ارکان کی عدم دلچسپی کی وجہ سے مسلم لیگ کے اجلاسوں کا کورم 75 سے 50 کرنا پڑا تھا۔ مسلم لیگ کو مضبوط کرنے اور انتخابات میں پورے زور سے حصہ لینے کے لیے مسلم لیگ نے اپنے بمبئی کے جلسے میں جو 11-12 اپریل 1936ء تک جاری رہا، جناح کو اختیار دے دیا کہ وہ صوبائی اور مرکزی پارلیمانی بورڈز قائم کریں۔ اس طرح مسلم لیگ نے اپنی تاریخ میں پہلی بار عوامی رابطے کا پروگرام بنایا۔ جناح نے بہت سوچ سمجھ کر اور خوب صلاح مشورے کے بعد مئی 1936ء میں 54 ممتاز مسلمان رہنماؤں کا ایک مرکزی بورڈ مقرر کیا جس میں علامہ اقبال کے علاوہ مستقبل کے پاکستان کے تین وزراء اعظم لیاقت علی خاں، حسین شہید سہروردی اور آئی آئی چندریگر بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ اس میں اہل ثروت، ممتاز کاروباری حضرات اور دانشوروں کے نام بھی تھے۔

دریں اثناء لاہور میں سکھوں کی طرف سے مسجد شہید گنج گرانے کا افسوس ناک واقعہ ہوا جس سے فرقہ وارانہ صورت حال بہت خراب ہوگئی۔ اہل پنجاب کے کہنے پر جناح فروری 1936ء میں اس سلسلے میں لاہور آئے۔ ان کی کوششوں سے حالات بہتر ہوئے لیکن بہت سے عوامل کی وجہ سے مسئلہ حل نہ ہو سکا۔

جناح مسلم لیگ کو منظم کرنے کی ابتدائی کوششوں میں تھے کہ 37-1936ء کے انتخابات آ گئے۔ صوبوں میں مسلمانوں کی 492 سیٹیں تھیں۔ جن میں سے مسلم لیگ نے 108 اور کانگریس نے 26 سیٹیں جیتیں۔ ان 26 نشستوں میں سے بھی 19 صوبہ سرحد میں خدائی خدمت گار تحریک سے اتحاد کے باعث کانگریس کو مل پائیں۔ گویا صوبہ سرحد کو چھوڑ کر سارے ہندوستان میں کانگریس کو مسلمانوں کی صرف 7 نشستیں ملیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرارداد لاہور سے تقریباً تین سال پیشتر اور قیام پاکستان سے تقریباً دس سال پہلے، 1935ء کے ایکٹ کے تحت پہلے الیکشن ہی میں مسلمانوں نے کانگریس کو مکمل طور پر مسترد کر دیا۔ کانگریس نے مسلمانوں کی صرف 5 فیصد سیٹیں حاصل کیں۔ درحقیقت الیکشن سے پہلے ہی کانگریس کو اس بات کا یقین تھا کہ مسلمان اس پر اعتماد نہیں کرتے۔ چنانچہ اس نے ہندوستان بھر میں صرف 58 مسلم سیٹوں پر اپنے امیدوار کھڑے کیے تھے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود کانگریس کو یہ دعوی کرنے میں کوئی باک نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی بھی نمائندہ ہے۔

1937ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو مسلمانوں کی 491 صوبائی سیٹوں میں سے 108 سیٹیں ملی تھیں اگرچہ ہندوستان گیر سیاست کی سطح پر اسے مسلم سیٹوں کے لحاظ سے باقی سب پارٹیوں پر فوقیت حاصل تھی لیکن صوبائی سطح پر دوسری پارٹیاں بھی موجود تھیں۔ مثلاً سر سکندر حیات کی یونینسٹ پارٹی جس میں تقریباً 80 مسلمان ارکان شامل تھے، اور مولوی فضل الحق کی کرشک پرجا پارٹی جس میں تقریباً 40 مسلمان ارکان تھے۔ واضح رہے کہ اگرچہ بحیثیت مجموعی مسلم لیگ نے صوبائی انتخابات میں مسلمانوں کی 108 سیٹیں جیت لیں لیکن مسلم اکثریتی صوبوں میں اس کی حالت بہت پتلی تھی۔ اسے بنگال

میں 119 میں سے 39 اور پنجاب میں 86 میں سے صرف 2 سیٹیں ملیں۔ سندھ اور سرحد میں تو ایک بھی نہ ملی، البتہ چند مسلم اقلیتی صوبوں میں اس کی پوزیشن بہتر رہی۔ بمبئی، یوپی، مدراس اور آسام میں اسے مسلمانوں کی بالترتیب 51 فیصد، 43 فیصد، 39 فیصد اور 26 فیصد سیٹیں ملیں، لیکن سی پی، بہار اور اڑیسہ میں کوئی سیٹ نہ ملی۔ ان حالات میں مسلم لیگ کس طرح مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ کرتی تھی؟ اس سوال کا جواب دینے کے لیے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ 1937ء کے الیکشن کے فوری نتائج کی بنیاد پر مسلم لیگ نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ جب جواہر لال نہرو نے یہ اعلان کیا کہ ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں، کانگریس اور حکومت تو قائداعظم نے انہیں للکارا کہ نہیں، ایک تیسری طاقت بھی موجود ہے اور وہ ہے مسلمان۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ تیسری طاقت مسلم لیگ ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلم رائے عامہ کا رجحان مسلم لیگ کی طرف ہوتا گیا۔ مسلم لیگ کے جلسوں میں عوام کی شرکت اور جوش و خروش اس بات کے شاہد تھے کہ مسلمان اب مسلم لیگ کے علاوہ کسی اور پارٹی کی طرف توجہ دینے کو تیار نہیں۔

21 جون 1937ء کو علامہ اقبال نے قائداعظم کو لکھا:

”آج ہندوستان میں آپ ہی وہ واحد مسلمان ہیں جن کی ذات سے مسلمان قوم اس طوفان میں محفوظ رہنمائی کو توقع رکھ سکتی ہے جو شمال مغربی ہند بلکہ شاید پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لینے والا ہے۔“

اکتوبر 1937ء میں لکھنؤ میں مسلم لیگ کا اجلاس ہونا تھا۔ آئین کے مطابق ان یونینسٹ ارکان کو جو مسلم لیگ کونسل کے ممبر تھے۔ اجلاس کے دعوت نامے جاری کر دیے گئے۔ سرسکندر حیات مسلم لیگ کونسل کے ممبر تو نہیں تھے لیکن انہیں خاص طور پر مدعو کیا گیا۔ چنانچہ سرسکندر نے اپنے ساتھیوں سمیت اجلاس لکھنؤ میں شرکت کی۔ 14 اکتوبر 1937ء کی رات محمود آباد ہاؤس لکھنؤ میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس جاری تھا۔ اسی رات محمود آباد ہاؤس ہی کے ایک کمرے میں سرسکندر حیات نے جناح سے یہ وعدہ کیا کہ وہ مسلم لیگ کونسل کے اسی اجلاس میں مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کر دیں گے، چنانچہ رات گیارہ بجے کے قریب، جب معاملات طے پا گئے تو پہلے جناح اور ان کے پندرہ بیس منٹ بعد سرسکندر حیات لیگ کونسل کی میٹنگ میں آئے۔ جناح نے کھڑے ہو کر سکندر حیات کو خوش آمدید کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ 37-1936ء کے انتخابات کے بعد کانگریسی حکومتوں کے رویے نے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو سراسیمہ کر دیا تھا، اور وہ ہراساں ہو کر امداد و حمایت کے لیے مسلم اکثریت کے صوبوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سرسکندر کی آمد اس بات کا اعلان تھی کہ پنجاب اقلیت کے صوبوں کے مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہونے اور ان کی حمایت کرنے کو تیار ہے۔ یہی وہ احساس تھا جس نے مسلم لیگ کونسل کے پنڈال میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑا دی تھی۔

سرسکندر نے پلیٹ فارم پر جا کر ایک نہایت موزوں تقریر کی، اور جناح کو اپنا لیڈر تسلیم کرتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ اپنی جماعت سمیت مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ہیں۔ اس پر پنڈال ایک بار پھر تالیوں کے شور سے گونج اٹھا۔ حاضرین کے چہرے مسرت و طمانیت سے جگمگا رہے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ میدان جنگ میں تازہ دم کمک کے پہنچ جانے پر تھکی ہوئی فوج کے اندر زندگی کی نئی روح دوڑ گئی ہے۔

سکندر حیات اور جناح دونوں اپنی اپنی جگہ خوش تھے۔ سکندر حیات کو کانگریس کے مقابلے پر آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت حاصل ہو گئی تھی۔ اس لیے انہیں یقین ہو گیا کہ اب

کانگریس کی مسلم عوام سے رابطے کی مہم یونینسٹ پارٹی کے مسلم ارکان کو متاثر نہیں کر سکے گی۔ ادھر وزیراعلیٰ پنجاب کے اپنے مسلم رفقاء سمیت مسلم لیگ میں شامل ہونے سے یہ مسلم اکثریتی صوبہ مسلم لیگ کے دائرہ اثر میں آ گیا۔ اسی اجلاس میں مولوی فضل الحق وزیراعلیٰ بنگال اور سر محمد سعد اللہ وزیراعلیٰ آسام نے بھی اپنے ساتھیوں سمیت مسلم لیگ میں شرکت کا اعلان کیا۔ تینوں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ کی مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد قائداعظم پوری مسلم قوم کے نمائندہ لیڈر بن گئے۔ اس سے نہ صرف مسلمانوں کو تقویت ملی بلکہ کانگریس اور برطانوی حکومت کے ایوانوں میں بھی سارے معاملے کا ازسرنو جائزہ لینا شروع کر دیا گیا۔

تین صوبوں کے وزرائے اعلیٰ کی اپنے ساتھیوں سمیت مسلم لیگ میں شمولیت سے ہندوستان کی صوبائی اسمبلیوں میں مسلم لیگی ارکان کی تعداد تقریباً سوا دو سو اور آزاد ارکان کی مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد اس سے بھی زیادہ ہو گئی۔ اس سے مسلم لیگ کو یہ حق مل گیا کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ کرے۔ اس کے علاوہ یکم جنوری 1938ء سے 12 ستمبر 1942ء تک ہندوستان بھر میں 56 مسلم نشستوں کے لیے جو ضمنی انتخابات ہوئے ان میں سے 46 نشستیں مسلم لیگ نے جیت لیں۔ 7 نشستوں پر آزاد امیدوار کامیاب ہوئے اور صرف 3 نشستوں پر کانگریس کے نمائندوں کو کامیابی ہوئی۔ یہ ضمنی انتخابات بھی اس بات کی تصدیق کر رہے تھے کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔

کانگریس جناح کو بار بار طعنہ دیتی تھی کہ مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں میں تو مسلم لیگ کو کوئی پوچھتا نہیں۔ یہ صرف مسلم اقلیتی صوبوں کی جماعت ہے۔ اس وقت اس کا بہترین جواب یہ تھا کہ پنجاب اور بنگال کے وزرائے اعلیٰ جناح کو اپنا لیڈر تسلیم کر لیں، اور لکھنؤ کے اجلاس میں یہی ہوا۔

پروفیسر کوپ لینڈ لکھتے ہیں:

> ''ان تینوں وزرائے اعلیٰ کی شرکت نے مسلم لیگ میں زندگی کی جو روح پھونکی، وہ تمام پرجوش تقریروں سے زیادہ تھی۔ (اب) وہ (جناح) مسلمانوں کے بہت سے رہنماؤں میں سے ایک رہنما نہیں تھے بلکہ پوری قوم کے واحد نمائندہ رہنما بن گئے تھے۔''

1936-37ء کے انتخابات میں اگرچہ کانگریس کو مسلم حلقوں میں شکست فاش ہوئی، اور مسلمانوں نے کانگریس لیڈرشپ کو مکمل طور پر مسترد کر دیا لیکن جنرل (ہندو) سیٹوں پر اسے اپنی توقع سے بڑھ کر کامیابی ہوئی۔ اسے 1585 ہندو سیٹوں میں سے 711 مل گئیں یعنی تقریباً ''44.9 فیصد۔ انتخابات سے پہلے ہی کانگریس کو مسلم حلقوں میں کامیابی کی کوئی توقع نہ تھی۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے ہندوستان بھر میں مسلمانوں کی 492 سیٹوں میں سے کانگریس نے صرف 58 سیٹوں کے لیے امیدوار کھڑے کیے۔ گویا الیکشن سے پہلے ہی کانگریس نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ مسلم قوم اسے مسترد کر چکی ہے۔ اسے یہ امید بھی نہ تھی کہ وہ ہندو سیٹوں پر اتنے زور سے کامیاب ہو گی کہ اسے ہندو اکثریت کے صوبوں کی اسمبلیوں میں حتمی اکثریت حاصل ہو جائے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ان صوبوں میں زیادہ سے زیادہ سب سے بڑی پارٹی کے طور پر کامیاب ہو گی۔ اس لیے اگرچہ کوئی باضابطہ معاہدہ نہیں ہوا تھا، پھر بھی اس نے الیکشن سے پہلے اور الیکشن کے دوران مسلم لیگ سے ایک حد تک تعاون کی پالیسی رکھی تاکہ بعد میں مسلم لیگ کے ساتھ مل کر اسمبلیوں میں حتمی اکثریت حاصل کر لے اور اس طرح مختلف صوبوں میں کانگریس کی سربراہی میں کولیشن وزارتیں قائم ہو جائیں۔ ہندو سیٹوں پر اس خلاف توقع کامیابی کے نشے میں سرشار ہو کر کانگریسی رہنماؤں کا مزاج ہی بدل گیا۔ وہ مسلم نشستوں پر اپنی شکست فاش بھول گئے، اور وہی

لوگ جو انتخابات سے پہلے مسلم لیگ سے تعاون کی بات کر رہے تھے، اب مختلف طریقوں سے مسلم لیگ کو ختم کرنے کے درپے ہو گئے۔ وہ سمجھنے لگے کہ اگر مسلم لیگ ختم کر دی گئی تو پھر مسلمانوں کو مجبوراً کانگریس کی طرف آنا پڑے گا، کیونکہ مسلم لیگ کے علاوہ مسلمانوں کی کوئی ہندوستان گیر پارٹی نہیں۔

1937ء کے انتخابات کے بعد جناح نے ایک اخباری بیان میں گاندھی سے ہندو مسلم مسئلے کے حل پر زور دیا۔ اس کے جواب میں گاندھی نے کہا:

''کاش میں کچھ کر سکتا لیکن میں بالکل بے بس ہوں۔
(ہندو مسلم) اتحاد پر میرا یقین ہمیشہ کی طرح درخشاں ہے لیکن مجھے دن کی روشنی نظر نہیں آتی۔ ہر طرف ناقابل گزر تاریکی ہے اور میں ان مصیبت کے لمحات میں خدا سے روشنی مانگتا ہوں۔''

لیکن انہیں یہ روشنی نہ ملنی تھی نہ ملی۔

جب کانگریس نے صوبوں میں وزارتیں تشکیل کرنے کا فیصلہ کر لیا تو مسلم لیگ کو ختم کرنے کی کوشش میں عجیب و غریب کارروائی کی۔ یو۔ پی اسمبلی میں مسلمانوں کی نشستیں 66 تھیں۔ مسلم لیگ نے 36 نشستوں پر اپنے امیدوار کھڑے کیے اور ان میں سے 29 پر کامیابی حاصل کی۔ بہت سے امیدوار آزاد حیثیت سے یا ایگریکلچر پارٹی کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے تھے، لیکن کانگریس کے ٹکٹ پر ایک مسلمان بھی کامیاب نہ ہوا۔ 1935ء کے ایکٹ میں گورنروں کو جو ہدایات تھیں، ان کے مطابق ہر گورنر کے لیے ضروری تھا کہ وہ اقلیتوں کے نمائندوں کو بھی اپنے صوبے کی وزارت میں شامل کرے، لیکن یو۔ پی میں عام انتخابات میں ایک مسلمان بھی کانگریس کے ٹکٹ پر کامیاب نہیں ہوا تھا۔ بس ضمنی انتخابات میں رفیع احمد قدوائی کامیاب ہو گئے تھے۔ اس لیے ابوالکلام آزاد نے چوہدری خلیق الزمان سے رابطہ کیا، اور آخر کار چند شرائط پر یو۔ پی میں دو وزارتوں کی پیش کش کی۔ ان میں سے بعض شرطیں یہ تھیں۔

1. یو پی مجلس قانون ساز میں مسلم لیگی ارکان ایک علیحدہ جماعت کی حیثیت سے کام کرنا ترک کر دیں گے۔
2. اسمبلی کے موجودہ مسلم لیگی ارکان کانگریس پارٹی کا جزو بن جائیں گے، اور اس پارٹی کی مکمل رکنیت اختیار کر لیں گے۔ اس طرح دوسرے ارکان کے ساتھ وہ بھی کانگریس پارٹی کے نظم و ضبط کے تحت ہوں گے۔
3. یو پی کا مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ توڑ دیا جائے گا اور آئندہ کسی ضمنی انتخابات میں یہ بورڈ کوئی امیدوار نہ کھڑا کرے گا۔

آپ ہی کہیے کہ یہ شرائط تعاون کے لیے تھیں، یا مسلم لیگ کو ختم کرنے کا ایک منصوبہ۔ یہ شرائط پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ہندو سیٹوں پر کامیابی سے کانگریس میں کتنی رعونت آ گئی تھی اور اس نے کس حد تک اپنے آپ کو تکبر و غرور کی ردا میں لپیٹ لیا تھا۔ چنانچہ یو۔ پی مسلم لیگ نے ان شرائط کو منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ ان شرائط کو پیش کرنے کا یہ مطلب بھی تھا کہ ارکان اسمبلی کو کہا جا رہا تھا کہ مسلم ووٹرز نے جس ٹکٹ پر آپ کو منتخب کیا ہے اس سے انحراف کر کے اپنے ووٹرز سے بدعہدی کریں ورنہ آپ کا کوئی نمائندہ وزارت میں نہیں لیا جائے گا۔ گویا آج سے 60 سال پہلے ہی کانگریس نے اسمبلیوں میں ہارس ٹریڈنگ کا آغاز کر دیا تھا۔

مسلم لیگ کی طرف سے کانگریس کی شرائط پر وزارت میں شرکت سے انکار کے بعد کانگریس نے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہونے والے حافظ محمد ابراہیم کو وزارت کا لالچ دے کر توڑ لیا۔ انہیں اور رفیع احمد قدوائی کو صوبائی حکومت میں وزیر بنا دیا۔ مسلم لیگ کے احتجاج پر حافظ محمد ابراہیم نے اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا، اور ضمنی انتخاب لڑ کر دوبارہ کامیاب ہوئے، تاہم انہوں نے مسلم لیگ کے احتجاج کے باوجود وزارت سے استعفیٰ نہیں دیا، اور وزیر رہ کر ضمنی انتخاب

لڑا۔

حافظ محمد ابراہیم اور رفیع قدوائی وزیر تو بن گئے لیکن وہ مسلم قوم کی نمائندگی نہیں کررہے تھے۔ یو۔پی اسمبلی کے 66 سے 64 مسلم ارکان انہیں اپنا نمائندہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔

یہی حربہ کانگریس نے دوسرے صوبوں میں بھی استعمال کیا۔ بمبئی اسمبلی میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کی کافی سیٹیں جیت لی تھیں۔ بی۔جی۔کھیر کو کانگریس نے بمبئی کا وزیر اعلیٰ نامزد کیا۔ وہ وزارت بنانے سے پہلے جناح سے ملے اور ان سے درخواست کی کہ وہ وزارت کے لیے دو مسلم لیگی ارکان کے نام دیں۔ جناح نے بلا تامل یہ بات مان لی اور کانگریس وزارت سے اپنے اور مسلم لیگ کے مکمل تعاون کا یقین دلایا لیکن ہوا کیا؟ کھیر نے کانجی دوارکا داس کو بتایا اور جناح نے اس کی تصدیق کی کہ کانگریس کے مرکزی رہنماؤں خاص طور پر سردار پٹیل نے کھیر کو جناح سے ملنے پر سرزنش کی۔ یہ لوگ جناح سے کوئی واسطہ نہ رکھنا چاہتے تھے۔ اس طرح کھیر نے وزارت میں شامل کرنے کے لیے دو مسلم لیگی ارکان کے ناموں کی جو پیش کش کی تھی وہ کانگریس ہائی کمان کے کہنے پر اس مطالبے میں تبدیلی ہوگئی کہ وہ پہلے مسلم لیگ سے استعفیٰ دیں اور کانگریس میں شامل ہو جائیں تب انہیں وزیر بنایا جائے گا۔ جناح نے بجا طور پر اس کا برا مانا۔ انہوں نے کانگریس کی یہ تجویز نامنظور کر دی۔ وہ کانگریس وزارت سے تعاون تو کرنا چاہتے تھے لیکن خود اپنی پارٹی کو ختم کرنے کی قیمت پر نہیں۔

جناح نے 15 اکتوبر 1937ء کو مسلم لیگ کے جلسے کے موقع پر اپنے خطبہ صدارت میں کھل کر کہا:

> ''(انگریز حکومت اور) کانگریس نے مل کر ان مسلمانوں کو وزارتوں میں شامل کیا ہے جن کے متعلق ان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ انہیں مسلمان قوم کی حمایت حاصل نہیں، ایسے لوگوں سے آئندہ کیا توقع رکھی جاسکتی ہے۔''

وزیروں کے طور پر غیر نمائندہ لوگوں کے انتخاب سے مسلمانوں کو شدید احساس ہوا کہ کانگریس کسی صورت بھی مسلمانوں کو ان کا حق دینے کے لیے تیار نہیں۔ وہ مسلم قوم کی نمائندہ پارٹی کے ارکان کی بجائے ان ارکان کو وزیر بنا رہی ہے جنہیں اپنی ذات کے علاوہ کسی مسلمان کی حمایت حاصل نہیں۔ مسلمانوں نے بجا طور پر یہ بھی سمجھا کہ ان کے نمائندوں کو اس لیے اقتدار میں شریک نہیں کیا جا رہا کہ کانگریس دراصل ہندوؤں ہی کی جماعت ہے۔ اکتوبر 1937ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ کے موقع پر جناح نے اپنے خطبہ صدارت میں انگریز حکمرانوں پر کھلے الفاظ میں یہ الزام لگایا کہ انہوں نے کانگریس کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے نمائندوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم رکھا۔ اقتدار میں آنے کے بعد کانگریس کی اس روش سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ مسلمانوں کا یہ خیال صحیح نہیں تھا کہ جداگانہ انتخابات کی وجہ سے ان کو صوبوں/مرکز میں اپنے حقوق مل جائیں گے، چنانچہ انہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ اب وہ کون سی راہ اختیار کریں۔

1936-37ء کے انتخابات میں جنرل سیٹوں پر 44.9% کامیابی کے بعد کانگریس کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ وہ انگریزوں سے اپنی مرضی کی شرائط منوانے کے لیے کافی مضبوط ہوگئی ہے چنانچہ اس نے مسلمانوں کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا اور یہ بھول گئی کہ کسی بیدار قوم کو خواہ وہ تعداد میں کتنی ہی کم کیوں نہ ہو، اس طرح زیر نہیں کیا جا سکتا۔

مرکزی اسمبلی میں کانگریس ایک مدت تک قائداعظم سے تعاون کرتی رہی۔ اس نے اسی سپرٹ کا اظہار صوبوں میں کیوں نہیں کیا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مرکز میں کانگریس قائداعظم کے ساتھ اس لیے تعاون کرتی رہی تھی کہ اسے مرکزی اسمبلی میں قطعی اکثریت حاصل نہ تھی، اور وہ قائداعظم

اور اسمبلی میں ان کی انڈیپنڈنٹ پارٹی کے تعاون کے بغیر کوئی قرارداد پاس نہیں کرا سکتی تھی، اگر اقلیتی صوبوں میں بھی کانگریس کو قطعی اکثریت حاصل نہ ہوتی تو اس کا رویہ تعاون کا ہوتا، لیکن قطعی اکثریت کے غرور اور تکبر نے اس کا دماغ ٹھکانے پر نہ رہنے دیا، اور بجائے اس کے کہ خوشگوار فضا قائم کرنے کے لیے وہ طاقت میں شراکت کا اصول اپنائے، اس نے تمام طاقت اپنے ہاتھ میں لے کر ہندو راج کے قائم کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ مرکزی اسمبلی میں اتحاد قائداعظم کی نیک نیتی اور کانگریس کی مجبوری کی وجہ سے تھا۔ صوبوں میں قطعی اکثریت حاصل کرنے کے بعد کانگریس کی کوئی مجبوری نہ تھی۔ اس لیے صرف قائداعظم کی نیک نیتی کام نہ آئی اور کانگریس نے خوشگوار سیاسی فضا کے تارو پود بکھیر کر رکھ دیے۔

یاد رہے کہ 1934ء میں مرکزی اسمبلی میں مختلف پارٹیوں کی پوزیشن یوں تھی:

کانگریس اور اس کے حلیف 55

حکومت اور اس کے حلیف 50

جناح اور ان کی انڈیپنڈنٹ پارٹی 22

اس طرح کانگریس اور حکومت کی آویزش میں قائداعظم کی پارٹی ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتی تھی۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ 1936-37ء کے انتخابات کے بعد کانگریس نے مسلمانوں کو وزارتوں اور دوسرے عہدوں کی رشوت دے کر اپنی قوم سے غداری کرنے کا سبق سکھایا۔ ہر جگہ یہی کہا گیا کہ اگر تم مسلم لیگ کو چھوڑ کر کانگریس میں شامل ہو جاؤ تو تمہیں بہت کچھ مل جائے گا۔ کیا یہ انگریزوں والے وہی پرانے ہتھکنڈے نہیں تھے؟ کانگریس نے کسی مسلم اقلیت کے صوبے میں کسی غیر کانگریسی مسلمان کو اپنی وزارت میں جگہ نہیں دی کیونکہ حکومت بنانے کے لیے کانگریس کو ان کے ووٹوں کی ضرورت نہیں تھی، البتہ چونکہ 1935ء کے ایکٹ کے تحت اسے اقلیتی ارکان کو وزارت میں لینا ضروری تھا۔ اس لیے مسلم اقلیت کے کئی ایک صوبوں میں اپنے ساتھ ایک مسلمان بھی نہ ہونے کی وجہ سے اس نے ایک ایک دو دو لیگی / غیر کانگریسی مسلمانوں کو وزارت کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ ادھر مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلم لیگی وزارتوں کو توڑنے یا ان کے قیام کے راستے میں رکاوٹیں ڈالنے کے لیے کانگریس نے غیر کانگریسی مسلمانوں بلکہ غیر کانگریسی ہندوؤں کو بھی ساتھ ملانے میں کبھی کوئی حرج نہ سمجھا۔ گویا کانگریس کا ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ مسلم لیگ کو مضبوط نہ ہونے دو تاکہ مسلمانوں کی کوئی ہندوستان گیر جماعت نہ ہونے کی صورت میں کانگریس سب کی نمائندہ جماعت ہو جائے، اور اسے اس طرح ہندو راج قائم کرنے میں آسانی ہو۔ کانگریس اس مقصد کے حصول کے لیے کسی اصول، قاعدے، ضابطے یا اخلاق کی پابند نہ تھی۔

1936-37ء کے انتخابات کے بعد آزاد کے رول کے بارے میں عاشق حسین بٹالوی رقم طراز ہیں:

> ''یہ سب کچھ مولانا ابوالکلام آزاد کی آنکھوں ہی کے سامنے نہیں بلکہ ان کی شبانہ روز کوشش سے ہو رہا تھا۔ گویا اب مولانا کا کام صرف یہ رہ گیا تھا کہ جہاں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں ان کی جداگانہ ہستی کو ختم کر کے انہیں ہندو اکثریت میں مدغم کر دیا جائے اور جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے جال پھیلا کر ان کی قومی جمعیت کو پارہ پارہ کیا جائے تاکہ اغیار کو حکمرانی کے مواقع مہیا ہوتے رہیں۔''

یہ حقیقت ہے کہ قائداعظم کے کیریئر میں تاریخی موڑ 1937ء کے انتخابات کے بعد آیا جب کانگریس نے ان صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے، مسلم لیگ کے ساتھ مخلوط

حکومتیں بنانے سے انکار کر دیا، اور مسلم لیگ کو سیاسی طور پر ختم کرنے کی پوری کوشش کی۔ یہ دیکھ کر قائداعظم کو یقین ہو گیا کہ مسلم قوم کو ہندو کانگریس سے کبھی انصاف نہیں ملے گا، اور اب مسلمانوں کو آزادی کے لیے ہندو مسلم اتحاد کی بجائے کوئی اور ہی راہ اختیار کرنا پڑے گی۔

جب 1937ء میں بہت سے صوبوں میں کانگریس کو حکومتیں بنانے کا موقع ملا تو اس وقت مسلمانوں کو ہندوؤں کے مزاج کا مزید پتہ چلا۔ حکومت بناتے وقت مسلم قوم کے نمائندوں کو جس طرح نظر انداز کیا گیا اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ حکومت بنانے کے بعد ودیا مندر یعنی تعلیم کے مندر کھولے گئے۔ صبح سکولوں میں دن کا آغاز کانگریسی جھنڈے کی سلامی سے ہوتا تھا۔ اس کے بعد مسلمان دشمن ترانہ ''بندے ماترم'' گایا جاتا اور گاندھی کی تصویر کی پوجا کی جاتی۔ گائے کی حفاظت پر اصرار حکومت کا طے شدہ اصول تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ ثقافتی زبان اردو کی بجائے دیوناگری رسم الخط میں ہندی کو سرکاری زبان بنانے کے لیے پوری کوشش کی گئی۔ گاندھی نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ چونکہ اردو قرآنی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اس لیے یہ مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے۔ ہم اسے ہندوستانیوں کی زبان نہیں بنا سکتے۔ اس بات کا بھی خاص خیال رکھا گیا کہ مسلمانوں کو اقتصادی طور پر کوئی فائدہ نہ پہنچ جائے۔ مثلاً یو، پی اور بہار میں، جہاں زمیندار زیادہ تر مسلمان تھے، کانگریسی حکومتوں نے ایسے قوانین منظور کروائے جن میں مزارعوں کے حقوق کا خیال رکھا گیا تھا اور اس طرح اپنی ترقی پسندانہ پالیسی کا کریڈٹ لیا، لیکن بنگال میں جہاں زمیندار زیادہ تر ہندو تھے، کانگریس نے زرعی اصلاحات کی ہر ممکن مخالفت کی۔ پنجاب میں ہندو ساہوکار غریب مسلمانوں کا استحصال کر رہے تھے۔ کانگریس پارٹی نے مسلمانوں کو ان کے پنجہ ستم سے بچانے والی قانون سازی کی بھرپور مخالفت کی۔

1937ء کے انتخابات کے بعد کانگریس نے مسلم عوام سے رابطے کی مہم جاری کی۔ جناح نے ان کا بھی پورا فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے مسلم عوام کو زور و شور سے یہ بات بتائی کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی جماعت ہے اور ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا چاہتی ہے۔ ''بندے ماترم'' کا گیت ''ترنگا جھنڈا'' اور ''ودیا مندر سکیم'' اس کا کھلا ثبوت ہیں۔ 31 جنوری 1938ء کو انہوں نے ایک اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

> ''بندے ماترم'' سے شرک کی بو آتی ہے، اور یہ مسلمانوں کے خلاف ایک قسم کا نعرہ جنگ ہے۔''

یہ حقائق مسلمانوں کو اپیل کرتے تھے۔ اس سے زیادہ سے زیادہ مسلمان مسلم لیگ کے پرچم تلے اکٹھے ہوتے گئے۔ بہت سے مسلمان ارکان اسمبلی جو مسلم لیگ کا ٹکٹ حاصل کیے بغیر منتخب ہوئے تھے، مسلم لیگ میں آ گئے۔ کانگریس کی اس مہم کے ردعمل کے طور پر مسلم لیگ مضبوط سے مضبوط تر ہو گئی۔

کانگریس کے دور میں مسلمانوں پر جو ظلم و ستم ہو رہے تھے اس کی انکوائری کے لیے مسلم لیگ نے راجہ پیرپور کی سربراہی میں ایک کمیٹی قائم کی۔ پیرپور رپورٹ سے ثابت ہو گیا کہ کانگریسی حکومتیں مختلف طریقوں سے مسلمانوں پر ہندو کلچر نافذ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اگر مسلمان اس پر احتجاج کرتے تو انہیں امن خراب کرنے والے کہا جاتا اور حکومت کے استبدادی ادارے ان کے خلاف سرگرم عمل ہو جاتے۔ بہار میں شریف رپورٹ سے بھی یہی نتیجہ نکلا۔ یہ عذر صحیح نہیں کہ یہ بے انصافیاں مقامی سطح کی تھیں، کیونکہ صوبوں میں کانگریس حکومتیں، کانگریس کے مرکزی رہنما چلا رہے تھے۔

کانجی دوارکاداس 19 دسمبر 1938ء کو قائداعظم سے ملے، اور ان سے سوال کیا:

> ''موجودہ سیاسی حالت کے بارے میں آپ کی کیا

رائے ہے؟''

وہ لکھتے ہیں:

''جناح کا جواب سن کر میں سکتے میں آ گیا۔ وہ میری طرف خشونت سے دیکھتے ہوئے بولے:

''آپ کا مطلب کیا ہے؟ آپ مجھ سے اس طرح کا سوال کیوں پوچھتے ہیں؟ اگر برطانیہ کا وزیراعظم اپنے کمرے میں بیٹھا ہو تو کیا کوئی فرانسیسی یا جرمن یا روسی سیدھا اس کے کمرے میں گھس کر اس طرح کا سوال کرنے کی جسارت کرے گا؟ اور بالفرض ایسا ہوا بھی تو کیا برطانوی وزیراعظم ایسے سوال کا کوئی جواب دے گا؟''

میں نے کہا:

''میں نہ تو ہندوؤں کا نمائندہ ہوں اور نہ ہی ایک ہندو کی حیثیت سے بات کرنے آیا ہوں۔ میری ملاقات اور گفتگو کی بنیاد تو ہماری بائیس سال کی دوستی ہے۔''

اس پر جناح نے کہا:

''سیاسی معاملات پر کسی ہندو سے بات کرنے کے لیے تیار نہیں۔''

ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ 1938ء میں قائداعظم کی ہندوؤں پر بے اعتمادی حد تک پہنچ چکی تھی۔ وہ بائیس سال کے تعلقات کے باوجود کانجی دوارکا داس کو بتا رہے تھے کہ ہندو ہونے کی وجہ سے وہ بھی ناقابل اعتماد ہیں، اور یہ تھی بھی حقیقت۔ قائداعظم ہندوؤں کی ذہنیت اور مزاج کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔

اسی ملاقات میں قائداعظم نے کہا:

''ہندو قوم پر نہ تو جواہر لال کا اثر ہے اور نہ سوبھاش بوس کا، البتہ گاندھی کا اثر ضرور ہے، ولبھ بھائی (پٹیل) کا بھی اثر ہے مگر منفی کیوں کہ وہ نقصان تو کر سکتے ہیں لیکن فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور نہ پہنچانا چاہتے ہیں۔''

26 دسمبر 1938ء کو مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا:

''مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ مسٹر گاندھی اس نظریے کو پامال کر رہے ہیں جس سے کانگریس نے اپنی سیاست کا آغاز کیا تھا۔ وہ کانگریس کو ہندوازم کے احیاء کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ ان کی منزل ہندو مذہب کا احیاء اور ملک میں ہندو راج کا قیام ہے، اور وہ اسی مقصد کے لیے کانگریس سے کام لے رہے ہیں۔''

3 ستمبر 1939ء کو دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہو گیا۔ برطانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ مرکزی اسمبلی یا بڑی سیاسی پارٹیوں سے مشورے کے بغیر ہی وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو نے ہندوستان کی طرف سے بھی فوری طور پر جنگ میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔ فوری تاثر یہ تھا کہ برطانیہ اور اس کے حلیف جنگ میں کامیاب ہوں گے۔ اسی تاثر کی بنیاد پر گاندھی کا پہلا ردعمل برطانیہ کے لیے غیر مشروط حمایت کا تھا۔ اس سے اگلے دن گاندھی نے وائسرائے سے ملاقات کی۔ 5 ستمبر کو انہوں نے ایک اخباری بیان میں کہا:

''میں نے وائسرائے کو بتایا کہ خالص انسانی نقطہ نظر سے میری ہمدردیاں برطانیہ اور فرانس کے ساتھ ہیں۔''

ملاقات کے دوران (جرمنوں کی بمباری سے) برطانوی پارلیمنٹ اور ویسٹ منسٹر ایبے کی تباہی کا تصور کر کے میرے ضبط کا بند ٹوٹ گیا۔ میں فکرمند ہو گیا تھا۔ ملاقات کے بعد انہوں نے لکھا:

''اس وقت مجھے ہندوستان کی نجات کی مطلق فکر نہیں۔ ہندوستان کو تو ایک نہ ایک دن نجات مل ہی جائے گی، لیکن اگر برطانیہ اور فرانس شکست کھا گئے یا انہوں

نے تباہ و برباد ہو کر جرمنی پر فتح پائی تو ہندوستان کی آزادی کا کیا فائدہ۔''

8 ستمبر 1939ء کو نہرو نے بھی ایک بیان میں برطانیہ کی حمایت کرتے ہوئے کہا:

''اس جنگ میں ایک طرف آزادی اور جمہوریت ہے اور دوسری طرف فسطائیت اور ہوس ملک گیری' اس صورت میں ہندوستان کو پوری طرح جمہوریت کا ساتھ دینا چاہیے۔''

لیکن ایک مہینے کے بعد جنگ کی صورت حال جرمنی کے حق میں ہوتی دیکھ کر 10 اکتوبر 1939ء کو کانگریس کمیٹی نے آزادی کے اعلان کا مطالبہ کیا، اور کہا:

''عملاً زیادہ سے زیادہ اختیارات فوری طور پر ہندوستانیوں کو دے دیے جائیں، اور یہ وعدہ کیا جائے کہ بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر ایک دستور ساز اسمبلی بنائی جائے گی۔''

ہندوستان میں 75 فیصد ہندو آبادی کی وجہ سے ایسی دستور ساز اسمبلی کے قیام کا مقصد ہندو راج کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ اس لیے مسلم لیگ نے اس شرط کے ساتھ آزادی کا مطالبہ کیا کہ مستقبل کے دستور کے لیے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی منظوری لازمی ہو اس طرح کانگریس نے اپنی پالیسی جنگ کی صورت حال سے ہم آہنگ کر لی۔ فسطائیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھ کر جمہوریت کی حمایت کا راستہ چھوڑ گئے، اور ہندو راج کا راگ الاپنے لگے۔ اس سلسلے میں وائسرائے کے ساتھ کانگریس کے مذاکرات کی ناکامی پر کانگریس نے حکومت سے عدم تعاون کا فیصلہ کیا اور صوبوں میں اپنی وزارتوں کو مستعفی ہونے کی ہدایات جاری کر دیں۔ چنانچہ کانگریس کی آٹھوں صوبائی حکومتیں مستعفی ہو گئیں، اور ان صوبوں میں گورنر راج قائم ہو گیا۔

قائداعظم نے اس مناسب وقت کو سمجھنے اور اس موقع کو گرفت میں لانے کے لیے بے پناہ صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ کانگریسی حکومتوں نے اپنے دور میں مسلمانوں پر اتنا ظلم و ستم کیا تھا اور ان کی ثقافت' تعلیم، اقتصادیات نیز مذہب کو تباہ کرنے کے لیے اتنے اقدام کیے تھے کہ کانگریسی حکومتوں کے استعفیٰ پر قائداعظم نے مسلمانوں کو 22 دسمبر 1939ء کو ''یوم نجات و تشکر'' منانے کے لیے کہا۔ مسلمانوں کو کانگریس کے ظلم، دباؤ اور ناانصافی سے واقعی نجات ملی تھی کیونکہ کانگریسی وزارتوں نے اپنے دور میں ثابت کر دیا تھا کہ نہ صرف یہ کہ وہ مسلم مفادات کی حفاظت نہیں کر سکتیں بلکہ لحہ بہ لحہ ہندو راج کے قیام کے لیے آگے بڑھ رہی ہیں۔ اس لیے مسمانوں نے یہ دن بڑے جوش و خروش سے منایا۔ اس سے نفسیاتی طور پر ہندوؤں میں مایوسی پھیلی اور مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوئے۔

اس کے تین مہینے بعد 23 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ نے باقاعدہ طور پر ملک تقسیم کرنے کا مطالبہ کر دیا۔

(قائداعظم محمد علی جناح، از محمد سلیم مطبوعہ، قومی پبلشرز، لاہور)

جناح کے دس نکات

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 23 مئی 1946ء میں لکھتا ہے:

''شملہ کانفرنس کے سلسلے میں کانگریس اور وزارتی مشن کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی وہ شائع ہو گئی ہے۔ اس پر تفصیلی بحث کا یہ موقع نہیں ہے، لیکن 16 مئی کو مسٹر جناح کی طرف سے جو یادداشت مسلمانوں کے کم سے کم مطالبات کے متعلق پیش کی گئی، اس کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کانگریس اور لیگ کے درمیان اختلاف بہت کم رہ گیا تھا، مسٹر جناح کے پیش کردہ دس نکات کا خلاصہ یہ ہے:

❶ سرحد، بلوچستان، سندھ، پنجاب، بنگال اور آسام کو ایک گروپ بنا دیا جائے۔ یہ گروپ فوج، معاملات خارجہ اور صرف فوجی اغراض کے لیے وسائل حمل ونقل کے سوا تمام معاملات و امور انتظام اپنی مرضی کے مطابق کرنے کا مجاز ہو۔

❷ ان صوبوں اور بقیہ صوبوں کے دستور مرتب کرنے کی غرض سے دو جداگانہ دستور ساز مجلسیں بنائی جائیں۔ یہ صوبے خود فیصلہ کریں گے کہ ان کے رکن کو کون کون سے اختیارات دیے جائیں۔ غیر مصرفہ اختیارات صوبوں کی تحویل میں رہیں گے۔

❸ دستور ساز مجلسوں کے نئے نمائندوں کے انتخاب کا طریقہ ایسا تجویز کیا جائے کہ ہر صوبے کی تمام قوتیں اپنی آبادی کے مطابق نمائندگی حاصل کر لیں۔

❹ دستور بن جانے کے بعد ہر صوبے کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو اپنے گروپ سے باہر چلا جائے، لیکن اس غرض کے لیے صوبے کی آبادی سے استصواب ضروری ہوگا۔

❺ یونین کے لیے مشترکہ دستور سازی کے سلسلے میں یہ بحث اٹھانے کا حق محفوظ رہنا چاہیے کہ یونین کے لیے مجلس قانون ساز رکن چاہیے یا نہیں۔ اس طرح یونین کے لیے روپے کے انتظام کا معاملہ بھی مشترکہ مجلس کے حوالے کر دینا چاہیے، لیکن یہ طے ہو جانا چاہیے کہ اس روپے کے لیے محصول عائد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

❻ صوبوں کے دونوں گروپوں کی یونین، قانون ساز مجلس اور ہیئت حاکمہ میں ساری نمائندگی حاصل ہو۔

❼ اہم فرقہ وار مسائل کے متعلق مشترکہ دستور ساز اسمبلی میں اس وقت کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا، جب تک ہندو صوبوں اور مسلم صوبوں کے ممبروں کی اکثریت اس کی حمایت نہ کرے گی۔

❽ صوبوں اور ان کے گروپوں میں مذہب، کلچر اور مختلف قوموں پر اثر رکھنے والے دوسرے معاملات کے متعلق بنیادی حقوق اور تحفظات کا انتظام کر دیا جائے گا۔

❾ یونین کسی اختلافی، قانونی یا انتظامی معاملے کے متعلق فیصلے کی مجاز نہ ہوگی جب تک اسے 3/4 کی اکثریت حاصل نہ ہوگی۔

❿ یونین کے دستور میں ایک دفعہ رکھی جائے کہ اگر کوئی صوبہ ابتدائی دس برس کے بعد اپنی اسمبلی کی اکثریت کے ووٹوں کی بناء پر یونین سے الگ ہونا چاہے تو الگ ہو جائے۔

صاف ظاہر ہے کہ ان مطالبات میں پہلی دفعہ کا فیصلہ مسلم لیگ کی رائے کے مطابق ہو گیا ہے یعنی مسلم اکثریت والے صوبوں کا ایک گروپ بنانے کی بجائے دو گروپ بنا دیے گئے ہیں۔ یہ دونوں گروپ اپنے اپنے صوبوں کے دستور خود بنائیں گے، اور دستور ساز اسمبلی کے لیے ممبروں کے انتخاب میں ہر قوم آزاد ہوگی۔ نیز ہر قوم کی نمائندگی قریباً اس کی آبادی کے مطابق ہوگی۔

(چوتھی شق کا جو انتظام بھی ہوا ہے یہ لیگ کے حق میں نہیں بلکہ کانگریس کے حق میں ہے۔ یعنی اس میں ہر صوبے کو محض اسمبلی کے ممبروں کی اکثریت کے فیصلے کے مطابق علیحدگی کا اختیار دیا گیا ہے، حالانکہ اس سلسلے میں صحیح راہِ عمل وہی ہے جو لیگ نے پیش کی تھی یعنی استصواب رائے عامہ رکھ جائے۔ اگر فیصلے کو زیادہ سے زیادہ منصفانہ اور رائے عامہ کے مطابق

مسٹر جناح، لارڈ ماؤنٹ بیٹن، پنڈت نہرو، لیاقت علی خان، آچاریہ کریلانی، بلدیو سنگھ اور دیگر اراکین ایک ملاقات کے موقعہ پر۔

بنانا منظور ہے تو استصواب رائے عامہ کے سوا کوئی تدبیر نہیں۔
پانچویں شق کے متعلق لیگ کا نقطۂ نگاہ نہایت صحیح ہے۔ یونین کے لیے قانون ساز مجلس کا ہونا ضروری نہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ صوبوں کے رضامندانہ تعاون کے لیے اس تجویز کو منظور نہ کیا جائے۔ اس طرح یونین کے لیے روپے کے انتظام سے لیگ انکاری نہیں، لیکن یونین کو محاصل عائد کرنے کا اختیار دے دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ صوبہ جاتی دوائر میں مداخلت کی مجاز بن جائے، یہ صورت صوبہ جاتی خود مختاری کے منافی ہے۔
چھٹی شق بے حد ضروری ہے۔ ہندو اور مسلم اکثریت والے صوبوں کی تعداد مساوی ہے، پھر اگر یونین کے اختیارات صوبوں کی رضامندی پر مبنی ہیں تو کیوں دونوں گروپوں کو ساری نمائندگی نہ دی جائے؟ صاف ظاہر ہے کہ مسٹر جناح ہندوستان کی وحدت کو توڑنے پر مصر نہیں لیکن:

① مرکز میں دونوں گروپوں کے لیے ساری نمائندگی کا انتظام ہو جائے۔
② گروپوں سے صوبوں کی علیحدگی کو استصواب رائے عامہ سے وابستہ کر دیا جائے۔
③ مرکز کے لیے قانون ساز مجلس کا معاملہ طے نہ کیا جائے، بلکہ اسے زیر غور رکھا جائے۔ نیز روپے کے انتظام میں براہِ راست محصل کا حق ختم کر دیا جائے۔
④ مرکز کے لیے دستور سازی کے تعلق میں فرقہ وار مسائل پر ہندو صوبوں اور مسلم صوبوں دونوں کی اکثریت کی حمایت فیصلے کے لیے لازم کر دی جائے۔
⑤ دس سال بعد ہر صوبے کو اپنی مجلس قانون ساز میں اکثریت کے فیصلے کی بناء پر علیحدگی کا حق دے دیا جائے۔

جب تک ان امور کا فیصلہ نہیں ہوگا، لیگ وزارتی مشن کی تجاویز کو کیونکر مان سکتی ہے؟ اختلاف بہت کم رہ گیا ہے۔ کانگریس اور وزارتی مشن کا فرض ہے کہ وہ اسے ختم کرنے کے لیے قدم بڑھائیں۔ ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو صوبوں کے جائز حقوق خود مختاری سے متجاوز ہو، اور جسے مان لینا ہندوستان کے کسی مفاد کے خلاف ہو۔ اس سے اختلاف کانگریس کی ہندویت کا ایک واضح ثبوت ہے۔ کیا وزارتی مشن اس ظاہر و باہر حقیقت کا اندازہ نہیں کر سکتا؟''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 23 مئی 1946ء)

جناح، گاندھی اور لیاقت

قائداعظم محمد علی جناح کا سوانح نگار ہیکٹر بولائتھو اپنی کتاب ''پاکستان کا بانی محمد علی جناح'' میں یوں رقمطراز ہیں:
''گاندھی اور جناح کی اہم اور کٹھن ملاقاتیں 9 ستمبر کو جناح کے مکان پر شروع ہوئیں۔ ان ملاقاتوں کی تفصیلی روداد ایک کتابچہ میں ملتی ہے جو مسلم لیگ نے اسی زمانے میں شائع کیا۔ کتاب کا ''تعارف'' لیاقت علی کا لکھا ہوا ہے۔
یہ ملاقاتیں اٹھارہ دن تک جاری رہیں اور اس دوران میں ان دونوں بزرگ رہنماؤں نے اپنے باہم متضاد مقاصد کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی لیکن شروع ہی میں یہ ظاہر ہو گیا انہیں ایک دوسرے پر پورا بھروسا نہیں۔ دونوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ اس ملاقات کے بعد وہ ایک دوسرے کو خط لکھیں جس میں اس دن کی زبانی گفتگو کی تصدیق کی جائے۔ پہلے ہی

ہفتے میں ان کے بنیادی اختلافات رونما ہونے لگے۔
15 ستمبر کی شام کو گاندھی نے جناح کو لکھا:
''دورانِ گفتگو میں آپ نے بڑے جوش سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں، اور ہندوستان میں دونوں کے وطن الگ الگ ہیں۔ آپ اپنی دلیلوں کی جتنی وضاحت کرتے ہیں آپ کا نصب العین مجھے اتنا ہی خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ اگر آپ کے مفروضے صحیح ہوتے تو آپ کا نصب العین واقعی قابلِ قبول ہوتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کے مفروضے بالکل بے بنیاد ہیں۔ ہندوستان کے اکثر مسلمان ہندوؤں کی اولاد ہیں، ان کے آباء و اجداد نے ہندومت چھوڑ کر مذہب اسلام اختیار کیا تھا۔ تاریخ میں مجھے کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ نو مذہبوں کے کسی گروہ نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ وہ اپنے آباء و اجداد کی قوم سے الگ ایک قوم ہیں۔ اگر مسلمانوں کے آنے سے پہلے ہندوستان میں ایک قوم بستی تھی تو آج بھی تمام ہندوستانی ایک قوم ہیں، باوجود اس کے کہ ان میں سے بہتوں نے اپنا مذہب بدل دیا ہے۔
آپ مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کا دعویٰ اس بناء پر نہیں کرتے کہ انہوں نے ہندوستان کو فتح کیا، بلکہ اس لیے کہ ہندوستان کے بہت سے باشندوں نے اپنا پرانا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر کل سارا ہندوستان مسلمان ہو جائے تو یہ دو قومیں پھر مل کر ایک قوم بن جائیں گی؟''
دو دن بعد جناح نے جواب دیا:
''ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ لفظ ''قوم'' کی ہر معقول تعریف اور قومیت کے ہر صحیح معیار کی رُو سے ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں۔ ہم ہندوستانی مسلمان دس کروڑ کی ایک مستقل قوم ہیں۔ ہم ایک مختص تہذیب و تمدن کے وارث ہیں۔ ہماری اپنی زبان ہے اور اپنا ادب۔ ہمارے فنونِ لطیفہ اور ہمارا فنِ تعمیر، ہمارے نام اور نظامِ تسمیہ دوسروں سے بالکل مختلف ہیں۔ ہماری اقدار، ہمارا ضابطۂ اخلاق اور ہمارے قوانین، ہماری رسمیں اور نظامِ تقویم، ہماری تاریخ اور روایتیں، ہماری آرزوئیں اور صلاحیتیں، سب دوسروں سے الگ ہیں۔ اجمال اس تفصیل کا یہ ہے کہ زندگی کے مسائل کے متعلق ہمارا نقطۂ نظر اور اندازِ فکر دوسروں سے یکسر مختلف ہے۔ بین الاقوامی قانون کے ہر اصول کی رُو سے ہم ایک علیحدہ قوم ہیں۔''
24 اور 25 ستمبر کو بحث کا انداز کچھ بدلا اور دو قوموں کے نظریے سے ہٹ کر تقسیمِ ہند کے عملی پہلوؤں پر گفتگو شروع ہوئی۔ 24 کی شام کو گھر واپس آ کر گاندھی نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک طویل خط لکھا۔ لب لباب اس کا یہ تھا کہ اگر مسلم لیگ گاندھی کی تجویز کردہ شرائط قبول کرنے پر آمادہ ہو تو وہ کانگریس کو یہ مشورہ دیں گے کہ وہ تقسیمِ ہند کا مطالبہ تسلیم کر لے۔ انہوں نے لکھا:
''میں یہ تو تسلیم نہیں کر سکتا کہ ہندوستان میں دو یا دو سے زیادہ قومیں آباد ہیں۔ ہاں اتنا ماننے کو تیار ہوں کہ ہندوستانی قوم ایک خاندان ہے جو بہت سے افراد پر مشتمل ہے۔ ان میں سے وہ مسلمان جو ملک کے شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقوں میں بستے ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ وہ باقی ہندوستان سے الگ ہو کر رہیں۔ یہ علاقے بلوچستان، سندھ اور سرحدی صوبے پر، اور پنجاب، بنگال اور آسام کے ان حصوں پر

مشتمل ہیں جہاں مسلمان دوسرے تمام فرقوں کی بہ نسبت تعداد میں زیادہ ہیں۔"

جناح نے اس شرط کا جواب یہ دیا:

"اگر آپ کی یہ بات مان لی جائے تو ان صوبوں کی موجودہ سرحدیں بری طرح مسخ ہو جائیں گی، اور وہ بالکل نکمے ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ آئیں گے۔"

مہاتما کی دوسری شرط یہ تھی:

"ان علاقوں کی نشان دہی ایک ایسے کمیشن کے سپرد کی جائے جو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کو قبول ہو اور پھر ان علاقوں کے باشندوں کی رائے لی جائے (کہ وہ ہندوستان سے الگ ہونا چاہتے ہیں یا نہیں۔) یہ استصواب عام رائے شماری کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ جس میں تمام بالغ شہریوں کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہو یا اسی قسم کے کسی اور طریقے سے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے اس پر یہ اعتراض کیا:

"صوبائی سرحدوں کو مسخ کرنے کے بعد جو علاقے (مسلمانوں کے لیے) رہ جائیں گے ان میں بھی حق خود ارادیت صرف مسلمانوں کو نہ ملے گا بلکہ ان علاقوں کے تمام باشندے مل کر ان کے سیاسی مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔"

گاندھی کی تیسری شرط یہ تھی:

"اگر ان علاقوں کے باشندے علیٰحدگی کے حق میں رائے دیں تو (کانگریس اور لیگ میں) یہ معاہدہ ہو جائے کہ وہاں ایک آزاد مملکت قائم کر دی جائے گی لیکن اس معاہدے پر عمل اُسی وقت ہو سکے گا، جب ہندوستان غیر ملکی حکومت سے آزاد ہو۔"

جناح یہ شرائط ماننے کو تیار نہ تھے۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین فوراً ایک مکمل سمجھوتہ ہو جائے اور پھر دونوں مل کر ہندوستان اور پاکستان کے نام پر ملک کی تمام قوموں کی آزادی کے لیے ہر ممکن کوشش کریں۔

گاندھی کی چوتھی اور آخری شرط سب سے زیادہ سخت تھی۔ مسلمانوں کا علیٰحدگی کا مطالبہ انہوں نے بہ ظاہر قبول کر لیا تھا، لیکن اس آخری شرط سے یہ بات واضح ہوگئی کہ غیر ملکی راج ختم ہونے کے بعد بھی پاکستان کامل آزادی کا حقدار نہ ہوگا بلکہ بڑی حد تک ایک مغلوب الہنود مرکزی حکومت کا پابند ہوگا۔ گاندھی کی تجویز یہ تھی:

"(ملک کی تقسیم سے پہلے) علیٰحدگی کے متعلق ایک معاہدہ ہو جس میں اس کا اہتمام کیا جائے کہ جن معاملات میں دونوں مملکتوں کا مفاد مشترک ہے۔ ان کا انتظام معقول اور تسلی بخش طور پر ہو سکے۔ ان معاملات میں امور خارجہ، ملکی دفاع، رسل و رسائل، درآمدی محصولات، تجارت اور اس قسم کے دوسرے امور شامل ہیں۔"

اس کا جواب قائداعظم محمد علی جناح نے یوں دیا:

"میں پہلے بھی آپ پر یہ بات واضح کر چکا ہوں کہ قرارداد لاہور کی رو سے ان امور کے اختیار کسی مرکزی حکومت کو تفویض نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہی اختیارات تو آزادی اور خود مختاری کی جان ہیں۔ جہاں تک دونوں مملکتوں کے دفاع اور تحفظ کا تعلق ہے، یہ معاملہ آزاد ہندوستان اور آزاد پاکستان کی آئین ساز مجلسوں کے طے کرنے کا ہے۔ ہمسایہ ملکوں کی حیثیت سے ہندوستان اور پاکستان پر کچھ باہمی فرائض اور ذمہ داریاں عائد ہوں گی، ان کا تعین بھی وہی مجلسیں کریں گی۔"

اس کے بعد مصالحت کا کوئی امکان نہ رہا اور چند ہی دنوں میں مذاکرات کی ناکامی کا اعلان کر دیا گیا۔ لندن کے اخبار 'نیوز کرانیکل' (News Chronicle) کے ایک نمائندے سے ملاقات کے دوران میں جناح نے گاندھی کے رویے کا گلہ کیا، اور اپنے مطالبے کی ایک مرتبہ پھر وضاحت کی:

''گاندھی نے مصالحت کے لیے اس قسم کی شرائط پیش کر کے ہماری فراست کی توہین کی ہے۔ ہندو مسلم اختلافات کو طے کرنے کی صرف ایک صورت ہے، اور وہ یہ کہ موجودہ ہندوستان کو دو مملکتوں میں تقسیم کر دیا جائے جو مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ہوں، اور پاکستان میں سرحدی صوبہ، بلوچستان، سندھ، پنجاب، بنگال اور آسام اپنی موجودہ شکل میں شامل ہوں، پھر ہندوستان میں ہندو اور پاکستان میں مسلمان اپنی اقلیتوں کے ساتھ انصاف اور رواداری کا برتاؤ کریں۔ اڑھائی کروڑ مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کے لیے ہم ہندوؤں پر بھروسا کرنے کو تیار ہیں، اور انہیں چاہیے کہ وہ بھی ہم پر بھروسا کریں...... اصل میں بات یہ ہے کہ ہندو ایسا سمجھوتہ چاہتے ہیں جس کی رو سے مسلمان اکثریت کے علاقے ان کے قابو میں رہیں۔ ہماری مکمل آزادی انہیں کسی صورت منظور نہیں۔''

اس ملاقات کے تیرہ دن بعد کانجی دوارکا داس نے اپنی ڈائری میں لکھا:

''آج ایک گھنٹے تک جناح سے میری گفتگو ہوئی۔ وہ بیمار، کم زور اور دل شکستہ سے نظر آتے ہیں۔ میں اُن سے صرف دو فٹ دور بیٹھا تھا، لیکن اُن کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ وہ مشکل سے اُن کی بات سمجھ سکتا تھا۔

اُنہوں نے کہا: ''جب گاندھی کے پاس باعزت مصالحت کی کوئی تجویز نہ تھی تو وہ مجھ سے ملنے کیوں آئے؟'' میں نے پوچھا کہ کیا انہیں یہ شبہہ تھا کہ گاندھی اس لیے اُن سے ملے تھے کہ انہیں قصوروار ثابت کر کے ان کو لوگوں کی نگاہ میں گرائیں؟ ''نہیں نہیں'' جناح نے جواب دیا: ''گاندھی نے بہت کھل کر مجھ سے باتیں کیں اور ہماری گفتگو نہایت دوستانہ تھی۔''

ان دو زبردست حریفوں کی ملاقاتوں کے دوران میں ایک موقع ایسا بھی آیا جب وہ ساری سیاست بھول کر ذرا دیر کے لیے محض دوستوں کی حیثیت سے ایک دوسرے سے ملے۔ ایک دن وہ اپنی تلخ سیاسی بحث کو چھوڑ کر اپنی روزمرہ کی زندگی کے متعلق بات چیت کرنے لگے۔ دونوں تھک چکے تھے اور ان کی حالت کچھ اُن مکے بازوں کی سی لگ رہی تھی جو اپنا سارا زور مقابلے میں صرف کر چکے ہوں، اور الوداعی مصافحے میں بڑا سکون محسوس کر رہے ہوں۔ جناح نے اپنی تکلیفوں کا تذکرہ کرتے ہوئے گاندھی کو بتایا کہ ان کے پاؤں پر ایک چکتا پڑ گیا ہے۔ یہ سنتے ہی مہاتما اُتر کر فرش پر بیٹھ گئے، اور بہ اصرار جناح کا جوتا اور موزہ اُتار کر ان کا پاؤں دیکھا۔ ذرا اس منظر کا تصور کیجیے کہ جناح اپنا فیشن ایبل مغربی لباس زیبِ تن کیے بیٹھے ہیں اور گاندھی دھوتی باندھے، چادر لپیٹے، اُن کے سامنے زمین پر بیٹھے اُن کے پاؤں کا معائنہ کر رہے ہیں۔ یہ تصور مضحکہ خیز بھی ہے اور رقت انگیز بھی۔ بہرحال گاندھی کچھ دیر جناح کا دکھتا ہوا پاؤں اپنے ہاتھوں میں لیے رہے، پھر بولے: ''میں سمجھ گیا کہ آپ کو کیا تکلیف ہے اور اس کی دوا کیا ہے۔ کل صبح میں وہ دوا آپ کو بھجوا دوں گا۔'' دوسری صبح ایک

چھوٹے سے ڈبے میں مٹی کا ایک مرکب جناح کے گھر پہنچ گیا۔ جناح نے اسے استعمال نہ کیا، لیکن جب گاندھی اگلی ملاقات کے لیے اُن کے یہاں گئے تو قائداعظم محمد علی جناح نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ وہ پہلے ایک اور دوا کھا چکے تھے اور اس سے انہیں آرام آ گیا تھا۔

سیاسی ہنگاموں کے اس زمانے میں قائداعظم محمد علی جناح کی دوستی لیاقت علی خاں اور ان کی حسین و ذہین بیوی رعنا سے بہت بڑھ گئی، اور قائداعظم محمد علی جناح ان مراسم سے بہت خوش معلوم ہوتے تھے۔ کبھی کبھی وہ اور ان کی ہمشیرہ لیاقت اور رعنا کے ساتھ سینما دیکھتے، یا گھر بیٹھ کر تاش کھیلتے۔ ایک دن برج کی ایک بازی کے بعد لیاقت علی خان نے ہمت کر کے قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی تنہائی کا ذکر چھیڑ دیا۔ جناح نے بیگم لیاقت علی کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولے:

''اگر مجھے کوئی اور رعنا مل گئی ہوتی تو شاید میں دوسری شادی کر لیتا۔''

جناح جب لیاقت علی خان یا اُن کی بیگم کو خط لکھتے تو عموماً یوں ختم کرتے:

''میرا دل تم دونوں کے ساتھ ہے۔''

قائداعظم کے ساتھ کام کرتے ہوئے لیاقت علی خاں کو اب دس برس ہو چکے تھے۔ اس دوران میں مسلم لیگ کا انتظام بڑی خوبی اور کامیابی سے ہوا اور اس کی مالی حالت بھی ٹھیک ہو گئی۔ قائداعظم محمد علی جناح کو لیاقت علی خاں پر پورا اعتماد تھا اور ان دونوں کی دوستی اور باہمی خوش مزاجی قائم تھی۔ اُن کے مزاج اور اُن کی صلاحیتیں ایک دوسرے سے خاصی مختلف تھیں، لیکن غالباً اسی اختلاف میں ان کی کامیاب دوستی اور اشتراک عمل کا راز مضمر تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح محض اپنی غیر معمولی صلاحیتوں اور اپنے کردار کی مضبوطی کے بل پر گمنامی سے نکل کر کامیابی کی بلند ترین منزلوں تک پہنچے تھے۔ اس کے برعکس لیاقت علی خاں جاگیرداروں کے طبقے کے فرد تھے۔ وہ طبعاً ہمدرد اور مخلص انسان تھے اور قیادت کی صلاحیت انہوں نے ورثے میں پائی تھی، مگر ذاتی اقتدار کی ہوس اُن میں نہ تھی۔''

کراچی اور لندن میں میں کئی مرتبہ بیگم لیاقت علی خاں سے ملا اور بیگم صاحبہ نے میرے ساتھ بیٹھ کر اس زمانے کی یاد تازہ کی جب قائداعظم اور ان کے شوہر کی دوستی پکی ہو رہی تھی۔ اُنہوں نے کہا:

''جب میں مسٹر جناح کو یاد کرتی ہوں تو سب سے پہلے یہ خیال آتا ہے کہ اُن کا جسمانی وجود کیسا بے داغ اور دوسروں سے کتنا الگ تھلگ تھا۔ اس کے ساتھ اُن کی حیرت انگیز بلکہ ناقابلِ یقین دیانت داری کی یاد آتی ہے۔ اس معاملے میں وہ حد سے گزر گئے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ انہیں دیانت داری کا خبط ہے، اور اپنے جسم کو وہ اس حد تک دوسروں سے دور رکھنا چاہتے تھے کہ بعض اوقات لوگوں سے مصافحہ کرنے سے بھی کتراتے تھے۔ میں نے سنا ہے کہ ایک دفعہ بلوچستان میں وہ ایک دعوت میں شریک ہوئے جہاں سینکڑوں آدمی اُن سے ملنے آئے تھے۔ وہاں ایک بوڑھے قبائلی سردار نے بڑھ کر ان سے ہاتھ ملانا چاہا۔ جناح نے یکایک اپنے علیحدگی کے جذبے سے مغلوب ہو کر کہا:

''اگر میں آپ سے مصافحہ کروں تو پھر باقی تمام

مہمانوں سے بھی ہاتھ ملانا پڑے گا، اور اس کے لیے میرے پاس وقت نہیں۔" اس قسم کی حرکتیں وہ اس لیے نہیں کرتے تھے کہ وہ بدتہذیب تھے یا دوسروں کو ذلیل کرنا چاہتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے جسمانی وجود کو بالکل آزاد اور انسانی روابط سے قطعاً بے نیاز رکھنا چاہتے تھے۔ بایں ہمہ وہ میرے شوہر کی اور میری صحبت میں خاصے بے تکلف ہو کر بیٹھتے تھے، اور وہاں اُس قسم کے ہنسی مذاق میں لطف لیتے تھے جیسا مدرسوں کے لڑکے آپس میں کیا کرتے ہیں، لیکن اپنے چند دوستوں کے محدود حلقے سے باہر وہ کسی سے بے تکلف نہیں ہو سکتے تھے۔

ان کی دیانت داری کا ذکر میں پہلے بھی کر چکی ہوں۔ جس طرح وہ اپنی زندگی میں انتہائی دیانت دار تھے اسی طرح میدانِ سیاست میں بھی ہر قدم نہایت دیانت داری سے اُٹھاتے۔ مجھے یاد ہے ایک زمانے میں مسلم لیگ میں یہ تحریک ہوئی کہ صدر کا سالانہ انتخاب ختم کر دیا جائے، اور جناح کو لیگ کا مستقل صدر مقرر کر دیا جائے۔ جناح نے سختی سے اس کی مخالفت کی: "ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ سالانہ انتخاب نہایت ضروری اور اہم ہیں۔ اگر میں صدر رہنا چاہتا ہوں تو میرا فرض ہے کہ میں ہر سال آپ کے سامنے حاضر ہو کر آپ سے اعتماد کا ووٹ حاصل کروں۔"

جن لوگوں کو جناح سے سابقہ پڑتا تھا ان سے وہ بعض وقت اکھڑپن سے پیش آتے تھے لیکن اس اکھڑپن کی اصل وجہ بھی یہی تھی کہ وہ انتہائی دیانت دار تھے اور تصنع اور ظاہر داری سے بالکل پاک تھے۔ ایک مرتبہ مسلم لیگ کے کچھ ممبروں نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ گاندھی کی طرح وہ بھی ریل میں تیسرے درجے میں سفر کیا کریں۔ یہ سن کر جناح سخت برہم ہوئے اور کہا: "آپ مجھے یہ حکم نہیں دے سکتے کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ میں آپ کا روپیہ خرچ نہیں کر رہا۔ میں اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کروں گا اور جو خود چاہوں گا وہی کروں گا۔"

جناح کے ذہن میں کسی قسم کا الجھاؤ نہ تھا اور وہ ریاکاری اور لغویت سے یکسر پاک تھا۔ اُن کی یہی صفت دوسروں کو متعجب کر دیتی تھی اور اُن کا گرویدہ بنا لیتی تھی۔ کسی مصنف یا شاعر نے آنکھوں کے لیے "سچائی کے دو چراغوں" کی تشبیہ استعمال کی ہے۔ جناح کی آنکھوں کے لیے تشبیہ بہت ہی موزوں ہے۔ صرف دیانت دار لوگ ان سے آنکھ ملا کر بات کر سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ میرے شوہر آخر تک ان کے دوست اور معتمد رہے۔ آپ کو بعض لوگ ایسے بھی ملیں گے جو اس "ناقابل تقسیم وحدت" کو تقسیم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قیامِ پاکستان کے بعد جناح اور لیاقت میں وہ پہلی سی ہم آہنگی نہ رہی اور اگر جناح کا بس چلتا تو وہ لیاقت کی مدد کے بغیر اپنا راستہ الگ بناتے۔ یہ خیال بالکل غلط اور لغو ہے، اور اس کی تردید کے لیے صرف ایک واقعہ بیان کرنا کافی ہوگا۔ 1939ء میں جب جناح بمبئی میں تھے، انہوں نے اپنی وصیت لکھی۔ اس کے ایک ضمیمے کے سوا انہوں نے اس وصیت میں کبھی کوئی ترمیم نہ کی۔ انہوں نے میرے شوہر کو اپنے وصیوں میں شامل کیا لیکن یہ بات انہیں نہ بتائی۔ اس کے بعد جناح قریب نو سال زندہ رہے لیکن انہوں نے اس فیصلے پر نظر ثانی کی ضرورت نہ سمجھی۔ ایک مرتبہ انہوں نے میرے شوہر کو اپنا "دست راست" کہا تھا، یہ قت

آخر دم تک ان کے دستِ راست رہے۔

اپنی بے پناہ دیانت داری کے علاوہ جناح میں دوسروں کو متاثر کرنے کی غیر معمولی صلاحیت تھی۔ وہ جب کسی فرد یا مجمعے کو متاثر کرنے کا تہیہ کر لیتے تو بالآخر اُس پر چھا جاتے تھے۔ میں نے کئی مرتبہ انہیں انگلی اٹھا کر کسی سے یہ کہتے سنا: ''تم مہمل باتیں کر رہے ہو اور خود نہیں سمجھتے کہ کیا کہ رہے ہو۔'' اس سرزنش پر ان کا مخاطب ہمیشہ چپ ہو کر بیٹھ جاتا، لیکن اُن کے سحر کارانہ اندازِ خطاب کی اصل شان اس وقت ظہور میں آتی جب وہ کسی بڑے مجمعے میں تقریر کرتے۔ یہاں وہ اپنا یک چشمہ اکثر استعال کرتے۔ پہلے وہ اُسے آنکھ پر لگاتے، پھر ہٹا کر بولنا شروع کرتے۔ اُن کے اور اُن کے سامعین کے درمیان غیر زبان کی بڑی اونچی دیوار حائل تھی، کیونکہ وہ انگریزی میں تقریر کرتے تھے اور اکثر سامعین انگریزی سے بالکل ناواقف ہوتے، لیکن اس کے باوجود لوگ شوق سے ان کی تقریر سنتے اور اس کا ایسا اثر اُن پر ہوتا جیسے کسی نے جادو کر دیا ہو۔''

(پاکستان کا بانی محمد علی جناح از ہیکٹر بولائتھو، مترجم زبیر صدیقی مطبوعہ اردو سائنس بورڈ، لاہور)

جناح، گاندھی گفتگو

◆ اس کتاب کو سید شمس الدین نے تحریر کیا اور اسے 1944ء میں مسلم لیگ پریس نے دہلی سے شائع کیا۔ صفحات کی تعداد 153 ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح پر لکھی جانے والی کتابوں میں اس کا شمار ابتدائی کتب میں ہوتا ہے۔

◆ قائداعظم نے کتنی بازیاں جیتیں

20 اکتوبر 1944ء کو لارڈ لنلتھگو وائسرائلٹی کے عہدے سے دست بردار ہوئے۔ وائسرائے کے لیے پانچ سال میعاد خدمت معین تھی مگر یہ سات سال چھ ماہ ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر جنرل رہے۔ ان کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ہر پارٹی کے لیڈروں کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے کہ ان کے دلوں میں امیدیں پیدا ہو جاتی تھیں، لیکن وہ اپنا اختیار برتنے میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے۔ مسٹر گاندھی ویسٹ منسٹر کی تباہی کا تصور کر کے ان کے سامنے روئے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ جنگ کے زمانے میں کانگریس، حکومت کے خلاف کوئی جارحانہ عمل نہیں کرے گی۔ لارڈ لنلتھگو نے مسٹر گاندھی کو اپنا دوست کہا اور مسٹر گاندھی نے ضرورت کے وقت ان کو یہ یاد بھی دلایا مگر وہ کسی ایسی کارروائی پر رضا مند نہیں ہوئے کہ دوران جنگ میں کانگریس ملک کا اختیار حاصل کر کے قابو سے باہر ہو جاتی۔

لارڈ لنلتھگو مسلم لیگ اور مسلمانوں کی طاقت کا خاصہ اندازہ تھا، انہوں نے مسلم لیگ کے لیڈر کی واجبی اہمیت تسلیم کی اور جس طرح مسٹر گاندھی کو ہندوؤں کی طرف سے اہتمام جنگ میں تعاون کے لیے دعوت دی، صدر مسلم لیگ کو بھی انہوں نے بلایا۔ کانگریس نے وزارتوں سے استعفیٰ دے دیا۔ کانگریس نے انفرادی سول نامتابعت کی۔ اس نے وہ عام سول نامتابعت کی جس میں صرف تشدد تھا، اور فتنہ وفساد۔ اس کی پاداش میں کانگریس کے لیڈر گرفتار اور نظر بند ہوئے اور کانگریس خلاف قانون قرار پائی۔ کانگریس نے یہ تمام حرکتیں دھمکی کے طور پر شروع کیں۔ اس کے لیڈروں کو یہ یقین نہیں تھا کہ دوران جنگ میں حکومت برطانیہ کانگریسی وزارتوں کا استعفیٰ منظور کرے گی۔ ان کو یہ اندیشہ نہیں تھا کہ سول نامتابعت کے خلاف اس زمانے میں حکومت کوئی سخت کارروائی کرے گی۔ جب جاپانی فوجیں ہندوستان کی سرحد عبور کرنے کے لیے تیار کھڑی تھیں، مگر کانگریسی لیڈروں کے یہ تمام تخمینے غلط

تھے۔انہوں نے یہ سب سیاسی حماقتیں کیں۔

مسلم لیگ کے لیڈر کا طرز گفت وشنید مسٹر گاندھی اور دوسرے کانگریسی لیڈروں سے مختلف تھا۔ان کو اپنی طاقت کا اندازہ تھا۔ان کو حکومت برطانیہ کی طاقت کا اندازہ تھا۔وہ ایسی دھمکی دینا لغو سمجھتے تھے۔جو کامیابی کے یقین کے ساتھ عملی صورت اختیار نہ کرے۔قائداعظم اخلاص کے ساتھ یہ ضروری سمجھتے تھے کہ سرگرمی اور قوت سے ملک کا دفاع کیا جائے۔وہ اس کے ہرگز حامی نہیں تھے کہ ہندوستان میں جاپان اور جرمنی کا استقبال اور خیر مقدم ہو۔وہ ان کو دشمن ہی مانتے تھے، لہٰذا انہوں نے مسلم لیگ کے دائرہ اثر کے اندر خفیہ یا بالاعلان یہ کبھی مشورہ نہیں دیا کہ ملک کے دفاع کی سعی میں کوئی کمی کی جائے۔ وہ یہ خوب جانتے تھے کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کی میعاد پوری ہو چکی ہے۔اس کو اب جانا ہی پڑے گا، اور جو نیا آئے گا وہ یہاں اپنے قدم جمائے گا۔اس لیے وہ مدافعت کے لیے سعی کے حامی تھے، لیکن پھر بھی مسلم لیگ نے اس سعی کی ذمہ داری قبول نہیں کی۔اس نے خود عملاً اس میں حکومت کے ساتھ تعاون نہیں کیا۔ یہ محض اس وجہ سے کہ حکومت نے اختیار اور نیابت میں مسلم لیگ کو دوسری پارٹیوں کے ساتھ وہ مساوی حصہ نہیں دیا جو وہ مرکز اور صوبوں کی حکومتوں میں چاہتی تھی، البتہ قائداعظم نے گفت وشنید میں لارڈ لنلتھگو سے کئی بازیاں جیتیں۔انہی سے، قائداعظم نے یہ تسلیم کرایا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ انجمن ہے۔ انہی سے انہوں نے وہ فیڈریشن منسوخ کرائی۔جس کی کامیابی کا بڑا بیڑا اٹھا کر لارڈ لنلتھگو انگلستان سے ہندوستان آئے تھے۔ان ہی سے اور ان ہی کی وساطت سے قائداعظم نے یہ اعلان کرایا کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے ہر جزو کی اور اس پالیسی اور پروگرام کی جس پر وہ مبنی ہے جنگ کے بعد نظرثانی کی جائے گی، اور بالآخر یہ کہ کوئی دستور اور کوئی قانون وہ عبوری دور کے لیے ہو یا مستقل کے لیے بغیر مسلمانوں کے مشورے اور منظوری کے نہ حکومت برطانیہ منظور کرے گی نہ اس کا اعلان کرے گی اور نہ اسے نافذ کرے گی۔

اس کے بعد مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے انہوں نے ایسی طاقت اور ایسے زور سے پاکستان کا مطالبہ پیش کیا کہ جو اس سے انکار کرتا تھا، وہ بھی خواہ مخواہ اس کو کم از کم اصولاً ضرور تسلیم کر لیتا تھا۔ لارڈ لنلتھگو کے زمانے ہی میں سر اسٹیفورڈ کرپس وزارت جنگ کی طرف سے گفت وشنید کے لیے آئے، اور وہ کانگریس کے بڑے دوست تھے۔ان کی تجاویز کا مقصد اکھنڈ ہندوستان اور اکھنڈ ہندوستان کی فیڈریشن تھا، مگر پاکستان کو ناممکن ثابت کرنے کی سعی میں ان ہی نے پاکستان کا اصول تسلیم کیا۔ بالآخر ان کو نامراد اور ناکام واپس جانا پڑا۔کانگریس نے بھی ان کی تجاویز مسترد کیں اور مسلم لیگ نے بھی مگر پاکستان ان ہی تجاویز کے ذریعے سے ایک منزل اور آگے بڑھ گیا۔

لارڈ لنلتھگو گئے، ان کی جگہ فیلڈ مارشل لارڈ ویول تشریف لائے۔ جنگ کا رخ بدل چکا تھا۔اب اتحادی جیت رہے تھے اور یہ یقین ہو گیا تھا کہ بالآخر ان ہی کی فتح ہو گی۔ لارڈ ویول بھی متحدہ ہندوستان ہی کا نعرہ بلند کرتے ہوئے آئے۔انہوں نے 17 فروری کو مرکزی مجلس واضعان قانون کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں فرمایا:

''آپ جغرافیہ تبدیل نہیں کر سکتے۔ ہندوستان قدرتی وحدت ہے۔''

یقیناً مسلم لیگ کو اور مسلمانوں کو یہ ناگوار ہو اور سخت ناگوار۔اس پر قائداعظم نے فرمایا:

''لارڈ ویول کانگریس کے سمندر سے مچھلیاں پکڑ رہے ہیں۔''

مسلم اکثریت صوبے اور مسلم لیگ

1937ء کے عام انتخابات تک، عوامی پیمانے پر اور نئے دستور کے مطابق جو 1937ء کے سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں وضع ہوا تھا، مسلم لیگ کی تنظیم بھی نہیں ہوئی تھی۔ مسلم اکثریت کے صوبوں میں ان انتخابات کے لیے پہلے سے پارٹیاں قائم ہو چکی تھیں۔ جو وزارتوں کے خواہش مند تھے۔ ان کو ہندوستان کے حال اور مستقبل سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ صرف اپنے اقتدار اور اختیار کے لیے کوشاں تھے۔ کسی کو یہ اعتماد نہ تھا کہ مسلم لیگ الیکشن میں کامیاب ہو گی۔ انتہائی بات یہ ہوئی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سیکرٹری نواب زادہ لیاقت علی خان نے آزاد (انڈیپینڈنٹ) امیدوار کی حیثیت سے، یو پی کی اسمبلی کی رکنیت کے لیے الیکشن لڑا اور کامیاب ہوئے۔ اگرچہ پھر جلد ہی وہ مسلم لیگ پارٹی میں شریک ہو گئے۔

شمال میں پنجاب، مسلم اکثریت کا سب سے بڑا صوبہ تھا۔ یہاں انتخابی حلقوں کی تقسیم اس انداز سے تھی کہ مجلس واضعان قانون میں شہری علاقے کی کم اور دیہاتی علاقے کی نیابت زیادہ تھی۔ اس لیے صوبے کی اسمبلی پر انہی لوگوں کا قبضہ رہتا تھا جن کو زمین کی ملکیت حاصل تھی۔ پنجاب میں الیکشن کے لیے یونینسٹ پارٹی قائم تھی۔ مسمانوں نے یونینسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑے۔ مسمم لیگ کو بہت تھوڑی کامیابی ہوئی مگر مسلم اقلیت کے صوبوں میں بہت اچھی۔ یہ نظر آنے لگا کہ مسلم لیگ ترقی کرے گی۔ لکھنؤ کے سالانہ اجلاس تک مسلمانوں میں اس کے لیے خاصہ جوش پیدا ہو گیا تھا۔ دوران اجلاس میں سر سکندر حیات خان اور ان کے چند رفقاء لکھنؤ آئے، اجلاس میں شریک ہوئے، اور انہوں نے یہ وعدہ کیا کہ اپنی پارٹی کے مسمانوں کو مسلم لیگ کی رکنیت قبول کرنے کے لیے سمجھائیں گے۔ ان کا ماضی الضمیر یہ تھا کہ ان پر اعتماد کیا جائے اور ان مسلمانوں کے معاملے میں جلدی نہ کی جائے جو یونینسٹ پارٹی میں شریک ہو سکتے ہیں، مگر سکندر حیات خان صاحب لیگر کی حیثیت سے پنجاب واپس گئے اور قائداعظم کو یہ یقین دلا کر کہ یونینسٹ پارٹی کے تمام مسمان مسلم لیگ پارٹی میں شریک ہو جائیں گے۔

یونینسٹ پارٹی چلتی رہی اور اس طرح مسلم اکثریت کے دوسرے صوبوں کی حکومتیں اور ان کی مختلف پارٹیاں بھی، لیکن جیسے جیسے عوام میں مسلم لیگ کی مقبولیت بڑھی ان صوبوں میں مسلم لیگ کے ارکان کی تعداد بھی بڑھی۔ ضمنی انتخابات میں ہر نشست مسلم لیگ نے جیتی۔ اگر دوسری مرتبہ عام انتخابات ہو گئے ہوتے تو پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کا وجود باقی نہ رہتا۔ جنگ کی وجہ سے یہ نہ ہو سکا، اور 1944ء تک پنجاب میں یونینسٹ پارٹی حکومت پر قابض رہی۔ اس کے بعض ارکان مسلم لیگ کے عام ممبر بن گئے ہوں۔ مگر مجلس واضعان قانون میں وہ یونینسٹ ہی کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ یہ مسلم لیگ کے مقاصد کے خلاف تھا۔ قائداعظم نے یہ ضروری سمجھا کہ یہ نام تبدیل کیا جائے، اور تمام مسلمان مسلم لیگ پارٹی میں ہوں۔

افسوس ہے کہ 1943ء میں سر سکندر خان کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ خضر حیات خان پارٹی کے لیڈر بنے۔ قائداعظم نے ان سے پارٹی کا نام بدلنے کے لیے کہا مگر انہوں نے گریز کیا اور یونینسٹ پارٹی کی تائید میں ایسا طرز عمل اختیار کیا جو لیگر کے لیے زیبا نہ تھا، بالآخر مسلم لیگ کو ان کے خلاف تادیبی کارروائی کرنی پڑی، اور وہ مسلم لیگ سے نکالے گئے۔ مسمم لیگ کے لیے یہ ایک مہم پیدا ہو گئی کہ یونینسٹ پارٹی کو ختم کر کے، پنجاب میں مسلم لیگ کی گورنمنٹ قائم کرے۔

وائسرائے گاندھی خط و کتابت

لارڈ ویول کی آمد پر کانگریس اور ہندوؤں کی دوسری سیاسی

پارٹیوں میں سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ مرکزی اسمبلی کے اجلاسوں میں کانگریس پارٹی پھر شریک ہونے لگی۔ مسلم لیگ پارٹی اور کانگریس پارٹی کے درمیان ان اجلاسوں میں تعاون ہوا۔ اس اتحاد کی قوت سے گورنمنٹ کو کئی شکستیں ہوئیں۔ یہاں تک کہ مالی مسودہ (بجٹ) بھی مسترد کر دیا گیا۔ کانگریس کے لیڈر مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے مرکزی اسمبلی میں اہتمام و سعیِ دفاع کے معاملے میں مسلم لیگ کی پالیسی کا اتباع کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنے ملک کے دفاع کے خلاف نہیں ہوں، لیکن میں ان محصولات کی تائید میں رائے دینے کا حامی بھی نہیں ہوں۔ جن کے خرچ پر مجھے کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہ وہی بات تھی جو قائداعظم اس سے بہت پہلے کہہ چکے تھے۔

مسٹر گاندھی نے وائسرائے کو خط لکھا۔ اس میں کانگریس کی طرف سے انہوں نے یہ صفائی پیش کی:

> ''اس پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں وہ ان سے بالکل بری ہے۔ اس جنگ سے چونکہ تمام اقوام کا مستقبل خطرے میں ہے، اس لیے تمام بنی نوع انسان کا، لہٰذا آئندہ کے دعوے بے فائدہ ہیں۔ اگر اس جنگ کو دنیا کے امن پر ختم ہونا ہے تو جو اس وقت کیا جائے وہی بات قطعی ہے، اس لیے حقیقی سعیِ جنگ کے معنی ہندوستان کے مطالبات کی تعمیل ہونے چاہئیں ''ہندوستان چھوڑو اور جاؤ'' کا نعرہ اس مطالبے کا صاف صاف اظہار ہے۔ اس کے وہ زہریلے معنی نہیں ہیں، جو حکومت ہند نے بلاسبب جواز اس کو پہنا دیے ہیں۔''

وہ تار کاٹنا، ریل کی پٹریاں اکھاڑنا، سرکاری عمارتوں میں آگ لگانا، سرکاری ملازمین پر قاتلانہ حملے، سب گویا ہندوستان کے مطالبے کا صاف صاف اظہار تھا۔ یہ نہ بغاوت تھی نہ تشدد تھا۔ اس کے بعد مسٹر گاندھی اور وائسرائے کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ وسط اپریل 1944ء میں گاندھی جی کو جاڑا بخار آیا اور وہ ذرا شدید تھا۔ اس لیے ان کو بلاشرط رہا کر دیا گیا۔

17 جون کو مسٹر گاندھی نے وائسرائے کو خط لکھا۔ اس میں انہوں نے یہ اجازت چاہی کہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ارکان سے ملیں اور ان سے گفتگو کر کے یہ طے کریں کہ اب نیا طریقہ کار کیا ہو اور پھر تندرست ہونے کے بعد خود وائسرائے سے ملیں۔ وائسرائے نے انکار کر دیا، مگر ساتھ ہی یہ امید دلائی کہ بالکل تندرست ہونے کے بعد اگر وہ ہندوستان کی فلاح کے لیے کوئی معین اور تعمیری پالیسی تجویز کریں گے تو وائسرائے ان کی درخواست پر غور کریں گے۔

لیکن گاندھی جی اب تندرست بھی تھے اور سرگرمی کے ساتھ کام میں مصروف بھی۔ انہوں نے مسٹر گیلڈر، نامہ نگار اخبار نیوز کرانیکل لندن سے گفتگو کی جو 11 جولائی کو بمبئی کے مشہور اخبار ٹائمز آف انڈیا میں چھپی۔ دوسرے روز پریس کانفرنس میں انہوں نے وہ تحریر دی جو گیلڈر سے گفتگو کے بعد انہوں نے مرتب کی تھی۔ اسی پریس کانفرنس میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے یہ اجازت نہیں دی تھی کہ وہ گفتگو جو ملاقات کے دوران میں ہوئی تھی اس طرح شائع کی جائے یا اس کا مفہوم شائع کیا جائے، بلکہ میں نے گیلڈر سے یہ کہا تھا کہ ان کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ دہلی جائیں۔ اگر وائسرائے سے مل سکیں تو ٹھیک ان کو یہ بتائیں کہ مسٹر گاندھی کس روش پر سوچ رہے ہیں۔

گیلڈر سے ملاقات کے دوران میں مسٹر گاندھی نے جو گفتگو کی تھی اور جس سے وہ وائسرائے کو مطلع کرنا چاہتے تھے اس کا مفہوم یہ تھا:

> ''ورکنگ کمیٹی سے مشورہ کیے بغیر مسٹر گاندھی کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر وہ وائسرائے سے ملتے تو ان کو یہ

قائداعظم محمد علی جناحؒ اور مہاتما گاندھی ایک میٹنگ میں جاتے ہوئے

بتاتے کہ وہ اہتمام جنگ میں اتحادیوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اس میں رکاوٹیں ڈالیں۔ اب ان کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ سول نامتابعت کریں۔ تاریخ کا اعادہ نہیں ہوسکتا۔ وہ ملک کو 1941ء میں واپس نہیں لاسکتے۔ دنیا دو برس کے اندر بہت آگے بڑھ گئی ہے، اور پوری صورت حال پر از سر نو غور ہونا چاہیے۔ آج وہ اس سے مطمئن ہو جائیں گے کہ ایسی نیشنل گورنمنٹ قائم ہوتو وہ کانگریس کو مشورہ دیں گے کہ اس میں شریک ہو جائے۔ وہ مرکزی اسمبلی کے منتخب ارکان پر مشتمل ہوگی۔ فوج کو جن سہولتوں کی ضرورت ہوگی وہ اس کو بہم دیں گی لیکن اختیار قومی گورنمنٹ کا ہو گا۔ آرڈیننسوں کے ذریعے سے جو حکومت ہو رہی ہے۔ اس کی جگہ معمولی انتظام قائم ہو جائے گا۔ وائسرائے رہے گا، مگر وہ ایسا ہوگا جیسا انگلستان کا بادشاہ۔ یعنی ذمہ دار وزرا کے مشورے پر عمل کرے گا۔ نیابی حکومتیں آپ سے آپ صوبوں میں قائم ہو جائیں گی۔ فوجی سرگرمیاں بالکل وائسرائے اور کمانڈر انچیف کے اختیار میں ہوں گی، مگر قومی گورنمنٹ کے مشورے اور تنقید کے ساتھ۔ اس طرح دفاع کا شعبہ نیشنل گورنمنٹ کے ہاتھ میں رہے گا۔ جس کو اخلاص کے ساتھ ملک کے دفاع کی فکر ہوگی، اور جو پالیسیاں معین کرنے میں بڑی مدد کر سکے گی۔ اتحادی افواج کو اس کی اجازت ہوگی کہ ہندوستان کی زمین پر اپنی عسکری سرگرمیاں جاری رکھیں، مگر ان مہمات کا خرچ ہندوستان برداشت نہیں کرے گا۔

یہ پوری اسکیم اور مطالبات بالکل وہی تھے جنہیں پہلے حکومت برطانیہ نے مسترد کر دیا تھا، اور جس پر بگڑ کر کانگریس نے وہ عام سول نامتابعت شروع کی تھی جس کا نعرہ ''ہندوستان چھوڑو اور جاؤ تھا'' مگر دوسرے الفاظ میں یہ نہایت ہی حیرت انگیز ہے کہ مسٹر گاندھی یہ سمجھ لیتے تھے کہ وائسرائے اور حکومت برطانیہ ان کی لفظی چکموں میں آجائیں گے۔''

اس اسکیم کی اشاعت پر جو نہ کسی کی غلط فہمی سے ہوئی اور نہ اتفاق سے بلکہ مسٹر گاندھی کی تدبیر اور اہتمام ہی سے ہوئی۔ مسٹر گاندھی نے 15 جولائی کو وائسرائے کے نام خط لکھا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ گلیڈر سے دوران ملاقات میں مسٹر گاندھی نے جو کہا تھا اس کی مستند رپورٹ وائسرائے نے پڑھ لی ہوگی۔ اس پر انہوں نے افسوس کیا کہ وہ قبل از وقت شائع ہوگئی۔ جو صرف وائسرائے کو دکھانے کے لیے تھی، لیکن اس کی وجہ سے اگر وائسرائے ان کی دو درخواستوں میں سے ایک منظور کرلیں تو یہی اشاعت مبارک ثابت ہوسکتی ہے، یعنی یہ کہ مسٹر گاندھی کو یہ اجازت دے دیں کہ وہ ورکنگ کمیٹی کے ارکان سے مل لیں۔ یا خود وائسرائے مسٹر گاندھی سے ملاقات کریں۔

اس کے جواب میں وائسرائے نے مسٹر گاندھی کو لکھا کہ گیلڈر کی ملاقات کی رپورٹ پر اظہار رائے سے کوئی فائدہ نہیں، لیکن اگر مسٹر گاندھی کوئی معین اور تعمیری پالیسی پیش کریں تو وہ اس پر غور کریں گے۔ مسٹر گاندھی نے 27 جولائی کے خط میں گلیڈر ہی کی ملاقات کا خلاصہ وائسرائے کو لکھ کر بھیج دیا جو یہ تھا:

''اگر ہندوستان کی کامل آزادی کے لیے فوراً اعلان کر دیا جائے اور ایسی قومی گورنمنٹ قائم کر دی جائے جو مرکزی اسمبلی کو جواب دہ ہو اور اس شرط کے ساتھ کہ دوران جنگ میں فوجی قیادت اسی طرح جاری رہیں جس طرح کہ اس وقت ہوں، لیکن ہندوستان پر ان کے خرچ کا کوئی بار نہ ہوتو وہ اس کے لیے تیار ہیں کہ ورکنگ کمیٹی کو سول نامتابعت ترک اور سعی و اہتمام

جنگ میں پورا تعاون کرنے کا مشورہ دیں۔"

اس کے دوسرے ہی روز یعنی 28 جولائی کو دارالعوام میں ہندوستان پر بحث ہوئی۔ وزیر ہند نے دورانِ تقریر کہا:

"مسٹر گاندھی کے بیانات اور اخباری نمائندوں سے ان کی گفتگو ابہام اور ذہنی اخفا سے پاک نہیں ہے لیکن ان کا ایک مرکزی مطالبہ ایسا ہے جس میں کوئی الجھاؤ نہیں ہے۔ وہ مطالبہ یہ ہے عارضی حکومت کے تحت ہندوستان کی کامل آزادی فوراً تسلیم کی جائے، اور وائسرائے کے لیے صرف وہ اختیارات محفوظ رہیں جو فوجی مہمات سے متعلق ہیں۔ وہ تمام اختیارات جو اس کے لیے ضروری ہیں کہ شعبہ انتظام کی مختلف سرگرمیاں اور سعی و اہتمام جنگ کے تمام کام مربوط رہیں اور نیز وہ جو اقلیتوں کی آئینی حیثیت کے تحفظ کے لیے ضروری ہیں ختم ہو جانے چاہئیں۔ یہ بالکل وہی مطالبہ ہے جس پر دو برس ہوئے کانگریس سے گفت وشنید منقطع ہوئی تھی۔ اس میں ایک مطالبہ یہ بھی ہے کہ ہندوستان اپنے دفاع کا خرچ برداشت نہیں کرے گا۔ جب تک ان کی مفید گفتگو کا انہیں نقطہ آغاز قرار دیا جائے، خواہ وہ لارڈ ویول کے ساتھ ہو یا ان کانگریسی لیڈروں کے ساتھ جو قید ہیں۔ یہ کسی معنی میں وائسرائے کی اس دعوت کا جواب نہیں کہ مسٹر گاندھی تعمیری تجاویز پیش کریں۔"

وزیر ہند نے اس بات کو یہاں ختم کیا کہ وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے کہ یہ امید کی جائے کہ وہ وقت آئے گا جب ہمارے سامنے ایسی تجاویز ہوں گی جو ان حالات کے مطابق نہیں جو یک طرفہ طور پر مسلط کیے گئے ہوں، بلکہ اس وجہ سے ناگزیر ہوں گی کہ ہندوستان پر سرد جنگ ہے، اور کوئی متفقہ دستور نظروں کے سامنے نہیں ہے۔

15 اگست کو وائسرائے نے گاندھی جی کو جواب دیا۔ انہوں نے بھی وہی بات کہی کہ گاندھی جی کی یہ تجاویز بھی ویسی ہی ہوں جیسی کانگریس کے صدر نے اپریل 1942ء میں اسٹیفورڈ کرپس کو پیش کی تھیں، اور ان ہی وجوہ کی بنا پر مسترد کی گئی تھیں جو ملک معظم کی گورنمنٹ نے اب بیان کی ہیں۔ برطانیہ نے ہندوستان کو جو یہ پیش کش کی تھی کہ جنگ کے بعد آزادی دی جائے گی اس میں یہ شرط عائد کر دی گئی تھی کہ ایسا دستور وضع ہو جس پر ہندوستان کے تمام بڑے قومی عنصر متفق ہوں اور برطانیہ کے ساتھ ایک معاہدے پر گفت وشنید ہو۔ ان شرائط کا مقصد یہ تھا کہ ان پابندیوں کا جو دیسی ریاستوں کے حق میں ہیں: اگر گورنمنٹ کو مرکزی اسمبلی کے حق میں ذمہ دار ہونا ہے تو اس کے لیے دستور تبدیل کرنے کی ضرورت ہو گی اور یہ دورانِ جنگ میں ناممکن ہے۔ جب تک جنگ ختم ہو، دفاع اور فوجی مہمات کی ذمہ داری گورنمنٹ کی دوسری ذمہ داریوں سے الگ نہیں کی جا سکتی، اور جب تک نیا دستور نافذ العمل نہ ہو تمام ذمہ داری حکومت برطانیہ اور گورنر جنرل کے پاس رہنی چاہیے۔ اخراجات جنگ میں ہندوستان کے حصے کے متعلق یہ ہے کہ موجودہ مالی انتظامات کے سلسلے میں کوئی گفتگو یا حکومت برطانیہ کر سکتی ہے یا حکومت ہند۔ اس کا خیر مقدم کیا جائے گا کہ ہندو، مسلمان اور دوسری اہم اقلیتیں اسی موجودہ دستور کے ماتحت جیسا کہ وہ ہے عبوری حکومت میں تعاون کریں، لیکن ایسی گورنمنٹ کی کامیابی کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان عنصر کے درمیان اصولاً اس پر اتفاق ہو جائے کہ وہ کیا طریقہ ہو گا جس کے مطابق نیا دستور وضع کیا جائے۔"

وائسرائے کے جواب پر مسٹر گاندھی نے یہ فرمایا:

"یہ بات آئینے کی طرح صاف ہے کہ حکومت برطانیہ نہیں چاہتی کہ وہ اختیار اپنے ہاتھ سے دے جو اس کو چالیس کروڑ انسانوں پر حاصل ہے۔ تاوقتیکہ کہ یہ

چالیس کروڑ اس سے اسے چھیننے کی طاقت پیدا نہ کر لیں۔"

اس طرح حکومت برطانیہ اور وائسرائے نے مسٹر گاندھی سے گفت و شنید کا دروازہ بند کر دیا، مگر اس گفت و شنید کا ایک دوسرا دلچسپ پہلو اور بھی ہے جو مسٹر گاندھی نے 17 جون کے خط سے وائسرائے کے ساتھ شروع کی تھی۔

سمجھوتے کی عجیب بنیاد

مسٹر راج گوپال اچاریہ نے 8 اپریل کو نئی دہلی سے قائداعظم کو خط لکھا جس میں ان کو یہ اطلاع دی:

"میں نے مارچ 1943ء میں گاندھی جی سے ہندو مسلم سمجھوتے کی ایک بنیاد پر گفتگو کی تھی، جو انہوں نے بالکل منظور کی اور مجھ کو یہ اختیار دیا کہ اگر میں آپ کو یہ سمجھا سکوں کہ یہ تجاویز سب کے لیے منصفانہ ہیں اور حق کے مطابق تو آپ پر یہ ظاہر کر دوں کہ وہ ان کو منظور کر چکے ہیں، چونکہ گورنمنٹ نے وہ پابندیاں ہٹانے سے انکار کر دیا ہے جو کسی نئے سمجھوتے کی گفتگو کرنے کے معاملے میں ان پر عائد ہیں، اس لیے یہ میں آپ کو ان کی طرف سے لکھ رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اس سے اس الجھن کا قطعی تصفیہ ہو جائے گا جس میں بدنصیبی سے ہم مبتلا ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اب اس پر اچھی طرح غور فرمائیں گے کہ یہ تجاویز کس قدر منصفانہ اور عادلانہ ہیں۔"

اس کے بعد 17 اپریل کو مسٹر راج گوپال اچاریہ نے قائداعظم کو دوسرا خط لکھا اس میں یہ تھا:

"جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس سے مجھ کو بڑی مایوسی ہوئی کہ آپ وہ شرط منظور نہ کر سکے۔ اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ آپ نے اس معاملہ پر دوبارہ غور کیا تو میں آپ کا ممنون ہوں گا۔"

پھر انہوں نے 30 جون کو قائداعظم کے نام تار بھیجا:

"اس معاملے کے متعلق جس پر میں نے آپ سے 8 اپریل کو بالمشافہ گفتگو کی تھی مجھے میرے 17 اپریل کے خط کا جواب نہیں ملا۔ میں اب گاندھی جی سے ملا۔ وہ اب تک اس فارمولے پر قائم ہیں جو میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ میں پسند کرتا ہوں کہ وہ فارمولا اور آپ کا جواب شائع کر دوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر آپ اپنے اسے مسترد کرنے کے فیصلے پر دوبارہ غور فرمائیں۔"

یہ تار پنچگنی سے آیا جہاں مسٹر گاندھی مقیم تھے۔ اس کے جواب میں قائداعظم نے سری نگر سے 2 جولائی کو مسٹر راج گوپال اچاریہ کے نام مندرجہ ذیل تار بھیجا:

"آپ کی اس خواہش کے جواب میں کہ فارمولہ شائع کر دیا جائے۔ یہ عرض ہے کہ ہماری گفتگو کے متعلق آپ کا یہ غلط بیان کہ میں نے اسے مسترد کر دیا غیر منصفانہ اور حیرت انگیز ہے۔ واقعات یہ ہیں کہ اگرچہ اس میں کسی ترمیم کی اجازت نہ تھی مگر پھر بھی میں اس کے لیے رضامند تھا کہ اس کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے پیش کر دوں لیکن آپ اس کی اجازت دینے کے لیے راضی نہیں ہوئے اس لیے کوئی مزید کارروائی نہیں کی گئی۔ اس پر میرا تاثر یہ تھا کہ میں ذاتی طور پر اسے قبول یا مسترد کرنے کی ذمہ داری نہیں لے سکتا اور میری روش اب بھی وہی ہے۔ اگر مسٹر گاندھی نے اب مجھے براہ راست کوئی تجویز بھیجی تو میں اس کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے پیش کرنے کے لیے رضامند ہوں۔"

اس کے جواب میں 4 جولائی کو پچگنی سے مسٹر راج گوپال اچاریہ نے تار بھیجا:

''آپ میرا فارمولہ منظور کرنے کے لیے تیار نہ تھے لیکن اس کے لیے رضامند تھے کہ اس کو مسلم لیگ کی کونسل کے سامنے پیش کر دیں۔ میرے خیال میں اس طریقہ کار سے اس وقت تک کوئی مفید مقصد پورا نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو آپ کی تائید حاصل نہ ہو۔''

قائداعظم نے 5 جولائی کے تار میں مسٹر راج گوپال اچاریہ کو مطلع کیا کہ میں اپنے 2 جولائی کے تار سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

مسٹر راج گوپال اچاریہ نے 8 جولائی کو تار دیا:

''آپ کا 5 جولائی کا تار وصول ہوا۔ اس کے ساتھ ہی نجی گفت وشنید ختم ہو گئی۔ اب میں یہ مراسلت شائع کر رہا ہوں جو 5 جولائی تک ہوئی ہے۔''

مسٹر راج گوپال اچاریہ نے اپنا فارمولا قائداعظم کے ساتھ مراسلت اور یہ اعلان کہ مسٹر گاندھی نے فارمولا مسترد کر دیا، شائع کیا، اس کے ساتھ ہی ہندو اخبارات میں قائداعظم محمد علی جناح کے خلاف بدکلامی شروع ہوئی اور غوغا مچ گیا۔ ''غرور کے نشے میں ہیں۔'' ''سمجھوتہ کرنا نہیں چاہتے'' ''بڑے متمرد ہیں'' ''بڑے بداخلاق ہیں''۔

مسٹر راج گوپال اچاریہ کی یہ تجاویز کیسی تھیں یہ آگے چل کر معلوم ہو جائے گا۔ اگر یہ بہت اچھی تھیں تب بھی اس شرط کے ساتھ پیش کرنے کے کیا معنی تھے کہ ان میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی اور کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا، اور یہ کہ مسٹر گاندھی آزاد بھی تھے، کانگریس کے ورکنگ کمیٹی کے ارکان سے ملنے کے لیے بیقرار بھی تھے، اور وائسرائے سے ملاقات کے لیے التجائیں بھی کر رہے تھے، لیکن قائداعظم کے ساتھ گفت وشنید مسٹر راج گوپال اچاریہ کی وساطت سے کرنا چاہتے تھے جو کانگریس سے نکلے ہوئے تھے۔ دور ہی دور سے قائداعظم یہ پیمان کر لیتے کہ اس فارمولا کی تائید وحمایت کریں گے۔ جس پر مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی سے مشورہ تک کرنے کی ان کو اجازت نہیں تھی۔

اہتمام کے ساتھ یہ فارمولا قائداعظم کے سامنے ایسی شرائط کے ساتھ پیش کیا گیا کہ وہ اس کو قبول نہ کریں تاکہ حکومت برطانیہ کو یہ باور کرانے کا سامان مہیا ہو جائے کہ سمجھوتہ کس کے ساتھ کریں مسلم لیگ کا لیڈر تو سمجھوتے کے لیے تیار ہی نہیں ہے، لہٰذا آئندہ دستور کے لیے جو یہ شرط عائد کی گئی ہے کہ مسلمانوں کا اتفاق رائے حاصل کیا جائے وہ رفع ہونی چاہیے، مگر قائداعظم نہایت ہوشمند ماہر سیاست ہیں۔ انہوں نے نہ اس کو منظور کیا اور نہ مسترد بلکہ اس کے لیے رضامندی ظاہر کر دی ہے کہ وہ اس کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے پیش کر دیں گے۔

یہ فارمولا کیا تھا؟ وہ ذیل میں درج ہے۔

انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان سمجھوتے کی شرط کی یہ وہ بنیاد ہے جس پر گاندھی جی اور مسٹر جناح نے اتفاق کیا اور وہ اس کے لیے کوشش کریں گے کہ کانگریس اور مسلم لیگ سے اسے منظور کرائیں۔

(1) آزاد ہندوستان کے دستور کے مطابق مندرجہ ذیل شرائط کے تحت مسلم لیگ ہندوستان کے مطالبہ کامل آزادی کی تصدیق کرتی ہے اور عبوری دور کے لیے عارضی عبوری حکومت قائم کرنے میں کانگریس کے ساتھ تعاون کرے گی۔

(2) جنگ ختم ہونے کے بعد شمالی اور مشرقی ہند میں ان متصل اضلاع کے تعین اور حد بندی کے لیے جن میں مسلمانوں کی مطلق اکثریت ہے ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا۔ ان علاقوں میں جن کی اس طرح حد بندی ہو جائے گی تمام بالغوں کی رائے یا کسی دوسرے قابل عمل طریقہ رائے

دہندگی کی بنا پر استصواب رائے کیا جائے گا۔ جس سے اس کا آخری فیصلہ ہوگا کہ یہ ہندوستان سے الگ ہو جائیں۔ اگر اکثریت یہ فیصلہ کرے کہ بااختیار ریاست ہندوستان سے الگ قائم ہو تو یہ فیصلہ باور کیا جائے گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ سرحدی اضلاع کو یہ حق حاصل رہے گا کہ دونوں میں سے جس ریاست کے ساتھ چاہیں الحاق کریں۔

۳ تمام پارٹیوں کو اس کی اجازت ہوگی کہ استصواب رائے عامہ سے قبل اپنے خیالات کی تائید میں تبلیغ واشاعت کریں۔

۴ جدائی کی صورت میں (دونوں ریاستوں کے درمیان) اس کے لیے باہمی معاہدہ ہوگا کہ دفاع، تجارت، مواصلات اور دوسرے مقاصد کا تحفظ ہو جائے۔

۵ آبادیوں کا انتقال بالکل برضا ورغبت ہوگا۔

۶ یہ شرائط صرف اس صورت میں قابل پابندی ہوں گی کہ حکومت برطانیہ ہندوستان کی حکومت کا اختیار اور ذمہ داری پورے طور پر منتقل کر دے۔

مسٹر راج گوپال اچاریہ کا یہ فارمولا محض فریب تھا۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان اس پر سخت اختلاف تھا کہ عبوری دور کے لیے عارضی حکومت میں ہندو اور مسلمان نمائندوں کا تناسب کیا ہو۔ مسلم لیگ کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر اس میں کانگریس شریک ہو تو مسلم لیگ کی نیابت ہندوؤں کے برابر ہوگی، اور نہ شریک ہو تو مسلم لیگ کی اکثریت جب تک یہ مسئلہ طے نہ ہو جاتا قائداعظم ان شرائط کی تائید پر کیسے رضا مند ہو سکتے تھے جن میں ایک یہ تھی کہ مسلم لیگ عارضی عبوری حکومت قائم کرنے میں کانگریس کے ساتھ تعاون کرے گی۔ ان تجاویز میں نہ اس کا کوئی ذکر تھا کہ عبوری حکومت میں مسلمانوں کی نیابت کا تناسب کیا ہوگا اور نہ اس کا کہ یہ حکومت نافذ الوقت دستور کی حدود کے اندر قائم ہوگی۔

اس کے علاوہ فارمولا میں اور بہت سے رخنے اور پھندے تھے۔ مثلاً یہ کہ مسلمانوں کی مطلق اکثریت کی کیا تعریف ہوگی۔ مسلم اکثریت کے اضلاع کی حد بندی کے لیے کمیشن کون مقرر کرے گا۔ پاکستان ریزولیشن میں استصواب رائے عامہ کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ یہ شرط کیوں عائد کی گئی اور پھر اس شق کے ساتھ کہ مسلمانوں کی مطلق اکثریت کے اضلاع میں بھی استصواب رائے عامہ کے وقت دوسروں کو پروپیگنڈہ کا وہ حق ہوگا جو مسلمانوں کو ہے۔

ان ہی شرائط کے مطابق چونکہ کامل آزادی اور عبوری دور کے لیے مسلم لیگ کو پہلے کانگریس کی تائید کرنی تھی اور فارمولا کی تعمیل اس پر منحصر تھی کہ برطانیہ حکومت کا اختیار اور ذمہ داری پورے طور پر ہندوستان کے حق میں منتقل کر دے۔ اس لیے یہ اس حکومت کے حق میں منتقل ہوتا، جس میں مسلمانوں کی نیابت اور ان کے اختیار کا تعین ان تجاویز میں موجود نہیں تھا، لہٰذا مشترکہ ہندوستان کی ایسی حکومت کو جس میں ہندوؤں کی اکثریت ہوتی۔ اس طرح مسلم لیگ ہندو حکومت کو اختیار دلوا کر مسلمانوں کو اس حیثیت میں مبتلا کر دیتی کہ دامن پھیلا کر ہندو حکومت کے سامنے اس کے لیے بھیک مانگتے رہیں کہ کمیشن مقرر کرا دیجیے۔ استصواب رائے عامہ کرا دیجیے، اور مسلم اکثریت کے اضلاع کو ہندوستان سے الگ کروا دیجیے۔ اس کا انجام کیا ہوتا؟ جن کی آنکھیں ہیں وہ دیکھ لیں۔ ٹھیک وہی ہوتا جو کشمیر میں ہو رہا ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو اس فارمولا میں کانگریس کی طرف سے صرف دو باتوں کا وعدہ تھا۔ ایک اس کا کہ مسلمانوں کی مطلق اکثریت کے اضلاع کی حد بندی کرا دی جائے گی، اور دوسرے ان ہی اضلاع میں استصواب رائے عامہ کرا دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

مسٹر راج گوپال اچاریہ نے تعمیل کے ساتھ اور خود مسٹر گاندھی کے مشورے سے اپنے فارمولا کی عدم منظوری کا اعلان کیوں کیا، اور نجی گفت وشنید کیوں منقطع کی؟ اس لیے کہ اب مسٹر گاندھی کے منصوبہ آفرین دماغ نے ایک نئی اسکیم مرتب کر لی تھی۔

جب حکومت برطانیہ نے گفت وشنید کا دروازہ بند کر دیا تو ان کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ قائداعظم سے بڑی طویل گفتگو کریں، اور اس وقت جب کہ حکومت برطانیہ کو یہ یقین آ جائے کہ اب مسٹر گاندھی مسلم لیگ کے سامنے ہتھیار ڈالنے کو بالکل تیار ہیں اور ہندو مسلم مسئلے کا سمجھوتہ یقینی ہے اور پھر یہ دونوں باہم متحد ہو کر ضرور انگریزوں سے اختیار چھین لیں گے۔ مسٹر گاندھی کے نزدیک حکومت برطانیہ سے کانگریس کے مطالبات منوانے کی یہ آخری تدبیر تھی۔ اس کی مبادیات انہوں نے اسی زمانے میں شروع کر دی تھیں۔ جب وہ لارڈ ویول سے خط و کتابت کر رہے تھے۔

11 جولائی کو ٹائمز آف انڈیا نے وہ گفتگو شائع کی جو مسٹر گاندھی نے نیوز کرانیکل کے نامہ نگار سے کی تھی۔ 12 جولائی کی اخباری نمائندوں کی کانفرنس میں یہ کہا کہ میں اس گفتگو کی اشاعت نہیں چاہتا تھا۔ وہ گفتگو میں نے گلیڈز سے اس لیے کی تھی کہ وہ وائسرائے سے ملیں، اور ان کو یہ بتا دیں کہ میں کیا سوچ رہا ہوں اور پھر اس گفتگو کی جو یادداشت انہوں نے خود مرتب کی تھی وہ انہوں نے اخبارات کے نمائندوں کے حوالے کر دی۔ اس کے بعد 15 جولائی کو انہوں نے وائسرائے کو وہ خط لکھا جس کا مضمون درج ہو چکا ہے، پھر اس سب کے بعد 17 جولائی کو مسٹر گاندھی نے قائداعظم کو مندرجہ ذیل خط لکھا جو نہایت دلآویز ہے۔

◈ ستمبر 1944ء کو بمبئی میں گاندھی اور قائداعظم محمد علی جناح کے درمیان گفت وشنید کا سلسلہ شروع ہوا جو کئی ہفتے تک جاری رہا۔ گاندھی اپنی جگہ پر قائم تھے اور قائداعظم محمد علی جناح اپنے مطالبہ پر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گفت وشنید ناکامی پر ختم ہو گئی۔

یہ بڑی طویل گفت وشنید تھی، لیکن اس کے چند اجزاء ضروری ہیں کہ پیش نظر رہیں:

گاندھی نے اپنے 15 ستمبر 1944ء کے خط میں لکھا:

''آپ کو یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ تجویز (لاہور) میں کہیں دو قوموں کے نظریے کا ذکر نہیں ہے۔ ہماری گفتگو کے دوران میں آپ نے بڑے جوش وخروش سے فرمایا کہ ہندوستان میں دو قومیں ہیں، یعنی مسلمان اور ہندو۔ اول الذکر (مسلمان قوم) کے وطنی خطے اس طرح ہندوستان میں موجود ہیں، جس طرح موخر الذکر (ہندو قوم) کے وطنی خطے۔
ہماری بحث جتنی بڑھ رہی ہے، آپ کی پیش کی ہوئی تجویز اتنی ہی ڈراؤنی ہوتی جا رہی ہے۔ مجھے تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اپنا مذہب تبدیل کر لینے والے لوگ اور ان کی اولاد اپنے آباؤاجداد سے مختلف قوم ہونے کا دعویٰ کریں، اگر اسلام کے ظہور سے پہلے ہندوستان میں ایک قوم آباد تھی تو اس کے باوجود کہ اس کے بہت سے بچوں نے اپنا مذہب بدل لیا ہے وہ ایک قوم ہی رہے گی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے 17 ستمبر 1944ء کے خط میں تحریر کیا:

''ہمارا دعویٰ ہے کہ قوم کی جو بھی تعریف اور جو بھی معیار ہو۔ اس کے مطابق ہندو اور مسلمان دو بڑی قومیں ہیں۔ ہم دس کروڑ کی ایک قوم ہیں۔ ہماری تہذیب وتمدن، زبان وادب، آرٹ اور فنِ تعمیر اور اصلاحات، قدروں کی پرکھ، قانون اور اخلاقی نظام، رسوم اور تقویم، تاریخ اور روایات، طبعی میلانات اور

رجحانات (دوسروں سے) مختلف ہیں جدا ہیں۔ مختصراً یہ کہ ہمارا نظریہ زندگی مختلف ہے۔ بین الاقوامی قانون کے ہر اصول سے ہم ایک قوم ہیں۔''

دو قومی نظریہ

گاندھی نے اپنے 17 ستمبر 1944ء کے خط میں لکھا:
''اگر تجویز لاہور کے مطابق وہ علاقے الگ کیے جائیں، جن پر مسلمانوں کی اکثریت ہے تو علیٰحدگی کے اس اہم مسئلے کو علاقے کے باشندوں کے سامنے پیش کر کے ان کی رضامندی حاصل کر لینی چاہیے۔''
اس سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح کا کہنا تھا:
''معلوم ہوتا ہے کہ ''خود اختیاری'' کے معنوں کے متعلق آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں، ہم علاقائی وحدت کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک قوم کی حیثیت سے حق خود اختیاری کا مطالبہ کر رہے ہیں، اور ہمیں اختیار ہے کہ ہم اپنے پیدائشی حق (خود اختیاری) کو مسلم قوم کی حیثیت سے استعمال کریں، لیکن آپ اس غلط فہمی میں ہیں کہ ''خود اختیاری'' کے معنی ہیں صرف ''علاقہ جاتی وحدت'' کی خود اختیاری، لیکن ان علاقوں کی بھی تو نہ حد بندی ہوئی ہے اور نہ ابھی تک وضاحت کی گئی ہے۔ ہمارا مسئلہ کسی یونین سے جس کا نفع و نقصان میں وجود نہیں ہے، علیٰحدگی کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ دو بڑی قوموں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی معاہدے (یا سمجھوتے) سے دو آزاد اور خود مختار ریاستوں کی تشکیل کی جائے۔ حق خود اختیاری بھی جس کا ہم مطالبہ کر رہے ہیں، یہ احوال موضوعہ مضمر ہے کہ ہم ایک قوم ہیں، اور اس حیثیت سے یہ صرف مسلمانوں کی خود مختاری ہوگی، اور صرف انہی کو یہ حق برتنے کا اختیار ہوگا۔''

جال نیا شکاری پرانا

پہلے گاندھی نے قائداعظم محمد علی جناح کو جو فارمولا ماننے پر رضامند کرنے کی کوشش کی، اور کئی روز تک اس مسئلہ پر گفت و شنید ہوتی رہی، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ مرغ زیرک اسیر دام نہیں ہوتا تو

''نیا جال لایا پرانا شکاری''

اب انہوں نے خود ایک نیا فارمولا پیش کر دیا۔
اس سلسلے میں گاندھی نے کہا:
''عام طور پر مجھے آپ سے اختلاف ہے لیکن پھر بھی میں حسب ذیل شرائط پر کانگریس اور حکومت سے سفارش کر سکتا ہوں کہ وہ علیٰحدگی کے اس مطالبہ کو مان لیں، جو مسلم لیگ کی تجویز لاہور 1940ء میں ہے۔
کانگریس اور لیگ کا مقرر کیا ہوا ایک کمیشن (مسلم) علاقوں کی حد بندی کرے (علیٰحدگی کے متعلق) حد بندی کے علاقوں کے باشندوں کی رائے دریافت کر لی جائے۔
اگر رائے علیحدگی کے حق میں ہے تو ہندوستان کے آزاد ہو جانے کے فوراً بعد ہر علاقے اپنی ریاست بنا لیں گے، اور اس طرح دو آزاد خود مختار ریاستیں قائم ہو جائیں گی۔ علیٰحدگی کے لیے ایک معاہدہ ہو گا، جس میں اس کا لحاظ رکھا جائے گا کہ امور خارجہ، دفاع، رسل و رسائل، محاصل، تجارت اور اس قسم کے دوسرے امور کا انتظام اطمینان بخش ہو، اور یہ معاہدہ کرنے والی پارٹیوں کے درمیان مشترکہ ہونے چاہئیں۔''
''معاہدے میں دو قومی ریاستوں کی اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ بھی شامل ہو گا، جیسے ہی کانگریس اور

لیگ اس سمجھوتے کو قبول کرلیں گی، ایسے ہی دونوں ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کے لیے ایک مشترکہ طریق عمل تیار کریں گی۔"

"اگر کانگریس کوئی براہِ راست اقدام کرنے کا فیصلہ کرے، اور لیگ اس میں شامل نہ ہونا چاہے تو اسے براہ راست اقدام الگ رہنے کی آزادی ہوگی۔"

"اگر آپ کو یہ شرائط منظور ہوں تو آپ مجھے بتائیں گے کہ آپ لاہور کی تجویز کردہ حدود میں مجھ سے کون سے شرائط قبول کرانا چاہتے ہیں۔ جن کی سفارش میں کانگریس سے کروں؟ اگر آپ مہربانی فرما کر اتنی زحمت کریں تو میں یہ معلوم کرسکوں گا کہ میرے اور آپ کے رجحان میں کیا فرق ہے، اور میں کون کون سے شرائط قبول کرسکتا ہوں، آپ نے اپنے 23 ستمبر کے خط میں "تجویز لاہور کے بنیادی اصولوں" کا حوالہ دیا تھا، اور آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں انہیں تسلیم کرلوں۔ یہ غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ میرا خیال ہے کہ میں نے ان تمام نتائج کو تسلیم کرلیا ہے، جو ان اصولوں کے قبول کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔" (4 ستمبر 1944ء کا خط)

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے خط مورخہ 25 ستمبر 1914ء میں تحریر فرمایا:

"آپ نے تجویز لاہور کے بنیادی اصولوں کو رد کردیا ہے۔ آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک قوم ہیں۔

آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مسلمانوں کو فطری طور سے خود اختیاری کا حق حاصل ہے۔ آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ صرف انہی (مسلمانوں) کو اپنا حق خود اختیاری استعمال کرنے کا حق ہے۔

آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ پاکستان دو علاقوں پر مبنی ہے۔ یعنی شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقے، جن میں 6 صوبے یعنی سندھ، بلوچستان، صوبہ سرحد، پنجاب، بنگال اور آسام شامل ہیں۔ جیسا کہ لاہور کی تجویز سے ظاہر ہے۔ ان علاقوں میں باہمی سمجھوتے سے رقبہ جاتی ردو بدل ہوسکتا ہے۔ اگر مندرجہ بالا اصول تسلیم کرلیے جائیں تو علاقوں کی حد بندی کا مسئلہ اٹھایا جاسکتا ہے اور باہمی سمجھوتے سے اس کے لیے کوئی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

آپ کی خط و کتابت اور گفتگو سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کردینے کا مسئلہ صرف آپ کی زبان پر ہے۔ آپ کے دل میں نہیں ہے۔

آپ کی شرائط سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے بنیادی اصول لاہور کی تجویز کے بنیادی اصولوں کے بالکل برعکس ہیں۔

اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے لاہور کی تجویز کے عملی نتائج کو قبول کرلیا ہے تو پھر یہ کیوں نہ کیجئے کہ لاہور کے بنیادی اصولوں کو قبول کر کے تفصیلات کا تصفیہ کرلیجئے۔"

بالآخر گفت وشنید ستمبر کے آخر میں ختم ہوگئی۔ قائداعظم نے خاموشی اختیار کرلی، لیکن گاندھی اور ہندو پریس نے مخالفانہ پروپیگنڈہ بڑے زور سے شروع کردیا۔

جناح کا بیان

اب مجبور ہوکر 14 اکتوبر 1944ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ایک پریس کانفرنس طلب کی، اور اس میں حسب ذیل بیان دیا:

"بدقسمتی سے مسٹر گاندھی نے ہم دونوں کے مشترکہ

بیان کے برعکس بڑے شد و مد سے پروپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے۔ مسلم لیگ کی نمائندہ اور مستند حیثیت کو چیلنج کرنے کے علاوہ وہ میرے خلاف مسلمانوں کو بھڑکا بھی رہے ہیں، اور اپنے بیان میں بار بار اپنے اس قول کا اعادہ کر رہے ہیں کہ انہوں نے گاندھی راجہ جی فارمولے میں، نیز اپنی تجاویز میں جو انہوں نے آخری وقت پیش کی تھی اور جنہیں وہ اب پیشکش یا پیش کشوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ قرارداد لاہور کا لب لباب تسلیم کر لیا ہے۔ ہر ذی فہم انسان دیکھ سکتا ہے کہ ان دونوں میں بہ اعتبار اصل فرق نہیں، جس چیز کو مسٹر گاندھی اپنی پیشکش کہتے ہیں۔ وہ اس وقت سامنے آئی، جب قرارداد لاہور کے تمام بنیادی اصولوں کو مسترد کر چکے تھے، رہا گاندھی راجہ جی فارمولا تو وہ ابتدا ہی سے خارج از بحث کر دیا گیا تھا۔ اب چونکہ معاملہ پبلک میں زیر بحث آ گیا ہے اور مسٹر گاندھی بیان پر بیان اور انٹرویو پر انٹرویو دے رہے ہیں، جو نہایت گمراہ کن ہیں، اس لیے میں ان کی نام نہاد پیشکش کو زیر بحث لانے پر مجبور ہوں، کم از کم ہمیں اس کے خاص نکات کا جائزہ لینا چاہیے۔

❶ ہندوستان کو بحیثیت ایک منفرد قومی وحدت کے فوراً آزادی دے دی جائے۔

❷ ایک عارضی عبوری حکومت فوراً قائم کر دی جائے جو مسٹر گاندھی کے تصورات کے مطابق ہو، اور جس کی توضیح وہ اپنے خط مورخہ 15 ستمبر میں حسب ذیل الفاظ میں کر چکے ہیں: ''ایک عارضی عبوری حکومت جو موجودہ یا جدید منتخب شدہ اسمبلی کے ارکانِ منتخبہ کے سامنے جواب دہ ہو گی۔ دورانِ جنگ میں اس حکومت کے پاس کمانڈر انچیف کے اختیارات کے علاوہ تمام اختیارات ہوں گے۔ کانگریس اور لیگ میں جو کچھ مفاہمت ہو جائے اس کو نافذ کرنے کی مجاز بھی یہی حکومت ہو گی۔''

ضمناً یہ بھی بتا دیا جائے کہ اس کی رو سے نہ صرف یہ کہ تیسرے فریق کی موجودگی تسلیم کر لی گئی ہے بلکہ زمانہ جنگ میں اس تیسرے فریق کو کمانڈر انچیف کے نیز دفاع کے جو اہم ترین اور سب سے زیادہ قومی الاثر شعبہ ہے، کل اختیارات حوالے کر دیے گئے ہیں (اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ فوراً ایک ایسی مرکزی وحدانی یا وفاقی حکومت قائم کر دی جائے جس کے قبضے میں پورا کشوری (سول) نظام ہو گا اور اس کے ساتھ مجلس قانون ساز میں ہندوؤں کی غالب اکثریت ہو گی، جو کسی طرح 75 فیصد سے کم نہیں ہو سکتی، اور کابینہ اس مجلس قانون ساز کے سامنے جواب دہ ہو گا۔)

❸ جب اس قسم کی حکومت قائم ہو جائے تو اس قائم شدہ حکومت کا یہ کام ہو گا کہ آزاد ہندوستان کا دستور مرتب کرے، یا ایک ایسی ہیئت مجاز وضع کرے جو برطانوی اقتدار کے ہٹ جانے کے بعد دستور مرتب کرے گی۔

❹ یہ قومی حکومت مشترکہ مفاد والے امور کے متعلق جن کی وضاحت مسٹر گاندھی نے اپنی نام نہاد پیشکش میں کر دی ہے یعنی امور خارجہ، دفاع، داخلی رسل و رسائل، بحری محاصل، تجارت وغیرہ کے نظم و نسق کے متعلق جن کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ بحیثیت امور مفاد مشترکہ انہیں لازماً و دائماً مرکزی ہیئت مقتدر یا حکومت کے معقول اور قابل اطمینان کے ماتحت رہنا چاہیے۔ میثاق و معاہدات کا مسودہ کا مسودہ مرتب کرے گی۔ اس کے صرف ایک ہی معنی

ہو سکتے ہیں، یعنی یہ کہ تمام اہم ترین امور جو مملکت کے لیے شہ رگ کا حکم رکھتے ہیں، مسٹر گاندھی کی تجویز کردہ قومی وفاقی حکومت کے قابو میں رہیں گے، اور یہی وہ حکومت ہو گی، جس کے ہاتھوں حکومت ہند کے سارے اختیارات اور ذمہ داریاں منتقل ہو جائیں گی، لہٰذا یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ متذکرہ شرائط کے مطابق جو فوجی حکومت معرض وجود میں لائی جائے گی اور مستحکم اور قابو یافتہ ہو گی اور جس کے ساتھ ہندوؤں کی ٹھوس اور غالب اکثریت ہو گی وہ معاذ عملاً خالص ہندو راج کے مترادف ہو گی۔

◆۵ اس کے بعد مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہم انتہائی پُر پیچ شرائط پر رضامند ہو جائیں، اور اس اصول کو تسلیم کر لیں، جس کی بناء پر قطعی مسلم اکثریت رکھنے والے علاقوں کے حدود کا تعین کیا جائے گا یعنی ضلع وار حد بندی کا اصول اور قطعی اکثریت سے گاندھی جی کی مراد یہ ہے کہ صرف وہ اضلاع قابل شمار مقرر کیے جائیں گے، جن پر مسلمانوں کی تقریباً 75 فیصد آبادی ہو، کیونکہ مسٹر گاندھی نے کہا ہے کہ قطعی اکثریت سے ان کی مراد اس قسم کی اکثریت ہے جیسی سندھ، بلوچستان یا صوبہ سرحد میں ہے۔ اگرچہ مسٹر راج گوپال اچاریہ کے نزدیک قطعی اکثریت کا مفہوم وہی ہے، جو قانونی گفتگو میں سمجھا جاتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اس مسئلے میں ان مشترک مصنفین میں خود آپس میں اختلاف ہے لغت میں اکثریت کے معنی یہ بتاتا ہوں کہ کسی جماعت کے جملہ ارکان کی اکثریت جس میں رائے دینے والے اور رائے نہ دینے والے دونوں شامل ہیں۔

◆۶ جن علاقوں کی اس طرح حد بندی ہو جائے گی، وہاں حق رائے دہی بالغاں یا کسی دوسرے قابلِ عمل احوال رائے دہی کے مطابق ایک عام استصواب عمل میں آئے گا، اور اصول و طریق استصواب کا تعین بھی، اگر ہم پہلے سے اس کے متعلق کوئی تصفیہ نہ کر لیں، محولا بالا قومی حکومت ہی کرے گی۔

جب ہم یہ تمام شرائط منظور کر لیں تب کہیں ان علاقوں کو جو قطع و برید سے مسخ ہو چکے ہوں گے علیحدگی کا سوال پیدا ہوتا ہے، وہ بھی مزید شرائط کے ماتحت ① اس مسئلے پر صرف اختتام جنگ کے بعد ہی غور و خوض کیا جا سکتا ہے اور ② جب حکومت ہند کی تمام ذمہ داریاں اس کے تمام اختیارات اس قومی حکومت کے ہاتھ میں منتقل ہو جائیں گے، تب کہیں یہ قومی حکومت باہم ملحق اضلاع کی حد بندی کے لیے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ کمیشن مقرر کرے گی اور اس طرح تخت و تاراج اور غارت گری کے کام کی تکمیل کرے گی، بالخصوص پنجاب، بنگال، آسام میں اس کے بعد یہی "قومی حکومت" کمیشن کے نتائج تحقیقات کو عملی جامہ پہنچائے گی، اور اگر یہ غریب مفلوج علاقے کل ہند متحدہ وفاقی حکومت سے جو پوری قوت اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہو چکی ہو گی، منقطع یا علیحدہ ہونا چاہیں گے تو پھر یہ ضروری ہو گا کہ وہ ایک مخلوط استصواب عامہ کی منزل بھی طے کریں اور اس کے فیصلے کے سامنے سر اطاعت خم کر دیں، پھر یہ کہ اگر استصواب عام کا فیصلہ مسلمانوں کے موافقت بھی ہوا تو بھی اہم ترین بنیادی حیثیت والے مسائل مثلاً امور خارجہ، دفاع، داخلی رسل و رسائل، محاصل بحریہ اور تجارت وغیرہ ایک مرکزی حیثیت مقتدرہ یا حکومت کے ہاتھ میں رہیں گی، اور

قائداعظمؒ ۲۷؍اگست ۱۹۳۹ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے۔

وہی ان کا نظم ونسق بھی کرتی رہے گی۔ یہ چیز جس کا نام مسٹر گاندھی نے دو بھائیوں کے درمیان حصہ بانٹ یا تقسیم رکھ چھوڑا ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ وہ کراہت انگیز حد تک برابر یہ رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ انہوں نے اپنی پیشکش میں قرار داد لاہور کا لب لباب یا اس کا جوہر دے دیا ہے، اس سے زیادہ منافقانہ، پرفریب اور عیارانہ دعویٰ کا تصور بھی مشکل ہے، جسے وہ نہایت بھولے پن کے انداز میں دہراتے جا رہے ہیں۔"

(قائداعظم اوران کا عہد از رئیس احمد جعفری)

جناح گیٹ

یہ شہرِ خوشاب کا مشہور واحد دروازہ ہے جس کا نام جناح گیٹ ہے، جسے انگریزوں نے اپنے دورِ حکومت میں خوشاب کی جغرافیائی اہمیت کو مدنظر رکھ کر یہاں اپنے تسلط کے نشانات ثبت کیے تھے، اور چار بڑے دروازے بازاروں کے باہر اس ترتیب سے تعمیر کرائے کہ ہر ایک کے درمیان صیب کا نشان ثبت ہوگیا۔ موجودہ جناح گیٹ 1865ء کے بعد بنوایا گیا۔

جناح مذاکرات

(دیکھیے: گاندھی جناح مذاکرات)

جناح لائبریری ساہیوال

یہ لائبریری 1989ء میں قائم کی گئی، اس کا باقاعدہ افتتاح وزیراعلیٰ پنجاب میاں نواز شریف نے ساہیوال ہال میں کیا انہوں نے لائبریری کی توسیع اور ترقی کے لیے چار کنال قطعہ اراضی کے علاوہ لائبریری کے لیے چیف آرگنائزر چودھری بشیر حسین طاہر کو دس لاکھ روپے کا عطیہ دینے کا بھی اعلان کیا۔

جناح مسجد

قائداعظم محمد علی جناح بین الاقوامی شہرت کے حامل فرد تھے قائداعظم محمد علی جناح سے نہ صرف برصغیر کے مسلمان محبت کرتے تھے بلکہ بیرون ملک بھی انہیں شہرت دوام حاصل تھی۔ ان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کیریبئن کے علاقہ ٹرینڈاڈ ٹوباگو کے مسلمانوں نے ایک مسجد تعمیر کی جس کا نام انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے نام پر "جناح مسجد" رکھا ہے۔

جناح مسلم لیگ

14 نومبر 1950 کو خان افتخار حسین آف ممدوٹ نے لاہور میں جناح مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا۔

1. پاکستان میں اسلامی جمہوری نظام کا قیام
2. پاکستان کے آئین کو قرآن وسنت کی ہدایات کے مطابق تشکیل دینا۔
3. پاکستان کی خارجہ پالیسی کی اس بنیاد پر تشکیل کہ پاکستان کسی پاور بلاک کا خیمہ بردار نہ ہو، بلکہ پاکستان کو اپنے مفاد کو باقی تمام مصالح پر ترجیح دی جائے۔
4. پاکستان کے تحفظ و استحکام کے لیے ہر شہری کی مناسب تربیت کرنا۔
5. پاکستان میں آزادی تحریر وتقریر کا تحفظ فراہم کرنا
6. پاکستان کے ہر شہری کے لیے بنیادی سہولیت کی فراہمی
7. زکوٰۃ کی بنیاد پر بیت المال کا قیام۔
8. پاکستان کے ہر شہری کے لیے قرآن کریم کی تعلیم کا انتظام کرنا۔
9. باقاعدہ منصوبہ بندی کے مطابق ملک کی صنعتی اور اقتصادی ترقی۔

⑩ ملک کی زرعی ترقی ،ور زرعی مسائل کے لیے ضروری اصلاحات
⑪ پاکستان میں مہاجرین کی مستقل تسلی بخش آبادکاری۔
⑫ پاکستانی اقلیتوں کے جان و مال اور ان کے شہری و مذہبی حقوق کی حفاظت۔
⑬ پاکستان میں رشوت ستانی، بدعنوانی، حکام کی نااہلی کی بدولت انتظامیہ کے معاملات کی خرابی اور چور بازاری کا استیصال
⑭ پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک کے درمیان بہتر تعلقات کی استواری۔

جناح میدان

قائداعظم محمد علی جناح بین الاقوامی شہرت یافتہ شخصیت تھے۔ پاکستان کے علاوہ انہیں دنیا بھر میں شہرت حاصل تھی۔ اور لوگ عقیدت کی حد تک ان سے محبت کرتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح سے اسی عقیدت کے تحت کولمبو میونسپل کونسل نے 29 دسمبر 1976ء کو اتفاق رائے سے ایک قرارداد منظور کی جس کے تحت کولمبو کی جامع مسجد کے قریب واقع میدان کا نام جناح میدان رکھا گیا۔

جناح میموریل

11 دسمبر 1918ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے گورنر ولنگڈن کے اعزاز میں دی جانے والی دعوت سبوتاژ کرنے کے لیے اہم کردار ادا کیا۔ کسی انگریز عہدیدار کے خلاف یہ ان کی پہلی اور بڑی پرزور احتجاجی مہم تھی۔ ولنگڈن میموریل کمیٹی نے اپنا اجلاس 11 دسمبر کی شام کو پانچ بجے شروع کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے کم و بیش 3000 ساتھیوں نے ٹاؤن ہال کی سیڑھیوں کے نزدیک ایک رات پہلے کیمپ لگایا تھا۔
- 12 دسمبر 1918ء کو بمبئی پولیس نے صبح دس بجے تک راستہ صاف رکھا۔ جب ہال کا دروازہ کھلا، قائداعظم محمد علی جناح خود موقع پر پہنچ گئے، اور قطار کے بالکل شروع میں جگہ سنبھالی۔ وہ تیز تیز قدموں سے ہال میں داخل ہوئے، اور پہلی قطار میں رکھی ہوئی کرسیوں پر اپنے ہوم رول لیگیوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔

دوپہر کے وقت رتی جناح بھی وہاں پہنچ گئیں، اس سے قبل کہ میئر آف بمبئی اجلاس شروع کرنے کا حکم دیتا، ہال مکمل طور پر بھر چکا تھا سر جمشید جی بھائی نے اجلاس کی صدارت کی۔

وہ بمبئی کے سرکردہ پارسیوں میں سے ایک تھا، جونہی وہ تقریر کرنے کے لیے کھڑا ہوا سامعین نے ''نہیں نہیں'' کا شور بلند کر دیا۔ تقریباً بیس منٹ تک ہنگامہ جاری رہا۔ اس دوران کمشنر پولیس نے ہال خالی کرنے کا حکم دے دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح، رتی بائی اور ان کے حامیوں کو جبراً ہال سے نکال دیا گیا۔ یہ پہلا اور آخری موقع تھا، جب کسی باوردی شخص کو محمد علی جناح کے ساتھ بدتمیزی اور گستاخی کرنے کی جرأت ہوئی۔ بہرحال وہ ٹاؤن ہال سے بمبئی کے ایک بے مثال ہیرو کی شکل میں باہر آئے۔

اس شام اپالو سٹریٹ میں قائداعظم محمد علی جناح کے پرستاروں کا ایک شاندار جلسہ ہوا۔ اس جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

> ''حضرات! آج آپ کی فتح سے واضح ہو گیا ہے کہ بیوروکریسی اور آٹوکریسی کی مشترکہ قوتیں بھی آپ کو مرعوب نہیں کر سکتیں، 11 دسمبر کا دن اہل بمبئی کے لیے ایک یادگار دن بن گیا ہے۔ حضرات جایئے اور اس دن پر خوشیاں منایئے، جس نے جمہوریت کو فتح سے ہمکنار کر دیا۔''

رات کو شانتا رام چالی میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ اس موقع پر ایک مقامی وکیل نے تجویز پیش کی:

> ''ولنگڈن میموریل کی خوشامدانہ تحریک تو اپنی موت

آپ مرگئی، ضرورت ہے کہ اب ''جناح میموریل'' کے قیام پر غور کیا جائے۔ میری تجویز ہے کہ مسٹر جناح کا، جن کی شاندار، بے لوث اور بے باکانہ قیادت نے بمبئی کی عوامی زندگی میں تموج پیدا کر دیا ہے، ایک مجسمہ تیار کر کے ٹاؤن ہال میں نصب کیا جائے۔''

یہ اپیل کارگر ثابت ہوئی اور چند منٹوں میں ''جناح ہال'' کے لیے 61 ہزار روپے کی خطیر رقم جمع ہوگئی۔ مجسمہ کی بجائے کانگریس کی طرف سے ''جناح پیپلز میموریل ہال'' تعمیر کیا گیا، جو انڈین نیشنل کانگریس کی مقامی عمارت میں آج بھی موجود ہے، اور شہریانِ بمبئی کی شاندار فتح کی یاد دلاتا ہے۔ جو انہیں قائداعظم محمد علی جناح کی بے باک اور مدبرانہ قیادت میں حاصل ہوئی۔

جناح میموریل ہسپتال

یہ ہسپتال ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ میں واقع ہے۔ یہ ہسپتال شیخ ہسپتال کے نام سے بھی معروف ہے۔

جناح نگر

1942ء میں قائداعظم محمد علی جناح بنگال مسلم لیگ کی دعوت پر فوری سراج گنج تشریف لے گئے جہاں انہوں نے ایک جلسہ عام سے خطاب فرمایا۔ جس جگہ جلسہ ہوا اس جگہ کا نام جناح نگر رکھ دیا گیا۔

جناح نہ بکنے والا

Jinnah un purches able

یہ مکالمہ نہیں بلکہ ایک فیچر فلم کا نام ہے اس فلم کو امریکہ کے ایک فلم ساز اور سکرین پلے رائٹر باب میلکن نے قائداعظم محمد علی جناح پر 4 جون 1988 کو بنانے کا اعلان کیا۔ یہ فلم جنوری 1989ء سے چھ ماہ کے عرصہ میں 50 لاکھ ڈالر میں مکمل ہوئی۔ اس رقم کا 25 فیصد حصہ امریکہ میں رہنے والے پاکستانیوں نے دیا، جبکہ 75 فیصد ایک امریکی خاتون نے دیا۔

فلم کا سکرین پلے خود باب میلکن نے لکھا ہے باب میلکن اس کی تیاری کے سلسلے میں پاکستان بھی آئے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے کردار کے لیے پاکستان کے عمران اسلم کا نام تجویز کیا گیا جنہوں نے سٹیج کے بہت سے ڈرامے تخلیق کیے۔ انہوں نے 1989ء میں پاکستان ٹی وی کے لیے خلیج نامی سیریل بھی لکھی تھی۔ بقول میلکن کے:

''میں نے عمران اسلم کا آڈیشن لینے کے بعد ان کا انتخاب کیا ہے۔''

یہ نام انگریزی سے اردو میں منتقل کیا گیا۔

جناح نہرو خط و کتابت

روزنامہ انقلاب جناح نہرو خط و کتابت کے حوالے سے اپنے 10 جنوری 1940ء کے اداریہ میں لکھتا ہے:

''مسٹر جناح اور پنڈت نہرو کے درمیان سمجھوتے کی گفتگو کے لیے جو خط و کتابت ہوئی، وہ آج منظر عام پر آ گئی ہے۔ اس پر مفصل تبصرہ تو ہم آئندہ اشاعت میں کریں گے، لیکن سر دست اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ پنڈت نہرو اور ان کے ساتھ گاندھی جی گفتگو کی ابتدائی شرطوں پر سے گریزاں رہے۔ ان کی آرزو محض یہ تھی کہ مسٹر جناح آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے اگر کانگریس کی پالیسی کو غیر مشروط طریق پر تقویت پہنچانے کے لیے تیار ہوں تو گفتگو کر لی جائے، لیکن اگر مسٹر جناح مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے جائز حقوق کی حفاظت پر اصرار کریں تو ان سے کوئی گفتگو نہ کی جائے۔ پنڈت نہرو نے خود

اس خط توقع پر گفتگو کرنی چاہی کہ مسٹر جناح کانگریس کے ڈھب پر آگئے ہیں، لیکن جب انہیں یقین ہو گیا کہ ان کا یہ خیال غلط تھا تو وہ مختلف حیلوں اور بہانوں سے اس سلسلے کو ختم کرنے کے لیے مضطرب ہو گئے، اور انہوں نے اسے ختم کر کے چھوڑا۔ کبھی یہ بہانہ پیش کیا کہ لیگ کانگریس کے مطالبۂ آزادی کی حمایت کے لیے تیار نہیں، حالانکہ یہ دونوں دعوے غلط تھے، نہ تو لیگ آزادیٔ ہند کے معاملے میں کانگریس سے پیچھے ہے، اور نہ وہ اصل مطالبہ کی تائید میں متامل ہے، البتہ یہ درست ہے کہ مختلف اقوام کے جائز حقوق کی حفاظت کو مطالبۂ آزادیٔ وطن کا جزو لاینفک تسلیم کرتی ہے اور اس کے محکم انتظام کے بغیر کسی اعلان کو آزادیٔ ہند کا اعلان نہیں قرار دے سکتی۔''

(روزنامہ انقلاب اشاعت 10 جنوری 1940ء)

اس ضمن میں روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 11 جنوری 1940ء کے اداریہ میں لکھتا ہے:

''مسٹر جناح اور پنڈت نہرو کی خط و کتابت کے متعلق ہم اپنی گذارشات اختصاراً پیش کر چکے ہیں، خط و کتابت سے صاف ظاہر ہے کہ مسٹر جناح نے دہلی میں گفتگو کرتے وقت بھی صرف دو باتوں پر زور دیا تھا، اور خط و کتابت میں انہی دو باتوں کو دہرایا ہے۔

1. یہ کہ لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ اور مختار جماعت تسلیم کیا جائے۔
2. یہ کہ لیگ اس وقت تک کانگریس کے مطالبہ کی تائید نہیں کر سکتی (جو مجلس عاملہ کانگریس کی قرارداد میں درج ہے۔) جب تک اقلیتوں کے مسائل کے متعلق سمجھوتہ نہ ہو جائے۔

معمولی فہم و فراست کا انسان بھی اعتراف کرے گا کہ لیگ کے ساتھ گفتگو اس صورت میں نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی ہے کہ اسے مسلمانوں کی نمائندہ اور با اختیار جماعت تسلیم کیا جائے، اور وہ حقیقتاً نمائندہ اور با اختیار جماعت ہے۔ یہ کہ کسی حالت میں بھی مناسب نہیں کہ گفتگو شروع کر دی جائے، لیکن جن مسائل و امور کے متعلق کانگریس کی رائے لیگ سے مختلف ہو، اس کے ضمن میں گاندھی اور نہرو نیشنلسٹ مسلمانوں یا اس نوع کے بعض بے حقیقت گروہوں کے دامن میں پناہ لے لیں، نیز ہمارے نزدیک اور لیگ کے نزدیک اقلیتوں کا مسئلہ آزادی ہند کا لاینفک جزو ہے، بلکہ اس کی بنیاد اساس ہے، اور کوئی شخص بنیاد و اساس کے بغیر عمارت کھڑی کرنے کا تصور نہیں کر سکتا۔''

بے رخی عذرات

اخبار اپنے اداریہ میں مزید لکھتا ہے:

''لیکن جس طرح گاندھی جی نے ان دو باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا، اور گفتگو کو ناکام بنایا تھا، اس طرح پنڈت نہرو نے خط و کتابت کے دوران مہمل و بے معنی عذرات کی بنا پر ان دو ابتدائی شرطوں سے گریز کا سلسلہ جاری رکھا۔ مثلاً امر اول کے سلسلے میں ان متفرق افراد یا غیر نمائندہ گروہوں کا نام لیا گیا، جو کانگریس کی ہم نوائی کرتے رہے ہیں، یعنی جمعیت العلماء، احرار، نیشنلسٹ مسلمان وغیرہ۔ پنڈت جی نے کہا کہ لیگ کا یہ مطالبہ اگر منظور کر لیا جائے تو محولا بالا گروہوں سے کانگریس کو بے تعلقی اختیار کرنی پڑے گی اور اس کے لیے کانگریس تیار نہیں۔

لیکن کیا یہ مسئلہ کی صحیح تعبیر ہے؟ ہر شخص اس کا جواب نفی میں دے گا۔ اصل سوال یہ نہیں کہ کانگریس کو

فلاں گروہ یا جماعت سے بے تعلقی اختیار کر لینی چاہیے یا نہیں کرنی چاہیے، بلکہ یہ ہے کہ کسی قوم کے ساتھ گفتگو کرتے وقت جمہوریت کے اصول کی بناء پر اکثریت کی رائے اور مرضی کو پیش نظر رکھنا چاہیے یا اس اقلیت کے ساتھ رشتہ جوڑنا چاہیے، جس کی رائے گفتگو کرنے والے کو پسند ہو۔"

جمہوریت کا تقاضا کیا ہے؟

اخبار مزید لکھتا ہے:

"ہر شخص اعتراف کرے گا کہ بنائے مفاہمت اکثریت ہی کی رائے ہو سکتی ہے، اس اقلیت کی رائے نہیں ہو سکتی جسے گفتگو کرنے والا پسند سمجھے، اور کسی گروہ کو چھوڑنے یا نہ چھوڑنے کا سوال درمیان میں لانا بالکل لغو اور مہمل ہے۔ جن لوگوں کی ہمنوائی پر کانگریس اس درجہ خوش ہو رہی ہے۔ وہ لوگ اگر مسلمانوں کی اکثریت کو اپنے ساتھ نہیں ملا سکے تو اس کا مطلب لازماً یہی ہے کہ ان کی نمائندگی بے وجہ ہے، لہٰذا ان کی معیت بالکل بے سود ہے، پنڈت نہرو اور گاندھی جی دونوں جانتے ہیں اور ہندوستان کی تمام اقوام میں ایسے لوگ اب تک موجود ہیں، جو انگریزی حکومت کے متعلق کانگریس، لیگ اور دوسری ذمہ دار جماعتوں سے بالکل مختلف رائے رکھتے ہیں، پھر کیا انگریز ان لوگوں کی رائے کو کانگریس اور لیگ کی رائے کے مقابلے میں پیش کرنے میں حق بجانب ہوں گے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو پنڈت نہرو کا مندرجہ بالا عذر بھی بالکل باطل ہے۔ وہ نہ نمائندگی اقوام کے معیار پر پورا اترتا ہے نہ جمہوریت کے اصول کے مطابق ہے، بلکہ نری فرقہ پرستی اور غرض پرستی ہے۔ تعجب ہے کہ پنڈت نہرو کو یہ طرز عمل اختیار کرتے ہوئے کوئی حجاب محسوس نہ ہوا۔"

ہندوستان کا مطالبہ

اخبار آگے چل کر لکھتا ہے:

"دوسرا امر یہ ہے کہ حکومت سے مطالبہ کرنے سے پیشتر اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے ساتھ سمجھوتہ حد درجہ ضروری ہے، اس کے بغیر ہندوستان بھر کا مطالبہ وجود پذیر نہیں ہو سکتا۔ کانگریس دس برس سے یا اس سے بھی زیادہ مدت سے کچھ کہتی رہی ہو، لیکن اس کی آواز نہ پہلے ہندوستان کی آواز تھی نہ آج ہندوستان کی آواز ہے۔ ہندوستان کی آواز وہی ہو گی، جس میں تمام قومیں فی الجملہ شامل ہوں گی لیکن آپ دیکھیں کہ پنڈت نہرو ہندوستانیت کی اس ابجد سے بھی ناواقف ہیں یا ناواقف رہنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے کل عرض کیا تھا، ان کی خواہش و کوشش محض یہ تھی اور ہے کہ جو کچھ ان کی زبان پر جاری ہو چکا ہے۔ ساری دنیا اس کی تائید کرے یہ نہیں کہ قومیں جو کچھ چاہتی ہیں۔ وہ اتفاق و یک جہتی سے پورا ہو۔ پھر یہ لوگ کس بناء پر جمہوریت کے دعوے کر رہے ہیں جبکہ انہیں فی الحقیقت جمہوریت سے کوئی علاقہ اور کوئی مناسبت نہیں۔"

جناح اور رائل کمیشن کی تجویز

اخبار اپنے اداریہ میں مزید لکھتا ہے:

"ان دو امور کے علاوہ پنڈت نہرو نے "یوم نجات" کو بھی اپنے حلقوں میں رکاوٹ بنا لیا اور کہا کہ اس کی وجہ سے نفسیاتی موانع پیدا ہو گئے ہیں حالانکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ دعویٰ بھی سراسر باطل ہے۔ مسلمانوں کو

کانگریس سے جو شکایات ہیں وہ عالم آشکارا ہیں۔ ان شکایات کے متعلق اسلامی اخبار اور اسلامی جماعتیں بارہا اعلان کر چکی ہیں۔ مسلم اکثریت والے صوبوں کے وفود نے ان شکایات کو مسلم اکثریت والے صوبوں کے دوروں میں پے در پے پیش کیا۔ ان کے متعلق تحقیقات کا مطالبہ ہوا۔ مسٹر جناح نے رائل کمیشن کی تجویز پیش کی۔ یوم نجات ان شکایات کا جامع مظاہرہ تھا۔ جب تک کانگریس اپنی معاندانہ روش پر قائم رہے گی، مسلمانوں کے لیے اور مسلم لیگ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوگا کہ وہ معاندت کی مذمت کرتے جائیں اور جب تک منصفانہ سمجھوتہ نہیں ہوگا یہ صورتحال باقی رہے گی۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ کانگریس خود تو عملی مواقع اور عملی رکاوٹوں میں بھی ڈھائی برس تک شامل نہیں ہوئی لیکن لیگ کے جوابی طرزِ عمل کو ''نفسیاتی رکاوٹیں'' قرار دیتی ہوئی نہیں شرماتی۔''

افسوسناک تہمت طرازی

اس سلسلے میں اخبار اپنے اداریہ میں مزید لکھتا ہے:

''یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ پنڈت نہرو نے لاہور والی تقریر میں یا بعض دوسری تقریروں میں لیگ اور مسٹر جناح کی پوزیشن کے متعلق جو کچھ بیان کیا تھا، وہ بالکل غلط اور ناواجب تھا۔ مسٹر جناح نے بالکل درست فرمایا ہے کہ لیگ یا مسٹر جناح پر یہ الزام تراشنا کہ وہ ہندوستان میں برطانوی اقتدار کو قائم رکھنے کے خواہاں ہیں نہ محض بے بنیاد و بے اصل ہی ہے، بلکہ سراسر کمینگی کا مظاہرہ ہے۔ ایک ذمہ دار لیڈر کی زبان پر اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ باتوں کا جاری ہونا قطعاً زیبا نہیں، لیگ آزادیٔ ہند میں کانگریس سے پیچھے نہیں، بلکہ وہی ایک جماعت ہے جو ہندوستان کو حقیقی آزادی دلانے کے لیے مساعی ہے۔ کانگریس محض ہندوؤں کی آزادی کے لیے جدوجہد کر رہی ہے، آزادیٔ ہند سے اسے کوئی علاقہ نہیں۔''

جناح کا ہاتھ

اخبار آگے چل کر اپنے اداریہ میں لکھتا ہے:

''مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے ایک بیان میں فرمایا تھا کہ کانگریس نے جب کبھی گفتگو کا دروازہ کھولا، اتفاقاً ایک ہاتھ اس دروازے کو بند کرنے کے لیے نمودار ہوتا رہا۔ یہ مسٹر جناح کا ہاتھ تھا لیکن ہم مولانا محترم سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ شائع شدہ خط و کتابت سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ کیا گفتگو کا دروازہ مسٹر جناح نے بند کیا؟ کیا یہ ظاہر نہیں کہ پنڈت جواہر لعل نہرو نے اس دروازے کو دونوں ہاتھوں سے بند کر کے اندر سے زنجیر لگا دی، تاکہ کوئی اسے کھول نہ سکے؟ کیا یہ ظاہر نہیں کہ مولانا محترم اور ان کے چند رفیقوں یا ہم خیالوں کے ساتھ کانگریس کے دیرینہ تعلقات کے عذر باطل کو اس دروازے کی بندش کا ایک سبب بنایا گیا؟ مسلم لیگ کے ارکان اور اس کے حامی مولانا ممدوح کی نظروں میں مستحق توجہ ہوں یا نہ ہوں، لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جس ملت کے وہ نمائندے ہیں، وہ مولانا یا ان کے رفیقوں کے ساتھ نہیں ہے بلکہ ان کی شدید مخالف ہے؟ اگر کانگریس کی روش یہی ہے تو مسلمانوں کے لیے اس کے سوا چارۂ کار کیا ہے کہ وہ ہندوستان کو تقسیم کر دینے کی تجویز سامنے لائیں؟ اگر سمجھوتہ نہیں

ہوسکتا تو کشمکش کو ختم کردینے کی اس کے سوا کیا شکل ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے دوائر الگ الگ کر دیے جائیں۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 11 جنوری 1940ء)

جناح ہال

قائداعظم محمد علی جناح سے صدر جنرل محمد ضیاالحق کو بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ انہوں نے اس کا اظہار چند اقدامات کر کے کیا جن میں ملک بھر کے ٹاؤن ہالز کو جناح ہال کا نام دیا گیا۔

جناح ہال (بمبئی)

قائداعظم محمد علی جناح نے کانگریس میں رہ کر ملک کے لیے جو خدمات انجام دیں ان کے اعتراف کے نتیجے میں کانگریس نے بمبئی میں جناح ہال تعمیر کرایا۔ اس کا افتتاح 1921ء میں مسز سروجنی نائیڈو نے کیا۔ اس ہال میں جو سنگ بنیاد نصب کیا گیا اس پر یہ تحریر ہے:

''1918ء میں مسٹر جناح نے جو باوقار اور شاندار خدمات مادر وطن کے لیے انجام دیں ان کی یادگار میں یہ ہال تعمیر کیا گیا۔''

اس ہال کی تعمیر میں فضل شاہ، حمید صاحب، ڈاکٹر صادق، نواب رشید علی خان، شیخ محمد حسین رحیم بخش، علم دین، چراغ علی اور اے بی اکرم نے بھرپور حصہ لیا۔

جناح ہال (سرگودھا)

یہ ہال سرگودھا میں کمپنی باغ میں تعمیر کیا گیا ہے، یہ عمارت سرگودھا کے تعمیراتی طرز کا بہترین نمونہ ہے۔ سرگودھا شہر کی تمام ثقافتی سرگرمیاں اسی ہال میں ہوتی ہیں۔ اس سے متصل لائبریری بھی ہے۔

جناح ہاؤس (بمبئی)

بمبئی کے مالابل بار ہل کے علاقے میں یہ عمارت واقع ہے اور تقسیم ہند تک یہ عمارت قائداعظم محمد علی جناح کی رہائش گاہ تھی۔ تقسیم کے بعد یہ عمارت حکومت ہند کے قبضہ میں آگئی حکومت نے اس کے صدر دروازے پر لگی ہوتی تختی کو برقرار رکھا۔ اس پر یہ عبارت درج ہے:

''جناح ہاؤس نمبر 2 ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ مالا بار ہل بمبئی۔''

مہاراشٹر میں مرکزی حکومت کے تعاون سے چلنے والے خود مختار ثقافتی ادارے انڈین کونسل برائے ثقافتی تعلقات کی اس عمارت پر نظریں لگی ہوئی ہیں۔

یہ عمارت 1930ء کے دوران تعمیر ہوئی اور اس کا نقشہ برطانوی ماہر تعمیرات کلاوڈ باٹلے نے تیار کیا۔ مشہور ماہر تعمیرات یحیی مرچنٹ نے بھی اس عمارت کی تعمیر کے لیے مفید مشورے دیے، اس کو دیکھنے سے اسلامی فن تعمیر کی ایک جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ سامنے کا حصہ ستونوں اور محرابوں پر مشتمل ہے تمام فرش سنگ مرمر سے بنے ہیں۔ غسل خانوں میں خاص قسم کا سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ دروازوں میں لکڑی کے سامان کشمیری اخروٹ کے درخت کی لکڑی سے تیار کیے گئے ہیں۔ رہائش گاہ کے اندر داخل ہونے والے کو پہلے باغ سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ تین منزلوں میں ہے۔ بمبئی بچاؤ کمیٹی کے صدر کشن مہتہ اور بمبئی ماحولیاتی ایکشن گروپ کے ناظم چغتائی اس عمارت کو ثقافتی ادارے کے حوالے کرنے کے سخت مخالف ہیں۔

اسے 1983ء میں بند کر دیا گیا تھا۔ اس کے اردگرد کی زمین پر اعلیٰ بھارتی حکام کی رہائش گاہوں کے لیے پانچ کروڑ روپے کی لاگت سے تیس فلیٹوں پر مشتمل دو بڑی عمارات تعمیر کی گئی ہیں۔ بھارتی حکومت نے اسے بمبئی میں مقیم برطانوی ہائی

کمشنر کو کرایہ پر دے دیا تھا جسے وہ اپنی رہائش گاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ 1980ء میں اچانک بھارتی حکومت نے برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر سے یہ گھر خالی کرالیا۔

اسے بمبئی بچاؤ کمیٹی نے بچانے کے لیے اپریل 1988ء میں بھارت کے سیکرٹری ترقیات ڈی ایم آخوت تھنکو کو خطوط لکھے جن میں کہا گیا تھا:

''یہ عمارت تاریخ اور فن تعمیر کے لحاظ سے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔''

کمیٹی کے صدر کشن مہتہ نے کہا:

''حکومت اس ثقافتی یادگار سے لاتعلق نہ رہے اور اسے تحریک آزادی کے عجائب گھر میں بدل دیا جائے۔''

جناح، یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ

اس کتاب کو عبداللہ بٹ نے مرتب کیا، اور اسے قومی کتب خانہ لاہور نے 1946ء میں شائع کیا۔ کتاب 200 صفحات پر مشتمل ہے۔

جنازہ

قائداعظم محمد علی جناح کا انتقال 11 ستمبر 1948ء کو ہوا۔ یہ قوم کے لیے سانحہ عظیم تھا۔ پوری قوم غم واندوہ میں ڈوب کر رہ گئی۔

12 ستمبر 1948ء کو ریڈیو پاکستان کراچی سے زیڈ اے بخاری اور سید وقار عظیم نے اپنے محبوب قائداعظم کے جنازے کا آنکھوں دیکھا حال سنایا۔ اس رواں تبصرے کی روداد نقوش قائداعظم نمبر میں اس طرح درج ہے:

''تین بجنے میں ایک منٹ باقی تھا کہ کراچی سٹوڈیوز سے آواز آئی۔''

''حضرت قائداعظم کا جنازہ اٹھایا جارہا ہے۔ ہمارا نمائندہ گورنر جنرل ہاؤس میں موجود ہے وہ آپ کو اس کا آنکھوں دیکھا حال سنائے گا۔

ملت کے محبوب کا آخری سفر شروع ہوا۔''

یہ آواز ذوالفقار علی بخاری کی تھی اور اس آواز میں آنسو تھے۔ یہ آواز اسی سوگوار انداز میں ایک ایک لمحہ کا حال سناتی رہی:

''ملت کا باپ مرگیا۔''

اہل ملت زار و قطار رو رہے تھے۔ بخاری بھی رو رہا تھا مگر اسے ایک فرض ادا کرنا تھا کہ آپ کو دور افتادہ شرکائے غم کو قائداعظم کے جنازے کا حال سنائے۔ لاکھوں نفوس کا جلوس تھا گریاں اور خاموش۔

جلوس قائداعظم کے جنازے کو لیے ہوئے بڑھتا گیا جہاں تک نظر نے کام کیا بخاری نے ان اندوہناک مناظر کا حال سنایا جب جلوس نظروں سے اوجھل ہوگیا تو اس نے دوسرے مقام کے مائیکروفون کو اشارہ کیا۔

سید وقار عظیم کی آواز آئی:

اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام

(اقبالؒ)

جلوس ریڈیو پاکستان کے ہیڈکوارٹرز سے گزر گیا۔ سوا چار بجے جلوس نمائش کے میدان میں پہنچا اور وہاں سے بخاری وقار عظیم اور صدیقی نے غم واندوہ کا حال سنایا۔

عین پانچ بجے نماز جنازہ کھڑا ہوا۔ مبصرین خاموش ہو گئے۔ اللہ اکبر کی آواز آئی۔ عام طور سے تکبیر میں شوکت، عظمت سطوت اور جلال ہوتا ہے۔ آج کی تکبیر میں غم اور حزن و ملال کے جذبات تھے۔ نماز جنازہ کے بعد شیخ الاسلام حضرت

علامہ شبیر احمد عثمانی نے قائداعظم محمد علی جناح کے متعلق ایک خطبہ پڑھا۔

چھ بجے کے قریب قائداعظم محمد علی جناح کا جنازہ مرقد کے قریب لایا گیا۔ رائل پاکستان ایئرفورس کے جہازوں نے مرقد پر پھول برسائے اور کچھ وقت کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کے جسد مبارک کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ آنکھوں دیکھا حال سوا سات بجے ختم ہوا۔

جنازہ (سرکاری اعلان)

قائداعظم محمد علی جناح کے جنازہ کا سرکاری طور پر یہ اعلان کیا ہے:

''12 ستمبر 1948ء کو تین بجے بعد دوپہر فوجی اعزاز سے گورنمنٹ ہاؤس سے اٹھایا جائے اور پانچ بجے نمائش گراؤنڈ میں جامع مسجد کے قریب شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نماز جنازہ پڑھائیں گے اور پانچ بجے جامع مسجد کے احاطہ میں بابائے پاکستان محمد علی جناح کو سپرد خاک کیا جائے گا۔ حکومت پاکستان مسمانوں سے اپیل کرتی ہے کہ جنازہ کے ہمراہ نظم و نسق کو قائم رکھیں اور صبر و تحمل سے کام لیں۔''

جنگِ آزادی

روزنامہ انقلاب اپنے اداریہ 28 فروری 1940ء میں لکھتا ہے:

''اینگلو عربک کالج دہلی کے ہال میں مسٹر جناح نے مولانا شوکت علی مرحوم کی تصویر کی نقاب کشائی کرتے ہوئے جو تقریر کی، اس میں مولانا مرحوم کی حمیت اسلامی اور جوش ایمانی کا تذکرہ فرمانے کے بعد چند حقائق ایسی خوش اسلوبی اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے کہ ان کو سن کر ہر مسلمان کا ایمان تازہ ہوگیا۔

مولانا ظفر علی خان نے فرمایا تھا:

''مسلمان ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے پیدا ہوئے ہیں، انہیں چاہیے کہ نو آبادیوں کی سی حکومت کو جو گاندھی اور وائسرائے ان کے سر باندھنا چاہتے ہیں ٹھکرا کر کامل آزادی حاصل کریں۔''

اس پر مسٹر جناح نے فرمایا:

''یہ الفاظ تو بہت خوبصورت ہیں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ ہندوستان کو آزاد کرانے سے پہلے مسلمانوں کو خود آزاد ہونا ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''میں مسلمانوں کی جنگ آزادی کو بہت ضروری سمجھتا ہوں، لیکن اس کے لیے سامان اور تیاری کی ضرورت ہے۔''

اس کے بعد آپ نے صاف صاف کہا:

''جو شخص پوری تیاری اور ساز و سامان کے بغیر مسلمانوں کو آگے بڑھا کر ذبح کرائے گا وہ برا جرنیل ہوگا۔ میں ہر روز ہر طبقے کے لوگوں سے ملتا ہوں، اور مسلمانوں اور ہندوؤں میں نمایاں فرق پاتا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض پڑھے لکھے مسلمان سطحی خیالات رکھتے ہیں، اور لفظی ہنگامہ آرائیوں کی رو میں بہہ جاتے ہیں۔ لیکن میں اپنے ہندو دوستوں کو، ان کے مردوں اور عورتوں کو حتیٰ کہ ان کے غیر تعلیم یافتہ افراد کو بھی مسلمانوں سے میلوں آگے پاتا ہوں۔ مسلمان اقتصادی اعتبار سے نادار ہیں۔ تعلیمی لحاظ سے پسماندہ ہیں، اگر وہ چاہتے ہیں کہ اپنا واجبی درجہ حاصل کریں تو انہیں اپنے اندر ہر طرح کی قابلیت پیدا کرنی چاہیے۔ جو مسائل درپیش ہیں ان کی پیچیدگیوں کو سمجھنا چاہیے۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ کا نماز جنازہ پڑھانے کی تیاری کی جارہی ہے

لگاتار کوشش، لگاتار محنت، فرض اور ذمہ داری کا احساس یہ چیزیں کسی قوم کو بلند کرنے کے لیے ضروری ہیں۔''

اس کے بعد مسٹر جناح نے مسلمانوں کے سیاسی مسئلہ کو مختصر اور عام فہم انداز میں یوں بیان کیا:

''برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ گاندھی ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ مسلمان نہ برطانیہ کو اور نہ گاندھی اور نہ ان دونوں کو مل کر اپنے اوپر حکومت کرنے دیں گے۔ انہیں اپنی تقدیر خود تعمیر کرنے کا حق ہونا چاہیے۔''

اس کے بعد مسٹر جناح نے مسلم لیگ کے محدود وسائل کا ذکر کیا اور فرمایا:

''میرے پاس کوئی سیکرٹریٹ یا فوج نہیں ہے۔ میرا کل سامان ایک اٹیچی کیس، ایک ٹائپ رائٹر اور ایک پرسنل اسسٹنٹ ہے، لیکن اس بے سرو سامانی کے باوجود میں شکست خوردہ ذہنیت کا حامل نہیں ہوں۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ مجھے اپنی قوم پر کامل اعتماد نہیں، اور ان تمام مشکلات کے باوجود جو ہمیں درپیش ہیں، مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں نے جو سیاسی طبیعت پائی ہے، وہ کسی دوسری قوم کو نصیب نہیں۔ سیاسی فہم و فراست ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے، اب مسلم لیگ ان کا ایسا ادارہ ہے جس نے مسلمانوں کے لیے ایک پلیٹ فارم، ایک جھنڈا اور ایک پروگرام پیش کر دیا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے نظام کو زیادہ سے زیادہ قوت دیں۔''

آخر میں مسٹر جناح نے فرمایا:

''پوری طاقت اور تیاری کے بعد اس عمل کے میدان میں کوچ کے لیے قدم بڑھایا جا سکتا ہے۔''

آپ نے کہا:

''ماہ ستمبر 1939ء تک انگلستان ہٹلر کے مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ مسٹر چیمبرلین نے محض اس لیے میونخ کے میثاق پر دستخط کیے کہ انگلستان اس وقت تک اپنی جنگ کے لیے مکمل تیاری نہ کر سکا تھا۔ اس کے علاوہ گاندھی جی کو دیکھو، کانگریس طاقتور اور منظم جماعت ان کی پشت پر ہے، غیر محدود وسائل ہیں۔ عظیم الشان پریس ہے، لیکن اس کے باوجود وہ سول نافرمانی شروع کرنے میں پس و پیش کر رہے ہیں، اس لیے کہ وہ ابھی پوری طرح تیار نہیں ہیں اور تیاری میں مصروف ہیں۔''

اس کے بعد فرمایا:

''جدوجہد کے لیے تیاری کرو، جب میں محسوس کر لوں گا کہ ہم جو فیصلہ کریں گے، وہ ہمارا فیصلہ نہ ہوگا بلکہ بحیثیت مجموعی تمام مسلمانوں کا فیصلہ ہوگا، اس وقت میں کوچ کرنے پر آمادہ ہو جاؤں گا۔ میں کامل اتفاق رائے پر اصرار نہیں کرتا، لیکن اس پر ضرور مصر ہوں کہ قوم کی اکثریت کی ٹھوس اور ہوش مند حمایت میری پشت پر ہونی چاہیے۔ جس دن مجھے اس کا یقین ہو گیا، اس دن میں اپنے سینے پر گولیاں کھانے کے لیے بھی تیار ہو جاؤں گا۔ اس لیے مسلمانوں کو میری نصیحت یہی ہے کہ تیاری کرو، فتح کا راز صرف تیاری میں پوشیدہ ہے۔''

قائداعظم نے ہر چیز اس قدر سلاست و وضاحت سے بیان کر دی کہ اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ ہمارے ہوش مند اور عاقبت بین رہنما کو ہماری کمزوریوں اور ہماری صلاحیتوں کا یکساں احساس ہے۔ وہ اپنے اصول پر پہاڑ کی طرح قائم ہے، لیکن اسلام اور مسلمانوں کی

آزادی کے لیے اس وقت تک جدوجہد اور کشمکش کے میدان میں قدم رکھنے کو تیار نہیں، جب تک مسلمان متحد و منظم ہو کر اس کی پشت پناہ نہ بن جائیں، اگر مسلمان اس ملک میں عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو وہ اپنی آزادی کی جنگ کے لیے تیار ہو جائیں، اور اپنے رہنما کو یقین دلائیں کہ وہ حصولِ مقصد کے لیے اس کے حکم کے مطابق انتہائی قربانیاں دینے سے بھی دریغ نہ کریں گے۔"

(روزنامہ انقلاب، اشاعت: 28 فروری 1940ء)

جنگ آزادی کی فتوحات

روزنامہ الجمعیۃ نے اپنی اشاعت 16 جنوری 1937ء میں درج ذیل اداریہ میں پنڈت نہرو کے اس بیان پر تبصرہ کیا کہ ہندوستان کا اصل مسئلہ بھوک اور مفلسی ہے، چونکہ روزنامہ الجمعیۃ کانگریس کی حامی جماعت جمعیۃ العلماء ہند کا ترجمان تھا۔ اس لیے اس نے نہرو کے بیان پر جس انداز سے تبصرہ کیا ہے، اس سے ان دونوں جماعتوں کے "قریبی ذہنی تعلق" کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

"قارئین کو یاد ہوگا کہ محمد علی جناح نے یومِ محمد علی کے موقع پر کہا تھا کہ پنڈت نہرو کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ ہندوستان میں صرف دو مقابل جماعتیں ہیں، ایک کانگریس اور دوسری حکومت، کیونکہ ایک تیسری پارٹی بھی موجود ہے، اور وہ مسلمان ہیں۔ پنڈت جی نے مسٹر جناح کے جواب میں ایسوسی ایٹڈ پریس کو ایک بیان دیا ہے، جس میں آپ نے کہا ہے کہ "وقت کے اہم ترین حقائق اور ہندوستانیوں کے پیچیدہ ترین مسائل عوام کا فقر و فاقہ، بھوک پیاس اور بے کاری و بے روزگاری ہیں۔" کانگریس بلالحاظ مذہب و ملت تمام بھوکوں، بے روزگاروں اور پریشان حالوں کی نمائندہ ہے، اور اس کا حقیقی مقصد قوم کی تعمیر ہے۔ اس کے برعکس حکومت استعمار پرست ہے، اور اس کا منشاء شہنشاہیت کو قائم رکھنا ہے۔ درحقیقت امپریلزم اور نیشنلزم میں تصادم ہے، اور چونکہ کانگریس نیشنلزم کی ترجمان ہے، اور حکومت امپریلزم کی اس لیے حقیقی مقابلہ حکومت اور کانگریس میں ہے۔

پنڈت جی نے مسلم لیگ کے متعلق کہا ہے: "وہ ایک ایسے مسلم طبقے کی نمائندہ ہے، جو متوسط طبقے کے اعلیٰ افراد پر مشتمل ہے، اور عوام سے بے خبر اور خواص کی ترجمانی کرتا ہے۔"

آپ نے کہا:

"میں مسلم لیگ کے اکثر ارکان سے زیادہ مسلم عوام سے ملتا ہوں، اور جو لوگ کونسلوں میں بیٹھ کر شرح تناسب اور نشستوں پر لڑتے ہیں، ان سے زیادہ میں ان کی غربت و تنگ دستی، بھوک، پیاس اور تباہی و بربادی کو جانتا ہوں۔ میں بحیثیت صدر کانگریس تمام بھوکوں، بے روزگاروں اور غریبوں کا نمائندہ ہوں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔"

آخر میں آپ نے کہا:

"کانگریس مسلم لیگ اور ان تمام اداروں کے اشتراکِ عمل کا خیر مقدم کرتی ہے، جو استعمار دشمن ہوں اور عوام کی بہبودی کا درد رکھتے ہوں۔"

پنڈت جی کے افکار کس قدر قیمتی اور قابلِ ستائش ہیں اس کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں، لیکن موصوف نے جس موقع سے مسلم عوام سے اپنی آگاہی پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے متعلق ہم زعماء لیگ کو مخاطب کر کے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا دیانت داری کے

ساتھ اس تلخ حقیقت کا اعتراف کرنے کو تیار ہیں کہ مسلم عوام کی بربادی و تباہی اور فقر و فاقہ کے متعلق یگانوں سے بیگانے باخبر ہیں اور جناح سے زیادہ جواہر لعل نہرو درد رکھتا ہے۔

مسلم زعماء خواہ وہ کسی جماعت سے منسوب ہوں، یاد رکھیں کہ جب تک وہ نام نہاد اور نفس پرست لیڈروں کا طاغوت توڑ کر جواہر لعل کی طرح ایثار و قربانی نہیں کریں گے، اور ہندوستان کے ہر قریہ قصبہ میں پہنچ پہنچ کر بیکاروں اور بھوکوں کے غم خوار نہیں بنیں گے، اس وقت تک وہ کوئی اصلاحی اور تعمیری خدمت انجام نہیں دے سکتے، اور نہ ان کو حق ہے کہ وہ جنگ آزادی کی فتوحات میں شریک ہوں۔''

(روزنامہ الجمعیۃ، اشاعت: 16 جنوری 1937ء)

(دیکھئے: تیسری پارٹی)

جنگِ بلقان

1912ء میں ترکی پر نئی مصیبت آن پڑی، جس سے ہندوستانی مسلمانوں کے زخم مزید گہرے ہو گئے۔ بلقانی ریاستوں نے برطانیہ اور دیگر طاقتوں کے ایماء پر ترکی کو یورپ سے نکالنے کی خاطر ترکی پر حملہ کیا۔ اس موقع پر بھی ہندوستانی مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر اپنے ترک بھائیوں کی قدمے سخنے اور درمے امداد کی۔ علی گڑھ کالج کے طلباء نے ایثار و قربانی کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے گوشت، فرنی اور سویٹ ڈش کا استعمال ترک کر کے اس کی بچت چندہ میں جمع کرانے لگے۔ انہوں نے اپنے کمروں کے پردے تک فروخت کر کے اس کی رقم ترکوں کے امدادی فنڈ میں دے دی۔

10 نومبر 1912ء کو ترک کے مسلمانوں سے اظہارِ ہمدردی کے لیے ٹاؤن ہال بمبئی میں ایک اجلاس منعقد ہوا، اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے بھی شرکت کی، انہوں نے جنگ بلقان کے حوالے سے ترکی کے مسلمانوں سے گہرے روابط اور ہمدردی کا اظہار کیا۔

جنگِ فرنگ

جرمنی کے خلاف اتحادیوں نے یکم ستمبر 1939ء کو اعلان جنگ کیا۔ کانگریس محوریوں کے مخالف تھی، اور اتحادیوں کے مقاصد سے ہمدردی رکھتی تھی، پھر بھی وہ جنگ میں تعاون کرنے سے ہچکچا رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی حکومت اس کے سامنے ہتھیار ڈال دے۔ ہندوستان کی حکومت اس کے حوالہ کر دے اور مسلمانوں کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دے۔

جب کانگریس نے یہ دیکھا کہ حکومت ہند کانگریس کے ہاتھ میں ہندوستان کی حکومت دینے کو تیار نہیں ہے تو اس نے 22 مارچ 1939ء کو کانگریسی وزارتوں کو حکم دیا کہ وہ مستعفی ہو جائیں۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور کانگریسی صوبوں میں انڈیا ایکٹ 1935ء کی دفعہ نمبر 92 کے مطابق گورنر راج قائم ہو گیا۔

کانگریس نے اپنے دورِ حکومت میں مسلمانوں پر جو مظالم توڑے تھے وہ مسلمانوں کے دلوں میں تازہ تھے۔ جب کانگریسی وزارتیں مستعفی ہوئیں تو مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش سے ''یوم نجات'' منایا۔ اس تقریب میں اچھوتوں اور دوسری اقلیتوں نے نمایاں حصہ لیا۔

یہ جنگ ایسے نازک وقت میں دفعۃً اور اچانک شروع ہوئی تھی کہ حکومت ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنے پر مجبور تھی، لہٰذا قصر وائسرائے میں قائداعظم محمد علی جناح اور گاندھی جی مدعو کیے گئے۔ متحدہ مطالبہ کی صورت میں حکومت بعد از جنگ آزادی اور دوران جنگ میں ''آزادی کا مغز'' دینے کو تیار تھی لیکن گاندھی مصر تھے کہ جنگ کا بار کانگریس کے کندھے پر ڈال دیا جائے۔ اسے ہندوستان کی واحد سیاسی

نمائندہ جماعت تسلیم کر لیا جائے اور مسلم لیگ کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے۔

کانگریس نے یہ دیکھ کر کہ حکومت اس کی بات نہیں مانتی سول نافرمانی کی دھمکی دینی شروع کر دی تھی، اور گاندھی کو اختیار دے دیا کہ وہ جب اور جس طرح چاہیں سول نافرمانی شروع کر دیں۔

مسلم لیگ کی روش

اس جنگ میں تقریباً سارا عالم اسلام بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک تھا، لہٰذا مسلم لیگ کوئی جارحانہ فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن وہ غیر مشروط طور پر حکومت کا ساتھ دینے کو بھی تیار نہیں تھی۔ مسلم لیگ کو عالم اسلام کا مستقبل پیش نظر رکھنا تھا، ہندوؤں کا مستقبل پیش نظر رکھنا تھا۔ وہ کوئی ایسی روش نہیں اختیار کر سکتی تھی جو ان تینوں میں سے کسی ایک کے لیے بھی مضر اور نقصان دہ ہو۔

مسلم لیگ اب ٹوڈیوں اور سرکار پرستوں کی جماعت نہیں تھی۔ وہ اب ایک عوامی جماعت تھی وہ حکومت کی آلہ کار نہیں بن سکتی تھی۔ وہ حکومت کا ساتھ دینے کو تیار تھی، لیکن ایک ملازم، ایک خادم، ایک غلام کی حیثیت سے نہیں۔ ایک دوست، ایک رفیق اور ایک فریق کی حیثیت سے!

اس سلسلہ میں وائسرائے اور قائداعظم محمد علی جناح کی حسب ذیل خط وکتابت خاص طور پر قابل ذکر ہے:

نیو دہلی 5 نومبر 1939ء

ڈیئر لارڈ لنلتھگو!

2 نومبر کو میرے اور آپ کے درمیان جو ملاقات ہوئی تھی اس میں اس مسئلہ پر اچھی طرح بحث ہوگئی تھی، اور اب میں یور ایکسی لینسی کی خواہش کے مطابق ذیل کے معاملات آپ کے غور اور جلد سے جلد جواب کے لیے پیش کر رہا ہوں۔

1. یہ کہ جیسے ہی حالات اجازت دیں یا جنگ کے فوراً بعد گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء سے قطع نظر ہندوستان کے آئندہ دستور کے پورے مسئلہ کی از سر نو جانچ کی جائے گی اور اس پر غور کیا جائے گا۔
2. یہ کہ ملک معظم کی گورنمنٹ یا پارلیمنٹ ہندوستان کی دو بڑی قوموں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کی رضا مندی اور منظوری کے بغیر اصولاً یا کسی اور طرح نہ کوئی اعلان کیا جائے گا اور نہ کوئی دستور بصورت قانون منظور کیا جائے گا۔
3. یہ کہ ملک معظم کی گورنمنٹ کو چاہئے کہ فلسطین کے عربوں کے تمام معقول قومی مطالبات پورے کرے۔
4. یہ کہ ہندوستانی فوجوں سے ہندوستان کے باہر کسی اسلامی ملک یا سلطنت کے خلاف کام نہیں لیا جائے گا۔

18 دسمبر کے اجلاس ورکنگ کمیٹی کے بیان میں ایک معاملہ کا اور ذکر تھا، اور وہ یہ کہ ان صوبوں میں جہاں کانگریس کی حکومت تھی، اور جہاں مسلمانوں کے ابتدائی حقوق تک بھی بے دردی کے ساتھ پامال کیے گئے وہاں ان کے حق میں انصاف کرایا جائے، لیکن چونکہ کانگریسی حکومتیں مستعفی ہو چکی ہیں، اب میں اس معاملہ کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

کیمپ وائسرائے ہندوستان

کلکتہ۔ مورخہ 13 دسمبر 1939ء

اب میں اس قابل ہو گیا ہوں کہ آپ کے خط مورخہ ۵۔ نومبر کا جس میں آپ نے بعض معاملات میرے غور کے لیے پیش کیے ہیں جواب دے دوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ یہ مانیں گے کہ آپ کے خط میں ایک سے زیادہ ایسے مسائل ہیں کہ اگر ان پر تمام باتوں کی روشنی میں غور کیا جائے، جو ان میں مضمر ہیں تو اس کا اثر ہندوستان کے دوسرے فرقوں پر پڑے گا

اور نیز آپ یہ بھی مانیں گے کہ میری اور آپ کی باہمی خط و کتابت کا ان مسائل پر اعلان مناسب نہیں ہے، لیکن مجھے یہ امید ہے کہ میرے جوابات سے اگرچہ وہ معناً محدود ہیں آپ کی دشواریاں رفع ہو جائیں گی۔ آپ کے پہلے سوال کا میری طرف سے یہ جواب ہے کہ میں نے ملک معظم کی منظوری سے 18 اکتوبر کو جو اعلان کیا تھا اس سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے کسی جزو کی یا اس کی پالیسی کی جس پر وہ مبنی ہے جانچ خارج نہیں ہے۔

آپ کی دوسری بات کے متعلق میں یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ ملک معظم کی گورنمنٹ کو اس معاملہ میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے کہ ہندوستان کے آئینی استحکام اور ترقی کے لیے آپ کی قوم کا مطمئن ہونا کس قدر اہم ہے، لہٰذا آپ کو اس بات سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہندوستان میں اپنی حیثیت کی وجہ سے آپ کی قوم کی رائے کا جو وزن ہے، اس کو گھٹایا جائے گا۔

فلسطین کے متعلق اپنی پالیسی قائم کرنے میں ملک معظم کی گورنمنٹ نے عربوں کے تمام معقول مطالبات پورے کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس کو اس مسئلہ کی اہمیت کا احساس ہے

آخر میں آپ نے یہ ضمانت چاہی ہے کہ ہندوستانی فوجیں کسی مسلم حکومت یا کسی ملک کے خلاف ہندوستان سے باہر استعمال نہیں کی جائیں گی۔

خوش نصیبی ہے چونکہ ملک معظم کی گورنمنٹ کسی مسلم حکومت سے برسرپیکار نہیں ہے، لہٰذا یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ بہرکیف یہ آپ مانیں گے۔ ایسی وسیع شرائط میں اس کی ضمانت جو آپ کے خط میں درج ہیں ممکن نہیں جس کا اثر یہ ہوگا کہ ہندوستان کو اپنے تحفظ میں اور ایسے حالات میں جنہیں کوئی پہلے سے نہیں جان سکتا اپنی فوجیں استعمال کرنے کا کوئی حق نہ رہے گا، لیکن موجودہ حالات میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا کی خواہش پر ملک معظم کی گورنمنٹ اس کی پوری طرح احتیاط کر رہی ہے کہ مسلمانانِ ہند کے جذبات کا پورے طور پر احترام کیا جائے گا۔"

اسمبلی میں جناح کی تقریر

کانگریس کے میدان سے ہٹ جانے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح مسلم لیگ کی طرف سے مکمل تعاون کی امید حکومت کو دلا رہے تھے لیکن ان کی صاف اور واضح شرط یہ تھی کہ ''ہم اپنی جیب کی آخری پائی اور اپنے خون کا آخری قطرہ اس جنگ میں صرف کرنے کو تیار ہیں لیکن شریکِ اختیار بن کر تابع اقتدار بن کر نہیں۔'' قائداعظم محمد علی جناح کا فرمانا یہ تھا کہ کانگریس جب آمادہ تعاون ہو تو مسلم لیگ ایک قوم کے نمائندہ کی حیثیت سے مساوی بنیادوں پر نہ کہ اقلیت کی حیثیت سے شریک کار ہوگی، لیکن جب تک کانگریس آمادہ تعاون نہیں ہوتی مسلم لیگ کو ایگزیکٹو کونسل میں اکثریت ملے گی تو وہ حکومت ہاتھ میں لے گی ورنہ نہیں۔ حکومت نے جس طرح کانگریس کا مطالبہ نہیں مانا مسلم لیگ کا بھی نہیں مانا، اور وہ ملک کی کسی اہم جماعت کا تعاون نہ حاصل کر سکی

مرکزی اسمبلی میں حکومت کے نمائندے جو تقریریں کرتے تھے، ان میں نازی زندگی اور بربریت کے لرزہ خیز واقعات بتا کر ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ کہتے تھے اگر جرمنی غالب آ گیا تو ہندوستان کی حاصل کردہ سیاسی ترقیاں ختم ہو جائیں گی۔ یورپین نمائندہ مسٹر پی۔ جے گرفتھس نے ایک ایسی دہشت انگریز تقریر کی جس کا منہ توڑ جواب 9 نومبر 1940ء کو ایک تقریر میں قائداعظم محمد علی جناح نے یہ دیا:

''اگر حکومت مجھے اس دلیل سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کرے گی کہ اگر انگلستان ہار گیا تو ہندوستان کا کیا حال ہوگا تو میں یہ جواب دوں گا کہ میں ہرگز

انگلستان کی شکست نہیں چاہتا، میں نے ایسا کبھی نہیں کہا ہے، لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ اگر انگلستان کو شکست ہوگئی تو انگلستان نہ صرف اپنی آزادی اور خودمختاری سے محروم ہو جائے گا۔ نہ صرف وہ نازیوں کی ٹھوکر تلے آجائے گا بلکہ اس کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہ جائے گا۔ کیا میں حکومت سے یہ نہ کہہ دوں گا کہ مجھ سے کہیں زیادہ خطرہ میں تم کھڑے ہوئے ہو؟''

کمانڈر انچیف کی دعوت مسترد

لارڈ ویول مصر کے محاذ سے ہندوستان کے کمانڈران چیف بنا کر یہاں بھیجے گئے۔ انہوں نے مساعی جنگ کے سلسلہ میں ایک مشاورتی اجتماع کیا جس میں قائداعظم محمد علی جناح کو شرکت کی دعوت دی لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے اس اجتماع میں شرکت سے صاف انکار کر دیا انہوں نے جواب دیا:

''میں اس وقت تک حکومت کی کسی سرگرمی میں تعاون نہیں کر سکتا، جب تک مسلم لیگ کے مطالبات نہ مان لیے جائیں، میں بااختیار شریکِ کار کی حیثیت سے شریک ہو سکتا ہوں، لیکن مشیر اور ملازم کی حیثیت سے نہیں۔''

(قائداعظم اور ان کا عہد، از رئیس احمد جعفری)

جھنڈا لہرانے پر واک آؤٹ

الٰہ آباد یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ اپریل 1942ء میں کانگریس کے جنرل سیکرٹری اچاریہ کرپلانی نے کانگریسی طلبا کے کہنے پر سینٹ ہاؤس پر کانگریسی جھنڈا لہرانے کا اعلان کیا۔ مسلمان طلبا نے شدید احتجاج کیا اور کہا:

''صرف ایک پارٹی کا جھنڈا نہیں لہرایا جا سکتا۔''

پرچم کشائی کے روز جب اچاریہ کرپلانی جھنڈا لہرانے کے لیے اٹھے تو مسلم طلبا نے اپنا موقف دہراتے ہوئے کہا:

''نہیں نہیں۔''

لیکن اس کے باوجود پرچم لہرا دیا گیا تمام مسلمان طلبا واک آؤٹ کر گئے۔ اتفاق کی بات ہے قائداعظم محمد علی جناح الٰہ آباد موجود تھے۔ تین چار مسلم طلبا شاہ محمود، سلیمان ذوالنورین اور نورالحسن جعفری قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مدعا بیان کیا۔ انہوں نے غور سے طلبا کی بات سنی اور کہا:

''میں یونیورسٹی میں جھنڈا لہرانے کے سوال پر مسلم طلبا کا خون نہیں بہنے دوں گا۔ ہمیں ایک بہت بڑے مقصد کے لیے خون کی ضرورت پڑے گی جسے بچا کر رکھنا ہوگا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے طلبا کو سمجھایا اور چودھری خلیق الزمان کو ہدایت کی:

''آپ طلبا سے بات چیت کریں۔''

چودھری خلیق الزمان کے کہنے پر طلبا نے جھنڈا لہرانے اور جلوس نکالنے کا خیال ترک کر دیا لیکن انہیں یہ فائدہ ہوا کہ وائس چانسلر پروفیسر امرناتھ نے انہیں الگ یونین بنانے کا موقع دیا، مگر اسی دوران گاندھی کی تحریک ہندوستان چھوڑ دو کے سلسلے میں ہنگامے شروع ہوگئے اور یونیورسٹی بند کر دی گئی۔ یونیورسٹی کے کھلنے پر پھر طلبا نے وائس چانسلر سے مطالبہ کیا کہ الگ یونین بنانے کا وعدہ پورا کیا جائے۔ وائس چانسلر کو طلبا کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا۔ 1946ء کے اوائل میں سردار عبدالرب نشتر نے اس یونین کا افتتاح کیا۔

امرناتھ جھا 25 فروری 1897ء کو الٰہ آباد میں پیدا ہوئے۔ 1930ء میں الٰہ آباد یونیورسٹی میں ان کا تقرر پروفیسر کی حیثیت سے ہوا۔ الٰہ آباد میونسپلٹی کے وائس چیئرمین صدر آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس رائل سوسائٹی آف لٹریچر کے فیلو اور انڈ

آباد یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے۔

جھوٹا الزام

پروفیسر رفیع اللہ شہاب اپنی کتاب ''جدوجہد قیامِ پاکستان'' میں رقمطراز ہیں:

''جماعت اسلامی اپنی سابقہ تاریخ کی وجہ سے قیام پاکستان کے بعد کافی عرصے تک پریشان رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جماعت اسلامی کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے قیام پاکستان کی سخت مخالفت کی تھی، یہاں تک کہ ملک کے آخری انتخاب کہ جن کے نتیجے میں قیام پاکستان کا فیصلہ ہونا تھا، مودودی صاحب نے جماعت کے اراکین کو پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنے سے منع کر دیا تھا، پاکستان کے قیام کی مخالفت کے ضمن میں انہوں نے قائداعظم پر بھی کیچڑ اچھالی۔ انہیں منافق اور نامعلوم کن کن برائیوں کا مجموعہ قرار دیا تھا جس کی قیام پاکستان کے بعد انہوں نے عجیب عجیب تاویل کی۔

قیام پاکستان کے بعد مودودی صاحب اپنی پہلی فرصت میں پاکستان تشریف لے آئے، اب انہوں نے اور ان کے عقیدت مندوں نے اپنی سیاسی ناکامی تسلیم کرنے کی بجائے اس ناکامی کی وضاحت اس طرح کرنے کی کوشش کی کہ انہوں نے قیام پاکستان کی کوئی مخالفت نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے تو یہاں تک دعویٰ کر دیا کہ مودودی صاحب کے قائداعظم کے ساتھ نہایت ہی خوشگوار تعلقات تھے۔ وہ آپ کی علمیت کی بڑی قدر کرتے تھے اور ان کی سربراہی میں اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں ایک مجلس مشاورت بھی قائم کی تھی وغیرہ وغیرہ۔

جماعت اسلامی قیام پاکستان کے بعد پچھلے بیالیس سال سے یہ وضاحتیں کرتی چلی آ رہی تھی لیکن اب جب کہ اس کی جانب سے جماعت کی گولڈن جوبلی منائی جا رہی ہے تو انہوں نے دوبارہ یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ مودودی صاحب نے قیام پاکستان کی اس لیے مخالفت کی تھی کہ قائداعظم سمیت اس کے تمام لیڈر منافق تھے۔ ان کی زندگیوں میں نہ تو اسلام کی کوئی جھلک تھی اور نہ ہی یہ اسلام کے بارے میں مخلص تھے، اور نہ ہی یہ پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنے کے بارے میں مخلص تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان پر اتنا لمبا عرصہ گزر چکا ہے، اور ابھی تک ملک میں اسلامی نظام نافذ نہیں ہو سکا۔

(ہفت روزہ ایشیا مورخہ 25 اگست 1991ء صفحہ 20)

ہفت روزہ ایشیا جماعت اسلامی کا سرکاری ترجمان ہے، اور اوپر جو اقتباس پیش کیے گئے ہیں وہ جماعت اسلامی کے ایک سابق امیر اور سب سے بڑے لیڈر میاں طفیل محمد صاحب کے مضمون سے لیے گئے ہیں۔ اس مضمون میں تو میاں صاحب نے یہاں تک دعویٰ کر دیا ہے کہ پاکستان کا تصور قرارداد پاکستان سے کئی سال پہلے مودودی صاحب نے ہی پیش کر دیا تھا۔ (صفحہ 21)

اس طرح میاں صاحب نے پاکستان کی نئی نسل کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ پاکستان کے اصل بانی تو مودودی صاحب تھے، قائداعظم اور مسلم لیگ کے دوسرے لیڈروں نے قیام پاکستان کے بارے میں جو کوششیں کی تھیں وہ خلوص پر مبنی نہیں تھیں کیونکہ یہ لوگ نعوذ باللہ منافق تھے۔

اس سلسلے میں میاں صاحب نے اسی مضمون میں یہ بھی

بتایا ہے کہ مودودی صاحب قائداعظم اور مسلم لیگ کے دوسرے لیڈروں سے کیوں خفا تھے۔ میاں صاحب اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مسلم لیگ اس وقت بڑے بڑے زمینداروں، جاگیرداروں اور وڈیروں کا ایک ٹولہ تھا۔ جو اپنے مفادات کی حفاظت کے لیے مسلم لیگ میں شامل ہو گیا تھا۔ قائداعظم اس ٹولے کی قیادت کر رہے تھے، ان لوگوں کو اپنا مفاد عزیز تھا، قوم کے بارے میں یہ کبھی مخلص نہ تھے وغیرہ (صفحہ 20)

حیرت کی بات ہے کہ جماعت اسلامی پچھلے چالیس سالوں میں جن الزامات کی تردید کرتی رہی ہے، اب نئی نسل کے سامنے اس کا ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کر دیا ہے، لیکن زمینداروں کے مفادات کے تحفظ کا جو الزام مودودی صاحب قائداعظمؒ پر لگا رہے ہیں اس کے اصل مجرم تو وہ خود ہیں، قائداعظمؒ تو ان لوگوں کا وجود ہی پاکستان سے ختم کرنا چاہتے تھے، لیکن مودودی صاحب نے قیام پاکستان سے کئی سال پہلے متعدد مرتبہ ان بڑے زمینداروں کو وارننگ دی تھی کہ وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنی اصلاح کر لیں اور غریب مسلمانوں کا استحصال بند کر دیں۔ مثلاً 24 اپریل 1943ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے تیسویں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے ان زمینداروں کو درج ذیل الفاظ میں سخت تنبیہ کی:

''میں اس موقع پر بڑے بڑے زمینداروں اور سرمایہ داروں کہ جنہیں ایک غلط نظام نے اس حد تک خود غرض بنا دیا ہے کہ وہ کسی دلیل کو سننے کو تیار نہیں، کو خبردار کرتا ہوں کہ وہ اپنی اصلاح کر لیں۔ غریب عوام کا استحصال ان کے خون میں رچ بس گیا ہے، اور انہوں نے اس بارے میں اسلامی تعلیمات کو بھلا دیا ہے، لالچ اور خودغرضی نے انہیں اپنے مفادات کا غلام بنا دیا ہے تاکہ وہ دوسروں کا استحصال کر کے اپنے آپ کو دولت مند بنا سکیں، یہ ٹھیک ہے کہ اس وقت ہم برسراقتدار نہیں۔ آپ دیہات میں کہیں بھی جائیں تو آپ کو ان بڑے زمینداروں کے استحصال کا اندازہ ہو گا۔ میں خود بہت سے دیہات میں گیا ہوں۔ وہاں پر ہمارے کروڑوں بھائی ایسے ہیں جنہیں دن میں ایک وقت کا کھانا بھی میسر نہیں، کیا یہی تہذیب ہے؟ اور کیا یہی پاکستان کے قیام کا مقصد ہے؟ کیا آپ لوگوں کو احساس ہے کہ ان کروڑوں لوگوں کا استحصال کیا گیا ہے، اور وہ سارے دن میں ایک وقت کے کھانے کے بھی محتاج ہیں، اگر پاکستان کے قیام کا مقصد اس استحصال کو جاری رکھنا ہے تو میں ایسے پاکستان سے باز آیا، اگر ان لوگوں میں تھوڑا بہت شعور بھی ہے تو انہیں نئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو بدلنا ہو گا۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ ہی انہیں ان کے برے انجام سے بچا سکے گا۔ ہم ہرگز ان کی مدد نہیں کریں گے۔''

(مسٹر جناح کی انگریزی تقریریں اور تحریریں بزبان انگریزی جلد اول صفحہ 507)

قیام پاکستان کے بعد قائداعظم نے اس معاملے کو خاص اہمیت دی لیکن چونکہ وہ ایک جمہوریت پسند لیڈر تھے، اس لیے وہ اسے جمہوری طریقے سے ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے دستور ساز اسمبلی کے اراکین کو خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے نئے بننے والے دستور میں اس بات کا خاص خیال رکھنے کے لیے کہا لیکن جب بڑے بڑے زمینداروں کو اس حقیقت کا علم ہوا تو انہوں نے آئین

سازی میں رخنہ اندازی کی، یہاں تک کہ قائد اعظم کی زندگی میں یہ اہم کام شروع ہی نہ ہوسکا، ان کی وفات کے بعد ان بڑے زمینداروں نے اس شرط پر دستور کے بننے کی اجازت دینے کا وعدہ کیا کہ ان کے غیر اسلامی زمینداری نظام کو ہاتھ تک نہ لگایا جائے۔ اس سلسلے میں علماء سے رابطہ قائم کیا گیا تو انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ زمینداری نظام کو خالص اسلامی نظام ثابت کرنے کے لیے باقاعدہ مہم چلائیں گے۔

چنانچہ اس مہم کی ابتداء کے طور پر "مسئلہ ملکیت زمین" کے عنوان سے کئی علماء نے کتابیں لکھ دیں۔ جن میں جماعت اسلامی کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی شامل تھے۔

دوسری کتابوں کی نسبت ان کی کتاب کو اس لیے زیادہ شہرت ملی کہ اسے بہت ہی بڑے پیمانے پر مفت تقسیم کیا گیا تھا۔ اس کتاب میں مودودی صاحب نے اعلان کیا کہ اسلام زمین کی ملکیت پر کوئی حد نہیں لگاتا۔ ایک مسلمان لاکھوں ایکڑ زمین کا مالک ہوسکتا ہے۔ اسلام اس بارے میں صرف ایک شرط عائد کرتا ہے کہ یہ اراضی جائز آمدنی سے حاصل کی گئی ہو۔

(مسئلہ ملکیت زمین صفحہ 90)

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ جو لوگ زمین کو خود کاشتی کی حد تک محدود کرنا چاہتے ہیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ مارکس اور لینن کے شاگرد ہیں۔ (صفحہ 109)

اب معلوم نہیں کہ مودودی صاحب اتنے جاہل تھے کہ انہیں اس بارے میں اسلامی تعلیمات کا علم نہیں تھا یا انہوں نے دنیاوی مفاد حاصل کرنے کے لیے اسلامی احکامات میں تحریف کرنے میں بھی کوئی باک محسوس نہ کیا۔ جہاں تک زمین کو خود کاشتی تک محدود کرنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں واضح حکم خود رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا، آپ ﷺ نے زمین کو بٹائی کے اصول پر کاشت کو سودی معاملہ قرار دیتے ہوئے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے پاس صرف اتنی زمین رکھ سکتے ہیں جتنی وہ خود کاشت کر سکتے ہیں۔

(سنن ابو داؤد جلد دوم صفحہ 135)

دیکھیے مودودی صاحب نے جن لوگوں کو لینن اور مارکس کا شاگرد ارشاد قرار دیا تھا ان کے اس طنز کی زد کہاں تک جا پہنچتی ہے۔

یہی نہیں بلکہ جن صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی زمینیں ان کی ضرورت سے زیادہ ہوتی تھی اور انہوں نے اپنی زائد اراضی کو فروخت کرنا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہ دی بلکہ فرمایا کہ وہ اپنی زائد اراضی اپنے ضرورت مند بھائیوں کو مفت دے دیں، آپ نے کسی صورت میں بھی انہیں زمین فروخت کرنے کی اجازت ہی نہ دی۔

(صحیح بخاری جلد اول صفحہ 817 حامد اینڈ کو ایڈیشن)

اس طرح اسلامی ریاست میں زمین کی خرید و فروخت پر پابندی عائد کر کے رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غیر حاضر زمینداری کا خاتمہ کر دیا تھا، چاروں فقہی مذاہب کے آئمہ کا بھی یہی فتویٰ ہے، لیکن مودودی صاحب ہیں کہ ان اسلامی احکامات میں تحریف کرتے ہوئے ڈنکے کی چوٹ پر اس غیر اسلامی معاملے کو خالص اسلامی ثابت کرنے کے لیے پوری کتاب لکھ دیتے ہیں، اور اس کا مجرم قائد اعظم کو بناتے ہیں۔ بعض حضرات نے اس کتاب کے حوالے

سے مودودی صاحب پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ قائداعظم کی مخالفت میں اس حد تک اندھے ہو چکے تھے کہ انہوں نے اس کے لیے اسلامی احکامات میں تحریف کرنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کیا تھا۔ قائداعظم نے سابقہ سطور میں نقل کردہ خطبے میں زمینداری نظام کو غیر اسلامی قرار دیا تھا، اور ان کا یہ ارشاد اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھا، لیکن چونکہ مودودی صاحب نے قائداعظم کی ہر صورت میں مخالفت کرنی تھی اس لیے انہوں نے اس حرام کو جائز قرار دے دیا تھا۔

ان تفصیلات سے یہ تلخ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ بقول میاں طفیل محمد صاحب جس بنا پر مودودی صاحب نے قیام پاکستان اور قائداعظم کی مخالفت کی تھی یعنی بڑے بڑے زمینداروں کی سرپرستی تو اس کے مجرم تو خود مودودی صاحب ثابت ہوئے کہ جنہوں نے اس غیر اسلامی معاملے کو اسلامی ثابت کرنے کے لیے اسلامی احکامات میں بھی تحریف کر ڈالی۔ مودودی صاحب کے اس طرز عمل پر کافی عرصے تک اخبارات میں بحث چلتی رہی، اور یہ نہیں ہوسکتا کہ یہ بحث طفیل محمد صاحب کی نظروں سے نہ گزری ہو۔ اگر ان میں دیانت داری ہوتی تو وہ زمینداری نظام کی سرپرستی کا الزام، قائداعظم کی بجائے مودودی صاحب پر لگاتے۔

مودودی صاحب نے جو قائداعظم کی مخالفت کی تھی تو اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ قوم میں ہر دل عزیز ہوگئے تھے۔ ساری قوم ان کے لیے آنکھیں بچھاتی تھی۔ جب کہ ان کے مقابلے میں قوم نے مودودی صاحب سمیت تمام علماء کو مسترد کر دیا تھا۔ اس کا بدلہ لینے کے لیے ان علماء حضرات نے پاکستان کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ دوسرے علماء نے تو قیام پاکستان کے بعد اپنی غلطی تسلیم کر لی تھی، لیکن جماعت اسلامی والے اپنی مخالفت کی عجیب عجیب تاویلیں کرتے رہتے تھے، لیکن اب انہوں نے ایک دفعہ پھر اپنی مخالفت کو واشگاف الفاظ میں تسلیم کرلیا ہے کہ مودودی صاحب نے قیام پاکستان کی اس لیے مخالفت کی تھی کہ قائداعظمؒ سمیت مسلم لیگ کے تمام لیڈر منافق تھے، اور ان کی زندگیوں میں اسلام کی چھینٹ تک نظر نہیں آتی تھی۔ سنا ہے کہ ان کے اس اقرار کے بعد قائداعظم کی وارث مسلم لیگ کے لیڈروں نے جماعت اسلامی کو حکومت میں شمولیت کی دعوت دی ہے۔ قائداعظم کی وارث جماعت کا قائداعظم کی خدمت میں ان کی تینتالیس ویں برسی پر یہ ایک عجیب سا خراج عقیدت ہوگا۔" (ستمبر 1991ء)

(جدوجہد قیام پاکستان، از پروفیسر رفیع اللہ شہاب)

جواد بیگ

قائداعظم محمد علی جناح کے معتقد تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ آٹھویں میں تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے فروری 1948ء میں انہیں اور ان کے بڑے بھائی کو گورنر جنرل ہاؤس کراچی میں طلب کیا اور کہا:

"میں چاہتا ہوں کہ تم پاکستان میں نوجوانوں کو منظم کرو۔ ہم تو کچھ عرصہ کے مہمان ہیں تم ہی لوگوں کو ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے میں نے ایک تنظیم آل پاکستان مسلم یوتھ لیگ کے نام سے قائم کی ہے۔ محترمہ فاطمہ جناح کو اس کا پہلا صدر اور تمہارے

بڑے بھائی کو جنرل سیکرٹری بنایا ہے۔"

جواد بیگ علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ میں تعلیم پائی، 1944ء میں بی اے کیا۔ ان کی والدہ راحیل بیگم شیروانی سرسید کالج کی استاد تھیں۔ جواب بیگ کے نانا موسیٰ خان شیروانی قائداعظم محمد علی جناح کے دیرینہ ساتھیوں اور مسلم لیگ کے بانیوں سے تھے۔ 1906ء میں ڈھاکہ میں مسلم لیگ قائم ہوئی اور 1911 تک آل انڈیا مسلم لیگ کا دفتر موسیٰ خان شیروانی کی کوٹھی مشرف منزل میں رہا ہے۔

جواری کا پانسہ

قائداعظم محمد علی جناح گاندھی کی تمام شاطرانہ چالبازیوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ جب گاندھی نے "ہندوستان چھوڑ دو تحریک" کا نعرہ بلند کیا تو قائداعظم محمد علی جناح اس کو جواری کا آخری پانسہ کہا کرتے تھے۔

جواں سال سیاستدان

اپنے بڑھاپے کے زمانے میں جب قائداعظم محمد علی جناح کے پاس دولت کے علاوہ سیاسی اقتدار بھی تھا، وہ نوجوانوں کی صحبت کو بہت پسند کرتے تھے، اوران میں بیٹھ کر ہنسی مذاق بھی کرتے۔ اپنے ہم عمروں کی صحبت میں کبھی اتنا نہ کھلتے اور کسی کو اتنے قریب نہ آنے دیتے۔ جب اسکول کے پُرجوش نوجوان طلبہ اپنے خوابوں کی نئی دنیا کے خاکے لے کر ان کے پاس آتے تو وہ ان کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے کہتے:

"جب تک خوب روپیہ نہ کما لو سیاست کے میدان میں قدم نہ رکھنا۔"

اپنی جوانی کے زمانے میں خود قائداعظم محمد علی جناح نے بڑی سختی سے اس اصول پر عمل کیا تھا۔ 1906ء میں جب ان کی عمر 30 سال کی تھی، وہ وکالت کے پیشے میں اپنے قدم جما چکے تھے، اوران کی مالی حالت بھی مضبوط تھی اوراس وقت پہلی بار انہوں نے عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ پہلے وہ انڈین نیشنل کانگریس کی طرف رجوع ہوئے۔

مہاتما گاندھی نے ایک دفعہ کہا تھا:

"مجھے اس خیال سے بہت خوشی ہوتی ہے کہ کانگریس کے قیام کا خیال پہلے ایک انگریز کے ذہن میں پیدا ہوا۔"

یہ شخص ایلین اوکٹیوین ہیوم (Allan Octavian Hume) تھا، جو اُس زمانے میں حکومت ہند کا سیکریٹری تھا۔ اس نے ایک ایسے قومی ادارے کی ضرورت محسوس کی جس کے پلیٹ فارم پر اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہر سال اس مقصد سے جمع ہوں کہ ملک کے لیے زیادہ آزادی حاصل کی جائے، نظم ونسق کو غیر جانب دار بنایا جائے، اور ملک کے انتظام میں ملکیوں کے لیے زیادہ حصہ حاصل کیا جائے۔

یکم مارچ 1883ء کو جب محمد علی جناح اسکول کے طالب علم تھے، ہیوم نے ایک خط لکھا تھا جس میں انہوں نے کہا:

"اگر پچاس سچے اور اچھے آدمی اس کام میں ہاتھ بٹا لیں تو ایک ہندوستانی کانگریس کی بنیاد پڑ سکتی ہے۔"

ہیوم کوئی جذباتی آدمی نہ تھے۔ انہوں نے ہندوستان کے باشندوں کو یہ چیلنج دیا کہ وہ پچاس ایسے آدمی پیش کریں جو قوم کی بھلائی کے لیے ذاتی عیش وآسائش کو قربان کر دیں۔

"وقت آ گیا ہے کہ ہندوستانی یہ گلہ کرنا چھوڑ دیں کہ انگریزوں کو اُن پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اگر ہندوستانیوں میں وطن دوستی اور قوم پرستی کے اس جذبے کی کمی ہے جس نے برطانیہ کو اُس کی موجودہ بلندی پر پہنچایا، اگر اُن میں وہ لگن نہیں جو لوگوں کو ذاتی آرام چھوڑ کر دوسروں کے لیے کام کرنے پر مجبور کرتی ہے تو پھر انگریزوں کو ان پر جو ترجیح دی جاتی ہے وہ صحیح ہے، اور

مسٹر جناح آرمی فورسز کے ہمراہ

انگریزوں کی حاکمیت بھی ناگزیر اور جائز ہے۔ وہ اس
وقت تک ہندوستان کے حاکم و آقا رہیں گے جب
تک تم عملی طور پر یہ حقیقت تسلیم نہیں کر لیتے کہ بے
غرضی اور ایثار کے بغیر آزادی اور مسرت حاصل نہیں
ہوسکتی۔''

اس بلند مقصد کے پیشِ نظر ہندوستانی قومی کانگریس قائم ہوئی، اور اس کا پہلا اجلاس بمبئی میں 1885ء میں ہوا، لیکن ہیوم کے ذہن میں دوسروں کی خدمت کی لگن کا جو تصور تھا وہ جلد ہی دھندلا پڑ گیا، اور انسانی فطرت کی کمزوریاں کانگریس کے امور میں بھی اپنا رنگ دکھانے لگیں۔ اس کے ممبروں میں سے بہتیرے اپنی انانیت اور اپنے ذاتی مفاد کو قوم کے مفاد پر ترجیح دینے لگے۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کی آزادی اور خوش حالی کا یہ تصور خود ہندوستانیوں کے ذہن کی نہیں بلکہ ایک انگریز حاکم کے ذہن کی پیداوار تھا۔

کانگریس کے بانیوں میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنہوں نے برطانوی یونیورسٹیوں میں یا ہندوستان میں انگریز اساتذہ سے تعلیم پائی تھی۔ شروع کے چند اجلاسوں میں انہوں نے ملک میں سیاسی اصلاحات کی سست رفتاری کے سلسلے میں کسی بے اطمینانی کا اظہار نہیں کیا، بلکہ گوپال کرشن گوکھلے نے جو بعد میں قائداعظم محمد علی جناح کے سیاسی مربی اور دوست ہوئے یہ اعتراف کیا:

''ہندوستان اور برطانیہ کا موجودہ تعلق ہندوستان کے
لیے باعثِ برکت ہے۔''

اور کانگریس کے پہلے صدر ڈبلیو، سی، بینر جی نے کہا:

''برطانیہ نے ہندوستان کی بھلائی کے لیے بہت کچھ
کیا ہے۔''

انہوں نے خاص طور پر امن و امان، ریلوں کے نظام اور مغربی تعلیم کی بے بہا برکتوں کا ذکر کیا۔ دادا بھائی نوروجی حال ہی میں ویسٹ منسٹر میں اپنے سیاسی مشن سے واپس آئے تھے۔ انہوں نے بھی ''برطانوی راج کی نعمتوں، برطانوی تہذیب کی روشنی اور ایشیا کی تاریک مطلق العنانی'' کا تذکرہ کیا۔ برطانیہ کے اخباروں میں برطانوی راج کی اس تعریف و تحسین کی خوب اشاعت ہوئی، اور اس سے برطانیہ کے ضمیر کا بارِ ملامت کچھ ہلکا ہوا۔ وہاں کے لوگوں نے اپنے آپ کو یہ سمجھ کر مطمئن کر لیا کہ موجودہ حالات میں ہندوستان کے لیے اس سے زیادہ اور کچھ کرنا ممکن نہیں۔ برطانیہ سے ڈاکٹر، نرسیں، اساتذہ، سماجی کارکن اور پادری بڑی تعداد میں ہندوستان آئے، اور انہوں نے اپنی عمروں کا بہترین حصہ یہاں کے شفاخانوں اور مدرسوں میں صرف کیا۔ ان میں سے زیادہ تر خدمت اور احسان کے جذبے سے متاثر ہو کر سمندر پار آئے تھے، اور ان کی خدمات نے ان چند خود غرضوں کی برائیوں کی کافی سے زیادہ تلافی کر دی جنہیں نفع یا اقتدار کی ہوس تھی۔

لیکن ہندوستان میں بھی انگریزوں نے وہی غلطیاں کیں جو اپنے وطن میں تعلیمی اصلاحات کے سلسلے میں کی تھیں۔ ذہنی آزادی کی تحریک معاشرے کے اونچے طبقوں سے شروع ہوئی، دیہاتوں اور ابتدائی تعیم کی طرف توجہ بہت کم ہوئی۔ ایک ہندوستانی عالم نے لکھا ہے:

''اُونچے طبقوں پر تو برطانوی اندازِ فکر اور برطانوی
طرزِ تعلیم مسلط کر دیا گیا، لیکن ہندوستانی عوام کے قومی
جذبے کو اُبھارنے اور اُس کی تقویت کے لیے کچھ نہ
کیا گیا۔''

بہر حال اعلیٰ تعلیم کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ بہت سے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں سیاسی بے چینی پیدا ہوئی اور وہ اپنے سفید فام آقاؤں کے خلاف باتیں کرنے لگے۔ مئی 1905ء میں روسیوں پر جاپانیوں کے غلبے سے اس گروہ کی ہمت بڑھی۔ اس زمانے کے وائسرائے نے برطانوی حکومت کو اپنی رپورٹ

میں لکھا:

''ایک ایشیائی ملک کے ہاتھوں ایک سفید فام قوم کی اس زبردست شکست نے سارے مشرق پر گہرا اثر کیا ہے، اور اس کی صدائے بازگشت سارے مشرقی ممالک میں سنی جارہی ہے۔''

پانچ مہینے بعد بنگال کی تقسیم نے اس آواز میں ایک نئی تیزی اور باغیانہ انداز پیدا کردیا اور انتہا پسند سیاسی عناصر کے لیے وہ موقع فراہم کیا جس کے وہ منتظر تھے۔ مشرقی ہند میں سیاسی دہشت پسندوں نے کئی ہنگامے کیے اور برطانوی مال کا منظم بائیکاٹ شروع ہوا۔ ان کارروائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے حکمرانوں نے جوابی اقدامات کیے اور مخالفوں کو سخت سزائیں دیں۔

بنگال کی تقسیم کا ایک تشویش ناک اثر یہ ہوا کہ کانگریس کی میانہ روی اور اعتدال پسندی کی پالیسی میں انقلابی تبدیلیاں پیدا ہونے لگیں۔ برطانوی حکومت کے خلاف انتہا پسندوں کے نعروں نے عوام کو بہت متاثر کیا، ہندوستانی سیاست کی ہوا بدل دی اور قوم کو جھنجھوڑ ڈالا۔ اس انقلاب نے دادا بھائی نوروجی اور گوکھلے جیسے اعتدال پسندوں کو بھی مجبور کیا کہ وہ سیاست میں اپنی ساکھ قائم رکھنے کے لیے مجاہدانہ رویہ اختیار کریں۔

کانگریس کے اگلے اجلاس میں (جس میں جناح پہلی مرتبہ شریک ہوئے) گوکھلے نے کہا:

''حکومت ہند ہر قیمت پر بنگال کے ٹکڑے کردینے پر تلی ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ فیصلہ ہوچکا ہے کہ ہر چیز کو سول سروس کے مفاد اور اس کی سہولت پر قربان کردیا جائے گا۔''

اپنی تقریر کے آغاز میں گوکھلے نے کانگریس کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

''یہ جماعت 1885ء میں برطانوی حکومت کے حق میں ایک غیر معمولی جذبے کے زیراثر قائم ہوئی تھی۔''

اور تقریر ختم کرتے ہوئے انہوں نے کانگریس کی پالیسی میں ایک بنیادی تبدیلی کا اعلان کیا:

''آج اس مقصد کا احساس عام ہے جس کے حصول کے لیے ہمیں لڑنا ہے۔ کانگریس کا نصب العین یہ ہے کہ ہندوستان کی حکومت کا اولین مقصد ملک کے لوگوں کی بھلائی اور ترقی ہو اور کچھ عرصے بعد یہاں اسی طرز کی حکومت قائم ہو جیسی کہ آج برطانوی سلطنت کے خودمختار ممالک میں ہے۔''

اس زمانے کی ہندوستانی سیاست کی کہانی بڑی لمبی اور پھیلی ہوئی ہے، اور سیکڑوں کتب اس کی تفصیل سے بھری پڑی ہیں۔ ان تفاصیل کی یہاں نہ ضرورت ہے نہ گنجائش۔ صرف ان واقعات کا بیان کافی ہے جنہوں نے محمد علی جناح کی زندگی کے اس اہم دور میں ان کو متاثر کیا ہوگا۔ وہ زمانہ تھا جب قائداعظم محمد علی جناح خاصی دولت کما چکے تھے، یا کم ازکم اپنی معاشی آزادی کا پورا انتظام کرچکے تھے، اور سیاسی زندگی میں براہِ راست حصہ لینے کا فیصلہ کرچکے تھے۔

کراچی کا بوڑھا نجومی غالباً اس وقت تک جناح کے تیس سالہ ماضی کے حادثات کی روشنی میں ان کے سیاسی مستقبل کا زائچہ تیار کررہا ہوگا۔ ملکہ وکٹوریہ جس دن قیصر ہند بنی تھیں، اس سے چند ہی روز قبل محمد علی جناح پیدا ہوئے تھے۔ لندن میں تحصیل علم کے لیے وہ اسی سال وارد ہوئے جب مسٹر گلیڈسٹن کی لبرل پارٹی نے اپنی آخری بڑی فتح حاصل کی، اور دادا بھائی نوروجی پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے اور 1906ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوستان میں اپنی سیاسی زندگی شروع کی، انگلستان میں لبرل پارٹی نے پھر حکومت پر قبضہ کرلیا۔ سر ہنری کیمبل بنیرمن (Henry Camp-bell Bannerman) وزیراعظم منتخب ہوئے اور جان مارلے وزیر

برائے امور ہند مقرر ہوئے۔ اس کے علاوہ چھ اینگلو انڈین سیاست دان جو ہندوستان کے حالات سے بہ خوبی واقف تھے اور اس کی آزادی کے طرف دار تھے، پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔

26 فروری کو جان مارلے نے دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''اس نئی پارلیمنٹ میں ہمیں کئی قابل ذکر تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔ ان میں سے ایک خوش آئند تبدیلی یہ ہے کہ آج سہ پہر ہم نے چھ تقریریں ایسے حضرات سے سنی ہیں جو ہندوستانی امور پر کامل عبور رکھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس قسم کے مباحثوں سے اس ملک کو بڑا نفع ہوگا اور ہندوستان کو بھی فائدہ پہنچے گا۔''

ان چھ نئے ممبروں نے ہندوستان کی بے چینی اور بنگال کی تقسیم سے متاثر ہو کر بڑی لمبی تقریریں کی تھیں، جن میں انہوں نے ہندوستان کی مصیبتوں اور اُس کی ضرورتوں پر روشنی ڈالی۔ ہندوستانی امور پر اس قسم کی تقریریں پہلے کبھی دارالعوام میں نہیں سنی گئی تھیں۔ سمندر پار، بمبئی میں ''ٹائمز آف انڈیا'' کے پڑھنے والوں کو یہ تقریریں پڑھ کر بڑی تقویت ہوئی ہوگی، اور یقین ہے کہ محمد علی جناح بھی اس ساری کارروائی سے مطمئن ہوئے ہوں گے۔ وہ سر ہنری کاٹن (Henry Cotton) کے اس بیان سے بہت خوش ہوئے ہوں گے:

''ہندوستان میں حکومت کی کامیابی کا راز ہمدردی میں ہے۔''

اور سر جان جارڈین (John Jardine) کے اس مطالبے سے بھی:

''ہندوستان کے باشندوں کو حکومت میں زیادہ سے زیادہ ملازمتیں ملنا چاہییں اور غیر ملکیوں کو صرف ان عہدوں پر رکھا جائے جہاں اُن کا رہنا نظم و نسق کے لیے ضروری ہو۔''

جس زمانے میں برطانوی پارلیمنٹ میں یہ اہم مباحثہ ہوا انہی دنوں ہندوستان میں قائداعظم محمد علی جناح نے سیاست کے میدان میں پہلا قدم رکھا۔ 1906ء میں کانگریس کے اجلاس میں جو کلکتہ میں منعقد ہوا، قائداعظم محمد علی جناح نے دادا بھائی نوروجی کے پرائیویٹ سیکریٹری کی حیثیت سے شرکت کی۔ اس سے 14 برس پہلے ویسٹ منسٹر میں انہوں نے اپنے سیاسی گرو کی وہ تقریر سنی تھی جس میں انہوں نے برطانیہ کے جذبۂ انصاف اور اس کی فراخ دلی کی تعریف کی تھی۔ اب کلکتہ میں اُسی دادا بھائی نوروجی سے انہوں نے یہ الفاظ سنے:

''گزشتہ چند صدیوں میں ہندوستان کے لوگوں نے جو مصیبتیں اٹھائی ہیں وہ آج تلافی کا تقاضا کرتی ہیں۔ ہندوستان پر ڈیڑھ سو برس سے جو غیر فطری طرز حکومت مسلط ہے وہ برطانیہ کے لوگ خود اپنے ملک میں ایک دن بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم مراعات کی بھیک نہیں مانگتے، انصاف کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس وقت میں اُن حقوق کے متعلق تفصیل سے بحث نہیں کرنا چاہتا جو برطانوی شہریوں کی حیثیت سے ہمیں حاصل ہیں۔ میں اپنی قوم کے سارے مطالبات صرف ایک لفظ میں سمیٹ کر بیان کر دوں گا، اور یہ لفظ ہے خود مختاری یا سوراج۔''

اس طرح ہندوستان کا شان دار پیر مرد، جو فنسبری کے انتخاب کے زمانے میں اتنا صلح جو اور اعتدال پسند تھا، آج اسّی سال کی عمر میں آزادی کا مجاہد بن گیا تھا۔ اس کا دیا ہوا نعرہ ''سوراج'' اب کانگریس کے علم کی زینت تھا اور اُس علم کے زیر سایہ چلنے والوں میں تیس سالہ محمد علی جناح بھی تھے۔ اُن میں ابھی سے مصلحین قوم کی بڑی بڑی خصوصیات پائی جاتی تھیں۔ کسی نے کہا ہے کہ مصلحتوں کی بڑی خصوصیات یہ ہیں:

''بے پناہ جوش، اولوالعزمی، دوسروں کو متاثر کرنے کی

قوت، زمانے کی فضا اور وقت کے تقاضوں کا احساس اور متصوفانہ مزاج۔''

جناح میں آخری صفت کے علاوہ سارے اوصاف تھے۔ ہندوستان کی سیاسی زندگی میں جب انہوں نے یہ پہلا قدم دادا بھائی نوروجی کے نقش قدم پر رکھا تو اُن کا تمام ملک میں خیر مقدم ہوا، البتہ ان کی زبردست مداح مسز سروجنی نائیڈو اس سے کچھ رنجیدہ ہوئیں۔ انہوں نے اس کا اظہار یوں کیا:

''ہائے ہائے اُس خوب رو لڑکے کو کیا ہو گیا۔ یہ سیاست کے بکھیڑے میں کیوں پڑ گیا۔''

وہ بوڑھی پارسی خاتون جن سے میں بمبئی میں ملا تھا، اُن کو جناح اور مسز نائیڈو کا وہ زمانہ یاد ہے جب بیرسٹر جناح نے سیاست کے میدان میں قدم رکھا۔

''ہاں ہاں''

وہ بولیں۔

''مجھے سروجنی اچھی طرح یاد ہیں۔ ان کو جناح سے عشق تھا لیکن جناح کو کبھی ان سے محبت نہ ہوئی۔ جناح کے جذبات سرد تھے اور وہ الگ تھلگ رہتے تھے۔ ان کو صرف اپنی ترقی سے دل چسپی تھی۔ سروجنی نے ان کے نام عشقیہ نظمیں بھی لکھیں لیکن وہ عشقیہ شاعری کے جال میں پھنسنے والے شخص نہ تھے۔ وہ بڑے محتاط اور صالح جوان تھے، اور ان کی شامیں عیش و تفریح کی بجائے اپنے مقدموں کی تیاری میں صرف ہوتی تھیں۔ اس زمانے میں مسز نائیڈو کو لوگ بمبئی کی بلبل کہتے تھے، لیکن جناح کے لیے اس خوش نوا بلبل کے نغمے بے اثر رہے۔''

ظاہر ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کے سے مزاج کے انسان کے لیے مسز نائیڈو کے جذبات کی غیر معمولی شدت بڑی حیران کن ہو گی۔ مثال کے طور پر ایک نظم میں مسز نائیڈو نے لکھا:

''اے عشق، دن کے ہنگاموں میں مجھے تیری تلاش نہیں ہوتی، لیکن رات کے سناٹے اور تنہائی میں، جب تاروں کی چھاؤں میں پہاڑوں اور وادیوں پر وجد آفریں خاموشی چھا جاتی ہے، اور میری روح تیری آواز کے لیے بے تاب رہتی ہے۔''

محمد علی جناح کی یہ تصویر شاعرانہ مبالغے کے گہرے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اُن کی اُس زمانے کی اصلی تصویر خاصی مختلف ہے۔ ان کا چہرہ جذبات سے خالی معلوم ہوتا ہے۔ نازک زرد ہاتھ، جنہیں وہ بار بار دھوتے تھے، اور تیز آنکھیں، جو گویا دوسرے کے ضمیروں کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اُن کے موٹے ہونٹوں کے سوا ان کے باقی نقوش ایسے شخص کے سے ہیں جو اپنے عقائد میں کٹر ہو اور اخلاق کے معاملے میں سخت محتاط، لیکن اخلاق کے معاملے میں وہ صرف دوسروں کے لیے سخت گیر نہ تھے اور نہ ان پر کوئی ایسی پابندی عائد نہ کرنا چاہتے تھے جسے وہ خود اپنے لیے قبول نہ کرتے ہوں۔

یہ مشہور ہے کہ کانگریس کے 1906ء کے اجلاس کے پہلے دن قائداعظم محمد علی جناح نے ایک تقریر بھی کی تھی، لیکن ہمیں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ وہ تقریر کسی کتاب میں محفوظ ہوتی تو اس سے ہمیں اس غیر معمولی شخص کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی جو اپنے ہم وطنوں سے اتنا مختلف تھا اور جس کا سلجھا ہوا اور متوازن ذہن جذبات کی اُس شدت سے بالکل پاک تھا جو اس کے ہم قوموں کے کردار کی خصوصیت ہے۔

محمد علی جناح کی جوانی کے زمانے کے ایک دوست سے میں نے پوچھا:

''تو کیا ان کو کسی چیز سے جذباتی لگاؤ نہ تھا؟''

وہ بولے:

''آپ کو شاید اس بات پر ہنسی آئے لیکن میرا خیال ہے کہ اُن کو صرف اخباروں سے جذباتی وابستگی تھی۔ وہ ساری دنیا سے اخبارات منگواتے، ان میں سے اپنی دلچسپی کی چیزیں تراشتے، پھر اُن کترنوں پر ضروری نوٹ لکھتے اور ان کو فائلوں میں چپکاتے۔ بعض وقت وہ گھنٹوں یہی کرتے رہتے۔ اخباروں سے ان کا یہ عشق تمام عمر باقی رہا۔''

چالیس برس بعد جب وہ بستر مرگ پر تھے، اس وقت بھی ان کا یہ شوق زندہ تھا اور دنیا بھر کے واقعات سے ان کو گہری دلچسپی تھی۔ وہ ہمیشہ حال اور مستقبل پر نظر رکھتے تھے۔ ماضی ان کے لیے مردہ تھا اور اس سے انہیں کوئی لگاؤ نہ تھا۔ بمبئی میں ان کی ایک پارسی رئیس سے بڑی دوستی تھی۔ جب محمد علی جناح سمندر کے ساحل پر اُس کے محل میں اس سے ملنے جاتے تو وہ مکان کے گلیاروں میں سے بڑی تیزی سے گزر جاتے اور آرٹ کے ان بے بہا نوادر کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھتے جو دونوں طرف سجے ہوئے تھے۔ ان میں جنوبی ہند کے کانسی کے مجسمے بھی تھے اور عہدِ مغلیہ کے مصوری کے نازک شہ کار بھی، لیکن جناح کو ان میں کوئی کشش نہ محسوس ہوتی اور وہ سیدھے اپنے میزبان کے ساتھ کسی کونے میں صوفے پر جا بیٹھتے اور اس سے گھنٹوں سیاسی مسائل پر گفتگو کرتے، بلکہ یوں کہیے کہ اُسے بٹھا کر سیاست پر لیکچر دیتے۔

(پاکستان کا بانی محمد علی جناح، از ہیکٹر بولائتھو، مترجم: زہیر صدیقی، اردو سائنس بورڈ، لاہور

جوتے

سوچ بچار کے عالم میں قائداعظم محمد علی جناح کو ادھر ادھر ٹہلنے کی عادت تھی۔ رات کے سناٹے میں وہ اکثر پختہ اور بے داغ فرش پر ایک عرصے تک ٹہلتے رہتے تھے، نپے تلے قدم ادھر ادھر ایک فاصلہ، خاموش فضا جب وہ چلتے تو ان کے سفید اور براؤن شوز عجیب قسم کی ایک آہنگ ٹک ٹک فضا میں پیدا کرتے جیسے کلاک معین وقفوں کے بعد اپنی زندگی کی خبر دے رہا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح کو اپنے جوتوں سے پیار تھا۔ اس لیے وہ ان کے قدموں میں ہوتے تھے، اور ہر وقت ان کے اشاروں پر چلتے تھے۔

جھوٹ کا پلندہ

ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں ایک موقع پر انگریز کمانڈر انچیف بے چھالئی سیدھی ہانک رہا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اسے بھی نہ بخشا اور منہ پر کہہ دیا:

''اگر یہ تقریر ایک کمانڈر انچیف کی نہ ہوتی تو میں اسے جھوٹ کا پلندہ کہتا۔''

جھوٹی پیشین گوئیاں

یکم جولائی 1948ء سکوں اور کرنسی نوٹ کے اجراء پر تقریب سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''جب پہلے پہل ہم نے خودمختار علیحدہ ریاست پاکستان کا مطالبہ پیش کیا تھا تو بہت سے نام نہاد پیغامبروں نے پیشین گوئی کی تھی کہ اقتصادی اعتبار سے پاکستان ممکن العمل نہیں۔ اس طرح انہوں نے اپنے طور پر راستے سے گمراہ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے پاکستان کے مال اور معاشی مستقبل کی نہایت بھیانک اور ڈراؤنی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔''

جوشاندہ

(دیکھیے :اسلامی طب)

جوہر، مولانا محمد علی

مولانا محمد علی جوہر سے قائداعظم محمد علی جناح کی پہلی ملاقات 1907ء میں بمبئی میں انجمن اسلامیہ کے جلسے میں ہوئی۔ مولانا محمد علی جوہر رام پور سے آئے تھے۔

22 اکتوبر 1907ء کو سر کریم ابراہیم نے نواب عماد الملک کے اعزاز میں جو دعوت دی اس میں قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ مولانا محمد علی جوہر بھی شریک ہوئے۔ یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع تھا اور اس میں سنی، شیعہ، بوہرا اور خوجہ فرقوں کی مسلمانوں نے شرکت کی۔

1913ء میں لندن میں مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناح کی اہم میٹنگ ہوئی۔ اس میٹنگ میں قائداعظم محمد علی جناح کو مسلم لیگ میں شمولیت پر آمادہ کیا گیا۔ 15 مئی 1915ء کو جب مولانا محمد علی جوہر گرفتار ہوئے تو قائداعظم محمد علی جناح نے مولانا محمد علی جوہر کی رہائی کے لیے انتھک کوششیں کیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے 5 ستمبر 1917ء کو یہ مسئلہ امپیریل کونسل میں بھی پیش کیا۔

مولانا محمد علی جوہر 1878ء میں رامپور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے علی گڑھ اور آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کی۔ جنوری 1911ء میں انہوں نے انگریزی ہفت روزہ کامریڈ جاری کیا، جس نے مولانا محمد علی جوہر کی انگریزی انشا پردازی کا سکہ بٹھایا۔ اسی طرح اردو میں ان کا اخبار ہمدرد بھی مقبول ہوا۔ مولانا محمد علی جوہر تحریک خلافت اور ترک موالات دونوں کے روح رواں تھے۔ گاندھی محمد علی جوہر اور شوکت علی کے تعاون سے کل ہند لیڈر بنے تھے۔ آخر میں دونوں گاندھی سے بدظن ہوگئے مسلم لیگ کے بانیوں میں سے ہیں۔ 1931ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے۔ مولانا محمد علی جوہر شعر کہتے تھے مگر ان کی غزلوں میں بھی مجاہدانہ رنگ پایا جاتا ہے۔

ہر شعر جوش و خروش اور جذب و شوق میں ڈوبا ہوا ہے۔ زندگی میں تخلص ان کے نام کا جزو نہ تھا بعد کے لوگوں نے تخلص ان کے نام کا جزو بنا دیا، البتہ غزلوں میں وہ تخلص ضرور استعمال کرتے تھے۔

جنوری 1931ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے انگلستان گئے۔ یہاں انہوں نے آزادی وطن کا مطالبہ کرتے ہوئے فرمایا:

”اگر تم میرے ملک کو آزاد نہ کرو گے تو میں واپس نہیں جاؤں گا اور تمہیں میری قبر بھی یہیں بنانا ہوگی۔“

مولانا محمد علی جوہر نے 4 جنوری 1931ء کو لندن میں انتقال کیا اور بیت المقدس میں دفن ہوئے۔

جھٹ پٹ

قائداعظم محمد علی جناح 25 جون 1943ء کو جیکب آباد سے جھٹ پٹ تشریف لائے تو اس موقع پر ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اسٹیشن پر بلوچستان کے درج ذیل مسلم لیگی رہنما موجود تھے میر فیض محمد خان جمالی، میر بخش خان جمالی، میر قیصر خان، میر شاہنواز خان جمالی، جمالی برادران حقیقی جعفر خاں جمالی، وڈیرہ غلام حیدر خان جمالی، حاجی گہنوز خان کھوسہ، وڈیرہ حاجی نظر محمد خان کھوسہ۔

قائداعظم محمد علی جناح نے بڑی سیدھی سادھی اردو زبان میں ان سب کا شکریہ ادا کیا اور مختصر سے الفاظ میں ان کو اتحاد اتفاق اور نظم سے ایک جھنڈے تلے منظم ہونے کی ہدایت فرمائی۔ گاڑی چلنے پر مختلف نعروں کی گونج میں مشتاقان دید ر

مولانا محمد علی جوہر

1931 - 1878

مولانا محمد علی جوہر میرے عزیز دوست تھے اور ہماری دوستی کا عرصہ تیس سال سے زیادہ عرصہ تک محیط رہا۔ میں ان کا قریبی رفیق کار رہا۔ وہ اسلام کے عظیم علمبردار تھے۔ آپ صف اول کے رہنما' ایک عظیم اور نڈر و بے باک صحافی' اعلیٰ پائے کے ادیب اور عالم و فاضل تھے۔ وہ دنیا بھر میں زندگی کے کسی بھی شعبے میں اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہونے کے اہل تھے۔ آپ مسلمانوں سے لڑے تو کانگرس میں شامل ہوگئے۔ ہندو سے لڑے تو مسلم لیگ سے آن ملے۔ آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے بانی تھے۔ آپ آج جسمانی طور پر ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن ان کی روح ہمارے ساتھ ہے" (قائداعظمؒ)

قائداعظم محمد علی جناح کی ذات سے عقیدت رکھنے والے پروانے دیوانہ وار گاڑی کو دیکھ رہے تھے۔

جھوٹے مدعیان

قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان کے وزیرِ خزانہ ملک غلام محمد نے جب پاکستان کا پہلا بجٹ پیش کیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''آپ نے جو اپنا پہلا بجٹ پیش کیا ہے تو اس سے ان تمام جھوٹے مدعیان و ماہرین مالیات کو زبردست صدمہ پہنچا ہے۔ اس سے پاکستان کے مالیاتی استحکام کا پتہ چلتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر پاکستان کے وسیع وسائل اس کی افرادی قابلیت اور مادی وسائل کو صحیح طور پر استعمال کیا گیا تو پاکستان کا مستقبل انتہائی شاندار ہوگا۔''

جی ایم سید

جی ایم سید نے 30 ستمبر 1930 کو کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں عصرانہ دیا۔

عصرانے میں علامہ آئی آئی قاضی، جناب حاتم علوی، جناب محمد ایوب کھوڑو اور سید میراں محمد شاہ بھی شریک تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح سے سندھ کے مسئلہ کے حل میں امداد کی درخواست کی۔

جیت پور (کاٹھیاواڑ)

قائداعظم محمد علی جناح 26 جنوری 1940ء کو کاٹھیاواڑ کے شہر جیت پور پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ جگہ جگہ محرابیں اور دروازے بنائے گئے تھے۔ جن میں چند نام یہ ہیں: باب جناح، باب سکندر حیات، باب فضل حق باب سر عبداللہ ہارون، باب سر آدم جی، باب حاجی عبدالغنی بیگ محمد، باب آغا خان وغیرہ شامل تھے۔

جیت پور کے مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں اور ہریجنوں نے بھی قائداعظم محمد علی جناح پر پھول برسائے۔ بعد میں میمن برادری کے افراد جمع ہوئے۔ میمن یوتھ لیگ اور پوری میمن برادری کی سماجی جماعت انجمن اسلام کی جانب سے قائداعظم محمد علی جناح کو سپاسنامہ پیش کیا گیا جس کی صدارت جناب ایوب عبدالکریم منیانے کی۔ اس کے علاوہ ذکریا عبدالعزیز کامدار (وفاقی وزیر مذہبی امور) نے تقریر کی تھی اور قائداعظم محمد علی جناح کا خیر مقدم کیا تھا۔ مقررین نے قائداعظم محمد علی جناح کو یقین دلایا:

''ہم تحریک پاکستان کے سلسلے میں آپ سے مکمل تعاون کریں گے۔''

جوابی تقریر میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''آپ نے میری خوب خوب تعریف کی ہے۔ میں مانتا ہوں آپ مجھ سے خوش ہیں اور میں نے قوم کی خدمت کی ہے میں اس بات سے انکار نہیں کرتا مجھ سے جو ہو سکی ہے وہ میں نے قوم کی خدمت کی ہے، میں تو چاہتا ہوں کہ جن اصولوں کو مدنظر رکھ کر اور جس مقصد کو پیش نظر رکھ کر میں نے حتی الامکان جو کوششیں کی ہیں ان اصولوں اور مقاصد پر آپ لوگ بھی اعتبار کریں ان کے حصول کے لیے کوششیں کریں۔ اگر آپ اس میں کامیاب ہوئے تو ہزارہا جناح آپ میں سے پیدا ہوں گے جو قوم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سرخرو رکھیں گے۔

آج ہم مقابلے میں کھڑے ہیں۔ ہم مسلمان اپنے مخصوص مقام کے لیے لڑ رہے ہیں، اس مقابلے میں ہم کامیاب ہونے کے لیے اپنی تمام تر کوششیں لگا

دیں گے ہم تعداد میں کم ہیں۔ صنعت اور تجارت میں ہمارا مقام اونچا نہیں۔ تعلیمی معیار میں بھی ہم بلند نہیں بلکہ بہت پسماندہ ہیں۔ خواندگی کا معیار بھی بہت کم ہے لیکن اس سب کمی کے باوجود ہم نے کئی ایک عظیم مسلمان پیدا کیے ہیں، اور میرے وطن کاٹھیاواڑ نے لاتعداد امیر پیدا کیے ہیں۔ جو مجھے پرخلوص دعوت دے کر یہاں لے آئے ہیں۔''

بعد میں قائداعظم محمد علی جناح نے یوتھ لیگ کے نوجوان کارکنوں کی جانب خاص توجہ دیتے ہوئے فرمایا:

''نوجوانوں کو میرا یہی مشورہ ہے کہ آپ (مسلمانوں کی آزادی) کے لیے کام کریں۔ اپنے حاجت مند بھائیوں کی مدد کریں۔ آج تمہیں ایک کام کی ذمہ داری سپرد کرتا ہوں جو آپ کو کرنا ہے ہم نے ابھی اپنے کام کی ابتدا کی ہے لیکن پھر ڈھائی سال میں ہم نے بہت کچھ کام انجام دینے ہیں اس کام کے لیے ہماری مہم کی ابتدا ہوئی ہے۔ حقیقی جنگ بام عروج پر پہنچے گی اس وقت جب ہم میں بہت سے لوگ شاید موجود نہ ہوں گے۔ اس وقت آپ نوجوانوں کو یہ جنگ لڑنی پڑے گی اور اس جنگ کو جاری رکھنا ہوگا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید کہا:

''کاٹھیاواڑ کا ہمارا یہ دورہ صرف دولت حاصل کرنے لیے نہیں بلکہ ایک اور بھی مقصد ہے وہ یہ کہ ہم آپ کی ہمت افزائی کے لیے آئے ہیں۔

آپ لوگوں کو بیدار کرنے کے لیے آئے ہیں اور یہ بتانے کے لیے آئے ہیں کہ آپ لوگوں کی پشت پناہی پر ہند کے 9 کروڑ مسلمان کھڑے ہیں آپ کو آپ کا جائز مقام حاصل کرنے کے لیے اتحاد کرنا ہے۔

ہمیں کسی سے عداوت نہیں نہ ہم کسی کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ ہمارے حقوق پر اور ہمارے مفاد پر اگر کسی نے وار کیا تو مخالفین اس بات کو خوب سمجھ لیں کہ ہم لمحہ بھر بھی برداشت نہیں کریں گے کہ اگر وہ اس وہم وگمان میں ہیں کہ ان کی آبادی چالیس کروڑ ہے تو وہ لکھ لیں یہ نو کروڑ ان پر بھاری پڑ جائیں گے۔ ہندوؤں کے سب رہنما برے نہیں لیکن ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کے دماغ پر اقتدار کا نشہ چڑھ گیا ہے۔ انہیں ہندو راج قائم کرنے کی دھن ہے لیکن وہ اپنے نشے میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ مسلمان ایک زمانے تک اس ملک میں ہندو راج کا سر اونچا نہ ہونے دیں گے۔ مسلمان اپنی جانیں قربان کر دیں گے لیکن اس قسم کے راج کو پیدا ہونے سے روکیں گے۔ آج نہیں تو کل اس ملک میں عوامی حکومت قائم کر کے رہیں گے۔ کاٹھیاواڑ ایسی ریاستوں کا دیس ہے بہت سے راجے، مہاراجے اچھے ہیں انصاف پسند ہیں، لیکن اس کے عملدار اتنے ہی برے ہیں۔ ہمارے کاٹھیاواڑ کے دورے سے ان پر واضح ہو جانا چاہیے کہ کاٹھیاواڑ کے مسلمان اکیلے نہیں ہیں اگر ان پر ظلم ہوا تو پورے برٹش ہند کے مسلمان خاموش نہیں بیٹھیں گے مسلمان اب دب کر نہیں جئیں گے۔ ظلم و تشدد کا سورج غروب ہو چکا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ ہوبیان جیت پور کی جانب سے 53 ہزار روپے دیے گئے تھے جو فنڈ کا تیسرا حصہ تھا۔

جیکب آباد

1939ء میں قائداعظم محمد علی جناح جیکب آباد تشریف لے گئے، قائداعظم محمد علی جناح کے ہمراہ سر عبداللہ ہارون، محمد

ہاشم گزدر، راجہ صاحب محمود آباد امیر احمد خان، مولانا قطب الدین، عبدالولی فرنگی محلی تھے۔ میر جعفر خان جمالی نے قائداعظم محمد علی جناح کا شاہانہ استقبال کیا۔عید گاہ جیکب آباد میں جلسہ منعقد کیا۔قائداعظم محمد علی جناح نے جلسے میں تقریر بھی کی۔

جیکب آباد صوبہ سندھ کا مشہور شہر ہے اس کی آبادی ایک لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اناج، گھی، باجرا، چاول، گیہوں دستکاری، قالین، حربی سامان اور چٹائیوں کے لیے یہ شہر مشہور ہے۔اس شہر کو 1847ء میں جنرل جان جیکب نے اپنے نام پر آباد کیا۔

برعظیم کے شدید ترین گرم علاقوں میں سے ہے جون میں درجہ حرارت 127 فارن ہائیٹ تک پہنچ جاتا ہے۔

جینا پونجا

قائداعظم محمد علی جناح کے والد کا نام جینا پونجا تھا۔ وہ چھریرے بدن اور چھوٹے قد کے تھے اس لیے جینا کہلائے مگر ان کے اندر یہ تغیر آیا کہ وہ اپنا نام جینا پونجا کی جگہ جناح پونجا لکھنے لگے۔ جینا پونجا نے اپنے نام کی یہ صورت کب بدلی یہ تحقیق طلب مسئلہ ہے، لیکن اتنا معلوم ہوا ہے کہ فارسی زبان ان کے دور تک سندھ میں زندہ تھی۔ اس کے علاوہ ان کے سسرال والے فارسی کے اہل زبان تھے۔ گجراتی میں جینا یا جیڑاں کے معنی دبلے پتلے کے ہیں اور عربی میں صوتی مناسب رکھنے والے لفظ جناح کے معنی بازو اور شہ پر کے ہیں بہر حال کچھ بھی ہو یہ واقعہ ہے کہ جینا پونجاہ نے اپنے نام کا تلفظ بدل لیا تھا۔ وہ جینا کو انگریزی میں JINAH لکھنے لگے تھے۔ اتنا ہی نہیں انہوں نے پونجا کو پونجاہ POONJAH کر دیا۔ لفظ پونجا کے اخیر میں ہ کے بڑھ جانے سے اس کے معنی کچھ اور ہوگئے۔ پونجا سنسکرت اور ہندی میں وافر، بیشتر اور ڈھیر کے معنوں میں مستعمل ہے جب کہ فارسی میں بون لبادے اور کوٹ کو کہتے ہیں اور جاہ مرتبے اور عظمت والے کو جیسے عالی جاہ۔

جنیڑاں بھائی

جنیڑاں گجراتی زبان کا لفظ ہے اس کا مطلب ہے باریک، دبلا اور پتلا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی مادری زبان کچھی تھی۔ گھر کا ہر فرد بھی یہی زبان بولتا تھا۔ محترمہ فاطمہ جناح اردو بولتی تھیں قائداعظم محمد علی جناح کچھی اور گجراتی دونوں زبانیں بول لیتے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح لفظ جنیڑاں کا استعمال قبل تقسیم تک بمبئی میں پرائمری مسلم لیگ کی رکنیت کے فارم پر دستخط کی شکل میں کرتے رہے اور وہ بھی گجراتی میں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس گجراتی لفظ جنیڑوں کا بدل عربی میں خوب تلاش کیا اور کم عمری ہی میں جنیڑاں کی بجائے جناح لکھنے لگے جس کے معنی بازو کے ہیں۔

چ

چار آنے

قائداعظم محمد علی جناح بہت محتاط طبیعت کے مالک تھے اور عوام سے جو روپیہ انہیں موصول ہوتا تھا۔ اس کا حساب دینے میں نہایت پابندی برتتے تھے۔ جب بھی انہوں نے مسلم لیگ کی جانب سے یا مصیبت زدہ انسانوں کی امداد کے لیے روپے کی درخواست کی۔ برعظیم میں ان کے فدائیوں کی طرف سے اس کا جواب بڑے حوصلہ افزا طریقے سے ملا۔ بڑے چھوٹے چیک اور سب طرح کی رقموں کے منی آرڈر آنا شروع ہو جاتے تھے۔ ہر روز ڈاکیا ان کے سیکرٹری کو رقمیں لا کر دیتا تھا جو وہ ادا کرنے آتا تھا، اور روپے کے ساتھ بہت سی رسید کی پرچیاں بھی دستخط کے لیے پیش کرتا تھا۔

اس کا مشکل سے یقین آئے گا کہ قائداعظم محمد علی جناح کو جو واقعی ایک مصروف آدمی تھے اتنا وقت مل جاتا تھا کہ وہ ہر رسید پر بذاتِ خود دستخط کریں۔ اس کی کوئی اہمیت نہ تھی کہ رسید دس ہزار روپے کے لیے تھی یا چار آنے کی۔ انہیں ایک روپے سے لے کر ہزاروں روپے کی رقمیں موصول ہوئیں جن کی رسید انہوں نے خود لکھی، جب ان سے کہا گیا کہ یہ کام وہ کسی اور کے ذمہ کر دیں تو انہوں نے جواب دیا:

''ہرگز نہیں! رسیدوں پر مجھے دستخط کرنے چاہئیں۔ اس غریب شخص کے لیے جو مجھے چار آنے بھیجتا ہے یہ رقم ایسی ہی ہوگی جیسے کسی متمول شخص کے لیے دس ہزار۔ میری نظر میں اس کے چار آنے کے عطیہ کی بھی اتنی ہی قیمت ہے جتنی دس ہزار بلکہ بیس ہزار کے عطیہ کی۔ اس غریب آدمی کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں اس کی مدد کی قدر کرتا ہوں اور اس کے عطیے کو سمجھتا ہوں علاوہ ازیں جب بھی رسید پر دستخط کرتا ہوں ساتھ مجھے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اپنے پیش نظر مقصد کے لیے ہمیں ایک اور خیر خواہ مل گیا ہے۔ اس مسرت سے بڑھ کر مجھے اپنی قوم سے اور کون سا انعام مل سکتا ہے؟ بہر صورت چند سو رسیدوں پر دستخط کرنے سے مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ عوام کی امداد و تائید مسلم لیگ اور میری قوت میں اضافہ ہوگا اور اپنی جدوجہد میں کامیاب ہونے کے لیے ہمیں اس قوت کی ضرورت ہے۔''

چار سو بیس

قائداعظم محمد علی جناح نے 21 نومبر 1942ء کو لاہور ٹاؤن ہال گراؤنڈ میں مسلم خواتین کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''میں آپ کا شکر گزار ہوں آپ کی تقریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اتنا کچھ سمجھ گئی ہیں کہ میرے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں خدا سے دعا مانگتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کانگریس اور برطانیہ کی حکمت عملی پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا:

''عارضی حکومت ہو یا قومی سب چار سو بیس ہے۔''

آخر میں قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''اتاترک کو بھی ترکی کو زندہ کرنے کے لیے چودہ سال لگ گئے تھے ہم تو دو سو سال کے غلام ہیں۔ اب ہم آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے علاقے مانگتے ہیں جس میں ہم اسلامی عدل و انصاف کی تاریخ دہرا سکیں گے۔''

چارلس آلیونٹ، لاءممبر

1900ء میں چارلس آلیونٹ نے انگریزی ایڈووکیٹ جنرل مسٹر میکفرسن سے بمبئی پریذیڈنسی میں قائداعظم محمد علی جناح کو مجسٹریٹ بنانے کی سفارش کی تھی۔ چنانچہ مئی 1911ء میں قائداعظم محمد علی جناح کو صرف چوبیس برس کی عمر میں بمبئی پریذیڈنسی مجسٹریٹ مقرر کیا گیا۔ یہ عہدہ اگرچہ عارضی تھا لیکن سر چارلس آلیونٹ نے انہیں مستقلاً بھی اس عہدے کی پیش کش کی تھی۔ جس میں ماہانہ پندرہ سو روپے تنخواہ کا بھی لالچ دیا گیا تھا لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے یہ کہہ کر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا:

''میں تو پندرہ سو روپے روزانہ کمانا چاہتا ہوں۔''

1902ء میں ان کی ملاقات پھر سر چارلس آلیونٹ سے ہوئی۔ اس ملاقات میں قائداعظم محمد علی جناح سے آلیونٹ نے پوچھا:

''وکالت کیسی چل رہی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''دو ہزار روپے سے زیادہ کما رہا ہوں۔''

چارلس آلیونٹ یہ سن کر بہت خوش ہوئے، اور انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی مستقل مزاجی اور کامیابی کی تعریف کی۔

چال چلن سرٹیفکیٹ

1896ء میں قائداعظم محمد علی جناح لندن سے بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے بعد بمبئی پہنچے تو پریکٹس شروع کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ان کے پاس کسی مجسٹریٹ کا کریکٹر سرٹیفکیٹ ہوتا۔ اس سرٹیفکیٹ کی بنیاد پر ہی انہیں وکالت کا اجازت نامہ مل سکتا تھا۔ اس مرحلے پر ان کی ذہانت کام آئی چنانچہ ایک روز علی الصبح قائداعظم محمد علی جناح انگریز مجسٹریٹ کی کوٹھی پر گئے اور اپنے نام کی چٹ اندر بھیج دی جس پر ایم اے جناح بار ایٹ لاء کے الفاظ درج تھے۔ چند منٹ کے بعد مجسٹریٹ نے انہیں اندر بلایا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے پروقار انداز لباس کی نفاست، چہرے اور آنکھوں کی ذہانت نے پہلے ہی لمحے میں انگریز مجسٹریٹ کو متاثر کر دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جاتے ہی یہ سوال کیا:

''آپ میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔''

انگریز مجسٹریٹ نے جواب دیا:

''آپ مجھے ایک شریف انسان معلوم ہوتے ہیں۔''

یہ سن کر قائداعظم محمد علی جناح نے ایک کاغذ ان کی طرف بڑھایا اور فرمایا:

''یہ الفاظ اس کاغذ پر لکھ دیں۔''

جب مجسٹریٹ نے تفصیل پوچھی تو بتا دیا:

''میں وکالت کرنا چاہتا ہوں۔''

چنانچہ مجسٹریٹ نے اسی وقت سرٹیفکیٹ لکھ دیا۔

چاندی کی اینٹیں

(دیکھئے: بامعنی مذاق)

چاندی کی گولیاں

◆ جدید انتخابات کا وقت قریب تر آتا جا رہا تھا، قائداعظم محمد علی جناح نے اس جنگ کو جیتنے کا فیصلہ کر لیا تھا، سارے ہندوستان میں انتخابات کی مہم کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے

لیے روپے کی ضرورت تھی، کانگریس کے پاس روپے کی کمی نہ تھی، لیکن مسلم لیگ کا خزانہ خالی تھا، اور اس لیے خالی تھا کہ اب تک قائداعظم محمد علی جناح نے پبلک سے چندے کی کوئی اپیل نہیں کی تھی۔

اب اُنہوں نے اپیل کی اور مسلم قوم نے جوش وخروش کے ساتھ اس اپیل پر لبیک کہا۔ نمبر ایسوسی ایشن ایک لاکھ روپیہ اسی سلسلے میں ابھی چند روز پہلے نذر کر چکی تھی، اب مسلمانانِ بمبئی نے تین لاکھ گیارہ ہزار روپے کی تھیلی اپنے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں پیش کرنے کی عزت حاصل کی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اسی تقریر میں اپنی قوم سے مطالبہ کیا:

''میری جیب و دامن کو چاندی کی گولیوں سے بھر دو تاکہ اس جنگ کو کامیابی کے ساتھ اتمام تک پہنچا سکوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 12 اگست 1945ء میں فرمایا:

''مسلمانوں کے مطالبات اس قدر واضح اور عام فہم ہیں کہ ان کو ایک طفلِ مکتب بھی سمجھ سکتا ہے۔ اس اجتماع میں سنّی، شیعہ، مومن، بوہرے اور خوجے بھی موجود ہیں اور یہ اس حقیقت کی ایک ناقابل تردید دلیل ہے کہ یہ سب بحیثیت مسلمان یہاں جمع ہوئے ہیں۔ یہ ایک اسلامی اجتماع ہے مِلت اسلامیہ ہند کا ایک جزو اتحاد بین المسلمین کے اس افروز مظاہرے سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے؟

اس وقت خانگی اختلافات کو یک لخت ختم ہو جانا چاہیے۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم صفوں کو درست کر کے ایک جسدِ واحد کی طرح کھڑے رہیں، جس کے بعد نہ صرف ہمارا قومی کردار نمایاں اور وقیع ہوگا بلکہ ہمارا قومی مطالبہ بھی قبولیت حاصل کرلے گا۔ یاد رکھئے کہ کوئی قوم مکمل اتحاد کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی! کیا انگلستان کو اس جنگ میں فتح حاصل ہوتی اگر انگریز آپس کے اختلافات میں الجھے رہتے؟

نجی اختلافات کو آئندہ کے لیے اُٹھا رکھئے۔ اس سے نمٹنے اور کسی تصفیہ پر پہنچنے کے لیے کافی وقت ملے گا، لیکن اس وقت سب سے اہم اور اولین ضرورت اس امر کی ہے کہ اقتدار حاصل کیا جائے۔ میں آپ سے جو کچھ چاہتا ہوں وہ تھوڑا سا ایثار ہے، کسی پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا جائے گا کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔ انتخاب کے فنڈ میں آپ کو حسب استطاعت دے کر اپنا فرض ادا کرنا ہے بالفاظ دیگر ایک ایسی جنگ ہے جو صرف چاندی کی گولیوں سے لڑی جاتی ہے۔ مجھے آپ چاندی کی گولیاں دیجئے۔ میں اس کو کامیاب اختتام تک پہنچا دوں گا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس ہمارے لیے سخت ترین مشکلات پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھے گی۔ مسٹر گاندھی نے پھر اپنے لائحہ عمل کی تلقین شروع کر دی ہے جو دراصل مسلمانوں کے لیے تخریبی لائحہ عمل ہے۔ میں مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ کانگریس ان میں انتشار و افتراق پیدا کرنے اور انہیں گمراہ کرنے کی کوشش کرے گی۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو کانگریس کی یہ ساری کوشش ناکام ہو جائے گی۔

مسلمانوں میں تشتت افتراق پھیلانے کے لیے کانگریس اپنا روپیہ ضائع کر رہی ہے، کاش اس روپیہ کا کوئی بہتر مصرف ہوتا۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اب ہم مسلمانوں کی ٹھوس تائید اور پرخلوص تعاون سے منزل مقصود کو جالیں گے، مسلمانوں کی یہ

سیاسی بیداری موجب مسرت واطمینان ہے، اور میں سیم وزر سے بھی زیادہ اس کی قدر کرتا ہوں۔ آپ کا یہ تیقن کہ مسلم لیگ پوری دیانت کے ساتھ آپ کے مفادات کے لیے نبرد آزما ہے۔ ایک واقعہ میری قوتِ عمل کو ہمیشہ بے تاب رکھے گا۔ شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد کانگریس نے مجھ پر یہ بہتان تراشا کہ حکومت نے مجھے اختیار تنسیخ دے رکھا ہے، اور یہ کہ میں نے رجعت پسندی سے آزادی ہند کی راہ میں روڑے اٹکائے ہیں۔ یہ کانگریس کا ایک مخصوص کرتب ہے اور سراسر کذب وافترا پر مبنی ہے۔ جس کو یہ بہتان طراز بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور جب وہ زیادہ سمجھ سے کام لیں گے تو انہیں محسوس ہوگا اس پروپیگنڈہ کو جاری رکھنا کس قدر احمقانہ فعل ہے۔

وہ جانتے ہیں کہ ان چالبازیوں کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہر جائز وناجائز طریقے سے اسلامی صوبجات کو ایک عارضی یا مستقل کل ہند وحدت کے تحت جبراً لایا جائے، اور انتہا یہ ہے کہ وہ اس مذموم مقصد کی تکمیل برطانوی سنگینوں سے کروانا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے طریقۂ کار میں وہ تبدیلی بار بار کرتے رہتے ہیں۔ کبھی تو برطانوی حکومت کی چاپلوسی کرتے ہیں۔ کبھی گالیاں دیتے اور جھنجھلاتے ہیں اور کبھی دھمکیوں پر اُتر آتے ہیں۔

ہمارا ایک ہی عزم ہے اور غیر متزلزل! ہم کسی کل ہند وفاق کی تجویز کو قبول نہ کریں گے خواہ وہ عارضی ہو یا مستقل! اور ہم ہر ایسی کوشش کو بے اثر کر دیں گے جو ایسی وحدت کو ہم پر زبردستی عائد کرے۔ ہمارے حق مدافعت کو وہ شرانگیزی سے ''اختیار تنسیخ'' کہتے ہیں یہ لغویت ہے اور اس سے وہ لوگ بھی پوری طرح واقف ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ ہماری روش ہندوؤں اور مسلمانوں کی آزادی میں حائل ہے۔ ایک کُھلا ہوا جُھوٹ ہے کیونکہ ہندو اور مسلم ہندوستان کی آزادی تو ہماری عین خواہش ہے لیکن ہم کسی ایسے نظام کو قبول نہیں کر سکتے۔ جس کا مطلب ہندوؤں کی آزادی اور ہندو راج کا قیام اور مسلمانوں کی غلامی ہے۔ یعنی اسلامی ہند کا برطانوی راج سے ہندو راج کو انتقال، کانگریس جو کچھ چاہتی ہے یہی ہے کہ اسلامی اکثریت کے صوبوں کو ایک کل وفاق کے تحت لایا جاتا۔ جبراً و قہراً لایا جائے۔ اس سے نہ صرف ہم بنیادی اختلاف رکھتے ہیں بلکہ اگر ایسا ہوا تو ہم اس کی مدافعت میں اپنی ساری طاقتیں اور توانائیاں صرف کر دیں گے۔ مجھے توقع ہے کہ ہندوؤں کا سمجھدار طبقہ آخر کار اس کو محسوس کرے گا۔ برطانوی حکومت سے یہ توقع رکھنا بے سود ہے کہ وہ مسلم ہندوستان کو ہندوؤں کے رحم و کرم پر ڈال دے گی۔ مسلم ہندوستان پر کسی ایسے دستور کو نافذ کر کے جو انہی تصورات پر مبنی ہو برطانوی سنگینوں سے اُسے قائم رکھنا قطعی احمقانہ حرکت ہوگی۔ ہندوستان کے دستوری مسئلہ کا منصفانہ اور واحد حل پاکستان اور ہندوستان کا قیام ہے جس کی ہم اندرون اور بیرونِ ملک شرح وتوضیح کر رہے ہیں۔

یہ کانگریس ہی ہے جو تمام باشندگان ہند کی آزادی میں حائل ہو رہی ہے اور اس سارے خلفشار کی ذمہ دار ہے کیونکہ اس کی خواہش یہ ہے کہ یا تو سب کچھ اسی کو ملے یا پھر کسی کو کچھ نہ ملے اور یہ ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔''

◆ قائداعظم محمد علی جناح نے اواخر اکتوبر 1945ء کو احمد آباد میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"پاکستان ہمارے لیے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ میں نے الیکشن لڑنے کے لیے چاندی کی گولیوں (سرمایہ) کی اپیل کی تھی، اور احمد آباد، بمبئی کے بعد دوسرے نمبر پر رہا ہے۔ جہاں سے مجھے دو لاکھ روپے کا چیک دیا گیا ہے۔ تمام مسلمان ایک خدا کے ماننے والے ہیں اور ایک قوم ہیں۔ وہ پاکستان چاہتے ہیں، اور اسے حاصل کر کے رہیں گے۔ یہ ایک ایسا تعویذ اور چادر ہے جس سے ان کی طاقت اور عظمت بڑھے گی۔ پاکستان کا بدر کامل درخشاں ہے۔ اور ہم اس تک پہنچ کر دم لیں گے۔"

قائداعظم محمد علی جناح کی اس دلپذیر تقریر پر ہجوم نے پرجوش تالیاں بجائیں۔

چاندی کے گولے

بیگم غلام حسین ہدایت اللہ نے ایک دلچسپ واقعہ سنایا:

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تقسیم ہند سے کچھ عرصہ پہلے قائداعظم بلوچستان کے دورے سے واپس لوٹے تھے اور ہمارے گھر مہمان تھے۔ انہیں دورے کے دوران بلوچی کرتہ اور شلوار پیش کیے گئے تھے۔ ہم لوگ دوپہر کے کھانے پر قائداعظم کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ آنکھوں میں پرمسرت چمک لیے کمرے میں نمودار ہوئے۔ اس وقت وہ پورے بلوچی لباس میں ملبوس تھے۔ ہم سب کو انہیں اس لباس میں دیکھ کر نہ صرف حیرت ہوئی بلکہ ہمارے ساتھ ان کے گھریلو مذاق میں حصہ لینے کی خواہش اور بلوچی پوشاک اس تعظیم وتکریم پر ہم بھونچکا رہ گئے۔ بلاشبہ قائداعظم کی مضبوط اور پراثر شخصیت کا اور واضح ثبوت تھا ہم فوراً ہی اچھلے اور تحسین وآفرین کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ان کی جانب بڑھے اور کہا:

"آہا..... آپ کتنے اچھے لگ رہے ہیں! آپ تو سچ مچ بلوچی نظر آ رہے ہیں۔"

آپ کے خیال میں تحسین کا یہ جملہ سن کر قائداعظم نے کیا کیا ہوگا؟ انہوں نے فوراً پرمذاق انداز میں کہا:

"مجھے بلوچستان کے دورے میں صرف یہی کچھ نہیں ملا، ذرا ٹھہریے۔"

اتنا کہہ کر قائداعظم اپنے کمرے میں چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد چاندی کے بنے ہوئے توپ کے دو گولے لیے کمرے میں داخل ہوئے انہیں یہ گولے ایک بلوچی سردار نے پیش کیے تھے۔ قائداعظم نے یہ گولے لیے اور شرماتے ہوئے انداز میں بتایا:

"بہادر اور معزز سرداروں نے کس طرح ان کو نہایت عقیدت سے سلام کیا تھا۔"

ہم سب بچے اور بڑے یکساں طور پر خوش ہوئے پھر انہوں نے برآمدے میں یہ گولے لڑھکا دیے اس پر خود بھی محظوظ ہوئے اور ہم لوگ بھی خوب ہنسے اور قائداعظم بھی مسکرائے۔"

چائے

قائداعظم محمد علی جناح کو مشروبات میں چائے بہت پسند تھی۔ بیگم حاتم بھائی طیب جی اپنے ایک مضمون بیداری نسواں کے علمبردار میں رقمطراز ہیں:

"ہمارے ہاں جب بھی وہ (قائداعظم) مہمان ہوتے تو حکم یہ تھا کہ چائے ہر وقت ان کے کمرے میں تیار رہنی چاہیے جب اپنے کمرے میں ہوتے تو اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر پیتے تھے ورنہ ہم لوگوں کے ساتھ میز پر ہوتے تو ہم میں سے کوئی نہ کوئی ان

کے لیے چائے بناتا۔ کام کرتے وقت ہمیشہ چائے ان کے سامنے ہوتی تھی۔''

چھاتہ فوج

1942 میں قائداعظم محمد علی جناح فیصل آباد (لائل پور) تشریف لے گئے وہں آپ کے اعزاز میں مختلف تقریبات ہوتی رہیں۔ اس طرح کمپنی باغ کی ایک تقریب میں قائداعظم محمد علی جناح نے تقریر فرمائی۔ اسی طرح فیصل آباد میں قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں ایک جلسے میں اس وقت کے وزیراعظم پنجاب سر سکندر حیات خان نے اپنے نیم بروں انداز میں قائداعظم محمد علی جناح کو اپنی حمایت کا یقین دلایا اور کہا:

''پنجاب میں وہ چھاتہ فوج کی طرح مسلم لیگ کی مدد کو آئے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے برجستہ کہا:

''مگر یہ بات یاد رکھیں کہ کبھی کبھی ہوا کے طوفان سے چھاتہ فوج اڑ کر دشمنوں کے ہاتھوں میں آجاتی ہے۔''

اور اس پر ایک قہقہہ گونج اٹھا۔

چٹا گانگ

مارچ 1948ء میں پاکستان کے قیام کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا اور اس دوران ڈھاکہ اور چاٹگام بھی گئے۔

26 مارچ 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح چٹاگانگ پہنچے تو انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح، خواجہ ناظم الدین اور کابینہ کے متعدد ارکان کے ہمراہ چٹاگانگ کی گودی کا معائنہ کیا۔ چٹاگانگ کی بندرگاہ کو بھی وسیع کرنے کا پروگرام بنایا گیا جسے پورٹ کمشنر نے قائداعظم محمد علی جناح کے سامنے پیش کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے دلچسپی سے اس پروگرام کو دیکھا اور اس سلسلے میں مفید مشورے دیے اسی شام قائداعظم محمد علی جناح نے شہریوں کے ایک استقبالیہ میں شرکت کی جس میں انہوں نے حاضرین کے سامنے ایک تقریر کی اس تقریر میں قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کی معیشت اور اقتصادی مساوات کے بارے میں وہ لافانی الفاظ کہے جو پاکستان کے لیے ہمیشہ نشان راہ کا کام دیتے رہیں گے۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''جب آپ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی بنیاد معاشرتی انصاف اور اسلامی سوشلزم کے اصولوں پر رکھی جائے جس میں اخوت و مساوات کی کارفرمائی ہو تو آپ نہ صرف میرے بلکہ لاکھوں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اسی طرح جب ہم آپ سب کے لیے مساوی مواقع مانگتے ہیں اور اس کی خواہش ظاہر کرتے ہیں تو آپ میرے ہی خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ترقی کے ان مقاصد کے بارے میں ہمارے ہاں کوئی اختلافات نہیں کیونکہ ہم نے پاکستان کا مطالبہ اسی لیے کیا تھا۔ اس لیے اس کی جدوجہد کی تھی، اور اسی لیے اسے حاصل بھی کیا تھا کہ دینی معاملات اپنی روایات اور اپنے دل و دماغ کے مطابق انجام دیتے ہیں۔ ہم جسمانی اور روحانی دونوں طریقوں پر آزاد ہیں۔ اخوت، مساوات اور حریت یہ ہیں ہمارے مذہب اور تہذیب و تمدن کے بنیادی نکتے، ہم نے حصول پاکستان کی خاطر اسی لیے جنگ کی تھی کہ متحدہ ہندوستان میں ان انسانی حقوق کے پامال ہونے کا اندیشہ تھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی اس تقریر میں بھی عوام کو اتحاد قائم رکھنے، تعصب و تنگ نظر سے بچنے دشمنوں کی سازشوں

سے ہوشیار رہنے اور تعمیر انداز و اطوار اختیار کرنے کے انتہائی قابل مشورے دیے انہوں نے پاکستان کے روشن مستقبل پر اپنے یقین و اعتماد کا اعادہ کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس یقین کا اظہار کیا کہ چاٹگام ایک دن پاکستان کا عظیم شہر بن جائے گا، اور یہ مستقبل میں پاکستان کا دروازہ ثابت ہوگا۔
اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''اگرچہ مغربی پاکستان ان دنوں اپنی تاریخ کے نازک مرحلے سے گزر رہا ہے، اس کے باوجود میں یہاں آیا ہوں صرف اس لیے کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں کہ آپ نے اپنے شہر کو ترقی کی کس منزل پر پہنچایا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے تقریر کے آخر میں عوام کی جانب سے پیش کیے گئے سپاسنامہ کے مندرجات کا شکریہ ادا کیا۔ یہ سپاسنامہ چٹاگانگ کے شہریوں کی جانب سے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے رکن مسٹر ابو القاسم نے پیش کیا تھا۔ جس میں قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت اور ان کی قومی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا تھا، اور ان کی بے لوث قیادت پر اعتماد و یقین کا اظہار کیا تھا۔ شہریوں کے اس استقبالیہ میں قائداعظم محمد علی جناح کو ان کے ریلیف فنڈ میں سوا دو لاکھ روپے کی رقم بھی پیش کی گئی جس کا قائداعظم محمد علی جناح نے خصوصاً شکریہ ادا کیا۔

چٹاگانگ فلڈ ریلیف فنڈ

قائداعظم محمد علی جناح نے گورنر سندھ مسٹر غلام حسین ہدایت اللہ کی اپیل پر 21 اگست 1947ء کو چٹاگانگ ریلیف فنڈ میں مبلغ ایک ہزار روپے کا عطیہ دینے کا اعلان کیا۔

چٹرجی، اے سی

16 ستمبر 1924ء کو چٹرجی نے اسمبلی کے اجلاس میں اس تحریک کی مخالفت کی جس میں کہا گیا تھا:

''ایوان انڈین کریمنل لاء، امینڈمنٹ ایکٹ 1908ء کی بعض دفعات پر غور کرے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس کی حمایت میں تقریر کی، اور حکومت پر سخت نکتہ چینی کی اور کہا:

''جنگ کے خاتمہ پر ہماری خدمات وخلوص کا صلہ ہم کو رولٹ ایکٹ کی صورت میں دیا گیا اب ایک مرتبہ پھر ہم پر کالے قوانین مسلط کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔''

اس موقع پر چٹرجی نے قائداعظم محمد علی جناح سے کہا:

''آپ اسمبلی سے مستعفی ہو جائیں۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے فوراً جواب دیا:

''نہیں اب ایسا نہیں ہوگا۔ اب مان مانی کارروائی کرنے کی مہلت نہیں دی جائے گی۔ اب عوام کو ان کا جائز حق مل کر رہے گا۔''

بل دوسری خواندگی کے لیے پیش ہوا تو پھر قائداعظم محمد علی جناح نے اس کی بھرپور مذمت کی۔

چچا

قائداعظم محمد علی جناح کو راجا صاحب محمود آباد محمد امیر احمد خان چچا کہا کرتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے دو چچا تھے نتھو بھائی اور دوسرے والی جی بھائی۔

چرچل جناح مراسلت

قائداعظم محمد علی جناح نے 31 اگست 1946ء کو مائیکل

فٹ کے اس مضمون کی تردید کی جس میں انہوں نے لیبر پارٹی کے سرکاری ترجمان ڈیلی ہیرلڈ میں لکھا تھا:

''مسٹر جناح اور چرچل کے درمیان خط و کتابت ہو رہی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں نے 6 جولائی کو وزیراعظم اٹیلی کو ایک خط لکھا تھا 25 اور 29 جون کے بیانات اور دوسرا مواد بھی روانہ کیا تھا۔ اسی قسم کا ایک خط مسٹر چرچل کو بھی لکھا تھا چونکہ معاملہ پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیے جانے کا امکان تھا۔''

چرچل، سرونسٹن

قائداعظم محمد علی جناح نے 18 نومبر 1943ء کو امپیریل لیجسلیٹو اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''جنگ کی وجہ سے بنگال میں قحط سے روزانہ ہزاروں افراد بھوک اور خوراک کی عدم دستیابی کے باعث ہلاک ہو رہے ہیں، اور ہزاروں افراد کی صحت فاقہ کشی سے برباد ہوگئی ہے۔ ہندوستانیوں کی زندگی کی ذمہ دار حکومت ہے، کیا برطانیہ میں چرچل کی حکومت 48 گھنٹے سے زیادہ قائم رہ سکتی ہے اگر وہاں تین سو آدمی بھوک سے مر جائیں چہ جائیکہ ہزاروں افراد ہلاک ہوں۔''

سرونسٹن چرچل 30 نومبر 1874ء کو پیدا ہوئے۔ ہندوستان، سوڈان اور جنوبی افریقہ کے معرکوں میں شریک رہے۔ پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے۔ (1900ء) برطانوی بحریہ کے ناظم اعلیٰ (1911-1929ء) جرمنی سے نیول چیمبرلین کے صلح جویانہ طریق کار کی مخالفت کرتے رہے۔ دوسری جنگ عظیم کے آغاز سے سات ماہ بعد مخلوط حکومت میں وزیراعظم رہے 1940-1945ء جنگ میں امریکہ شمول سے قبل سمندر میں صدر روزویلٹ سے معاہدہ اوقیانوس کے سلسلے میں بات چیت کی دو بار امریکی کانگریس سے خطاب کیا۔ کاسابلانکا، کیوبک، قاہرہ، مالٹا، تہران اور پاٹسڈم کانفرنسوں میں شرکت کی۔ لیبر پارٹی کی کامیابی پر 1945ء میں قائد حزب اختلاف اور 1951ء میں دوبارہ وزیراعظم بنے اور 1955ء تک اس عہدہ پر برقرار رہے۔ 24 جنوری 1965ء کو وفات پائی۔

چرچ مشن اسکول

8 مئی 1892ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے شادی کے بعد چرچ مشن سکول میں داخلہ لیا۔ داخلہ رجسٹر کے مطابق ان کا نمبر 483 تھا۔ انہیں انگریز پرنسپل ڈبلیو آئی ایکیل کے کہنے پر چھٹی جماعت میں داخلہ ملا۔

چرچ مشن اسکول میں داخلہ دلانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ کاروبار کے سلسلے میں ان کے والد انہیں لندن بھجوانا چاہتے تھے تاکہ وہ انگریزی ماحول سے مانوس ہو سکیں۔

یہ سکول 1846ء میں کرنل پریڈی نے قائم کیا تھا، قدیم سکول آج بھی اسی نام سے کراچی میں نشتر روڈ (سابقہ نام لارنس روڈ) پر واقع ہے۔

چکمہ اور شاطرانہ چال

قائداعظم کی کوشش یہ تھی کہ فرقہ وارانہ مسائل پر کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان سمجھوتہ ہو جائے اور کانگریس کی یہ کہ ہندو مسلم سمجھوتے کے مسئلہ کو نظر انداز کر کے ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے متعلق برطانیہ سے یہ اعلان کرا لے کہ ہندوستان کامل طور پر آزاد ہوگا، کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کے ذریعے اس کو اپنا دستور وضع کرنے کا اختیار ہوگا، اس میں برطانیہ کا کوئی دخل نہ ہوگا، اور ہندوستان کی آزادی جمہوری

پارلیمنٹری طرزِ حکومت پر مبنی ہوگی۔ جب وہ وائسرائے اور حکومت برطانیہ کو اس قسم کے اعلان پر آمادہ نہ کرسکے تو مسٹر گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو اکتوبر میں قائداعظم سے ملے، اور ان دونوں نے یہ سمجھانے کی کوشش کی:

''یہ سیاسی مسائل ہیں، ان کا فرقہ وارانہ مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ ہم باہم طے کرلیں گے۔ مسلم لیگ اس مشترکہ قومی مطالبے میں کانگریس کے ساتھ شریک ہوجائے۔''

یہ بڑی شاطرانہ چال تھی۔ جمیعتہ العلماء، کانگریسی مسلمان اور نیشنلسٹ مسلمان اس میں پھنس سکتے تھے، جمیعتہ العلماء سیاسی بصیرت سے محروم اور نیشنلسٹ مسلمان اغراض کے بندے۔ قائداعظم کے لیے نہ یہ چال تھی نہ جال تھا بلکہ محض ایک طفلانہ حرکت تھی جس پر وہ صرف متانت کے ساتھ مسکرا دیے ہوں گے۔ اسی ملاقات کے اختتام پر دونوں فریقوں کے درمیان اس پر اتفاق رائے ہوگیا:

''فرقہ وارانہ مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرنے کے لیے ہمیں دوبارہ ملنا چاہیے۔''

پنڈت جواہر لال نہرو نے اسی ملاقات کے لیے قائداعظم کو لکھا اور قائداعظم محمد علی جناح نے ملاقات کے لیے آمادگی ظاہر کی، مگر پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے دوسرے خط میں اس ملاقات کے لیے یہ شرط عائد کی:

''گفتگو کے لیے کوئی مشترکہ بنیاد اور مطمع نظر ہونا چاہیے تاکہ گفتگو بارآور ہو۔''

یہ پھر اسی بات کی طرف اشارہ تھا کہ کانگریس کے مطالبہ کو قومی مطالبہ قرار دے کر مسلم لیگ پہلے اس میں شرکت کرے۔ قائداعظم نے اپنے 9 دسمبر 1939ء کے خط میں پنڈت جواہر لال نہرو کو اس کا جواب دیا:

''مجھے آپ سے بالکل اتفاق ہے کہ گفتگو کے لیے کوئی مشترکہ بنیاد ہونی چاہیے اور کوئی مشترکہ مقصد پیش نظر ہونا چاہیے تاکہ گفتگو بارآور ہو۔ اسی سبب سے میں نے بمقام دہلی بہ ماہ اکتوبر مسٹر گاندھی سے اور آپ سے گفتگو کے دوران میں یہ واضح کردیا تھا: اول یہ کہ جب تک کانگریس مسلم لیگ کو مسلمانوں کی مختار اور واحد نمائندہ انجمن ماننے کے لیے تیار نہ ہو اس وقت تک ہندو مسلم سمجھوتے کی گفتگو جاری رکھنا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ یہ بنیاد آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے معین کردی ہے اور دوم یہ کہ ہم کانگریس کے مطالبہ اعلان کی، اس سے قطع نظر کہ وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے مبہم اور ناقابل عمل ہے، اس وقت تک تصدیق نہیں کرسکتے جب تک کہ اقلیتوں کے مسئلے پر سمجھوتہ نہ ہوجائے۔ مسلم لیگ اس اعلان سے بھی مطمئن نہیں ہے جو وائسرائے نے کیا ہے۔ اگر خوش نصیبی سے ہم ہندو مسلم مسئلہ طے کرنے میں کامیاب ہوجائیں۔ تب ہم اس حالت میں ہوں گے کہ حکومت برطانیہ سے ایسے اعلان کے مطالبے کے لیے جو ہمارے لیے قابل اطمینان ہو کوئی متفقہ فارمولا وضع کریں۔ دہلی میں نہ میری پہلی تجویز آپ کو اور مسٹر گاندھی کو منظوری کے قابل معلوم ہوئی اور نہ دوسری، مگر آپ نے از راہ کرم یہ خواہش ظاہر کی کہ مجھ سے پھر ملیں اور میں نے کہا کہ مجھے اس میں ہمیشہ مسرت ہوگی کہ آپ سے ملوں۔''

ملاقات کی تاریخ اور وقت کے تعین اور پھر اسی سلسلے میں بنیاد اور مقصد مشترک پر پنڈت جواہر لال نہرو نے یکم دسمبر 1939ء سے 16 دسمبر 1939ء تک قائداعظم سے مراسلت کی اور بالآخر بمبئی پہنچ کر، انھوں نے قائداعظم کو یہ لکھ دیا:

''ہمارے اور آپ کے درمیان چونکہ کوئی بنیاد اور

مقصد مشترک نہیں ہے لہٰذا میرا آپ سے ملنا اور گفتگو کرنا بے سود ہے۔"

اس کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے قائداعظم کے خلاف ایسے بیانات دیے جن میں ان پر جھوٹے الزامات تھے اور گفت وشنید منقطع ہونے کے غلط اسباب۔ ان پر قائداعظم نے ایک مختصر بیان میں فرمایا:

"وہ مجھ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ میں ہندوستان پر برطانوی تسلط قائم رکھنے کے لیے تلا ہوا ہوں۔ میں اس الزام کو صرف بے بنیاد نہیں بلکہ پست اور ذلیل کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

قائداعظم نے یہ مراسلت شائع کر دی، جو ان کے اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان ہوئی تھی تاکہ لوگ خود یہ اندازہ کرلیں کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے قائداعظم سے ملنے اور اس مسئلے پر مزید گفتگو کرنے کا ارادہ کیوں ترک کیا۔

یوم نجات

14 نومبر 1939ء تک ہندو اکثریت کے صوبوں میں کانگریس کی وزارتوں نے استعفیٰ دے دیا تھا۔ قائداعظم نے 2 دسمبر 1939ء کو یہ اعلان کیا کہ 22 دسمبر (یوم جمعہ) کو تمام ہندوستان میں یوم نجات منایا جائے۔ اس کے ساتھ ہی مسلم لیگ کے صدر دفتر سے مسلم لیگ کی تمام شاخوں کو ایک رزولیوشن اس غرض سے بھیجا گیا کہ اس روز جلسہ کر کے اس میں وہی منظور کرائیں۔ مقامی حالات کی مناسبت سے اس میں ترمیم کی اجازت تھی۔ رزولیوشن میں ان مظالم اور زیادتیوں کی نوعیت کا ذکر تھا جو کانگریسی وزارتوں نے مختلف صوبوں میں مسلمانوں پر کی تھیں، نیز اس کا کہ ان وزارتوں کے طرز عمل سے جرأت پا کر ہندوؤں اور خصوصاً کانگریسیوں نے مسلمانوں پر زبردستیاں کیں اور بالآخر گورنر جنرل اور ان کی کونسل سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کی جائز شکایات اور مستعفی وزارتوں کے مظالم کی جلد سے جلد تحقیقات کرائیں۔

قائداعظم کی ہدایت کے مطابق تمام ہندوستان میں چھوٹے دیہات سے لے کر بڑے شہروں تک اپنے امن و انتظام کے ساتھ یوم نجات منایا گیا کہ تمام دنیا کو اس پر حیرت ہوگئی۔ مسلمانوں کے علاوہ دوسری اقلیتوں نے بھی یوم نجات میں شرکت کی۔ پارسی، پست اقوام اور جسٹس پارٹی کے لوگ تو وہ تھے جن کو مسلمانوں ہی کی طرح کانگریس کی وزارتوں سے شکایت تھی، لہٰذا وہ اس میں شریک ہوئے لیکن مسلم لیگ کی تقویت کے لیے بڑی بات یہ ہوئی کہ بعض ان ہندوؤں نے بھی جو کانگریسی نہ تھے اس کا اعتراف کیا کہ یوم نجات منانے میں مسلمان حق پر ہیں۔

سر آرتھر مور سابق ایڈیٹر اسٹیٹ مین نے قائداعظم کے اس اقدام پر لکھا:

"اپنے ہندوستان کے دائرے کے اندر نازک موقعے پر فوری اور عاقلانہ فیصلہ کرنے میں یہ قیادت مسٹر چرچل کی اس تقریر کے مقابلے میں پیش کی جاسکتی ہے جو انہوں نے روس پر جرمنی کے حملے کے موقع پر کی تھی۔ کانگریس بالکل گھبرا گئی۔ معلوم ہو رہا تھا جیسے جنگلی سور زخمی ہوگیا ہے۔ دوسری پارٹیاں بھی ایسی ہی ٹپٹائی ہوئی تھیں اور یہ تاثر اس وجہ سے قوی تر ہوگیا کہ تمام اسلامی ہند نے بڑے جوش سے اس کا خیر مقدم کیا۔ یہ دن قریب قریب مذہبی اعتقاد کے ساتھ منایا گیا۔ کوئی ہنگامہ نہیں ہوا اور ذمہ دارانہ لہجے میں دل سے شکر ادا کیا گیا۔

گورنروں پر اور دوسرے لوگوں پر (جن میں میں بھی شامل ہوں)، جنہوں نے کانگریسی حکومتوں کی بڑی تعریفیں کی تھیں، بہت جلد یہ واضح ہوگیا کہ یہ

کانگریسی حکومتیں دیہاتی مسلمانوں میں اپنے خلاف شکایتوں، بے اعتمادیوں اور غصے کا ایک انبار جمع کر رہی تھیں جسے ہم نہیں سمجھتے تھے!''

پنڈت جواہر لال نہرو نے مسلم لیگ کی شکایات کو تصور کی پیداوار کہا اور ابوالکلام آزاد نے دروغ بیانیوں کا پہاڑ۔ مسٹر پٹیل کانگریس کی پارلیمینٹری کمیٹی کے صدر تھے انہوں نے اپنے بیان میں یہ فرمایا:

''مزید یہ کہ میری ہدایت پر ہر وزیر اعلیٰ نے اپنے گورنر کو اس کی دعوت دی کہ وزارت کا عمل قابل اطمینان نہیں ہے تو بلا پس و پیش مداخلت کریں۔ حال میں جب مسٹر جناح نے یہ الزامات لگائے تو میں نے پھر ہر وزیر اعلیٰ کو ہدایت کی کہ اپنے گورنر کی توجہ اس طرف مبذول کرے کیوں کہ اس کا اثر ان پر بھی ہے اور مجھ کو یہ اطلاع دی گئی کہ گورنر ان الزامات کو بے بنیاد سمجھتے ہیں۔''

اس پر قائداعظم نے اپنے بیان میں فرمایا:

''(مندرجہ بالا بیان سے) بڑا سنگین مسئلہ پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اس کے ذریعے واقعے کے بعد گورنر (کانگریس کے مظالم میں) معاون بنتے ہیں۔ مجھ کو اس کی اجازت دیجئے کہ میں مسٹر پٹیل کو یہ اطلاع دے دوں کہ اپنے دعوے کی تائید میں ہمارے پاس بے اندازہ شہادت موجود ہے اور جیسا کہ کہا جا رہا ہے تحقیقات سے گریز نہیں، میں اس پر اصرار کرتا ہوں کہ مناسب طریقے پر، مقررہ ٹرائی بیونل کے ذریعے، جس کو تمام ضروری اختیارات حاصل ہوں، اب اس کی پوری پوری تحقیقات کرائی جائے اور میں اب درخواست کرتا ہوں کہ حکومت برطانیہ رائل کمیشن مقرر کرے، جو خالص عدلیہ کے اشخاص اور ملک معظم کے ہائی کورٹ کے ججوں پر مشتمل ہو، اور اس کا چیئرمین پریوی کونسل کے لا لارڈس میں سے کوئی ہو۔ میرے خیال میں یہ نہیں آتا کہ کانگریس یا کسی دوسرے فریق کو میرے اس مطالبے پر کوئی اعتراض ہوگا اور میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرے اس مطالبے کی تائید کریں۔''

مسٹر وی۔ پی مینن نے اپنی کتاب ''ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا'' اس انداز سے لکھی ہے کہ گویا وہ بالکل اندرونی حالات لکھ رہے ہیں، اور وائسرائے کے دلی خیالات تک کا ان کو علم تھا۔ وہ فرماتے ہیں:

''وائسرائے نے یہ محسوس کیا کہ کسی خاص صوبے میں بعض خاص واقعات ثابت ہو جائیں، یہ ہوسکتا ہے، مگر مسٹر جناح کے لیے یہ بہت مشکل ہوگا کہ وہ کانگریسی حکومتوں کے خلاف یہ ثابت کرسکیں کہ ان کا کوئی اقدام عام طور پر مسلمانوں کے خلاف تھا اور یہ فیصلہ کہ الزامات میں کوئی اصلیت نہ تھی، خود مسٹر جناح کے لیے موجب ضرر ہوگا۔ اس لیے وائسرائے کی ہدایت پر یہ (ٹرائی بیونل) ترک کر دیا گیا۔''

یہ تسلیم کرلیا جائے کہ وائسرائے مسٹر جناح کے بڑے ہمدرد تھے اور ان کو مسٹر جناح سے زیادہ ان کی نیک نامی کے تحفظ کی فکر تھی، لیکن کانگریس کے لیے تو مسٹر جناح کا اعتبار کھونے کا اس سے بہتر اور کوئی موقع نہیں ہوسکتا تھا، اور وہ بقول اہل کانگریس اور مسٹر گاندھی ہندوستان کی آزادی میں بے راہ بھی تھے، اس لیے یہ قومی اور ملکی خدمت بھی ہوتی کہ مسٹر جناح کو ساقط الاعتبار کر دیا جائے۔ کانگریس نے اس پر اصرار کیوں نہ کیا کہ مسٹر جناح کی تجویز کے مطابق رائل کمیشن مقرر کرکے مسلم لیگ کے الزامات کی اچھی طرح تحقیقات کرا لی جائے؟ اس سے کانگریس اور پوری ہندو قوم مسلمانوں کی

مخالفت اور ان پر ظلم کے الزام سے بری ہو جاتی، جو بالآخر ہندوستان کی تقسیم کا باعث ہوا۔

(پاکستان ناگزیر تھا، از حسن ریاض، مطبوعہ کراچی یونیورسٹی کراچی)

چمن لال، دیوان

قائداعظم کے دوست تھے۔ یہ 1934ء کی بات ہے۔ ایک شام بمبئی میں قائداعظم محمد علی جناح نے ان سے کہا:

''سیاست سے میری توبہ۔''

لیکن اس کے ساتھ ہی قائداعظم محمد علی جناح نے یہ کہا:

''اگر تم جیسے چھ آدمی میری حمایت پر تیار ہوں تو میں میدان سیاست میں لوٹ آؤں گا۔''

اس سے قبل جب قائداعظم محمد علی جناح مئی 1928 میں راجپوتانہ سے لندن تشریف لے گئے تو دیوان چمن لال بھی ان کے ہمراہ تھے۔ دوران سفر انہیں قائداعظم محمد علی جناح سے بات چیت کرنے کا بے پناہ موقع ملا۔ قاہرہ کے قریب جا کر انہوں نے اہرام مصر بھی دیکھے پھر وہاں سے قائداعظم محمد علی جناح آئرلینڈ چلے گئے اور دیوان چمن لال پیرس وہاں گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی اہلیہ ہسپتال میں تھیں چنانچہ ان کی عیادت کے بعد دیوان چمن لال نے قائداعظم محمد علی جناح کو پیرس آنے کو کہا تاکہ وہ اپنی اہلیہ کی تیمارداری کر سکیں۔

دیوان چمن لال 1892ء میں پیدا ہوئے انہوں نے لندن اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد بمبئی کرانیکل کے نائب مدیر ہوگئے۔ 1932 تا 1941ء سنٹر لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن 1937ء اور 1946ء میں پنجاب اسمبلی کے رکن اور 1946ء میں سنٹرل اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ جنیوا میں 1925 میں انٹرنیشنل لیبر کانفرنس میں وفد کے مشیر کی حیثیت سے شرکت کی۔ رائل کمیشن کے رکن رہے۔ 1947ء میں انہیں ترکی میں بھارت کا سفیر مقرر کیا گیا۔

چمن لال سیتل واد، سر

یہ بمبئی کے مشہور وکیل تھے۔ ایک مقدمہ میں وہ قائداعظم محمد علی جناح کے موکل کے مخالف وکیل تھے وہ اپنی کتاب رکلکشنز اینڈ ریفلیکشنز میں رقمطراز ہیں:

''جناح اپنی ابتدائی زندگی میں آزاد روی اور عزم و حوصلہ کے مالک تھے۔ وہ کبھی کسی جج یا فریق مخالف کے وکیل کو خاطر میں نہ لاتے۔''

چمن لال سیتل واد 1866ء میں پیدا ہوئے۔ قانون کا امتحان پاس کرنے کے بعد بمبئی ہائی کورٹ میں پریکٹس کرنے لگے۔ اصلاحات حکومت ہند کے سلسلے میں ساؤتھ برو کمیٹی کے رکن 1918ء، ہنٹر کمیٹی کے رکن 1919ء ہائی کورٹ بمبئی کے ایڈیشنل جج 1920ء احاطہ بمبئی کے ایگزیکٹو کونسل کے رکن جنوری 1921 جون 1923 بمبئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے۔ اعتدال پسند جماعت کے ممتاز رکن تھے جیکار کے ساتھ مل کر گاندھی اور حکومت ہند کے درمیان مصالحت کے لیے بڑی کوششیں کیں سر چمن لال سیتل واد اپنے عہد کے مشہور قانون دان تھے۔

چندر گپت، موریہ

کیبنٹ مشن نے قائداعظم محمد علی جناح سے 4 اپریل 1946ء کو تین گھنٹہ تک ملاقات کی اس ملاقات میں مشن نے ان سے پوچھا:

''آپ ہندوستان کے لیے یہ کیوں بہتر سمجھتے ہیں کہ اس میں ایک علیحدہ پاکستان ہو۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

''چندر گپت کے زمانے سے اپنی پوری تاریخ میں تمام

ہندوستان کی کبھی کوئی ایک حکومت نہیں ہوئی اس کے بعد انگریز ہندوستان آئے۔ انہوں نے بتدریج ہندوستان کے بڑے حصے میں اپنی حکومت قائم کی، مگر پھر بھی ہندوستان ایک حد تک ہی متحد ہوا۔ ہندوستانی ریاستیں الگ اور بااختیار ہیں یہ کہا گیا کہ ہندوستان ایک ہے لیکن ایسا ہوا نہیں ہندوستان فی الحقیقت بہت تھے اور انگریز نے ان کو ایک کر کے رکھا۔"

جیسے ہی 1906ء میں تھوڑا سا اختیار منتقل کیا گیا ہندوستان میں ہندوؤں اور رمسلمانوں کی کشیدگی بڑھنے لگی۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے حکومت برطانیہ نے جداگانہ انتخابات کیا۔ یہی صورت حال اس وقت پیدا ہوئی جب مانٹیگو چیمسفورڈ اصطلاحات آئیں۔ 1930ء سے 1935 تک جو مباحثے ہوئے ان میں فرقہ وارانہ مسئلے پر جب کوئی سمجھوتہ نہ ہوا تو حکومت برطانیہ ایک فیصلہ دینے پر مجبور ہوگئی۔ مسلمانوں کی خواہش پر سندھ بمبئی سے الگ کیا گیا اور صوبہ سرحد گورنر کا صوبہ بنایا گیا یہ تمام فیصلے برطانیہ عظمیٰ نے کیے۔

اب حکومت برطانیہ کہہ رہی ہے کہ سلطنت کے اندر یا باہر ہندوستان کو کامل آزادی دے گی۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے سوال کیا:

"ان بنیادی اختلافات کے ساتھ اس براعظم کی حکومت کس کو منتقل کی جائے گی۔ زندگی کے متعلق مسلمانوں کا تصور ہندوؤں سے بالکل مختلف ہے۔ اپنے بڑے آدمیوں کی جن صفات کی وہ تعریف کرتے ہیں وہ بالکل مختلف ہیں۔ مسلمانوں کا کلچر بالکل مختلف ہے جو بجائے سنسکرت کے عربی اور فارسی سے پیدا ہوا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی معاشرتی رسوم و رواج قطعی الگ الگ ہیں۔ ہندو معاشرہ اور ہندو فلسفہ دنیا میں انتہا سے زیادہ علیحدگی پسند ہے۔ ہندو اور مسلمان ہندوستان میں ایک ہزار برس سے ساتھ ساتھ رہتے ہیں، لیکن اگر کوئی ہندوستان کے کسی شہر میں جائے وہ دیکھے گا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے محلے الگ الگ ہیں۔ ایک قوم بنانا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ جوڑنے والے عناصر موجود نہ ہوں ان دس کروڑ مسلمانوں اور پچیس کروڑ ہندوؤں کو جن کا پورا طرز زندگی اس قدر مختلف ہے ملک معظم کی حکومت کیوں کر ایک جگہ رکھے گی۔"

مشن سے بات چیت کرنے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح باہر آئے تو ہزاروں مسلمانوں نے قائداعظم اور پاکستان زندہ باد کے نعرے لگائے۔

چندر گپت 321 قبل مسیح سے 296 قبل مسیح تک ہندوستان کا حکمران تھا۔ سکندر اعظم کے حملے کے باعث اہل پنجاب کو جن صدمات سے دوچار ہونا پڑا۔ چندر گپت نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اس کا دارالحکومت پاٹلی پتر (موجودہ پٹنہ) تھا۔ چندر گپت نے بہت عمدہ نظام سلطنت رائج کیا، اور ایک طاقتور فوج مملکت کی حفاظت کے لیے تیار کی۔

چندو مل

قائداعظم محمد علی جناح کے والد پونجا جناح کے دوست تھے۔ نیز چرچ مشن سکول کراچی کے استاد تھے۔ دونوں نے اکٹھے تعلیم پائی اور دونوں معلمی کے پیشے سے منسلک رہے۔ قد و قامت میں بھی ایک سے تھے۔ البتہ چندو مل لمبا ڈھیلا دگلا (کوٹ) اور دھوتی پہنتے تھے۔

چندہ

❶ کانگریس کے مقابلے میں مسلم لیگ کو بہت زیادہ رقم درکار تھی، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے جب بھی چندہ لینے کی اپیل کی تو اس کے لیے باقاعدہ رسید جاری کرتے، اور جب تک رسید نہ ہوتی وہ چندہ وصول نہ کرتے اسی ایک واقعہ سے آپ کو قائداعظم محمد علی جناح کی دیانتداری کا ثبوت مل جائے گا۔

الٰہ آباد سیشن میں مسلم لیگ فنڈ کے لیے قائداعظم محمد علی جناح نے اپیل کی تو ایک لڑکے نے ڈائس پر چندہ پیش کرنا چاہا قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں یہاں کوئی چند وصول کرنے کی اجازت نہیں دوں گا جن صاحب کو چندہ دینا ہو باقاعدہ منی آرڈر کریں اور رسید حاصل کریں۔''

سرحد کے سردار اورنگ زیب خان نے کہا:

''اب بچے کی دل شکنی ہوگی اسے اجازت دے دی جائے کہ وہ ڈائس پر آکر چندہ پیش کرے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نہ مانے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا بدترین دشمن بھی قائداعظم محمد علی جناح پر قوم کے ایک پیسے کے ضیاع کا الزام عائد نہیں کرسکتا۔

❷ اپریل 1938ء میں مسلم لیگ کا جلسہ ہو رہا تھا، قائداعظم محمد علی جناح کے جلسہ گاہ میں پہنچنے میں ابھی دیر تھی۔ جلسہ مولانا شوکت علی کی صدارت میں شروع کر دیا گیا۔ ایک آدھ تقریر کے بعد مولانا شوکت علی نے مسلم لیگ کے چندہ کی اپیل کردی، اور کارکن جلسہ گاہ میں چندہ وصول کرنے لگے۔ عین وقت پر قائداعظم محمد علی جناح تشریف لے آئے، اور مائک سنبھال کر مختصر تقریر کی اور فرمایا:

''میں اس طرح چندہ وصول کرنے کے خلاف ہوں، مسلم لیگ کو انگریز اور ہندو سے جنگ لڑنے کے لیے روپے کی سخت ضرورت ہے، اس کا مجھے احساس ہے مگر میں اس طریقہ کار کے سخت خلاف ہوں، ماضی میں مسلمانوں کی جماعتیں چندے کے معاملے میں بدنام ہوچکی ہیں۔ میں مناسب وقت پر آپ سے چندے کی اپیل کروں گا۔ بنک میں حساب کھولا جائے گا، اس میں رقوم جمع کرائیں یا مجھے براہ راست منی آرڈر کے ذریعے بھیجیں، ہر شخص کو اس کی رسید بھیجی جائے گی اور حساب رکھا جائے گا۔''

اس کے بعد انہوں نے چندہ وصولی روک دی۔ عوام نے بھی مسلم لیگ فنڈ کے لیے اپیل پر لبیک کہا، اور لاکھوں روپے جمع ہوئے، لیکن مسلم لیگ کی قیادت پر قومی روپے میں خورد برد کا الزام کبھی نہیں آیا۔

چودہ نکات

''دہلی مسلم تجاویز'' جیسا کہ انہیں موسوم کیا گیا، مخلوط انتخاب پر بعض شرائط کے ساتھ انتخاب کیا گیا تھا۔ یہ بڑی مشروط رعایت اور بعد میں آنے والی تجاویز ''میثاقِ لکھنؤ'' کی طرح قائداعظم محمد علی جناح کے آئینی ماہرانہ دماغ کی بے نظیر تخلیق تھیں۔ حقیقت میں انہوں نے 29 سرکردہ مسلم قائدین کو جن میں سر محمد شفیع اور عبدالرحمٰن جیسے رجعت پسند شامل تھے۔ جداگانہ انتخاب کا اصول، جو کہ ہمیشہ مسلم لیگ کی پالیسی کا بنیادی پتھر رہا، ترک کرنے پر آمادہ کر لیا۔ جس سے اگلے مسلمانوں کو یہ حق مل گیا کہ مسلمان امیدواروں کو ووٹ دے سکیں، اور جملہ مسلم سیاست دانوں کو مجبور کرسکیں کہ وہ آئندہ انتخابی معرکوں میں اپنے حلقے کے سارے مسلمان ووٹروں سے اپیل کریں۔ مسلمان امیدواروں کی ایک خفیف سی تعداد کو اب بھی ان تمام صوبوں سے انتخاب لڑنا تھا، جہاں مسلمان اقلیت میں تھے۔ جیسا کہ میثاقِ لکھنؤ کے تحت طے پایا تھا، تاہم ہندو

ممبران کی اتنی ہی تعداد کو مسلم اکثریت کے صوبوں سے منتخب ہونا تھا، چونکہ ہر امیدوار مجبور تھا کہ حمایت کرنے والے کے لیے مشترکہ رائے دہندگان سے اپیل کرے، اس لیے ان سب کے لیے نرم رویہ اختیار کرنا ناگزیر تھا۔ یہ بات قابلِ فہم ہے کہ ایسی سکیم کے تحت منتخب ہونے والے جملہ مسلم امیدوار یا تو کانگریسی ہوتے یا خدفتی۔ مسلم لیگ کا کوئی نمائندہ شاذ ہی جیتتا۔ یہ فراخدلانہ سیاسی رعایت تھی۔ جو ثابت کرتی ہے کہ قومی اصولوں اور ملکی آزادی کی منزل تک پہنچانے والی جدوجہد کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناح کا لگاؤ کتنا بے لوث اور بے باکانہ تھا۔

انہوں نے بدلے میں جو آئینی مراعات مانگی تھیں، وہ کسی لحاظ سے کمتر نہ تھیں۔ ان کے ذریعے مسلمان اکثریت کو تین مکمل صوبوں (سندھ، سرحد اور بلوچستان) کا کنٹرول حاصل ہو جاتا۔ نیز پنجاب اور بنگال کو بھی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے وہ کنٹرول مل جاتا، جس کے وہ مستحق تھے۔ سندھ اس وقت تک انتظامی لحاظ سے بمبئی کے زیرِانتظام تھا، جس کا تاریخی، جغرافیائی، مذہبی یا اخلاقی وجوہ سے کوئی جواز نہ تھا۔

صوبہ سرحد اور بلوچستان انگریزوں کی نظر میں بہت زیادہ پسماندہ اور قبائلی مقام میں جکڑے ہوئے تھے اور شورش پسند تھے۔ انہیں مکمل درجہ حاصل نہیں تھا۔ اس لیے ان کا انتظام مرکز کی طرف سے مقرر کردہ فوجی حکام، اسمبلیوں کے بغیر چلا رہے تھے۔

1921ء کی مردم شماری کے بعد سے پنجاب اور بنگال کے مسلمانوں نے واضح اکثریت حاصل کر لی تھی، تاہم اسمبلیوں میں ان کی تعداد میں اس نسبت سے اضافہ نہیں ہوا۔ اس طرح قائداعظم محمد علی جناح کی تجاویز سے منتخب مسلمان نمائندوں کو پانچ صوبائی حکومتوں میں اکثریتی کنٹرول حاصل ہو جاتا۔ آخری مطالبہ یہ تھا کہ مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کو کم از کم ایک تہائی تعداد کا انتخاب بھی مخلوط رائے دہندگان کو کرنا چاہیے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 1928ء کا ماہ فروری ختم ہونے سے پہلے ہی بھانپ لیا کہ ہندو مہاسبھا کے دباؤ میں آ کر کانگریس اس منظوری کو واپس لینے پر مجبور ہو گئی ہے۔ جو اس نے گذشتہ مئی میں آئینی سمجھوتے کے سلسلے میں دی تھی۔ بہرحال انہیں مارچ میں بجٹ سیشن کے ختم ہونے تک دہلی میں رکنا پڑا۔ انہوں نے لیگ کونسل کو اپنا ہم خیال بنا لیا، جس نے باضابطہ صورت میں اس بات پر ''افسوس کا اظہار کیا کہ ہندو سبھا نے عملاً لیگ کی تجاویز مسترد کر دی ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے چودہ نکات درج ذیل ہیں:

1. ملک کا آئین وفاقی ہوگا اور سبھی اختیارات صوبوں کی تحویل میں ہوں گے۔
2. تمام صوبے مساوی حیثیت سے آزاد ہوں گے۔
3. مجالسِ قانون ساز اور دیگر منتخب اداروں میں کسی صوبے کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل نہ کیا جائے گا۔
4. مرکزی قانون ساز ادارے میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی سے کم نہ ہوگی۔
5. فرقہ وارانہ نمائندگی جداگانہ طریق انتخاب کے ذریعے بدستور قائم رہے گی، بشرطیکہ کسی وقت کوئی قوم اسے مخلوط طریق انتخاب میں تبدیل کرنا چاہے تو وہ ایسا کرنے کی مجاز ہوگی۔
6. اگر کسی وقت جدید حد بندیوں کی صورت پیش آئے تو یہ کسی صورت میں بھی پنجاب، بنگال اور شمال مغربی سرحدی صوبے کی مسلم اکثریت کو متاثر نہ کرے گی۔
7. تمام مذہبی جماعتوں کو اپنے عقائد، طریقہ ہائے عبادت، رسومات، باہمی میل جول اور تعلیم و تبلیغ کی آزادی کی ضمانت دی جائے گی۔
8. کوئی قانون یا قرارداد یا اس کا کوئی حصہ کسی قانون ساز

ادارے یا منتخب ادارے میں منظور نہ کیا جائے گا، اگر اس ادارے میں اس قوم کے تین چوتھائی ارکان اس بنا پر اس کی مخالفت کریں کہ وہ قانون یا قرارداد یا اس کا کوئی حصہ اس قوم کے مفاد کے منافی ہوگا۔

9. سندھ کو احاطہ بمبئی سے الگ کر کے الگ صوبہ بنایا جائے۔

10. شمال مغربی سرحدی صوبے اور بلوچستان میں اس سطح کی اصلاحات نافذ کی جائیں، جس طرح کی دیگر صوبوں میں نافذ ہوں۔

11. آئین میں ایسی گنجائشیں رکھی جائیں کہ کارکردگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کو سرکاری اور خودمختار اداروں میں مناسب حصہ ملے۔

12. آئین میں مسلمانوں کی ثقافت کے تحفظ، مسلمانوں کی تعلیم، زبان، مذہب، شخصی قانون اور مسلمانوں کے خیراتی اداروں کے تحفظ اور فروغ کے لیے نیز حکومت اور خودمختار اداروں کی طرف سے زیر اعانت دینے کے لیے مناسب تدابیر کا اہتمام ہو۔

13. کوئی صوبائی یا مرکزی کابینہ اس وقت تک نہ بنائی جائے، جب تک متعلقہ کابینہ میں ایک تہائی وزیر مسلمان نہ ہوں۔

14. وفاق ہند کی مشمولہ ریاستوں کی رضامندی کے بغیر مرکزی قانون ساز اسمبلی آئین میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کرے گی۔

چودہ نکات پر پیش کی جانے والی قرارداد

چودہ نکات پر پیش کی جانے والی قرارداد کا متن درج ذیل ہے:

1. ہرگاہ بنیادی نظریہ، جس کے ساتھ تمام سیاسی جماعتوں کا اتفاق ہے کہ کلکتہ میں دسمبر 1928ء کے ہفتہ کرسمس میں ایک کانفرنس طلب کی گئی، جس کا مقصد یہ تھا کہ اس میں صف اول کی تمام سیاسی جماعتیں شرکت کریں، اور وہ اصلاحات کی سکیم وضع کریں، جسے ایک قومی معاہدہ کی صورت میں قبول کیا جائے، نہ صرف اسے متفقہ طور پر قبول کیا جائے، بلکہ اس کی توثیق بھی کی جائے۔

2. ہرگاہ انڈین نیشنل کانگریس اس رپورٹ کو ایک سال کے لیے 1929ء کے اختتام تک آئینی طور پر تسلیم کر لیا تھا۔

3. ہرگاہ برطانوی پارلیمنٹ کی طرف سے ایک سال کی مدت کے اندر تسلیم نہ ہونے کی صورت میں کانگریس اس امر کی پابند ہے کہ وہ سول نافرمانی اور ٹیکسوں کی عدم ادائیگی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے آزادیٔ کامل کے پروگرام اور پالیسی کو اپنائے۔

4. ہرگاہ کانفرنس میں ہندو مہاسبھا کے نمائندوں کا رویہ الٹی میٹم سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ اگر نہرو رپورٹ میں ایک لفظ بھی تبدیل کیا گیا تو وہ بلاخوف دستِ تعاون واپس لے لے گی۔

5. ہرگاہ نیشنل لبریشن فیڈریشن کے مندوبین کا رویہ الہ آباد کے افتتاحی اجلاس کے موقع پر نہایت فراخدلانہ، غیر جانبدارانہ اور جانبداری کا مظہر تھا۔

6. ہرگاہ ہندو مسلم اختلافات کے مسئلے میں غیر جانبدارانہ پالیسی اختیار کریں۔

7. ہرگاہ کہ سکھ لیگ نے پہلے ہی نہرو رپورٹ سے اتفاق کرنے سے انکار کیا۔

8. ہرگاہ کہ عام غیر برہمن اور پسے ہوئے طبقات نے قطعی طور پر اس کی مخالفت کی۔

9. ہرگاہ آل انڈیا مسلم لیگ کے مندوبین کی تجاویز ترمیمی حالت میں قبول نہیں کی گئی۔ مسلم لیگ نہرو رپورٹ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔

اس قرارداد کے مصنف قائداعظم محمد علی جناح تھے۔

چور بازاری

قائداعظم محمد علی جناح کے نزدیک ہر وہ چیز بری تھی جسے اسلام نے برا کہا تھا، اور سخت ناپسند کیا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بار کہا تھا:

"چور بازاری ایک لعنت ہے۔ ہمیں اس سنگین برائی کا جو معاشرے کے خلاف بڑا جرم ہے مقابلہ کرنا ہے جو شخص چور بازاری کرتا ہے وہ میری دانست میں بڑے سے بڑے اور سنگین سے سنگین جرم سے بڑھ کر جرم کرتا ہے۔"

چھٹی کی رسم

بچے کی پیدائش پر خصوصاً اگر وہ پہلوٹھی کا ہو تو اس کی پیدائش پر بڑی خوشی منائی جاتی ہے۔ اظہار مسرت کے طور پر کئی رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ جن میں ایک رسم چھٹی کی بھی ہے۔ یہ چھٹی ہندوؤں میں بھی ہوتی ہے اور مسلمانوں میں بھی۔

یہ رسم بچے کی ولادت کے چھٹے روز منائی جاتی ہے۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق اس دن کا نام چھٹی ماتا کے نام پر کھا گیا ہے جو بچے کے بھاگ لکھ جاتی ہے۔ یہی ان کے نزدیک گویا کاتب تقدیر ہے۔ دیگر گھرانوں کی طرح قائداعظم محمد علی جناح کے گھرانے میں بھی چھٹی کی رسم ہوتی تھی لیکن جہاں اس نومولود کا نام جہاں محمد علی رکھا گیا وہاں ایسی رسوم کا بھی خاتمہ کیا گیا۔ یہ ایک غیر مسلم رسم ہے، اسلام سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

چہلم (پرائیوٹ)

قائداعظم محمد علی جناح کی ہمشیرہ مس فاطمہ جناح کی کراچی میں ان کی رہائش گاہ پر 20 اکتوبر 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی رسم چہلم ادا کی گئی اس میں گورنر جنرل پاکستان، گورنر سندھ مرکزی اور سندھ حکومت کے وزراء اور غیر ملکی سفراء نے بھی شرکت کی۔ خواتین میں بیگم ناظم الدین اور بیگم سردار عبدالرب نشتر کے نام قابل ذکر ہیں۔ مردوں میں پاکستان کے عراقی ناظم الامور سید عبدالقادر نے اور خواتین کے لیے بیگم سردار عبدالرب نشتر نے دعائے فاتحہ پڑھی۔ محترمہ فاطمہ جناح نے غربا میں کھانا اور کپڑے بھی تقسیم کیے۔

قائداعظم محمد علی جناح کے چہلم کی وجہ سے سندھ حکومت کے دفاتر دو روز تک بند رہے۔ 20 اکتوبر کو حکومت پاکستان نے اعلان کیا:

"22 اکتوبر 1948ء کو پاکستان کے طول و عرض میں قائداعظم کے چہلم پر عام تعطیل ہوگی۔"

چہلم (سرکاری)

سرکاری طور پر کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح کا چہلم 22 اکتوبر 1948ء کو منایا گیا۔ اس روز ملک بھر میں سرکاری دفاتر میں تعطیل رہی۔ کراچی میں ہزاروں مسلمانوں، مرکزی اور صوبائی وزراء غیر ملکی سفراء نے قائداعظم محمد علی جناح کی آخری آرام گاہ پر حاضری دی اور انہیں خراج عقیدت پیش کیا۔ چہلم کے سلسلہ میں ایک جلسہ میں قائم مقام گورنر جنرل پاکستان خواجہ ناظم الدین نے کہا:

"پاکستان دنیا کے حالات سے اپنی آنکھیں بند نہیں کرسکتا یورپ میں جنگ چھڑ جانے کا خطرہ نظرانداز نہیں کیا جاسکتا اور اگر پاکستان نے تمام حالات کے مقابلہ کی تیاریاں نہ کیں تو یہ مجرمانہ حماقت ہوگی۔"

گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین نے قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

"خدا ہمیشہ اپنے محبوب بندوں کو آزمائش میں ڈالتا اور ان کا امتحان لیتا ہے اور ان سے قربانیاں طلب کرتا ہے۔ پاکستان کی سب سے بڑی آزمائش قائداعظم کی رحلت ہے۔ ہماری مملکت کو وجود میں آئے ایک ہی سال گزرا تھا کہ ہم سخت مصائب اور مشکلات میں گھرے ہوئے تھے۔ ایسے نازک حالات میں ہمیں قائداعظم کی رہنمائی کی اشد ضرورت تھی لیکن کارکنان قضا و قدر نے ہمیں ان کی رہنمائی سے محروم کردیا۔ اندریں حالات آپ کی رحلت قوم کے لیے ایک صدمہ عظیم ہے، لیکن جن لوگوں کو خدا کی ذات بابرکت پر کامل اعتقاد و یقین ہوتا ہے، وہ مشکلات سے گھبرا نہیں جاتے۔ ایک سچا مسلمان خدا کی ذات پر ایمان رکھتا ہے۔ گو قائداعظم کی وفات ہمارے لیے بہت بڑا صدمہ ہے لیکن غم واندوہ میں کھو کر اس مقدس ورثے کو فراموش کر دینا جو قائداعظم ہمارے سپرد کر گئے ہیں ہمارے لیے کسی حالت میں شایان شان نہیں۔ اسلام ہمیں اطیعو اللّٰہ و اطیعو الرسول کا درس دیتا ہے۔ ہمیں ایسی کوئی چیز نہیں کرنی چاہیے جو خدا اور اس کے رسول ﷺ کو پسند نہ ہو۔
ہم گزشتہ چالیس روز سے قائداعظم کی وفات پر اظہار رنج والم کر رہے ہیں۔ اس دوران ہم نے قائداعظم سے اظہار محبت وعقیدت کیا لیکن ہم پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ ہم ان زریں اصولوں اور مقاصد کو بھی عزیز رکھیں جن سے قائداعظم ہمیں روشناس کر گئے ہیں۔ قائداعظم نے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ زور قومی استحکام اور اتحاد و یکجہتی پر دیا اور اب قائداعظم سے اظہار محبت وعقیدت کی واحد صورت یہ ہے ہم کسی ایسے مسئلہ کو ہوا نہ دیں جو پاکستانی عوام میں اختلافات پیدا کر سکے یا حکومت کی بنیادوں کو کمزور کرنے کا باعث ہو۔ خدا نے ہمیں پاکستان اور قرآن دیا ہے اور ہمیں صاف طور پر یہ بتایا ہے جو قوم اپنی مدد خود نہیں کرتی خدا بھی اسے امداد کا مستحق خیال نہیں کرتا۔ ہمارا اولین فرض یہ ہے کہ اپنی آزادی وحریت کو برقرار رکھنے کے لیے انتہائی کوششیں کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ عورتیں کثیر تعداد میں نیشنل گارڈز کی تحریک میں اور ہمارے نوجوان پاکستانی فوجوں کے لیے اپنی خدمات پیش کردیں۔ ہم سب کا فرض ہے کہ پاکستان کے قومی قرضوں میں دل کھول کر روپیہ لگائیں۔"
گورنر سندھ جسٹس دین محمد نے کہا:
"جب تک اسلام زندہ ہے قائداعظم کا نام بھی زندہ رہے گا۔ انسانی تاریخ میں کسی ہیرو کا اس قدر احترام نہیں کیا گیا جتنا کہ قائداعظم کا ہوا ہے۔"
مشرقی پاکستان میں ڈھاکہ کے وکٹوریہ پارک میں ایک جلسہ ہوا جس سے وزیراعظم مسٹر نورالامین، نواب آف ڈھاکہ اور دیگر زعما نے خطاب کیا۔

چھوٹا پن (ندارد)

حکومت ہند نے ایک کمیٹی اس مقصد کے لیے تشکیل دی کہ فوج میں ہندوستانی افسروں کی بھرتی اور سینڈہرسٹ کے نمونے پر ایک فوجی ٹریننگ کالج کے قیام کی بابت حکومت کو مشورہ دے۔ فروری 1925ء میں قائداعظم محمد علی جناح بھی اس کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے۔ کمیٹی کے کام کے سلسلے میں انہوں نے انگلستان اور یورپ کے دیگر ممالک کا دورہ بھی کیا۔ اس دورے میں سینڈہرسٹ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح میں ان کا تحکم اب بھی باقی ہے اور عمر اور تجربے نے ان کی طبیعت کی تیزی اور
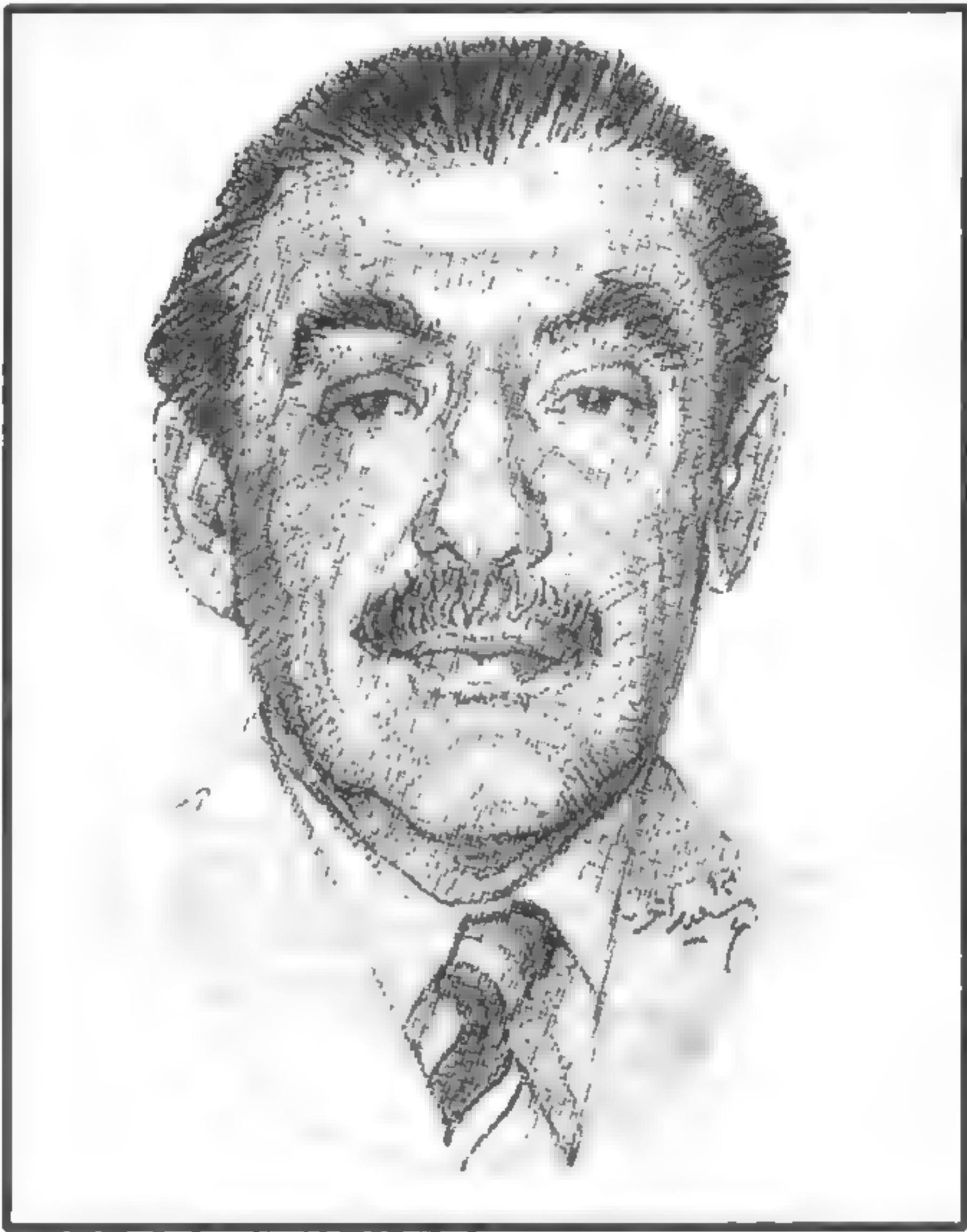
جام میر غلام قادر خان

1988 - 1917

قیام پاکستان کے وقت آپ ریاست لس بیلہ کے حکمران تھے اور جام صاحب لس بیلہ کہلاتے تھے۔ آپ نے قیام پاکستان کے ساتھ ہی پاکستان سے اپنی ریاست کا الحاق کر لیا تھا آپ پہلی دستور ساز اسمبلی کے رکن تھے پھر مغربی پاکستان حکومت کے وزیر بنے آپ بلوچستان کی صوبائی اسمبلی اور پاکستان کی قومی اسمبلی کے متعدد بار رکن منتخب ہوئے آپ دو بار صوبہ بلوچستان کے وزیر اعلیٰ بنے آپ نظریۂ پاکستان کے حامی تھے اور ساری زندگی عوامی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہے۔

طرازی پر کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ کمیٹی کے دورے کے سلسلے میں انتظامی امور ایک نوجوان افسر گریسی کے سپرد تھے۔ جنرل ڈگلس گریسی نے مشہور برطانوی مورخ سے ایک ملاقات کے دوران کہا:

''جو افسر کمیٹی کے وفد کے سامنے شہادت دینے آئے ان کی طرف جناح کا رویہ بڑا تحکمانہ تھا، اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ کسی عدالت میں مخالف گواہوں پر جرح کر رہے ہوں، اور ان کا رویہ اتنا نامناسب تھا کہ بالآخر مجھے انہیں ٹوکنا پڑا۔''

میں نے کہا:

''آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ جو افسر کمیٹی کے سامنے پیش ہو رہے ہیں انہوں نے اپنی خوشی سے یہ خدمت قبول کی ہے تاکہ وہ کمیٹی کے کام میں مدد دے سکیں۔ آپ لوگوں کو ان سے اچھی طرح پیش آنا چاہیے اور ان کا لحاظ کرنا چاہیے۔''

''اس احتجاج پر جناح فوراً دھیمے پڑ گئے۔ اس واقعہ کے برسوں بعد مجھے ان سے بڑی مختلف حیثیت سے سابقہ پڑا، لیکن اس زمانے میں بھی اس خوبی سے بڑا متاثر ہوا کہ جب بھی ان کی طرف سے زیادتی ہوئی اور انہیں اس پر ٹوک دیا جاتا وہ فوراً اپنی غلطی محسوس کر لیتے اور پھر اپنا رویہ ٹھیک کر لیتے، اور سب سے بڑی خوبی ان میں یہ تھی کہ بات کبھی دل میں نہ رکھتے۔ سینڈ ہرسٹ میں میں نے سختی سے انہیں ٹوکا تھا وہ کوئی معمولی بات نہ تھی اور اگر جناح کی طبیعت میں چھوٹا پن ہوتا تو وہ میری اس گستاخی کو کبھی معاف نہ کرتے اور اس تلخی کی یاد ساری عمر ان کے دل میں رہتی لیکن وہ ایسے نہ تھے اور ان کا ذہن ان چیزوں سے بالاتر تھا۔ چنانچہ آزادی کے بعد جب میرا نام پاکستانی فوج کی سپہ سالاری کے لیے پیش کیا گیا تو انہوں نے تجویز منظور کر لی اور خندہ پیشانی سے یہ میرا خیر مقدم کیا۔ میں انہیں اچھی طرح یاد تھا لیکن انہوں نے کبھی کسی ناگواری کا اظہار نہ کیا۔''

چھوٹا علی گڑھ

اسلامیہ ہائی سکول کوئٹہ کو قائداعظم محمد علی جناح نے چھوٹا علی گڑھ کہا تھا کیونکہ اس کے طلبا نے تحریک پاکستان میں دامے درمے اور سخنے حصہ لے کر تحریک قیام پاکستان کو ممکن بنایا اور بلوچستان کے عوام کو باور کرایا:

''وہ انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے آزاد رہ کر ہی اپنے دین کی حفاظت اور اپنا تحفظ کر سکتے ہیں۔''

چیانگ کائی شیک

قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے موقع پر چیانگ کائی شیک جمہوری چین کے صدر تھے۔ انہوں نے 1922ء سے 1949 تک حکومت کی۔

انہوں نے فروری 1920ء میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی اور ایک گھنٹے تک تبادلہ خیالات کیا۔ یہ ملاقات بڑی خوشگوار ماحول میں ہوئی اور مارشل چیانگ کائی شیک نے اس خواہش کا اظہار کیا:

''مسلم لیگ کا لٹریچر فراہم کیا جائے تاکہ میں اس کی پوزیشن کو پوری طرح سمجھ سکوں۔''

چیانگ کائی شیک 1887ء میں پیدا ہوئے۔ انہیں کومنتانگ پارٹی میں نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ پہلے کمیونسٹوں کے ساتھ شامل رہے پھر ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ انہوں نے جاپان کے خلاف مہم کی قیادت کی۔ بعد ازاں خانہ جنگی میں کمیونسٹ پارٹی سے شکست کھائی، اور سرزمین چین سے

نکال دیا گیا۔ اپریل 1950ء تک ان کے قبضے میں صرف نارموس رہ گیا تھا۔ وہ کئی سال تک فارموسا پر حکومت کرتے ہے کیونکہ امریکہ ان کی سرپرستی کرتا رہا۔ 1975ء میں ان کا انتقال ہوا۔

چیف آرگنائزر

پاکستان کے قیام کے فوراً بعد جب آل انڈیا مسلم لیگ کو دو حصوں (آل انڈیا مسلم لیگ اور پاکستان مسلم لیگ) میں تقسیم کر دیا گیا اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے چودھری خلیق الزمان کو پاکستان مسلم لیگ کا چیف آرگنائزر مقرر کیا۔

چیف سکاؤٹ

دسمبر 1947ء میں قائداعظم محمد علی جناح سے درخواست کی گئی:

''آپ پاکستان کے چیف اسکاؤٹ کا اعزازی عہدہ قبول کرلیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے درخواست منظور کرتے ہوئے 22 دسمبر 1947ء کو چیف سکاؤٹ کے عہدے کا حلف اٹھاتے ہوئے فرمایا:

''ہمارے نوجوانوں کے کردار کی تعمیر میں سکاؤٹنگ ایک اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔ اس کے ذریعے ان کی جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ ان کی روحانیت کے لیے غذا پیدا کی جاسکتی ہے۔ اعلیٰ شہری بنانے کے لیے اس تحریک سے بڑھ کر شاید ہی کوئی تحریک ہو۔ اگر ہمیں دنیا میں امن وآشتی کی ضرورت ہے تو ہمیں قوم کے ہر فرد کو اس وقت سے لینا چاہیے جب وہ ابھی بچہ ہی ہو۔ اس کے دماغ پر اخلاق، خدمت خلق اور سچائی ایسے نقوش ابھارنے کی سعی کرنی چاہیے جو بعد میں مٹ نہ سکیں۔ بین الاقوامی دوستی کے لیے سکاؤٹنگ تحریک نہایت ہی موزوں ہے۔''

چیلنج

مسلم لیگ کے نزدیک اس میں کوئی فرق نہ تھا کہ کھلی بغاوت اور بلا تشدد انقلاب کی تحریک کا ریزولیوشن حقیقت میں حکومت برطانیہ کے خلاف جنگ کا اعلان تھا یا محض دھمکی۔ وہ واقعی جنگ کا اعلان تھا، تب بھی اس مقصد کے لیے کہ حکومت برطانیہ مسلم لیگ کے مطالبات مسترد کردے اور ہندوستان پر حکومت کا اختیار کانگریس کے حوالے کر دے، اور محض دھمکی تھا۔ تب بھی اسی مقصد کے لیے۔ 31 جولائی 1942ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے غیر ممالک کے اخبارات کو ایک بیان دیا جس کے اہم اقتباسات ذیل درج ہیں:

''کانگریس کا یہ فیصلہ کہ اگر برطانوی فوراً ہندوستان چھوڑ کر نہ جائیں تو وہ عوامی پیمانے پر سول نامتابعت شروع کرے گی۔ مسٹر گاندھی اور ہندو کانگریس کے اس پروگرام میں انتہا درجے کی بات ہے کہ استحصال بالجبر کے طور پر اور دبا کر برطانیہ کو اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ ایسا طرز حکومت دینا منظور کرے اور اس حکومت کو اختیارات منتقل کرے جس سے برطانوی سنگینوں کی حفاظت میں فوراً ہندو راج قائم ہو جائے، اور مسلمانوں کو، دوسری اقلیتوں کو اور دوسرے مفاد کو کانگریس راج کا محتاج کر دیا جائے۔''

اس وقت سے کہ مسٹر گاندھی وائسرائے کے سامنے نہ بین کر کے روئے تھے کہ جب انگلستان ہی تباہ ہوگیا تو ہندوستان کی آزادی کس کام کی سرسٹیفورڈ کرپس کی آمد تک انہوں نے جتنے رنگ بدلے تھے سب کا ذکر کر کے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''یہ بالکل ظاہر ہے کہ حکومت برطانیہ دو وجوہ سے یہ

ہمت نہیں کر سکتی کہ مسٹر گاندھی کے مطالبات پر سپر ڈال دے، اور اول وجہ سے کہ یہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کے اس مصمم ارادے کی مخالفت ہوگی کہ وہ ہندوستان میں پاکستان چاہتے ہیں اور ہرگز ہندو راج یا ایسی وحدانی مرکزی حکومت منظور نہیں کریں گے جس میں ہندوؤں کی اکثریت ہو، دوسرے اس وجہ سے کہ مسلمانوں کے ساتھ یہ بدعہدی ہوگی کہ وہ اپنے تمام اعلانات کی خلاف ورزی کریں۔ جن میں آخری وہ ہے جو اگست 1940 میں کیا گیا۔ یہ حکومت برطانیہ کو چیلنج ہے اور اس میں اپنی حفاظت کی پوری قابلیت ہے، لیکن مسلمانان ہند کو بھی چیلنج ہے کیونکہ مسٹر گاندھی نے صرف ان کے مطالبات ہی سے انکار نہیں کیا ہے بلکہ ان سے پوچھے اور مشورہ کیے بغیر وہ یہ تحریک شروع کر رہے ہیں جس کا صرف یہ ایک مقصد ہے کہ جیسے بھی ہو سکے وہ صورت حال پیدا کریں جو پاکستان اسکیم کو تباہ کر دے۔ مسلم ہندوستان محض تماشائی نہیں رہ سکتا۔ میں جلد ورکنگ کمیٹی کا جلسہ طلب کر رہا ہوں اور اس میں ہمیں یہ طے کرنا ہے کہ اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کریں۔"

(پاکستان ناگزیر تھا، از سید حسن ریاض، مطبوعہ کراچی یونیورسٹی، کراچی)

چیمبرلین، جوزف

5 اپریل 1942 کو الہ آباد میں قائداعظم محمد علی جناح نے جرنلسٹس ایسوسی ایشن کی تقریب میں تقریر کرتے ہوئے جوزف چیمبرلین کا حوالہ دیتے ہوئے کہا:

"اس نے ٹیرف اور تحفظ کی چھتری لے کر کام کرنا شروع کیا تو اسے پارلیمنٹ سے نکل جانا پڑا اور وہ اکیلا رہ گیا لیکن اس کا بیٹا ان کا جانشین بنا تو اس نے پارلیمنٹ کے متفقہ ووٹ سے تحفظ اور ٹیرف کی وہی پالیسی اختیار کی۔"

چیمبرلین جوزف 1836ء میں لندن میں پیدا ہوئے۔ 1854ء میں اپنے چچا زاد جوزف نیٹلفولڈ کے ساتھ سکریو بنانے کے کارخانے میں شریک کار ہوئے۔ تاہم 1874ء میں خود کو سیاست کے لیے وقف کر دیا وہ تین بار برمنگھم کے میئر منتخب ہوئے۔ انہوں نے بلدیہ کی ترقی کے لیے متعدد سکیمیں رائج کیں۔ 1876 میں پارلیمنٹ کے رکن بنے اور ری پبلکن گروپ میں شامل ہوئے۔ بعد ازاں لبرل پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی۔ 1880ء میں گلیڈسٹون کی کابینہ میں بورڈ آف ٹریڈ کے صدر بنے۔ 1903ء میں ٹیرف اصلاحات نافذ کرنا چاہئیں لیکن کسی نے ساتھ نہ دیا تو کابینہ سے علیحدہ ہو گئے۔ 1906ء میں فالج کا حملہ ہوا اور 1914ء میں اسی مرض میں ان کا انتقال ہوا۔

چیمسفورڈ، لارڈ (وائسرائے ہند) 30 اپریل 1918ء میں دہلی میں قومی جنگی مجلس کا جو اجلاس زیر صدارت وائسرائے ہند لارڈ چیمسفورڈ منعقد ہوا اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے ایک تجویز پیش کی جس میں عوام کی طرف سے حکومت کو امداد کا یقین دلایا گیا تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ عوام کی طرف سے ملک میں دستوری اصلاحات کے نفاذ کا بھی مطالبہ کیا گیا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح انگریزوں کی مشروط امداد چاہتے تھے لیکن وائسرائے ہند لارڈ چیمسفورڈ نے قائداعظم کی اس تجویز کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے وائسرائے کی اس رولنگ کو نظرانداز کرتے ہوئے برطانوی طرز عمل کی مذمت کی۔ 1919ء میں رولٹ ایکٹ کی مخالفت کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے امپریل لیجسلیٹو کونسل پر بحث کے دوران کہا:

"اگر یہ بل منظور کر لیا گیا تو پورے ہندوستان میں
بدامنی پھیل جائے گی۔"

اس انتباہ کے باوجود یہ بل منظور کر لیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اسی بنا پر لیجسلیٹو کونسل کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا جس کا اظہار انہوں نے وائسرائے کو اپنے ایک خط میں کیا۔ دسمبر 1919ء میں مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ امرتسر میں مطالبہ کیا گیا:

"لارڈ چیمسفورڈ انگلستان واپس چلے جائیں۔"

چنانچہ اپریل 1921ء میں ان کی جگہ لارڈ ریڈنگ کو وائسرائے ہند مقرر کیا گیا۔

چیمسفورڈ کو قائداعظم کا خط

قائداعظم محمد علی جناح نے رولٹ بل کی منظوری کے خلاف احتجاج کے طور پر استعفیٰ دے دیا اور اس ضمن میں یہ لکھا:

مالابار ہل بمبئی

28 مارچ 1919ء

مائی ڈیئر چیمسفورڈ!

جناب والا!

عوام کی خواہشات اور امنگوں کے برخلاف رولٹ بل کی منظوری اور بحیثیت گورنر جنرل اس بل پر آپ کی تصدیق کے بعد برطانوی انصاف کے بارے میں عوام کے اعتماد کو شدید صدمہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بل کی منظوری سے امپریل لیجسلیٹو کونسل کی تشکیل کی حقیقت سب پر ظاہر ہوگئی ہے جو کہنے کو تو قانون سازی کے اختیارات رکھتی ہے لیکن درحقیقت وہ غیر ملکی انتظامی حکومت کا آلہ کار ہے۔ کونسل کے غیر سرکاری ہندوستان ارکان کی متفقہ رائے اور عوام کے جذبات کا ذرا بھی احترام نہیں کیا گیا۔ انصاف کے بنیادی اصول اور عوام کے دستوری حقوق کو ایک سخت گیر انتظامیہ نے ایسے وقت میں روند ڈالا ہے جبکہ مملکت کو کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہیں۔ نوکر شاہی و عوام کے جذبات کا کوئی خیال نہیں کیونکہ وہ عوام کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ اس لیے میں اس مسودہ قانون کی منظوری اور منظوری کے لیے اختیار کیے جانے والے طریقہ کار کے خلاف بطور احتجاج امپریل کونسل سے استعفیٰ دیتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ حالات میں اس کونسل میں میرا شامل رہنا میرے ملک کے عوام کے لیے نہایت غیر مفید ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ امر کسی شخص کی عزت نفس کے منافی ہے کہ وہ کسی ایسی حکومت سے تعاون کرے جس کے کونسل کے ایوان میں عوامی نمائندوں اور کونسل کے باہر ملک بھر کے عوام کی رائے کو بالکل نظر انداز کر دیا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ امن و امان کی فضا میں اس قسم کے قوانین منظور کرانے والی حکومت کو مہذب حکومت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ میں امید کرتا ہوں کہ وزیر برائے امور ہند مسٹر مانٹیگو حکومت کو مشورہ دیں گے کہ اس سیاہ قانون کی منظوری نہ دی جائے۔

آپ کا مخلص

محمد علی جناح

چینی فانوس

چین کی اسلامک ایسوسی ایشن نے مزار قائداعظم کے لیے 24 دسمبر 1969ء کو ساڑھے سولہ من وزنی اور 64 فٹ بلند شاندار فانوس بطور تحفہ پیش کیا۔

یہ فانوس چین میں چین کے ممتاز دستکاروں نے تیار کیا ہے۔ یہ ان ممتاز فنکاروں کے ہاتھ کا بنا ہوا ہے جو دنیا بھر میں اس فن میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ یہ ایک سال میں تیار ہوا۔ اس شاندار فانوس کا تحفہ پاک چین دوستی کی یادگار کے طور پر قائداعظم میموریل کمیٹی کو پیش کیا گیا۔ یہ انتہائی خوبصورت ہے اور پاک چین دوستی کی علامت ہے۔

یہ فانوس اگست 1987ء میں اس وقت ہٹایا گیا جب قائداعظم میموریل فنڈ کمیٹی نے چھت کی تزئین کے سلسلے میں ٹائلوں کی تنصیب کا پروگرام بنایا تھا۔ بعد ازاں اسے پھر سے آویزاں کر دیا گیا۔ یہ نایاب تحفہ پاکستان اور چین کی دوستی کی حسین ترین علامت ہے۔

چینی مسلمانوں کا وفد

11 جولائی 1938ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے لاہور کے ممتاز سیاست دان ملک برکت علی کو چینی مسلمانوں کے وفد کے سلسلے میں ایک تار بھیجا جس کا متن یہ ہے:

''چینی مسلمانوں کا وفد 15 جولائی 1938ء کو لاہور پہنچے گا۔ یہ وفد ہندوستان میں اسلامی اداروں کا مطالعہ کرنے کے لیے آیا ہے۔ بمبئی کے مسلمانوں نے اس وفد کا شاندار خیر مقدم کیا ہے۔ لاہور کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ بھی چین کے اس وفد کا شاندار خیر مقدم کر کے عالمگیر اسلامی اخوت کا ثبوت دیں۔''

ح

حاتم اے علوی

تحریک پاکستان کے ممتاز کارکن تھے اور قائداعظم محمد علی جناح کے قریبی ساتھی بھی۔

حاتم اے علوی نے قائداعظم محمد علی جناح کو پیور لے نکولسن کی کتاب ورڈکٹ آن انڈیا بھی بھیجی۔ کراچی کے دوسرے مسلمان میئر اور پاک چین دوستی کی انجمن کے صدر اور ڈائریکٹر سٹیٹ بنک آف پاکستان وہ 20 اکتوبر 1898ء کو کراچی میں پیدا ہوئے وہیں تعلیم مکمل کی۔ 1924ء سے 1948ء تک کراچی میونسپل کمیٹی بعدازاں کارپوریشن کے مستقل رکن رہے اور 39-1938ء میں متفقہ طور پر بلدیہ کراچی کے میئر منتخب ہوئے۔ حاتم اے علوی راجا صاحب محمود آباد میموریل سوسائٹی کے چیئرمین تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے قریبی ساتھی تھے۔ 1938ء کے بعد جب بھی قائداعظم محمد علی جناح کراچی آتے تو ان کے مہمان بنتے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں پاکستان کے منصوبہ بندی کمیشن کا رکن مقرر کیا تھا۔ اس کمیشن کو 14 اگست 1947ء کو نوزائیدہ مملکت کی منصوبہ بندی کا کام سونپا گیا، صوبہ بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا حکومت سندھ نے انہیں لوکل سیلف گورنمنٹ انکوائری کمیشن کا چیئرمین مقرر کیا تھ۔ وہ کراچی ڈسٹرکٹ لوکل بورڈ سندھ یونیورسٹی اور دوسری جنگ عظیم میں سندھ یونیورسٹی کمیشن کے رکن رہے۔ بیس سال تک کراچی پورٹ ٹرسٹ کے ٹرسٹی اور تین بار وائس چیئرمین بنے۔

وہ اقوام متحدہ میں پاکستان کے وفد کے رکن ٹورنٹو (کینیڈا) میں منعقدہ شہری مسائل کی بین الاقوامی کانفرنس میں پاکستانی وفد کے مندوب تھے۔ مصر، انڈونیشیا کا دورہ کرنے والے پاکستانی خیر سگالی وفود کے قائد تھے۔ حکومت پاکستان کی چھوٹی بچتوں کی سکیم کے اعزازی کمشنر تھے کراچی کے ایوان صنعت وتجارت کے پہلے صدر بھی تھے۔

26 جنوری 1976ء کو ماریشیس میں ان کا انتقال ہوا انہیں 28 جنوری کو کراچی کے بوہرہ قبرستان میں دفن کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے انتقال پر سب سے پہلے محترمہ فاطمہ جناح نے انہیں اطلاع دی تھی۔

حاتم علوی۔ قائداعظم مراسلت

رازدارانہ

امور سندھ

علوی منزل

کراچی

16 اگست 1944

ڈیئر قائداعظم!

جی ایم سید لاہور سے ابھی واپس لوٹے ہیں اور سٹیشن سے سیدھے مجھ سے ملاقات کو آئے۔ لاہور میں ان کے ساتھ جو کچھ سلوک ہوا اس سے وہ خاصے برہم اور دل برداشتہ ہیں۔ انہوں نے مجھے اس کی ساری تفصیل بتائی ہے جس روز وہ لاہور جانے والے تھے میرے ہی ساتھ تھے، اور میں نے ان سے یہ الوداعی الفاظ کہے تھے کہ کوئی بھی ناقابل فہم حالات مسٹر جناح کو آپ کی ورکنگ کمیٹی کی قرارداد کی توثیق پر مجبور نہیں

کرسکتے اور جہاں تک ہندوؤں کا تعلق ہے تو وہ ہماری وزارت کی تبدیلی تک کو دیکھ کر بغلیں بجائیں گے، لیکن اگر آپ نے لاہور میں اپنے ساتھ ہونے والی بے رخی پر استعفیٰ دیا یا شور مچایا تو وہ اس پر اور زیادہ خوش ہوں گے کوئی بھی بے وقوف آدمی ایسا کرسکتا ہے لیکن اس کے لیے ایک فرمانبردار آدمی اور انتہائی نظم وضبط کے مظاہرے کی ضرورت ہے اب جی ایم مجھ سے کہتے ہیں کہ پچھلے بدھ کو جب وہ آپ سے ملے تھے تو انہوں نے یہی کچھ کیا تھا۔

ہمارے صوبے میں جو حالیہ سیاسی واقعات ہوئے ہیں۔ ان سے میرا قریبی رابطہ ہے لیکن مجھے تعجب ہے کہ آیا آپ یہ سب تفصیلات سننا پسند کریں گے۔ بہرحال میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں نے سید کو پرزور طور پر خبردار کیا تھا کہ وہ اس ورکنگ کمیٹی میں اپنی وہ قرارداد پیش کرنے میں عجلت نہ کریں اس کے بجائے سری نگر میں آپ سے رابطہ قائم کریں بلکہ بہتر تو یہ ہوگا کہ خود جا کر ملیں، اور جب آپ کی طرف سے اس کی منظوری مل جائے تو اگلا قدم اٹھائیں چنانچہ اس پر وہ رضامند ہوگئے لیکن پچھلے ماہ سے گزدران کی نحوت کا ستارہ بنے ہوئے ہیں اور قرارداد پیش کرنے پر ان سے اصرار کررہے ہیں۔ اگر وزارت میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے تو پھر گزدر وزیراعظم بنادیا جائے گا۔ گزدر نے ہی جی ایم کو یہ سمجھایا ہے کہ نہ تو مسلم لیگ کے آئین میں اور نہ ہی اس کی کسی قرارداد میں یہ قطعی حکم دیا گیا ہے کہ کیسے پارلیمانی سرگرمیوں کو کنٹرول کرنا چاہیے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آگے بڑھا جائے اور خود سندھ کی صوبائی مسلم لیگ کونسل کے ہاتھوں وزارت کا خاتمہ کرا دیا جائے۔ جمعہ 7 جولائی کو جب ورکنگ کمیٹی کا اجلاس شروع ہوا تو صبح کو میرے اور جی ایم کے درمیان یہ طے ہوا تھا کہ وہ اس معاملہ میں آپ سے صلاح ومشورہ کریں گے۔ چنانچہ عدم اعتماد کی تحریک وغیرہ کے معاملے کی طرف سے مجھے کچھ اطمینان ہوگیا تھا۔ ورکنگ کمیٹی کے ایجنڈے میں وزارت کے معاملات شامل نہیں تھے۔ اس لیے میں نے بجا طور پر یہ محسوس کیا کہ سر غلام حسین اور کھوڑو جیسے تجربہ کار لوگ اجلاس میں موجود ہیں وہ یقیناً پوائنٹ آف آرڈر اٹھائیں گے کہ آیا اس طرح کے اہم موضوعات پر جب تک کہ انہیں ایجنڈے میں شامل نہ کیا جائے کیا اجلاس میں زیر بحث لائے جاسکتے ہیں مگر کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ اجلاس میں کسی نے بھی صدر سے اس حق پر اعتراض نہیں کیا کہ وہ ایک ایسا نیا موضوع زیر بحث لا رہے ہیں جس کا پہلے سے کسی طرح بھی نوٹس نہیں دیا گیا، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ قرارداد منظور کرلی گئی بلکہ اسے اخبارات کو بھی جاری کردیا گیا ہے۔ مجھے اس تمام واقعہ سے بڑا دکھ ہوا، اور میں نے جی ایم کو اپنے بنگلے پر بلایا۔ جہاں ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ اس قرارداد کے تمام معاملے کا انتظار کیا جائے چنانچہ یہ طویل ٹیلی گرام میرے لڑکے نے ٹائپ کیا اور آپ کو بھیج دیا گیا۔

جی ایم نے مجھے بتایا ہے کہ گزدر نے آپ کے ہمارے وزیراعظم اور وزیروں کی مختلف بدعنوانیوں سے مطلع کیا ہے میں نے ان سے کہا کہ گزدر کا اپنا دامن صاف نہیں ہے پہلے وہ اپنے گریبان میں منہ ڈالے۔ بہرحال جی ایم کا کہنا ہے کہ پہلے آپ سے اس بات کی تصدیق کرلی جائے کہ آیا گزدر آپ سے اس انداز میں بات کرچکے ہیں۔ میرے محترم قائداعظم! یہ درست ہے کہ ڈاکٹر ہیمن داس کو چھوڑ کر ہمارا کوئی وزیر دیانتدار نہیں ہے اور ان سے کوئی بھی مالی اعتبار سے اپنے آپ کو موٹا کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، لیکن گزدر روز ایسے مواقع پیدا کرتا ہے اور وہ اپنے بقیہ چاروں ساتھیوں سے مل کر آسانی سے اپنی اہمیت بڑھالے گا چنانچہ اس طرح کے آدمی کو جس کی سروس بک میں تین برخواستگیاں لکھی ہوں۔ مسلم لیگ کا وزیراعظم بنادیا جائے گا۔

براہِ کرم اس خط سے منسلک اس خط کی ایک نقل حاصل کر لیجیے گا جو میں نے پرسوں مسٹر ہوشنگ این ای ڈنشا کو لکھا تھا جو ڈیلی گزٹ کو تسلیم کرتا ہے۔

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالابار ہل بمبئی

16 اگست 1944ء

ڈیئر مسٹر علوی

آپ کا 6 اگست کا ارسال کردہ خط ملا۔ میں آپ کی طرف سے فراہم کردہ تمام معلومات اور اس خط کی نقل بھیجنے کا بھی بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں جو آپ نے ڈیلی گزٹ میں میری تقریر کے اندر قطع و برید کرنے سے متعلق ہوشنگ کو لکھا تھا ان سب باتوں کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ اگر آپ ازراہِ عنایت سندھ میں ہونے والے واقعات سے وقتاً فوقتاً مجھے باخبر رکھیں تو مجھے خوشی ہوگی۔ میں نے پلاننگ کمیٹی کے ارکان کے ناموں کا اعلان کر دیا ہے۔ آپ اس پر ضرور توجہ دیں۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر حلیم اس کمیٹی کے سیکرٹری ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ جلد ہی تمام ارکان کو ملاقات کے لیے مدعو کریں گے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

علوی منزل

کراچی

30 اگست 1944ء

ڈیئر قائد اعظم!

سندھ کے امور کے موضوع پر 6 اگست کو میں نے آپ کو جو خط ارسال کیا تھا اس کے آخری پیراگراف کے تحت اس خط کی نقل منسلک ہے جو مجھے ابھی موصول ہوا ہے۔ براہ مہربانی آپ اسے پڑھنے کے بعد واپس کر دیجیے کیونکہ ہوشنگ نے اپنے ایڈیٹر کا خط واپس کرنے کے لیے کہا ہے میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ اس معاملے سے متعلق مزید کچھ کارروائی کی جائے۔ اس ماہ کی 26 تاریخ کو میں نے پروفیسر حلیم کو جو خط لکھا تھا۔ اس کی بھی نقل آپ کی معلومات کے لیے اگلے دن میں نے ارسال خدمت کی تھی۔ پندرہ روز قبل میرا ایک ہندو دوست میرے پاس آیا تھا۔ وہ ایک ممتاز سندھی کانگریسی ہے۔ پنچ گنی میں گاندھی کے ساتھ رہتا تھا میرے اس دوست سے گاندھی کو اس لیے دلچسپی ہے کہ وہ سی آر فارمولا کے سلسلے میں سندھ کانگریس کی حمایت حاصل کر رہا ہے جس میں اس نے خاصی کامیابی حاصل کر لی ہے۔ میرا یہ دوست تقریباً دو سال تک جیل میں رہا ہے، چنانچہ ہم دونوں خاصی دیر تک بیٹھے آپس میں گپ شپ کرتے رہے۔ بقول اس کے تین چٹکلے میں آپ کو سناتا ہوں۔

1. گاندھی اپنے عمر بھر کے مشن، عدم تشدد کی ناکامی کے خوفناک بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔
2. دوسری جانب وہ ہولناک حد تک اس استقامت اور اجتماعی نظم و ضبط سے بڑا متاثر ہے جس کا مظاہرہ مسلمانوں نے اس مدت کے دوران اپنی غیر جانبداری کو سختی سے برقرار رکھتے ہوئے کیا۔ جب گاندھی کی کھلی بغاوت کا آغاز ہوا اور اس پر عمل ہوا اس وقت خود گاندھی کو ہندو مسلم تصادم کا شدید خدشہ تھا۔
3. گاندھی کے بہت سے کارکنوں نے ان کو متفقہ طور پر یہ رائے پیش کی ہے کہ وہ کانگریس کے نظر بند لیڈروں کی رہائی کے سلسلے میں حمایت حاصل کرنے کی غرض سے آپ سے درخواست کریں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اس بارے میں ابتدائی اقدام کے طور پر محض مطالبہ کرنا چاہیے وہ بھی صرف اس صورت میں جب آپ کو ایسا کرنا پڑے گا، اور ورکنگ کمیٹی اجازت دے دے تو اس کے بعد بقیہ

اقدامات پر غور کرنا چاہیے۔ ویسے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ بڈھا کارکنوں کے اس مشورے پر توجہ نہیں دینا چاہتا۔ امید ہے کہ آپ کی صحت بہتر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے۔

آپ کا مخلص

حاتم اے علوی

7 ستمبر 1944ء

ڈیئر مسٹر علوی

آپ کا 30 اگست کا لکھا ہوا خط مل گیا ہے اسی لفافے میں مسٹر ہوشنگ ڈنشا کے خط کے علاوہ آپ کی شکایات کے بارے میں ایڈیٹر کا خط بھی شامل ہے۔ آپ کی خواہش کے مطابق میں نے وہ خط و کتابت اس کے ساتھ ہی واپس کر دی ہے۔ ڈیلی گزٹ نے جو کچھ کیا ظاہر ہے اس کا کوئی جواز نہیں ہے تاہم اس معاملے سے آپ جس طرح مناسب خیال کریں نمٹ سکتے ہیں۔ یہ باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی۔ میں مسٹر ہوشنگ کی اس رائے سے پوری طرح متفق ہوں کہ یہ بڑا مناسب موقع ہے کہ سندھ میں مسلمانوں کا کم از کم اپنا ایک انگریزی اخبار ہونا چاہیے، اور یہی اس کا (ڈیلی گزٹ) بہتر جواب ہے جو آپ دے سکتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ آپ میں سے بعض رہنما اس سمت میں سنجیدگی سے کوشش کریں گے۔ اگر اس اخبار کو صحیح طور پر چلایا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ تجارتی اعتبار سے بھی منافع بخش ہوگا، اور مجھے یقین ہے کہ اگر یہ اخبار مناسب ہاتھوں میں ہوا تو سندھ کے عوام پورے خلوص کے ساتھ اس کی حمایت کریں گے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

علوی منزل

کراچی

12 اکتوبر 1944

ڈیئر قائداعظم!

میں آپ کی توجہ اس خط کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں جس کی ایک نقل اس خط کے ساتھ منسلک ہے۔ یہ خط میں نے اپنے مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری کو کل بھیجا تھا۔

آپ کی گاندھی جی سے بات چیت کے دوران میں نے تین ٹیلی گرام آپ کو ارسال کیے تھے یقین ہے کہ وہ بروقت آپ کو مل گئے ہوں۔

آپ کا مخلص

حاتم اے علوی

علوی منزل

کراچی

15 اکتوبر 1944

ڈیئر قائداعظم!

اس سے قبل 2 اکتوبر کو لکھ چکا ہوں کہ یکم اکتوبر کو میں نے جنرل سیکرٹری کو جو خط لکھا تھا اس کی ایک نقل آپ کو بھیج رہا ہوں۔ آج میں نے انہیں ایک خط اور لکھا ہے جس کی نقل بھی آپ کو ارسال کر رہا ہوں۔

ہماری قرارداد لاہور میں جن علاقوں کے عوام سے استصواب رائے کرانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ہمارے کانگریسی دوست اس سے خاصے پریشان ہیں کیا اس قرارداد کے ذریعے ہم ایک ایسا مطالبہ تسلیم نہیں کر رہے، جس کے لیے ان لوگوں نے کبھی نہیں کہا اور کیا ہم ان لوگوں پر حق خود ارادیت نہیں تھوپ رہے ہیں، جنہوں نے کبھی اس کا مطالبہ نہیں کیا؟ سندھیوں، پنجابیوں، پٹھانوں، بلوچیوں، بنگالیوں اور آسامیوں نے تو کبھی اس طرح کا مطالبہ نہیں کیا۔ ان کے صوبوں کو اس مجوزہ

وفاق سے علیحدہ کردیا جائے جس کا آئین کے ایکٹ کے دوسرے حصے میں ذکر کیا گیا ہے بلکہ اگر ان صوبوں کے عوام کی چیخ و پکار کی گونج کا اندازہ کر کے اس مسئلہ کا فیصلہ کردیا جاتا ہے۔ (جیسا کہ کونسل چیمبرز) مسلم تو اسے منظور کر سکتے ہیں، مگر ان علاقوں کے ہندو انکار کر دیں گے کیا اس سے بھی زیادہ کسی واضح ثبوت کی ضرورت ہے کہ مسلم اور ہندو علیحدہ قوم ہیں۔ اکثر اپنی تقریروں میں اور حال ہی میں گاندھی جی کے ساتھ خط و کتابت میں آپ مسلمان کا لفظ استعمال کرتے رہے ہیں۔ میں یہ بتانے کی جسارت کروں گا کہ دراصل صحیح عربی لفظ مسلم ہے۔

آپ کا مخلص

حاتم اے علوی

16 اکتوبر 1944

ڈیئر مسٹر علوی!

آپ کے 2 اکتوبر کے خط کا شکریہ۔ آپ کے تمام ٹیلی گرام مجھے موصول ہو گئے ہیں نواب زادہ لیاقت علی خان کو اپنے خط میں آپ نے جو تجاویز پیش کی ہیں، وہ میں نے دیکھ لی ہیں۔ میں نے ان کی زبانی سنا ہے کہ وہ ان تجاویز پر سنجیدگی سے توجہ دے رہے ہیں۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

حاجی اینڈ سنز

یہ جناح روڈ کوئٹہ پر واقع ایک دکان تھی۔ اس دکان سے قائداعظم محمد علی جناح کے ایک اے ڈی سی، این اے حسین نے قائداعظم محمد علی جناح کے قیام کوئٹہ کے دوران ساڑھے سات روپے میں ولز کی جرابیں خریدیں۔ ان کا رنگ گرے تھا، اور ان پر لیبل بھی لگا ہوا تھا۔ جرابیں لا کر قائداعظم محمد علی جناح کو دی گئیں۔ جرابیں خریدنے کے اگلے روز قائداعظم محمد علی جناح نے این اے حسین کو بلا کر کہا:

''یہ جرابیں آپ نے خریدی ہیں؟''

انہوں نے کہا:

''جی ہاں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''دکاندار نے نئی جرابوں کے پیسے وصول کیے ہیں۔''

انہوں نے جواب دیا:

''جی ہاں۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''یہ جرابیں تو پرانی ہیں اس لیے انہیں دکاندار کو واپس کر کے نئی جرابیں لائی جائیں۔''

چنانچہ جرابیں بدل کر لائی گئیں لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے جرابوں کو روشنی کے بالمقابل رکھ کر دیکھا تو ایک جراب میں سے دھاگا نکلا ہوا تھا جس کی وجہ سے ایک سوراخ نظر آرہا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اے ڈی سی سے پھر جرابوں کے بارے میں دریافت کیا تو کہا:

''سر اس نے جرابیں بدل دی تھیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

''میں دکاندار کو سبق سکھانا چاہتا تھا۔''

حاجی کلو

انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی میت کو غسل دیا تھا۔ ان کا اصل نام ہدایت علی تھا۔ وہ 1887ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ 11 ستمبر 1948 کو جب قائداعظم محمد علی جناح کا انتقال ہوا تو انہوں نے غسل دیا۔ 12 مئی 1985ء کو 98 سال کی عمر میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔

انہیں علی باغ میوہ شاہ کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے ان کی رنگت گندمی تھی اس لیے

کلو کہلاتے تھے۔

حاضر جوابی

قائداعظم محمد علی جناح ذہین وفطین ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے حاضر جواب بھی تھے اور بچپن ہی سے اس صفت کے حامل تھے۔ 1910ء میں جب وہ پہلی بار مرکزی اسمبلی میں آئے اور جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کی حالت پر انہیں تقریر کرنے کو کہا گیا تو انہوں نے بلا جھجک جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں پر انگریزوں کی زیادتیوں کی نشاندہی کی اور اس سلسلہ میں سختی اور ظلم کے الفاظ استعمال کیے۔ یہ اجلاس وائسرائے ہند لارڈ منٹو کی صدارت میں ہو رہا تھا۔ وہ یہ الفاظ سن کر فوراً چونک اٹھے اور بولے:

''معزز مقرر کو ایوان کے آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔''

قائداعظم محمد علی جناح گویا ہوئے:

''جناب والا! اگر مجھے ایوان کے آداب کا خیال نہ ہوتا تو میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ استعمال کرتا۔''

گاندھی نے ایک بار قائداعظم محمد علی جناح سے پوچھا:

''آپ کو کس نام سے پکارا جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

''گلاب کو چاہے کسی نام سے پکارا جائے وہ ہر رنگ میں خوشبو دیتا ہے۔''

حالات قائداعظم

اس کتاب کو خالد اختر افغان نے قیام پاکستان سے چند ماہ پہلے مکمل کیا تھا، تاہم قیام پاکستان کی بنا پر انہوں نے اس میں اعلان آزادی اور وفات قائداعظم محمد علی جناح تک کے حالات و واقعات بھی شامل کر دیے۔ یہ کتاب 840 صفحات پر مشتمل تھی، اور اس کا نام حالات قائداعظم محمد علی جناح تھا۔ 1988ء میں خالد اختر افغانی نے اسے بڑے سائز پر آتش فشاں پبلی کیشنز کے زیر اہتمام شائع کرایا اور اس طرح اس کے صفحات کم ہو کر 416 رہ گئے یہ کتاب قائداعظم محمد علی جناح کے عہدہ سنبھالنے کے واقعات پر محیط ہے۔

حبیب بینک لمیٹڈ

یہ بنک حبیب اسماعیل کے بیٹوں احمد داؤد حبیب، محمد علی حبیب اور داؤد حبیب نے قرارداد پاکستان کی منظوری کے کوئی ڈیڑھ سال بعد قائداعظم محمد علی جناح کی نیک خواہشات اور سرپرستی میں 25 اگست 1941ء کو قائم کیا، تاکہ برصغیر کے مسلمان اقتصادی بیداری حاصل کریں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے حبیب بینک بمبئی شاخ میں اپنا اکاؤنٹ کھولا۔ یہ مسلمانوں کا برصغیر میں پہلا بینک تھا۔

17 اگست 1947ء کو اسے کراچی منتقل کیا گیا۔ اس بینک نے 1951ء میں اکاؤنٹنگ کا جدید نظام رائج کیا۔ ٹیلی پرنٹر سروس کا اجرا 1952ء میں ہوا۔ اس کے بعد متعدد سکیمیں رائج کی گئیں۔ 1975ء میں بینک کو گولڈن کوئن ایوارڈ ملا۔ 1982ء میں مرکزی ایوارڈ ملا۔

12 نومبر 1967ء کو حبیب بینک پلازا کی عمارت کا سنگ بنیاد صدر محمد ایوب خان نے رکھا۔

حبیب فیملی

قائداعظم محمد علی جناح کے حبیب فیملی سے بھی تعلقات تھے۔ انہوں نے 22 جنوری 1945ء کو ایک یتیم خانہ کی امدادی تقریب منعقد کی۔ قائداعظم محمد علی جناح اس تقریب کے مہمان خصوصی تھے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''ہر شخص دولت جمع کرنے کا جتنا خواہش مند ہوتا ہے

اتنا دولت دینے کا خواہش مند نہیں ہوتا۔ تمہارے پاس دولت ہے تم اس کا کیا کرو گے۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں پھر کس دن کے لیے دولت جمع کر رکھی ہے۔ دولت کو اپنی زندگی میں نیک کاموں پر لگاؤ، اگر ہم مذہب اسلام کو ہر دلعزیز بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ دیرینہ جھگڑے مناقشات ترک کر دیں اور خوجہ، بوہرہ وغیرہ فرقہ وارانہ نام چھوڑ کر ایک مسلمان قوم بن جائیں۔''

حج بیت اللہ

یہ سوال عام طور پر کیا جاتا ہے کہ کیا علامہ اقبال نے حج کیا تھا؟ اس طرح قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں بھی یہ سوال پوچھا جاتا ہے۔ حقیقت حال کچھ یوں ہے۔ جس طرح علامہ اقبال حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول ﷺ کی بڑی تمنا رکھتے تھے، اور مدینہ اور مدینہ والے ﷺ کا نام سن کر بے اختیار ہو جاتے اور یہ کیفیت ہوتی:

جب مدینہ کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے یہ پہنچا، میں رہا جاتا ہوں

آخری دور میں خرابی صحت آڑے آئی، اور وہ اس سعادت سے محروم رہے، اور مولانا جامی کا یہ شعر زبان حال سے ان کی کیفیت کی عکاسی کرتا تھا:

نسیما! جانب بطحا گزر کن
ز احوالم محمد را خبر کن

ترجمہ: ''اے بادِ نسیم! اگر بطحا کی جانب ترا گذر ہو تو اس رسول پاک کو میرے احوال کی خبر دینا کہ میں ان کی یاد میں تڑپتا ہوں۔''

جہاں تک قائداعظم محمد علی جناح کا تعلق ہے۔ انہوں نے بھی حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ رسول ﷺ کا ارادہ کر لیا تھا، اور اخبارات میں اس امر کا اعلان بھی ہو گیا تھا، لیکن اسلام دشمن سازشوں کی وجہ سے انہیں یہ ارادہ بدلنا پڑا، شاید اس میں کوئی حکمت تھی۔ اس سلسلے میں ملک حبیب اللہ رقم طراز ہیں:

''حضرت امیر ملت کا ایک خط جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی سکیم کے تحت جب پاکستان تسلیم کر لیا گیا تھا، اور اقتدار کی منتقلی 1948ء کو رکھی گئی تو حضرت قائداعظم نے حج کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن لارڈ ویول کی رخصتی اور تیزی سے بڑھتی ہوئی اسلام دشمن دیگر سازشوں کی وجہ سے یہ ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔ ان کا مفصل خط اور حضرت قائداعظم کا جواب ملاحظہ ہو:

از علی پور سیداں، ضلع سیالکوٹ
10 جولائی 1946ء

قائداعظم صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اخبارات سے معلوم ہوا ہے۔ آپ نے آئندہ سال سفرِ حج پر تشریف لے جانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ فقیر کو اس مژدہ سے دلی مسرت ہوئی ہے، اور فقیر آپ کو اس مبارک حج پر ہزار ہا مبارکبادیں دیتا ہے، اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس عزم مبارک میں برکت عطا فرمائے۔ لیکن فقیر آپ کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ آپ بجائے سال آئندہ حج کرنے کے اس سال حج و زیارت کا ارادہ کر لیں، اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کے ذمہ جو حج فرض ہے وہ ادا ہو جائے گا، اور جو لوگ آپ کی طرف سے سوءِ ظن رکھتے ہیں، اور آپ کے ''عقائد و اعمال'' اور ''دین و مذہب'' پر طعن کرتے ہیں، ان پر اور تمام عالم پر آپ کی محبت جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے، برای العین نظر آ جائے گی، اور آپ کا نورِ ایمان سب پر روشن ہو جائے گا، اور امید ہے کہ اس کے بعد ان مخالفین کی گردنیں بارِ ندامت

سے نہ اٹھ سکیں گی۔ یہ غلط فہمی جس قدر جلدی دور ہو سکے بہتر ہے، اور وہ آپ کے حج کو جانے سے رفع ہو جائے گی۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ ملک حجاز اور حرمین شریفین کی حالت کو اور بالخصوص حالت سفر حج بچشم خود معائنہ کر سکیں گے۔ تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کے سفر حج کا سن کر ہندوستان کے ہزارہا مسلمان آپ کے ہمراہ جانے کے اشتیاق میں حج کو روانہ ہوں گے، اور اس خیر کثیر کا باعث آپ ہوں گے، ان سارے حاجیوں کو جس قدر ثواب ملے گا، اتنا ہی آپ کو ملے گا۔ الدال علی الخیر کفاعلہ۔ آپ نے بیک وقت ہزار حج کر لیے۔

قائداعظم نے 13 اگست 1946ء کو جواب لکھا:

10 اورنگ زیب روڈ نیو دہلی

13 اگست 1946ء

ڈیئر سید جماعت علی شاہ صاحب!

10 جولائی کے خط کا بہت بہت شکریہ۔ آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں تیزی کے ساتھ جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں، ان کی بناء پر میرے لیے اس وقت ہندوستان سے دور ہونا ممکن نہیں ہے۔

آپ کے شکریہ کے ساتھ

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

(نوائے وقت جمعہ ایڈیشن، 15 اپریل 1988ء)

حد بندی کمیشن

21 اگست 1947ء کو ریڈیو سے نشری تقریر میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''ہندوستان ہمیشہ کے لیے تقسیم ہو چکا ہے ہمیں احساس ہے کہ اس موقع پر ہمارے ساتھ بے انصافیاں کی گئی ہیں۔ سب سے بڑی بے انصافی تو حد بندی کمیشن کے فیصلے سے ہوئی ہے۔ یہ فیصلہ نہ صرف انصاف کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے بلکہ مہمل اور عقل کے منافی بھی ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ یہ فیصلہ قانون پر نہیں سیاست پر مبنی ہے، پھر بھی ہم اس کی مخالفت نہیں کریں گے کیونکہ ہم اس پر رضامندی دے چکے ہیں۔ اب ہمیں اس مملکت کی تعمیر میں مصروف ہو جانا چاہیے، جو دنیا میں سب سے بڑی اسلامی ریاست ہے اور خود مختار مملکتوں میں پانچویں نمبر پر ہے۔ اب ہر مسلمان کے لیے فرض ہے خواہ وہ عورت ہو یا مرد کہ وہ زیادہ سے زیادہ قربانی پیش کرے، اور جانفشانی سے کام میں لگ جائے۔ ہمارے ملک میں قدرتی وسائل کافی مقدار میں موجود ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ان کو ترقی دے کر خاطر خواہ فائدے حاصل کریں۔''

حساب کتاب

(دیکھیے: خوراک)

حسام الدین بریگیڈیئر

21 اکتوبر 1945ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس نے اطلاع دی:

''بریگیڈیئر حسام الدین ممبر کونسل آف اسٹیٹ نے مسلم لیگ میں شرکت کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

موصوف نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک خط تحریر کیا:

''میری ایمان داری سے رائے ہے کہ کسی ہندوستانی مسلمان کے لیے لیگ کے باہر کوئی مستقبل نہیں ہے۔''

مولانا حسرت موہانی

1951 - 1878

آپ کا اصل نام سید فضل الحسن تھا۔ آپ ممتاز مسلم لیگی رہنما تھے۔ آپ نے اردوئے معلّیٰ کے نام سے رسالہ جاری کیا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے قیام کی تحریک میں حصہ لیا۔ 1914ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ ہندوستان کی کامل آزادی کی قرارداد منظور کرائی۔ مسلم لیگ کے جلسوں میں اپنی رائے کا برملا اظہار کرتے تھے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے جلسوں کے علاوہ اسمبلی کے ایوان میں بھی حق گوئی اور بے باکی کو اپنا شعار بنایا۔ قیام پاکستان کے بعد ہندوستان کی مجلس دستور ساز اسمبلی میں بڑی دلیری سے مسلمانوں کے حقوق کے لیے آواز بلند کیے رکھی اور کبھی کسی کی مخالفت کی پرواہ نہیں کی۔ زندگی کا زیادہ تر حصہ جیل کی صعوبتیں کاٹتے گزرا۔ آپ ایک انقلابی شاعر بھی تھے۔

حسرت تعمیر

ناصر کاظمی ایک معروف شاعر ہیں، انہوں نے ان الفاظ میں قائداعظم محمد علی جناح کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔

بارگاہ شوق میں خالی ہے تیری جا! ابھی
قائداعظم تجھے بھولی نہیں دنیا ابھی
ہم سے جو وعدہ کیا تھا تو نے پورا کردیا
اپنا وعدہ ہے مگر شرمندۂ ایفا ابھی
گرچہ تیرے فیض سے آباد ہے بزم سبو
اہل ہمت سے مگر خالی ہے میخانہ ابھی
فکر تعمیر چمن میں ہم بھی جلتے ہیں مگر
تو نے جو سوچا تھا وہ ہم نے نہیں سوچا ابھی
دن منا لیتے ہیں تیرا اور سو جاتے ہیں پھر
مجھ کو اپنے ہم نواؤں سے ہے یہ شکوہ ابھی
ہاں ابھی درکار ہے کچھ اور خونِ دل اسے
سبزہ اس گلزار کا ہے ہم سے بیگانہ ابھی
کچھ عناصر ہیں کہ جن کی پر ہوس انفاس سے
اس جہان پاک کا دامن ہے کچھ میلا ابھی
آرہی ہے وادی کشمیر سے پیہم صدا
تشنہ تکمیل ہے اس دیس کا نقشہ ابھی
پھونک ڈالے جو خس و خاشاک غیر اللہ کو
دل کے خاکستر میں وہ شعلہ نہیں بھڑکا ابھی
تو بھی سچ کہتا ہے ناصر سرد ہے محفل مگر
سچ تو یہ بھی ہے کہ تیرا دل نہیں جاگا ابھی

حسرت چراغ حسن

مشہور صحافی، نثر نگار اور غزل گو تھے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی سوانح حیات بھی مرتب کی جسے 1952ء میں مکتبہ کارواں نے زیور طبع سے آراستہ کیا۔ 96 صفحات کی اس کتاب میں مرتب نے چند ایسے پہلو بھی اجاگر کیے ہیں جو اس سے قبل لکھی گئی کتب میں موجود نہیں۔

چراغ حسن حسرت 1904ء میں بارہ مولا کشمیر میں پیدا ہوئے۔ نئی دنیا (کلکتہ) میں کولمبس کے فرضی نام سے لکھنا شروع کیا پھر لاہور آ گئے، اور زمیندار سے منسلک ہو کر سندباد جہازی کے نام سے لکھتے رہے۔ بعد ازاں احسان، شہباز اور امروز کی ادارت سنبھالی۔ امروز اور نوائے وقت میں فکاہی کالم لکھتے رہے۔ ہفتہ وار شرارہ ان کا اپنا اخبار تھا جو ایک زمانے میں شائع ہوتا رہا۔ تصانیف میں کیلے کا چھلکا، پربت کی بیٹی، مردم دیدہ، دو ڈاکٹر، پنجاب کا جغرافیہ اور قائداعظم شامل ہیں۔

حسرت موہانی، مولانا

رئیس المتغزلین، اصل نام سید فضل الحسن تھا۔ 1875ء میں قصبہ موہان (اودھ) میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے بی اے کیا اور فن شعر میں تسلیم لکھنوی کے شاگرد تھے بیک وقت ایک مخلص سیاست دان مایہ ناز شاعر، بے باک مجاہد آزادی، پاک باطن اور بالغ نظر نقاد تھے۔

ادبی رسالہ اردوئے معلیٰ جاری کیا اور شعر وادب کی بے مثال خدمت انجام دی اپنے تغزل سے نہ صرف اردو غزل کا احیا کیا بلکہ اسے فن کی نئی دنیاؤں سے روشناس کرایا۔

زبان کا بے تکلف استعمال ان کی بڑی خوبی ہے۔ تصانیف کلیات اور فن شعر پر نکات سخن اور محاسن و معائب سخن رسائل کی شکل میں ہیں۔ 1951ء میں وفات پائی۔

مسلم لیگ کے اجلاس الٰہ آباد میں مولانا کی ایک تجویز سبجیکٹ کمیٹی میں نامنظور ہوگئی قائداعظم محمد علی جناح کے مطابق مولانا حسرت موہانی اجلاس میں وہ تجویز پیش نہیں

کر سکتے تھے مگر وہ بضد ہو گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں اجازت دے دی۔ مولانا حسرت موہانی نے اپنی تقریر میں کہا:

''اگر ایک بڑھیا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا گریبان پکڑ سکتی ہے تو کیا میں قائداعظم کا دامن نہیں پکڑ سکتا۔''

لوگوں نے شدید احتجاج کیا اور مولانا حسرت موہانی سے کہا:

''وہ بیٹھ جائیں۔''

لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

''نہیں نہیں مولانا کی بات سنو وہ بہت اچھے اور اچھے دل والے آدمی ہیں۔''

حسرت موہانی مولانا اور قائداعظم

ملک حبیب اللہ اپنی کتاب ''قائداعظم کی شخصیت کا روحانی پہلو'' میں رقمطراز ہیں:

''حضرت قائداعظم کی ''سحر خیزی'' کے بارے میں بہت سے اصحاب نے بتایا، لیکن جس انداز سے مولانا حسرت موہانی نے اس کا اثر لیا اور محسوس کیا، وہ مولانا کی روشن ضمیری اور یقین و ایمان کی اعلیٰ اقدار کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''میں ایک روز جناح صاحب کی کوٹھی پر صبح ہی صبح ضروری کام سے پہنچا، اور ملازم کو اطلاع کرنے کو کہا۔ ملازم نے کہا اس وقت ہمیں اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ آپ تشریف رکھیں۔ تھوڑی دیر میں جناح صاحب خود تشریف لے آئیں گے، چونکہ مجھے ضروری کام تھا، اور اس کو جلد سے جلد جناح صاحب سے کہنا چاہتا تھا۔ اس لیے مجھے ملازم پر غصہ آیا، اور میں خود کمرے میں چلا گیا۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں، پھر تیسرے کمرے میں پہنچا، تو برابر کے کمرے سے مجھے کسی کے بلک بلک کر رونے اور کچھ کہنے کی آواز آئی، چونکہ جناح کی آواز آئی، اس لیے میں گھبرایا اور آہستہ سے پردہ اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سجدے میں پڑے ہیں، اور بہت ہی بے قراری کے ساتھ دعا مانگ رہے ہیں۔ میں دبے پاؤں وہیں سے واپس آ گیا، اور اب تو بھائی جب جاتا ہوں اور ملازم کہتا ہے کہ اندر ہیں تو میں یہی سمجھتا ہوں کہ وہ ''سجدے میں پڑے ہوئے دعا کر رہے ہیں'' میرے تصور میں ہر وقت جناح صاحب کی وہی تصویر اور وہی آواز رہتی ہے۔''

(زندہ باد قائداعظم، صفحہ 23)

حسن البنا، شیخ

اخوان المسلمون کے رہنما تھے انہوں نے قاہرہ میں 1945ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں قرآن پاک کا نادر نسخہ پیش کیا۔ یہ قرآن پاک 1935ء میں مصر سے طبع ہوا۔ ان دو جلدوں میں سے ایک پر حسن البنا کے دستخط ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح جب 16 دسمبر کو قاہرہ پہنچے تو انہوں نے حسن البنا سے بھی ملاقات کی۔ یہ ملاقات ایک استقبالیہ میں ہوئی۔

حسن البنا 1906 میں محمودیہ (اسکندریہ) میں پیدا ہوئے۔ 1927ء میں قاہرہ کے ایک تعلیمی مرکز سے سند فراغت لے کر اسماعیلیہ کے ایک سرکاری مدرسے میں استاد مقرر ہوئے۔

یہ قصبہ نہر سویز کے حلقے میں ہونے کے باعث انگریزی استعمار کا مرکز تھا وہیں شیخ حسن البنا کو اندازہ ہوا کہ یورپی

استعمار مسلمانوں کے لیے محض مادی ہی نہیں مذہبی، اخلاقی روحانی اور ذہنی حیثیت سے کس قدر نقصان دہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے مارچ 1929ء میں جمعیتہ الاخوان المسلمین کی بنیاد رکھی۔ 11 اپریل 1929ء کو اس کے قیام کا رسمی اعلان ہوا۔ 1933ء میں ان کا تبادلہ قاہرہ میں ہوا تو تحریک کی شاخیں اکثر شہروں میں قائم ہو چکی تھیں۔ دوسری عالمی جنگ کے اختتام پر اس تحریک نے مصر سے انگریزوں کے اخراج کا جذبہ کمال تک پہنچا دیا۔ جمعیتہ نے یہودیوں کے خلاف عربوں کی جنگ میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ 8 دسمبر 1948 کو وزیراعظم مصر محمود فہمی النقراشی نے الاخوان کو غیر قانونی تنظیم قرار دے دیا۔

حسن اے شیخ

1946ء کے انتخابات میں قائداعظم محمد علی جناح کے پولنگ ایجنٹ اور پرائیوٹ سیکرٹری تھے۔

انہوں نے 1945ء میں بمبئی کی انتخابی مہم کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ بمبئی پارلیمانی بورڈ کے چیئرمین اور قائداعظم محمد علی جناح کے پولنگ ایجنٹ تھے۔ آزادی کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کے پرائیوٹ سیکرٹری مقرر ہوئے۔

1960ء میں سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد پھر وکالت شروع کر دی۔ 1962ء میں کونسل مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ 1965ء کے صدارتی انتخاب کے دوران محترمہ فاطمہ جناح کے چیف الیکشن ایجنٹ کے طور پر کام کیا۔ 1965ء میں کراچی سے متحدہ حزب اختلاف کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن بنے اور 1969ء تک رکن رہے۔

حسن پیر (درگاہ)

قائداعظم محمد علی جناح کی پیدائش کے بعد ان کی والدہ مٹھی بائی انہیں پانیلی سے دس میل دور گینوڈ نامی گاؤں لے گئیں اس کے لیے وہ اپنے شوہر جناح پونجا کے ہمراہ بادبانی کشتی کے ذریعے کراچی سے کاٹھیاواڑ کی بندرگاہ ویراول پہنچے اور ویراول سے ایک بیل گاڑی میں بیٹھ کر حسن پیر کی درگاہ تک پہنچے۔ وہیں قائداعظم محمد علی جناح کی روایتی انداز میں عقیقہ کی رسم ادا کی گئی۔

حسن پیر ایران کے باشندے تھے اور وہ تبلیغ کے لیے براہ بلوچستان ہند میں داخل ہوئے۔ کچھ عرصہ ملتان میں قیام پذیر رہے اور اس دوران بہت سے غیر مسلموں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد سندھ کے طول و عرض میں رہ کر اسلام کی تبلیغ کی، اور پھر پانیلی جا کر ڈیرے ڈال دیے۔ وہ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ رات کو جلد سو جاتے اور صبح دو بجے اٹھ کر فجر کی نماز تک دریائے بھدر کے کنارے اپنے خیمے میں یادالٰہی میں مشغول رہتے۔ وہیں انتقال ہوا۔

(مزید دیکھیے: عقیقہ)

حسن ریاض، سید

کراچی یونیورسٹی شعبہ صحافت کے سینئر لیکچرار اور قائداعظم محمد علی جناح کے قریبی ساتھی تھے۔ وہ 1894ء میں بلند شہر کے ایک ممتاز علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ سینئر کیمبرج کا امتحان پاس کرنے کے بعد 1918ء میں صحافت کا پیشہ اختیار کیا۔ بقول سید صاحب مرحوم پیش نظر یہ تھا کہ رنگا آئر (ایڈیٹر انڈی پنڈنس) کی نگرانی میں انگریزی اخبار نویسی کی مشق کروں۔ اتفاق سے رنگا آئر سے پہلے سید جالب دہلوی (ایڈیٹر ہمدم) سے ملاقات ہوئی۔ ان سے گفتگو کے بعد ارادہ تبدیل کر کے اردو صحافت میں قدم رکھا۔ ہمدم کے علاوہ ہمدرد اور ہمت کے کارپردازان ادارت میں شامل رہے اور پھر دہلی سے مسلم لیگ کی ترجمانی کے لیے 1938 میں ہفت روزہ منشور جاری کیا۔ بعد ازاں تحریک پاکستان کے پیغام

کو مسلم ہند کے گوشے گوشے میں پہنچانے کے لیے منشور کو روزنامہ میں تبدیل کر دیا گیا اور یہ ستمبر 1947ء تک باقاعدگی سے جاری رہا۔ پاکستان آنے کے بعد منشور اور مقاصد کے مدیر رہے۔ تاہم 1972ء میں اپنی وفات تک علمی صحافت کے بجائے تدریسی صحافت سے زیادہ وابستہ رہے۔ کراچی یونیورسٹی کے شعبہ صحافت سے اسی رابطے کے دوران اپنی گراں قدر تصنیف پاکستان ناگزیر تھا مکمل کی۔ جسے 1968ء میں داؤد انعام ملا۔ دیگر تصانیف میں نئے افسانے اور حرف آخر شامل ہیں۔

سید حسن ریاض قائداعظم محمد علی جناح کے بڑے معتقد تھے۔ انہوں نے پاکستان ناگزیر تھ کے عنوان سے ایک کتاب بھی لکھی جس میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں تفصیل سے لکھا۔

حسن نظامی، خواجہ

آپ قائداعظم محمد علی جناح کے مداحین میں شامل کیے جاتے تھے۔ 1937ء میں خواجہ حسن نظامی نے مسلم لیگ کی تنظیم نو کے موقع پر مسلم لیگ کی تحریک کے سلسلے میں چند پوسٹر لکھے جن کی عبارت یہ تھی:

1. اللہ کا بنایا رسول ﷺ بادشاہ
2. رسول ﷺ کا بنایا علی رضی اللہ عنہ بادشاہ
3. علی رضی اللہ عنہ کا بنایا جناح بادشاہ

قائداعظم محمد علی جناح نے آخری پوسٹر کے بارے میں خواجہ حسن نظامی سے دریافت کیا:

''یہ عبارت آپ کے دماغ کی اختراع اور صرف پروپیگنڈہ ہے یا اس کا حقیقت سے بھی کوئی تعلق ہے۔''

خواجہ حسن نظامی نے فرمایا:

''محترم قائداعظم دلی کے ریکارڈ آفس میں یہ عہد نامہ آج بھی موجود ہے اور آپ اسے نکلوا کر خود ملاحظہ کریں۔''

چنانچہ دہلی کے ریکارڈ آفس سے یہ عہد نامہ نکلوا کر قائداعظم محمد علی جناح نے خود ملاحظہ کیا اور خواجہ حسن نظامی کی دور بینی اور نکتہ رسی کی بہت تعریف کی۔

(سید یعقوب حسن بحوالہ گاہے گاہے باز خواں نوائے وقت 18 ستمبر 1976ء)

قائداعظم محمد علی جناح کی خواجہ حسن نظامی سے بھی خط و کتابت رہی۔ ایک خط کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں جواب میں درج ذیل خط لکھا۔

ا۔ ہیسنگز روڈ

نیو دہلی

7 مارچ 1937ء

ڈیئر خواجہ حسن نظامی!

ہماری باہمی بات چیت کے حوالے سے جس میں آپ نے ایک مسلم انفارمیشن سروس کی تشکیل پر زور دیا ہے۔ میں آپ کے ساتھ متفق ہوں کہ اس وقت ایسی ایجنسی کی بڑی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے، اور اگر اسے مناسب طریقے سے منظم چلایا گیا تو مجھے کوئی شک نہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بہت بڑی خدمت انجام دے گی۔ جو اس وقت پریس کے بغیر ہیں۔ موجودہ سنجیدہ صورت حالات میں آپ کا ادارہ بڑا اہم کردار ادا کرے گا۔ آپ کا صحافتی تجربہ بہت زیادہ ہے، اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ آپ کے نئے کام کی بدولت مسلم لیگ کے پروگرام اور پالیسیوں کی تشہیر میں بڑی مدد ملے گی

آپ کا مخلص

محمد علی جناح

خواجہ حسن نظامی 27 دسمبر 1878ء کو دہلی میں پیدا ہوئے ابتداء میں اخبار فروشی کرتے تھے، مگر بعد ازاں خود اخبارات کے لیے مضامین لکھنے لگے۔ متعدد اخبارات اور رسائل کا اجراء

کیا جن میں سے منادی آخری وقت تک شائع ہوتا رہا۔ ان کے روزنامچے بھی بہت مقبول تھے۔

خواجہ حسن نظامی حضرت نظام الدین اولیاء کی ہمشیرہ کی اولاد میں سے تھے۔ قرآن مجید کا ترجمہ ہندی میں کرایا۔

انداز تحریر بڑا خوبصورت تھا۔ معمولی سے معمولی موضوع پر بھی ایسے انداز میں اظہار خیالات کرتے کہ اس سے اعلیٰ درجے کا اخلاقی وروحانی سبق مل جاتا تھا۔ یہ اسلوب انہی پر ختم ہوگیا۔

21 جولائی 1955ء کو وفات پائی

حسین احمد مدنی، مولانا

آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس لکھنؤ 1937ء سے قبل قائداعظم محمد علی جناح نے مولانا کو ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ سے خارج کردیا۔ اس سے قبل جب 1936ء میں قائداعظم محمد علی جناح کشمیر سے لاہور پہنچے تو نیڈوز ہوٹل میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔

مولانا حسین احمد مدنی 1878ء میں ناؤ (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے دیوبند میں تعلیم پائی۔ انہیں شیخ الہند مولانا محمود حسن کی رفاقت میسر آئی۔ 1913ء میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہاں دارالحدیث میں تعیلم دینے لگے۔ 1914ء کی جنگ ہوئی تو دوسرے مسلمان رہنماؤں کے ساتھ ترکوں کے حق میں آواز بلند کی۔ ان دنوں شریف مکہ نے انہیں انگریزوں کے سپرد کردیا۔ جنہوں نے مولانا حسین احمد مدنی کو مالٹا بھیج دیا۔ 1921ء میں رہائی پانے کے بعد خلافت اور ترک موالات کے سلسلے میں بغاوت کا مقدمہ چلا۔ تین سال قید کاٹی مولانا محمود الحسن کے بعد شیخ الہند کا خطاب پایا دارالعلوم دیوبند کے اعزازی صدر رہتے۔ ان کا انتقال 1907ء میں ہو۔

حسین، ایم اے

قائداعظم محمد علی جناح گول میز کانفرنس میں شریک ہونے کے لیے لندن تشریف لے گئے تو کیمبرج یونیورسٹی کے مسلم طلبا نے قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ اس دعوت میں کیمبرج مسلم یونیورسٹی ایسوی ایشن کے رکن ایم اے حسین نے جو اس جلسہ کے منتظمین میں شامل تھے انہوں نے اپنے ایک مضمون میں جلسہ کی کارروائی قلمبند کی۔

انہوں نے اپنے اس مضمون میں لکھا:

”حالانکہ اس جلسہ میں جناح صاحب نے مسلمانوں کے نقطہ نظر اور مسلمانوں کے وفد کے طرز عمل کی ترجمانی بڑی قابلیت اور کامیابی سے کی تھی لیکن ان کی پوری تقریر قومیت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ انہوں نے مشترکہ انتخاب کی حمایت کی اور اس بات پر زور دیا کہ ہم سب کو انگریزوں کے خلاف متحد ہونا چاہیے۔ انہوں نے یہ وضاحت بھی کی کہ چونکہ عام طور پر مسلمان مشترکہ انتخاب کے حامی نہیں ہیں اس لیے آئین میں جداگانہ انتخابات کا ہونا لازمی ہے۔“

حسین بھائی لال جی

(دیکھئے: یادگار انتخاب)

حسین، سید سلطان

آپ جمعیت العلمائے سرحد کے سیکرٹری تھے آپ نے 6 جولائی 1946ء کو وائسرائے ہند لارڈ ویول اور قائداعظم محمد علی جناح کو ٹیلی گرام دیتے ہوئے لکھا:

”ہزاروں مسلمانوں نے ایک جلسہ عام میں مولانا شاکر اللہ کی زیر صدارت مسجد مہابت خان میں 6

جولائی 1945ء کو یہ قرارداد منظور کی کہ یہ مسلمہ طور پر ظاہر کیا جاتا ہے کہ مسلم لیگ ہی ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ سرحد کے مسلمان مکمل طور پر قائداعظم کی قیادت پر اعتماد کرتے ہیں وہ مسلمان جو مسٹر گاندھی کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں وہ دغاباز ہیں۔''

حشمت علی

حشمت علی ایک منجم تھے، جن کی پیشین گوئی بنگلور کے اخبار پاسبان میں شائع ہوئی انہوں نے اپنی اس پیشین گوئی میں انتہائی اعتماد اور وثوق کے ساتھ یہ کہا تھا:

''قائداعظم محمد علی جناح کے سفر لندن کے متعلق ہم عمل رمل کے حساب سے پیشین گوئی کرتے ہیں جو ہرگز غلط ثابت نہ ہوگی۔ قائداعظم محمد علی جناح کا یہ سفر ہندوستانی مسلمانوں کے لیے مبارک ثابت ہوگا۔ یہ ہمارا دعویٰ ہے کہ 1947ء میں پاکستان ضرور مل جائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ لندن میں بہت سے پیچیدہ مسائل درپیش ہوں گے تاہم قائداعظم فاتح و منصور کی حیثیت سے ہندوستان واپس آئیں گے اور 1947ء میں آپ کا شمار بادشاہوں میں ہوگا، اور مسلمان مکمل آزاد پاکستان میں زندگی بسر کریں گے۔''

حصول پاکستان

محمد علی جناح جو ابھی قائداعظم نہیں بنے تھے، وہ 6 ستمبر 1913ء کو مسلم لیگ کے باقاعدہ رکن بن گئے، آزادی کے حصول کے لیے انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کی کوشش کی۔ آپ کی سیاسی بصیرت کی وجہ سے 1916ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ''معاہدۂ لکھنؤ'' ہوا۔

اس معاہدے کی اہم بات یہ تھی کہ ہندو مسلمانوں کے جداگانہ انتخابات کے حق کو مان گئے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ کانگریس اب مسلمانوں کو ہندوؤں سے الگ قوم سمجھتی ہے، اور مسلمانوں کو بھی ان کے جائز حقوق ملیں گے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی ان کوششوں پر انہیں ''ہندو مسلم اتحاد کا سفیر'' کا خطاب دیا گیا۔ 1918ء میں محمد علی جناح نے رتن بائی سے شادی کر لی۔ 1918ء میں ان کی زندگی کا ایک اہم واقعہ رونما ہوا، جس نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ ایک جرأت مند اور باحوصلہ لیڈر ہیں۔ بمبئی کا گورنر لارڈ ولنگٹن اپنی ہندوستان دشمنی کی وجہ سے مشہور تھا۔ جب اس کے عہدے کی مدت ختم ہوئی تو چند خوشامد پسند لوگوں نے اسے الوداعی پارٹی دینا چاہی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس کے رویے کی وجہ سے اسے پارٹی دینے اور کوئی یادگار قائم کرنے کی مخالفت کی۔

آپ نے اس موقع پر گورنر کے عہدے اور اختیارات کی پرواہ کیے بغیر ولنگٹن کے لیے عوامی جذبات کا کھل کر اظہار کیا۔ آپ کی اس حق گوئی کے اعتراف میں بمبئی کے ٹاؤن ہال کا نام ''جناح ہال'' رکھ دیا گیا۔

1919ء میں مسلمانوں نے ایک اہم تحریک ''تحریک خلافت'' چلائی۔ یہ ایک اسلامی تحریک تھی، مگر گاندھی نے مسلمانوں کا ہمدرد بن کر اس تحریک کے ساتھ ہی ''تحریک عدم تعاون'' چلا کر ان کی طاقت کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہا۔

گاندھی نے اعلان کیا:

''ولایتی مال کا بائیکاٹ کیا جائے، مزدور کام کرنا چھوڑ دیں، طالب علم اپنی کلاسوں کا بائیکاٹ کر دیں اور وکیل عدالتوں میں اپنا کام کرنا چھوڑ دیں۔''

اس تحریک میں ہندوؤں کے برعکس مسلمانوں نے بڑھ

چڑھ کر حصہ لیا، اور تحریک کے نتائج مسلمانوں کو برداشت کرنے پڑے۔ محمد علی جناح نے اپنی دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اس موقع پر مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے کہا:

''مسٹر گاندھی یہ تحریک چلا کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ ایسا کرنے سے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوں گے۔''

اور ایسا ہی ہوا۔

1920ء میں قائداعظم محمد علی جناح بددل ہو کر کانگریس سے الگ ہو گئے۔ 1927ء میں آپ نے ہندو مسلم مفاہمت کی ایک اور کوشش کی۔ انہوں نے ''تجاویز دہلی'' پیش کیں۔ ان تجاویز میں سے ایک تجویز یہ تھی کہ سندھ، سرحد اور بلوچستان میں دوسرے صوبوں کی طرح اصلاحات نافذ کی جائیں، کیونکہ ایسا کرنے سے وہاں رہنے والے مسلمانوں کو بھی وہی سہولیات ملتیں جو باقی صوبوں میں رہنے والے ہندوؤں کو حاصل تھیں۔ اس لیے ان تجاویز پر ہندوؤں کو بہت غصہ آیا۔ مسلمانوں کی خوشحالی ان سے برداشت نہ ہوتی تھی۔ اس لیے انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی ان تجاویز کو ماننے سے انکار کر دیا۔

1928ء میں جواہر لال نہرو نے نہرو رپورٹ بنائی۔ اس رپورٹ میں ہندوؤں نے ان تمام باتوں کو بھلا دیا جو وہ ''معاہدۂ لکھنؤ'' میں مان چکے تھے۔ مثلاً مسلمانوں کا جداگانہ انتخابات کا حق! قائداعظم محمد علی جناح نے ان سفارشات میں کچھ ترامیم کروانے کی کوشش کی، مگر ہندوؤں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے آپ کی سب کوششیں ناکام ہو گئیں۔

آپ نے ان سفارشات کے جواب میں چودہ نکات پیش کیے جو تاریخ میں ''جناح کے 14 نکات'' کے نام سے مشہور ہیں۔ ان نکات میں انہوں نے مسلمانوں کے حقوق کی بھرپور نمائندگی کی، مگر کانگریس نے ہندو جماعت ہونے کی حیثیت سے ان نکات کی بھرپور مخالفت کی۔

قائداعظم محمد علی جناح کو غیر آئینی طریقہ ہائے کار بالکل پسند نہ تھے، اور یہی بات آپ کو اپنے ساتھی سیاسی رہنماؤں سے ممتاز کرتی ہے۔ انہیں یہ بات پسند نہ تھی کہ آزادی کے لیے جدوجہد بھوک ہڑتالوں، قانون شکنی یا تشدد کے ذریعے کی جائے، وہ چاہتے تھے کہ قانون کی پاسداری کرتے ہوئے اپنی بات منوا لی جائے۔ اس کے برعکس گاندھی نے غیر آئینی طریقوں کے ذریعے کانگریس پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ جس کے نتیجے میں کانگریس ایک ہندو جماعت بن گئی، اور ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔

قائداعظم محمد علی جناح پر مسلمانوں کو بے حد بھروسہ تھا۔ 1909ء سے لے کر 1947ء تک مسلسل مسلمانوں کے منتخب نمائندہ کی حیثیت سے متحدہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں شامل رہے، انہوں نے نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرونِ ملک بھی مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کے لیے کام کیا۔ اس طویل عرصے میں انہوں نے لندن میں دو گول میز کانفرنسوں میں شرکت کی۔ جن میں آپ نے مسمانوں کے حقوق کے لیے آواز اٹھائی، مگر ہندوؤں اور انگریزوں کے معاندانہ رویے کی وجہ سے یہ کانفرنسیں ناکام ہو گئیں، بالآخر انہیں یہ کہنا پڑا۔

''مجھے ہندوؤں سے اتحاد کی کوئی امید نہیں۔''

1937ء کے انتخابات آئے تو قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کو مسلمانوں میں مقبول کرنے کے لیے پورے ہندوستان کے دورے کرنے شروع کر دیے، مگر مسلمان اس وقت منظم نہ تھے، اس لیے انتخابات میں کانگریس کو کامیابی ہوئی۔ ہندوستان کے گیارہ میں سے سات صوبوں میں کانگریس نے اپنے وزیر مقرر کیے، ان کانگریسی وزارتوں نے طاقت کے غرور میں مسلمانوں پر ظلم کرنے شروع کر دیے۔ ان کے مکانات کو آگ لگا دی جاتی، ملازمتوں میں حصہ نہ دیا جاتا، سکولوں میں تمام بچوں کے لیے گاندھی جی کی مورتی اور تصویر کو

قائداعظم محمد علی جناحؒ بیرسٹر بننے کے بعد

ہاتھ جوڑ کر سلام کرنا، ہندوؤں کا مذہبی گیت ''بندے ماترم'' اور کانگریسی جھنڈے کو سلام کرنا لازمی قرار دے دیا گیا۔

کانگریسی وزارتوں کے غرور میں آ کر نہرو نے یہ اعلان کیا:

''اس ملک میں دو طاقتیں ہیں ایک ہندو اور دوسری برطانوی حکومت، اب ان لوگوں کے لیے دو ہی راستے ہیں کہ وہ کانگریس کا ساتھ دیں یا حکومت کا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس بات کے جواب میں کہا:

''ایک تیسری طاقت مسلمان بھی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ مسلمان اپنے آپ پر بھروسہ کریں، اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کریں، خواہ پوری دنیا ہی ان کے خلاف کیوں نہ ہو، ظلم و ستم سے گھبرائیے نہیں، فیصلہ کیجیے اور فیصلہ کرنے سے پہلے سو بار سوچ لیجیے، لیکن ایک بار جو سوچ لیں اس پر ڈٹ جائیں۔''

جب مسلم لیگ نے کانگریسی وزارتوں کے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی تحقیقات کروائی تو گاندھی اور نہرو کوئی جواب نہ دے سکے۔ اڑھائی سالہ دورِ حکومت کے بعد کانگریسی حکومت نے استعفیٰ دیا تو سب مسلمانوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر 22 اگست 1939ء کو کانگریسی وزارتوں سے چھٹکارے پر ''یومِ نجات'' منایا۔

اب تو سارے قابلِ ذکر مسلمان کانگریس سے الگ ہو گئے، اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ مسلمانوں پر اب یہ بات واضح ہو گئی کہ قائداعظم محمد علی جناح ہی ان کے بہترین اور مخلص رہنما ہیں۔ آپ کی کوششیں رنگ لائیں، اور مسلم لیگ آپ کی سربراہی میں ترقی کرتی چلی گئی۔

ہندوؤں اور انگریزوں کے متعصبانہ رویے کی وجہ سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کو ان کے حقوق نہیں ملیں گے، اور ان کا دین بھی خطرے میں ہوگا تو قائداعظم محمد علی جناح نے 23 مارچ 1940ء کو علامہ اقبال کے خطبۂ الٰہ آباد کی بنیاد پر منٹو پارک لاہور میں یہ اعلان کیا:

''اب وہ (مسلمان) ہندوؤں کی بات نہیں مانیں گے اور نہ ہی کسی اور کی۔ وہ ایک الگ قوم ہیں اور وہ صوبے جہاں مسلمان زیادہ تعداد میں ہیں وہاں ایک آزاد حکومت قائم کریں گے۔ جو ان کی اپنی ہوگی، جہاں اسلام ہوگا۔''

اس مطالبہ کو ''قراردادِ لاہور'' کا نام دیا گیا۔ اس قرارداد میں شاعر میاں بشیر احمد نے قائداعظم محمد علی جناح کے لیے اپنی مشہور نظم پڑھی، جو آج بھی بہت مشہور ہے۔

ملت کا پاسبان ہے محمد علی جناح
ملت ہے جسم، جان ہے محمد علی جناح

اس قرارداد نے مسلمانوں کو ایک مطالبہ پر متحد کر دیا۔ اب ہر مسلمان کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا:

''لے کے رہیں گے پاکستان
بن کے رہے گا پاکستان''

اس قرارداد کی منظوری کے بعد ہندو اخبارات نے قائداعظم محمد علی جناح کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ اسے ''قراردادِ پاکستان'' کا نام دے کر اس کی مخالفت کرنی شروع کر دی۔ آخر ہندوؤں کی بدنیتی سے تنگ آ کر قائداعظم نے اعلان کیا:

''ہم نے قراردادِ لاہور کو ''قراردادِ پاکستان'' کا نام نہیں دیا تھا، لیکن اگر دشمن اسے چڑانے کے لیے استعمال کریں گے تو ہم چڑیں گے نہیں، بلکہ آج سے ہی اسے ''قراردادِ پاکستان'' کے نام سے پکاریں گے۔''

کانگریس نے اپنے کارکنوں کے ذریعے مار دھاڑ اور فسادات شروع کر دیے تاکہ مسلمانوں کی مطالبہ پاکستان سے توجہ ہٹا دی جائے، قائداعظم محمد علی جناح کو ہندوستان کو تقسیم کرنے کے منصوبے پر ان کو انگریزوں کا ٹوڈی اور کافر کہا گیا۔

1943ء میں ان باتوں سے متاثر ہو کر ایک نوجوان نے

حصولِ علم

چوتھی گجراتی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس احمد آباد کا افتتاح کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے 14 جنوری 1945ء کو تجارتی، فنی اور سائنسی تعلیم کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

''تعلیم کے بغیر مکمل تاریکی ہے، اور تعلیم ہو تو روشنی، تعلیم ہماری قوم کے لیے زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید کہا:

''دنیا اس سرعت کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے کہ اگر آپ خود کو تعلیم نہیں دیں گے تو نہ صرف یہ کہ آپ بالکل پیچھے رہ جائیں گے بلکہ آپ ختم ہو جائیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے سامعین پر زور دیا:

''آپ تعلیم کے مشن کو خلوص کے ساتھ تھام لیں، اور اس امر کا اہتمام کریں کہ ہر مسلمان مرد اور عورت امکانی طور پر بہترین تعلیم جو دستیاب ہو حاصل کر سکے، رسول مقبول ﷺ نے تو اپنی امت پر یہ فرض قرار دیا کہ وہ حصولِ علم کے لیے اگر چین بھی جانا پڑے تو چین بھی جائیں۔ اگر ان دنوں جب ذرائع آمد و رفت دشوار تھے، یہ حکم تھا تب، تو حقیقتاً مسلمانوں کو جو اسلام کے درخشندہ ورثہ کے حقیقی پیروکار ہیں، جملہ دستیاب مواقع کو بھرپور طور پر استعمال کرنا چاہیے، تعلیم کی ترقی کی خاطر ایثار اور ذاتی آرام و آسائش کی بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے امید ظاہر کی:

''صوبہ اور باقی ماندہ ملک کے دیگر حصے گجرات کی تقلید کریں گے۔ وہ وقت بہت جلد آ سکتا ہے، جب یہ ضروری ہو جائے گا کہ صوبے بھر میں مسلمان تعلیمی اداروں کی سرگرمیوں کو ایک واحد انتظامی بورڈ کی نگرانی میں دینا پڑے۔''

موجودہ تعلیمی نظام کے نامناسب ہونے کا ذکر کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''آل انڈیا مسلم لیگ نے اسلامیانِ ہند کی تعلیم کے ضمن میں ایک اسکیم مرتب کرنے کی غرض سے ایک خصوصی کمیٹی تشکیل دی ہے۔''

(روزنامہ ڈان، 15 جنوری 1945ء)

حصولِ نصب العین

قائداعظم محمد علی جناح ہمیشہ اپنے نصب العین کے لیے کوشاں رہے اور آپ اس بات کی تلقین دوسروں کو بھی کرتے تھے۔ ایک بار ایک طالب علم نے آپ سے کہا:

''ہندو قیامِ پاکستان کی نفی کرتے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''تمہارے پاس وقت کی کمی ہے۔ اس لیے حصولِ مقصد (یعنی قیامِ پاکستان) کو اپنا شعار بنائیں اور خواہ مخواہ ان مسائل میں الجھ کر وقت ضائع نہ کریں۔''

حضور ﷺ کی زیارت

بفضل تعالیٰ قائداعظم محمد علی جناح کو عنداللہ و عندالرسول اور عندالناس مقامات عالیہ حاصل تھے، اور قائداعظم جن صفات سے متصف تھے۔ ان کی بنا پر قرآن کریم کی روشنی میں قائداعظم، مومن اعظم تھے۔ جنہیں کانگریس کے ایجنٹ کافر اعظم کہتے نہ تھکتے تھے، لیکن اللہ رب العزت تو ہر معاملے میں اتمام حجت کرنے کا دعویٰ ہے۔ یہ بات شروع سے علمِ الٰہی میں تھی کہ کفار کے دوست انہیں کافرِ اعظم کہیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دور کے مجدد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو عالمِ خواب میں حضرت قائداعظم کو اولیاء اللہ کی صفوں میں بیٹھا

ان پر قاتلانہ حملہ کر دیا، اس حملہ میں وہ بال بال بچ گئے، مگر قائداعظم محمد علی جناح اس قسم کی باتوں سے پریشان نہ ہوئے۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ اب مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے متحد ہو چکے ہیں، اور اب ہندوؤں اور انگریزوں کی گندی سیاست سے نہیں ڈریں گے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی قیام پاکستان کے لیے ان کوششوں میں خواتین نے بھی آپ کا بھرپور ساتھ دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی دن رات کی محنت نے بچے بچے کے ذہن میں پاکستان کا خیال راسخ کر دیا۔

1942ء سے 1946ء تک برطانوی حکومت کی طرف سے کرپس، شملہ کانفرنس اور وزارتی مشن ہندوستان آئے تاکہ ہندوستان کی حکومت کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جائے، ہندو لیڈر چاہتے تھے کہ انگریز جب ہندوستان چھوڑ کر جائیں تو حکومت ان کے ہاتھ میں آ جائے، اور مسلمانوں کو اپنا غلام بنا کر رکھا جائے۔

مگر قائداعظم محمد علی جناح نے بتایا:

''مسلمان ہندوؤں سے ایک الگ قوم ہیں، حکومتِ برطانیہ کا فرض ہے کہ وہ ہندوؤں کو ہندو اکثریت کے علاقے اور مسلمانوں کو مسلم اکثریت کے علاقے دے۔ اب اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔''

24 مارچ 1947ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن انگریزی حکومت کی طرف سے ہندوستان میں وائسرائے بن کر آیا۔ اس وقت مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح مطالبہ پاکستان پر سختی سے قائم تھے، اور کانگریس اور گاندھی پاکستان کے قیام کو روکنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ ان برے حالات میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی مضبوط قوتِ ارادی سے مسلمانوں کو متحد کیا اور انگریزوں کی سازشوں کا تن تنہا مقابلہ کیا۔

مارچ 1947ء میں لیاقت علی خان متحدہ ہندوستان کی حکومت کے وزیرِ خزانہ تھے، انہوں نے ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں اپنا پہلا بجٹ پیش کیا۔ جس میں انہوں نے کاروبار پر 75 فیصد ٹیکس لگایا، کیونکہ زیادہ کاروبار ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا، اس لیے کانگریس نے اس بجٹ کی خوب مخالفت کی، مگر بجٹ بالآخر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی مداخلت سے منظور ہو گیا۔

3 جون 1947ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اعلان کیا:

''برطانوی حکومت ہندوستان کی تقسیم مان گئی ہے۔ پاکستان مسلمانوں کا جائز حق ہے، لیکن یہ حق اس وقت ملے گا جب مسلمان پاکستان کے حق میں فیصلہ کریں گے۔''

اس کے لیے رائے شماری کا فیصلہ کیا گیا۔ 20 جولائی تک تمام مسلم اکثریت کے علاقوں میں بھی رائے شماری ہوگئی، تمام مسلمانوں نے پاکستان کے حق میں فیصلہ کیا۔

ہندوستان کی تقسیم کے لیے ''ریڈکلف ایوارڈ'' ماؤنٹ بیٹن کی سرکردگی میں بنایا گیا۔ جس نے کانگریس کے ساتھ مل کر بے ایمانی سے مسلم اکثریت کے علاقے ہندوستان کے حوالے کر دیے، قائداعظم محمد علی جناح نے اس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کہا:

''ایوارڈ میں آئین کے بجائے سیاسی فیصلے کیے گئے ہیں، لیکن ایک باعزت قوم کی طرح ہم اس ایوارڈ کے پابند ہیں۔''

جیسے ہی قیام پاکستان کا اعلان ہوا، ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ لٹے پٹے مسلمان پاکستان کی حدود میں داخل ہونے لگے، ان کی آبادکاری اور خوراک ایک مسئلہ تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے سرحد پر جا کر ان کے انتظامات کی خود نگرانی کی۔

بالآخر قائداعظم محمد علی جناح کی سیاسی جدوجہد رنگ لائی اور پاکستان 14 اگست 1947ء کو معرضِ وجود میں آ گیا۔

ہو واد کھادیا کہ مومن اعظم ہیں۔

جو اللہ رب العزت نے جہاد پاکستان کی کمان اس نحیف و ناتواں بوڑھے جرنیل کے ہاتھ میں دی تو اس نے اسے اس جہاد میں کامیابی و کامرانی حاصل کرنے کے لیے یہ غیبی امداد بخشی کہ اس نطق کو اثر و تاثیر دی۔ اسے خود اعتمادی کا مجسمہ بنا دیا۔ اس کے عزم و ارادہ میں نو کروڑ مسلمانوں کی تاب و طاقت رکھ دی۔ اس کی تائید و اعانت کے لیے حجروں اور خانقاہوں کے گوشہ نشین علماء ربانی اور مشائخ روحانی کی جماعت میدان میں بھیج دی۔

دینی تربیت کے ساتھ ساتھ قائداعظم کی روحانی تربیت جس مرد ''غازی'' نے کی تھی۔ آخری ایام میں قائداعظم نے بسلسلہ جہاد کشمیر اس مردِ ''غازی'' کو ایک خاص مشن پر دربارِ نبوی ﷺ میں بھیجا، وہ اپنا وقت دربارِ نبوی ﷺ کے خادم خاص آغا اسحاق علی کے پاس گزارتے تھے۔ جو زیر مزار مبارک آنے جانے کے واحد مجاز تھے۔ آغا صاحب نے اس ''مردِ غازی'' کو بتایا:

> ''جس روز قائداعظم کا پاکستان میں انتقال ہوا، اس روز مجھے حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ مسرور نظر آرہے تھے، فرمایا کہ آج ہمارا دوست آرہا ہے۔ اس کی آمد کی خوشی مناؤ، جب دریافت کیا کہ حضور ﷺ وہ کون ہیں؟ تو فرمایا: محمد علی جناح! چنانچہ اس روز ہم نے شیرینی وغیرہ پکائی۔''

(مشاہدات و ارادت، صفحہ 149)

اس خواب کی تائید اس خواب سے ہوتی ہے، جو پاکستان بننے سے پہلے سرحد ہزارہ کے ایک معمر بزرگ نے جو قائداعظم محمد علی جناح کے نام و مقام تک سے واقف نہ تھے، روضہ اطہر کے متصل دیکھا:

''حضور ﷺ بہ نفس نفیس تشریف فرما ہیں، اور آپ ﷺ کے ساتھ شانہ بشانہ ایک لمبے معمر صاحب، سر پر ٹوپی پہنے کھڑے ہیں، اور پیچھے لوگوں کا بے پناہ ہجوم ہے، کسی نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ حضور ﷺ یہ ٹوپی والے کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نہیں جانتے یہ محمد علی جناح ہیں، اور یہ لوگ سب کے سب مجاہد ہیں۔'' پھر حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے آب زمزم کی بہت سی مقدار لے کر جناح اور ان کے ساتھیوں پر چھڑکی۔''

اس خواب کی پوری تفصیل ہزارہ کے محمد افضل خاں بی اے کے قلم سے روزنامہ نوائے وقت لاہور 19 جنوری 1946ء میں شائع ہوئی۔ ان کے علاوہ بھی کئی ثقہ حضرات نے قائداعظم محمد علی جناح کو دربار نبوی ﷺ میں دیکھا۔ چونکہ عالم خواب میں رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کوئی آپ ﷺ کی شکل مبارک میں نہیں آسکتا، اس لیے رویائے صادقہ شک و شبہ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ (قائداعظم کی شخصیت کا روحانی پہلو، صفحہ 69 تا 71)

حفاظتِ وطن

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 30 مئی 1942ء میں لکھتا ہے:

> ''قائداعظم نے امریکن نیشنل نیوز سروس کے نمائندے سے ملاقات کے دوران فرمایا:
> ''ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان پوری قوت سے جاپانی حملہ آوروں کو روکیں گے۔''
> آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی پاکستان اسکیم یعنی جنگ کے بعد آزاد مسلم ریاستوں کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:
> ''اگر ہمارے سامنے لڑنے کے لیے ایک یقینی نصب العین ہو تو ہم برطانوی افواج کے دوش بدوش

کھڑے ہو کر لڑیں گے، اور ناقابلِ تسخیر قوت سے کام لے کر دشمن کو ہندوستان سے پیچھے دھکیل دیں گے۔"

یہ بالکل درست ہے کہ اپنی اکثریت والے صوبوں میں اکثریت کے حقوق آزادی حاصل کرنا مسلمانوں کا طبعی اور پیدائشی حق ہے۔ آزادی اور خوداعتمادی اقوام کے جس اصول کی خاطر اتحادی طاقتیں اس خون ریز جنگ میں انتہائی قربانیاں کر رہی ہیں، ان سے استفادہ کا حق مسلمانوں کو بھی مل جانا چاہیے۔ مسلمانوں نے جواہر لعل نہرو یا گاندھی جی کی طرح ہندوستان کی حفاظت کو پسِ پشت نہیں ڈالا اپنے فرقہ وارانہ مقاصد کی پیش روی کے لیے عجیب وغریب ہتھکنڈے ایجاد نہیں کیے۔ دوسری قوم کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ ہندوؤں کے حق خود اختیاری سے یا ان کی اقلیتوں اور دوسری اقلیتوں کی جائز حفاظت کے انتظامات سے انکار نہیں کیا۔ وہ سب کے ساتھ انصاف کے طلب گار ہیں۔ انہوں نے کانگریس کی پیروی میں جنگی مساعی سے عدم تعاون نہیں کیا۔ یہ امر موجب اطمینان ہے کہ حکومت برطانیہ نے مسلمانوں کے مطالبۂ خوداختیاری کو اصولاً قبول کر لیا، لیکن اس اصول کو عملی صورت دینے کے متعلق ابھی تک مسلمانوں کا اطمینان نہیں ہوا۔ ضروری ہے کہ اس بارے میں اطمینان کر دیا جائے تا کہ ملت اسلامیہ زیادہ جوش وسرگرمی اور زیادہ قوت و مستعدی سے جنگی مساعی میں حصہ لے سکے۔

مسلمان حقائق سے غافل نہیں ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ گاندھی، جواہر لعل نہرو اور ان کے ہم خیال لوگوں کو حکومت برطانیہ کے خلاف سب سے بڑا غصہ یہی ہے کہ مسلمانوں کی خودمختاری کی اصل کیوں تسلیم کی گئی۔ وہ جانتے ہیں کہ ہندوؤں کے نہاں خانۂ دل میں ممکن ہے یہ وہم جاگزیں ہو کہ جاپان ہندوستان میں ہندو راج قائم کر دے گا۔ اس لیے کہ سبھاش چندر بوس اور راش بہاری بوس جیسے لوگ مدت سے جاپان کے ساتھ ساز باز کیے بیٹھے ہیں، لیکن کوئی مسلمان بہ درستی، حواس وہوش کس بنا پر جاپان سے نیکی کی توقع رکھ سکتا ہے۔ مسلمان جانتے ہیں کہ ہندوستان پر جاپان کا تسلط مسلمانانِ ہند کے آزاد مستقبل کے لیے انتہائی مصیبت کا پیش خیمہ ہوگا۔ نیز یہ تسلط ایشیاء اور آس پاس کی آزاد اسلامی حکومتوں کے لیے سخت خطرات پیدا کر دے گا، لہٰذا کیا حکومت برطانیہ کا یہ فرض نہیں کہ آئندہ نظام حکومت میں مسلمانوں کے لیے حق خودمختاری کی جس اصل کو وہ قبول کر چکی ہے، اسے معرضِ عمل میں لانے کے لیے مسلم لیگ کا اطمینان کر دے۔

یہ کام اس لیے بھی ضروری ہے کہ دس کروڑ مسلمانوں پر اس کا بے حد خوشگوار اثر پڑے گا، اور جنگی مساعی میں بدرجہا زیادہ سرگرمی پیدا ہو جائے گی۔ اس لیے بھی ضروری ہے کہ انصاف کا تقاضا یہی ہے، اور حکومت برطانیہ نے اگر محولا بالا اصول کو ازروئے انصاف قبول کیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے معرضِ عمل میں لانے کے متعلق زیادہ سے زیادہ اطمینان بخش اقرار نہ کر لے۔ اس لیے بھی ضروری ہے کہ دشمن کے مقابلے میں گاندھی اور جواہر لعل نہرو وغیرہ یا ان کے ساتھیوں سے کسی سرگرم امداد کی توقع نہیں رکھی جا سکتی، بلکہ یہ امداد انہی لوگوں سے حسب دل خواہ ملے گی، جو حفاظت وطن اور حفاظت جمہوریت کو عقیدۂ

زندگی کا بہت بڑا فرض سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں میں ہندو، آدھرلی، عیسائی، پارسی، سکھ اور دوسری قوموں کے لوگ بھی شامل ہیں۔ ملتِ اسلامیہ کا ایک ایک فرد اسی عقیدہ کا ہے۔

قائداعظم نے بالکل درست فرمایا ہے:

''کانگریس اس وقت سیاسی ''بلیک میل'' میں مشغول ہے۔ ایک خطرناک دشمن ملک کے دروازے پر بیٹھا ہے۔ کانگریس اس نازک صورتحال سے فائدہ اٹھانے پر تلی ہوئی ہے، اور چاہتی ہے کہ حکومت کو مجبور کر کے ایسی حکومت کا مطالبہ منظور کرائے جس میں تین ہندوؤں کے مقابلے میں ایک مسلمان ہوگا، اور عملاً یہاں ہندوراج قائم ہو جائے گا۔''

بلاشبہ کانگریس کی ہر حرکت اور اس کے کارکنوں کی ہر روش سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مشکلات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ہندو راج کی اسکیم منوا لی جائے۔ غور فرمایئے کہ یہ کتنی بے دردی ہے کہ ملک پر حملے کا خطرہ ہے، لیکن کانگریس یا اس کے کارفرما اقوام ہند میں یک جہتی پیدا کرتے ہیں نہ حملے کی روک تھام کے لیے کوئی قدم اٹھانے پر آمادہ ہیں۔ وطنی جماعت کا وظیفہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وطن کی بہبود کو ہر لحظہ پیش نظر رکھے، اور اس کے بہبود کے دو اہم ترین کام یہ ہیں کہ عوام میں اتفاق و خوشدلی موجود رہے، اور باہر سے کسی دشمن کو حملے کا حوصلہ نہ ہو۔ کانگریس ان دونوں کاموں سے نہ محض الگ ہے، بلکہ ان کے لیے ہر سعی کی تخفیف و بیخ کنی میں سرگرم ہے اور کیوں؟ اس لیے نہیں کہ ہندوستان آزاد ہو جائے یا ملک کو فائدہ پہنچے، بلکہ محض اس لیے کہ ہندو اکثریت کو من مانی حکومت قائم کرنے کا موقع مل جائے۔ کوئی شخص لفظی فریب کاری کے جتنے چاہے طومار تیار کر لے، لیکن افسوسناک غرض کے پیش نظر دو اہم ترین وطنی فرضوں سے کانگریس کی بے پروائی اور علیحدگی کے لیے کون سا عذر پیش کر سکتا ہے، اور اس روش کو کس نقطہ نگاہ سے قابل عفو یا قابلِ برداشت سمجھا جا سکتا ہے۔'' (روزنامہ انقلاب، اشاعت: 30 مئی 1942ء)

حفظ الرحمٰن سیوہاری

آپ تحریک آزادی کے مجاہد، عالم دین اور مصنف تھے۔ آپ نے مراد آباد کی جامع مسجد میں قائداعظم محمد علی جناح کی سیاسی بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

''مسلمانوں کے قائداعظم ہونے کے وہ (محمد علی جناح) بجا طور پر مستحق ہیں۔''

اس واضح اعتراف کے باوجود بدقسمتی سے وہ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی آخری وقت تک مخالفت کرتے رہے۔

حفظ الرحمٰن بنام قائداعظم

نئی دہلی 25 مارچ 1947

صدر محترم آل انڈیا مسلم لیگ

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہندوستان کے موجودہ نازک دور میں یہ طرز عمل مسلمانان ہند کے لیے انتہائی خطرناک ہے کہ ہر ایک مسلم جماعت خواہ اس کو مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ نمائندگی حاصل ہو یا کم سے کم، اپنے نقطہ ہائے نظر کو جدا جدا حکومت کے سامنے اور دیگر اقوام ہند کے روبرو اور خود مسلمانوں میں پیش کرے اور اس پر اعتماد کرتی رہے اور حاصل یہ نکلے کہ کوئی نقطہ نظر بھی مثمر اور نتیجہ خیز نہ ہو سکے اور مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑے۔

نقطہ نظر کا یہ اختلاف جمعیت علما ہند اور مسلم لیگ کے

درمیان فروعی ہوتا تو وحدت اور اتحاد کی آسان شکل یہ تھی کہ اگر مسلم لیگ اپنے وقار کے نام پر پیش قدمی کو اپنی توہین سمجھتی تو جمعیت علما ہند اس کو نظرانداز کر کے خود ہی پیش قدمی کرتی اور مسلم لیگ کے ساتھ اتحاد عمل کا اعلان کر دیتی۔ لیکن جب اس مسئلہ میں کہ ''آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے بلند و باعزت مقام کیا ہو، جو ان کے دین اور دنیا دونوں کے تحفظ کا ضامن ہو۔''

جمعیت علما ہند اور مسلم لیگ میں بنیادی اختلاف ہے، اور وہ اختلاف مسلمانان ہند کے سامنے جانبین سے ظاہر ہو چکا ہے تو ایسی صورت میں اسلامی احکام اور عقلی تقاضے کے پیش نظر صرف ایک ہی طریق کار رہ جاتا ہے، اور وہ یہ کہ ممبران اور موئدین کی کثرت وقلت سے قطع نظر کر کے ایک مرتبہ تمام مسلم جماعتوں کے اہل الرائے چیدہ حضرت جمع ہو کر مجلس مشاورت کے ذریعے ایک نقطہ نظر پر جماعتی تعصب سے بالاتر ہو کر وسیع النظری کے ساتھ تبادلہ خیالات کریں، اور موجودہ نقطہ ہائے نظر میں سے کسی ایک کو یا بحث ومباحثہ سے پیدا شدہ کسی نظریہ کو قبول کر کے اس کو متحدہ نظریہ بنا ئیں، اور متفقہ قربانیوں کے ذریعہ حکومت اور دیگر اقوام ہند سے اس کو تسلیم کرا لیں۔ اس باہمی گفت وشنید کے نتیجے میں یہ بات بھی بہ آسانی طے ہو سکتی ہے کہ اتحاد مسئلہ کی خاطر سیاسی پروگرام سے متعلق تمام جماعتوں کی آواز ایک ہی بن جائے۔

آپ جیسے سیاسی مفکر سے پوشیدہ نہیں کہ جون 1948ء میں ہندوستان کو سیاسی طاقت منتقل کرنے کا جو اعلان برٹش حکومت کی جانب سے ہوا ہے۔ اس سے ایک نئی صورتحال پیدا ہو گئی ہے، اور اب وقت نہیں ہے کہ جماعتی تعصب یا ذاتی و جماعتی تفوق و برتری کی قربان گاہ پر مسلمانوں کی زندگی کو قربان کر دیا جائے، اور یہ سمجھ کر کہ ہمارا فیصلہ الہامی ہے دوسری جماعتوں کے مخلص رہنماؤں سے صرف اس لیے کنارہ کیا جائے کہ بعض خصوصی حالات کی بنا پر مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ اکثریت حاصل ہے، بلکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے اکثریت کی مدعی جماعت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس اتحاد کے لیے اقدام کرے۔ جس پر جمعیت علمائے ہند اس وقت اقدام کر رہی ہے، اور اس سے قبل بھی کئی مرتبہ پیش کش کر چکی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اگر غیر لیگی جماعتوں کے نزدیک اسلامی احکام کی روشنی میں ہندوستان کے اندر آئندہ مسلمانوں کو بلند و باعزت مقام حاصل کرنے کے لیے مسلم لیگ کا فیصلہ صحیح نہیں بلکہ مضرت رساں ہے تو ایسی صورت میں مسلم جماعتوں اور ان کے فیصلوں کو نظرانداز کر کے محض یہ دعوت دینا کہ وہ بغیر چون و چرا اپنے ضمیر کے خلاف مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں، اسلامی اور قرآنی حکم ''وشاور ہم فی الامر'' و امرہم شوریٰ بینہم'' کے قطعاً منافی ہے اس لیے میں جمعیت العلمائے ہند کی مجلس شوریٰ کی حالیہ تجویز کے پیش نظر جو اس مکتوب کے ساتھ منسلک ہے۔ مسلم لیگ اور صدر مسلم لیگ کو دعوتِ اتحاد کی پیش کرتا ہوں، اور اسلامی غیرت وحمیت کا واسطہ دے کر مخلصانہ اور دردمندانہ اپیل کرتا ہوں کہ آپ اس پر لبیک کہیں تاکہ مسلمانوں کے لیے کوئی متفقہ لائحہ عمل بن سکے، اور یہ انتشار دور ہو کر آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل روشن ہو سکے۔ میں جمعیت علمائے ہند کی جانب سے یقین دلاتا ہوں کہ اگر اس اسلامی اصول کو مسلم لیگ نے تسلیم کر لیا اور دیگر مسلم جماعتوں کے نمائندوں سے مشاورت کو ضروری سمجھ تو اس کے انعقاد کے لیے مسلم لیگ کی جانب سے جو طریق کار بھی آپ تحریر فرمائیں گے، جمعیت علما ہند اس پر لبیک کہے گی۔

آخر میں مجھے یہ بھی ظاہر کر دینا چاہیے کہ جب تک آپ مجلس مشاورت مرتب نہیں فرمائیں گے مسمانوں کی کسی خاص سیاسی جماعت کا کوئی فیصلہ خواہ اس کی پشت پر وقتی طور پر عوام کی کتنی ہی زبردست اکثریت ہو ''شرعی فیصلہ'' کہلانے کا مستحق

نہیں۔ انعقادِ شوریٰ کے بغیر پارٹی کی ہنگامی اکثریت کو یقیناً یہ حیثیت نہیں دی جاسکتی کہ اس خاص قسم کے فیصلوں سے اختلاف رکھنے والے اصحاب رائے اور ارباب علم ملت اجتماعی فیصلوں کے خلاف کرنے والے سمجھے جائیں۔

محمد حفظ الرحمٰن

سیکرٹری جنرل جمعیت العلماء ہند

حفیظ جالندھری

پاکستان کے قومی ترانہ کے خالق حفیظ جالندھری تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی وفات پر لاہور میں انہوں نے کہا:

''آج پاکستان کی عسکری قوت کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔''

جب ان سے اس جملے کی وضاحت چاہی گئی تو انہوں نے کہا:

''قائداعظم کی ذات میں اتنی قوت تھی جتنی دس ڈویژن فوج میں ہوسکتی ہے۔ اب وہ چلے گئے ہیں تو تم دیکھنا ہندوستان ہمارے ساتھ کیا کرتا ہے۔''

چنانچہ اس کے دو ہی روز بعد ہندوستان نے حیدر آباد پر قبضہ کرلیا۔

حفیظ جالندھری 14 جنوری 1900ء کو جالندھر میں حافظ شمس الدین کے ہاں پیدا ہوئے۔ عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ افواج پاکستان میں بطور ڈائریکٹر جنرل آف مورالز اور معاملات کشمیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ قومی ترانہ لکھا۔ ان کی وفات 21 دسمبر 1982ء کو لاہور میں ہوئی اور مینار پاکستان گراؤنڈ میں انہیں دفن کیا گیا۔

حق گوئی

روزنامہ انقلاب نے اپنی اشاعت 4 اگست 1938ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی حق گوئی کے بارے میں درج ذیل اداریہ تحریر کیا:

''مسٹر جناح نے دہلی کے ایک جلسہ عام میں بعض نہایت روشن حقیقتیں نہایت صاف صاف الفاظ میں بیان کیں۔ آپ نے کہا کہ ابھی تو انگریزوں کا راج ہے ہندوؤں کا نہیں، لیکن کانگریس کو جو تھوڑے بہت بھی اختیار ملے ہیں، ان سے اس کا سر پھر گیا ہے، اور اگر اس کے غرور کی یہی کیفیت رہی تو ملک کبھی آزاد نہ ہوگا۔ آپ نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ کانگریس ایک قوم پرست جماعت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مسلم لیگ حقیقت میں قوم پرست جماعت ہے، اور کانگریس خالص فرقہ پرست ہندوؤں کی جماعت ہے، جو صرف ایک ہی قوم کے اقتدار کے لیے کوشاں ہے۔

تقریر کے آخر میں مسٹر جناح نے فرمایا کہ لیگ کا تصفیہ کانگریس سے ہو یا نہ ہو، یہ بالکل واضح ہے کہ ضعیف اور طاقتور کے درمیان کوئی مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی تصفیہ ہو بھی گیا، اور لیگ میں کوئی قوت نہ ہوئی تو وہ تصفیہ محض ایک پرزہ کاغذ ہوگا۔ جس کی کوئی حقیقت نہ ہوگی، اور کانگریس شرائط اور تصفیہ کی تکمیل نہ کرے گی، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ سب سے پہلے مسلم لیگ کو مضبوط بنائیں۔

مسٹر جناح کا یہ ارشاد کسی تبصرے کا محتاج نہیں ہے۔ مسلم لیگ نے گذشتہ چند ماہ کے اندر جو اہمیت حاصل کی، اس کا یہ اثر ہوا کہ کانگریس کے بڑے سے بڑے لیڈر بھی مسٹر جناح کے آگے پیچھے چکر کاٹنے لگے۔ اگر مسلم لیگ کی تنظیم ہندوستان کے ایک ایک گوشے میں مکمل ہو جائے، اور ہر مسلمان تک اس کا پیغام پہنچ جائے تو نہ صرف تصفیہ آسان ہو جائے گا، بلکہ اس

ابوالاثر حفیظ جالندھری

1900 - 1982

آپ جالندھر میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم جالندھر ہی میں حاصل کی جنگ عظیم دوم کے زمانے میں فوج میں پبلسٹی آفیسر مقرر ہوئے قیام پاکستان کے بعد افواج پاکستان میں ڈائریکٹر جنرل مورال اور امور کشمیر مقرر ہوئے شاعر کی حیثیت سے نظم اور غزل دونوں پر قادر تھے خصوصاً اردو میں گیت کی طرح ڈالنے میں عظمت اللہ خان کے بعد ان کا نام دوسرا ہے۔ بچوں کے گیتوں کے سات مجموعے چھپے ہیں انہیں پاکستان کا قومی ترانہ لکھنے کا منفرد اعزاز حاصل ہوا ہے آپ متعدد ادبی جریدوں کے مدیر بھی رہے ہیں اور متعدد ایوارڈ اور اعزازت حاصل کئے ہیں آپ کی تصانیف میں سب سے اہم شاہنامۂ اسلام ہے جو چار جلدوں میں شائع ہوا۔

تصفیہ کی شرائط کی تکمیل بھی یقینی ہو جائے گی، کیونکہ طاقتور اور منظم قوم کے ساتھ کوئی بدعہدی نہیں کرسکتا۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت: 4 اگست 1938ء)

حق مہر

قائداعظم محمد علی جناح کے نکاح نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ مہر ایک ہزار روپیہ مقرر ہوا تھا، تاہم قائداعظم محمد علی جناح نے رتن بائی کو ایک لاکھ 25 ہزار روپے بطور تحفہ پیش کیے تھے۔

حقانی

آپ کوئٹہ کراچی کے مشہور صحافی تھے۔ آپ نے ایک پندرہ روز نصرت رسالہ کا اجراء کیا۔ اس سے قبل مسلم لیگ کے جلسوں میں عموماً اقبال کا ترانہ، چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا پڑھا جاتا تھا، لیکن جب ''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ'' یہ ترانہ حقانی نے پڑھا تو یہی مسلم لیگ کا ترانہ بن گیا۔ اس کے کچھ بول یہ ہیں:

مسجد کا ترانہ شوق سے گا
کثرت سے نہ ڈر تیرا ہے خدا
مرکز سے پلٹ کر دور نہ جا
مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ

قائداعظم محمد علی جناح خود اپنے لہجے میں ''موزلیم ہے تو موزلیم لیگ میں آ۔'' جلسوں میں پڑھتے تھے اور سارا مجمع اسے دہراتا۔

حقانی 1903 میں پیدا ہوئے تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کے ایک سرگرم رکن کی حیثیت سے ملک و قوم کی نمایاں خدمات انجام دیں۔ جدوجہد پاکستان میں قائداعظم محمد علی جناح، قائد ملت لیاقت علی خان، حاجی عبداللہ ہارون، شیخ غلام حسین ہدایت اللہ اور کئی سرکردہ لیڈروں کے ساتھ رہے۔ 1930ء میں میدان صحافت میں قدم رکھتے ہوئے کراچی سے پندرہ روز نصرت کا اجراء کیا جو ان کی وفات تک مسلسل 28 سال تک شائع ہوتا رہا۔

ان کی یاد میں ادارہ نصرت کلب قائم کیا گیا ہے۔ ان کا انتقال 55 سال کی عمر میں 15 نومبر 1958ء کو ہوا۔

حقیقت پسندی

قائداعظم محمد علی جناح تصنع کو پسند نہیں کرتے تھے، اور جس کام اور جس بات کے لیے خود کو اس کا اہل نہ پاتے تو اس کے اظہار میں بھی کوئی تامل یا گریز نہ کرتے، صاف صاف بتا دیتے۔

ایک مرتبہ قائداعظم محمد علی جناح کے چند عقیدت مندوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے لیے امیر المومنین کا لقب استعمال کیا آپ نے فرمایا:

''میں نہ مذہبی پیشوا ہوں اور نہ روحانی رہنما، اس لیے میں خود کو اس لقب کا سزاوار نہیں پاتا۔''

حکم ماننا

قائداعظم محمد علی جناح نے 12 اپریل 1948ء کو پشاور میں فرمایا:

''آپ کو حکم ماننا سیکھنا چاہیے کیونکہ صرف اسی صورت میں آپ حکم دینا سیکھ سکتے ہیں۔ تعمیل حکم کی صفت پیدا کرنے کے بعد ہی آپ میں حکمرانی کی صلاحیت پیدا ہوسکتی ہے۔''

حکومتِ الٰہیہ

13 جولائی 1947ء کو نامزد گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناح نے یقین دلایا:

''پاکستان کی نوآبادی میں اقلیتوں کے مذہب، تہذیب،

تمدن اور معاشرت کا ہر ممکن تحفظ کیا جائے گا، ان کو ہر صورت میں پاکستان کا شہری تصور کیا جائے گا، اور ان کو شہریت کے تمام حقوق بھی دیے جائیں گے۔ اقلیتوں کا بھی فرض ہے کہ وہ حکومت کی وفادار رہیں اور کسی بھی صورت میں حکومت کا اعتماد نہ کھوئیں۔''

ایک سوال میں پوچھا گیا:

''کیا پاکستان ایک غیر مذہبی حکومت الٰہیہ ہوگی یا وہاں حکومت الٰہیہ قائم ہوگی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''آپ مجھ سے ایسا سوال کر رہے ہیں جو بالکل لغو ہے، اور جس کے کوئی معنی نہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ حکومت الٰہیہ کے کیا معنی ہوتے ہیں؟''

اس موقع پر ایک نامہ نگار نے کہا:

''حکومت الٰہیہ کے معنی ایک ایسی حکومت کے ہیں، جہاں صرف ایک خاص مذہب کی حکومت ہو۔ مثال کے طور پر مسلمان پوری طرح سے شہری ہوں گے، اور غیر مسلموں کو مکمل طور سے وہاں کا باشندہ نہیں سمجھا جائے گا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس کے جواب میں فرمایا:

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اب تک جو کچھ کہا ہے، وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی بطخ کی پیٹھ پر پانی پھینکتا رہا (قہقہہ) مہربانی کر کے آپ ان تمام لغو باتوں کو اپنے دماغ سے نکال دیجیے، جن پر اس وقت گفتگو ہو رہی ہے۔''

قائداعظم نے کہا:

''حکومت الٰہیہ کے کیا معنی ہیں۔ یہ میں بالکل نہیں سمجھتا۔''

اس موقع پر ایک دوسرے نامہ نگار نے کہا:

''حکومت الٰہیہ کا مطلب ہے کہ وہ حکومت جو مولاناؤں کے مشورے سے چلائی جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''انڈیا کی حکومت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، جو پنڈتوں کی طرف سے چلائی جائے گی۔''

(قہقہہ)

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا:

''جب آپ جمہوریت پر غور کرتے ہیں تو مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسلام کا قطعاً مطالعہ نہیں کیا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم آج سے تیرہ سو برس قبل ہی جمہوریت کا مطالعہ کر چکے ہیں۔''

حکومت ہند

30 جولائی 1917ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی میں کامرار جی گوکل داس ہال میں ہوم رول لیگ کے صدر کی حیثیت سے حکومت کے رویہ پر سخت نکتہ چینی کی اور کہا:

''میری آواز فضاؤں کو چیر کر شملے کی بلندی تک پہنچ جائے۔ جہاں وائسرائے دیدہ دانستہ ایسے وقت پر چپ سادھے بیٹھا ہے جب ہندوستان میں سیاسی بیداری کی لہریں لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں تک اتر چکی ہیں۔''

8 اپریل کو قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی کے ایک جلسہ میں حکومت کے اس اقدام کی مذمت کی کہ جنگ عظیم برطانیہ کے لیے اگر زندگی و موت کا مسئلہ ہے تو حکومت ہند کی دستوری اصلاحات کا سوال ہندوستان کے عوام کے لیے بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ انہوں نے وائسرائے کو ایک تار بھی دیا۔

1921ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے رولٹ ایکٹ کے

مسئلہ پر حکومت کی مذمت کی۔

حلف برداری (بحیثیت گورنر جنرل)

پاکستان 14 اگست 1947ء کو رات بارہ بجے معرض وجود میں آ گیا تھا۔ 15 اگست 1947ء کو صبح ساڑھے نو بجے قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے گورنر جنرل کے عہدے کا حلف اٹھایا۔ لاہور ہائیکورٹ کے چیف جسٹس سر عبدالرشید نے ان سے حلف لیا۔ حلف نامہ کے ابتدائی الفاظ یہ تھے:

''میں محمد علی جناح قانون کے مطابق قائم ہونے والے پاکستان کے دستور حکومت سے سچی عقیدت اور وفاداری کا عہد مصمم کرتا ہوں۔''

حلف برداری کی رسم کے بعد گورنر جنرل ہاؤس کی عمارت پر گورنر جنرل کا پرچم اور اس کے باغ میں پاکستان کا قومی پرچم لہرایا گیا۔ گورنر جنرل کا حلف اٹھانے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے حکومت پاکستان کے مرکزی وزراء سے حلف لیا جن کی قیادت بطور وزیراعظم خان لیاقت علی خان نے کی۔ حلف برداری کی اس تقریب میں گورنر جنرل ہاؤس کی چھت پر پاکستان کی بری اور بحری فوج کے نمائندے معزز شہری، منتخب سیاستدان اور غیر ملکی نمائندے موجود تھے۔

حلف کے بعد قائداعظم محمد علی جناح سبزہ زار آئے جہاں انہیں 15 بلوچ رجمنٹ نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔

اس کے بعد مسلم نیشنل گارڈز نے قائداعظم محمد علی جناح کو سلامی پیش کی۔ قائداعظم محمد علی جناح اس وقت وقار و متانت کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ جب نیشنل مسلم گارڈ پاکستان کے پہلے سربراہ کو سلامی پیش کر رہے تھے تو ہزاروں افراد نے دیکھا کہ قائداعظم محمد علی جناح کی آنکھوں میں خیرہ کن چمک تھی اور ان کا چہرہ شاداب تر ہو گیا۔

(دیکھئے: پہلا دن)

حلف، لیجسلیٹو اسمبلی (ممبر)

21 جنوری 1935ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر کا حلف اٹھایا۔

اس روز بمبئی کانگریس کی جانبداری میں ہوم ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے جاری کیے گئے ایک خفیہ سرکلر کی مباحث میں حصہ لیا۔ انہوں نے کانگریس کے ممبر سے اس ضمن میں استفسار بھی کیا۔

حلف نامہ

حلف نامہ: ''حصولِ پاکستان کے لیے ہر قسم کی قربانی کا عادہ''
مسلمان وہ ہے جو ہمیشہ راضی برضا رہے۔ اس کا مرنا جینا سب خدائے کریم کی خوشنودی کی خاطر ہو۔''

اپریل 1942ء میں انگریزوں اور کانگریس نے سازش کی، اور بظاہر یہ امکان پیدا کر دیا:

''پاکستان نہیں بننے دیا جائے گا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مرکزی اسمبلی اور تمام صوبائی مجالس آئین ساز کے مسلم ممبروں کا ایک کنونشن دہلی میں بلایا، اور ایک مرتبہ پھر مطالبۂ پاکستان کا اعادہ کیا، اور ساتھ ہی ساتھ سب نے ایک حلف نامہ پر دستخط کیے۔ یہ حلف نامہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾

''کہہ دو کہ میری نماز میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔'' (سورہ الانعام 162)

میں..... رکن مسلم لیگ پارٹی صوبائی لیجسلیٹو اسمبلی کونسل صوبہ..... اپنے پختہ عقیدہ کا اعلان کرتا

ہوں کہ برکوچک ہند میں بسنے والی مسلم قوم کی نجات، اس کی سلامتی، اس کا تحفظ اور اس کا مستقبل، حصولِ پاکستان میں مضمر ہے، اور پاکستان ہی اس وسیع بر کوچک کے پیچیدہ دستوری مسائل کا حل ہے۔ باوقار اور معقول حل ہے، اور اس کے ذریعے یہاں بسنے والی تمام قوموں اور فرقوں کو امن، آزادی اور خوشحالی حاصل ہوسکتی ہے۔

میں بہ صمیم قلب اقرار کرتا ہوں کہ اس مقصد عزیز یعنی پاکستان کو حاصل کرنے کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے جو تحریک بھی روبہ عمل لائی جائے گی، اور اس سلسلہ میں جو ہدایات و احکام جاری کیے جائیں گے، میں بلا پس و پیش کمال رضامندی کے ساتھ ان کی پوری پوری تعمیل کروں گا، اور اس امر کا یقین کامل رکھتے ہوئے کہ میرا مقصد و مدعا حق و انصاف پر مبنی ہے۔ میں عہد کرتا ہوں کہ اس راہ میں جو خطرات اور آزمائشیں پیش آئیں گی، اور جن قربانیوں کا مطالبہ ہوگا، انہیں برداشت کروں گا۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

''اے پروردگار ہمیں صبر و استقامت دے ہمیں ثابت قدم رکھ اور قوم کفار پر ہمیں فتح و نصرت عطا فرما۔''

(سورہ الاعراف 126)

دستخط۔۔۔

مورخہ۔۔۔

تمام اراکین مسلم لیگ نے ''حلف نامہ'' پر دستخط کرنے کے بعد حصولِ پاکستان کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے اور ہر قسم کی قربانی دینے کا عہد کیا۔ اس ''حلف نامہ'' پر دوسروں کی طرح خود قائداعظم محمد علی جناح نے بھی دستخط ثبت فرمائے تھے۔ یہ بڑا اثر آفرین اور جذبات انگیز موقع تھا۔ ''حلف نامہ'' پر دستخط کرنے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے ایک ولولہ انگیز تقریر فرمائی۔ جس میں ''مذہب اسلام'' کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار فرمایا:

''ہم کس لیے جدوجہد کر رہے ہیں؟ ہمارا نصب العین کیا ہے؟ ہمارا مقصد تنگ نظری اور تعصب نہیں، ہم اس مملکت کا قیام نہیں چاہتے، جو تنگ نظری اور مذہبی تعصب پر قائم ہو۔ مذہب ہم کو انتہائی محبوب ہے۔ مذہب کے مقابلہ میں تمام دنیاوی چیزیں ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، لیکن بعض دوسرے امور بھی ناگزیر ہیں، جو ملی زندگی کے لیے اہم اور ناگزیر ہیں۔ مجلسی زندگی اور اقتصادی زندگی بھی قوم کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ سیاسی قوت کے بغیر آپ اپنے مذہب کی حفاظت نہیں کر سکتے، اور آپ کی اقتصادی زندگی کا بھی تحفظ نہیں ہوسکتا۔''

حلیہ

قائداعظم محمد علی جناح وجیہہ شکل تھے۔ ان کا رنگ گورا، آنکھیں گہری بھوری، دائیں گل پر تل تھا۔ آپ کا قد 5 فٹ 11 انچ تھا۔

حمید اللہ خان، نواب! (نواب آف بھوپال)

انہوں نے گاندھی سے ایک کاغذ پر لکھوا کر قائداعظم محمد علی جناح کو پیش کردیا:

''مسلم لیگ مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔''

نواب آف بھوپال 9 ستمبر 1894ء کو پیدا ہوئے۔ نواب

سلطان جہاں بیگم کے سب سے چھوٹے اور چہیتے فرزند تھے۔ علی گڑھ میں تعلیم مکمل کی اور مئی 1926ء میں والی بھوپال بنے اور 1947ء تک اسی منصب پر فائز رہے۔

انہوں نے ریاست کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے سنبھالا اور ریاستوں کے حقوق کے لیے سرگرمی سے کام کرتے رہے۔ ایوان والیان ریاست کے چانسلر بھی منتخب ہوئے۔ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔

نواب آف بھوپال کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا چانسلر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ سکندر صولت افتخار الملک کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ نواب آف بھوپال کا انتقال 21 فروری 1960ء کو دل کا دورہ پڑنے سے ہوا۔

حمید نظامی (بانی نوائے وقت)

آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس دہلی میں "نوائے وقت" کے ایڈیٹر حمید نظامی نے قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر کے چند پہلوؤں سے اختلاف کیا، تقریر ختم ہوئی تو حمید نظامی کا خیال تھا کہ قائداعظم ناراض ہوں گے، اس لیے وہ قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ شفقت و محبت سے پیش آئے اور انہیں اپنے افکار و خیالات کو جرأت سے پیش کرنے پر مبارکباد دی۔ اس سے حمید نظامی کا حوصلہ بلند ہوا اور انہوں نے حق گوئی اور بے باکی کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی حق گوئی و بے باکی پر انہیں آتش نوا کا خطاب دیا۔

مضمون قائداعظم (از حکیم آفتاب احمد قرشی)

25 دسمبر 1975ء نوائے وقت لاہور

حمید نظامی کا شمار تحریک پاکستان کے نامور مجاہدین میں ہوتا ہے۔ آپ نے تحریک پاکستان کی اشاعت کے لیے ایک ہفت روزہ اخبار ندائے ملت کا اجراء کیا۔ بعد میں قائداعظم محمد علی جناح کے ایما پر اسے روزنامہ میں تبدیل کیا اور اس کا نام نوائے وقت رکھا۔ یہ اخبار آج تک اشاعت پذیر ہے۔ حمید نظامی 1918ء میں سانگلہ ہل (ضلع شیخوپورہ) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے وہیں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں 1934ء میں داخلہ لیا۔ 1938ء میں اسلامیہ کالج سے بی اے اور ایف سی کالج سے 1940ء میں ایم اے انگلش کیا۔ اسلامیہ کالج میگزین کریسنٹ کے اسسٹنٹ ایڈیٹر رہے۔ کالج کے سالنامہ "فروغ مشرق" کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔ اسلامیہ کالج میگزین میں مزاحیہ مضامین بھی لکھتے رہے۔

1937ء میں کالج یونین کے سیکرٹری چنے گئے۔ کئی تقریری مقابلوں میں انعامات حاصل کیے۔ اسی سال پنجاب مسلم فیڈریشن قائم ہوئی۔ آپ اس کے بانیوں میں سے تھے۔ آپ اس فیڈریشن کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ امرتسر، جالندھر، لدھیانہ اور گوجرانوالہ میں جلسوں سے خطاب کیا اور مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی شاخیں قائم کیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں جو اسی سال لکھنؤ میں مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ہوا۔ آپ نے شرکت کی۔ ستمبر 1937ء سے اپریل 1938ء تک علامہ اقبال سے تین یا چار بار طویل ملاقاتیں کیں۔

1940ء میں لاہور سے روزنامہ نوائے وقت جاری کیا جو تاحال جاری ہے۔ اس روزنامہ نے مسلم لیگ کے ترجمان کی حیثیت سے اہم کردار ادا کیا۔

1940ء میں ایم اے کیا تو معاش کا سوال سامنے تھا۔ کئی راہیں کھلی تھیں لیکن طبیعت کا میلان صحافت کی طرف تھا انہی دنوں اپنے ایک دوست کے لیے جو آئی سی ایس کا امتحان دے رہے تھے ادبیات اردو کا چار سو صفحات کا ایک خلاصہ تیار کیا جو لاہور کے ایک معروف پبلشر نے اپنے نام سے چھاپا چنانچہ اب تک اس کے کئی ایڈیشن فروخت ہو چکے ہیں۔ 1940ء میں ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا میں تین ماہ تربیت حاصل کی۔

یہی خبر رساں ایجنسی قیام پاکستان کے بعد ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان میں تبدیل ہوگئی۔ اور رینٹ پریس آف انڈیا کے لاہور میں ناظم مقرر ہوئے جو متحدہ برصغیر میں مسلمانوں کی واحد خبر رساں ایجنسی تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد حمید نظامی مسلم سٹوڈنٹس کے سرگرم اور ممتاز کارکن رہے۔ مسلم طلبا کی اس تنظیم کو مسلم لیگ کی تحریک پاکستان میں ہراول دستے کی حیثیت حاصل تھی اور حمید نظامی فیڈریشن کے روح رواں تھے۔ پنجاب کی سیاسیات کے سلسلہ میں قائداعظم محمد علی جناح حمید نظامی کے مشورہ کو انتہائی اہمیت دیتے تھے۔

حمید نظامی آزادی پسند اخبار نویسوں کی بین الاقوامی تنظیم انٹرنیشنل پریس انسٹیٹیوٹ کے ساتھ اس کے آغاز و قیام 1952ء میں ہی وابستہ ہو گئے تھے، اور اس ادارہ کی طرف سے مختلف یورپی ممالک میں نمائندگی کرتے رہے۔ علاوہ ازیں وہ دولت مشترکہ کی اخباری تنظیم کامن ویلتھ پریس یونین میں بھی سرگرم حصہ لیتے رہے۔ سال کے آخر میں جب کامن ویلتھ پریس یونین کا اجلاس پاکستان میں طے پایا تھا تو وہ اس کے انتظامات اور پروگرام طے کرنے کے لیے لندن تشریف لے گئے تھے۔ کراچی کے بعد جب اس یونین کا اجلاس دہلی میں ہوا تو اس اجلاس میں انہوں نے ہی پاکستانی وفد کی قیادت کی، اور کراچی اور دہلی کے جلسوں میں اس بات پر خصوصاً زور دیا کہ وہ دولت مشترکہ کے اخباروں کو ایک دوسرے ملک کی خبریں شائع کرنے کی طرف خاص توجہ کرنی چاہیے اور بڑے اخبارات کو پاکستان میں بھی اپنے خاص نمائندے مامور کرنے چاہئیں تاکہ وہ پاکستان کے متعلق بے لاگ اطلاعات بھیج سکیں۔

آپ کا انتقال 25 فروری 1962ء میں ہوا۔

حمیدہ فاطمہ، سیدہ

انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے عنوان سے قائداعظم کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا:

فضا وہ پہلی سی پہلا سا وہ سماں نہ رہا
سروں پہ سایہ فگن تھا جو آسماں نہ رہا
گلوں کی آنکھ میں آنسو ہیں اس لیے شاید
جو باغباں تھا چمن کا وہ باغباں نہ رہا
جہاں حسین تھیں راتیں جہاں حسین تھے دن
زمانہ بدلا کچھ ایسا کہ وہ جہاں نہ رہا
وہ راہ حق کا مسافر وہ قائداعظم
وہ قافلہ کا جو تھا میر کارواں نہ رہا
اب اور کون حفاظت کرے گا ملت کی
وہ ملک و قوم کی عظمت کا پاسباں نہ رہا
حمیدہ جس سے چمک تھی وطن کے ذروں میں
وہ آفتاب حکومت، وہ حکمراں نہ رہا

(روزنامہ مشرق، 11 ستمبر 1984ء)

حنیف شاہد

(دیکھیے: شاہد محمد حنیف)

حیات بخش، میاں

آپ راولپنڈی میں 1899ء میں پیدا ہوئے، اور بی ایس سی انجینئرنگ کرنے کے بعد ریپکو میں ملازمت اختیار کر لی اور چیف انجینئر کی حیثیت سے 1966ء میں سبکدوش ہوئے۔ 1936ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح پہلی بار راولپنڈی تشریف لائے تو آپ نے ہی قائداعظم محمد علی جناح کے جلسے کا اہتمام کیا۔ راولپنڈی میں مسلم لیگ کے قیام کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ میاں حیات بخش مسلم لیگ کے صدر اور نائب صدر بھی رہے۔ پنجاب سوشل ویلفیئر بورڈ کے چیئرمین بھی رہے۔ قبل ازیں محکمہ اوقاف پنجاب کے آٹھ ماہ تک گورنر کے

حمید نظامی

1962 - 1915

آپ تحریک پاکستان کے رہنما اور ممتاز صحافی تھے۔ 1934ء میں آپ نے اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ 1937ء میں کالج یونین کے سیکرٹری منتخب ہوئے اسی سال پنجاب میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی تشکیل نو کے لیے سرگرم عمل ہوئے اور اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے آپ کی کوششوں سے صوبہ بھر میں فیڈریشن کی برانچیں قائم ہوئیں اور طلبہ تحریک پاکستان کے لیے منظم اور متحرک ہوئے۔ 23 مارچ 1940ء کے تاریخی اجلاس کے موقع پر آپ نے قائداعظمؒ کی ہدایت پر پندرہ روزہ نوائے وقت جاری کیا جو چار سال بعد روزنامہ بن گیا اس روزنامے نے مسلم لیگ کے ترجمان کی حیثیت سے تحریک پاکستان کو پروان چڑھانے کے لیے اہم کردار ادا کیا آپ ساری زندگی اپنے زورِ قلم اور زبان سے عوام کے حقوق کے تحفظ کے لیے اور ظلم وتشدد کے خلاف آواز بلند کرتے رہے اور ایک جمہوریت پسند صحافی کی حیثیت سے آمرانہ ہتھکنڈوں کا جرأت مندی سے مقابلہ کرتے رہے۔

مشیر رہے۔ 1981ء میں مجلس شوریٰ کا قیام عمل میں آیا تو وہ اس کے رکن نامزد ہوئے۔ (قائداعظم اور راولپنڈی منظور الحق)

حیات، ڈاکٹر ملک عمر

آپ اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل تھے آپ نے قائداعظم محمد علی جناح کی ایک آواز پر طالب علموں کی کتابیں بند کروادیں اور ان کو کتاب آزادی تحریر کرنے کے لیے میدان میں دھکیل دیا۔

قیام پاکستان کے بعد آپ کو پنجاب یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کیا گیا تو آپ نے تعلیمی دنیا میں ہندو پروفیسروں کے جانے سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا اسے پورا کیا۔ دوسری طرف لاکھوں مہاجرین کی خدمت اور بحالی کے لیے رضا کار مہیا کیے، اور اس خدمت کے صلے میں آپ کو بغیر امتحان کے ڈگریاں دیں۔ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے لیے سینکڑوں رضا کار ٹولیاں روانہ کیں۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں جرأت مند نمائندگی کی، پھر بھارت انڈونیشیا، جرمنی اور جاپان میں پاکستان کے سفیر رہے۔ 1963ء میں ملک میں واپسی پر پشاور یونیورسٹی نے انہیں پروفیسر ایمرسس مقرر کیا۔ آخری انٹرویو پروفیسر وارث میر کو دیا۔ 91 برس کی عمر میں 28 مئی 1982ء کو وفات پائی۔

حیات قائداعظم

اس کتاب کو چودھری سردار محمد خان بی اے نے مرتب کیا اور پبلشرز یونائیٹڈ نے اگست 1949ء میں طبع کیا۔ اس سے قبل یہ کتاب فروری 1947ء میں بمبئی سے شائع ہوئی۔ اس سے قبل مصنف نے اسے اپنے بھائی مختار احمد کے نام منسوب کیا۔ یہ کتاب 702 صفحات پر مشتمل ہے، اور اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی لمحہ بہ لمحہ زندگی کو بڑے دلچسپ اور آسان پیرائے میں قلم بند کیا گیا ہے۔

حیات قائداعظم

یہ ایک سوالاً جواباً کتاب ہے، اس کتاب کو اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ یہ تحریک پاکستان کی مربوط تاریخ بن گئی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے تحریک پاکستان کی پوری داستان عیاں ہو جاتی ہے۔

اس کتاب کو راقم الحروف نے تحریر کیا۔ حکومت پاکستان نے اس کاوش پر صدارتی ایوارڈ دے کر حسنِ کمال کا اعتراف کیا گیا۔ یہ کتاب روبی پبلی کیشنز لاہور سے طبع ہوئی۔

حیات قائداعظم (چند نئے پہلو)

اس کتاب کے مرتب پروفیسر احمد سعید ہیں اور قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد نے اس کتاب کو شائع کیا۔ یہ کتاب 124 صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے ان پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے جو ابھی تک گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس کتاب میں ابتدائی دور میں جداگانہ انتخاب کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح کا رویہ، ابتدائی معاشرتی، سیاسی سرگرمیوں، تنازعہ مسجد شہید گنج میں مصالحتی کردار، غازی علم الدین شہید اور گنگادھر تلک کے مقدمات میں پیروی۔ پارلیمانی بورڈ کے قیام کے سلسلے میں پنجاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی مخالفت اور ان کی حکمت عملیوں سے متعلق مسلم پریس کے رویے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ بڑی مفید اور معلومات افزاء کتاب ہے۔

حیات قائد کے آخری پچاس دن

جب سرکاری سطح پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس سال قرارداد پاکستان کی گولڈن جوبلی منائی جائے گی تو اسکالر حضرات نے

اس میں حصہ لینے کے لیے تحریک پاکستان اور قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر کتابیں لکھنی شروع کیں۔ پنجاب یونیورسٹی کی جانب سے بھی قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے آخری دنوں کے بارے میں ایک کتاب شائع کی گئی ہے جس کا عنوان ہے: ''قائداعظم کی زندگی کے آخری پچاس دن'' اور شاید گولڈن جوبلی کے پچاس سالوں سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے ان کی زندگی کے آخری پچاس دنوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح صرف بانی پاکستان ہی نہ تھے بلکہ قوم پاکستانی انہیں اپنی جان سے بھی عزیز سمجھتے تھے۔ اس لیے انہیں بابائے قوم کا خطاب دیا گیا، لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک ان کی کوئی مستند سوانح حیات شائع نہیں کی گئی۔ اس وقت تک اگرچہ ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں درجنوں کتب شائع ہو چکی ہیں لیکن ان میں بعض حقائق سے اغماض برتا گیا ہے۔ انہی میں سے ایک تلخ حقیقت قائداعظم محمد علی جناح کے آخری بیماری کے دنوں میں مسلم لیگ کے بڑے بڑے لیڈروں کا ان کے ساتھ نامناسب سلوک تھا۔ کتاب کے مصنف خالد محمود ربانی نے ان کے اس طرز عمل کو تاریخی دستاویز کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ اس مقصد کے لیے مصنف نے صرف تاریخی مواد پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان دنوں جو ڈاکٹر صاحبان قائداعظم محمد علی جناح کے علاج معالجے پر مامور تھے ان کے انٹرویو بھی حاصل کیے۔ انسان کے اعلیٰ کریکٹر کا صحیح علم اس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی مصیبت یا پریشانی میں مبتلا ہو۔ قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے یہ آخری پچاس دن اس پریشان کن بیماری کی اذیتوں کو برداشت کرتے ہوئے گزرے کہ جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔

ان دنوں قائداعظم محمد علی جناح اگرچہ عملاً بستر مرگ پر تھے، لیکن اس کے باوجود ان میں جو تھوڑی بہت توانائی موجود تھی۔ وہ اسے قوم کے مفاد کے لیے خرچ کر رہے تھے۔ اہم سرکاری فائلیں انہیں پیش کی جاتیں، اور وہ اہم معاملات کے بارے میں قوم کی رہنمائی کرتے رہتے۔ (صفحہ 28) مثلاً جب ان دنوں کشمیر کے بارے میں فائل تیار کر کے ان کی منظوری کے لیے پیش کی گئی تو اس میں انہیں بڑے نقائص نظر آئے اور انہوں نے نئے سرے سے یہ کیس خود تیار کروایا۔ ان کے معالجوں نے تجویز پیش کی کہ ان کے علاج میں مدد دینے کے لیے کچھ غیر ملکی ڈاکٹروں کی خدمات بھی حاصل کر لی جائیں لیکن آپ نے اس تجویز کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ لاکھوں کی تعداد میں مہاجر ہندوستان سے آ رہے ہیں۔ جنہیں مالی امداد کی سخت ضرورت ہے۔ اس لیے میری ضرورت پر ان کی ضروریات کو زیادہ ترجیح دی جائے، اپنے اوپر خرچ کے بارے میں وہ بڑے محتاط تھے، یہاں تک کہ جب کہ ایک معالج نے آپ کی ضرورت سے زیادہ کپڑا خرید لیا تو اس پر آپ نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا (صفحہ 18)

قائداعظم محمد علی جناح قیام پاکستان سے پہلے ہی ایک مہلک مرض میں مبتلا تھے۔ اس وقت ان کا جو ایکسرے لیا گیا تھا اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح زیادہ سے زیادہ ایک دو سال مزید زندہ رہ سکیں گے۔ ان کی اس بیماری کا علم ان کی وفات کے بعد ہوا۔ اس کی روشنی میں یہ کہا گیا کہ اگر ہندو کانگریس یا انگریزوں کو آپ کی اس بیماری کا پہلے علم ہوتا تو وہ ہندوستان کی آزادی کے معاملے میں ایک دو سال کی دیر کر دیتے اور اسی اثناء میں قائداعظم محمد علی جناح وفات پا جاتے تو پھر مسلمانوں کو آسانی سے پاکستان کے حصول سے محروم کیا جا سکتا تھا، لیکن جب قائداعظم محمد علی جناح کے بمبئی کے ذاتی معالج ڈاکٹر پٹیل نے ان کے ایکسرے کی روشنی میں ان کی مہلک بیماری کا ذکر کیا تو آپ نے اس سے درخواست کی کہ

ان کی اس بیماری کا کسی کو علم نہیں ہونا چاہیے، یہاں تک کہ ان کی بہن محترمہ مس فاطمہ جناح کو بھی اس بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔ (ص 14)

بعد میں جب آپ کی زندگی کے آخری دنوں میں آپ کے معالجوں نے اس مہلک بیماری کا ذکر کیا تو اس وقت بھی قائداعظم محمد علی جناح نے یہ کہہ کر معاملہ رفع دفع کرنے کی کوشش کی کہ انہیں کوئی مہلک بیماری نہیں ہے، بلکہ زیادہ کام اور تھکاوٹ کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوگئی ہے۔ کچھ دنوں کے آرام کے بعد ان کی حالت سنبھل جائے گی۔ اس لیے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کی اس بیماری کے دوران پاکستان کے وزیراعظم خان لیاقت علی خاں اور دوسرے وزراء کا طرزِ عمل اچھا نہیں تھا۔ اس سارے عرصے میں وزیراعظم صاحب نے صرف ایک یا دو دفعہ بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کو ملنے کی زحمت گوارا کی، بہت سے وزیر تو ایک دفعہ بھی آپ سے ملنے نہ گئے۔ یہاں تک کہ جب بیماری کی حالت میں قائداعظم محمد علی جناح کوئٹہ سے کراچی تشریف لائے تو ہوائی اڈہ پر ایک بھی وزیر موجود نہیں تھا۔

ہوائی اڈے سے آپ کو گورنمنٹ ہاؤس منتقل کرنے کے لیے جو ایمبولینس گاڑی بھیجی گئی تھی اس کا پٹرول راستے میں ہی ختم ہوگیا، اور دوسری ایمبولینس کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کو کئی گھنٹے سڑک پر ہی انتظار کرنا پڑا۔ انتظار کے اس سارے عرصے میں آپ پہلی ایمبولینس میں نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑے رہے۔ آس پاس کا علاقہ غلاظت سے اٹا ہوا تھا۔ اس غلاظت پر بیٹھنے والی مکھیوں نے آپ پر حملہ کر دیا۔ انہیں دور کرنے کے لیے ایمبولینس میں کوئی چیز نہیں تھی، آپ کی انگریز نرس نے کہیں سے گتے کا ایک ٹکڑا تلاش کر کے آپ سے مکھیوں کو دور کیا۔ اس بارے میں ان لوگوں کی طرف سے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کی کوئٹہ سے واپسی نجی نوعیت کی تھی، اور پروٹوکول کے مطابق وہاں پر وزراء کی موجودگی ضروری نہیں تھی۔ (ص 40)

لیکن خیال رہے کہ قائداعظم محمد علی جناح صرف سربراہ مملکت ہی نہیں تھے بلکہ انہیں بابائے قوم کا بھی مرتبہ حاصل تھا۔ پروٹوکول کے لیے نہ سہی ان کے اعلیٰ مقام کی وجہ سے بھی وزراء کی جانب سے ان کی عزت افزائی کے لیے ہوائی اڈے پر ان کا استقبال کیا جاتا تو اس سے خود ان وزراء کی بھی عزت افزائی ہوتی، لیکن ان وزراء کا ہوائی اڈے پر موجود ہونا تو کجا گورنمنٹ ہاؤس تک انہیں پہنچانے کا کوئی مناسب انتظام نہیں کیا گیا تھا، بعض حلقوں کی جانب سے یہ الزام بھی لگایا گیا کہ جس طرح نیم بے ہوشی کی حالت میں انہیں کئی گھنٹوں تک ناکارہ ایمبولینس میں انتظار کرنا پڑا تو اس سے ان کی حالت مزید بگڑ گئی جو ان کی جلدی موت کا سبب بن گئی، کتنے افسوس کی بات ہے کہ ان سیاسی لیڈروں جنہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی کوششوں کے نتیجے میں یہ مقام حاصل کیا تھا، ان کی اس تکلیف دہ بیماری کے دنوں میں اتنے خودغرض ہو گئے تھے کہ انہیں کوئی آرام پہنچانے کی بجائے الٹا ان کی اذیت کا سبب بن گئے۔ یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے پاکستان سٹڈی سنٹر کی جانب سے شائع کی گئی ہے۔ مصنف نے تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہماری نوجوان نسل کو قائداعظم محمد علی جناح کے اعلیٰ اخلاق کا اندازہ ہو سکے گا، اور اس کے ساتھ ہی مسلم لیگ کے دوسرے لیڈروں کا بھی اس نازک وقت پر بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ نازیبا سلوک کی جھلک بھی سامنے آ جائے گی۔

(جدوجہد قیام پاکستان، از پروفیسر رفیع اللہ شہاب)

حیات نامہ جناح

یہ کتاب نسیم لیہ نے لکھی۔ انہوں نے یہ کتاب 1945ء کے بعد لکھی۔ ان کا اصل محمد عبدالسمیع ہے۔ وہ مولانا غلام نبی کے ہاں 31 اگست 1929ء کو لیہ میں پیدا ہوئے۔ نویں جماعت کا امتحان پاس کر کے تعلیم کو خیر باد کہہ دیا، پھر ملازمت اختیار کی۔ 1944ء میں انہوں نے شاعری کا آغاز کیا۔ محمد شفیع خان عاصی سے اصلاح لیتے رہے۔ 1948 میں پہلی غزل ہفت روزہ نظام جدید لاہور میں شائع ہوئی۔

حیدر آباد دکن

◆ 6 جولائی 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح حیدر آباد دکن تشریف لے گئے ہوائی اڈے پر ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے وہاں دس روز قیام کیا۔ اس دوران انہوں نے چند اہم فیصلے کیے جنہیں برصغیر کی قسمت کے فیصلے میں بڑا دخل ہے۔

انہی دنوں وہاں نواب چھتاری وزیراعظم تھے۔ حیدر آباد کے مشنری ہسپتال میں واقع ایک بوسیدہ مسجد کو گرانے پر نواب صاحب کے خلاف مظاہرے ہوئے اور انہیں اپنی جان بچانا مشکل ہوگئی۔ اس موقع پر ریاست کی واحد مسلمہ جماعت اتحاد المسلمین نے 9 اگست 1946ء میں میرزا اسماعیل کو نواب چھتاری کی جگہ وزیراعظم مقرر کیا لیکن ان کے سیاسی نظریات اور کردار سے تمام مسلمان واقف تھے چنانچہ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی جسے قائداعظم محمد علی جناح نے قبول کر لیا۔ نظام حیدر آباد کو سمجھانے کی کوشش کی وہ نواب میرزا اسماعیل کو وزیراعظم مقرر نہ کریں۔ نظام حیدر آباد نے اس کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی۔

قائداعظم محمد علی جناح دوسرے روز نواب صاحب سے ملے۔ بوقت ملاقات سازش کے سرغنہ ہوش یار جنگ بھی موجود تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کو ایک دوسرے کمرے میں لے جایا گیا۔ نظام کمرے میں داخل ہوئے تو قائداعظم محمد علی جناح سگریٹ پی رہے تھے۔ نظام آداب مہمانی بھول گئے، اور قائداعظم محمد علی جناح پر برس پڑے کہ وہ شاہی آداب سے واقف نہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے نظام حیدر آباد کی یہ بات سن کر سگریٹ پھینک دیا اور کہا:

> ''اگر آپ کو یہ بات ناگوار گزری ہے تو مجھے اس پر سخت افسوس ہے۔''

لیکن اس کے باوجود نظام حیدر آباد نے قائداعظم محمد علی جناح سے بات کرنے سے انکار کر دیا جب قائداعظم محمد علی جناح نے یہ صورت حال دیکھی تو رخصت مانگی اور محل سے چلے آئے۔ یہ تمام واقعہ دس منٹ میں ظہور پذیر ہوا۔

عوام نے یہ بات سنی تو نظام کے مسلمانوں کے ایک مسلم رہنما کے ساتھ بدسلوکی کرنے پر شدید احتجاج ہوا۔ اس واقعہ کے بعد قائداعظم محمد علی جناح ایک ہفتہ حیدر آباد دکن رہے لیکن پھر وہ نظام سے نہ ملے۔ وزیر اصلاحات نواب معین یار جنگ نے صلح کرانے کی بہت کوشش کی لیکن اس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس ضمن میں جو رائے قائم کی وہ یہ تھی:

> ''نظام خطرناک راستے پر چل رہے ہیں اگر وہ اپنے فیصلے پر قائم رہے تو دو سال کے اندر اندر وہ اپنی ریاست سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے کیونکہ میرزا اسماعیل کو وزیراعظم بنا کر وہ مسلمان عوام کا اعتماد کھو بیٹھیں گے اور اس کے نتائج تباہ کن ہوں گے۔''

بالآخر 17 ستمبر 1948 کو قائداعظم محمد علی جناح کی پیش گوئی اس وقت حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی جب حیدر آباد پر

بھارت کا قبضہ ہو گیا۔

◆ قائداعظم محمد علی جناح نے 11 جولائی 1946ء کو حیدرآباد دکن میں ایک عظیم الشان جلسہ عام سے خطاب فرمایا تھا۔ اورینٹ پریس کی اطلاع کے مطابق قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانانِ دکن کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا:

''مملکت نظام میں مسلمانوں کی تعداد صرف 25 لاکھ ہے اور وہ اقلیت میں ہیں، لیکن انہوں نے شجاعت، مستقل مزاجی اور ایمان و ایقان کی قوت سے دولت آصفیہ کی تاریخ میں حیرت انگیز اور نمایاں ترین حصہ لیا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانانِ دکن کو اپنی پوری ہمدردی کا یقین دلاتے ہوئے فرمایا:

''جغرافیائی حدود اسلام کے عالمگیر رشتہ اخوت کو منظم نہیں کر سکتیں، تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، اور انہیں مصیبت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔ مسلمانانِ حیدرآباد کو میرا مشورہ یہ ہے کہ لیڈروں کے انتخاب میں وہ ہمیشہ احتیاط کریں، آدھی جنگ تو لیڈروں کے صحیح انتخاب ہی سے فتح ہو جاتی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے حیدرآباد کے خلاف کانگریسی شرانگیزیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''ہندوستان میں کوئی قابلِ ذکر جماعت ایسی موجود نہیں، جو ریاستوں میں ذمہ دار حکومت کے قیام کی حامی نہ ہو، لیکن ہر مقام کے حالات دوسرے مقام سے مختلف ہیں، اور ساری دنیا کے لیے ایک ہی دستور مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ انگلستان، فرانس، امریکہ اور روس وغیرہ میں کیا ایک ہی دستور رائج ہے۔ اگر نہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہندوستانی ریاستوں پر ایک ہی دستور مسلط کرنے کی کوشش کی جائے۔ انصاف اور حق خود ارادی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ریاست کو اس کے حالات کے مطابق دستور مرتب کرنے کا حق دیا جائے۔ حیدرآباد و کشمیر کے حالات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ تاریخ کا ہر مبصر مجھ سے اتفاق کرے گا کہ ان دونوں کی تاریخ و روایات میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اس وقت میدانِ سیاست میں ہندوستان کی جنگ ہو رہی ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ کون فتح یاب ہوگا۔ علم غیب خدا کو ہے، لیکن میں ایک مسلمان کی حیثیت سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم قرآن مجید کو اپنا آخری اور قطعی رہبر بنا کر شیوہ صبر و رضا پر کاربند رہیں، اور اس ارشادِ خداوندی کو کبھی فراموش نہ کریں کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں تو ہمیں دنیا کی کوئی ایک طاقت یا کئی طاقتوں کا مجموعہ بھی مغلوب نہیں کر سکتا۔

ہم تعداد میں کم ہونے کے باوجود فتح یاب ہوں گے، اور اس طرح فتح یاب ہوں گے، جس طرح مٹھی بھر مسلمانوں نے ایران و روم کی سلطنتوں کے تختے الٹ دیے تھے۔''

تقریر کے آخری حصے میں قائداعظم محمد علی جناح نے ارشاد فرمایا:

''میں نے اعلیٰ حضرت نظام دکن کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبروں اور حیدرآباد کے لیڈروں کو جو مشورے دیے ہیں، وہ حیدرآباد میں بسنے والی تمام قوموں کے لیے یکساں مفید ہیں، اور ان سے نہ کسی ہندو کو نقصان پہنچ سکتا ہے، نہ اچھوت کو نہ عیسائی کو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں، مسلمان کسی قوم کے بھی جائز حق کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

12 جولائی 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی جائے رہائش پر حیدرآباد میں اخبارنویسوں سے ملاقات کی، پھر مسلم ڈاکٹروں سے ملاقات کی۔ڈاکٹروں نے تین ہزار روپے کا کیسۂ زر قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں پیش کیا۔

آپ نے نمازِ جمعہ مکہ مسجد میں ادا فرمائی۔نماز کے بعد آپ نے مختصر تقریر میں اتحاد و اتفاق کی تلقین فرمائی۔

انسائیکلوپیڈیا

جہانِ قائدؒ

تالیف

علامہ عبدالستار عاصم